فیوضات الرضویہ
فی
تشریحات الھدایہ
فقہ حنفی کی عظیم معرکۃ آلارا کتاب
کی جامع و مستند اردو شرح
المعروف بہ
شرح ھدایہ
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari
کِتَابُ
البیوع
تصنیف
امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی
ترجمہ و شرح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی
شبیر برادرز
اردو بازار ۰ لاہور

وہ جسے چاہے سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے

فقہ حنفی کی عظیم معرکۃ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الھدایہ

المعروف به

شرح ھدایہ

جلد دہم

کتاب البیوع

تصنیف

امام ابوالحسن علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی

ترجمہ و شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

استاذ الفقہ جامعہ شہابیہ اچھرہ لاہور

شبیر برادرز

زبیدہ سنٹر ۴۰، اردو بازار لاہور

فون: 042-37246006

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

باہتمام ملک شبیر حسین

سن اشاعت دسمبر 2012، المحرم الحرام 1434ھ

طابع اشتیاق اے مشتاق پرنٹر لاہور

کمپوزنگ ورڈز میکر

سرورق اے ایف ایس ایڈورٹائزر ز لاہور
0322-7202212

قیمت روپے

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کردی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

فَصْلٌ

بَابُ خِيَارِ الشَّرْطِ

مقدمہ رضویہ

الحمدُ للہ الذی جعل العلماء ورثۃ الأنبیاء، وخلاصۃ الأولیاء، الذین یدعو لھم ملائکۃُ السماء، والسَّمکُ فی الماء، والطیرُ فی الھواء. والصلاۃ والسلامُ الأتمّان الأعمّان علی زُبدۃِ خُلاصۃ الموجودات، وعُمدۃ سُلالۃ المشھودات، فی الأصفیاء الأزکیاء، وعلی آلہ الطیبینَ الأطھارِ الأتقیاء، وأصحابہ الأبرار نجومِ الاقتداء والاھتداء .اما بعد فیقول العبد الضعیف الی حرم ربہ الباری، محمد لیاقت علی الحنفی الرضوی البریلوی غفرلہ والوالدیہ، الساکن قریۃ سنتیکا من مضافات بھاولنگر .اعلم انَ الفقہ اساس من سائر العلوم الدینیۃ وامور الدنیاویۃ . احرر شرح الھدایہ باسم "فیوضات الرضویہ فی تشریحات الھدایہ" بتوفیق اللہ تعالی و بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ . ومن علوم فقھاء الصحابۃ والتابعین وائمۃ المجتھدین فی الامۃ المسلمۃ،(رضی اللہ عنھم)

کتاب بیوع سے حصول زہد کا بیان

فقہ حنفی کے مشہور امام، امام محمد شیبانی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا آپ نے فقہ کو مدون کیا اور اس پر کتابیں لکھی ہیں۔ کیا آپ نے زہد پر بھی کوئی کتاب لکھی ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے اس پر کتاب البیوع لکھی ہے۔

(المبسوط لامام السرخسی ص 110 ج 12/)

اس جواب سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ کتاب البیوع کے ذریعے حلال وحرام کے احکام لوگوں کو معلوم ہوں گے۔ جن سے لوگوں کی (معاملات لین دین کے وقت) دینداری کا پتہ چلے گا کون حلال کمانے کی کوشش کرتا ہے اور کون حرام صرف پھٹے پرانے کپڑے پہننے اور سوکھی روٹی کھانے کا نام تقوی نہیں اصل تقوی حرام سے اجتناب اور حلال رزق کو اختیار کرنا ہے۔

حلت وحرمت کے اظہار پر مشتبہ سے پرہیز کرنے کا بیان

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال بھی کھلا ہوا ہے اور حرام ظاہر ہے ان کے درمیان چند امور مشتبہ ہیں، چنانچہ جس نے اس چیز کو چھوڑ دیا جس کے گناہ ہونے کا شبہ ہو تو وہ اس کو بھی چھوڑ دے گا جو صاف گناہ ہے اور جس نے ایسے کام کرنے کی جرات کی جس کے گناہ ہونے کا شک ہو تو وہ کھلے ہوئے گناہ میں مبتلا

ہو جائے گا اور گناہ اللہ تعالیٰ کے چراگاہیں ہیں، جو شخص چراگاہ کے اردگرد جانور چرائے تو قریب ہے کہ اس چراگاہ میں داخل ہو جائے۔(صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 1940)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیر کے ساتھ شکار کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کی نوک کی طرف سے لگے تو اس کو کھاؤ اور جب اس کی چوڑائی کی طرف سے اس کو لگے تو نہ کھاؤ، وہ مردار ہے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! میں اپنا کتا چھوڑتا ہوں اور بسم اللہ کہتا ہوں پھر اس کے شکار پر ایک دوسرا کتا پاتا ہوں جس پر میں نے بسم اللہ نہیں کہی اور میں نہیں جانتا کہ ان میں سے کس نے پکڑا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مت کھاؤ! اس لئے کہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ کہی ہے دوسرے پر نہیں کہی۔(صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 1943)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جب آدمی اس کی پرواہ نہیں کرے گا حلال یا حرام کس ذریعے سے اس نے مال حاصل کیا ہے۔

(صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 1948)

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دیانت

ایک بار امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے پاس ایسا کپڑا بکنے کو آیا جس میں کوئی عیب تھا۔ وہ جب بھی فروخت کرتے، گاہک کو اس عیب سے باخبر کر دیتے۔ ان کے ساجھی حفص بن عبدالرحمان نے ان کی غیر موجودگی میں اسے بیچا تو عیب بتانا بھول گئے۔ انھیں معلوم ہوا تو حاصل ہونے والی تمام رقم فوراً صدقہ کر دی۔ ایک عورت کپڑا بیچنے کے لیے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے پاس آئی اور سو درہم قیمت مانگی۔ انھوں نے فرمایا، یہ کپڑا قیمتی ہے، اس کے دام زیادہ مل سکتے ہیں۔ اس نے دو سو درہم کہے۔ انھوں نے کہا، یہ اس سے بھی زیادہ قیمت والا ہے۔ بڑھاتے بڑھاتے پانسو درہم تک بات پہنچی اور امام صاحب نے کپڑا لے کر پانچ سو درہم اسے دے دیے۔ انھوں نے عورت کی لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر کم دام نہ دیے۔ ایک دفعہ ان کے ملازم نے ان کی غیر موجودگی میں چار سو درہم والا کپڑا ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ ابوحنیفہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور خود گاہک کی تلاش میں چل پڑے۔ پوچھتے پچھاتے کوفہ سے مدینہ جا پہنچے اور بڑے اصرار سے چھ سو درہم واپس کر دیے۔ ایک بڑھیا کپڑا لینے آئی تو کہا، میں غریب ہوں، مجھے محض اپنی قیمت خرید لے لیں۔ امام صاحب نے چار درہم مانگے تو وہ حیرت میں پڑ گئی اور کہا، اتنا کم، تنگ کر مجھ سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ انھوں نے کہا، میں نے اس طرح کے دو کپڑے لیے تھے۔ پہلا کپڑا بیچ کر راس المال وصول کر لیا ہے۔ چار درہم ہی کم پڑتے تھے، وہ تم دے دو۔ اسی طرح اپنے ایک دوست کو دس درہم کا کپڑا ایک درہم ہی میں بیچا اور کہا، میں اس کی قیمت اسی طرح کا دوسرا کپڑا منافع میں فروخت کر کے حاصل کر چکا ہوں۔ لوگ امام ابوحنیفہ کی دیانت پر بھروسا کرتے۔ اپنی امانتیں ان کے پاس رکھواتے تھے، وفات کے وقت ان کے پاس پانچ کروڑ دینار بطور امانت پڑے تھے۔

صاحب ہدایہ کا تقویٰ

ان حضرات کے خلوص کی یہ کیفیت تھی کہ ہدایہ کی تصنیف جب تک تمام نہیں ہوئی وہ برابر روزہ رکھتے تھے اور طرفہ یہ کہ کسی کو روزہ کی خبر نہیں ہوئی۔ خدا جانے کتنے سال میں ہدایہ لکھا ہوگا، برابر روزہ رکھنا اور کسی کو خبر نہیں ہونا کس قدر اخلاص کی بات ہے مردانہ مکان میں بیٹھ کر لکھتے تھے۔ لونڈی کھانا لاتی تھی اور رکھ کر چلی جاتی۔ اب کوئی مسافر آشنا سامنے سے گذرتا اس کو وہ کھانا دے دیتے لیکن چونکہ اپنے مخصوصین سے پردہ نہیں ہوتا اس لئے تحدیث با النعمة کے طور پر کبھی خاص (لوگوں) سے یہ قصہ ذکر فرمایا ہوگا اس لئے ہم تک منقول ہوا۔ اس خلوص کی برکت سے جن کو نور فہم عطا ہوا ہے ان کی تحقیق ہے کہ تنخواہ لینے میں مصلحتیں ہیں۔

فقہاءِ صحابہ کے درمیان اختلافِ رائے کے مختلف اسباب

☆ قرآن وحدیث کے کسی لفظ میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال، جیسے قرآن نے تین "قروٴ" کو عدت قرار دیا ہے "قرء" کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی؛ چنانچہ حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم نے اس سے حیض کا معنی مراد لیا اور حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما نے طہر کا معنی مراد لیا ہے۔

☆ بعض احادیث ایک صحابی تک پہنچی اور دوسرے تک نہیں پہنچی، جیسے جدہ کی میراث کے سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ آپ ﷺ نے اسے چھٹا حصہ دیا ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلم نے شہادت دی کہ حضور ﷺ نے دادی کو چھٹا حصہ دیا ہے؛ چنانچہ اسی پر فیصلہ ہوا۔

☆ بعض دفعہ حضور ﷺ کے کسی عمل کا مقصد ومنشاء متعین کرنے میں اختلاف رائے ہوتا تھا، جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ طواف میں رمل کا عمل آپ نے مشرکین کی تردید کے لیے فرمایا، جو کہتے تھے کہ مدینہ کے بخار نے مسلمانوں کو کمزور کر کے رکھ دیا ہے، یہ آپ کی مستقل سنت نہیں، دوسرے صحابہ اس کو مستقل قرار دیتے تھے، یا حج میں منی سے مکہ لوٹتے ہوئے وادی ابطح میں توقف، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہؓ سے سنت نہیں سمجھتے تھے اور اس کو حضور کا ایک طبعی فعل قرار دیتے تھے کہ اس کا مقصد آرام کرنا تھا؛ لیکن دوسرے صحابہؓ اسے سنت قرار دیتے تھے۔

جن مسائل میں کوئی نص موجود نہ ہوتی اور اجتہاد سے کام لیا جاتا، ان میں نقطہ نظر کا اختلاف پیدا ہوتا، مثلاً اگر کوئی مرد کسی عورت سے عدت کے درمیان نکاح کر لے، تو حضرت عمرؓ بطور سرزنش اس عورت کو ہمیشہ کے لیے اس مرد پر حرام قرار دیتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ دونوں میں تفریق کردی جائے اور سرزنش کی جائے؛ لیکن اس کی وجہ سے ان دونوں مرد وعورت کے درمیان دائمی حرمت پیدا نہیں ہوگی؛ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کا طریقہ یہ تھا کہ بیت المال میں جو کچھ آتا، اسے تمام مسلمانوں پر مساوی تقسیم فرماتے اور حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں برابر تقسیم کرنے کے بجائے لوگوں کے درجہ ومقام اور اسلام کے لیے ان کی خدمات کو سامنے رکھ کر تقسیم کرنا شروع کیا۔

☆ غور کیا جائے تو صحابہ کے درمیان اختلاف رائے کا ایک سبب ذوق اور طریقہ استنباط کا فرق بھی تھا۔ بعض صحابہ کرام نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر قناعت کی تھی، جیسے حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم حدیث کے مقصد و منشاء پر نظر رکھتے تھے اور قرآن مجید اور دین کے عمومی مزاج و مذاق کی کسوٹی پر بات پرکھنے کی کوشش کرتے تھے، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہم وغیرہ اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ چند مثالوں سے اس کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت قیس نے روایت کیا کہ طلاق بائنہ عدت میں نفقہ کی حق دار نہیں، نہ رہائش کی، حضرت عمر نے سنا تو اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں ایک عورت کی بات پر نہ معلوم کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی، کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال تھا کہ یہ فاطمہ بنت قیس کا وہم ہو سکتا ہے؛ کیونکہ قرآن (الطلاق:) میں مطلقہ کے لیے رہائش فراہم کرنے کی ہدایت موجود ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ مردہ کو اس کے لوگوں کے اس پر رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے، حضرت عائشہؓ نے اس پر نکیر فرمائی اور کہا کہ یہ قرآن کے حکم "ولا تزر وازرۃ وزر اخری" (فاطر:) یعنی "ایک شخص پر دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں ہوگا" کے خلاف ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ جنازہ کو اٹھانے والے پر وضو واجب ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سوال کیا کہ کیا سوکھی ہوئی لکڑیوں کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ پھر تو گرم پانی سے غسل کیا جائے تو اس سے بھی وضو واجب ہو جائے گا؟ اس طرح کی بہت سی مثالیں صحابہ کے درمیان باہمی مناقشات کی پائی جاتی ہیں، جن سے ظاہر ہے کہ مسائل شرعیہ کو اخذ کرنے کے سلسلہ میں دونوں طرح کا ذوق پایا جاتا تھا اور یہی ذوق بعد کو فقہاء مجتہدین تک منتقل ہوا اور اس کی وجہ سے الگ الگ دبستان فقہ وجود میں آئے۔

☆ اس عہد میں سب سے اہم کام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سرکاری طور پر قرآن مجید کی جمع و تدوین کا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں قرأت قریش پر مصحف قرآنی کی کتابت اور اس کی اشاعت کا ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں جمع احادیث کا داعیہ بھی پیدا ہوا؛ لیکن انھوں نے کافی غور و فکر اور تقریباً ایک ماہ استخارہ کرنے کے بعد اس کا ارادہ ترک کر دیا کہ کہیں یہ قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی اور بے التفاتی کا سبب نہ بن جائے۔ (تاریخ التشریع الاسلامی خضری)

☆ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ صحابہ سب کے سب فقیہ و مجتہد تھے؛ بلکہ ایک محدود تعداد ہی اس جانب متوجہ تھی: کیونکہ استعداد و صلاحیت کے فرق کے علاوہ دین کے بہت سے کام اور وقت کے بہت سے تقاضے تھے اور سب کے لیے افراد کار کی ضرورت تھی۔ علامہ ابن قیمؒ نے ان صحابہ کا ذکر کیا ہے، جن سے فتاویٰ منقول ہیں، مرد و خواتین کو ملا کر ان کی تعداد ۱۳۰ ہوتی ہے: پھر ان کے تین گروہ کئے ہیں، ایک وہ جن سے بہت زیادہ فتاویٰ منقول ہیں، ان کی تعداد سات ہے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ،

حضرت عائشہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، خلیفہ مامون کے پڑپوتے ابوبکر محمد نے صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کو جمع کیا تو ان کی بیس جلدیں ہوئیں۔

بیس صحابہ رضی اللہ عنہم متوسطین میں شمار کیے گئے ہیں، جن سے بہت زیادہ نہیں؛ لیکن مناسب تعداد میں فتاویٰ منقول ہیں اور بقول ابن قیم ان کے فتاویٰ کو ایک چھوٹے جزء میں جمع کیا جاسکتا ہے، حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت اُم سلمہ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ اسی گروہ میں ہیں، بقیہ صحابہ وہ ہیں جن سے ایک دو مسئلہ میں فتویٰ دینا منقول ہے، ان کی تعداد (۱۲۵) ہے؛ اسی گروہ میں حضرت حسن وحسین، سیدۃ النساء حضرت فاطمہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ، حضرت اُم حبیبہ، حضرت میمونہ، حضرت بلال، حضرت عبادہ اور حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔ (اعلام الموقعین)

اصاغر صحابہ کرام اور فقہاء تابعین رضی اللہ عنہم

یہ مرحلہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت سے شروع ہوتا ہے اور بنواُمیہ کی حکومت کے خاتمہ کے قریبی زمانہ تک کا احاطہ کرتا ہے، اس عہد میں بھی بنیادی طور پر اجتہاد واستنباط کا وہی منہج رہا جو صحابہ نے اختیار کیا تھا اس عہد کی چند خصوصیات قابل ذکر ہیں

☆ فقہاء صحابہ کسی ایک شہر میں مقیم نہیں رہے؛ بلکہ مختلف شہروں میں مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کا ورود ہوا، وہاں لوگوں نے ان سے استفادہ کیا اور اس شہر میں ان کی آراء اور فتاویٰ کو قبولیت حاصل ہوئی، مدینہ میں حضرت عبداللہ بن عمر، مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے تلامذہ مجاہد بن جبیرؒ، عطاء بن ابی رباح، طاؤس بن کیسان، کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے شاگردانِ باتوفیق، علقمہ نخعیؒ، اسود بن یزیدؒ اور ابراہیم نخعیؒ، بصرہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت انس بن مالکؓ اور ان کے شاگرد محمد بن سیرینؒ، شام میں حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ اور ان صحابہؓ سے استفادہ کرنے والے تابعین، ابوادریس خولانیؒ؛ اسی طرح مصر میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور ان کے بعد یزید بن حبیبؒ وغیرہ کے فتاویٰ کو قبول حاصل ہوا۔ (رضی اللہ عنہم) (اعلام الموقعین، الائمۃ الذین نشروالدین وفقہ)

☆ صحابہ اور فقہاءِ تابعین کے مختلف شہروں میں مقیم ہونے کی وجہ سے فقہی مسائل میں اختلاف کی بھی کثرت ہوئی؛ کیونکہ ایک تو خلافتِ راشدہ میں خاص کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک اہل علم یکجا تھے یا ایک دوسرے سے قریب واقع تھے، اس کی وجہ سے بہت سے مسائل میں اتفاق رائے ہوجاتا تھا، اب عالم اسلام کا دائرہ وسیع ہوجانے، دراز شہروں میں مقیم ہونے اور ذرائع ابلاغ کے مفقود ہونے کی وجہ سے اجتماعی اجتہاد کی جگہ انفرادی اجتہاد کا غلبہ تھا، دوسرے مختلف شہوروں کے حالات، رواجات، کاروباری طریقے اور لوگوں کے فکری وعملی رجحانات بھی مختلف تھے، اس اختلاف کا اثر مختلف شہروں میں بسنے والے فقہاء کے نقطۂ نظر پر بھی پڑتا تھا؛ اس لیے بمقابلہ گذشتہ ادوار کے، اس دور میں اختلاف رائے کی کثرت ملتی ہے۔

☆ یوں تو اکابرِ صحابہ میں بھی دونوں طرح کے فقہاء پائے جاتے تھے، ایک وہ جن کی نگاہ حدیث کے ظاہری الفاظ پر ہوتی تھی، دوسرے وہ جو معانی حدیث کے غواص تھے اور احکامِ شرعیہ میں شریعت کی مصالح اور لوگوں کے احوال کو بھی پیش نظر رکھتے تھے،

تابعین کے عہد میں یہ دونوں طریقہ اجتہاد اور ان کے طرز استنباط کا تفاوت زیادہ نمایاں ہوگیا، جو لوگ ظاہر حدیث پر قانع تھے وہ "اصحاب الحدیث" کہلائے اور جو نصوص اور ان کے مقاصد و مصالح کو سامنے رکھ کر رائے قائم کرتے تھے وہ "اصحاب الرائے" کہلائے، اصحاب الحدیث کا مرکز مدینہ تھا اور اصحاب الرعائے کا عراق اور خاص طور پر عراق کا شہر کوفہ، گو مدینہ میں بعض ایسے اہل علم موجود تھے، جو اصحاب الرائے کے طریقہ استنباط سے متاثر تھے، جیسے امام مالکؒ کے استاذ ربیعہ بن عبدالرحمٰن، جو اصحاب الرائے کے طرز استنباط میں ماہر ہونے سے "ربیعۃ الرای" کہلائے اور "رائی" ان کے نام کا جزو ٹھہرا؛ اسی طرح کوفہ میں امام عامر شراحیل شعبیؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ میں ہیں؛ لیکن ان کا منہج اصحاب الحدیث کا تھا۔ اصحاب الرائی اور اصحاب الحدیث کے درمیان دو اُمور میں نمایاں فرق تھا، ایک یہ کہ اصحاب الحدیث کسی حدیث کو قبول اور رد کرنے میں محض سند کی تحقیق کو کافی سمجھتے تھے اور خارجی وسائل سے کام نہیں لیتے تھے، اصحاب الرائے اُصولِ روایت کے ساتھ اُصولِ درایت کو بھی ملحوظ رکھتے تھے، وہ حدیث کو سند کے علاوہ اس طور پر بھی پرکھتے تھے کہ وہ قرآن کے مضمون سے ہم آہنگ ہے یا اس سے متعارض؟ دین کے مسلمہ اُصول اور مقاصد کے موافق ہے یا نہیں؟ دوسری مشہور حدیثوں سے متعارض تو نہیں ہے؟ صحابہ کا اس حدیث پر عمل تھا یا نہیں؟ اور نہیں تھا تو اس کے اسباب کیا ہوسکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اصحاب الرائی کا منہج زیادہ درست بھی تھا اور دشوار بھی؛ دوسرا فرق یہ تھا کہ اصحاب الحدیث ان مسائل سے آگے نہیں بڑھتے تھے جو حدیث میں مذکور ہوں؛ یہاں تک کہ بعض اوقات کوئی مسئلہ پیش آجاتا اور ان سے اس سلسلہ میں رائے دریافت کی جاتی؛ اگر حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہوتا تو وہ جواب دینے سے انکار کرجاتے اور لوگ ان رہنمائی سے محروم رہتے، ایک صاحب سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور ایک مسئلہ دریافت کیا؛ انھوں نے کہا کہ میں نے اس سلسلہ میں کوئی حدیث نہیں سنی، استفسار کرنے والے نے کہا کہ آپ اپنی رائے بتائیں؛ انھوں نے انکار کیا، اس نے دوبارہ استفسار کیا اور کہا کہ میں آپ کی رائے پر راضی ہوں، سالم نے کہا کہ اگر اپنی رائے بتاؤں تو ہوسکتا ہے کہ تم چلے جاؤ اس کے بعد میری رائے بدل جائے اور میں تم کو نہ پاؤں۔ (تاریخ الفقہ الاسلامی، للشیخ محمد علی السایس)

یہ واقعہ ایک طرف ان کے احتیاط کی دلیل ہے؛ لیکن سوال ہے کہ کیا ایسی احتیاط سے اُمت کی رہنمائی کا حق ادا ہوسکتا ہے؟ اصحاب الرائی نہ صرف یہ کہ جن مسائل میں نص موجود نہ ہوتی، ان میں مصالح شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اجتہاد کرتے؛ بلکہ جو مسائل ابھی وجود میں نہیں آئے؛ لیکن ان کے واقع ہونے کا امکان ہے، ان کے بارے میں بھی پیشگی تیاری کے طور پر غور کرتے اور اپنی رائے کا اظہار کرتے، اسی کو "فقہ تقدیری" کہتے ہیں، اصحاب حدیث اصحاب الرائی کے اس طرزِ عمل پر طعنہ دیتے تھے؛ لیکن آج اسی فقہ تقدیری کا نتیجہ ہے کہ نئے مسائل کو حل کرنے میں قدیم ترین فقہی ذخیرہ سے مدد مل رہی ہے۔ اس وضاحت سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اصحاب الرائی کا کام بمقابلہ اصحاب الحدیث کے زیادہ دُشوار تھا؛ اسی لیے متقدمین کے یہاں "اصحاب الرائی" میں سے ہونا ایک قابل تعریف بات تھی اور مدح سمجھی جاتی تھی، بعد کو جن لوگوں نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا؛ انھوں نے رائے سے مراد ایسی رائے کو سمجھا جو قرآن وحدیث کے مقابلہ خود رائی پر مبنی ہو، یہ کھلی ہوئی غلط فہمی اور ناسمجھی ہے۔ حجاز کا اصحاب

الحدیث کا مرکز بننا اور عراق کا اصحاب الرائی کا مرکز بننا کوئی اتفاقی امر نہیں تھا، اس کے چند بنیادی اسباب تھے، اوّل یہ کہ حجاز عرب تہذیب کا مرکز تھا، عرب اپنی سادہ زندگی کے لیے مشہور رہے ہیں، ان کی تہذیب میں بھی یہی سادگی رچی بسی تھی، عراق ہمیشہ سے دُنیا کی عظیم تہذیبوں کا مرکز رہا ہے اور زندگی میں تکلفات تعیشات اس تہذیب کا جزو تھا؛ پھر مسلمانوں کے زیرنگین آنے کے بعد یہ علاقہ عربی اور عجمی تہذیب کا سنگم بن گیا تھا؛ اس لیے بمقابلہ حجاز کے یہاں مسائل زیادہ پیدا ہوتے تھے اور دین کے عمومی مقاصد ومصالح کو سامنے رکھ کر اجتہاد سے کام لینا پڑتا تھا؛ یہاں کے فقہاء اگر علمائے اصحاب حدیث کی طرح منصوص مسائل کے آگے سوچنے کو تیار ہی نہ ہوتے تو آخر اُمت کی رہنمائی کا فرض کیوں کر ادا ہوتا؟۔

دوسرے دبستانِ حجاز پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہ کی چھاپ تھی، جن کا ذوق ظاہر نص پر قناعت کرنے کا تھا اور عراق کے استاذ اول حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے فقہاء تھے، جن پر اصحاب الرائی کے طریقہ اجتہاد کا غلبہ تھا، اس لیے دونوں جگہ بعد کے علماء پر ان صحابہؓ کے انداز فکر کی چھاپ گہری ہوتی چلی گئی۔ تیسرے اکثر فرقِ باطلہ کا مرکز عراق ہی تھا، یہ لوگ اپنی فکر کی اشاعت کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے، اس لیے علماء عراق تحقیق حدیث میں اُصول روایت کے ساتھ ساتھ اُصولِ درایت سے کام لیتے تھے، اس کے برخلاف علماء حجاز کو وضع حدیث کے اس فتنہ سے نسبتاً کم سابقہ تھا۔

☆ اسی دور میں فرقِ باطلہ کا ظہور ہوا اور سیاسی اختلاف نے آہستہ آہستہ مذہبی رنگ اختیار کرلیا، ایک طرف شیعانِ علی تھے جو اہل بیت کو ہی خلافت کا مستحق جانتے تھے اور چند صحابہ کو چھوڑ کر تمام ہی صحابہ کی تکفیر کیا کرتے تھے، دوسری طرف ناصبیہ تھے، جو اہل بیت پر بنواُمیہ کے ظلم وجور کو سند جواز عطا کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کو برا بھلا کہنے سے بھی نہیں چوکتے تھے؛ تاہم ناصبیہ کی تعداد بہت کم تھی اور انھیں کبھی کسی طبقہ میں قبول حاصل نہیں ہوا، تیسرا گروہ خوارج کا تھا، جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بعد کے تمام صحابہ کو قرار دیتا تھا، شیعہ اور خوارج کا مرکز عراق اور مشرق کا علاقہ تھا؛ حالانکہ اس اختلاف کی بنیاد سیاسی تھی؛ لیکن چونکہ لوگوں کے ذہن پر مذہب کی گرفت بہت مضبوط تھی، اس لیے جلد ہی اس اختلاف نے عقیدہ کی صورت اختیار کرلی اور اس کو تقویت پہنچانے کے لیے لوگوں نے روایتیں گھڑنی شروع کردیں؛ پس اسی دور سے وضع حدیث کا فتنہ بھی شروع ہوا۔

☆ عہد صحابہ میں اکثر لوگ وہ تھے؛ جنھوں نے حضور ﷺ کے عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؛ اس لیے روایت حدیث کی ضرورت کم پیش آتی تھی، اب چونکہ زیادہ تر صحابہ رخصت ہو چکے تھے اور دوسری طرف فرقِ باطلہ کے نمائندوں نے اپنی طرف سے حدیثیں گھڑنی شروع کر دی تھیں، اس لیے روایتِ حدیث کے سلسلہ میں بمقابلہ گذشتہ دور کے اضافہ ہو گیا۔

☆ البتہ اس دور میں حدیث یا فقہ کی باضابطہ تدوین عمل میں نہ آئی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس سلسلہ میں کوشش تو کی اور گورنر مدینہ ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم کو اس کام کی طرف متوجہ کیا؛ لیکن اس سے پہلے کہ ابن حزم اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرتے، خود

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات ہوگئی۔

☆ اس دور کے اہم فقہاء و ارباب افتاء کے نام اس طرح ہیں: مدینہ: اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، سعید بن مسیبؒ، عروہ بن زبیر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، امام زین العابدین علی بن حسین، عبداللہ بن مسعود، سالم بن عبداللہ بن عمر، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد بن ابوبکر، نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر، محمد بن مسلم ابن شہاب زہری، امام ابوجعفر محمد باقر، ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان، یحییٰ بن سعید انصاری، ربیعۃ الرائے رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مکہ: حضرت عبداللہ بن عباس، امام مجاہد، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح۔

کوفہ: علقمہ نخعی، مسروق، عبیدۃ بن عمرو سلمانی، اسود بن یزید نخعی، قاضی شریح، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، عامر بن شراحیل شعبی رحمہم اللہ۔

بصرہ: حضرت انس بن مالک انصاریؓ، ابوالعالیہ، رفیع بن مہران، حسن بن ابی الحسن یسار، ابوالشعثاء، جابر بن زید، محمد بن سیرین، قتادہ رحمہم اللہ۔

شام: عبدالرحمٰن بن غانم، ابوادریس خولانی، مکحول، قبیصہ بن ذویب، رجاء بن حیوہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ۔

مصر: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، مرثد بن عبداللہ بن الیزنی، یزید بن ابی حبیب رحمہم اللہ۔

یمن: طاؤس بن کیسان، وہب بن منبہ صنعانی، یحییٰ بن ابی کثیر۔ چوتھا مرحلہ اوائل دوسری صدی تا نصف چوتھی صدی تدوین فقہ کا چوتھا مرحلہ جو عباسی دور کی ابتداء سے شروع ہو کر چوتھی صدی ہجری کے وسط تک محیط ہے، نہایت اہم ہے اور اسے نہ صرف فقہ اسلامی بلکہ تمام ہی اسلامی و عربی علوم و فنون کا سنہرا دور کہہ سکتے ہیں، فقہ اور فقہ سے متعلق جو علوم ہیں ان کے علاوہ اسی عہد میں تفسیر قرآن کے فن کو کمال حاصل ہوا اور تفسیر طبری جیسی عظیم الشان تفسیر وجود میں آئی، جو آج تک کتبِ تفسیر کا نہایت اہم مرجع ہے؛ اسی عہد میں عربی زبان کے قواعد مرتب ہوئے؛ اسی دور میں عباسی خلفاء کی خواہش پر یونانی علوم، منطق اور فلسفہ وغیرہ عربی زبان میں منتقل کیا گیا اور اس کو بنیاد بنا کر مسلمان محققین نے بڑے بڑے سائنسی کارنامے انجام دیئے اور علم و تحقیق کی دنیا میں اپنی فتح مندی کے علم نصب کئے اور فقہ کے لیے تو یہ دور نہایت ہی اہم ہے۔

اسلامی نظام معاشیات کی ضرورت واہمیت

اسلامی معاشیات ایک ایسا مضمون ہے جس میں معاشیات کے اصولوں اور نظریات کا اسلامی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک اسلامی معاشرہ میں معیشت کس طرح چل سکتی ہے۔ موجودہ زمانے میں اس مضمون کے بنیادی موضوعات میں یہ بات شامل ہے کہ موجودہ معاشی قوتوں اور اداروں کو اسلامی اصولوں کے مطابق کس طرح چلایا جا سکتا ہے مثلاً بینکاری کو اسلامی بنیادوں پر کیسے ڈھالا جا سکتا ہے یا موجودہ نظام سود کو کیسے تبدیل کیا جائے جس سے سود کے بغیر ادارے کاروبار اور معیشت چلتی رہے۔ اسلامی معیشت کے بنیادی ستونوں میں زکوٰۃ، خمس، جزیہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس میں یہ تصور بھی موجود ہے کہ

اگر صارف (Consumer) یا پیداکار (Producer) اسلامی ذہن رکھتے ہوں تو ان کا بنیادی مقصد صرف اس دنیا میں منافع کمانا نہیں ہوگا بلکہ وہ اپنے فیصلوں اور رویوں میں آخرت کو بھی مدنظر رکھیں گے۔اس سے صارف اور پیداکار کا رویہ ایک دنیوی مغربی معاشرے کے رویوں سے مختلف ہوگا اور معاشی امکانات کے مختلف نتائج برآمد ہوں گے۔جس سے دنیا میں لوگوں کے فوائد اور آخرت میں اجر وثواب کا باعث ہوں گے۔

شرح ہدایہ کی جلد چہارم میں چونکہ کتاب بیوع کا بیان ہے لہذا اسلامی نظام معاشیات کے لئے ضروری ہے کہ ہدایہ میں بیان کردہ فقہی اصول وجزئیات جو شریعت اسلامیہ کی ترجمانی کرنے والی ہیں ان کا بغور مطالعہ کیا جائے اور انہیں سمجھ کر کسی بھی معاشرے، ملک یا ریاست میں نافذ کیا جائے جو یقینی طور پر اسلامی نظام معاشیات کی کامیابی کیلئے حجت ہے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسنت کی فقہ نصیب فرمائے اور اس کے اصولوں کے عین مطابق جدید پیدا ہونے والے مسائل کا حل تلاش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین،

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرمائے جو بیچنے میں خریدنے میں اور تقاضہ کرنے میں نرمی کرتا ہے۔(مشکوۃ شریف، جلد سوم، حدیث نمبر 33)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگو (یعنی گزشتہ امتوں میں) سے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ جب اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے کوئی نیک کام کیا ہو اس سے پھر کہا گیا کہ اچھی طرح سوچ لے اس نے کہا کہ مجھے قطعا یاد نہیں آرہا ہے ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میں دنیا میں جب لوگوں سے خرید وفروخت کے معاملات کیا کرتا تھا تو تقاضہ کے وقت یعنی مطالبات کی وصولی میں ان پر احسان کیا کرتا تھا بایں طور کہ مستطیع لوگوں کو تو مہلت دے دیتا تھا اور جو نادار ہوتے ان کو معاف کردیتا تھا (یعنی اپنے مطالبات کا کوئی حصہ یا پورا مطالبہ ان کے لئے معاف کردیتا تھا) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسی عمل سے خوش ہوکر اس کو جنت میں داخل کردیا (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 34)

اور مسلم کی ایک اور روایت میں جو عقبہ ابن عامر اور ابو مسعود انصاری نے اسی کے مثل (یعنی کچھ الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ) نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ جب اس شخص نے اپنا یہ عمل بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اسکا یعنی معاف کرنے کا حق تجھ سے زیادہ رکھتا ہے اور پر فرشتوں سے کہا کہ میرے اس بندے سے درگزر کرو۔

محمد لیاقت علی رضوی

چک سنتیکا بھلو لنگر

کتاب البیوع

﴿یہ کتاب خرید وفروخت کے بیان میں ہے﴾

کتاب بیوع کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ حقوق اللہ اور بندوں کے بعض حقوق کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے بقیہ حقوق کو بیان کرنا شروع کیا ہے اور کتاب بیوع کو کتاب الوقف کے بعد ذکر کرنے کا سبب اور مناسبت یہ ہے کہ یہ دونوں مالک کی ملکیت سے زوال کا سبب بنتی ہیں ۔لغت میں بیع تملیک المال بالمال کو کہتے ہیں کہ جبکہ شریعت میں "هُوَ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ بِالتَّرَاضِي بِطَرِيقِ الِاكْتِسَابِ. ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۸،ص ۳۶۸، بیروت)

اسلامی نقطہ نظر سے کائنات انسانی کی عملی زندگی کی دو محور ہیں اول حقوق اللہ کہ جسے عبادات کہتے ہیں اور دوم حقوق العباد کہ جسے معاملات کہا جاتا ہے یہی دو اصطلاحیں ہیں جو انسانی نظام حیات کے تمام اصول وقواعد وقوانین کی بنیاد ہیں۔

ان دونوں میں چونکہ حقوق اللہ کی عمومیت حاصل ہے کہ اس کا تعلق کائنات انسانی کے ہر فرد سے ہے اس لئے مصنف کتاب نے پہلے ان کو بیان کیا اب اس کے بعد حقوق العباد یعنی معاملات کا بیان شروع کیا ہے جس کا سب سے اہم جزو بیع ہے۔

بیوع بیع کی جمع ہے لغت میں مال دے کر کوئی چیز خریدنے کا نام بیع ہے۔شرعی اصطلاح میں بھی اس کے یہی معنی ہیں، لیکن اس میں باہمی رضامندی کی قید کا اضافہ ہے جمع اس لیے لائے ہیں کہ اس کی بہت سی اقسام وانواع ہیں۔

بیع کے معنی کا بیان

بیع کے معنی ہیں بیچنا یعنی فروخت کرنا لیکن کبھی اس کے معنی خریدنا بھی مراد ہوتے ہیں اس لئے بیع کا ترجمہ اصطلاحی طور پر خرید وفروخت کیا جاتا ہے۔

فخر الاسلام کا بیان ہے کہ اصطلاح شریعت میں آپس کی رضامندی سے مال کے ساتھ مال بدلنا بیع کہلاتا ہے، بیع کی شرعیت: بیع یعنی خرید وفروخت کا شرعی ہونا قرآن کریم کی اس آیت (وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا)2 ۔البقرة 275 :)

(اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے) اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جو (آگے آئیں گی) سے ثابت ہے۔

اصطلاح شرع میں بیع کے معنے یہ ہیں کہ دو شخصوں کا باہم مال کو مال سے ایک مخصوص صورت کے ساتھ تبادلہ کرنا۔بیع کبھی قول سے ہوتی ہے اور کبھی فعل سے۔اگر قول سے ہو تو اس کے ارکان ایجاب وقبول ہیں یعنی مثلاً ایک نے کہا میں نے بیچا دوسرے

نے کہا میں نے خریدا۔ اور فعل سے ہو تو چیز کا لے لینا اور دے دینا اس کے ارکان ہیں اور یہ فعل ایجاب وقبول کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ مثلاً ترکاری وغیرہ کی گڈیاں بنا کر اکثر بیچنے والے رکھ دیتے ہیں اور ظاہر کر دیتے ہیں کہ پیسہ پیسہ کی گڈی ہے خریدار آتا ہے ایک پیسہ ڈال دیتا ہے اور ایک گڈی اٹھا لیتا ہے طرفین باہم کوئی بات نہیں کرتے مگر دونوں کے فعل ایجاب وقبول کے قائم مقام شمار ہوتے ہیں اور اس قسم کی بیع کو بیع تعاطی کہتے ہیں۔ بیع کے طرفین میں سے ایک کو بائع اور دوسرے کو مشتری کہتے ہیں۔

بیع کی فقہی تعریف میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں کہ فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ لفظ بیع کی اصطلاح میں دو تعریفات ہیں۔ ایک تعریف وہ ہے جو تمام بیع کے افراد کو شامل ہے۔ جس میں بیع سلم وصرف وغیرہ سب شامل ہیں۔ جبکہ دوسری تعریف ان میں سے فرد واحد یعنی جو عام طور پر بیع کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ بیع کی خاص تعریف یہ ہے کہ اشیاء کا معاوضے کا معاملہ ہے۔

فقہاء شوافع کہتے ہیں کہ اصطلاح شرعیہ میں ایک مقرر قاعدہ کے مطابق مال کا مال کے بدلے میں لین دین کرنے کا نام بیع ہے۔ یعنی ایسا معاملہ جو دو چیزوں کے مابین ہوتا ہے۔

فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ بیع کا اصطلاحی معنی مبادلہ مال بہ مال یا پھر کسی جائز نفع کے بدلے میں جائز نفع کو ہمیشہ کیلئے تبدیل کرنے کا نام بیع ہے۔ جس میں سود یا قرض کا شائبہ بھی نہ ہو۔

فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ فقہاء کی اصطلاح میں بیع کا اطلاق دو معانی پر ہوتا ہے ایک معنی یہ ہے کہ سونے چاندی یا نقدی کے بدلے میں کسی معین چیز کو خریدا جائے اور جب بیع کا لفظ عام طور پر بولا جائے تو اس کا معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جبکہ دوسرا بیع کا معنی عام ہے جس کی بارہ اقسام ہیں۔ (جس میں بیع کی تمام اقسام کی تعریف شامل ہو جائے گی یعنی اس میں بیع کی تفصیلات کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ (مذاہب اربعہ، کتاب بیوع)

بیع کی اقسام کا بیان

بیع کی قسمیں: بیع یعنی خرید وفروخت میں بنیادی طور پر تین چیزیں ہوتی ہیں اول تو عقد بیع یعنی نفس معاملہ کہ ایک شخص کوئی چیز فروخت کرتا ہے اور دوسرا اسے خریدتا ہے دوم مبیع یعنی وہ چیز جس کو فروخت کیا جاتا ہے اور سوم ثمن یعنی قیمت ان تینوں کے اعتبار سے فقہی طور پر بیع کی کچھ قسمیں ہیں۔ چنانچہ نفس معاملہ اور اس کے حکم کہ بیع صحیح ہوئی یا نہیں۔ کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں ہیں

1 نافذ 2 موقوف 3 فاسد 4 باطل

بیع نافذ اس بیع کو کہتے ہیں کہ طرفین میں مال ہو یعنی بیچنے والے کے پاس بیع ہو خریدار کے پاس ثمن ہو اور عاقدین یعنی بیچنے والا اور خریدار دونوں عاقل ہوں نیز وہ دونوں بیع یا تو اصالۃً کریں یا وکالۃً اور ولایۃً جس بیع میں یہ تینوں چیزیں پائی جائیں گی وہ بیع بالکل صحیح اور نافذ ہوگی بیع موقوف اس بیع کو کہتے ہیں جس میں کوئی شخص کسی دوسرے کی چیز کو اس کی اجازت یا ولایت کے بغیر

فروخت کرے۔ اس بیع کا حکم یہ ہے کہ جب تک کہ اصل مالک کی اجازت ورضامندی حاصل نہ ہو جائے یہ بیع صحیح نہیں ہوتی۔ اجازت کے بعد صحیح ہو جاتی ہے بیع فاسد وہ بیع ہے جو باصلہ یعنی معاملہ کے اعتبار سے تو درست ہو مگر بوصفہ یعنی کسی خاص وجہ کی بناپر درست نہ ہو بیع باطل اس بیع کو کہتے ہیں جو نہ باصلہ درست ہو اور نہ بوصفہ بیع فاسد اور بیع باطل کی تفصیل اور ان کی مثالیں ان شاء اللہ باب المنهي عنها من البيوع میں ذکر کی جائیں گی۔مبیع یعنی فروخت کی جانے والی چیز کے اعتبار سے بھی مبیع کی چار قسمیں ہیں۔

1 مقائضہ 2 صرف 3 سلم 4 بیع مطلق

بیع مقائضہ یہ ہے کہ مبیع بھی مال اور ثمن بھی مال ہو مثلا ایک شخص کپڑا دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اس کو غلہ دے۔ گویا بیع کی یہ وہ صورت ہے جسے عرف عام میں تبادلہ مال کہا جاتا ہے۔ بیع صرف یہ ہے کہ نقد کا تبادلہ نقد سے کیا جائے مثلا ایک شخص ایک روپیہ کا نوٹ دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں ایک روپیہ کے پیسے دے یا ایک شخص اشرفی دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں اسے روپیہ دے گویا روپیہ بھنانا یا روپیہ کی ریزگاری لینا دینا بیع صرف کی ایک قسم ہے۔ بیع سلم یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار سے کسی چیز کی قیمت پیشگی لے لے اور یہ طے ہو جائے کہ خریدار یہ چیز اتنی مدت مثلا ایک دو مہینے کے بعد لے لے گا۔ بیع مطلق یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع نقد کے عوض کی جائے مثلا بیچنے والا ایک من گیہوں دے اور خریدار اس کی قیمت کے طور پر تیس روپے ادا کرے۔

ثمن یعنی قیمت کے اعتبار سے بیع کی چار قسمیں یہ ہے۔

1 مرابحہ 2 تولیت 3 ودیعت 4 مساومت

مرابحہ کی یہ صورت ہے کہ بیچنے والا مبیع کو اپنے خریدار سے نفع لے کر فروخت کرے تولیت کی یہ صورت ہے کہ بیچنے والا مبیع کو بلا نفع کے اس قیمت پر فروخت کرے جتنی قیمت میں اس نے خود خریدی ہو اور مساومت کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا اور خریدار آپس کی رضامندی سے کسی چیز کی خرید وفروخت چاہے جس قیمت پر کریں اور اس میں بیچنے والے کی قیمت خرید کا کوئی لحاظ نہ ہو۔

حلال وحرام کے واضح ہونے کا بیان

حضرت نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے حلال اور حرام واضح ہیں ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ ہیں جن سے بہت سے لوگ واقف نہیں ہیں جو شخص ان چیزوں سے بچ جائے گا وہ اپنی عزت اور دین کو محفوظ رکھے گا۔ جو شخص ان چیزوں میں مبتلا ہو جائے گا وہ حرام میں بھی مبتلا ہو جائے گا اس کی مثال اس چرواہے کی طرح ہے جو کسی چراگاہ کے آس پاس جانور چراتا رہے تو اس بات کا امکان رہے گا کہ وہ اس چراگاہ میں داخل ہو جائیگا۔ بے شک ہر بادشاہ کی مخصوص چراگاہ ہوتی ہے اور بے شک اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔ خبردار جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ ٹھیک رہے تو سارا جسم ٹھیک رہے گا اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جائے گا خبردار وہ دل ہے۔

(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 377)

ایجاب وقبول سے انعقاد بیع کا بیان

قَالَ (الْبَيْعُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ إِذَا كَانَا بِلَفْظَيْ الْمَاضِي) مِثْلَ أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمَا بِعْت وَالْآخَرُ اشْتَرَيْت ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ إنْشَاءُ تَصَرُّفٍ، وَالْإِنْشَاءُ يُعْرَفُ بِالشَّرْعِ وَالْمَوْضُوعُ لِلْإِخْبَارِ قَدْ اُسْتُعْمِلَ فِيهِ فَيَنْعَقِدُ بِهِ.

وَلَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظَيْنِ أَحَدُهُمَا لَفْظُ الْمُسْتَقْبَلِ وَالْآخَرُ لَفْظُ الْمَاضِي، بِخِلَافِ النِّكَاحِ، وَقَدْ مَرَّ الْفَرْقُ هُنَاكَ.

وَقَوْلُهُ رَضِيت بِكَذَا أَوْ أَعْطَيْتُك بِكَذَا أَوْ خُذْهُ بِكَذَا فِي مَعْنَى قَوْلِهِ بِعْت وَاشْتَرَيْت ؛ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي مَعْنَاهُ، وَالْمَعْنَى هُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي هَذِهِ الْعُقُودِ، وَلِهَذَا يَنْعَقِدُ بِالتَّعَاطِي فِي النَّفِيسِ وَالْخَسِيسِ هُوَ الصَّحِيحُ لِتَحَقُّقِ الْمُرَاضَاةِ.

ترجمہ

فرمایا: بیع منعقد ہو جاتی ہے جب دونوں صیغے ماضی کے ساتھ ہوں یعنی ان دونوں میں سے ایک کہے میں نے بیچا اور دوسرا کہے کہ میں خریدا کیونکہ بیع انشاء کا تصرف ہے۔اور انشاء کو شریعت سے پہچانا جاتا ہے۔جبکہ اس کو اخبار کیلئے وضع کیا گیا ہے پس وہ اسی میں استعمال ہوتا ہے۔لہذا اس میں بیع منعقد ہو جائے گی۔

اور ایسے دو الفاظ کے ساتھ بیع منعقد نہ ہوگی جن میں سے ایک استقبال کیلئے جبکہ دوسرا ماضی کیلئے استعمال ہوا ہے، جبکہ نکاح میں ایسا نہیں ہے اور یقیناً اس کا فرق وہاں گزر چکا ہے۔

اور قائل کا کہنا ''رَضِيت بِكَذَا أَوْ أَعْطَيْتُك بِكَذَا أَوْ خُذْهُ بِكَذَا'' بھی بعت اور اشتریت کے حکم میں ہے کیونکہ ان سے وہی معنی حاصل ہوتا ہے اور عقود میں بھی یہی حکم معتبر ہے۔اور اسی دلیل کے سبب بیع تعاطی خسیس ونفیس میں منعقد ہو جاتی ہے یہی صحیح ہے کیونکہ دونوں کی رضامندی ثابت ہوتی ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایجاب وقبول میں ایسے دو لفظ جو تملیک وتملک کا افادہ کرتے ہوں یعنی جن کا یہ مطلب ہو کہ چیز کا مالک دوسرے کو کر دیا یا دوسرے کی چیز کا مالک ہو گیا ان کو ایجاب وقبول کہتے ہیں ان میں سے پہلے کلام کو ایجاب کہتے ہیں اور اس کے مقابل میں بعد والے کلام کو قبول کہتے ہیں۔مثلاً بائع نے کہا میں نے یہ چیز اتنے دام میں بیچی مشتری نے کہا میں نے خریدی تو بائع کا کلام ایجاب ہے اور مشتری کا قبول اور اگر مشتری پہلے کہتا کہ میں نے یہ چیز اتنے میں خریدی تو یہ ایجاب ہوتا

اور بائع کا لفظ قبول کہلاتا۔

ایجاب وقبول کے الفاظ فارسی اُردو وغیرہ ہرزبان کے ہوسکتے ہیں۔ دونوں کے الفاظ ماضی ہوں جیسے خریدا بیچا یا دونوں حال ہوں جیسے خریدتا ہوں بیچتا ہوں یا ایک ماضی اور ایک حال ہو مثلاً ایک نے کہا بیچتا ہوں دوسرے نے کہا خریدا مستقبل کے صیغہ سے بیع نہیں ہوسکتی دونوں کے لفظ مستقبل کے ہوں یا ایک کا مثلاً خریدونگا بیچوں گا کہ مستقبل کا لفظ آئندہ عقد صادر کرنے کے ارادہ پر دلالت کرتا ہے فی الحال عقد کا اثبات نہیں کرتا۔ ایک نے امر کا صیغہ استعمال کیا جو حال پر دلالت کرتا ہے دوسرے نے ماضی کا مثلاً اُس نے کہا اس چیز کو اتنے پر لے دوسرے نے کہا میں نے لیا اقتضاء بیع صحیح ہوگئی کہ اب نہ بائع دینے سے انکار کرسکتا ہے نہ مشتری لینے سے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

بیع کیلئے صیغہ ماضی کو متعین کرنے کا بیان

علامہ عبداللہ بن محمد آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف نے صیغہ ماضی سے تعبیر کو بیان کیا ہے۔ جبکہ ماضی کے صیغے کی وضع بطور خبر کے ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مضارع کے صیغے کا اگر تعین کیا جائے تو اس میں حال اور استقبال دونوں زمانوں کا احتمال ہے۔ لہذا احتمال کی وجہ سے وہ ساقط ہوگیا۔ پس باقی ماضی کا صیغہ رہ گیا جس کو مصنف نے اختیار کرلیا ہے۔ اگر چہ اس کی تعبیر اخبار کیلئے ہے۔ لیکن ولالت صریحہ بھی اسی سے ملتی ہے۔ (مجمع الانہر، کتاب النکاح، بیروت)

بائع نے کہا میں نے یہ چیز بیچی مشتری نے کہا ہاں تو بیع نہ ہوئی اور اگر مشتری ایجاب کرتا اور بائع جواب میں ہاں کہتا تو صحیح ہوجاتی۔ استفہام کے جواب میں ہاں کہا تو بیع نہ ہوگی مگر جبکہ مشتری اُسی وقت ثمن ادا کردے کہ یہ ثمن ادا کرنا قبول ہے۔ مثلاً کہا کیا تم نے یہ چیز میرے ہاتھ اتنے میں بیع کی اُس نے کہا ہاں مشتری نے ثمن دیدیا بیع ہوگئی۔

خبر سے اقرار نکاح کے عدم اعتبار کا بیان

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ کسی مرد وعورت میں پہلے نکاح نہیں ہے اب انھوں نے بالاتفاق نکاح کا اقرار کرلیا تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے ثابت شدہ چیز کی خبر ہوتی ہے جبکہ اقرار سے قبل ان کا نکاح نہیں تھا، اس طرح خرید وفروخت کا معاملہ ہے کہ دوفریقوں نے بیع کا اقرار کیا حالانکہ پہلے بیع نہ تھی تو اس اقرار سے بیع منعقد نہ ہوگی۔

ایجاب وقبول میں عرف کے اعتبار کا بیان

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اگر چہ الفاظ ایجاب وقبول نہ پائے گئے کہ خرید کروں گا صیغہ استقبال ہے اور یہاں درکار ماضی یا حال، لیکن اگر متعارف ان بلاد وامصار یوں ہے کہ بعد گفتگوئے مساومت وقرارداد قیمت بیعانہ اور لینا مستلزم تمام بیع ٹھہرتا ہے اور بعد اس کے تنہا ایک عاقد عقد سے رجوع نہیں کرسکتا اگر چہ الفاظ ایجاب وقبول درمیان نہ آئے ہوں تو بیع تمام ہوگئی کہ مقصود ان عقود میں معنی ہیں نہ کہ لفظ، اور اصل مدار تراضی طرفین قولاً ظاہر ہو خواہ فعلاً، اس لیے تعاطی مثل ایجاب

وقبول لزوم بیع کا سبب قرار پائی، گویا عاقدین زبان سے کچھ نہ کہیں کہ عادت محکم ہے اور تعارف معتبر، اور جو حکم عرف پر مبنی ہوتا ہے اس کے ساتھ دائر رہتا ہے، جب یہ فعل مثل الفاظ مظہر تراضی ہوا تو انہیں کی طرح موجب تمام بیع ہوگا۔
(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۷، ص ۸۵، لاہور)

بیع تعاطی کا فقہی مفہوم

بیع تعاطی جو بغیر لفظی ایجاب وقبول کے محض چیز لے لینے اور دیدینے سے ہو جاتی ہے یہ صرف معمولی اشیا ساگ ترکاری وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ بیع ہر قسم کی چیز نفیس وخسیس سب میں ہو سکتی ہے اور جس طرح ایجاب وقبول سے بیع لازم ہو جاتی ہے یہاں بھی ثمن دیدینے اور چیز لے لینے کے بعد بیع لازم ہو جائے گی کہ بغیر دوسرے کی رضامندی کے رد کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ اگر ایک جانب سے تعاطی ہو مثلاً چیز کا دام طے ہو گیا اور مشتری چیز کو بائع کی رضامندی سے اُٹھا لے گیا اور دام نہ دیا یا مشتری نے بائع کو ثمن ادا کر دیا اور چیز بغیر لیے چلا گیا تو اس صورت میں بھی بیع لازم ہوتی ہے کہ اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی رد کرنا چاہے تو رد نہیں کر سکتا قاضی بیع کو لازم کر دے گا۔ دام طے کرنے کی وہاں ضرورت ہے کہ دام معلوم نہ ہو اور اگر معلوم ہو جیسے بازار میں روٹی بکتی ہے، عام طور پر ہر شخص کو نرخ معلوم ہے یا گوشت وغیرہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا ثمن لوگوں کو معلوم ہوتا ہے، ایسی چیزوں کے ثمن طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
(فتاویٰ شامی، کتاب بیوع، ج ۷، ص ۲۶)

قبولیت کے بغیر خرید وفروخت میں مذاہب اربعہ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا.(النساء ۲۹)

حضرت امام شافعی اس آیت سے استدلال کر کے فرماتے ہیں خرید وفروخت بغیر قبولیت کے صحیح نہیں ہوتی اس لئے کہ رضامندی کی پوری سند یہی ہے گو صرف لین دین کر لینا کبھی کبھی رضامندی پر پوری دلیل نہیں بن سکتا اور جمہور اس کے برخلاف ہیں، تینوں اور اماموں کا قول ہے کہ جس طرح زبانی بات چیت رضامندی کی دلیل ہے اسی طرح لین دین بھی رضامندی کی دلیل ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کم قیمت کی معمولی چیزوں میں تو صرف دینا لینا ہی کافی ہے اور اسی طرح بیوپار کا جو طریقہ بھی ہو لیکن صحیح مذہب میں احتیاطی نظر سے تو بات چیت میں قبولیت کا ہونا اور بات ہے۔

مجاہد فرماتے ہیں خرید وفروخت ہو یا بخشش ہو سب کے لئے حکم شامل ہے۔ ابن جریر کی مرفوع حدیث میں ہے تجارت ایک دوسرے کی رضامندی سے ہی لین دین کرنے کا نام ہے گویا کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو تجارت کے نام سے دھوکہ

[illegible] پوری رضامندی میں مجلس کے ختم ہونے تک کا اختیار بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں بائع و مشتری جب تک جدا نہ ہوں با اختیار ہیں۔

ایجاب وقبول کے قائم مقام فعل سے انعقاد بیع

حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے بائع کے وکیل سے کسی مال کا بھاؤ لگایا وکیل نے کہا میں پچیس دینار سے کم پر نہیں دوں گا مشتری نے کہا مجھے یہ تین دینار چھوڑ دے اس پر وکیل راضی ہو گیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا اور اس کے رضامند ہونے پر وہاں گواہ موجود تھے تو کیا بیع ہے، تو آپ نے جواب دیا محض اس قدر سے بیع نہیں ہوتی سوائے اس کے وہاں ایجاب وقبول یا اس کے قائم مقام کوئی فعل پایا جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

انعقاد بیع کے الفاظ میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں کہ فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ ایسے الفاظ کے ساتھ بیع ہو جاتی ہے جس سے بیع کی رضامندی پائی جائے۔ جیسے اس طرح کہنا کہ میں نے بیچ دیا، اور میں نے خرید لیا وغیرہ ہیں۔

فقہاء شوافع لکھتے ہیں کہ بیع ہر اس لفظ سے ہو جاتی ہے جس میں تملیک کا معنی پایا جائے۔ اور جس سے مقصد واضح ہو۔ اور اس کی دو اقسام ہیں ایک صریح ہے اور دوسری قسم کنایہ ہے۔

فقہاء حنابلہ لکھتے ہیں کہ ہر وہ لفظ جس سے بیع وشراء کا معنی نکلنے والا ہے اس کی ادائیگی کے سبب بیع ہو جائے گی پس اس کیلئے کوئی لفظ خاص نہیں ہے۔

فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ بیع منعقد ہو جاتی ہے جب دونوں صیغے ماضی کے ساتھ ہوں یعنی ان دونوں میں سے ایک کہے میں نے بیچا اور دوسرا کہے کہ میں خریدا کیونکہ بیع انشاء کا تصرف ہے۔ اور انشاء کو شریعت سے پہچانا جاتا ہے۔ جبکہ اس کو اخبار کیلئے وضع کیا گیا ہے پس وہ اسی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اس میں بیع منعقد ہو جائے گی۔

اور ایسے دو الفاظ کے ساتھ بیع منعقد نہ ہوگی جن میں سے ایک استقبال کیلئے جبکہ دوسرا ماضی کیلئے استعمال ہوا ہے، جبکہ نکاح میں ایسا نہیں ہے اور یقیناً اس کا فرق وہاں گزر چکا ہے۔

مشتری کیلئے مجلس ایجاب میں قبول ورد کرنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا أَوْجَبَ) أَحَـدُ الْـمُتَعَاقِدَيْنِ الْبَيْعَ فَالْآخَرُ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ قَبِلَ فِي الْمَجْلِسِ وَإِنْ شَاءَ رَدَّ، وَهَذَا خِيَارُ الْقَبُولِ ؛ لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَثْبُتْ لَهُ الْخِيَارُ يَلْزَمُهُ حُكْمُ الْبَيْعِ مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ، وَإِذَا لَـمْ يَفْسُـدْ لِـحُكْمٍ بِدُونِ قَبُولِ الْآخَرِ فَلِلْمُوجِبِ أَنْ يَرْجِعَ عَنْهُ قَبْلَ قَبُولِهِ لِخُلُوِّهِ عَـنْ إبْطَـالِ حَقِّ الْغَيْرِ، وَإِنَّمَا يَمْتَدُّ إلَى آخِرِ الْمَجْلِسِ ؛ لِأَنَّ الْمَجْلِسَ جَامِعٌ

الْمُتَفَرِّقَاتِ فَاعْتُبِرَتْ سَاعَاتُهُ سَاعَةً وَاحِدَةً دَفْعًا لِلْعُسْرِ وَتَحْقِيقًا لِلْيُسْرِ، وَالْكِتَابُ كَالْخِطَابِ، وَكَذَا الْإِرْسَالُ حَتَّى اُعْتُبِرَ مَجْلِسُ بُلُوغِ الْكِتَابِ وَأَدَاءِ الرِّسَالَةِ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَقْبَلَ فِي بَعْضِ الْمَبِيعِ وَلَا أَنْ يَقْبَلَ الْمُشْتَرِي بِبَعْضِ الثَّمَنِ لِعَدَمِ رِضَا الْآخَرِ بِتَفَرُّقِ الصَّفْقَةِ، إلَّا إذَا بَيَّنَ كُلَّ وَاحِدٍ ؛ لِأَنَّهُ صَفَقَاتٌ مَعْنًى .

قَالَ (وَأَيُّهُمَا قَامَ عَنْ الْمَجْلِسِ قَبْلَ الْقَبُولِ بَطَلَ الْإِيجَابُ ؛ لِأَنَّ الْقِيَامَ دَلِيلُ الْإِعْرَاضِ) وَالرُّجُوعِ، وَلَهُ ذَلِكَ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب دوعقد کرنے والوں میں سے ایک نے بیع کا ایجاب کر دیا تو دوسرے کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو مجلس ایجاب میں قبول کر لے اور اگر چاہے تو رد کر دے اور یہ خیار قبول کہلاتا ہے کیونکہ اگر دوسرے کیلئے یہ خیار ثابت نہ ہوگا تو اس کی رضامندی کے بغیر اس پر عقد کا حکم لازم ہوگا اور جب دوسرے عقد کرنے والے کے قبول کے بغیر اس ایجاب نے حکم کا فائدہ نہ دیا تو ایجاب کرنے والے کو اپنے ایجاب سے رجوع کا اختیار ہوگا کیونکہ اس رجوع میں دوسرے کے حق کا ابطال نہیں ہے اور خیار قبول انتہاء مجلس تک اس لیے دراز ہوتا ہے کہ مجلس متفرق چیزوں کو جمع کر دیتی ہے لہذا ازالہء عسر اور اثبات یسر کے پیش نظر مجلس کی تمام ساعتوں کو ایک ساعت مان لیا گیا ہے اور تحریر خطاب ہی کی طرح ہے اسی طرح ارسال بھی خطاب کی مثل ہے یہاں تک کہ خط پہنچنے اور پیغام پہنچانےکی مجلس کا اعتبار ہوگا اور بائع کو یہ اختیار نہیں ہے کہ بعض مبیع میں بیع قبول کرے اور نہ ہی مشتری کو بعض ثمن کے عوض قبول کا اختیا حاصل ہے کیونکہ معاملہ متفرق ہونے کی وجہ سے معدوم ہے مگر یہ کہ ہر ایک کا ثمن بیان کر دیا ہو اسلئے کہ معنی کے اعتبار سے یہ کئی معاملے ہیں۔اور عقد کرنے والوں میں سے جو بھی قبول کرنے سے پہلے مجلس سے کھڑا ہو جائے گا ایجاب باطل ہو جائے گا کیونکہ کھڑا ہونا اعراض اور رجوع کی دلیل ہے اور عقد کرنے والوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار حاصل ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

ایجاب وقبول کا ایک مجلس میں ہونا

مبیع کا موجود ہونا مال متقوم ہونا۔مملوک ہونا۔مقدور التسلیم ہونا ضرور ہے اور اگر بائع اُس چیز کو اپنے لیے بیچتا ہو تو اُس چیز کا ملک بائع میں ہونا ضروری ہے۔جو چیز موجود ہی نہ ہو بلکہ اس کے موجود نہ ہونے کا اندیشہ ہو اُس کی بیع نہیں مثلاً حمل یا تھن میں جو دودھ ہے اُس کی بیع ناجائز ہے کہ ہوسکتا ہے جانور کا پیٹ پھولا ہے اور اُس میں بچہ نہ ہو اور تھن میں دودھ نہ ہو۔پھل نمودار ہونے سے پہلے بیچ نہیں سکتے۔اسی طرح خون اور مُردار کی بیع نہیں ہوسکتی کہ یہ مال نہیں اور مسلمان کے حق میں شراب وخنزیر کی بیع نہیں ہوسکتی کہ مال متقوم نہیں۔زمین میں جو گھاس لگی ہوئی ہے اُس کی بیع نہیں ہوسکتی اگرچہ زمین اپنی ملک ہو کہ وہ گھاس مملوک نہیں۔اسی طرح نہر یا کوئیں کا پانی، جنگل کی لکڑی اور شکار کہ جب تک ان کو قبضہ میں نہ کیا جائے مملوک نہیں۔

بیع موقت نہ ہو اگر موقت ہے مثلاً اتنے دنوں کے لیے بیچا تو یہ بیع صحیح نہیں۔ مبیع وثمن دونوں اس طرح معلوم ہوں کہ نزاع پیدا نہ ہو سکے۔ اگر مجہول ہوں کہ نزاع ہو سکتی ہو تو بیع صحیح نہیں۔

خیار قبول کا فقہی بیان

اور عاقدین میں سے جب ایک نے ایجاب کیا تو دوسرے کو اختیار ہے کہ مجلس میں قبول کرے یا رد کردے اس کا نام خیار قبول ہے۔ خیار قبول میں وراثت نہیں جاری ہوتی مثلاً یہ مرجائے تو اس کے وارث کو قبول کرنے کا حق خیار قبول آخر مجلس تک رہتا ہے مجلس بدل جانے کے بعد جاتا رہتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ایجاب کرنے والا زندہ ہو یعنی اگر ایجاب کے بعد قبول سے پہلے مرگیا تو اب قبول کرنے کا حق نہ رہا کیونکہ ایجاب ہی باطل ہو گیا قبول کس چیز کو کریگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

دونوں میں سے کوئی بھی اُس مجلس سے اُٹھ جائے یا بیع کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہوجائے تو ایجاب باطل ہوجاتا ہے۔ قبول کرنے سے پہلے موجب کو اختیار ہے کہ ایجاب کو واپس کرلے قبول کے بعد واپس نہیں لے سکتا کہ دوسرے کا حق متعلق ہو چکا واپس لینے میں اُس کا ابطال ہوتا ہے۔ ایجاب کو واپس لینے میں یہ ضرور ہے کہ دوسرے نے اس کو سنا ہو، مثلاً بائع نے کہا میں نے اس کو بیچا پھر اپنا ایجاب واپس لیا مگر اس کو مشتری نے نہیں سُنا اور قبول کرلیا تو بیع صحیح ہوگئی اور اگر موجب کا ایجاب واپس لینا اور دوسرے کا قبول کرنا یہ دونوں ایک ساتھ پائے جائیں تو واپسی درست ہے اور بیع نہیں ہوئی۔

مجلس میں رہنے تک خیار بیع میں مذاہب اربعہ

جس کو خیار مجلس کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک مجلس میں تاجر وخریدار کے درمیان خرید وفروخت کا کوئی معاملہ طے ہوجانے کے بعد اس مجلس کے ختم ہونے تک تاجر اور خریدار دونوں کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس معاملہ کو ختم کرسکتا ہے مجلس ختم ہونے کے بعد یہ اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں رہتا لیکن خیار کی اس قسم میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعی اور بعض دوسرے علماء اس خیار کے قائل ہیں جبکہ حضرت امام ابوحنیفہ اور دوسرے علماء اس کے قائل نہیں ہیں یہ حضرات کہتے ہیں کہ جب بیع کا ایجاب وقبول ہوگیا یعنی معاملہ تکمیل پا گیا تو اب کسی کو بھی اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا اور یہ کہ معاملہ کے وقت خیار کی شرط طے پا گئی ہو جسے خیار شرط کہتے ہیں اور جس کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے تین دن کے بعد خیار شرط کی صورت بھی ختم ہوجاتی ہے۔

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ خرید وفروخت پوری ہو چلنے کے بعد گو اب تک خریدا اور بیچنے والے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں تاہم واپس لوٹانے کا اختیار نہیں وہ اپنی دلیل اس آیت کو بتلاتے ہیں۔ "امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی مذہب ہے، لیکن امام شافعی اور امام احمد اس کے خلاف ہیں اور جمہور علماء کرام بھی اس کے مخالف ہیں، اور دلیل میں وہ صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری مسلم میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "خرید وفروخت کرنے والوں کو

سودے سے واپس لینے دینے کا اختیار ہے جب تک کہ جدا جدا نہ ہو جائیں " صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ جب دو شخصوں نے خرید وفروخت کر لی تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونے تک اختیار باقی ہے۔ یہ حدیث صاف اور صریح ہے کہ یہ اختیار خرید وفروخت پورے ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ ہاں اسے بیع کے لازم ہو جانے کے خلاف نہ سمجھا جائے بلکہ یہ شرعی طور پر اسی کا مقتضی ہے، پس اسے نبھانا بھی اسی آیت کے ماتحت ضروری ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، مائدہ،۱)

محمود الحسن دیوبندی فرماتے ہیں۔

والحق والانصاف ان الترجیح للشافعی فی هذه المسالة ونحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفة .

کہ حق اور انصاف یہ ہے کہ خیار مجلس کے مسئلہ میں امام شافعی کو ترجیح حاصل ہے لیکن ہم مقلد ہیں ہم پر امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے۔ (تقریر ترمذی، جلد 1 ،صفحہ (49)

راجح ومرجوع میں وسعت کا بیان

دیوبندی اپنے شیخ کو بچاتے ہوئے اس کی توجیہ یوں بیان کرتے ہیں۔ راجح اور مرجوح کے مسائل میں بہت گنجائش ہوتی ہے۔ جہاں انسان کو اختیار مل سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وقت انتقال خلیفہ کی نامزدگی کے بارے میں کہا تھا کہ اگر کسی کو متعین نہ کروں تو اس بارے میں رسول پاک کا طرز عمل موجود ہے اور اگر کسی کو متعین کر دوں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل موجود ہے۔ یہ مسئلہ اختیاری تھا انہوں نے اختیار سے کام لیا اور بتایا کہ اس کی گنجائش موجود ہے اگر چہ بہتر اور صحیح طرز عمل تو وہی ہوگا جو رسول پاک ﷺ نے کیا ہے۔

کیا خوب ہوا کہ مولوی محمود الحسن دیوبندی صاحب اصحاب ترجیح میں اپنے آپ شامل کرنے لگے ہیں۔ نہ جانے فقہاء کے کون سے درجے میں رہتے ہیں اور کس درجے کا دعویٰ عملی طور پر کر دیکھایا ہے؟

خیار مجلس میں فقہ حنفی کی ترجیح کا بیان

حدثنا قتیبة حدثنا اللیث عن نافع عن ابن عمر رضی الله عنهما عن رسول الله صلی الله علیه وسلم أنه قال إذا تبایع الرجلان فكل واحد منهما بالخیار ما لم یتفرقا وكانا جمیعا أو یخیر أحدهما الآخر فتبایعا علی ذلك فقد وجب البیع وإن تفرقا بعد أن یتبایعا ولم یترك واحد منهما البیع فقد وجب البیع .

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو آدمی خرید وفروخت کریں تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہے جب تک کہ دونوں یکجا ہوں اور جدا نہ ہو جائیں یا ان میں سے ایک دوسرے کو اختیار دیا اور اس شرط پر

بیع کا معاملہ کرلیا تو بیع واجب ہوگئی اور اگر بیع کرنے کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور ان میں سے کسی نے بیع کا انکار نہ کیا تو بیع جائز ہوگئی۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر، 2000، حدیث مرفوع)

اس حدیث میں بطور عطف کے الفاظ''او یخیر احدهما الآخر ''پر غور کریں جس سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب کی دلیل ہے۔ کم عقل غیر مقلدین کو ہوش کرنی چاہیے کہ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب حدیث کے خلاف بتاتے ہیں حالانکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب حدیث کے مطابق ہے۔ (رضوی غفرلہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو خرید وفروخت کا معاملہ ہو جانے کے بعد دوسرے فریق کی رضامندی سے اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار دیدیا تھا ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوۃ: جلد سوم: حدیث نمبر 43)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیچنے والا خریدنے والا دونوں میں سے ہر ایک اپنے دوسرے صاحب معاملہ پر اس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ چاہے تو وہ خرید وفروخت کے معاملے کو باقی رکھے اور چاہے تو ختم کردے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں یعنی جس مجلس میں وہ معاملہ طے پایا ہوگا جب وہ ختم ہو جائے گی بایں طور کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں رہے گا ہاں بیع خیار اس سے مستثنی ہے یعنی بیع میں خریدار نے اس اختیار کی شرط طے کرلی ہوگی کہ اگر میں چاہوں تو اس خریدی ہوئی چیز کو رکھوں گا اور اگر نہ چاہوں گا تو واپس کردوں گا اس بیع میں ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے۔

(بخاری مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 41)

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب بیچنے والا اور خریدنے والا خرید وفروخت کا کوئی معاملہ کریں تو ان میں سے ہر ایک کو معاملے کو باقی رکھنے یا فسخ کردینے کا اختیار حاصل ہوگا جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں یا یہ کہ ان کی خرید وفروخت کا معاملہ بشرط خیار ہو چنانچہ اگر وہ خیار شرط کے ساتھ کوئی تجارتی معاملہ کریں گے تو اس صورت میں (جدائی کے بعد بھی) اختیار کا حق حاصل رہے گا۔

ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں انہیں اختیار حاصل ہے مگر جب کہ وہ اپنے تجارتی معاملے میں خیار کی شرط طے کریں (یعنی اگر وہ اپنا تجارتی معاملہ مذکورہ بالا خیار شرط کے ساتھ طے کریں گے تو انہیں جدائی کے بعد بھی اختیار حاصل رہے گا۔ لیکن بخاری ومسلم کی ایک روایت میں ترمذی کی اس روایت کے آخری الفاظ (او یختار (مگر جب کہ وہ خیار کی شرط تے ریں) کی بجائے یہ الفاظ ہیں کہ مگر جب کہ ان دونوں میں سے ایک اپنے دوسرے صاحب معاملہ سے یہ کہہ دے کہ اختیار کی شرط طے کرلو، اور وہ دوسرا کہہ دے کہ مجھے یہ منظور ہے۔

اس حدیث سے بظاہر خیار مجلس کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن جو حضرات خیار مجلس کے قائل نہیں ہیں جیسے امام ابو حنیفہ وہ یہ کہتے

ہیں کہ حدیث میں ایک دوسرے سے جدا ہونے کا مطلب مجلس کا ختم ہو جانا نہیں ہے بلکہ جدا ہونے سے مراد دونوں کی اس تجارتی معاملے کی گفتگو کا پایہ تکمیل کو پہنچ کر منقطع ہو جانا ہے یعنی جب تک کہ وہ دونوں اس معاملے سے متعلق گفتگو کر رہے ہوں اور ایجاب وقبول پورا نہیں ہوا ہو اس وقت تک ان میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو زیر گفتگو معاملہ کو فسخ کر دے چاہے اسے باقی رکھے لیکن جب ایجاب وقبول پورا ہو جائے گا یعنی بیچنے والا جب کہہ دے کہ میں نے یہ چیز تمہیں فروخت کر دی اور خریدنے والا جب کہہ دے کہ میں نے یہ چیز خرید لی تو اب اس کے بعد ان میں سے کسی کو بھی اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا ان حضرات نے جدا ہونے کے یہ معنی مراد لینے کے سلسلے میں اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

(وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِنْ سَعَتِهِ) (النساء 130)

اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان میں سے ہر ایک کو بے پرواہ کر دے گا

چنانچہ اس آیت میں جدا ہونے کا مطلب مجلس سے جدا ہونا نہیں ہے بلکہ خاوند و بیوی کے درمیان طلاق کے ذریعے جدائی مراد ہے۔

حضرت حکیم ابن حزام کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں کو اپنے تجارتی معاملہ کو باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار حاصل رہتا ہے لیکن یہ اختیار اس وقت تک حاصل رہتا ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں اور یاد رکھو جب بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں (فروخت کی جانیوالی چیز اور اس کی تعریف میں سچ بولتے ہیں اور اس چیز و قیمت میں جو عیب ونقصان ہوتا ہے اس کو ظاہر کر دیتے ہیں تاکہ کسی دھوکہ اور فریب کا دخل نہ رہے تو ان کے تجارتی معاملے میں برکت عطا کی جاتی ہے اور جب وہ عیب چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو ان کی خرید وفروخت میں برکت ختم کر دی جاتی ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں اس وقت تک بیع کو باقی رکھنے یا اس کو فسخ کر دینے کا اختیار رکھتے ہیں جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں مگر جب کہ ان کی بیع بشرط خیار ہو تو اس میں جدائی کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے اور ان دونوں میں سے کسی کے لئے از روئے تقوی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ معاملہ کرتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اس خوف سے کہ مبادا دوسرا فریق معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار مانگ لے (یعنی جب تک کسی معاملے میں دونوں فریق پوری طرح مطمئن نہ ہو جائیں ایجاب وقبول میں ان میں سے کوئی شخص اس لئے جلد بازی نہ کرے کہ مبادا فریق ثانی معاملے کو فسخ کر دے یا معاملہ طے کرتے ہی ان میں سے کوئی شخص اس وجہ سے نہ بھاگ کھڑا ہو کہ کہیں دوسرا فریق بیع کو فسخ کرنے کے اختیار کی شرط نہ چاہنے لگے (... ونسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 42)

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں آپس کی رضامندی کے بغیر جدا نہ ہوں (ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ دونوں صاحب معاملہ کوئی تجارتی معاملہ طے کرنے کے بعد اس وقت تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں

جب تک کہ قیمت کی ادائیگی اور خریدکردہ چیز کی حوالگی دونوں میں برضا ورغبت طے نہ پاجائے یا عمل میں نہ آجائے کیونکہ اس کے بغیر ایک دوسرے کو نقصان وتکلیف پہنچنے کا احتمال رہے گا جو شریعت میں ممنوع ہے یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ جب معاملہ طے ہو جائے اور دونوں صاحب معاملہ میں سے کوئی ایک وہاں سے اٹھ کھڑے ہونے کا ارادہ کرے تو وہ دوسرے فریق سے پہلے یہ پوچھ لے کہ اب تمہیں کوئی اشکال واعتراض تو نہیں ہے اور کیا اس معاملے پر تم راضی ہو اس کے بعد اگر وہ دوسرا فریق معاملے کو فسخ کرنا چاہے تو وہ بھی معاملے کو فسخ کر دے اور اگر وہ معاملے کی برقراری پر رضامند ہو تو پھر تکمیل کے بعد اس سے الگ ہو اس صورت میں یہ حدیث معنی کے اعتبار سے پہلی حدیث کے موافق ہوگی نیز یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے کیونکہ اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر جدا ہونا حلال ہے۔

افتراق متعاقدین سے مراد جسمانی ہونے میں مذاہب اربعہ

حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فروخت کرنے والے خریدنے والے کو جدا ہونے تک اختیار ہے پس اگر ان لوگوں نے بیع میں سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تو ان کی بیع میں برکت دے دی گئی لیکن اگر انہوں نے جھوٹ کا سہارا لیا تو اس بیع سے برکت اٹھالی گئی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت ابوبرزہ، عبداللہ بن عمرو، سمرہ، ابوہریرہ، اور ابن عباس سے بھی روایت ہے کہ حضرت ابن عمر کی حدیث بھی حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے۔

امام شافعی، احمد، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے کہ جدائی سے مراد جسموں کی جدائی ہے نہ بات کی۔ بعض اہل علم نے اسے کلام کے اختتام پر محمول کیا ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے اس لیے کہ نبی کریم سے نقل کرنے والے راوی وہ خود ہیں اور وہ اپنی نقل کی ہوئی حدیث کو سب سے زیادہ سمجھتے ہیں ابن عمر سے ہی منقول ہے کہ وہ بیع کا ارادہ کرتے تو اٹھ کر چل دیتے تاکہ اختیار باقی نہ رہے حضرت ابوبرزہ اسلمی سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ ان کے پاس دو شخص ایک گھوڑے کی خرید وفروخت کے متعلق فیصلہ کرانے کے لیے حاضر ہوئے جس کی بیع کشتی میں ہوئی تھی تو ابوبرزہ نے فرمایا تمہیں اختیار ہے اس لیے کہ کشتی میں سفر کرنے والے جدا نہیں ہوسکتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جدائی کو اختیار کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ بعض اہل علم کا مسلک یہی ہے کہ اس سے مراد افتراق بالکلام ہے۔

اہل کوفہ، ثوری، اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے ابن مبارک کہتے ہیں کہ جسموں کے افتراق کا مذہب زیادہ قوی ہے کیونکہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح حدیث منقول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے معنی یہ ہیں کہ فروخت کرنے والا خریدنے والے کو اختیار دے لیکن اگر اس اختیار دینے کے بعد خریدنے والے نے بیع کو اختیار کرلیا تو پھر خریدنے والے کا اختیار ختم ہوگیا خواہ جدا ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں امام شافعی اور کئی اہل علم حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث کی یہی تفسیر کرتے ہیں کہ اس سے مراد افتراق ابدان (یعنی جسموں کا جدا ہونا ہے)۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1263)

ایجاب وقبول کے حصول سے لزوم بیع کا بیان

وَإِذَا حَصَلَ الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ لَزِمَ الْبَيْعُ وَلَا خِيَارَ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا إلَّا مِنْ عَيْبٍ أَوْ عَدَمِ رُؤْيَةٍ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَثْبُتُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا خِيَارُ الْمَجْلِسِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(الْمُتَبَايِعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا) " وَلَنَا أَنَّ فِي الْفَسْخِ إبْطَالُ حَقِّ الْآخَرِ فَلَا يَجُوزُ .وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى خِيَارِ الْقَبُولِ .

وَفِيهِ إشَارَةٌ إلَيْهِ فَإِنَّهُمَا مُتَبَايِعَانِ حَالَةَ الْمُبَاشَرَةِ لَا بَعْدَهَا أَوْ يَحْتَمِلُهُ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ، وَالتَّفَرُّقُ فِيهِ تَفَرُّقُ الْأَقْوَالِ .

ترجمہ

اور جب ایجاب اور قبول حاصل ہو گیا تو بیع لازم ہوگئی اور عیب یا عدم رویت کے علاوہ عقد کرنے والوں میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں ملے گا۔امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ خیار مجلس دونوں کیلئے ثابت ہو جائے گا اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جدا ہو نے سے پہلے عقد کرنے والوں میں سے ہر ایک اختیار ملے گا ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد فسق کرنے میں دوسرے کے حق کا ابطال ہے لہذا یہ جائز نہیں ہے اور حدیث خیار قبول پر محمول ہے اور حدیث میں خیار قبول ہی کی طرف اشارہ بھی ہے کیونکہ عقد کرنے والے بحالت مباشرت عقد ہی متبایعان ہیں نہ کہ اس کے بعد یا حدیث میں خیار قبول کا احتمال ہے لہذا اس پر محمول کیا جائے گا اور حدیث میں تفرق سے تفرق اقوال مراد ہے۔

فیصلہ بیع سے انعقاد بیع کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب دو شخصوں نے خرید وفروخت کی تو جب تک وہ دونوں جدا نہ ہو جائیں، انہیں (بیع کو توڑ دینے کا) اختیار باقی رہتا ہے۔ یہ اس صورت میں کہ دونوں ایک ہی جگہ رہیں، لیکن اگر ایک نے دوسرے کو پسند کرنے کے لیے کہا اور اس شرط پر بیع ہوئی، اور دونوں نے بیع کا قطعی فیصلہ کر لیا، تو بیع اسی وقت منعقد ہو جائے گی۔اسی طرح اگر دونوں فریق بیع کے بعد ایک دوسرے سے جدا ہو گئے، اور بیع سے کسی فریق نے بھی انکار نہیں کیا، تو بھی بیع لازم ہو جاتی ہے۔(صحیح بخاری، رقم الحدیث ۲۱۱۲)

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خریدنے اور بیچنے والے جب تک ایک دوسرے سے الگ الگ نہ ہو جائیں انھیں اختیار باقی رہتا ہے۔اب اگر دونوں نے سچائی اختیار کی اور ہر بات صاف صاف بیان اور واضح کر دی، تو ان کی خرید وفروخت میں برکت ہوتی ہے۔لیکن اگر انہوں نے کوئی بات چھپائی یا جھوٹ بولا تو ان کی خرید و

فروخت میں سے برکت مٹادی جاتی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خریدنے اور بیچنے والے دونوں کو اس وقت تک اختیار ہوتا ہے، جب تک وہ ایک دوسرے سے جدانہ ہوں۔ مگر بیع خیار میں۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 2111)

یعنی جب بائع بیع کے بعد مشتری کو اختیار دے اور وہ کہے میں بیع کو نافذ کرتا ہوں اور وہ بیع اس سے الگ ہے جس میں اختیار کی شرط پہلے ہی لگادی گئی ہو یعنی جہاں معاملہ ہوا ہے وہاں سے سرک نہ جائیں۔ اگر وہیں رہیں یا دونوں مل کر میلوں چلتے رہیں تو اختیار باقی رہے گا، گو تین دن سے زیادہ مدت گزر جائے،

امام نووی نے اسی مطلب کی ترجیح پر اتفاق ظاہر کیا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی پر یقین کیا ہے۔ بعضوں نے یہ معنی کئے ہیں مگر اس بیع میں جس میں اختیار کی شرط ہو، یعنی وہاں سے جدا ہونے سے اختیار باطل نہ ہوگا بلکہ مدت مقررہ تک اختیار رہے گا۔

ایجاب وقبول سے لزوم وعدم لزوم بیع میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب ایجاب اور قبول حاصل ہوگیا تو بیع لازم ہوگئی اور عیب یا عدم رویت کے علاوہ عقد کرنے والوں میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں ملے گا یہ احناف اور امام مالک علیہ الرحمہ کا مذہب ہے جبکہ امام شافعی اور امام احمد علیہما الرحمہ کا مذہب یہ ہے۔ کہ خیار مجلس دونوں کیلئے ثابت ہوجائے گا۔ (دلائل مذکورہ عبارت شرح میں ملاحظہ کرلیں)۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۴، ص ۱۹۴، بیروت)

بعض فقہاء نے کہا ہے کہ صرف ایجاب وقبول یعنی عقد سے بیع لازم نہیں ہوجاتی اور جب تک بائع اور مشتری مجلس عقد سے جدا نہ ہوں دونوں کو اختیار رہتا ہے کہ بیع فسخ کرڈالیں۔ سعید بن مسیب، زہری، ابن ابی ذئب، حسن بصری، اوزاعی، ابن جریج، شافعی، مالک، احمد، اور اکثر علماء یہی کہتے ہیں۔ ابن حزم نے کہا کہ تابعین میں سے سوائے ابراہیم نخعی کے اور کوئی اس کا مخالف نہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف امام نخعی کا قول اختیار کیا ہے۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے نکالا جو اوپر نافع سے گزرا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کوئی چیز ایسی خریدتے جوان کو پسند ہوتی، تو بائع سے جدا ہوجاتے۔ ترمذی نے روایت کیا بیٹھے ہوتے تو کھڑے ہوجاتے یعنی ابن ابی شیبہ نے روایت کیا وہاں سے چل دیتے تاکہ بیع لازم ہوجائے۔ اور شریح کے قول کو سعید بن منصور نے اور شعبی کے قول کو ابن ابی شیبہ نے اور طاؤس کے قوال امام شافعی نے ام میں اور عطاء اور ابن ابی ملیکہ کے اقوال کو ابن ابی شیبہ نے وصل کیا ہے۔

شوکانی فرماتے ہیں کہ ہر دو خریدنے وبیچنے والے کی جسمانی جدائی پر دلیل حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میں یہ قول نبوی ہے :مالم یتفرقا و کان جمیعا یعنی ہر دو کو اس وقت تک اختیار باقی رہتا ہے کہ وہ دونوں جدا نہ ہوں بلکہ ہر دو اکٹھے رہیں۔ اس وقت تک ان کو سودے کے بارے میں پورا اختیار حاصل ہے اور اسی طرح دوسرا ارشاد نبوی اس مقصد پر دلیل ہے، اس کا ترجمہ یہ

ہے کہ ہر دو فریق بیع کے بعد جدا ہو جائیں۔ اور معاملہ بیع کو کسی نے فسخ نہ کیا ہو اور وہ جدا ہو گئے۔ پس بیع واجب ہوئی، یہ دلائل واضح ہیں کہ جدائی سے جسمانی جدائی مراد ہے۔ خطابی نے کہا کہ لغوی طور پر بھی لوگوں کا معاملہ ہم نے اسی طرح پایا ہے اور ظاہر کلام میں جدائی سے لوگوں کی جسمانی جدائی ہی مراد ہوتی ہے۔ اگر اہل رائے کی طرح محض باتوں کی جدائی مراد ہو تو حدیث مذکور اپنے حقیقی فائدے سے خالی ہو جاتی ہے بلکہ حدیث کا کوئی معنی باقی ہی نہیں رہ سکتا۔ لہذا خلاصہ یہ کہ صحیح مسلک میں ہر دو طرف سے جسمانی جدائی ہی مراد ہے یہی مسلک جمہور کا ہے۔ (نیل الاوطار)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ جن سے حدیث باب مروی ہے جلیل القدر صحابی ہیں، کنیت ابو خالد قریشی اسدی ہے، یہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں۔ واقعہ فیل سے تیرہ سال قبل کعبہ میں پیدا ہوئے۔ یہ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد ہر دو زمانوں میں بڑی عزت پائی۔ فتح مکہ میں اسلام لائے۔ ساٹھ سال جاہلیت میں گزارے۔ پھر ساٹھ ہی سال اسلام میں عمر پائی۔ 54ھ میں مدینۃ المنورہ میں اپنے مکان ہی میں وفات پائی۔ بہت متقی، پرہیز گار اور سخی تھے۔ زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کئے اور سو اونٹ سواری کے لیے بخشے۔ فن حدیث میں ایک جماعت ان کی شاگرد ہے۔

شرائط انعقاد بیع کا بیان

بیع کے منعقد ہونے کی بعض شرطیں تاجر اور خریدار سے متعلق ہیں: (۱) وہ دونوں عاقل اور تمیز کرنیوالے ہوں، نابالغ جس میں فہم و شعور پیدا ہو چکا ہو، نیز کم عقل کی بیع منعقد ہو جائے گی۔ (۲) ایجاب و قبول دو الگ الگ آدمیوں کی طرف سے ہو، ایک ہی شخص فریقین کی طرف سے وکیل بن کر ایجاب و قبول دونوں کرلے، یہ درست نہ ہوگا، البتہ باپ، وصی، یا قاضی خود اپنا مال اپنے زیر ولایت نابالغ سے فروخت کریں تو وہ اس سے مستثنیٰ ہیں اور ان کی طرف سے ایجاب و قبول دونوں کی گنجائش ہے۔ (۳) دونوں ایک دوسرے کی طرف سے ہونے والے ایجاب و قبول کو سن لیں۔

بعض شرطیں مبیع اور اس کے ثمن، یا ان دونوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہیں: (۱) مبیع اور ثمن دونوں مال ہوں۔ (۲) مبیع موجود ہو۔ (۳) بائع کی ملکیت میں ہو۔ (۴) بائع مبیع کو حوالہ کرنے پر قادر ہو۔

بعض شرطیں ایجاب و قبول سے متعلق ہیں: (۱) ایجاب و قبول میں مطابقت ہو، ایسا نہ ہو کہ خریدار الگ قیمت بتائے اور تاجر الگ، یا اسی طرح دونوں کی بات میں یا مبیع کی مقدار میں فرق پایا جاتا ہو۔ (۲) ایجاب و قبول دونوں ایک ہی مجلس میں ہو۔

مشار الیہ اعواض میں احتیاج مقدار نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَالْأَعْوَاضُ الْمُشَارُ إلَيْهَا لَا يُحْتَاجُ إلَى مَعْرِفَةِ مِقْدَارِهَا فِي جَوَازِ الْبَيْعِ) لِأَنَّ بِالْإِشَارَةِ كِفَايَةً فِي التَّعْرِيفِ وَجَهَالَةُ الْوَصْفِ فِيهِ لَا تُفْضِي إلَى الْمُنَازَعَةِ

(وَالْأَثْمَانُ الْمُطْلَقَةُ) لَا تَصِحُّ إلَّا أَنْ تَكُونَ مَعْرُوفَةَ الْقَدْرِ وَالصِّفَةِ ؛ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ

وَالتَّسْلِيمُ وَاجِبٌ بِالْعَقْدِ، وَهٰذِهِ الْجَهَالَةُ مُفْضِيَةٌ إِلَى الْمُنَازَعَةِ فَيَمْتَنِعُ التَّسْلِيمُ وَالتَّسَلُّمُ، وَكُلُّ جَهَالَةٍ هٰذِهِ صِفَتُهَا تَمْنَعُ الْجَوَازَ، هٰذَا هُوَ الْأَصْلُ.

قَالَ (وَيَجُوزُ الْبَيْعُ بِثَمَنٍ حَالٍّ وَمُؤَجَّلٍ إِذَا كَانَ الْأَجَلُ مَعْلُومًا) لِإِطْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالَى (وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ) وَعَنْهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (أَنَّهُ اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ). "

وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْأَجَلُ مَعْلُومًا ؛ لِأَنَّ الْجَهَالَةَ فِيهِ مَانِعَةٌ مِنَ التَّسْلِيمِ الْوَاجِبِ بِالْعَقْدِ، فَهٰذَا يُطَالِبُهُ بِهِ فِي قَرِيبِ الْمُدَّةِ، وَهٰذَا يُسَلِّمُهُ فِي بَعِيدِهَا.

ترجمہ

فرمایا کہ وہ اعواض جن کی طرف اشارہ کر دیا جائے تو بیع کے جائز ہونے کے لئے ان کی مقدار جاننے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ شناخت کے سلسلے میں اشارہ کافی ہوتا ہے اور اشارہ میں وصف کی جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی نہیں ہوتی اشارہ سے خالی اثمان کا ثمن ہونا درست نہیں مگر یہ کہ ان کی مقدار اور صفت معلوم ہو کیونکہ بحکم عقد دینا لینا ضروری ہے اور یہ جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی ہے لہذا دینے لینے میں رکاوٹ ہوگی اور ہر وہ جہالت جو اس صفت کی ہو وہ جواز سے مانع ہوگی یہی اصل ہے۔

فرمایا کہ نقد اور ادھار دونوں ثمن کے عوض بیع جائز ہے جب مقررہ مدت معلوم ہو اس لئے کہ اللہ تعالی کا یہ فرمان (احل اللہ البیع) مطلق ہے اور آپ ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے چند دنوں کے ادھار پر کچھ غلہ خرید کر اپنی زرہ اس کے پاس رہن رکھ دیا تھا اور میعاد کا معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ میعاد کی جہالت عقد کے ذریعے واجب شدہ ثمن کی ادائیگی سے مانع ہوگی چنانچہ بائع تو قریبی مدت میں ثمن کا مطالبہ کرے گا اور مشتری مدت بعیدہ میں ادا کرے گا۔

ادھار چیز کی بیع کے جواز کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ غلہ ایک متعین مدت کے ادھار پر خریدا اور اپنے لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھی (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 110)

اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے اول یہ کہ کوئی چیز ادھار قیمت پر خریدنا اور اس ادھار قیمت کے بدلے اپنی کوئی چیز رہن رکھنا جائز ہے دوم یہ کہ سفر کے علاوہ حضر یعنی اپنے شہر ومسکن میں بھی رہن رکھنا جائز ہے اگرچہ قرآن کریم نے جس آیت میں رہن رکھنے کی اجازت دی ہے اس میں سفر کی قید ہے اور وہ آیت یہ ہے (وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ) 2۔ البقرة 283 :) یعنی اگر تم کہیں سفر میں ہو اور وہاں دستاویز لکھنے کے لئے کوئی کاتب نہ پاؤ تو اطمینان کا ذریعہ

[illegible] ہو جائیں۔

[illegible] رہن رکھنا جس طرح سفر میں جائز ہے اسی طرح حضر میں بھی جائز [illegible] اسلامی حکومت میں جزیہ دے کر رہنے والے اہل کتاب جیسے یہود و نصاریٰ کے ساتھ معاملات کرنے جائز [illegible] پر علماء کا اتفاق ہے یہ مسلک ہے کہ اہل ذمہ اور کفار سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ان کے پاس جو مال [illegible] معلوم ہو نیز اہل حرب کے ساتھ مسلمانوں کا ہتھیار یا سامان جنگ بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح مطلقاً کسی بھی کافر کے ہاتھ ایسی کوئی چیز بیچنی جائز نہیں ہے جو اس کے دین و مذہب کی تقویت کا باعث ہو نیز کفار کے ہاتھ مسلمانوں کا مصحف شریف (قرآن کریم) اور غلام بیچنا بھی جائز نہیں ہے۔

علامہ نووی کہتے ہیں کہ یہ حدیث بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کا مال و اسباب نہیں رکھتے تھے اور یہ تنگ دستی و قلت مال آپ کی شان استغناء توکل علی اللہ اور مال و زر سے آپ کی کلیۃً بے رغبتی کی ایک واضح مثال ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اہل ذمہ کے پاس مسلمانوں کا سامان جنگ گروی رکھنا جائز ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل یعنی گروی رکھنے کا یہ معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کیا صحابہ سے نہیں کیا کے بارے میں بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ یہ شاید بیان جواز کی خاطر تھا یعنی اپنے اس عمل کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح کیا کہ اہل ذمہ کے ساتھ بھی اپنے معاملے کرنا جائز ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا کہ اس وقت اپنی حاجت و ضرورت سے زائد غلہ یہودیوں کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حال میں وصال ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے بدلے گروی رکھی ہوئی تھی (بخاری)

الفاظ اشارہ سے مشار الیہ کے عموم کا بیان

یہ، وہ "اسم اشارہ ہیں جبکہ "جو، جس، جن "اسم موصول ہیں۔ عربی میں ان کے متبادل استعمال ہوتے ہیں۔ استعمال اردو اور عربی میں ایک سا ہی ہے۔ جب ہم عام طور پر کسی حسی (Physical) چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو عربی میں بالعموم ھذا، ذالک، اردو میں یہ وہ اور انگریزی میں This, That استعمال ہوتے ہیں۔ انہیں اسم اشارہ کہا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسم موصول کا استعمال کسی ایسی چیز کے لیے ہوتا ہے جو بولنے والے کے ذہن میں موجود ہو۔ عربی میں ما اور من، اردو میں جو، جس، جن اور انگریزی میں who, which, whom قسم کے اسم موصول استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ عمومی اصول ہے۔ کبھی اس کا الٹ بھی ہو جاتا ہے۔ مشار الیہ کی مثال ہے "یہ کتاب" اس میں کتاب مشار الیہ ہے۔ مبتدا کی مثال ہے "یہ کتاب ہے۔" اس میں لفظ 'یہ' مبتدا ہے جبکہ "کتاب ہے" اس کی خبر ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ بناتے ہیں جبکہ اسم اشارہ اور مشار الیہ مل کر کوئی جملہ نہیں بناتے بلکہ یہ ایک نامکمل جملہ (phrase) ہوتا ہے۔

مبیع کی طرف اشارہ کیا اور نام بھی لے دیا مگر جس کی طرف اشارہ ہے اُس کا وہ نام نہیں مثلاً کہا کہ اس گائے کو اتنے میں بیچا اور وہ گائے نہیں بلکہ بیل ہے یا اس لونڈی کو بیچا اور وہ لونڈی نہیں غلام ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جو نام ذکر کیا ہے اور جس کی طرف اشارہ ہے دونوں کی ایک جنس ہے تو بیع صحیح ہے کہ عقد کا تعلق اُس کے ساتھ ہے جس کی طرف اشارہ ہے اور وہ موجود ہے مگر جو چیز سمجھ کر مشتری لینا چاہتا ہے چونکہ وہ نہیں ہے لہٰذا اُس کو اختیار ہے کہ لے یا نہ لے اور جنس مختلف ہو تو بیع باطل ہے کہ عقد کا تعلق اس صورت میں اُس کے ساتھ ہے جس کا نام لیا گیا اور وہ موجود نہیں لہٰذا عقد باطل۔ انسان میں مرد و عورت دو جنس مختلف ہیں لہٰذا لونڈی کہہ کر بیع کی اور نکلا غلام یا بالعکس یہ بیع باطل ہے اور جانوروں میں نر و مادہ ایک جنس ہے گائے کہہ کر بیع کی اور نکلا بیل یا بالعکس تو بیع صحیح ہے اور مشتری کو خیار حاصل ہے۔

مطلق ثمن کا اطلاق غالب نقدی پر ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ أَطْلَقَ الثَّمَنَ فِي الْبَيْعِ كَانَ عَلَى غَالِبِ نَقْدِ الْبَلَدِ) ؛ لِأَنَّهُ الْمُتَعَارَفُ، وَفِيهِ التَّحَرِّي لِلْجَوَازِ فَيُصْرَفُ إلَيْهِ (فَإِنْ كَانَتْ النُّقُودُ مُخْتَلِفَةً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ إلَّا أَنْ يُبَيِّنَ أَحَدُهُمَا) وَهَذَا إذَا كَانَ الْكُلُّ فِي الرَّوَاجِ سَوَاءً ؛ لِأَنَّ الْجَهَالَةَ مُفْضِيَةٌ إلَى الْمُنَازَعَةِ إلَّا أَنْ تَرْتَفِعَ الْجَهَالَةُ بِالْبَيَانِ أَوْ يَكُونَ أَحَدُهُمَا أَغْلَبَ وَأَرْوَجَ فَحِينَئِذٍ يُصْرَفُ إلَيْهِ تَحَرِّيًا لِلْجَوَازِ، وَهَذَا إذَا كَانَتْ مُخْتَلِفَةً فِي الْمَالِيَّةِ، فَإِنْ كَانَتْ سَوَاءً فِيهَا كَالثُّنَائِيِّ وَالثُّلَاثِيِّ وَالنُّصْرَتِيِّ الْيَوْمَ بِسَمَرْقَنْدَ وَالِاخْتِلَافُ بَيْنَ الْعَدَالَى بِفَرْغَانَةَ جَازَ الْبَيْعُ إذَا أُطْلِقَ اسْمُ الدِّرْهَمِ، كَذَا قَالُوا، وَيَنْصَرِفُ إلَى مَا قَدَّرَ بِهِ مِنْ أَيِّ نَوْعٍ كَانَ ؛ لِأَنَّهُ لَا مُنَازَعَةَ وَلَا اخْتِلَافَ فِي الْمَالِيَّةِ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی شخص نے بیع میں ثمن کو مطلق بیان کیا تو یہ شہر کے رائج ثمن پر محمول ہوگا کیونکہ یہ ہی متعارف ہے اور اسی میں بیع کے جائز ہونے کی طلب اور تحری بھی ہے لہذا اسی کی جانب پھیر دیا جائے گا۔ لیکن اگر نقود مختلف مالیت کے ہوں تو بیع فاسد ہو جائے گی مگر یہ کہ مشتری کوئی ایک طرح کے نقود بیان کردے اور یہ اس صورت میں ہے جب سارے نقود رواج میں برابر ہوں اس لیے کہ اب جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی ہوگی البتہ بیان اور نقود میں سے کسی ایک کے سب سے زیادہ رائج اور غالب ہونے کی وجہ سے جہالت دور ہو جائے گی لہذا اس وقت طلب جواز کے پیش نظر اسی کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جب نقود مالیت میں مختلف ہوں۔ لیکن اگر یہ نقود مالیت میں برابر ہوں جیسے آج کل سمرقند میں ثنائی، ثلاثی اور نصرتی ہیں اور

فرغانہ میں عدالی کے سلسلہ میں اختلاف ہے تو بیع جائز ہوگی بشرطیکہ لفظ درھم کا اطلاق کیا ہو اسی طرح متاخرین مشائخ نے بیان کیا ہے اور یہ اطلاق بیان کردہ مقدار کی طرف پھیرا جائے گا خواہ وہ کسی بھی نوع کی ہو کیونکہ نہ تو کوئی منازعت ہے اور نہ ہی مالیت میں اختلاف ہے۔

رائج ثمن میں برابری کی صورت میں اختیار کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مطلق ثمن شہر کے اس نقد کی طرف پھرتا ہے جس کا چلن زیادہ ہو اور اگر وہ سکے مالیت میں مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائیگا اس کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا لیکن اگر چلن ایک سا نہ ہو مالیت خواہ مختلف ہو یا نہیں تو عقد صحیح رہے گا اور جس کا چلن زیادہ ہے وہ مراد ٹھہریگا اسی طرح اگر مالیت اور چلن دونوں یکساں ہوں جب بھی عقد صحیح رہے گا مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا کرے، اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی اور شارحوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے، اور بحرالرائق میں جواب دیا کہ ثنائی سے وہ مراد ہے جس کے دو ایک روپے کے برابر ہوں، اور ثلاثی وہ جس میں تین ایک روپے کے برابر ہوں، میں کہتا ہوں اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کوئی چیز ایک روپے کو خریدی تو چاہے ایک روپیہ پورا دے چاہے دو اٹھنیاں چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت اور رواج میں برابر ہوں۔ اسی طرح اشرفی ہمارے زمانے میں پوری اور دو نصف اور چار پاؤلی ہوتی ہے اور سب کی مالیت اور چلن یکساں ہیں،

اور اسی سے معلوم ہو گیا قرشوں کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے زمانے میں شائع کی ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا سکہ ہے جس کی قیمت چالیس قطعہ مصری ہوتی ہے جس کو مصر میں نصف کہتے ہیں پھر قسم قسم کے لئے سب کی قیمت قرشوں سے لگائی جاتی ہے تو ان میں کوئی دس قرش کا کوئی کم کا کوئی زیادہ کا، تو جب کوئی چیز سو قرش کو خریدی تو عادت یہ ہے کہ وہ جو چاہے دے خواہ قرش ہی دے دیا اور سکے جو مالیت میں اس کے برابر ہوں ریال یا گنی، اور یہ کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری خاص اس ٹکڑے پر واقع ہوئی ہے جس کا نام قرش ہے بلکہ قرش یا اور سکوں سے جو مالیت سے مختلف ہیں اور چلن میں یکساں ہیں اتنا کہ اس کی مالیت کے برابر ہو جائیں اور یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مالیت مختلف ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد عقد کی صورت ہے اسلئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں اختلاف نہ پڑا جب کہ اسکا اندازہ قرشوں سے کیا گیا، ہاں اختلاف جب ہوتا کہ ان سے اندازہ نہ کرتے جیسے کہ سو اشرفیوں کو خریدے اور وہاں اشرفیاں کئی قسم کی ہوں، چلن میں سب ایک سی اور مالیت میں مختلف، اور جب قرشوں سے اندازہ کر لیا یہ ایسا ہو گیا گویا مالیت اور چلن سب برابر ہیں، اور اوپر گزر چکا کہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جو چاہے دے۔ بحرالرائق میں فرمایا اگر بائع ان میں سے ایک سکہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دے اس لئے کہ جو مشتری دے رہا ہے اس کے لینے سے بائع کا انکار بے جا ہٹ ہے جبکہ مالیت میں تفاوت نہیں۔

(درمختار شرح تنویر الابصار، کتاب بیوع)

حقیقی اثمان کا انداز و اصطلاحی اثمان ہونے کا بیان

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندازے حقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں بلکہ تمام نقدوں میں سے روپوں سے اندازہ ہوتا ہے خواہ اشرفیاں ہوں یا اور کچھ، اور انہیں کچھ نہ کچھ روپوں سے نسبت ضرور ہوگی تو ایک سا ورن پندرہ روپے اور دوانی روپے کا آٹھواں حصہ اور چوانی چوتھائی اور اٹھنی آدھا اور ایک روپے کے سولہ آنے اور فلاں نوٹ دس روپے کا فلاں سو کا وعلی ہذا القیاس، اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہل عرف معاملات میں ان کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے تو جو کوئی کپڑا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے اور دے پندرہ روپے یا اس کا عکس تو نہ اسے کوئی تبدیل کہے گا نہ قرارداد کا پھیرنا اور نہ اس سے بائع انکار کرے گا نہ کوئی اور، یوں ہی طرح دوانی اور آٹھ پیسے انگریزی ان کے لین دین میں بھی کوئی فرق نہیں کرتا، اسی طرح چونی اور سولہ پیسے اور جس نے کوئی چیز اٹھنی کو خریدی وہ یا تو خود اٹھنی دے یا دو چونیاں یا چار دوانیاں یا ایک چوانی اور دو دوانیاں یا ایک چوانی اور ایک دوانی اور آٹھ پیسے یا ایک چوانی اور سولہ پیسے یا ایک دوانی اور چوبیس پیسے یا سب کے بتیس پیسے، یہ نوکی نو صورتیں سب ان کے نزدیک برابر ہیں اور ان میں اصلاً فرق نہیں کرتے اس لئے کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہیں اور یہ کچھ عرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو اختیار دیا کہ ان میں سے جس صورت پر چاہے ادا کرے اور اگر بیچنے والا ان میں سے کسی صورت کو نہ مانے اور کوئی دوسری صورت مشتری پر لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی طرف سے ہیجاہٹ ہوگی اور مانی نہ جائے گی۔

(فتاویٰ رضویہ، کتاب بیوع)

اختلاف جنس کی صورت میں کمی بیشی کے جواز کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ بَيْعُ الطَّعَامِ وَالْحُبُوبِ مُكَايَلَةً وَمُجَازَفَةً) وَهَذَا إذَا بَاعَهُ بِخِلَافِ جِنْسِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إذَا اخْتَلَفَ النَّوْعَانِ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ بَعْدَ أَنْ يَكُونَ يَدًا بِيَدٍ) " بِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَهُ بِجِنْسِهِ مُجَازَفَةً لِمَا فِيهِ مِنْ احْتِمَالِ الرِّبَا وَلِأَنَّ الْجَهَالَةَ غَيْرُ مَانِعَةٍ مِنْ التَّسْلِيمِ وَالتَّسَلُّمِ فَشَابَهَ جَهَالَةَ الْقِيمَةِ .

قَالَ (وَيَجُوزُ بِإِنَاءٍ بِعَيْنِهِ لَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهُ وَبِوَزْنِ حَجَرٍ بِعَيْنِهِ لَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهُ) ؛ لِأَنَّ الْجَهَالَةَ لَا تُفْضِي إلَى الْمُنَازَعَةِ لِمَا أَنَّهُ يَتَعَجَّلُ فِيهِ التَّسْلِيمَ فَيَنْدُرُ هَلَاكُهُ قَبْلَهُ بِخِلَافِ السَّلَمِ ؛ لِأَنَّ التَّسْلِيمَ فِيهِ مُتَأَخِّرٌ وَالْهَلَاكُ لَيْسَ بِنَادِرٍ قَبْلَهُ فَتَتَحَقَّقُ الْمُنَازَعَةُ . وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ فِي الْبَيْعِ أَيْضًا ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ وَأَظْهَرُ

ترجمہ

فرمایا کہ گندم اور دیگر اناج کو ناپ کر اور اندازے سے بیچنا جائز ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب اسے خلاف جنس کے عوض

فروخت کیا کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے جب دونوں قسم مختلف ہوں تو حسب چاہو انہیں فروخت کرو برخلاف اسکی جنس کے عوض اندازے سے بیچنے کے اس لئے کہ اس میں ربوا کا احتمال ہے اور اس لیے بھی کہ مقدار کی جہالت دینے اور لینے سے مانع نہیں ہے لہذا یہ قیمت مجہول ہونے کے مشابہ ہوگیا۔

فرمایا کہ ایک غیر معروف المقدار معین برتن اور اسی طرح ایک غیر معوف المقدار معین پتھر کے عوض بیع درست ہے اس لیے کہ یہ جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی نہیں ہے نیز اس میں فی الحال سپردگی بھی ہے تو اس ثمن کا مبیع کی سپردگی سے ہلاک ہونا نادر ہے برخلاف ثمن کے کیونکہ اس میں سپردگی متاخر ہوتی ہے اور اس پہلے ثمن کا ہلاک ہونا نادر نہیں ہے لہذا وہاں منازعت ثابت ہے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ بیع میں بھی یہ صورت ناجائز ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح اور واضح ہے۔

شرح

حضرت عبادہ بن صامت کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو سونا سونے کے بدلے میں بیچو نہ چاندی چاندی کے بدلے میں نہ گیہوں گیہوں کے بدلے میں نہ جو جو کے بدلے میں نہ کھجور کھجور کے بدلے میں اور نہ نمک نمک کے بدلے میں ہاں برابر سرابر نقد بہ نقد یعنی دست بدست لین دین جائز ہے چنانچہ سونا چاندی کے بدل میں اور چاندی سونے کے بدلے میں گیہوں جو کے بدلے میں اور جو گیہوں کے بدلے میں اور کھجور نمک کے بدلے میں اور نمک کھجور کے بدلے میں دست بدست جس طرح چاہو خرید وفروخت کرو (نسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 58)

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایسی دو چیزوں کا آپس میں لین دین کرو جو ہم جنس ہوں (جیسے گیہوں گیہوں کے بدلے میں تو اس صورت میں برابر سرابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے اور اگر ایسی دو چیزوں کا آپس میں لین دین کیا جائے جو ہم جنس نہ ہوں بلکہ الگ الگ جنس کی ہوں (جیسے گیہوں جو کے بدلے میں) تو اس صورت میں صرف دست بدست ہونا ضروری ہے برابر سرابر ہونا ضروری نہیں ہے

علامہ عثمان بن علی زیلعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور یہ سب ظاہر روشن باتیں ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا برابر جاننا اور فرق نہ کرنا ہے کہ مشتری خریدے تو قرشوں کو، پھر اسے اختیار دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ ریال چاہے سونے کا پورا سکہ یا اس کی ریزگاری، اور بائع نہ مانے تو بے جا ہٹ ٹھہرے، بایں ہمہ کوئی یہ وہم نہیں کرسکتا کہ قرش اور ریال اور اشرفی اور ریزگاری سب کے سب ایک جنس ہوگئے ان میں سے ایک دوسرے کو بیچیں تو کمی بیشی جائز نہ ہو یا ان میں ایک دوسرے میں ایسا غرق ہے کہ گویا بعینہ بلا فرق دونوں ایک ہیں تو کمی بیشی اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب اس کے حکم میں ہوکر حرام ہوجائے حالانکہ تمام علماء بالاجماع تصریح فرمارہے ہیں کہ اختلاف جنس کے وقت کمی بیشی جائز ہے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب نوعیں بدلیں تو جیسے چاہو بیچو، (نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ، کتاب بیوع)

تفریق عقد پر جواز و عدم جواز کا بیان

(قَالَ وَمَنْ بَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ كُلُّ قَفِيزٍ بِدِرْهَمٍ جَازَ الْبَيْعُ فِي قَفِيزٍ وَاحِدٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إلَّا أَنْ يُسَمِّيَ جُمْلَةَ قُفْزَانِهَا وَقَالَا يَجُوزُ فِي الْوَجْهَيْنِ) لَهُ أَنَّهُ تَعَذَّرَ الصَّرْفُ إلَى الْكُلِّ لِجَهَالَةِ الْمَبِيعِ وَالثَّمَنِ فَيُصْرَفُ إلَى الْأَقَلِّ وَهُوَ مَعْلُومٌ، وَإِلَّا أَنْ تَزُولَ الْجَهَالَةُ بِتَسْمِيَةِ جَمِيعِ الْقُفْزَانِ أَوْ بِالْكَيْلِ فِي الْمَجْلِسِ، وَصَارَ هَذَا كَمَا لَوْ أَقَرَّ وَقَالَ لِفُلَانٍ عَلَيَّ كُلُّ دِرْهَمٍ فَعَلَيْهِ دِرْهَمٌ وَاحِدٌ بِالْإِجْمَاعِ .

وَلَهُمَا أَنَّ الْجَهَالَةَ بِيَدِهِمَا إزَالَتُهَا وَمِثْلُهَا غَيْرُ مَانِعٍ، وَكَمَا إذَا بَاعَ عَبْدًا مِنْ عَبْدَيْنِ عَلَى أَنَّ الْمُشْتَرِيَ بِالْخِيَارِ .

ثُمَّ إذَا جَازَ فِي قَفِيزٍ وَاحِدٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَلِلْمُشْتَرِي الْخِيَارُ لِتَفَرُّقِ الصَّفْقَةِ عَلَيْهِ، وَكَذَا إذَا كِيلَ فِي الْمَجْلِسِ أَوْ سَمَّى جُمْلَةَ قُفْزَانِهَا ؛ لِأَنَّهُ عَلِمَ ذَلِكَ الْآنَ فَلَهُ الْخِيَارُ، كَمَا إذَا رَآهُ وَلَمْ يَكُنْ رَآهُ وَقْتَ الْبَيْعِ

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی شخص نے غلے کا ڈھیر بیچا اس طرح کہ ہر قفیز ایک درھم میں فروخت کیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک صرف ایک میں بیع جائز ہوگی مگر یہ کہ بائع اس ڈھیر کے تمام قفیزوں کو بیان کردے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں بیع جائز ہے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ بیع اور ثمن مجہول ہونے کی وجہ سے تمام قفیزوں کی طرف صرف بیع ناممکن ہے لہذا اقل کی طرف بیع کو پھیر دیا جائے گا اور اقل معلوم ہے البتہ تمام قفیزوں کو بیان کرنے یا مجلس عقد میں اسے ناپنے سے جہالت دور ہو جائے گی اور یہ ایسا ہو گیا کہ مثلاً کسی نے کسی کیلئے مال کا اقرار کرتے ہوئے یوں کہا کہ فلاں کے مجھ پر کل درھم ہیں تو بالاتفاق اس پر ایک ہی درھم واجب ہوگا صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایسی جہالت ہے جس کا ازالہ ان کے عقد کرنیوالوں کے ہاتھ میں ہے اور اسطرح کی جہالت جواز عقد سے مانع نہیں ہوتی جس طرح کہ اگر کسی نے ایک غلام کو دو غلاموں کے عوض مشتری کیلئے خیار شرط کے ساتھ فروخت کیا۔ پھر جب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں ایک قفیز میں بیع درست ہے تو مشتری پر تفرق صفقہ کی وجہ سے اسے لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا ایسے ہی جب مجلس میں ناپ لیا گیا یا مجلس عقد ہی میں تمام قفیزوں کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اسلئے کہ مشتری کو تو اب اسکا علم ہوا ہے لہذا اسے اختیار حاصل ہوگا جیسا کہ اس صورت میں جب پہلے مبیع کو دیکھا ہو اور بوقت بیع اسے نہ دیکھا ہو۔

شرح

جب کسی نے ایک ڈھیری اس طرح بیع کی کہ اس میں کا ہر ایک صاع ایک روپیہ کو تو صرف ایک صاع کی بیع درست ہوگی اور اس میں بھی مشتری کو اختیار ہوگا کہ لے یا نہ لے ہاں اگر اسی مجلس میں وہ ساری ڈھیری ناپ دی یا بائع نے ظاہر کر دیا اور بتا دیا کہ اس ڈھیری میں اتنے صاع ہیں تو پوری ڈھیری کی بیع درست ہو جائے گی اور اگر عقد سے پہلے یا عقد میں صاع کی تعداد بتادی ہے تو مشتری کو اختیار نہیں اور بعد میں ظاہر کی ہے تو ہے۔ یہ قول امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ مجلس کے بعد بھی اگر صاع کی تعداد معلوم ہوگئی بیع صحیح ہے اور اسی قول صاحبین پر آسانی کے لیے فتویٰ دیا جاتا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

بکریوں کا ریوڑ ایک درہم ایک بکری کے بدلے خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ قَطِيعَ غَنَمٍ كُلُّ شَاةٍ بِدِرْهَمٍ فَسَدَ الْبَيْعُ فِي جَمِيعِهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَكَذَلِكَ مَنْ بَاعَ ثَوْبًا مُذَارَعَةً كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ وَلَمْ يُسَمِّ جُمْلَةَ الذُّرْعَانِ، وَكَانَ كُلُّ مَعْدُودٍ مُتَفَاوِتٍ، وَعِنْدَهُمَا يَجُوزُ فِي الْكُلِّ لِمَا قُلْنَا، وَعِنْدَهُ يَنْصَرِفُ إلَى الْوَاحِدِ) لِمَا بَيَّنَّا غَيْرَ أَنَّ بَيْعَ شَاةٍ مِنْ قَطِيعِ غَنَمٍ وَذِرَاعٍ مِنْ ثَوْبٍ لَا يَجُوزُ لِلتَّفَاوُتِ .

وَبَيْعُ قَفِيزٍ مِنْ صُبْرَةٍ يَجُوزُ لِعَدَمِ التَّفَاوُتِ فَلَا تُفْضِي الْجَهَالَةُ إلَى الْمُنَازَعَةِ فِيهِ، وَتُفْضِي إلَيْهَا فِي الْأَوَّلِ فَوَضَحَ الْفَرْقُ .

ترجمہ

اور اگر کسی نے فی بکری ایک درھم کے حساب سے بکریوں کا ریوڑ فروخت کیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک تمام بکریوں کی بیع فاسد ہوگی اسی طرح اگر فی گز ایک درھم کے عوض گزوں کی پیائش سے کوئی کپڑا فروخت کیا اور پورے گز کو بیان نہیں کیا اسی طرح ہر معدود متفاوت میں بھی بیع فاسد ہوگی اور صاحبین کے نزدیک تمام صورتوں میں بیع جائز ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے ہیں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیع صرف ایک کی طرف راجع ہوگی لیکن ریوڑ سے ایک بکری کی اور کپڑے ایک گز کی بیع درست نہیں ہوگی کیونکہ ان میں تفاوت ہے اور ڈھیر سے ایک قفیز کی بیع جائز ہوگی کیونکہ وہاں تفاوت نہیں ہے چنانچہ قفیز والی صورت میں جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی نہیں ہے اور پہلے میں جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی ہے لہذا دونوں صورتوں میں فرق واضح ہوگیا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے بکریوں کا گلہ خریدا کہ اس میں کی ہر بکری ایک روپیہ کو یا کپڑے کا تھان خریدا کہ ہر ایک گز ایک روپیہ کو یا اسی طرح کوئی اور عددی متفاوت خریدا اور معلوم نہیں کہ گلہ میں کتنی بکریاں ہیں اور تھان میں

کیئے گز کپڑا ہے مگر بعد میں معلوم ہوگیا تو صاحبین کے نزدیک بیع جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

صاحب ہدایہ نے مبیع جب ایسی ہو کہ افتراق افراد کے سبب تفاوت یعنی فرق آئے تو ان کی بیع درست نہ ہوگی کیونکہ اس طرح کبھی مشتری کو نفع اور بائع کو نقصان اور کبھی بائع کو نفع اور مشتری کا نقصان ہوگا جو جھگڑے کی جانب لے جانے کا سبب ہوگا کیونکہ بکریوں میں مشتری چاہے گا کہ موٹی تازی بکری کو میں خریدلوں جبکہ بائع چاہے گا کہ کمزور بکری پر اتنی ہی قیمت وصول کراوں لہذا اس طرح کی بیع درست نہ ہوگی۔

بیع مکمل ہونے سے پہلے صفقہ میں فرق ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ ابْتَاعَ صُبْرَةَ طَعَامٍ عَلَى أَنَّهَا مِائَةُ قَفِيزٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا أَقَلَّ كَانَ الْمُشْتَرِي بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ أَخَذَ الْمَوْجُودَ بِحِصَّتِهِ مِنْ الثَّمَنِ، وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ) لِتَفَرُّقِ الصَّفْقَةِ عَلَيْهِ قَبْلَ التَّمَامِ، فَلَمْ يَتِمَّ رِضَاهُ بِالْمَوْجُودِ، وَإِنْ وَجَدَهَا أَكْثَرَ فَالزِّيَادَةُ لِلْبَائِعِ ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ وَقَعَ عَلَى مِقْدَارٍ مُعَيَّنٍ وَالْقَدْرُ لَيْسَ بِوَصْفٍ

(وَمَنْ اشْتَرَى ثَوْبًا عَلَى أَنَّهُ عَشَرَةُ أَذْرُعٍ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ أَوْ أَرْضًا عَلَى أَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا أَقَلَّ فَالْمُشْتَرِي بِالْخِيَارِ، إنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِجُمْلَةِ الثَّمَنِ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ) ؛ لِأَنَّ الذِّرَاعَ وَصْفٌ فِي الثَّوْبِ ؛ أَلَا يَرَى أَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنْ الطُّولِ وَالْعَرْضِ، وَالْوَصْفُ لَا يُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِنْ الثَّمَنِ كَأَطْرَافِ الْحَيَوَانِ فَلِهَذَا يَأْخُذُهُ بِكُلِّ الثَّمَنِ، بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ ؛ لِأَنَّ الْمِقْدَارَ يُقَابِلُهُ الثَّمَنُ فَلِهَذَا يَأْخُذُهُ بِحِصَّتِهِ، إلَّا أَنَّهُ يَتَخَيَّرُ لِفَوَاتِ الْوَصْفِ الْمَذْكُورِ لِتَغَيُّرِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ فَيَخْتَلُّ الرِّضَا .

قَالَ (وَإِنْ وَجَدَهَا أَكْثَرَ مِنْ الذِّرَاعِ الَّذِي سَمَّاهُ فَهُوَ لِلْمُشْتَرِي وَلَا خِيَارَ لِلْبَائِعِ) ؛ لِأَنَّهُ صِفَةٌ، فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ مَا إذَا بَاعَهُ مَعِيبًا، فَإِذَا هُوَ سَلِيمٌ

ترجمہ

فرمایا کہ اگر کسی شخص نے غلے کا کوئی ڈھیر اس شرط پر خریدا کہ یہ سو قفیز ہیں اور سو درھم میں ہیں پھر مشتری نے انھیں کم پایا تو مشتری کو اختیار ہوگا اگر اس کا دل کہے تو موجودہ قفیز کو انکی تعداد کے مطابق قیمت دے کر لے لے اور چاہے تو بیع کو فسخ کر دے اس لئے کہ بیع پوری ہونے سے پہلے اس پر صفقہ متفرق ہوگیا لہذا موجودہ قفیز سے اس کی رضامندی تام نہیں ہوئی۔ اور اگر مشتری نے قفیز کو زیادہ پایا تو زیادتی بائع کی ہوگی کیونکہ ایک متعین مقدار پر بیع ہوئی تھی اور مقدار وصف نہیں ہے۔

اور جب کسی نے اس شرط پر کوئی کپڑا خریدا کہ یہ دس گز دس درھم میں ہے یا کوئی زمین اس شرط پر خریدی کہ وہ سو ذراع سو درھم میں ہے پھر مشتری نے انہیں کم پایا تو اسے اختیار ہوگا اگر چاہے تو اس مقدار کو پورے ثمن کے عوض لے لے اور اگر اس کا دل کہے تو چھوڑ دے اس لئے کہ ذراع کپڑے کا وصف ہے پتا نہیں ہے کہ وہ طول وعرض کا نام ہے اور وصف کے مقابلہ میں کچھ بھی ثمن نہیں ہوتا جیسے حیوان کے اطراف لہذا اسی وجہ سے مشتری اسے پورے ثمن کے عوض لے گا برخلاف پہلے والے مسئلہ کے کیونکہ مقدار کے بالمقابل ثمن ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں مشتری موجودہ مقدار کو اسی کے بقدر ثمن دے کر لے گا البتہ مشتری کو اختیار ہوگا کیونکہ معقود علیہ کی تبدیلی سے وصف مذکور فوت ہوگیا اس لئے مشتری کی رضامندی میں خلل ہوگا اور اگر مبیع کو بیان کردہ گزوں سے زیادہ پایا تو مشتری کے ہوں گے اور بائع کوئی اختیار نہیں ہوگا کیونکہ یہ ایک صفت ہے لہذا یہ اس طرح ہوگیا کہ جب بائع نے ایک عیب دار چیز فروخت کی اور پھر وہ درست ثابت ہوئی۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے غلہ کی ڈھیری خریدی کہ مثلاً یہ سو۱۰۰ من ہے اور اس کی قیمت سو روپیہ بعد میں اُسے تولا اگر پورا سو۱۰۰ من ہے جب تو بالکل ٹھیک ہے اور اگر سو من سے زیادہ ہے تو جتنا زیادہ ہے بائع کا ہے اور اگر سو من سے کم ہے تو مشتری کو اختیار ہے کہ جتنا کم ہے اُس کی قیمت کم کر کے باقی لے لے یا کچھ نہ لے۔ یہی حکم ہر اُس چیز کا ہے جو ماپ اور تول سے بکتی ہے۔ البتہ اگر وہ اُس قسم کی چیز ہو کہ اُس کے ٹکڑے کرنے میں نقصان ہوتا ہو اور جو وزن بتایا ہے اُس سے زیادہ نکلی تو کل مشتری ہی کو ملے گی اور اس زیادتی کے مقابل میں مشتری کو کچھ دینا نہیں پڑے گا کہ وزن ایسی چیزوں میں وصف ہوتا ہے اور وصف کے مقابل میں ثمن کا حصہ نہیں ہوتا مثلاً ایک موتی یا یاقوت خریدا کہ یہ ایک ماشہ ہے اور نکلا ایک ماشہ سے کچھ زیادہ تو جو ثمن مقرر ہوا ہے وہ دے کر مشتری لے لے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

ذکر کے سبب وصف کے اصل ہو جانے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ بِعْتُكَهَا عَلَى أَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ فَوَجَدَهَا نَاقِصَةً، فَالْمُشْتَرِي بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ أَخَذَهَا بِحِصَّتِهَا مِنْ الثَّمَنِ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ) ؛ لِأَنَّ الْوَصْفَ وَإِنْ كَانَ تَابِعًا لَكِنَّهُ صَارَ أَصْلًا بِإِفْرَادِهِ بِذِكْرِ الثَّمَنِ فَيَنْزِلُ كُلُّ ذِرَاعٍ مَنْزِلَةَ ثَوْبٍ ؛ وَهَذَا لِأَنَّهُ لَوْ أَخَذَهُ بِكُلِّ الثَّمَنِ لَمْ يَكُنْ آخِذًا لِكُلِّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ (وَإِنْ وَجَدَهَا زَائِدَةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ أَخَذَ الْجَمِيعَ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ، وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ الْبَيْعَ) لِأَنَّهُ إنْ حَصَلَ لَهُ الزِّيَادَةُ فِي الذَّرْعِ تَلْزَمُهُ زِيَادَةُ الثَّمَنِ فَكَانَ نَفْعًا يَشُوبُهُ ضَرَرٌ فَيَتَخَيَّرُ، وَإِنَّمَا يَلْزَمُهُ الزِّيَادَةُ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ صَارَ أَصْلًا، وَلَوْ أَخَذَهُ بِالْأَقَلِّ لَمْ يَكُنْ آخِذًا بِالْمَشْرُوطِ

ترجمہ

اور اگر بائع نے یوں کہا کہ میں نے تم سے یہ کپڑے اس شرط پر بیچے کہ سوگز سو درہم کے عوض فی گز ایک درہم کے حساب سے ہے پھر مشتری نے انہیں کم پایا تو اسے اختیار ہوگا اگر وہ چاہے تو موجودہ کپڑے کو اس کے حصے کا ثمن دے کر لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اس لئے کہ وصف اگر چہ تابع تھا لیکن اس کا علیحدہ ثمن ذکر کرنے کی وجہ سے وہ اصل بن گیا لہذا ہر گز کو علیحدہ کپڑے کے درجے میں اتار لیا جائے گا اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ اگر مشتری موجودہ کپڑے کو کل ثمن کے عوض لے گا تو وہ ہر گز ایک درہم کے عوض لینے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر مشتری ان کپڑوں کو سو گز سے زیادہ پائے تو بھی اسے اختیار ہوگا اگر چاہے تو ہر گز فی درہم کے حساب سے پورا لے لے اور اس کا دل کہے تو بیع کو فسخ کر دے اس لئے کہ اگر اسے گز میں زیادہ ملی ہے تو اس پر ثمن کا اضافہ بھی ضروری ہوگا تو یہ ایسا نفع ہو گیا جس میں نقصان کی آمیزش ہے لہذا اس اختیار ملے گا اور مشتری پر زیادتی ثمن اس وجہ سے لازم ہوئی ہے کہ ذراع اصل بن گیا ہے اور اگر موجودہ کپڑے کو مشتری کم ثمن کے عوض لے گا تو وہ مشروط کئے ہوئے عوض کی مقدار سے لینے والا نہیں ہوگا۔

شرح

اور جب کسی شخص نے تھان خریدا کہ مثلاً یہ دس گز ہے اور اس کی قیمت دس روپیہ ہے اگر یہ تھان اُس سے کم نکلا جتنا بائع نے بتایا ہے تو مشتری کو اختیار ہے کہ پورے دام میں لے یا بالکل نہ لے یہ نہیں ہو سکتا کہ جتنا کم ہے اُس کی قیمت کم کر دی جائے اور اگر تھان اُس سے زیادہ نکلا جتنا بتایا ہے تو یہ زیادتی بلا قیمت مشتری کی ہے بائع کو کچھ اختیار نہیں نہ وہ زیادتی لے سکتا ہے نہ اُس کی قیمت لے سکتا ہے نہ بیع کو فسخ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر زمین خریدی کہ یہ سو۱۰۰ گز ہے اور اس کی قیمت سو۱۰۰ روپے ہے اور کم یا زیادہ نکلی تو بیع صحیح ہے اور سو۱۰۰ ہی روپے دینے ہونگے مگر کمی کی صورت میں مشتری کو اختیار حاصل ہے کہ لے یا چھوڑ دے۔

اور اگر اس نے یہ کہہ کر تھان خریدا کہ دس گز کا ہے دس روپے میں اور یہ کہہ دیا کہ فی گز ایک روپیہ اب نکلا کم تو جتنا کم ہے اُس کی قیمت کم کر دے اور مشتری کو یہ اختیار ہے کہ نہ لے اور اگر زیادہ نکلا، مثلاً گیارہ یا بارہ گز ہے تو اس زیادہ کا روپیہ یہ دے، یا بیع کو فسخ کر دے۔ یہ حکم اُس تھان کا ہے جو پورا ایک طرح کا نہیں ہوتا جیسے چکن، گلبدن اور اگر ایک طرح کا ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بائع اُس زیادتی کو پھاڑ کر دس ۱۰ گز مشتری کو دیدے۔

سو گزوں میں سے دس گز گھر خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى عَشَرَةَ أَذْرُعٍ مِنْ مِائَةِ ذِرَاعٍ مِنْ دَارٍ أَوْ حَمَّامٍ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا : هُوَ جَائِزٌ، وَإِنْ اشْتَرَى عَشَرَةَ أَسْهُمٍ مِنْ مِائَةِ سَهْمٍ جَازَ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا) لَهُمَا أَنَّ عَشَرَةَ أَذْرُعٍ مِنْ مِائَةِ ذِرَاعٍ عُشْرُ الدَّارِ فَأَشْبَهَ عَشَرَةَ أَسْهُمٍ .وَلَهُ أَنَّ

الذِّرَاعُ اسْمٌ لِمَا يُذْرَعُ بِهِ، وَاسْتُعِيرَ لِمَا يَحِلُّهُ الذِّرَاعُ وَهُوَ الْمُعَيَّنُ دُونَ الْمَشَاعِ، وَذَلِكَ غَيْرُ مَعْلُومٍ، بِخِلَافِ السَّهْمِ .
وَلَا فَرْقَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ بَيْنَ مَا إِذَا عَلِمَ مِنْ جُمْلَةِ الذُّرْعَانِ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ هُوَ الصَّحِيحُ خِلَافًا لِمَا يَقُولُهُ الْخَصَّافُ لِبَقَاءِ الْجَهَالَةِ .

ترجمہ

جس شخص نے کسی گھر یا حمام کے سوگزوں میں سے دس گز خریدا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں بیع فاسد ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور اگر کسی نے سو حصوں میں سے دس حصے خرید لئے تو سب کے یہاں بیع جائز ہے صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ سوگزوں میں سے دس گز گھر کا دسواں حصہ ہے لہذا یہ دس حصوں کے مشابہ ہوگیا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ ذراع آلہ پیمائش کا نام ہے اور مذروع کیلئے اسے مستعار لے لیا گیا ہے اور مذروع معین ہے نہ کہ مشاع اور یہ نامعلوم ہے برخلاف حصے کے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک تمام گزوں کے علم یا عدم علم سے کوئی فرق نہیں ہوگا یہی صحیح ہے برخلاف امام خصاف کے قول کے کہ جہالت باقی ہے۔

شرح

کسی مکان یا حمام کے سوگز میں سے دس گز خریدے تو بیع فاسد ہے اور اگر یوں کہتا کہ سو سہام میں سے دس سہام خریدے تو بیع صحیح ہوتی اور پہلی صورت میں اگر اسی مجلس میں وہ دس گز زمین معین کردی جائے کہ مثلاً یہ دس گز تو بیع صحیح ہو جائے گی۔
ایک زمین خریدی کہ اس میں اتنے پھل دار درخت ہیں مگر ایک درخت ایسا نکلا جس میں پھل نہیں آتے تو بیع فاسد ہوئی اور اگر زمین خریدی کہ اس میں اتنے درخت ہیں اور کم نکلے تو بیع جائز ہے مگر مشتری کو اختیار ہے کہ چاہے پورے ثمن پر لے لے اور چاہے نہ لے اسی طرح اگر مکان خریدا کہ اس میں اتنے کمرے یا کوٹھریاں ہیں اور کم نکلیں تو بیع جائز ہے مگر مشتری کو اختیار ہے۔
علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حمام بیچا تو پانی گرم کرنے کی دیگ جو زمین سے متصل ہے یا اتنی بڑی اور بھاری ہے جو ادھر اُدھر منتقل نہیں ہو سکتی بیع میں داخل ہے اور چھوٹی دیگ جو متصل نہیں بیع میں داخل نہیں۔ دھوبی کی دیگ جس میں بھٹی چڑھاتا ہے اور رنگریز کے مٹکے وغیرہ جس میں رنگ طیار کرتا ہے یہ سب اگر متصل ہوں تو داخل ہیں ورنہ نہیں اسی طرح دھوبی کا پاٹا ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

مبیع یا ثمن مجہول ہونے کے سبب فساد بیع کا بیان

وَلَوِ اشْتَرَى عِدْلًا عَلَى أَنَّهُ عَشَرَةُ أَثْوَابٍ فَإِذَا هُوَ تِسْعَةٌ أَوْ أَحَدَ عَشَرَ فَسَدَ الْبَيْعُ لِجَهَالَةِ الْمَبِيعِ أَوِ الثَّمَنِ (وَلَوْ بَيَّنَ لِكُلِّ ثَوْبٍ ثَمَنًا جَازَ فِي فَصْلِ النُّقْصَانِ بِقَدْرِهِ وَلَهُ الْخِيَارُ،

وَلَمْ يَجُزْ فِي الزِّيَادَةِ) لِجَهَالَةِ الْعَشَرَةِ الْمَبِيعَةِ .

وَقِيلَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَا يَجُوزُ فِي فَصْلِ النُّقْصَانِ أَيْضًا وَلَيْسَ بِصَحِيحٍ، بِخِلَافِ مَا إِذَا اشْتَرَى ثَوْبَيْنِ عَلَى أَنَّهُمَا هَرَوِيَّانِ فَإِذَا أَحَدُهُمَا مَرْوِيٌّ حَيْثُ لَا يَجُوزُ فِيهِمَا، وَإِنْ بَيَّنَ ثَمَنَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ؛ لِأَنَّهُ جَعَلَ الْقَبُولَ فِي الْمَرْوِيِّ شَرْطًا لِجَوَازِ الْعَقْدِ فِي الْهَرَوِيِّ، وَهُوَ شَرْطٌ فَاسِدٌ وَلَا قَبُولَ يُشْتَرَطُ فِي الْمَعْدُومِ فَافْتَرَقَا .

ترجمہ

اور اگر کسی نے کپڑے کی کوئی گٹھری اس شرط پر خریدی کہ یہ دس تھان ہیں لیکن وہ نو یا گیارہ تھان نکلے تو مبیع یا ثمن مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہو جائے گی اور اگر بائع نے ہر تھان کا ثمن بیان کر دیا تو تھان کم نکلنے کی صورت میں موجودہ مقدار کی بیع درست ہوگی اور مشتری کو اختیار ملے اور زیادہ نکلنے کی صورت میں بیع درست نہیں ہوگی اس لئے کہ فروخت کردہ دس تھان مجہول ہیں ایک قول یہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک تھان کم نکلنے کی صورت میں بھی بیع جائز نہیں ہے لیکن یہ صحیح قول نہیں ہے برخلاف اس صورت کے جب کسی نے ہروی ہونے کی شرط پر دو تھان خریدے پھر ان میں سے ایک مروی نکل آیا تو دونوں کی بیع جائز نہیں ہے اگر چہ ہر ایک کا ثمن بھی بیان کر دیا ہو اس لئے کہ بائع نے ہروی کی بیع میں مروی کے قبول کرنے کی شرط لگا دی ہے اور یہ شرط فاسد ہے اور معدوم قبول شرط نہیں ہوا کرتا لہذا دونوں مسئلے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کپڑے کی ایک گٹھری خریدی اس شرط پر کہ اس میں دس تھان ہیں مگر نکلے نو تھان یا گیارہ، تو بیع فاسد ہوگئی کہ کمی کی صورت میں ثمن مجہول ہے اور زیادتی کی صورت میں مبیع مجہول ہے اور اگر ہر ایک تھان کا ثمن بیان کر دیا تھا تو کمی کی صوریت میں بیع جائز ہوگی کہ نو تھان کی قیمت دے کر لے لے مگر مشتری کو اختیار ہوگا کہ بیع کو فسخ کر دے اور اگر گیارہ تھان نکلے تو بیع ناجائز ہے کہ مبیع مجہول ہے اُن میں سے ایک تھان کونسا کم کیا جائیگا۔

اور اگر اس نے تھانوں کی ایک گٹھری خریدی اور ایک غیر معین تھان کا استثنا کر دیا یا بکریوں کا ایک ریوڑ خریدا اور ایک بکری غیر معین کا استثنا کیا تو بیع فاسد ہوگئی کہ معلوم نہیں وہ مستثنے کون ہے اور اس سے لازم آیا کہ مبیع مجہول ہو جائے اور اگر معین تھان یا بکری کا استثنا ہوتا تو بیع جائز ہوتی کہ مبیع میں کسی قسم کی جہالت پیدا نہ ہوتی۔

اور جب کسی شخص نے تھان خریدا کہ دس گز ہے فی گز ایک روپیہ اور وہ ساڑھے دس گز نکلا تو دس روپے میں لینا پڑیگا اور ساڑھے نو گز نکلا تو مشتری کو اختیار ہے کہ نو روپے میں لے یا نہ لے۔

شرط کا ذراع کے ساتھ مقید ہونے کا بیان

(وَلَوْ اشْتَرَى ثَوْبًا وَاحِدًا عَلَى أَنَّهُ عَشَرَةُ أَذْرُعٍ كُلُّ ذِرَاعٍ بِدِرْهَمٍ فَإِذَا هُوَ عَشَرَةٌ وَنِصْفٌ أَوْ تِسْعَةٌ وَنِصْفٌ، قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ :فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ يَأْخُذُهُ بِعَشَرَةٍ مِنْ غَيْرِ خِيَارٍ، وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي يَأْخُذُهُ بِتِسْعَةٍ إنْ شَاءَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ يَأْخُذُهُ بِأَحَدَ عَشَرَ إنْ شَاءَ، وَفِي الثَّانِي يَأْخُذُ بِعَشَرَةٍ إنْ شَاءَ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَأْخُذُ فِي الْأَوَّلِ بِعَشَرَةٍ وَنِصْفٍ إنْ شَاءَ، وَفِي الثَّانِي بِتِسْعَةٍ وَنِصْفٍ وَيُخَيَّرُ) ؛ لِأَنَّ مِنْ ضَرُورَةِ مُقَابَلَةِ الذِّرَاعِ بِالدِّرْهَمِ مُقَابَلَةُ نِصْفِهِ بِنِصْفِهِ فَيَجْرِي عَلَيْهِ حُكْمُهَا .وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَمَّا أَفْرَدَ كُلَّ ذِرَاعٍ بِبَدَلٍ نَزَلَ كُلُّ ذِرَاعٍ مَنْزِلَةَ ثَوْبٍ عَلَى حِدَةٍ وَقَدْ انْتَقَصَ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الذِّرَاعَ وَصْفٌ فِي الْأَصْلِ، وَإِنَّمَا أَخَذَ حُكْمَ الْمِقْدَارِ بِالشَّرْطِ وَهُوَ مُقَيَّدٌ بِالذِّرَاعِ، فَعِنْدَ عَدَمِهِ عَادَ الْحُكْمُ إلَى الْأَصْلِ .

وَقِيلَ فِي الْكِرْبَاسِ الَّذِي لَا يَتَفَاوَتُ جَوَانِبُهُ لَا يَطِيبُ لِلْمُشْتَرِي مَا زَادَ عَلَى الْمَشْرُوطِ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْزُونِ حَيْثُ لَا يَضُرُّهُ الْفَصْلُ، وَعَلَى هَذَا لَوْ قَالُوا :يَجُوزُ بَيْعُ ذِرَاعٍ مِنْهُ .

ترجمه

اور کسی نے کپڑے کا ایک تھان اس شرط پر خریدا کہ وہ دس گز ہے اور ایک درھم میں ہے لیکن وہ تھان ساڑھے دس یا ساڑھے نو گز کا نکلا تو اس سلسلے یہ امام اعظم یہ فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں مشتری اسے دس دوھم کے عوض بغیر کسی اختیار کے لے لے گا اور دوسری صورت میں اگر مشتری چاہے تو نو درھم میں لے لے۔امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر مشتری چاہے تو پہلی صورت میں اسے گیارہ درھم کے عوض لے لے اور دوسری صورت میں اگر لینا چاہے تو دس درھم کے عوض لے لے امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر مشتری کا دل کہے تو پہلی صورت میں وہ تھان ساڑھے دس درھم کے عوض اور دوسری صورت میں ساڑھے نو درھم میں لے لے اور اسے اختیار حاصل ہوگا اس لئے کہ درھم کے ساتھ گز کا مقابلہ ہونے کیلئے ضروری ہے کہ [illegible] بھی نصف [illegible] پس نصف پر مقابلے کا حکم ہوگا امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ جب بائع نے ہر گز کا الگ بدل بیان [illegible] ہر گز [illegible] درجے میں اتار لیا جائے گا اور یہاں وہ کم ہوگیا ہے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ ذراع اصل میں وصف ہے اور شرط کیوجہ

ہے اسے مقدار کا حکم ملا ہے اور شرط ذراع کے ساتھ مقید ہے پس شرط معدوم ہونے کی صورت میں حکم اصل کی طرف لوٹ آنے گا ایک قول یہ ہے کہ وہ کرباس جس کے کناروں فرق نہیں ہوتا اس میں مشتری کیلئے مشروط مقدار پر ہونے والی زیادتی حلال نہیں ہے کیونکہ وہ موزون کے اوصاف میں ہے چنانچہ علاحدگی اس کیلئے معزنہیں ہے اسی بنا پر فقہاء نے فرمایا کہ اس میں سے ایک گز کی بیع جائز ہے۔

مبیع کے بدل کو بیان کرنے یا نہ کرنے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کپڑے کی ایک گٹھری خریدی اس شرط پر کہ اس میں دس تھان ہیں مگر نکلے نو تھان یا گیارہ، تو بیع فاسد ہوگئی کہ کمی کی صورت میں ثمن مجہول ہے اور زیادتی کی صورت میں مبیع مجہول ہے اور اگر ہر ایک تھان کا ثمن بیان کردیا تھا تو کمی کی صورت میں بیع جائز ہوگی کہ نو تھان کی قیمت دے کر لے لے مگر مشتری کو اختیار ہوگا کہ بیع کو فسخ کردے اور اگر گیارہ تھان نکلے تو بیع ناجائز ہے کہ مبیع مجہول ہے اُن میں سے ایک تھان کونسا کم کیا جائیگا۔ (درمختار، کتاب بیوع)

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے تھانوں کی ایک گٹھری خریدی اور ایک غیر معین تھان کا استثنا کردیا یا بکریوں کا ایک ریوڑ خریدا اور ایک بکری غیر معین کا استثنا کیا تو بیع فاسد ہوگئی کہ معلوم نہیں وہ مستثنے کون ہے اور اس سے لازم آیا کہ مبیع مجہول ہوجائے اور اگر معین تھان یا بکری کا استثنا ہوتا تو بیع جائز ہوتی کہ مبیع میں کسی قسم کی جہالت پیدا نہ ہوتی۔ تھان خریدا کہ دس گز ہے فی گز ایک روپیہ اور وہ ساڑھے دس گز نکلا تو دس روپے میں لینا پڑیگا اور ساڑھے نو گز نکلا تو مشتری کو اختیار ہے کہ نو روپے میں لے یا نہ لے۔ ایک زمین خریدی کہ اس میں اتنے پھل دار درخت ہیں مگر ایک درخت ایسا نکلا جس میں پھل نہیں آتے تو بیع فاسد ہوئی اور اگر زمین خریدی کہ اس میں اتنے درخت ہیں اور کم نکلے تو بیع جائز ہے مگر مشتری کو اختیار ہے کہ چاہے پورے ثمن پر لے لے اور چاہے نہ لے اسی طرح اگر مکان خریدا کہ اس میں اتنے کمرے یا کوٹھریاں ہیں اور کم نکلیں تو بیع جائز ہے مگر مشتری کو اختیار ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ کہہ کر تھان خریدا کہ دس گز کا ہے دس روپے میں اور یہ کہدیا کہ فی گز ایک روپیہ اب نکلا کم تو جتنا کم ہے اُس کی قیمت کم کردے اور مشتری کو یہ اختیار ہے کہ نہ لے اور اگر زیادہ نکلا، مثلاً گیارہ یا بارہ گز ہے تو اس زیادہ کا روپیہ یہ دے، یا بیع کو فسخ کردے۔ یہ حکم اُس تھان کا ہے جو پورا ایک طرح کا نہیں ہوتا جیسے چکن، گلبدن اور اگر ایک طرح کا ہو تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بائع اُس زیادتی کو پھاڑ کردس۔ اگر مشتری کو دیدے۔

(درمختار، کتاب بیوع)

فصل

﴿یہ فصل بطور تابع ہوکر مبیع میں شامل چیزوں کے بیان میں ہے﴾

مبیع میں تابع اشیاء فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے بیوع کے بنیادی واساسی مسائل کو ذکر کیا ہے جو مسائل دیگر مسائل کیلئے بطور قواعد یا اساس بنتے ہیں۔ جس میں ثمن ومبیع کے ایجاب وقبول ودیگر التزامی مسائل کو دلائل کے ساتھ بیان کردیا ہے۔ اب یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ ان چیزوں کا بیان کررہے ہیں جو صراحت کے ساتھ تو مبیع کے ساتھ مذکور نہیں ہوا کرتیں البتہ حکم کے اعتبار سے اور مبیع کے تابع ہوکر اس میں داخل ہوتی ہیں۔ اور یہ اصول ہے کہ تابع ہمیشہ مؤخر ہوتا ہے۔

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ فصل دو بنیادی قواعد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ ہر وہ چیز جس عرف کے مطابق مبیع کا نام شامل ہو وہ مبیع میں داخل ہوگی خواہ اس کا ذکر صراحت کے ساتھ نہ کیا جائے۔ اور دوسرا قاعدہ یہ ہے ہر وہ چیز اتصال اقرار کے ساتھ مبیع کے ساتھ ملی ہوئی ہے وہ بھی تابع ہوکر مبیع میں شامل ہوگی۔

(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب بیوع، بیروت)

گھر میں عمارت کے داخل ہونے کا بیان

(وَمَنْ بَاعَ دَارًا دَخَلَ بِنَاؤُهَا فِي الْبَيْعِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِ، لِأَنَّ اسْمَ الدَّارِ يَتَنَاوَلُ الْعَرْصَةَ وَالْبِنَاءَ فِي الْعُرْفِ) وَلِأَنَّهُ مُتَّصِلٌ بِهَا اتِّصَالَ قَرَارٍ فَيَكُونُ تَبَعًا لَهُ .

(وَمَنْ بَاعَ أَرْضًا دَخَلَ مَا فِيهَا مِنَ النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِ) لِأَنَّهُ مُتَّصِلٌ بِهَا لِلْقَرَارِ فَأَشْبَهَ الْبِنَاءَ (وَلَا يَدْخُلُ الزَّرْعُ فِي بَيْعِ الْأَرْضِ إلَّا بِالتَّسْمِيَةِ) لِأَنَّهُ مُتَّصِلٌ بِهَا لِلْفَصْلِ فَشَابَهَ الْمَتَاعَ الَّذِي فِيهَا .

ترجمہ

اور جب کسی نے کوئی مکان بیچا تو اسکی عمارت بھی بیع میں داخل ہوگی خواہ اسکو ذکر نہ کرے کیونکہ عرف میں لفظ دار صحن اور عمارت دونوں کو شامل ہوتا ہے اور اس لئے بھی کہ عمارت کو زمین کے ساتھ اتصال قرار حاصل ہے لہذا وہ مکان کے تابع ہوگی اور جب کسی شخص نے کوئی زمین فروخت کی تو اس زمین میں موجود کھجور اور دیگر چیزوں کے درخت بھی بیع میں داخل ہوں گے اگر چہ انکی

صراحت نہ کی ہو اسلئے کہ درخت زمین کے ساتھ برقرار رہنے کیلئے متصل ہیں تو یہ عمارت کے مشابہ ہو گئے اور کھیتی بغیر بیان کے زمین کی بیع میں داخل نہیں ہوگی کیونکہ وہ زمین سے جدا ہونے کیلئے متصل ہے لہذا یہ گھر میں موجود سامان کے مشابہ ہوگئی۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کوئی مکان خرید اتو جتنے کمرے کوٹھریاں ہیں سب بیع میں داخل ہیں یوہیں جو چیز مبیع کے ساتھ متصل ہو اور اس کا اتصال اتصال قرار ہو یعنی اس کی وضع اس لیے نہیں ہے کہ جدا کر لی جائے گی تو یہ بھی بیع میں داخل ہوگی مثلاً مکان کا زینہ یالکڑی کا زینہ جو مکان کے ساتھ متصل ہو کیواڑ اور چوکھٹ اور کنڈی اور وہ قفل جو کیواڑ میں متصل ہوتا ہے اور اس کی کنجی۔ دوکان کے سامنے جو تختے لگے ہوتے ہیں یہ سب بیع میں داخل ہیں اور وہ قفل جو کیواڑ سے متصل نہیں بلکہ الگ رہتا ہے جیسے عام طور پر تالے ہوتے ہیں یہ بیع میں داخل نہیں بلکہ یہ بائع لے لے گا۔ زمین بیچ ڈالی تو اس میں چھوٹے بڑے پھلدار اور بے پھل جتنے درخت ہیں سب بیع میں داخل ہیں مگر سوکھا درخت جو ابھی تک زمین سے اُکھڑا نہیں ہے وہ داخل نہیں کہ یہ گویا لکڑی ہے جو زمین پر رکھی ہے۔

لہذا آم وغیرہ کے پودے جو زمین میں ہوتے ہیں کہ برسات میں یہاں سے کھود کر دوسری جگہ لگائے جاتے ہیں یہ بھی داخل ہیں، مکان بیچا تو چکی بیع میں داخل نہ ہوگی اگر چہ نیچے کا پاٹ زمین میں جڑا ہوا ور ڈول رسی بھی داخل نہیں اور کوئیں پر پانی بھرنے کی چرخی اگر متصل ہو تو داخل ہے اور اگر رسی سے بندھی ہو یا دونوں بازوں میں حلقہ بنا ہے کہ پانی بھرنے کے وقت چرخی لگا دیتے ہیں پھر الگ کر دیتے ہیں تو ان دونوں صورتوں میں داخل نہیں۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب بیوع)

کھجور کی بیع پر پھل بائع کا ہونے کا بیان

(وَمَنْ بَاعَ نَخْلًا أَوْ شَجَرًا فِيهِ ثَمَرٌ فَثَمَرَتُهُ لِلْبَائِعِ إلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ اشْتَرَى أَرْضًا فِيهَا نَخْلٌ فَالثَّمَرَةُ لِلْبَائِعِ، إلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ) وَلِأَنَّ الِاتِّصَالَ وَإِنْ كَانَ خِلْقَةً فَهُوَ لِلْقَطْعِ لَا لِلْبَقَاءِ فَصَارَ كَالزَّرْعِ .

(وَيُقَالُ لِلْبَائِعِ اقْطَعْهَا وَسَلِّمْ الْمَبِيعَ) وَكَذَا إذَا كَانَ فِيهَا زَرْعٌ ؛ لِأَنَّ مِلْكَ الْمُشْتَرِي مَشْغُولٌ بِمِلْكِ الْبَائِعِ فَكَانَ عَلَيْهِ تَفْرِيغُهُ وَتَسْلِيمُهُ، كَمَا إذَا كَانَ فِيهِ مَتَاعٌ

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : يُتْرَكُ حَتَّى يَظْهَرَ صَلَاحُ الثَّمَرِ وَيُسْتَحْصَدَ الزَّرْعُ ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ إنَّمَا هُوَ التَّسْلِيمُ الْمُعْتَادُ، وَالْمُعْتَادُ أَنْ لَا يُقْطَعَ كَذَلِكَ وَصَارَ كَمَا إذَا انْقَضَتْ مُدَّةُ الْإِجَارَةِ وَفِي الْأَرْضِ زَرْعٌ .

قُلْنَا: هُنَاكَ التَّسْلِيمُ وَاجِبٌ أَيْضًا حَتَّى يُتْرَكَ بِأَجْرٍ، وَتَسْلِيمُ الْعِوَضِ كَتَسْلِيمِ الْمُعَوَّضِ، .. وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ الثَّمَرُ بِحَالٍ لَهُ قِيمَةٌ أَوْ لَمْ يَكُنْ فِي الصَّحِيحِ وَيَكُونُ فِي الْحَالَيْنِ لِلْبَائِعِ؛ لِأَنَّ بَيْعَهُ يَجُوزُ فِي أَصَحِّ الرِّوَايَتَيْنِ عَلَى مَا تَبَيَّنَ فَلَا يَدْخُلُ فِي بَيْعِ الشَّجَرِ مِنْ غَيْرِ ذِكْرٍ.

ترجمہ

اور جب کسی نے کھجور کا درخت یا کوئی پھل دار درخت بیچا تو اس کے پھل بائع کے ہوں گے مگر یہ کہ مشتری انہیں بھی لینے کی شرط لگا دے اس لئے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے کوئی ایسی زمین خریدی جس میں کھجور کا درخت ہو تو اس کے پھل بائع کے ہوں گے مگر جب مشتری شرط لگا دے اور اس لئے بھی کہ اگرچہ درختوں کے ساتھ پھلوں کا اتصال پیدائشی ہے مگر وہ پھر بھی توڑنے ہی کیلئے ہے بقاء کیلئے نہیں ہے اور یہ کھیتی کی طرح ہو گئے اور بائع سے کہا جائے گا کہ پھلوں کو توڑ کر مبیع مشتری کے حوالے کر دے اور اسی طرح اگر زمین میں کھیتی ہو کیونکہ مشتری کی ملکیت بائع کی ملکیت کیساتھ مشغول ہے لہذا اس کو خالی کر کے مشتری کے حوالے کرنا بائع کی ذمہ داری ہو جیسے کہ اس صورت میں جب مکان میں بائع کا سامان ہو۔

امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ پھل اور کھیتی دونوں کو چھوڑ دیا جائے جب تک کہ پھل کی منفعت ظاہر ہو جائے اور کھیتی کاٹ لی جائے اس لئے کہ معتاد طریقے سے ہی سپرد کرنا واجب ہے اور عادتاً ظہور منفعت سے پہلے پھلوں کو نہیں توڑا جاتا اور یہ ایسا ہو گیا جب زمین میں کھیتی رہتے ہوئے اجارہ کی مدت ختم ہو جائے ہم کہتے ہیں کہ بقائے کھیتی کی صورت میں بھی زمین کی سپردگی ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ زمین کو اجرت پر چھوڑا جاتا ہے اور عوض کی سپردگی معوض کی سپردگی کی طرح ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق کوئی فرق نہیں ہے اس صورت میں جب پھل ایسی حالت میں ہوں کہ ان کی قیمت یا ان کی قیمت نہ ہو اور دونوں صورتوں میں وہ بائع کے ہوں گے اس لئے کہ دو میں سے اصح روایت کے مطابق ان کی بیع جائز ہے جیسا کہ ہم آگے اسے بیان کریں گے لہذا پھل صراحت کیساتھ بیع ارض میں داخل نہیں ہوں گے۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھجور کا درخت تابیر کیا ہو بیچ تو اس کے پھل بائع کے ہوں گے مگر جس صورت میں مشتری شرط کر لے کہ پھل میرے ہیں۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1200)

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے زمین بیع کی اور اُس میں کھیتی ہے تو زراعت بائع کی ہے البتہ اگر مشتری شرط کر لے یعنی مع زراعت کے لے تو مشتری کی ہے اسی طرح اگر درخت بیچا جس میں پھل موجود ہیں تو یہ پھل

بائع کے ہیں مگر جبکہ مشتری اپنے لیے شرط کرلے۔اسی طرح چنبیلی گلاب، جوہی وغیرہ کے درخت خریدے تو پھول بائع کے ہیں مگر جبکہ مشتری شرط کرلے۔(فتح القدیر شرح الہدایہ، کتاب بیوع)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے زراعت والی زمین یا پھل والا درخت خریدا تو بائع کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب تک چاہے زراعت رہنے دے یا پھل نہ توڑے بلکہ اُس سے کہا جائے گا کہ زراعت کاٹ لے اور پھل توڑلے اور زمین یا درخت مشتری کو سپرد کردے کیونکہ اب وہ مشتری کی مِلک ہے اور دوسرے کی مِلک کو مشغول رکھنے کا اسے حق نہیں، البتہ اگر مشتری نے ثمن ادا نہ کیا ہو تو بائع پر تسلیم مبیع واجب نہیں۔

یا پھر اس نے کھیت کی زمین بیع کی جس میں زراعت ہے اور بائع یہ چاہتا ہے کہ جب تک زراعت طیار نہ ہو کھیت ہی میں رہے طیار ہونے پر کاٹی جائے اور اتنے زمانہ تک کی اجرت دینے کو کہتا ہے اگر مشتری راضی ہو جائے تو ایسا بھی کرسکتا ہے بغیر رضامندی نہیں کرسکتا۔

کاٹنے کے لیے درخت خریدا ہے تو عادۃً درخت خریدنے والے جہاں تک جڑ کھود کر نکالا کرتے ہیں یہ بھی جڑ کھود کر نکالے گا مگر جبکہ بائع نے یہ شرط کردی ہو کہ زمین کے اوپر سے کاٹنا ہوگا جڑ کھودنے کی اجازت نہیں تو اس صورت میں زمین کے اوپر ہی سے درخت کاٹ سکتا ہے یا شرط نہیں کی ہے مگر جڑ کھودنے میں بائع کا نقصان ہے مثلاً وہ درخت دیوار یا کوئیں کے قرب میں ہے جڑ کھودنے میں دیوار گر جانے یا کوآں منہدم ہو جانے کا اندیشہ ہے تو اس حالت میں بھی زمین کے اوپر سے ہی کاٹ سکتا ہے پھر اگر اُس جڑ میں دوسرا درخت پیدا ہو تو یہ درخت بائع کا ہوگا ہاں اگر درخت کا کچھ حصہ زمین کے اوپر چھوڑ دیا ہے۔اور اس میں شاخیں نکلیں تو یہ شاخیں مشتری کی ہیں۔کاٹنے کے لیے درخت خریدا ہے اس کے نیچے کی زمین بیع میں داخل نہیں اور باقی رکھنے کے لیے خریدا ہے تو زمین بیع میں داخل ہے اور اگر بیع کے وقت نہ یہ ظاہر کیا کہ کاٹنے کے لیے خریدتا ہے نہ یہ کہ باقی رکھنے کے لیے خریدتا ہے تو بھی نیچے کی زمین بیع میں داخل ہے۔(ردمحتار، کتاب بیوع)

بیج بونے کی حالت میں زمین بیچنے کا بیان

وَأَمَّا إذَا بِيعَتْ الْأَرْضُ وَقَدْ بَذَرَ فِيهَا صَاحِبُهَا وَلَمْ يَنْبُتْ بَعْدُ لَمْ يَدْخُلْ فِيهِ ؛ لِأَنَّهُ مُودَعٌ فِيهَا كَالْمَتَاعِ .

وَلَوْ نَبَتَ وَلَمْ تَصِرْ لَهُ قِيمَةٌ فَقَدْ قِيلَ لَا يَدْخُلُ فِيهِ، وَقَدْ قِيلَ يَدْخُلُ فِيهِ، وَكَأَنَّ هَذَا بِنَاءٌ عَلَى الِاخْتِلَافِ فِي جَوَازِ بَيْعِهِ قَبْلَ أَنْ تَنَالَهُ الْمَشَافِرُ وَالْمَنَاجِلُ، وَلَا يَدْخُلُ الزَّرْعُ وَالثَّمَرُ بِذِكْرِ الْحُقُوقِ وَالْمَرَافِقِ ؛ لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْهُمَا .

وَلَوْ قَالَ بِكُلِّ قَلِيلٍ وَكَثِيرٍ هُوَ لَهُ فِيهَا وَمِنْهَا مِنْ حُقُوقِهَا أَوْ قَالَ مِنْ مَرَافِقِهَا لَمْ يَدْخُلَا

فِيهِ لِمَا قُلْنَا، وَإِنْ لَمْ يَقُلْ مِنْ حُقُوقِهَا أَوْ مِنْ مَرَافِقِهَا دَخَلَا فِيهِ .

وَأَمَّا الثَّمَرُ الْمَجْذُوذُ وَالزَّرْعُ الْمَحْصُودُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمَتَاعِ لَا يَدْخُلُ إِلَّا بِالتَّصْرِيحِ بِهِ .

ترجمہ

اور جب زمین اس حال میں فروخت کی گئی کہ زمین کے مالک نے اس میں بیج ڈال دیا تھا اور ابھی تک وہ اگا نہیں تھا تو بیج زمین کی بیع میں داخل نہیں ہوگا اس لئے کہ سامان کی طرح یہ بھی زمین میں رکھا ہوا ہے اور اگر بیج اگ گیا لیکن ابھی تک اس کی کوئی قیمت نہیں لگی ہے تو ایک قول یہ کہ وہ بیع میں داخل نہیں ہوگا اور ایک قول یہ کہ داخل ہو جائے گا اور ایسا لگتا ہے کہ یہ اختلاف درانتیوں سے کاٹنے اور ہونٹوں سے پکڑنے سے قبل اسکی جواز بیع کے متعلق ہونے والے اختلاف پر مبنی ہے اور کھیتی اور پھل حقوق اور مرافق کی صراحت سے بیع میں داخل نہیں ہوں گے کیونکہ وہ دونوں حقوق اور مرافق میں سے نہیں ہے۔ اور اگر بائع نے یہ کہا کہ ہر قلیل وکثیر کیساتھ جو اس مبیع میں موجود ہیں یا مبیع سے یا اس کے حقوق اور مرافق میں سے ہو تو بھی کھیتی اور پھل بیع میں داخل نہیں ہوں گے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا اور اگر من حقوقها یا من مرافقها نہیں کہا تو وہ دونوں بیع میں داخل ہو جائیں گے لیکن توڑے ہوئے پھل اور کٹی ہوئی کھیتی صراحت کے بغیر بیع میں داخل نہیں ہوگی کیونکہ یہ سامان کے درجہ میں ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے درخت کو کاٹنے کی غرض سے خریدا ہے تو مشتری کو حکم دیا جائے گا کہ کاٹ لے جائے چھوڑ رکھنے کی اجازت نہیں اور اگر باقی رکھنے کے لیے خریدا ہے تو کاٹنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا اور کاٹ بھی لے تو اس کی جگہ پر دوسرا درخت لگا سکتا ہے بائع کو روکنے کا حق حاصل نہیں کیونکہ زمین کا اتنا حصہ اس صورت میں مشتری کا ہو چکا۔ جڑ سمیت درخت خریدا اور اُس کی جڑ میں سے اور درخت اوگے اگر ایسا ہے کہ پہلا درخت کاٹ لیا جائے تو یہ درخت سوکھ جائیں گے تو یہ بھی مشتری کے ہیں کہ اُسی کے درخت سے اوگے ہیں ورنہ بائع کے ہیں مشتری کو ان سے تعلق نہیں۔

زراعت تیار ہونے سے قبل بیچ دی اس شرط پر کہ جب تک طیار نہ ہوگی کھیت میں رہے گی یا کھیت کی زمین بیچ ڈالی اور اُس میں زراعت موجود ہے اور شرط یہ کی کہ جب تک طیار نہ ہوگی کھیت میں رہے گی یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔ زمین بیع کی تو وہ چیزیں جو زمین میں باقی رکھنے کی غرض سے ہیں جیسے درخت اور مکانات یہ بیع میں داخل ہیں اگرچہ ان کو بیع میں ذکر نہ کیا ہو اور یہ بھی نہ کہا ہو کہ جمیع حقوق ومرافق کے ساتھ خریدتا ہوں البتہ اُس زمین میں سوکھا ہوا درخت ہے تو اس طرح کی بیع میں داخل نہیں اور جو چیزیں باقی رکھنے کے لیے نہ ہوں جیسے بانس، نرکل، گھاس یہ بیع میں داخل نہیں مگر جبکہ بیع میں ان کا ذکر کر دیا جائے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

کچے پکے پھلوں کی بیع کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ ثَمَرَةً لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهَا أَوْ قَدْ بَدَا جَازَ الْبَيْعُ) ؛ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ، إمَّا لِكَوْنِهِ مُنْتَفِعًا بِهِ فِي الْحَالِ أَوْ فِي الثَّانِي، وَقَدْ قِيلَ لَا يَجُوزُ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ (وَعَلَى الْمُشْتَرِي قَطْعُهَا فِي الْحَالِ) تَفْرِيغًا لِمِلْكِ الْبَائِعِ، وَهَذَا إذَا اشْتَرَاهَا مُطْلَقًا أَوْ بِشَرْطِ الْقَطْعِ .

ترجمہ

فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ایسے پھل فروخت کیے جن کی صلاح ظاہر نہیں ہوئی یا ظاہر ہوگئی تو دونوں صورتوں میں بیع جائز ہوگی اس لئے کہ وہ پھل مال متقوم ہے یا تو فی الحال اس کے قابل انتفاع ہونے کی وجہ یا آگے چل کر قابل انتفاع ہونے کی وجہ سے ایک قول یہ ہے کہ بدو صلاح سے پہلے پھلوں کی بیع جائز نہیں ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے اور بائع کی ملکیت خالی کرنے کیلئے مشتری پر فوراوہ پھل توڑنا واجب ہے اور بیع اس صورت میں جائز ہے جب پھلوں کو مطلقا خریدا ہو یا توڑنے کی شرط کیساتھ خریدا ہو۔

شرط فاسد کے سبب بیع کے عدم جواز کا بیان

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخصنے باغ کی بہار پھل آنے سے پہلے بیچ ڈالی یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر کچھ پھل آچکے ہیں کچھ باقی ہیں جب بھی ناجائز ہے جبکہ موجود وغیر موجود دونوں کی بیع مقصود ہو اور اگر سب پھل آچکے ہیں تو یہ بیع درست ہے مگر مشتری کو یہ حکم ہوگا کہ ابھی پھل توڑ کر درخت خالی کردے اور اگر یہ شرط ہے کہ جب تک پھل طیار نہ ہوں گے درخت پر رہیں گے طیار ہو جانے کے بعد توڑے جائیں گے تو یہ شرط فاسد ہے اور بیع ناجائز اور اگر پھل آجانے کے بعد بیع ہوئی مگر ہنوز مشتری کا قبضہ نہ ہوا تھا کہ اور پھل پیدا ہو گئے بیع فاسد ہوگئی کہ اب مبیع وغیر مبیع میں امتیاز باقی نہ رہا اور قبضہ کے بعد دوسرے پھل پیدا ہوئے تو بیع پر اس کا کوئی اثر نہیں مگر چونکہ یہ جدید پھل بائع کے ہیں اور امتیاز ہے نہیں لہذا بائع و مشتری دونوں شریک ہیں رہا یہ کہ کتنے پھل بائع کے ہیں اور کتنے مشتری کے اس میں مشتری حلف سے جو کچھ کہدے اُس کا قول معتبر ہے۔

(فتح القدیر، کتاب بیوع)

اور جب اس نے پھل خریدے نہ یہ شرط کی کہ ابھی توڑ لے گا اور نہ یہ کہ پکنے تک درخت پر رہیں گے اور بعد عقد بائع نے درخت پر چھوڑنے کی اجازت دیدی تو یہ جائز ہے۔ اور اب پھلوں میں جو کچھ زیادتی ہوگی وہ مشتری کے لیے حلال ہے بشرطیکہ درخت پر پھل چھوڑے رہنے کا عرف نہ ہو کیونکہ اگر عرف ہو چکا ہو جیسا کہ اس زمانہ میں عموماً برصغیر میں یہی ہوتا ہے کہ یہاں شرط نہ ہو جب بھی شرط ہی کا حکم ہوگا اور بیع فاسد ہوگی البتہ اگر تصریح کردی جائے کہ فی الحال توڑ لینا ہوگا اور بعد میں مشتری کے لیے بائع نے اجازت دیدی تو یہ بیع فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر بیع میں شرط ذکر نہ کی اور بائع نے درخت پر رہنے کی اجازت بھی نہ دی مگر مشتری نے

پھل نہیں توڑے تو اگر بہ نسبت سابق پھل بڑے ہوگئے تو جو کچھ زیادتی ہوئی اسے صدقہ کرے یعنی بیع کے دن پھلوں کی جو قیمت تھی اُس قیمت پر آج کی قیمت میں جو کچھ اضافہ ہوا وہ خیرات کرے مثلاً اُس روز دس روپے قیمت تھی اور آج ان کی قیمت بارہ روپے ہے تو دو روپے خیرات کردے اور اگر بیع ہی کے دن پھل اپنی پوری مقدار کو پہنچ چکے تھے، اُن کی مقدار اس زمانہ میں کچھ نہیں بڑھی صرف اتنا ہوا کہ اُس وقت پکے ہوئے نہ تھے، اب پک گئے تو اس صورت میں صدقہ کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اتنے دنوں بغیر اجازت اُس کے درخت پر چھوڑے رہنے کا گناہ ہوا۔

اور جب اس نے پھل خریدے اور یہ خیال ہے کہ بیع کے بعد اور پھل پیدا ہو جائیں گے یا درخت پر پھل رہنے میں پھلوں میں زیادتی ہوگی جو بغیر اجازتِ بائع ناجائز ہوگی اور چاہتا ہے کہ کسی صورت سے جائز ہو جائے تو اس کا یہ حیلہ ہوسکتا ہے کہ مشتری ثمن ادا کرنے کے بعد بائع سے باغ یا درخت بٹائی پر لے لے اگرچہ بائع کا حصہ بہت قلیل قرار دے مثلاً جو کچھ اس میں ہوگا اُس میں نو سو ننانوے حصے مشتری کے اور ایک حصہ بائع کا تو اب جو نئے پھل پیدا ہوں گے یا جو کچھ زیادتی ہوگی بائع کا وہ ہزارواں حصہ دے کر مشتری کے لیے جائز ہو جائے گی مگر یہ حیلہ اُسی وقت ہوسکتا ہے کہ درخت یا باغ کسی یتیم کا نہ ہو نہ وقف۔ ہو اور اگر بیگن، مرچیں، کھیرے، ککڑی وغیرہ خریدے ہوں اور ان کے درختوں یا بیلوں میں آئے دن نئے پھل پیدا ہوں گے تو یہ کرے کہ وہ درخت یا بیلیں بھی مشتری خرید لے کہ اب جو نئے پھل پیدا ہوں گے مشتری کے ہونگے۔ اور زراعت پکنے سے قبل خریدی ہے تو یہ کرے کہ جتنے دنوں میں وہ طیار ہوگی اُس کی مدت مقرر کر کے زمین اجارہ پر لے لے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

درختوں پر پھل چھوڑنے کی شرط کے سبب فساد بیع کا بیان

(وَإِنْ شَرَطَ تَرْكَهَا عَلَى النَّخِيلِ فَسَدَ الْبَيْعُ) ؛ لِأَنَّهُ شَرْطٌ لَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ وَهُوَ شَغْلُ مِلْكِ الْغَيْرِ أَوْ هُوَ صَفْقَةٌ فِي صَفْقَةٍ وَهُوَ إعَارَةٌ أَوْ إجَارَةٌ فِي بَيْعٍ، وَكَذَا بَيْعُ الزَّرْعِ بِشَرْطِ التَّرْكِ لِمَا قُلْنَا، وَكَذَا إذَا تَنَاهَى عِظَمُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ لِمَا قُلْنَا، وَاسْتَحْسَنَهُ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لِلْعَادَةِ، بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يَتَنَاهَ عِظَمُهَا ؛ لِأَنَّهُ شَرْطٌ فِيهِ الْجُزْءُ الْمَعْدُومُ وَهُوَ الَّذِي يَزِيدُ لِمَعْنًى مِنْ الْأَرْضِ أَوْ الشَّجَرِ . وَلَوْ اشْتَرَاهَا مُطْلَقًا وَتَرَكَهَا بِإِذْنِ الْبَائِعِ طَابَ لَهُ الْفَضْلُ، وَإِنْ تَرَكَهَا بِغَيْرِ إذْنِهِ تَصَدَّقَ بِمَا زَادَ فِي ذَاتِهِ لِحُصُولِهِ بِجِهَةٍ مَحْظُورَةٍ. وَإِنْ تَرَكَهَا بَعْدَمَا تَنَاهَى عِظَمُهَا لَمْ يَتَصَدَّقْ بِشَيْءٍ.

لِأَنَّ هَذَا تَغَيُّرُ حَالَةٍ لَا تَحَقُّقُ زِيَادَةٍ، وَإِنْ اشْتَرَاهَا مُطْلَقًا وَتَرَكَهَا عَلَى النَّخِيلِ وَقَدْ

اسْتَأْجَرَ النَّخِيلَ إِلَى وَقْتِ الْإِدْرَاكِ طَابَ لَهُ الْفَضْلُ ؛ لِأَنَّ الْإِجَارَةَ بَاطِلَةٌ لِعَدَمِ التَّعَارُفِ وَالْحَاجَةِ فَبَقِيَ الْإِذْنُ مُعْتَبَرًا، بِخِلَافِ مَا إِذَا اشْتَرَى الزَّرْعَ وَاسْتَأْجَرَ الْأَرْضَ إِلَى أَنْ يُدْرِكَ وَتَرَكَهُ حَيْثُ لَا يَطِيبُ لَهُ الْفَضْلُ ؛ لِأَنَّ الْإِجَارَةَ فَاسِدَةٌ لِلْجَهَالَةِ فَأَوْرَثَتْ خُبْثًا

ترجمہ

اور اگر مشتری نے پھلوں کو درخت پر چھوڑنے کی شرط لگا دی تو بیع فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ یہ شرط عقد کے تقاضہ کے خلاف ہے اور وہ دوسرے کی ملکیت کو مشغول رکھنا ہے یا وہ ایک صفقہ میں دوسرا صفقہ ہے اور وہ اعارہ ہے یا تو اجارہ ہے۔ اور ایسے ہی کھیتی کی بیع زمین میں چھوڑنے کیساتھ فاسد ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور اسی طرح جب پھلوں کی موٹائی متناہی ہوگئی ہو تو بھی بیع بشرط الترک فاسد ہے شیخین کے نزدیک اسی دلیل کی بنا پر جو ہم پہلے بیان کر چکے اور امام محمد نے عادت الناس کے پیش نظر بر بنائے استحسان اسے جائز کر رکھا ہے برخلاف اس صورت کے جب پھلوں موٹائی اور بڑھوتری متناہی نہ ہوئی ہو اس لئے کہ اس میں زمین یا درخت کی قوت سے بڑھنے والے ایک معدوم جز کی شرط ہے۔ اور اگر پھلوں کو مطلق طور پر خریدا اور بائع کی اجازت سے انہیں درختوں پر چھوڑے رکھا تو پھلوں کا اضافہ مشتری کیلئے حلال ہے اور اگر بائع کی اجازت کے بغیر چھوڑے رکھا تو عین ذات میں ہونے والے اضافہ کو صدقہ کر دے اسلئے کہ یہ اضافہ ممنوع جہت سے حاصل ہوا ہے اور اگر پھلوں کی بڑھوتری مکمل ہونے کے بعد انہیں چھوڑے رکھا تو کچھ بھی صدقہ نہ کرے اس لئے کہ یہ حالت کا تغیر ہے زیادتی کا وجود نہیں ہے۔

اور اگر پھلوں کو مطلق طور پر خرید کر درختوں پر چھوڑ دیا اور پکنے کے وقت تک درختوں کو اجارہ پر بھی لے لیا تو اس کیلئے زیادتی حلال ہوگی اس لئے کہ رواج اور ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے اجارہ باطل ہے لہذا صرف بائع کی اجازت کا اعتبار رہ گیا برخلاف اس صورت کے جب کھیتی خریدا اور پکنے تک زمین کو اجارہ پر لے لیا اور کھیتی کو چھوڑ دیا تو اس کیلئے زیادتی حلال نہیں ہوگی اس لئے کہ جہالت کی وجہ سے اجارہ فاسد ہے لہذا اس جہالت نے مبیع میں گندگی پیدا کر دی ہے۔

تقاضہ عقد کے خلاف شرط کے سبب فساد بیع کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب بیع میں ایسی شرط ذکر کرنا کہ خود عقد اُس کا مقتضی ہے مضر نہیں مثلاً بائع پر مبیع کے قبضہ دلانے کی شرط اور مشتری پر ثمن ادا کرنے کی شرط یا اور اگر وہ شرط مقتضائے عقد نہیں مگر عقد کے مناسب ہو اس شرط میں بھی حرج نہیں مثلاً یہ کہ مشتری ثمن کے لیے کوئی ضامن پیش کرے یا ثمن کے مقابل میں فلاں چیز رہن رکھے اور جس کو ضامن بنایا ہے اُس نے اُسی مجلس میں ضمانت کر بھی لی اور اگر اُس نے ضمانت قبول نہ کی تو بیع فاسد ہے اور اگر مشتری نے ضمانت یا رہن سے گریز کی تو بائع بیع کو فسخ کر سکتا ہے۔ اسی طرح مشتری نے بائع سے ضامن طلب کیا کہ میں اس شرط سے خریدتا ہوں کہ فلاں شخص ضامن ہو جائے کہ مبیع پر قبضہ دلا دے یا مبیع میں کسی کا حق نکلے گا تو ثمن واپس ملے گا یہ شرط بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ شرط نہ اس قسم کی ہو نہ اُس

قسم کی مگر شرع نے اُس کو جائز رکھا ہے جیسے خیار شرط یا وہ شرط ایسی ہے جس پر مسلمانوں کا عام طور پر عمل درآمد ہے جیسے آج کل گھڑیوں میں گارنٹی سال دوسال کی ہوا کرتی ہے کہ اس مدت میں خراب ہوگی تو درستی کا ذمہ دار بائع ہے ایسی شرط بھی جائز ہے۔ اور یہ بھی نہ ہو یعنی شریعت میں بھی اُس کا جواز نہیں وارد ہوا اور مسلمانوں کا تعامل بھی نہ ہو وہ شرط فاسد ہے اور بیع کو بھی فاسد کردیتی ہے مثلاً کپڑا خریدا اور یہ شرط کرلی کہ بائع اس کو قطع کرکے سی دے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

قبضہ سے پہلے نئے پھلوں کے اگنے کا بیان

وَلَوْ اشْتَرَاهَا مُطْلَقًا فَأَثْمَرَتْ ثَمَرًا آخَرَ قَبْلَ الْقَبْضِ فَسَدَ الْبَيْعُ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ تَسْلِيمُ الْمَبِيعِ لِتَعَذُّرِ التَّمْيِيزِ .

وَلَوْ أَثْمَرَتْ بَعْدَ الْقَبْضِ يَشْتَرِكَانِ فِيهِ لِلِاخْتِلَاطِ، وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي فِي مِقْدَارِهِ ؛ لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ، وَكَذَا فِي الْبَاذِنْجَانِ وَالْبِطِّيخِ، وَالْمَخْلَصُ أَنْ يَشْتَرِيَ الْأُصُولَ لِتَحْصُلَ الزِّيَادَةُ عَلَى مِلْكِهِ .

ترجمہ

اور جب پھلوں کو خریدا اور قبضہ سے پہلے درختوں پر دوسرے پھل آگئے تو بیع فاسد ہے کیونکہ دونوں پھلوں میں امتیاز ناممکن ہونے کی وجہ سے بائع کے لئے مبیع سپرد کرنا محال ہے اور اگر قبضہ کے بعد دوسرے پھل آئے تو مبیع اور غیر مبیع مل جانے کی وجہ سے دونوں میں شریک ہوں گے اور زائد کی مقدار میں مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ اسی کے قبضے میں ہے اور اسی طرح بینگن اور خربوزہ میں بھی یہ ہی حکم ہوگا اور چھٹکارے کا طریقہ یہ ہے کہ درختوں کو ہی خرید لے تاکہ اسکی ملکیت میں اضافہ ہو۔

فرق کی عدم امکان پر فساد بیع کا بیان

مذکور متن میں صاحب ہدایہ نے فساد بیع کی دلیل کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ جب کسی شخص مبیع میں قبضہ سے پہلے ہی نئے پھل اُگ آئیں تو وہ بیع فاسد ہو جائے گی کیونکہ جب پھل اُگ آئے ہیں تو ظاہر ہے دونوں کی مماثلت ایک جیسی ہے اور اب یہ شمار کس طرح ہوگا کہ یہ موجودہ پھل پہلے والی مبیع کا ہے یا پھر اس کے بعد نیا اگنے والا ہے۔ لہذا عدم فرق کے سبب مبیع میں بیع شدہ پھلوں اور غیر بیع شدہ پھلوں کے مشتمل ہونے کے سبب احتمال بھی پیدا ہوا اور شک وشبہ بھی پیدا ہو چکا۔ پس اختلاط مبیع کے سبب اس بیع کو فاسد قرار دیا جائے گا۔ (رضوی عفی عنہ)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے باغ کی بہار پھل آنے سے پہلے بیچ ڈالی یہ ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر کچھ پھل آچکے ہیں کچھ باقی ہیں جب بھی ناجائز ہے جبکہ موجود و غیر موجود دونوں کی بیع مقصود ہو اور اگر سب پھل آچکے ہیں تو یہ بیع درست ہے مگر مشتری کو یہ حکم ہوگا کہ ابھی پھل توڑ کر درخت خالی کردے اور اگر یہ شرط ہے کہ جب تک پھل طیار نہ ہوں گے

درخت پر رہیں گے طیار ہو جانے کے بعد توڑے جائیں گے تو یہ شرط فاسد ہے اور بیع ناجائز اور اگر پھل آ جانے کے بعد بیع ہوئی مگر ہنوز مشتری کا قبضہ نہ ہوا تھا کہ اور پھل پیدا ہو گئے بیع فاسد ہو گئی کہ اب مبیع وغیر مبیع میں امتیاز باقی نہ رہا اور قبضہ کے بعد دوسرے پھل پیدا ہوئے تو بیع پر اس کا کوئی اثر نہیں مگر چونکہ یہ جدید پھل بائع کے ہیں اور امتیاز ہے نہیں لہذا بائع ومشتری دونوں شریک ہیں رہا یہ کہ کتنے پھل بائع کے ہیں اور کتنے مشتری کے اس میں مشتری حلف سے جو کچھ کہدے اُس کا قول معتبر ہے۔ پھل خریدے نہ یہ شرط کی کہ ابھی توڑ لے گا اور نہ یہ کہ پکنے تک درخت پر رہیں گے اور بعد عقد بائع نے درخت پر چھوڑنے کی اجازت دیدی تو یہ جائز ہے۔ اور اب پھلوں میں جو کچھ زیادتی ہوگی وہ مشتری کے لیے حلال ہے بشرطیکہ درخت پر پھل چھوڑے رہنے کا عرف نہ ہو کیونکہ اگر عرف ہو چکا ہو جیسا کہ اس زمانہ میں عموماً ہندوستان میں یہی ہوتا ہے کہ یہاں شرط نہ ہو جب بھی شرط ہی کا حکم ہوگا اور بیع فاسد ہوگی البتہ اگر تصریح کردی جائے کہ فی الحال توڑ لینا ہوگا اور بعد میں مشتری کے لیے بائع نے اجازت دیدی تو یہ بیع فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر بیع میں شرط ذکر نہ کی اور بائع نے درخت پر رہنے کی اجازت بھی نہ دی مگر مشتری نے پھل نہیں توڑے تو اگر بہ نسبت سابق پھل بڑے ہو گئے تو جو کچھ زیادتی ہوئی اسے صدقہ کرے یعنی بیع کے دن پھلوں کی جو قیمت تھی اُس قیمت پر آج کی قیمت میں جو کچھ اضافہ ہوا وہ خیرات کرے مثلاً اُس روز دس روپے قیمت تھی اور آج ان کی قیمت بارہ روپے ہے تو دو روپے خیرات کردے اور اگر بیع ہی کے دن پھل اپنی پوری مقدار کو پہنچ چکے تھے، اُن کی مقدار اِس زمانہ میں کچھ نہیں بڑھی صرف اتنا ہوا کہ اُس وقت پکے ہوئے نہ تھے، اب پک گئے تو اس صورت میں صدقہ کرنے کی ضرورت نہیں البتہ اتنے دنوں بغیر اجازت اُس کے درخت پر چھوڑے رہنے کا گناہ ہوا۔

(فتح القدیر، کتاب بیوع)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب اس نے پھل خریدے اور یہ خیال ہے کہ بیع کے بعد اور پھل پیدا ہو جائیں گے یا درخت پر پھل رہنے میں پھلوں میں زیادتی ہوگی جو بغیر اجازتِ بائع ناجائز ہوگی اور چاہتا ہے کہ کسی صورت سے جائز ہو جائے تو اس کا یہ حیلہ ہو سکتا ہے کہ مشتری ثمن ادا کرنے کے بعد بائع سے باغ یا درخت بٹائی پر لے لے اگرچہ بائع کا حصہ بہت قلیل قرار دے مثلاً جو کچھ اس میں ہوگا اُس میں نوسونانوے حصے مشتری کے اور ایک حصہ بائع کا تو اب جو نئے پھل پیدا ہوں گے یا جو کچھ زیادتی ہوگی بائع کا وہ ہزارواں حصہ دے کر مشتری کے لیے جائز ہو جائے گی مگر یہ حیلہ اُسی وقت ہو سکتا ہے کہ درخت یا باغ کسی یتیم کا نہ ہو نہ وقف ہو اور اگر بیگن، مرچیں، کھیرے، ککڑی وغیرہ خریدے ہوں اور ان کے درختوں یا بیلوں میں آئے دن نئے پھل پیدا ہوں گے تو یہ کرے کہ وہ درخت یا بیلیں بھی مشتری خرید لے کہ اب جو نئے پھل پیدا ہوں گے مشتری کے ہونگے۔ اور زراعت پکنے سے قبل خریدی ہے تو یہ کرے کہ جتنے دنوں میں وہ طیار ہوگی اُس کی مدت مقرر کر کے زمین اجارہ پر لے لے۔

(ردمحتار، کتاب بیوع)

معین رطلوں کے استثناء کے عدم جواز کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَةً وَيَسْتَثْنِيَ مِنْهَا، أَرْطَالًا مَعْلُومَةً) خِلَافًا لِمَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّ الْبَاقِيَ بَعْدَ الِاسْتِثْنَاءِ مَجْهُولٌ . بِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَ وَاسْتَثْنَى نَخْلًا مُعَيَّنًا ؛ لِأَنَّ الْبَاقِيَ مَعْلُومٌ بِالْمُشَاهَدَةِ .

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :قَالُوا هَذِهِ رِوَايَةُ الْحَسَنِ وَهُوَ قَوْلُ الطَّحَاوِيِّ ؛ أَمَّا عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ يَنْبَغِي أَنْ يَجُوزَ ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّ مَا يَجُوزُ إيرَادُ الْعَقْدِ عَلَيْهِ بِانْفِرَادِهِ يَجُوزُ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنْ الْعَقْدِ، وَبَيْعُ قَفِيزٍ مِنْ صُبْرَةٍ جَائِزٌ فَكَذَا اسْتِثْنَاؤُهُ، بِخِلَافِ اسْتِثْنَاءِ الْحَمْلِ وَأَطْرَافِ الْحَيَوَانِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ، فَكَذَا اسْتِثْنَاؤُهُ .

ترجمہ

فرمایا کہ بائع کیلئے پھلوں کو بیچ کر ان میں سے متعین ارطال کا استثناء کرنا جائز نہیں ہے امام مالک کا اختلاف ہے کیونکہ استثناء کے بعد جو باقی ہے مجہول ہے۔ بر خلاف اس صورت کے جب باغ بیچ کر ایک معین درخت کا استثناء کرلے اس لئے کہ باقی مشاہدے سے معلوم ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اسے حضرت حسن کی روایت قرار دیا ہے اور یہ ہی امام طحاوی کا قول ہے لیکن ظاہر الروایہ کے مطابق اسے جائز ہونا چاہیے کیونکہ اصول یہ ہے کہ تنہا جس چیز کا عقد درست ہوتا ہے تو عقد سے اس کا استثناء کرنا بھی درست ہوتا ہے اور ڈھیر سے ایک قفیز کی بیع جائز ہے تو اسکا استثناء بھی جائز ہے بر خلاف حمل اور اعضائے حیوان کے استثناء کے اس لئے کہ تنہا ان کی بیع درست نہیں ہے تو اسی طرح انکا استثناء بھی درست نہیں ہوگا۔

معین ارطال کے استثناء میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بائع کیلئے پھلوں کو بیچ کر ان میں سے متعین ارطال کا استثناء کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ احناف، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کا مذہب ہے نیز امام طحاوی کا قول بھی یہی ہے۔ جبکہ میں امام مالک نے اس میں مس تراس کر۔ سوئے اختلاف کیا ہے اور ان کے نزدیک استثناء جائز ہے۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ ان کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ (ف القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۴، ص ۲۷۴، بیروت)

کیونکہ ستثناء کے بعد باقی مجہول ہے۔ مصنف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت امام حسن کی ہے اور وہی طحاوی کا قول ہے۔ لیکن ظاہر الروایۃ پر اس کو جائز ہونا چاہیے اس لئے کہ ضابطہ یہ ہے جس شیء پر بطور انفراد عقد کا وارد ہونا جائز ہو عقد سے اس کا استثناء بھی جائز ہوتا ہے۔ ڈھیر میں سے ایک بوری کی بیع جائز ہے تو اسی طرح اس کا استثناء بھی جائز ہوگا

بخلاف حمل اور جانور کے اجزاء کے، کیونکہ ان کی بیع جائز نہیں، اسی طرح ان کا استثناء بھی جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس کے قول "فصح " سے متعلق ہے اور ظاہر الروایت کے مقابلے میں حسن کا قول ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ استثناء جائز نہیں ہے۔ اسی کو اختیار کیا ہے امام طحاوی اور قدوری نے، کیونکہ استثناء کے بعد جو بچتا ہے وہ مجہول ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

غیر معلوم چیز کے استثناء کی ممانعت کا بیان

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع، محاقلہ مذابنہ مخابرہ اور غیر معلوم چیز کے استثناء سے منع فرمایا۔ یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے یعنی یونس بن عبید، عطاء سے اور وہ جابر سے روایت کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1310)

بیع میں استثناء کرنے کا قاعدہ

جس چیز پر مستقلاً عقد وارد ہوسکتا ہے اُس کا عقد سے استثنا صحیح ہے اور اگر وہ چیز ایسی ہے کہ تنہا اُس پر عقد وارد نہ ہو تو استثناء صحیح نہیں یہ ایک قاعدہ ہے اس کی مثال سُنیئے۔ غلہ کی ایک ڈھیری ہے اُس میں سے دس سیر یا کم وبیش خرید سکتے ہیں اسی طرح علاوہ دس سیر کے پوری ڈھیری بھی خرید سکتے ہیں۔ بکریوں کے ریوڑ میں سے ایک بکری خرید سکتے ہیں اسی طرح ایک معین بکری کو مستثنے کر کے سارا ریوڑ بھی خرید سکتے ہیں اور غیر معین بکری کو نہ خرید سکتے ہیں نہ اُس کا استثنا کر سکتے ہیں۔ درخت پر پھل لگے ہوں اُن میں کا ایک محدود حصہ خرید سکتے ہیں اسی طرح اُس حصہ کا استثنا بھی ہوسکتا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ جس کا استثنا کیا جائے وہ اتنا نہ ہو کہ اُس کے نکالنے کے بعد مبیع ہی ختم ہو جائے یعنی یہ یقیناً معلوم ہو کہ استثنا کے بعد مبیع باقی رہے گی اور اگر شبہہ ہو تو درست نہیں۔ باغ خریدا اُس میں سے ایک معین درخت کا استثنا کیا صحیح ہے۔ بکری کو بیچا اور اُس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اُس کا استثنا کیا یہ صحیح نہیں کہ اُس کو تنہا خرید نہیں سکتے۔ جانور کے سری، پائے، دُنبہ کی چکی کا استثنا نہیں کیا جا سکتا نہ ان کو تنہا خریدا جا سکتا یعنی جانور کے جزو معین کا استثنا نہیں ہوسکتا اور استثنا کیا تو بیع فاسد ہے اور جزو شائع مثلاً نصف یا چوتھائی کو خرید بھی سکتے ہیں اور اس کا استثنا بھی کر سکتے ہیں اور اس تقدیر پر وہ جانور دونوں میں مشترک ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے مکان توڑنے کے لیے خریدا تو اُس کی لکڑیوں یا اینٹوں کا استثنا صحیح ہے۔ اور اسی طرح کنیز کی کسی شخص کے لیے وصیت کی اور اُس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اُس کا استثنا کیا یا پیٹ میں جو بچہ ہے اُس کی وصیت کی اور لونڈی کا استثنا کیا، یہ استثنا صحیح ہے۔ لونڈی کو بیع کیا یا اُس کو مکاتبہ کیا یا اُجرت پر دیا یا مالک پر دَین تھا، دَین کے بدلے میں لونڈی دیدی اور ان سب صورتوں میں اُس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اُس کا استثنا کیا تو یہ سب عُقُود فاسد ہو گئے اور اگر لونڈی کو ہبہ کیا یا صدقہ کیا اور قبضہ دلا دیا اُس کو مہر میں دیا یا قتلِ عمد کیا تھا لونڈی دے کر صلح کر لی یا اُس کے بدلے میں خلع کیا یا

آزاد کیا اوران سب صورتوں میں پیٹ کے بچہ کا استثنا کیا تو یہ سب عقد جائز ہیں اور استثنا باطل۔ جانور کے پیٹ میں بچہ بنا م استثنا کیا جب بھی یہی احکام ہیں۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب بیوع)

گندم کواس کی بالی کے ساتھ بیچنے کا بیان

وَيَجُوزُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ فِي سُنْبُلِهَا والبَاقِلاءِ فِي قِشْرِهِ) وَكَذَا الأَرُزُ وَالسِّمْسِمُ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :لا يجُوزُ بَيْعُ الْبَاقِلاءِ الأَخْضَرِ، وَكَذَا الْجَوْزُ واللَّوْزُ وَالْفُسْتُقُ فِي قِشْرِهِ الأَوَّلِ عِنْدَهُ .وَلَهُ فِي بَيْعِ السُّنْبُلَةِ قَوْلانِ، وَعِنْدَنَا يَجُوزُ ذَلِكَ كُلُّهُ. لَهُ أَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ مَسْتُورٌ بِمَا لَا مَنْفَعَةَ لَهُ فِيهِ فَأَشْبَهَ تُرَابَ الصَّاغَةِ إِذَا بِيعَ بِجِنْسِهِ .

وَلَنَا مَا رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ (أَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَزْهُوَ، وَعَنْ بَيْعِ السُّنْبُلِ حَتَّى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ) " ؛ وَلِأَنَّهُ حَبٌّ مُنْتَفَعٌ بِهِ فَيَجُوزُ بَيْعُهُ فِي سُنْبُلِهِ كَالشَّعِيرِ وَالْجَامِعُ كَوْنُهُ مَالًا مُتَقَوِّمًا، بِخِلَافِ تُرَابِ الصَّاغَةِ ؛ لِأَنَّهُ إنَّمَا لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ بِجِنْسِهِ لِاحْتِمَالِ الرِّبَا، حَتَّى لَوْ بَاعَهُ بِخِلَافِ جِنْسِهِ جَازَ، وَفِي مَسْأَلَتِنَا لَوْ بَاعَهُ بِجِنْسِهِ لَا يَجُوزُ أَيْضًا لِشُبْهَةِ الرِّبَا ؛ لِأَنَّهُ لَا يَدْرِي قَدْرَ مَا فِي السَّنَابِلِ .

ترجمہ

گندم کواس کی بالی اورلوبیے کواس کی پھلی میں بیچنا جائز ہے اور ایسے ہی چاول اور تل کو بھی امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہرے لوبیے کی بیع درست نہیں ہے اسی طرح اخروٹ بادام اور پستہ کوان کی پہلی پھلی میں بیچنا امام شافعی کے نزدیک درست نہیں ہے اور بالیوں میں گندم کی بیع کے متعلق ان کے دوقول ہیں اور ہمارے نزدیک یہ تمام صورتیں جائز ہیں امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ ایسی چیز میں مخفی ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں ہے لہذا یہ اپنی جنس کے ساروں کی راکھ کی بیع کے مشابہ ہو گیا۔اور ہماری دلیل آپ ﷺ کی وہ حدیث ہے کہ جس میں آپ نے رنگ پکڑنے سے پہلے کھجور کی بیع اور سفید ہونے نیز آفت سے مامون ہونے سے قبل بالیوں میں گیہوں کی بیع سے منع فرمایا ہے اور اس لئے کہ گندم قابل انتفاع اناج ہے لہذا جو کی طرح بالیوں میں اس کی بیع درست ہوگی اور جامع ان کا مال متقوم ہونا ہے برخلاف سنار کی مٹی کے کیونکہ ہم جنس کے ساتھ محض احتمال ربوا کی وجہ سے اس کی بیع ناجائز ہے یہاں تک کہ اگر خلاف جنس کیساتھ کسی نے بیچا تو بھی ہمارے مسئلہ میں اسکی بیع درست ہے اور اگر گندم کواس کی بالی میں ہم جنس کے ساتھ بیچا تو بھی شبہ ربوا کی وجہ سے جائز نہیں ہے اس لئے کہ بالیوں کی مقدار معلوم نہیں ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ باقلا کے بیج اور چاول اور تل کی بیع، اگر یہ سب چھلکے کے اندر ہوں جب بھی

جائز ہے۔ اسی طرح اخروٹ، بادام، پستہ اگر پہلے چھلکے میں ہوں (یعنی ان چیزوں میں دو چھلکے ہوتے ہیں ہمارے ملک میں یہ سب چیزیں اوپر کا چھلکا اوتارنے کے بعد آتی ہیں اگر اوپر کے چھلکے نہ اُترے ہوں جب بھی بیع جائز ہے)۔ اسی طرح گیہوں کے دانے بالی میں ہوں جب بھی بیع جائز ہے اور ان سب صورتوں میں یہ بائع کے ذمہ ہے کہ پھلی سے باقلا کے بیج یا دھان کی بھوسی سے چاول یا چھلکوں سے تل اور بادام وغیرہ اور بالی سے گیہوں نکال کر مشتری کے سپرد کرے اور اگر چھلکوں سمیت بیع کی ہے مثلاً باقلا کی پھلیاں یا اوپر کے چھلکے سمیت بادام بیچا یا دھان بیچا ہے تو نکال کر دینا بائع کے ذمہ نہیں۔

(درمختار، کتاب بیوع)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمائی کھجور کے فروخت کرنے سے جس وقت تک کہ وہ پرکشش رنگین نہ ہو جائیں اور (گیہوں کے) بالی فروخت کرنے سے جس وقت تک کہ سفید نہ ہو اور آفت کا اندیشہ نکل جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمائی فروخت کرنے والے کو فروخت کرنے سے اور خریدار کو خریدنے سے منع کیا ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 855)

مکان کی بیع میں داخل اشیاء کا بیان

(وَمَنْ بَاعَ دَارًا دَخَلَ فِي الْبَيْعِ مَفَاتِيحُ إغْلَاقِهَا) ؛ لِأَنَّهُ يَدْخُلُ فِيهِ الْإِغْلَاقُ ؛ لِأَنَّهَا مُرَكَّبَةٌ فِيهَا لِلْبَقَاءِ وَالْمِفْتَاحُ يَدْخُلُ فِي بَيْعِ الْغَلَقِ مِنْ غَيْرِ تَسْمِيَةٍ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ بَعْضٍ مِنْهُ إذْ لَا يُنْتَفَعُ بِهِ بِدُونِهِ .

قَالَ (وَأُجْرَةُ الْكَيَّالِ وَنَاقِدِ الثَّمَنِ عَلَى الْبَائِعِ) أَمَّا الْكَيْلُ فَلَا بُدَّ مِنْهُ لِلتَّسْلِيمِ وَهُوَ عَلَى الْبَائِعِ وَمَعْنَى هَذَا إذَا بِيعَ مُكَايَلَةً، وَكَذَا أُجْرَةُ الْوَزَّانِ وَالزَّرَّاعِ وَالْعَدَّادِ، وَأَمَّا النَّقْدُ فَالْمَذْكُورُ رِوَايَةُ ابْنِ رُسْتُمَ عَنْ مُحَمَّدٍ ؛ لِأَنَّ النَّقْدَ يَكُونُ بَعْدَ التَّسْلِيمِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَكُونُ بَعْدَ الْوَزْنِ وَالْبَائِعُ هُوَ الْمُحْتَاجُ إلَيْهِ لِيُمَيِّزَ مَا تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّهُ مِنْ غَيْرِهِ أَوْ لِيَعْرِفَ الْمَعِيبَ لِيَرُدَّهُ .

وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ سَمَاعَةَ عَنْهُ عَلَى الْمُشْتَرِي ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إلَى تَسْلِيمِ الْجَيِّدِ الْمُقَدَّرِ، وَالْجَوْدَةُ تُعْرَفُ بِالنَّقْدِ كَمَا يُعْرَفُ الْقَدْرُ بِالْوَزْنِ فَيَكُونُ عَلَيْهِ .قَالَ (وَأُجْرَةُ وَزَّانِ الثَّمَنِ عَلَى الْمُشْتَرِي) لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ هُوَ الْمُحْتَاجُ إلَى تَسْلِيمِ الثَّمَنِ وَبِالْوَزْنِ يَتَحَقَّقُ التَّسْلِيمُ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کوئی مکان خریدا تو مکان کے تالوں کی کنجیاں بھی بیع میں داخل ہوں گی کیونکہ تالے باقی رہنے ہی کے لیے مکان میں جڑے جاتے ہیں اور تالے کی بیع میں صراحت کے بغیر بھی کنجی داخل ہوتی ہے کیونکہ وہ تالے کہ جز کے درجے میں ہوتی ہے کیونکہ کنجی کے بغیر تالے سے انتفاع نہیں ہوسکتا۔

فرمایا کہ ناپنے اور ثمن پرکھنے والے کی اجرت بائع کے ذمہ ہے البتہ ناپنا تو وہ مبیع سپرد کرنے کیلئے ضروری ہے اور مبیع کی سپردگی بائع کی ذمہ داری ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جب مبیع کو پیمائش کے حساب سے بیچا گیا ہو اور ایسے وزن کرنے والے گزوں سے ناپنے والے اور شمار کنندگان کی اجرت بھی بائع پر واجب ہوگی رہا مسئلہ پرکھنے کا تو کتاب میں مذکورہ بیان حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے ابن رستم کی ایک روایت بیان لئے کہ پرکھنے کا مرحلہ سپردگی کے بعد ہوتا ہے کیا نہیں دیکھتے کے وہ وزن کے بعد ہوتا ہے اور بائع کو اس کی ضرورت ہے تا کہ وہ اپنے حق کو دوسرے کے حق سے علیحدہ کرلے یا عیب دار کی شناخت کر کے اسے واپس کردے ۔اور امام محمد سے ابن سماعہ کی روایت کے مطابق ثمن پرکھنے کی اجرت مشتری پر ہے اس لیے کہ اسی کو مقرر کردہ عمدہ ثمن سپرد کرنے کی ضرورت ہے اور عمدگی کی معرفت پرکھنے سے ہوتی ہے جیسا کہ وزن سے مقدار کی معرفت ہوتی ہے لہذا اسکی اجرت بھی مشتری پر ہو گی ۔فرمایا کہ ثمن وزن کرنے والے کی اجرت مشتری پر ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا کہ مشتری ہی کو سپردگی کیلئے اس کی ضرورت ہے اور وزن سے سپردگی ثابت ہو جاتی ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کوئی مکان خریدا تو جتنے کمرے کوٹھریاں ہیں سب بیع میں داخل ہیں یو ہیں جو چیز مبیع کے ساتھ اور اس کا اتصال اتصال قرار ہو یعنی اس کی وضع اس لیے نہیں ہے کہ جدا کرلی جائے گی تو یہ بھی بیع میں داخل ہوگی مثلاً مکان کا زینہ یا لکڑی کا زینہ جو مکان کے ساتھ متصل ہو کیواڑ اور چوکھٹ اور کنڈی اور وہ تالہ جو کیواڑ میں متصل ہوتا ہے اور اس کی کنجی بھی داخل ہوگی ۔دوکان کے سامنے جو تختے لگے ہوتے ہیں یہ سب بیع میں داخل ہیں اور وہ قفل جو کیواڑ سے متصل نہیں بلکہ الگ رہتا ہے جیسے عام طور پر تالے ہوتے ہیں یہ بیع میں داخل نہیں بلکہ یہ بائع لے لے گا۔

اور جب کسی شخص نے زمین بیچ ڈالی تو اس میں چھوٹے بڑے پھلدار اور بے پھل جتنے درخت ہیں سب بیع میں داخل ہیں مگر سوکھا درخت جو ابھی تک زمین سے اُکھڑا نہیں ہے وہ داخل نہیں کہ یہ گویا لکڑی ہے جو زمین پر رکھی ہے۔لہذا آم وغیرہ کے پودے جو زمین میں ہوتے ہیں کہ برسات میں یہاں سے [illegible] دوسری جگہ لگانے جاتے ہیں یہ بھی داخل ہیں۔مکان بیچا تو چکی بیع میں داخل نہ ہوگی اگرچہ نیچے کا پاٹ زمین میں جڑا ہوا اور ڈول رسی بھی داخل نہیں اور کوئیں پہ پانی بھرنے کی چرخی اگر متصل ہو تو داخل ہے اور اگر رسی سے بندھی ہو یا دونوں بازوں میں حلقہ بنا ہے کہ پانی بھرنے کے وقت چرخی لگا دیتے ہیں پھر الگ کر دیتے ہیں تو ان دونوں صورتوں میں داخل نہیں ہے۔(فتح القدیر، کتاب بیوع)

مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ سِلْعَةً بِثَمَنٍ قِيلَ لِلْمُشْتَرِي ادْفَعِ الثَّمَنَ أَوَّلًا) ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْمُشْتَرِي تَعَيَّنَ فِي الْمَبِيعِ فَيُقَدَّمُ دَفْعُ الثَّمَنِ لِيَتَعَيَّنَ حَقُّ الْبَائِعِ بِالْقَبْضِ لِمَا أَنَّهُ لَا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ تَحْقِيقًا لِلْمُسَاوَاةِ .

ترجمہ

فرمایا کہ اگر کسی نے ثمن کے عوض کوئی سامان بیچا تو مشتری سے کہا جائے گا کہ پہلے تم ثمن ادا کرو اس لیے کہ اس کا حق مبیع پر متعین ہو چکا ہے لہذا ثمن کی ادائیگی کو مقدم کیا جائے گا تا کہ قبضہ سے بائع کا حق بھی متعین ہو جائے اس لئے کہ ثمن متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا اور یہ حکم برابری ثابت کرنے کیلئے ہے۔ فرمایا کہ اگر کسی شخص نے سامان کے عوض سامان بیچا یا ثمن کے بدلے ثمن بیچا تو دونوں سے ایک ساتھ سپرد کرنے کو کہا جائے گا اسلئے کہ تعیین اور عدم تعیین میں دونوں برابر ہیں لہذا ادیگی میں کسی ایک کو مقدم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شرح

اور جب روپیہ اشرفی کی بیع پیسہ سے ہوئی اور مبیع وہاں حاضر ہے اور ثمن فوراً دینا ہو اور مشتری کو خیار شرط نہ ہو تو مشتری کو پہلے ثمن ادا کرنا ہوگا اُس کے بعد مبیع پر قبضہ کر سکتا ہے یعنی بائع کو یہ حق ہوگا کہ ثمن وصول کرنے کے لیے مبیع کو روک لے اور اُس پر قبضہ نہ دلائے بلکہ جب تک پورا ثمن وصول نہ کیا ہو مبیع کو روک سکتا ہے اور اگر مبیع غائب ہو تو بائع جب تک مبیع کو حاضر نہ کردے ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اور اگر بیع میں دونوں جانب سامان ہوں مثلاً کتاب کو کپڑے کے بدلے میں خریدا یا دونوں طرف ثمن ہوں مثلاً روپیہ یا اشرفی سے سونا چاندی خریدا تو دونوں کو اُسی مجلس میں ایک ساتھ ادا کرنا ہوگا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیع میں کبھی ثمن حال ہوتا ہے یعنی فوراً دینا اور کبھی مؤجل یعنی اُس کی ادا کے لیے کوئی میعاد معین ذکر کردی جائے کیونکہ میعاد معین نہ ہوگی تو جھگڑا ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ ثمن حال ہو لہٰذا عقد میں اس کہنے کی ضرورت نہیں کہ ثمن حال ہے بلکہ عقد میں ثمن کے متعلق اگر کچھ نہ کہا جب بھی فوراً دینا واجب ہوگا اور ثمن مؤجل کے لیے یہ ضرور ہے کہ عقد ہی میں مؤجل ہونا ذکر کیا جائے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

یہ باب خیار شرط کے بیان میں ہے

باب خیار شرط کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے بیع کی علت معلوم ہو چکی ہے جو اپنے حکم کو لازم کرنے والی ہے۔ اور اس سے پہلے بیع وہ مسائل جن میں ایجاب وقبول سے بیع لازم ہو جاتی ہے۔ اور دونوں عقد کرنے والوں پر بیع کا التزام اور باہم اموال کا تبادلہ لازم ہو جاتا ہے۔ جبکہ ان میں سے کسی بھی فریق کو کسی قسم کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ اور حکم کی علت میں قاعدہ فقہیہ بھی یہی ہے۔ کہ وہ کسی تخلف بنانے والی نہیں ہے جس طرح کا پہلے اس کا بیان گزر چکا ہے۔ یہاں سے مصنف علیہ الرحمہ بیع کے مسائل میں اس بیع کا ذکر کریں گے جہاں علت اپنا خلیفہ پیچھے چھوڑنے والی ہے۔ اور ایسی بیع کو غیر لازم بھی کہتے ہیں۔ اور یہ مقید کے درجے میں ہے۔ اور قانون یہ ہے کہ مقید ہمیشہ مطلق کے بعد آتا ہے۔ پس اسی سبب کے پیش نظر عدم خیار والی بیع کو مقدم ذکر کیا ہے اور خیار والی بیع کے احکام کو اس کے بعد ذکر کیا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۴، ص ۲۹۱، بیروت)

لفظ خیار کی تعریف واقسام کا بیان

خیار، لفظ، اختیار، سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دو چیزوں میں سے کسی ایک اچھی چیز کا انتخاب کرنا چنانچہ کسی تجارتی معاملے کو فسخ کر دینے یا اس کو باقی رکھنے کا وہ اختیار جو خریدار اور تاجر کو حاصل ہوتا ہے اصطلاح فقہ میں خیار کہلاتا ہے تجارتی معاملات میں اس اختیار کی کئی قسمیں ہیں جن کے تفصیلی احکام اور فقہی اختلاف فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں تاہم اس موقع پر ان قسموں کے نام اور تعریفات ذکر کر دینا ضروری ہے۔

خیار شرط کا بیان

جو تجارتی معاملے طے ہو جانے کے بعد تاجر یا خریدار یا دونوں کو اس معاملے کے ختم کر دینے یا باقی رکھنے کا حق دیا جانا خیار شرط کہلاتا ہے مثلاً تاجر نے ایک چیز فروخت کی جسے خریدار نے خرید لی مگر اس خرید وفروخت کے بعد تاجر نے یا خریدار نے یہ کہا کہ باوجود بیع ہو جانے کے مجھ کو ایک روز یا دو روز یا تین روز تک یہ اختیار حاصل ہوگا کہ خواہ اس بیع کو باقی رکھا جائے خواہ ختم کر دیا جائے۔ خرید وفروخت میں یہ صورت جائز ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مدت اختیار میں بیع کو فسخ کیا جائے تو وہ فسخ ہو جائے گی اور اگر اس مدت کے ختم ہونے تک بیع کو برقرار رکھا یا سکوت کیا تو بعد ختم مدت بیع پختہ ہو جائے گی یہ بات ذہن میں رہے کہ خیار شرط کی مدت حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے۔

بائع مشتری میں خیار شرط کے جائز ہونے کا بیان

قَالَ: (خِيَارُ الشَّرْطِ جَائِزٌ فِي الْبَيْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِي وَلَهُمَا الْخِيَارُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَمَا دُونَهَا) وَالْأَصْلُ فِيهِ مَا رُوِيَ: (أَنَّ حِبَّانَ بْنَ مُنْقِذِ بْنِ عَمْرٍو الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يُغْبَنُ فِي الْبِيَاعَاتِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إذَا بَايَعْت فَقُلْ لَا خِلَابَةَ وَلِيَ الْخِيَارُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ). " (وَلَا يَجُوزُ أَكْثَرُ مِنْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ .

وَقَالَا (يَجُوزُ إذَا سَمَّى مُدَّةً مَعْلُومَةً لِحَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا "أَنَّهُ أَجَازَ الْخِيَارَ إلَى شَهْرَيْنِ ") ؛ وَلِأَنَّ الْخِيَارَ إنَّمَا شُرِعَ لِلْحَاجَةِ إلَى التَّرَوِّي لِيَنْدَفِعَ الْغَبْنُ، وَقَدْ تَمَسُّ الْحَاجَةُ إلَى الْأَكْثَرِ فَصَارَ كَالتَّأْجِيلِ فِي الثَّمَنِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ شَرْطَ الْخِيَارِ يُخَالِفُ مُقْتَضَى الْعَقْدِ وَهُوَ اللُّزُومُ، وَإِنَّمَا جَوَّزْنَاهُ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ لِمَا رَوَيْنَاهُ مِنْ النَّصِّ، فَيُقْتَصَرُ عَلَى الْمُدَّةِ الْمَذْكُورَةِ فِيهِ وَانْتَفَتْ الزِّيَادَةُ .

(إلَّا أَنَّهُ إذَا أَجَازَ فِي الثَّلَاثِ) جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لِزُفَرَ، هُوَ يَقُولُ: إنَّهُ انْعَقَدَ فَاسِدًا فَلَا يَنْقَلِبُ جَائِزًا .

وَلَهُ أَنَّهُ أَسْقَطَ الْمُفْسِدَ قَبْلَ تَقَرُّرِهِ فَيَعُودُ جَائِزًا كَمَا إذَا بَاعَ بِالرَّقْمِ وَأَعْلَمَهُ فِي الْمَجْلِسِ .

وَلِأَنَّ الْفَسَادَ بِاعْتِبَارِ الْيَوْمِ الرَّابِعِ، فَإِذَا أَجَازَ قَبْلَ ذَلِكَ لَمْ يَتَّصِلْ الْمُفْسِدُ بِالْعَقْدِ، وَلِهَذَا قِيلَ: إنَّ الْعَقْدَ يَفْسُدُ بِمُضِيِّ جُزْءٍ مِنْ الْيَوْمِ الرَّابِعِ، وَقِيلَ يَنْعَقِدُ فَاسِدًا ثُمَّ يَرْتَفِعُ الْفَسَادُ بِحَذْفِ الشَّرْطِ، وَهَذَا عَلَى الْوَجْهِ الْأَوَّلِ .

ترجمہ

بیع میں بائع اور مشتری دونوں کیلئے خیار شرط جائز ہے اور انہیں تین دن یا اس سے کم کا خیار ملے گا اور اس سلسلے میں اصل وہ حدیث ہے جس میں یہ مضمون آیا ہے کہ حضرت حبان بن منقد بن عمرو انصاری ؓ کو خرید وفروخت میں خسارہ ہو جاتا تھا تو آپ

ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بیچنے کے بعد لاخلابہ کہہ دیا کرو اور کہا کرو کہ مجھے تین دن کا خیار ہے اور امام صاحب کے نزدیک تین دن سے زیادہ کا خیار جائز نہیں ہے یہی امام زفر اور امام شافعی کا بھی قول ہے۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر متعین مدت بیان کردی جائے تو تین دن سے زیادہ کا بھی جائز ہے حضرت ابن عمر کی حدیث کی وجہ سے کہ آپ نے دو مہینے تک خیار کو جائز قرار دیا اور اس لیے بھی کہ خیار غور وفکر کی ضرورت کے پیش نظر دھوکہ دور کرنے کیلئے جائز ہوا ہے اور کبھی تین دن سے بھی زیادہ کی ضرورت ہوتی ہے لہذا یہ ثمن میعاد مقرر کرنے کی طرح ہوگیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ خیار شرط عقد کے تقاضہ کے خلاف ہے اور وہ لزوم عقد ہے لیکن ماقبل میں بیان کردہ نص کی بنا پر خلاف قیاس ہم نے اسے جائز قرار دیا ہے لہذا نص میں بیان کردہ پر منحصر ہوگا اور اس میں زیادتی نہیں ہوگی لیکن اگر من لہ خیار نے تین ہی دن میں اجازت دیدی تو بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جائز ہے امام زفر کا اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ بیع فاسد منعقد ہوئی ہے لہذا ابدل کر جائز نہیں ہوگی۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ من لہ خیار نے مفسد کو جمنے اور قرار پکڑنے سے پہلے ساقط کردیا لہذا وہ عقد جائز ہو جائے گا جیسے اگر کسی نے لکھے ہوئے ثمن کے عوض کوئی چیز بیچی اور مجلس عقد ہی میں مشتری کو ثمن سے آگاہ کردیا اور اس لئے کہ فساد یوم رابع کے اعتبار سے ہے لیکن جب اس سے پہلے من الخیار نے اجازت دے دی تو مفسد کا عقد سے اتصال نہ ہوسکا اسی وجہ سے کہا گیا کہ یوم رابع کا ایک جز گذرنے سے بھی عقد فاسد ہو جائے گا۔ ایک قول یہ ہے کہ عقد فاسد ہو کر منعقد ہوگا پھر شرط کو حذف کردینے سے فساد ختم ہو جائے گا اور یہ قول پہلی تعلیل کی بنا پر ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ خیار شرط بائع و مشتری دونوں اپنے اپنے لیے کریں یا صرف ایک کرے یا کسی اور کے لیے اس کی شرط کریں سب صورتیں درست ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عقد میں خیار شرط کا ذکر نہ ہو مگر عقد کے بعد ایک نے دوسرے کو یا ہر ایک نے دوسرے کو یا کسی غیر کو خیار دیدیا۔ عقد سے پہلے خیار شرط نہیں ہوسکتا یعنی اگر پہلے خیار کا ذکر آیا مگر عقد میں ذکر نہ آیا نہ بعد عقد اس کی شرط کی مثلاً بیع سے پہلے یہ کہدیا کہ جو بیع تم سے کروں گا اُس میں میں نے تم کو خیار دیا مگر عقد کے وقت بیع مطلق واقع ہوئی تو خیار حاصل نہ ہوا۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

خیار شرط کے جواز کے فقہی ماخذ کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں اسی وقت تک بیع کو باقی رکھنے یا اس کو فسخ کردینے کا اختیار رکھتے ہیں جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں مگر جب کہ ان کی بیع بشرط خیار ہو تو اس میں جدائی کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے اور ان دونوں میں سے کسی کے لئے از روئے تقوی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ معاملہ کرتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اس خوف سے کہ مبادا دوسرا فریق معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار مانگ لے (یعنی جب تک کسی معاملے میں دونوں فریق پوری طرح مطمئن نہ ہو جائیں ایجاب وقبول میں ان میں سے کوئی محض اس لئے جلد

بازی نہ کرے کہ مبادا فریق ثانی معاملے کو فسخ کر دے یا معاملہ طے کرتے ہی ان میں سے کوئی محض اس وجہ سے نہ بھاگ کھڑا ہو کہ کہیں دوسرا فریق بیع کو فسخ کرنے کے اختیار کی شرط نہ چاہنے لگے (ابوداؤد ونسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 42)

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں آپس کی رضامندی کے بغیر جدا نہ ہوں (ابوداؤد)

مطلب یہ ہے کہ دونوں صاحب معاملہ کوئی تجارتی معاملہ طے کرنے کے بعد اس وقت تک ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں جب تک کہ قیمت کی ادائیگی اور خرید کردہ چیز کی حوالگی دونوں میں برضا و رغبت طے نہ پا جائے یا عمل میں نہ آ جائے کیونکہ اس کے بغیر ایک دوسرے کو نقصان و تکلیف پہنچنے کا احتمال رہے گا جو شریعت میں ممنوع ہے یا پھر اس سے مراد یہ ہے کہ جب معاملہ طے ہو جائے اور دونوں صاحب معاملہ میں سے کوئی ایک وہاں سے اٹھ کھڑے ہونے کا اردہ کرے تو وہ دوسرے فریق سے پہلے یہ پوچھ لے کہ اب تمہیں کوئی اشکال و اعتراض تو نہیں ہے اور کیا اس معاملے پر تم راضی ہو اس کے بعد اگر وہ دوسرا فریق معاملے کو فسخ کرنا چاہے تو وہ بھی معاملے کو فسخ کر دے اور اگر وہ معاملے کی برقراری پر رضامند ہو تو پھر تکمیل کے بعد اس سے الگ ہو اس صورت میں یہ حدیث معنی کے اعتبار سے پہلی حدیث کے موافق ہوگی نیز یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے کیونکہ اس بات پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر جدا ہونا حلال ہے۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیچنے والا خریدنے والا دونوں میں سے ہر ایک اپنے دوسرے صاحب معاملہ پر اس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ چاہے تو وہ خرید و فروخت کے معاملے کو باقی رکھے اور چاہے تو ختم کر دے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں یعنی جس مجلس میں وہ معاملہ طے پایا ہوگا جب وہ ختم ہو جائے گی بایں طور کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں رہے گا ہاں بیع خیار اس سے مستثنی ہے یعنی بیع میں خریدار نے اس اختیار کی شرط طے کر لی ہوگی کہ اگر میں چاہوں تو اس خریدی ہوئی چیز کو رکھوں گا اور اگر نہ چاہوں گا تو واپس کر دوں گا اس بیع میں ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد بھی اختیار باقی رہتا ہے (بخاری مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 41)

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب بیچنے والا اور خریدنے والا خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کریں تو ان میں سے ہر ایک کو معاملے کو باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار حاصل ہوگا جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں یا یہ کہ ان کی خرید و فروخت کا معاملہ بشرط خیار ہو چنانچہ اگر وہ خیار شرط کے ساتھ کوئی تجارتی معاملہ کریں گے تو اس صورت میں (جدائی کے بعد بھی) اختیار کا حق حاصل رہے گا۔

خیار مجلس میں فقہی مذاہب اربعہ

بخاری و مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دونوں بائع مشتری جب تک جدا نہ ہوں با اختیار ہیں۔ بخاری شریف میں ہے جب دو شخص خرید و فروخت کریں تو دونوں کو الگ الگ ہونے تک کامل اختیار ہوتا ہے اسی حدیث کے مطابق امام احمد امام

شافعی اوران کے سب ساتھیوں جمہور سلف وخلف کا بھی یہی فتویٰ ہے اوراس پوری رضامندی میں شامل ہے خرید وفروخت کے تین دن بعد تک اختیار دینا رضامندی میں شامل ہے بلکہ یہ مدت گاؤں کی رسم کے مطابق سال بھر کی بھی ہوسکتی ہے امام مالک کے نزدیک صرف لین دین سے ہی بیع صحیح ہو جاتی ہے۔ شافعی مذہب کا بھی یہی خیال ہے اوران میں سے بعض فرماتے ہیں کہ معمولی کم قیمت چیزوں میں جنہیں لوگ بیوپار کے لئے رکھتے ہوں صرف لین دین ہی کافی ہے۔ بعض اصحاب کا اختیار سے مراد یہی ہے جیسے کہ متفق علیہ ہے۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ حرام کاموں کا ارتکاب کر کے اوراس کی نافرمانیاں کر کے اور ایک دوسرے کا بیجا طور پہ مال کھا کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اللہ تم پر رحیم ہے ہر حکم اور ہر ممانعت رحمت والی ہے۔

ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں انہیں اختیار حاصل ہے مگر جب کہ وہ اپنے تجارتی معاملے میں خیار کی شرط طے کریں (یعنی اگر وہ اپنا تجارتی معاملہ مذکورہ بالا خیار شرط کے ساتھ طے کریں گے تو انہیں جدائی کے بعد بھی اختیار حاصل رہے گا۔ لیکن بخاری ومسلم کی ایک روایت میں ترمذی کی اس روایت کے آخری الفاظ (اویختار (مگر جب کہ وہ خیار کی شرط طے کریں) کی بجائے یہ الفاظ ہیں کہ مگر جب کہ ان دونوں میں سے ایک اپنے دوسرے صاحب معاملہ سے یہ کہہ دے کہ اختیار کی شرط طے کرلو اور وہ دوسرا کہہ دے کہ مجھے یہ منظور ہے۔

اس حدیث سے بظاہر خیار مجلس کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن جو حضرات خیار مجلس کے قائل نہیں ہیں جیسے اما ابوحنیفہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ایک دوسرے سے جدا ہونے کا مطلب مجلس کا ختم ہو جانا نہیں ہے بلکہ جدا ہونے سے مراد دونوں کی اس تجارتی معاملے کی گفتگو کا پایہ تکمیل کو پہنچ کر منقطع ہو جانا ہے یعنی جب تک کہ وہ دونوں اس معاملے سے متعلق گفتگو کر رہے ہوں اور ایجاب وقبول پورا نہیں ہوا ہو اس وقت تک ان میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو زیر گفتگو معاملہ کو فسخ کر دے چاہے اسے باقی رکھے لیکن جب ایجاب وقبول پورا ہو جائے گا یعنی بیچنے و مگر جب کہہ دے کہ میں نے یہ چیز تمہیں فروخت کر دی اور خریدنے و مگر جب کہہ دے کہ میں نے یہ چیز خرید لی تو اب اس کے بعد ان میں سے کسی کو بھی اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا ان حضرات نے جدا ہونے کے یہ معنی مراد لینے کے سلسلے میں اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

آیت (وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِه)4 ۔النساء(130 :

اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان میں سے ہر ایک کو بے پرواہ کر دے گا

چنانچہ اس آیت میں جدا ہونے کا مطلب مجلس سے جدا ہونا نہیں ہے بلکہ خاوند و بیوی کے درمیان طلاق کے ذریعے جدائی مراد ہے۔

اور حضرت حکیم ابن حزام کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیچنے والا اور خریدنے ولا دونوں کو اپنے تجارتی معاملہ کو باقی رکھنے یا فسخ کردینے کا اختیار حاصل رہتا ہے لیکن یہ اختیار اس وقت تک حاصل رہتا ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں اور یاد رکھو جب بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں (فروخت کی جانیوالی چیز اوراس کی تعریف میں سچ بولتے ہیں اوراس چیز وقیمت میں

جوعیب ونقصان ہوتا ہے اس کوظاہر کردیتے ہیں تا کہ کسی دھوکہ اور فریب کا دخل نہ رہے تو ان کے تجارتی معاملے میں برکت عطاء کی جاتی ہے اور جب وہ عیب چھپاتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں تو ان کی خرید وفروخت میں برکت ختم کردی جاتی ہے۔

خیار تاخیر میں اہل تشیع کا موقف

آیت اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں کہ جس وقت معلوم ہو کہ خریدی ہوئی جنس کی ایک مقدار دوسرے کی ہے اور اس کا مالک پر راضی نہ ہو تو خریدار چاہے تو معاملہ توڑ سکتا ہے یا قبول کرلے اور اس مقدار کی رقم بیچنے والے سے واپس لے لے، اس کو خیال شرکت یا (خیار شرکت یا خیار تبعض صفقہ) کہتے ہیں۔

اگر بیچنے والا ایک معین جنس کی صفات بیان کر کے بیچ دے اور خریدار اس کو دیکھا نہ ہو بعد میں پتہ چلے کہ جنس معین بیان کردہ صفات کے مطابق نہیں ہے تو خریدار معاملہ کو توڑ سکتا ہے۔ عوض میں بھی یہی حکم جاری ہے اس کو خیار رویت کہتے ہیں۔

اگر خریدار نقدا خریدی ہوئی چیز کی قیمت تین دن تک نہ دے اور بیچنے والے نے بھی اس چیز کو خریدار کے سپرد نہ کیا ہو تو بیچنے والا معاملہ توڑ سکتا ہے (لیکن اگر خریدار کے سپرد نہ کیا ہو تو بیچنے والا معاملہ توڑ نہیں سکتا ہے) اور اگر بیچی ہوئی چیز ہوئی چیز ایسا پھل یا سبزی ہو جو کہ ایک دن کے بعد خراب ہو جاتی ہو تو اگر رات تک قیمت ادا نہ کرے تو بیچنے والا توڑ سکتا ہے) اس کو خیار تاخیر کہتے ہیں۔ اگر حیوان (جانور) کو خریدار ہو تو خریدار تین دن تک معاملہ توڑنے کا اختیار رکھتا ہے اس کو خیار حیوان کہتے ہیں۔

(توضیح المسائل، مسئلہ نمبر ۱۸۱۱)

خیار کی مدت کے تین دن ہونے کا بیان

(وَلَوْ اشْتَرَى عَلَى أَنَّهُ إنْ لَمْ يَنْقُدْ الثَّمَنَ إلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَلَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا جَازَ .وَإِلَى أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ لَا يَجُوزُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ :يَجُوزُ إلَى أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ أَوْ أَكْثَرَ، فَإِنْ نَقَدَ فِي الثَّلَاثِ جَازَ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا) وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ هَذَا فِي مَعْنَى اشْتِرَاطِ الْخِيَارِ إذْ الْحَاجَةُ مَسَّتْ إلَى الِانْفِسَاخِ عِنْدَ عَدَمِ النَّقْدِ تَحَرُّزًا عَنْ الْمُمَاطَلَةِ فِي الْفَسْخِ فَيَكُونُ مُلْحَقًا بِهِ .وَقَدْ مَرَّ أَبُو حَنِيفَةَ عَلَى أَصْلِهِ فِي الْمُلْحَقِ بِهِ، وَنَفَى الزِّيَادَةَ عَلَى الثَّلَاثِ وَكَذَا مُحَمَّدٌ فِي تَجْوِيزِ الزِّيَادَةِ .وَأَبُو يُوسُفَ أَخَذَ فِي الْأَصْلِ بِالْأَثَرِ .

وَفِي هَذَا بِالْقِيَاسِ، وَفِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ قِيَاسٌ آخَرُ وَإِلَيْهِ مَالَ زُفَرُ وَهُوَ أَنَّهُ بَيْعٌ شُرِطَ فِيهِ إقَالَةٌ فَاسِدَةٌ لِتَعَلُّقِهَا بِالشَّرْطِ، وَاشْتِرَاطُ الصَّحِيحِ مِنْهَا فِيهِ مُفْسِدٌ لِلْعَقْدِ، فَاشْتِرَاطُ

الْفَاسِدِ أَوْلَى وَوَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ مَا بَيَّنَّا .

ترجمہ

اور جب کسی نے اس شرط پر خریدا کہ اگر اس نے تین دن تک ثمن ادا نہ کیا تو ان کے درمیان کوئی بیع نہیں ہے تو بیع درست ہے اور اگر چار دن کی بات ہو تو شیخین کے نزدیک بیع جائز نہیں ہے امام محمد فرماتے ہیں کہ چار دن یا اس سے زیادہ کی صورت میں بھی بیع جائز ہے پھر اگر مشتری نے تین دن میں ثمن ادا کر دیا تو سب کے نزدیک بیع جائز ہوگی اور اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ یہ خیار شرط کے معنی میں ہے کیونکہ مشتری کے ثمن ادا نہ کرنے کے وقت فسخ میں ٹال مٹول سے بچنے کیلئے فسخ بیع کی ضرورت پڑے گی لہذا یہ شکل بھی خیار شرط کیساتھ ملحق ہوگی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ ملحق بہ میں اپنی اصل پر قائم رہے اور تین دن کی زیادتی کی نفی کر دی اور اسی طرح امام محمد زیادتی کو جائز قرار دینے میں اور امام ابو یوسف نے اصل میں اثر پر عمل کیا اور اس میں قیاس پر اور اس مسئلہ میں ایک دوسرا قیاس بھی ہے جس کی طرف امام زفر گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں اقالہ فاسدہ کی شرط لگائی ہے اس لئے کہ اقالہ شرط کے ساتھ متعلق ہے حالانکہ عقد بیع میں صحیح اقالہ کی شرط لگانا مفسد عقد ہے لہذا اقالہ فاسدہ کی شرط تو بدرجہ اولی مفسد ہوگی اور استحسان کی دلیل وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے۔

مبیع کے خراب ہونے کے سبب مشتری سے فسخ یا عدم فسخ کا تقاضہ کرنے کا بیان

خیار کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن ہے اس سے کم ہوسکتی ہے زیادہ نہیں۔ اگر کوئی ایسی چیز خریدی ہے جو جلد خراب ہو جانے والی ہے اور مشتری کو تین دن کا خیار تھا تو اُس سے کہا جائے گا کہ بیع کو فسخ کر دے یا بیع کو جائز کر دے۔ اور اگر خراب ہونے والی چیز کسی نے بلا خیار خریدی اور بغیر قبضہ کیے اور بغیر ثمن ادا کیے چل دیا اور غائب ہوگیا تو بائع اس چیز کو دوسرے کے ہاتھ بیع کر سکتا ہے اس دوسرے خریدار کو یہ معلوم ہوتے ہوئے بھی خریدنا جائز ہے۔ (فتاوی خانیہ، کتاب بیوع)

اگر خیار کی کوئی مدت ذکر نہیں کی صرف اتنا کہا مجھے خیار ہے یا مدت مجہول ہے مثلاً مجھے چند دن کا خیار ہے یا ہمیشہ کے لیے خیار رکھا ان سب صورتوں میں خیار فاسد ہے۔ یہ اُس صورت میں ہے کہ نفس عقد میں خیار مذکور ہوا اور تین دن کے اندر صاحب خیار نے جائز نہ کیا ہو اور اگر تین دن کے اندر جائز کر دیا تو بیع صحیح ہوگئی۔ اور اگر عقد میں خیار نہ تھا بعد عقد ایک نے دوسرے سے کہا تمھیں اختیار ہے تو اُس مجلس تک خیار ہے مجلس ختم ہوگئی اور اس نے کچھ نہ کہا تو خیار جاتا رہا اب کچھ نہیں کر سکتا۔ تین دن سے زیادہ کی مدت مقرر کی مگر ابھی تین دن پورے نہ ہوئے تھے کہ صاحب خیار نے بیع کو جائز کر دیا تو اب یہ بیع درست ہے اور اگر تین دن پورے ہو گئے اور جائز نہ کیا تو بیع فاسد ہوگئی۔

قاضی محمد بن فراموز لکھتے ہیں کہ جب مشتری نے بائع سے کہا اگر تین دن تک ثمن ادا نہ کروں تو میرے اور تیرے درمیان بیع نہیں یہ بھی خیار شرط کے حکم میں ہے یعنی اگر اس مدت تک ثمن ادا کر دیا بیع درست ہوگئی ورنہ جاتی رہی اور اگر تین دن سے زیادہ

مدت ذکر کر کے یہی لفظ کہے اور تین دن کے اندر ادا کر دیا تو بیع صحیح ہوگئی اور تین دن پورے ہوچکے تو بیع جاتی رہی۔

(درر الاحکام، کتاب بیوع)

ایک ہزار کی بیع ہوئی اور ثمن بھی مشتری نے دیدیا اور یہ ٹھہرا کہ اگر تین دن کے اندر بائع نے ثمن پھیر دیا تو بیع نہیں رہے گی یہ بھی خیار شرط کے حکم میں ہے۔ تین دن کی مدت تھی مگر اس میں سے ایک دن یا دو دن بعد میں کم کر دیا تو خیار کی مدت وہ ہے جو کمی کے بعد باقی رہی مثلاً تین دن میں سے ایک دن کم کر دیا تو اب دو ہی دن کی مدت ہے یہ مدت پوری ہونے پر خیار ختم ہوگیا۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

خیار شرط کی مدت تین دن ہونے میں فقہی مذاہب

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک اونٹ فروخت کیا اور اس پر اپنے گھر تک سواری کرنے کی شرط لگائی، یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت جابر سے کئی سندوں سے منقول ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ بیع میں ایک شرط جائز ہے امام احمد، اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک بیع میں شرط لگانا جائز نہیں اور مشروط بیع پوری نہیں ہوگی۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1270)

اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک خیار الشرط کی مدت تین دن سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ اگر اس سے زائد مدت ٹھہرے یا کوئی مدت معین نہ ہو تو بیع باطل ہو جاتی ہے اور امام احمد اور اسحاق اور اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ بیع جائز ہے اور جتنی مدت ٹھہرائے اتنی مدت تک اختیار رہے گا اور جو کوئی مدت معین نہ ہو تو ہمیشہ اختیار رہے گا اور اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ خیار الشرط باطل ہوگی اور بیع لازم ہوگی۔

حضرت عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے غلام کا عہدہ تین دن تک ہوتا ہے قتادہ نے اس کی وضاحت یوں بیان کی ہے کہ اگر خریدار تین دن کے اندر اس غلام میں کوئی عیب پائے تو ثبوت کے بغیر اسے واپس کر دے اور اگر تین روز کے بعد اس میں عیب دیکھے تو پھر ثبوت کے بغیر واپس نہیں کر سکتا۔

(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 397)

خیار بائع کا مانع خروج مبیع ہونے کا بیان

قَالَ (وَخِيَارُ الْبَائِعِ يَمْنَعُ خُرُوجَ الْمَبِيعِ عَنْ مِلْكِهِ) ؛ لِأَنَّ تَمَامَ هَذَا السَّبَبِ بِالْمُرَاضَاةِ وَلَا يَتِمُّ مَعَ الْخِيَارِ وَلِهَذَا يَنْفُذُ عِتْقُهُ .

وَلَا يَمْلِكُ الْمُشْتَرِي التَّصَرُّفَ فِيهِ وَإِنْ قَبَضَهُ بِإِذْنِ الْبَائِعِ (وَلَوْ قَبَضَهُ الْمُشْتَرِي وَهَلَكَ فِي يَدِهِ فِي مُدَّةِ الْخِيَارِ ضَمِنَهُ بِالْقِيمَةِ) ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ يَنْفَسِخُ بِالْهَلَاكِ ؛ لِأَنَّهُ كَانَ

مَوْقُوفًا، وَلَا نَفَاذَ بِدُونِ الْمَحَلِّ فَبَقِيَ مَقْبُوضًا فِي يَدِهِ عَلَى سَوْمِ الشِّرَاءِ وَفِيهِ الْقِيمَةُ، وَلَوْ هَلَكَ فِي يَدِ الْبَائِعِ انْفَسَخَ الْبَيْعُ وَلَا شَيْءَ عَلَى الْمُشْتَرِي اعْتِبَارًا بِالْبَيْعِ الصَّحِيحِ الْمُطْلَقِ.

ترجمہ

فرمایا کہ بائع کا خیار اس کی ملکیت سے خروج مبیع کیلئے مانع ہے اس لیے کہ اس سبب کا پورا ہونا دونوں کی رضامندی سے ہوتا ہے اور خیار کیساتھ رضامندی پوری نہیں ہوتی اسی وجہ سے بائع کا عتق نافذ ہو جاتا ہے اور مشتری بیع میں تصرف کا مالک نہیں ہوتا اگرچہ وہ بائع کی اجازت سے مبیع پر قابض ہوا ہو اور اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا اور مدت خیار کے دوران مبیع اس کے قبضے میں ہلاک ہوگئی تو مشتری اس کی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ مبیع ہلاک ہونے سے بیع فسخ ہو جاتی ہے اس لیے کہ بیع موقوف تھی اور محل کے بغیر بیع کا نفاذ نہیں ہوتا لہذا مبیع بھاؤ کرنے کی طرح مشتری کے قبضہ میں باقی تھی اور اس طرح کے قبضے میں قیمت کا ضمان ہوتا ہے اور اگر بائع کے قبضے میں مبیع ہلاک ہوگئی تو بیع فسخ ہو جائے گی اور بیع صحیح مطلق پر قیاس کرتے ہوئے مشتری پر کوئی ضمان نہیں ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب بائع نے خیار شرط اپنے لیے رکھا ہے تو مبیع اُس کی ملک سے خارج نہیں ہوئی پھر اگر مشتری نے اُس پر قبضہ کرلیا چاہے یہ قبضہ بائع کی اجازت سے ہو یا بلا اجازت اور مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی تو مشتری پر مبیع کی واجب شدہ قیمت تاوان میں واجب ہے اور اگر مبیع مثلی ہے تو مشتری پر اُس کی مثل واجب ہے اور اگر بائع نے بیع فسخ کردی ہے جب بھی یہی حکم ہے یعنی قیمت یا اُس کی مثل واجب ہے اور اگر بائع نے اپنا خیار ختم کر دیا اور بیع کو جائز کر دیا یا بعد مدت وہ چیز ہلاک ہوگئی تو مشتری کے ذمہ ثمن واجب ہے یعنی جو دام طے ہوا ہے وہ دینا ہوگا۔ اگر مبیع بائع کے پاس ہلاک ہوگئی تو بیع جاتی رہی کسی پر کچھ لینا دینا نہیں۔ اور مبیع میں کوئی عیب پیدا ہوگیا تو بائع کا خیار بدستور باقی ہے مگر مشتری کو اختیار ہوگا کہ چاہے پوری قیمت پر مبیع کو لے لے یا نہ لے۔ اور اگر بائع نے خود اُس میں کوئی عیب پیدا کر دیا ہے تو ثمن میں اس عیب کی قدر کمی ہو جائے گی۔ مشتری پر جس صورت میں قیمت واجب ہے اُس سے مراد اُس دن کی قیمت ہے جس دن اُس نے قبضہ کیا ہے۔

بائع کو خیار ہو تو ثمن ملک مشتری سے خارج ہو جاتا ہے مگر بائع کی ملک میں داخل نہیں ہوتا۔ مشتری نے اپنے لیے خیار رکھا ہے تو مبیع بائع کی ملک سے خارج ہوگئی یعنی اس صورت میں اگر بائع نے مبیع میں کوئی تصرف کیا ہے تو یہ تصرف صحیح نہیں مثلاً غلام ہے جس کو آزاد کردیا تو آزاد نہ ہوا اور اس صورت میں اگر مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی تو ثمن کے بدلے میں ہلاک ہوئی یعنی ثمن دینا پڑے گا۔ (درمختار، کتاب بیوع)

خیار مشتری کا مانع خروج مبیع نہ ہونے کا بیان

قال (وَخِيَارُ الْمُشْتَرِي لا يَمْنَعُ خُرُوجَ الْمَبِيعِ عَنْ مِلْكِ الْبَائِعِ)؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ فِي جَانِبِ الْآخَرِ لَازِمٌ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْخِيَارَ إِنَّمَا يَمْنَعُ خُرُوجَ الْبَدَلِ .
عَنْ مِلْكِ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ ؛ لِأَنَّهُ شُرِعَ نَظَرًا لَهُ دُونَ الْآخَرِ .قَالَ :إِلَّا أَنَّ الْمُشْتَرِيَ لَا يَمْلِكُهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا :يَمْلِكُهُ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا خَرَجَ عَنْ مِلْكِ الْبَائِعِ فَلَوْ لَمْ يَدْخُلْ فِي مِلْكِ الْمُشْتَرِي يَكُونُ زَائِلًا لَا إِلَى مَالِكٍ وَلَا عَهْدَ لَنَا بِهِ فِي الشَّرْعِ .
وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَمَّا لَمْ يَخْرُجْ الثَّمَنُ عَنْ مِلْكِهِ فَلَوْ قُلْنَا بِأَنَّهُ يَدْخُلُ الْمَبِيعُ فِي مِلْكِهِ لَاجْتَمَعَ الْبَدَلَانِ فِي مِلْكِ رَجُلٍ وَاحِدٍ حُكْمًا لِلْمُعَاوَضَةِ، وَلَا أَصْلَ لَهُ فِي الشَّرْعِ ؛ لِأَنَّ الْمُعَاوَضَةَ تَقْتَضِي الْمُسَاوَاةَ ؛ وَلِأَنَّ الْخِيَارَ شُرِعَ نَظَرًا لِلْمُشْتَرِي لِيَتَرَوَّى فَيَقِفَ عَلَى الْمَصْلَحَةِ، وَلَوْ ثَبَتَ الْمِلْكُ رُبَّمَا يُعْتَقُ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ اخْتِيَارِهِ بِأَنْ كَانَ قَرِيبَهُ فَيَفُوتُ النَّظَرُ .

ترجمہ

فرمایا کہ مشتری کا خیار بائع کی ملکیت سے خروج مبیع میں مانع نہیں ہوتا اس لئے کہ دوسری طرف بیع لازم ہو چکی ہے اور یہ اس لئے ہے کہ خیار جس کیلئے اختیار ہے کی ملکیت سے خروج بدل میں مانع ہے کیونکہ اسی پر شفقت کے پیش نظر خیار مشروع ہوا ہے دوسرے پر نہیں فرماتے ہیں لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مشتری اس مبیع کا مالک نہیں ہوگا صاحبین فرماتے ہیں کہ مالک ہو جائے گا اس لئے کہ جب مبیع بائع کی ملک سے نکل گئی تو اگر اب مشتری کی ملکیت میں داخل نہیں ہوگی تو کسی مالک کے بغیر ختم ہو جائے گی حالانکہ شریعت میں ہمیں ایسا کوئی علم نہیں دیا گیا ہے۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ جب ثمن مشتری کی ملکیت سے نہیں نکلا تو اب اگر ہم مبیع کے بھی اسکی ملکیت میں دخول کے قائل ہو جائیں تو معاوضہ کی رو سے ایک ہی شخص کی ملکیت میں دو بدل جمع ہو جائیں گے حالانکہ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے کیونکہ معاوضہ مساوات کا مقتضی ہے اور اس لئے کہ مشتری کا خیار غور وفکر کرنے کے حوالے سے مشتری پر شفقت کیلئے مشروع ہوا ہے تا کہ وہ مصلحت پر واقف ہو سکے اور اگر مشتری کی ملکیت ثابت ہو جائے تو کبھی اس کے اختیار کے بغیر ہی اس پر مبیع آزاد ہو جائے گی بایں طور کے مبیع مشتری کا قریبی رشتہ دار ہو تو مشتری کے حق میں شفقت فوت ہو جائے گی۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ خیار مشتری کی صورت میں ثمن ملکِ مشتری سے خارج نہیں ہوتا اور مبیع اگر چہ ملکِ بائع سے خارج ہو جاتی ہے مگر مشتری کی ملک میں نہیں آتی پھر بھی اگر مشتری نے مبیع میں کوئی تصرف کیا مثلاً غلام تھا جس کو آزاد کر دیا تو یہ تصرف نافذ ہوگا اور اس تصرف کو اجازت بیع سمجھا جائے گا۔ مشتری اور بائع دونوں کو خیار ہے تو نہ مبیع ملکِ بائع سے خارج ہوگی نہ ثمن ملکِ مشتری سے پھر اگر بائع نے مبیع میں تصرف کیا تو بیع فسخ ہو جائے گی اور مشتری نے ثمن میں تصرف کیا اور وہ ثمن عین ہو (یعنی از قبیل نقود نہ ہو تو مشتری کی جانب سے بیع فسخ ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

مشتری کے قبضہ میں ہلاکت مبیع کا بیان

قَالَ (فَإِنْ هَلَكَ فِي يَدِهِ هَلَكَ بِالثَّمَنِ، وَكَذَا إِذَا دَخَلَهُ عَيْبٌ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الْخِيَارُ لِلْبَائِعِ .وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّهُ إِذَا دَخَلَهُ عَيْبٌ يَمْتَنِعُ الرَّدُّ، وَالْهَلَاكُ لَا يَعْرَى عَنْ مُقَدِّمَةِ عَيْبٍ فَيَهْلِكُ، وَالْعَقْدُ قَدْ انْبَرَمَ فَيَلْزَمُهُ الثَّمَنُ، بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ ؛ لِأَنَّ بِدُخُولِ الْعَيْبِ لَا يَمْتَنِعُ الرَّدُّ حُكْمًا بِخِيَارِ الْبَائِعِ فَيَهْلِكُ وَالْعَقْدُ مَوْقُوفٌ .

ترجمہ

فرمایا کہ پھر اگر مشتری کے قبضے میں مبیع ہلاک ہوگئی تو وہ ثمن کے عوض ہلاک ہوگی اور ایسے ہی جب اس میں عیب داخل ہوگیا برخلاف اس صورت کے جب بائع کیلئے خیار ہو اور اس فرق کی وجہ یہ ہے جب مبیع میں عیب داخل ہوگیا تو اس کی واپسی ممتنع ہوگئی اور ہلاکت مقدمات عیب سے خالی نہیں ہوتی تو مبیع اس حاک میں ہلاک ہوگی کہ عقد تام ہو چکا ہے لہذا مشتری پر ثمن لازم ہوگا برخلاف اس صورت کے جو گزر گئی اس لیے کہ محض دخول عیب سے خیار بائع کے پیش نظر حکما واپسی ناممکن نہیں ہوتی تو عقد موقوف ہونے کی حالت میں مبیع حلاک ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مبیع مشتری کے قبضہ میں ہے اور اُس میں عیب پیدا ہوگیا چاہے وہ عیب مشتری نے کیا ہو یا کسی اجنبی نے یا آفت سماویہ سے یا خود مبیع کے فعل سے عیب پیدا ہوا بہر حال اگر خیار مشتری کو ہے تو مشتری کو ثمن دینا پڑے گا اور بائع کو ہے تو مشتری پر قیمت واجب ہے اور بائع یہ بھی کرسکتا ہے کہ بیع کو فسخ کر دے اور جو کچھ عیب کی وجہ سے نقصان اُس کی قیمت لے لے جبکہ وہ چیز قیمت والی ہو اور اگر وہ چیز مثلی ہے تو بیع کو فسخ کر کے نقصان نہیں لے سکتا۔

اور عیب کا یہ حکم اُس وقت ہے جب وہ عیب زائل نہ ہوسکتا ہو مثلاً ہاتھ کاٹ ڈالا اور اگر ایسا عیب ہو جو دور ہوسکتا ہو مثلاً مبیع میں بیماری پیدا ہوگئی تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ عیب اندرون مدت زائل ہوگیا تو مشتری کا خیار بدستور باقی ہے مدت کے اندر مبیع کو واپس

کرسکتا ہے اور مدت کے اندر عیب دور نہ ہوا تو مدت پوری ہوتے ہی مشتری پر بیع لازم ہوگی کیونکہ عیب کی وجہ سے مشتری پھیر نہیں سکتا اور بعد مدت اگر چہ عیب جاتا رہے پھر بھی مشتری کو حق فسخ نہیں کہ بیع لازم ہو جانے کے بعد اُس کا حق جاتا رہا۔

(درمختار، کتاب بیوع)

خیار شرط پر عورت کو خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى امْرَأَتَهُ عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لَمْ يَفْسُدْ النِّكَاحُ) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهَا لِمَا لَهُ مِنْ الْخِيَارِ (وَإِنْ وَطِئَهَا لَهُ أَنْ يَرُدَّهَا) ؛ لِأَنَّ الْوَطْءَ بِحُكْمِ النِّكَاحِ (إلَّا إذَا كَانَتْ بِكْرًا) ؛ لِأَنَّ الْوَطْءَ يُنْقِصُهَا، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (وَقَالَا :يَفْسُدُ النِّكَاحُ) ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهَا (وَإِنْ وَطِئَهَا لَمْ يَرُدَّهَا) ؛ لِأَنَّ وَطْأَهَا بِمِلْكِ الْيَمِينِ فَيَمْتَنِعُ الرَّدُّ وَإِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا ؛ وَلِهَذِهِ الْمَسْأَلَةِ أَخَوَاتٌ كُلُّهَا تَبْتَنِي عَلَى وُقُوعِ الْمِلْكِ لِلْمُشْتَرِي بِشَرْطِ الْخِيَارِ وَعَدَمِهِ :مِنْهَا عِتْقُ الْمُشْتَرَى عَلَى الْمُشْتَرِي إذَا كَانَ قَرِيبًا لَهُ فِي مُدَّةِ الْخِيَارِ، وَمِنْهَا :عِتْقُهُ إذَا كَانَ الْمُشْتَرِي حَلَفَ إنْ مَلَكْت عَبْدًا فَهُوَ حُرٌّ .

بِخِلَافِ مَا إذَا قَالَ :إنْ اشْتَرَيْت فَهُوَ حُرٌّ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ كَالْمُنْشِئِ لِلْعِتْقِ بَعْدَ الشِّرَاءِ فَيَسْقُطُ الْخِيَارُ، وَمِنْهَا أَنَّ حَيْضَ الْمُشْتَرَاةِ فِي الْمُدَّةِ لَا يُجْتَزَأُ بِهِ عَنْ الِاسْتِبْرَاءِ عِنْدَهُ، وَعِنْدَهُمَا يُجْتَزَأُ ؛ وَلَوْ رُدَّتْ بِحُكْمِ الْخِيَارِ إلَى الْبَائِعِ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الِاسْتِبْرَاءُ عِنْدَهُ، وَعِنْدَهُمَا يَجِبُ إذَا رُدَّتْ بَعْدَ الْقَبْضِ .

وَمِنْهَا إذَا وَلَدَتْ الْمُشْتَرَاةُ فِي الْمُدَّةِ بِالنِّكَاحِ لَا تَصِيرُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا .

وَمِنْهَا إذَا قَبَضَ الْمُشْتَرِي الْمَبِيعَ بِإِذْنِ الْبَائِعِ ثُمَّ أَوْدَعَهُ عِنْدَ الْبَائِعِ فَهَلَكَ فِي يَدِهِ فِي الْمُدَّةِ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْبَائِعِ لِارْتِفَاعِ الْقَبْضِ بِالرَّدِّ لِعَدَمِ الْمِلْكِ عِنْدَهُ، وَعِنْدَهُمَا مِنْ مَالِ الْمُشْتَرِي لِصِحَّةِ الْإِيدَاعِ بِاعْتِبَارِ قِيَامِ الْمِلْكِ

وَمِنْهَا لَوْ كَانَ الْمُشْتَرِي عَبْدًا مَأْذُونًا لَهُ فَأَبْرَأَهُ الْبَائِعُ مِنْ الثَّمَنِ فِي الْمُدَّةِ بَقِيَ عَلَى خِيَارِهِ عِنْدَهُ ؛ لِأَنَّ الرَّدَّ امْتِنَاعٌ عَنْ التَّمَلُّكِ وَالْمَأْذُونُ لَهُ يَلِيهِ، وَعِنْدَهُمَا بَطَلَ خِيَارُهُ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا مَلَكَهُ كَانَ الرَّدُّ مِنْهُ تَمْلِيكًا بِغَيْرِ عِوَضٍ وَهُوَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ .

ومنها إذا اشترى ذمّيٌّ من ذمّيٍّ خمرًا على أنّه بالخيار ثمّ أسلم بطل الخيار عندهما؛ لأنّه ملكها فلا يملك ردّها وهو مسلمٌ، وعنده يبطل البيع؛ لأنّه لم يملكها فلا يتملّكها بإسقاط الخيار بعده وهو مسلمٌ.

ترجمہ

فرمایا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو اس شرط پر خریدا کہ اسے تین دن کا خیار ہوگا تو اس کا نکاح فاسد نہیں ہوگا اس لئے کہ خیار کی وجہ سے وہ شخص عورت کا مالک نہیں ہو سکا ہے اور اگر اس کے ساتھ وطی کر لی تو بھی اسے رجعت کا حق ہے کیونکہ وہ وطی نکاح کے حکم سے ہے کیونکہ بیوی باکرہ ہو اس لیے کہ وطی باکرہ میں نقص کا ذریعہ ہے اور یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے صاحبین نے فرمایا کہ نکاح فاسد ہو جائے گا اس لئے شوہر بیوی کا مالک ہو چکا ہے اور اگر اس نے بیوی سے وطی کر لی تو اسے واپس نہیں کر سکتا اس لئے کہ اس نے عورت کیساتھ ملک رقبہ کی بنیاد پر وطی کی ہے لہذا واپسی ناممکن ہو جائے گی اگرچہ عورت ثیبہ ہو اور اس مسئلے کی بہت سی مثالیں ہیں اور سب اسی اصل پر مبنی ہیں کہ خیار شرط کیساتھ مشتری میں صاحبین کے نزدیک مشتری کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ثابت نہیں ہوتی۔ انہیں مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ جب خریدی ہوئی چیز مشتری کا ذو رحم محرم ہے تو مدت خیار میں اس پر آزاد ہو جائے گا انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ جب مشتری نے یہ قسم اٹھا رکھی ہو کہ جب میں کسی غلام کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہے تو بھی خریدی ہوئی چیز آزاد ہو جائے گی برخلاف اس صورت کے جب مشتری نے اشتریت کہا ہو اس لئے کہ مشتری خریدنے کے بعد آزادی کا پانے والا ہوگا لہذا اس کا خیار ساقط ہو جائے گا۔

اور انہیں مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ خیار کی مدت میں خریدی ہوئی باندی کو آنے والا حیض امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک استبراء میں کافی نہیں ہے اور صاحبین کے ہاں کافی ہو جائے گا اور اگر خیار شرط کی بنا پر باندی بائع کو واپس کر دی گئی تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بائع پر استبراء واجب نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک جب قبضہ کے بعد واپس کی گئی ہے تو استبراء واجب ہوگا اور ایک مثال یہ ہے کہ جب خریدی ہوئی باندی نے مدت خیار میں نکاح کی وجہ سے بچہ جنا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مشتری کی ام ولد نہیں ہوگی صاحبین کا اختلاف ہے ان میں سے ایک مثال یہ ہے کہ جب مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کر کے اس کو بائع کے پاس ودیعت رکھ دیا پھر مدت خیار میں وہ بائع کے قبضے میں ہلاک ہو گئی تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ بائع کے مال سے ہلاک ہوگی اس لئے کہ ان کے نزدیک مشتری کی ملکیت نہ ہونے کیوجہ سے بائع کی طرف مبیع کی واپسی سے مشتری کا قبضہ ختم ہو گیا اور صاحبین کے نزدیک مشتری کے مال سے ہلاک ہوگی اس لئے کہ مشتری کیلئے قیام ملک کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا ودیعت رکھنا صحیح تھا۔

اور انہیں مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ جب مشتری عبد ماذون تھا پھر بائع نے اسے مدت خیار میں ثمن سے بری کر دیا

تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اسکا خیار باقی رہے گا اس لئے کہ واپس کرنا مالک بننے سے رکنا ہے اور ماذون لہ اسکا اہل ہے اور صاحبین کے نزدیک اسکا خیار باطل ہو جائے گا اس لئے کہ جب وہ مبیع کا مالک ہو گیا تو اس کی جانب سے واپسی تملیک بلاعوض ہوگی اور عبد ماذون بلاعوض کسی کو مالک بنانے کا اہل نہیں ہے اور ان میں سے ایک مثال یہ ہے کہ جب کسی ذمی نے دوسرے ذمی سے تین دن کے خیار شرط کے ساتھ شراب خریدی پھر وہ اسلام لے آیا تو صاحبین کے نزدیک اس کا خیار باطل ہو جائے گا اس لئے کہ وہ اس کا مالک ہو گیا ہے لہذا مسلمان ہو کر وہ اسے واپس کرنے کا مالک نہیں ہوگا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیع باطل ہو جائے گی اس لئے کہ مشتری شراب کا مالک نہیں ہوا ہے لہذا اسلام لانے کے بعد بھی خیار ساقط کر کے وہ شراب کا مالک نہیں بن سکتا۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب آقا نے اپنے غلام کو نکاح کرتے دیکھا یا باندی کو نکاح کرتے دیکھا اور خاموش رہا تو صحیح یہ ہے وہ ماذون نہ ہوگا۔ اور جب اس نے اپنے مملوک کو عام اجازت دیدی کہ وہ میرے تجارتی معاملات سے تجارت کرے تو اب وہ ماذون ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب ماذون)

غائب شخص کے مال کی بیع کرنے میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں کہ فقہاء شوافع کہتے ہیں کہ جس چیز فریقین یا ان دونوں میں کسی کی نگاہ سے غائب ہو اگرچہ وہ سرے سے ہی وہاں پر موجود نہ ہو یا موجود ہے تو وہ چھپی ہوئی ہے تو اس کی بیع کرنا درست نہیں ہے۔

فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ بغیر دیکھے ہوئی فروخت کردہ چیز کی دو حالتیں ہوں گی ایک حالت یہ ہوگی مال موجود ہے مگر خریدنے والے نے اس کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ جہاں بیع ہوئی وہاں مال موجود ہی نہیں ہے۔ تو اس بیع کے منعقد ہونے کی دو باتوں پر بیع صحیح ہو سکتی ہے ایک یہ تفصیل بیان کر دی جائے یا پھر جنس متعین کر دی جائے البتہ اس میں شرط یہ ہوگی کہ خریدنے کے بعد پسند کرنے کی مرضی کے مطابق ہوگا۔

فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ غائب چیز کی بیع دو شرائط کے مطابق ہو سکتی ہے ایک شرط یہ ہے کہ مبیع ان چیزوں میں سے ہو جن میں بیع سلم ہو سکتی ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مبیع کی تفصیل کو بیان کر دیا گیا ہو۔

فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ غائب چیز کی بیع جس کو فریقین دیکھا ہی نہیں ہے اس کو بیع درست نہیں ہے۔ اگرچہ وہ چیز وہاں موجود ہو یا نہ ہو ہاں البتہ ایسی بیع کے صحیح ہونے کے لئے دو شرائط ہیں۔ ایک شرط یہ ہے کہ بیع کرنے والا خود مال کا مالک ہو اور دوسری شرط یہ ہے مبیع کی تفصیل اس طرح بیان کر دی جائے کہ اس میں کوئی بات پوشیدہ نہ رہی ہو۔

(مذاہب اربعہ، کتاب بیوع)

مدت بیع میں فسخ ونفذ کا بیان

قَالَ (وَمَنْ شَرِطَ لَهُ الْخِيَارُ فَلَهُ أَنْ يَفْسَخَ فِي الْمُدَّةِ وَلَهُ أَنْ يُجِيزَ ، فَإِنْ أَجَازَهُ بِغَيْرِ

حَضْرَةِ صَاحِبِهِ جَازَ. وَإِنْ فَسَخَ لَمْ يَجُزْ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْآخَرُ حَاضِرًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَجُوزُ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَالشَّرْطُ هُوَ الْعِلْمُ، وَإِنَّمَا كَنَى بِالْحَضْرَةِ عَنْهُ.

لَهُ أَنَّهُ مُسَلَّطٌ عَلَى الْفَسْخِ مِنْ جِهَةِ صَاحِبِهِ فَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى عِلْمِهِ كَالْإِجَازَةِ وَلِهَذَا لَا يُشْتَرَطُ رِضَاهُ وَصَارَ كَالْوَكِيلِ بِالْبَيْعِ.

وَلَهُمَا أَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي حَقِّ الْغَيْرِ وَهُوَ الْعَقْدُ بِالرَّفْعِ، وَلَا يَعْرَى عَنِ الْمَضَرَّةِ؛ لِأَنَّهُ عَسَاهُ يَعْتَمِدُ تَمَامَ الْبَيْعِ السَّابِقِ فَيَتَصَرَّفُ فِيهِ فَتَلْزَمُهُ غَرَامَةُ الْقِيمَةِ بِالْهَلَاكِ فِيمَا إِذَا كَانَ الْخِيَارُ لِلْبَائِعِ، أَوْ لَا يَطْلُبُ لِسِلْعَتِهِ مُشْتَرِيًا فِيمَا إِذَا كَانَ الْخِيَارُ لِلْمُشْتَرِي، وَهَذَا نَوْعُ ضَرَرٍ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى عِلْمِهِ وَصَارَ كَعَزْلِ الْوَكِيلِ، بِخِلَافِ الْإِجَازَةِ لِأَنَّهُ لَا إِلْزَامَ فِيهِ، وَلَا نَقُولُ إِنَّهُ مُسَلَّطٌ، وَكَيْفَ يُقَالُ ذَلِكَ وَصَاحِبُهُ لَا يَمْلِكُ الْفَسْخَ وَلَا تَسْلِيطَ فِي غَيْرِ مَا يَمْلِكُهُ الْمُسَلِّطُ، وَلَوْ كَانَ فَسَخَ فِي حَالِ غَيْبَةِ صَاحِبِهِ وَبَلَغَهُ فِي الْمُدَّةِ تَمَّ الْفَسْخُ لِحُصُولِ الْعِلْمِ بِهِ، وَلَوْ بَلَغَهُ بَعْدَ مُضِيِّ الْمُدَّةِ تَمَّ الْعَقْدُ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ قَبْلَ الْفَسْخِ.

ترجمہ

فرمایا کہ جس کیلئے خیار شرط ثابت ہو تو مدت خیار میں اسے بیع کو فسخ کرنے اور نافذ کرنے دونوں کا اختیار ہوگا پھر اگر اس نے اپنے ساتھی کی عدم موجودگی میں بیع کو نافذ کر دیا تو جائز ہے اور اگر فسخ کیا تو طرفین کے نزدیک دوسرے کی موجودگی کے بغیر فسخ جائز نہیں ہے امام ابو یوسف نے فرمایا کہ جائز ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے اور فسخ کا علم شرط ہے لیکن اس سے کنایہ موجودگی مراد لی گئی ہے امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ صاحب خیار اپنے ساتھی کی جانب سے فسخ پر مسلط ہے لہذا فسخ کرنا اس کے علم پر موقوف نہیں ہوگا جیسا کہ اجازت میں ہے اسی وجہ سے دوسرے کی رضامندی شرط نہیں ہوتی اور یہ بیع کا وکیل بنانے کی طرح ہو گیا طرفین کی دلیل یہ کہ فسخ کرنا غیر کے حق میں تصرف ہے اور وہ عقد کا ختم کرنا ہے اور یہ مضرت سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے دوسرا مالک بیع سابق پر اعتماد اس میں تصرف کر دے اور بائع کیلئے خیار ہونے کی صورت میں مبیع ہلاک ہونے کی بنا پر قیمت مبیع کا تاوان لازم ہو یا مشتری کیلئے خیار ہونے کی صورت میں بائع اپنے سامان کا دوسرا مشتری تلاش نہیں کرے گا اور یہ ایک طرح کا نقصان ہوگا لہذا فسخ کرنا دوسرے کے علم پر موقوف ہوگا اور یہ وکیل معزول کرنے کی طرح ہو گیا برخلاف اجازت کے کیونکہ اس میں

التزام نہیں ہوتا۔اور ہم نہیں کہیں گے صاحب خیار فسخ کرنے پر مسلط ہے اور ایسا کیسے کہا جاسکتا ہے جبکہ اس کا ساتھی فسخ کا مالک نہیں ہے اور جس چیز کا مسلط مالک نہیں ہے اس میں تسلیط بھی متصور نہیں ہے اور جب دوسرے ساتھی کی عدم موجودگی میں فسخ ہوا اور مدت خیار میں اسے خبر پہنچ گئی تو اسکا علم ہو جانے کا بعد فسخ مکمل ہو جائے گا اور جب مدت گزرنے کے بعد خبر پہنچی تو قبل الفسخ مدت گزرنے کی وجہ سے عقد پورا ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب بائع ومشتری کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعی طور پر بیع نہ کریں بلکہ عقد میں یہ شرط کردیں کہ اگر منظور نہ ہوا تو بیع باقی نہ رہے گی اسے خیار شرط کہتے ہیں اور اس کی ضرورت طرفین کو ہوا کرتی ہے کیونکہ کبھی بائع اپنی ناواقفی سے کم داموں میں چیز بیچ دیتا ہے یا مشتری اپنی نادانی سے زیادہ داموں سے خرید لیتا ہے یا چیز کی اسے شناخت نہیں ہے ضرورت ہے کہ دوسرے سے مشورہ کر کے صحیح رائے قائم کرے اور اگر اس وقت نہ خریدے تو چیز جاتی رہے گی یا بائع کو اندیشہ ہے کہ گاہک ہاتھ سے نکل جائے گا ایسی صورت میں شرع مطہر نے دونوں کو یہ موقع دیا ہے کہ غور کرلیں اگر نامنظور ہو تو خیار کی بنا پر بیع کو نامنظور کردیں۔خیار شرط بائع ومشتری دونوں اپنے اپنے لیے کریں یا صرف ایک کرے یا کسی اور کے لیے اس کی شرط کریں سب صورتیں درست ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عقد میں خیار شرط کا ذکر نہ ہو مگر عقد کے بعد ایک نے دوسرے کو یا ہر ایک نے دوسرے کو یا کسی غیر کو خیار دیدیا۔عقد سے پہلے خیار شرط نہیں ہوسکتا یعنی اگر پہلے خیار کا ذکر آیا مگر عقد میں ذکر نہ آیا نہ بعد عقد اس کی شرط کی مثلاً بیع سے پہلے یہ کہدیا کہ جو بیع تم سے کروں گا اُس میں میں نے تم کو خیار دیا مگر عقد کے وقت بیع مطلق واقع ہوئی تو خیار حاصل نہ ہوا۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

موت کے سبب بطلان خیار کا بیان

قَالَ : (وَإِذَا مَاتَ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ بَطَلَ خِيَارُهُ وَلَمْ يَنْتَقِلْ إلَى وَرَثَتِهِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : يُورَثُ عَنْهُ ؛ لِأَنَّهُ حَقٌّ لَازِمٌ ثَابِتٌ فِي الْبَيْعِ فَيَجْرِي فِيهِ الْإِرْثُ كَخِيَارِ الْعَيْبِ وَالتَّعْيِينِ . وَلَنَا أَنَّ الْخِيَارَ لَيْسَ إلَّا مَشِيئَةً وَإِرَادَةً وَلَا يُتَصَوَّرُ انْتِقَالُهُ، وَالْإِرْثُ فِيمَا يَقْبَلُ الِانْتِقَالَ . بِخِلَافِ خِيَارِ الْعَيْبِ ؛ لِأَنَّ الْمُوَرِّثَ اسْتَحَقَّ الْمَبِيعَ سَلِيمًا فَكَذَا الْوَارِثُ، فَأَمَّا نَفْسُ الْخِيَارِ لَا يُوَرَّثُ، وَأَمَّا خِيَارُ التَّعْيِينِ يَثْبُتُ لِلْوَارِثِ ابْتِدَاءً لِاخْتِلَاطِ مِلْكِهِ بِمِلْكِ الْغَيْرِ لَا أَنْ يُوَرَّثَ الْخِيَارُ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب خیار والا فوت ہو جائے تو اس کا خیار باطل ہو جائے گا اور اس کے ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوگا امام شافعی نے

فرمایا کہ میت کی طرف سے اس میں بھی وراثت جاری ہوگی اس لئے کہ خیار شرط بیع میں ایک لازم اور ثابت شدہ حق ہے لہذا خیار عیب اور خیار تعیین کی طرح اس میں بھی وراثت جاری ہوگی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ چاہت اور ارادے کے علاوہ خیار کی کوئی حیثیت نہیں ہے لہذا اس کا انتقال متصور نہیں ہوگا اور وراثت منتقل ہونے والی چیزوں میں چلتی ہے برخلاف خیار عیب کے اس لئے کہ مورث غیر معیوب مبیع کا مستحق تھا تو وارث بھی غیر معیوب مبیع کا مستحق ہوگا لیکن نفس خیار میں وراثت نہیں چلتی اور وارث کی ملکیت کے دوسرے کی ملکیت سے مل جانے کی وجہ سے ابتداء وارث کیلئے خیار تعیین ثابت ہوتا ہے ایسا نہیں ہے کہ خیار تعیین اسے وراثت میں ملتا ہے۔

خیار کے وراثت میں منتقل نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب خیار والا فوت ہو جائے تو اس کا خیار باطل ہو جائے گا اور اس کے ورثاء کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ جبکہ امام شافعی اور فقہاء مالکیہ کی کتب مشہورہ کے مطابق امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ خیار وراثت میں منتقل ہو جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے اس کو خیار عیب اور خیار تعیین پر قیاس کیا ہے جن میں بہ اتفاق خیار وراثت میں منتقل ہو جاتا ہے جبکہ احناف اور ان کے مؤیدین فقہاء نے کہا ہے کہ جب خیار کی مدت گزر جائے تو بہ اجماع کسی دوسرے کو خیار نہ ہوگا اور مدت کا گزرنا اور پھر اس کے بعد من لہ خیار کیا کرتا ہے یہ ورثاء پر مجہول ہے ممکن ہے ورثاء چاہت من لہ خیار کے خلاف کر بیٹھیں۔ لہذا یہ خیار ورثاء کی جانب منتقل نہ ہوگا۔ (فتح القدیر، بتصرف، کتاب بیوع، ج ۱۴، ۳۳۱ص، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس کے لیے خیار تھا وہ اندرون مدت مرگیا خیار باطل ہوگیا یہ نہیں ہوسکتا کہ اُس کے مرنے کے بعد وارث کی طرف خیار منتقل ہو کہ خیار میں میراث نہیں جاری ہوتی۔ اسی طرح اگر بیہوش ہوگیا یا مجنون ہوگیا یا سوتا رہ گیا اور مدت گزر گئی خیار باطل ہوگیا۔ مشتری کو بطور تملیک قبضہ دیا بائع کا خیار باطل ہوگیا اور اگر بطور تملیک قبضہ نہ دیا بلکہ اپنا اختیار رکھتے ہوئے قبضہ دیا خیار باطل نہ ہوا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

استحسان کے طور پر دوسرے کیلئے خیار ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى شَيْئًا وَشَرَطَ الْخِيَارَ لِغَيْرِهِ فَأَيُّهُمَا أَجَازَ الْخِيَارَ وَأَيُّهُمَا نَقَضَ انْتَقَضَ) وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ اشْتِرَاطَ الْخِيَارِ لِغَيْرِهِ جَائِزٌ اسْتِحْسَانًا، وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوزُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ ؛ لِأَنَّ الْخِيَارَ مِنْ مَوَاجِبِ الْعَقْدِ وَأَحْكَامِهِ، فَلَا يَجُوزُ اشْتِرَاطُهُ لِغَيْرِهِ كَاشْتِرَاطِ الثَّمَنِ عَلَى غَيْرِ الْمُشْتَرِي .

.وَلَنَا أَنَّ الْخِيَارَ لِغَيْرِ الْعَاقِدِ لَا يَثْبُتُ إلَّا بِطَرِيقِ النِّيَابَةِ عَنْ الْعَاقِدِ فَيُقَدَّرُ الْخِيَارُ لَهُ اقْتِضَاءً ثُمَّ يُجْعَلُ هُوَ نَائِبًا عَنْهُ تَصْحِيحًا لِتَصَرُّفِهِ، وَعِنْدَ ذَلِكَ يَكُونُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

الْخِيَارُ، فَأَيُّهُمَا أَجَازَ جَازَ، وَأَيُّهُمَا نَقَضَ انْتَقَضَ (وَلَوْ أَجَازَ أَحَدُهُمَا وَفَسَخَ الْآخَرُ يُعْتَبَرُ السَّابِقُ) لِوُجُودِهِ فِي زَمَانٍ لَا يُزَاحِمُهُ فِيهِ غَيْرُهُ، وَلَوْ خَرَجَ الْكَلَامَانِ مِنْهُمَا مَعًا يُعْتَبَرُ تَصَرُّفُ الْعَاقِدِ فِي رِوَايَةٍ وَتَصَرُّفُ الْفَاسِخِ فِي أُخْرَى .وَجْهُ الْأَوَّلِ أَنَّ تَصَرُّفَ الْعَاقِدِ أَقْوَى ؛ لِأَنَّ النَّائِبَ يَسْتَفِيدُ الْوِلَايَةَ مِنْهُ .

وَجْهُ الثَّانِي أَنَّ الْفَسْخَ أَقْوَى ؛ لِأَنَّ الْمَجَازَ يَلْحَقُهُ الْفَسْخُ وَالْمَفْسُوخُ لَا تَلْحَقُهُ الْإِجَازَةُ، وَلَمَّا مَلَكَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا التَّصَرُّفَ رَجَّحْنَا بِحَالِ التَّصَرُّفِ

وَقِيلَ الْأَوَّلُ قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَالثَّانِي قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ، وَاسْتِخْرَاجُ ذَلِكَ مِمَّا إذَا بَاعَ الْوَكِيلُ مِنْ رَجُلٍ وَالْمُوَكِّلُ مِنْ غَيْرِهِ مَعًا ؛ فَمُحَمَّدٌ يَعْتَبِرُ فِيهِ تَصَرُّفَ الْمُوَكِّلِ، وَأَبُو يُوسُفَ يَعْتَبِرُهُمَا .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی شخص نے کوچیز خریدی اور اپنے علاوہ کسی دوسرے کیلئے خیار کی شرط لگائی تو دونوں میں سے جو بھی بیع کو نافذ کے گا نافذ ہو جائے گی اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ عقد کرنے والوں کے علاوہ کسی تیسرے کیلئے استحسانا خیار شرط لگانا جائز ہے اور قیاسا جائز نہیں ہے اور یہی امام زفر کا قول ہے اس لئے کہ خیار عقد کے لوازم اور اس کے احکام میں سے ہے لہذا دوسرے کیلئے اس کی شرط لگانا جائز نہیں ہوگا جس طرح کے غیر مشتری پر ثمن کی شرط لگانا جائز نہیں ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر عاقد کیلئے عاقد کا نائب بن کر ہی خیار ثابت ہوتا ہے لہذا عاقد کیلئے اقتضائے خیار کو ثابت مان کر پھر دوسرے کو اس کا نائب بنایا جائے گا تا کہ عاقد کا تصرف صحیح ہو اور اس صورت میں دونوں کیلئے خیار ثابت ہوگا اور ان میں سے جو بھی بیع کو نافذ کریگا نافذ ہو جائے گی اور جو بھی اسے فسخ کرے گا فسخ ہو جائے گی اور جب ان میں سے ایک نے بیع کی اجازت دی اور دوسرے نے فسخ کر دیا تو پہلے کا اعتبار ہوگا کیونکہ وہ ایک ایسے زمانے میں پایا گیا جس میں دوسرے کی طرف سے مزاحمت نہیں تھی۔

اور جب دونوں کا تصرف ایک ساتھ صادر ہوا تو ایک روایت میں عقد کرنے والے کا تصرف معتبر ہوگا اور دوسری روایت میں فاسخ کا تصرف معتبر ہوگا پہلے کی دلیل یہ ہے کہ عاقد کا تصرف اقوی ہے اس لئے کہ نائب اسی عاقد سے تصرف ولایت حاصل کرتا ہے اور دوسری روایت کی دلیل یہ ہے کہ فسخ کرنا زیادہ قوی ہے اس لئے کہ اجازت دیئے ہوئے عقد کو بھی فسخ لاحق ہو جاتا ہے حالانکہ فسخ کردہ عقد کو اجازت لاحق نہیں ہوتی اور جب ان دونوں میں سے ہر ایک تصرف کا مالک ہے تو ہم نے حالت تصرف کو ترجیح دے دی ایک قول یہ کہ پہلا امام محمد کا قول ہے اور دوسرا امام ابو یوسف کا اور یہ مسئلہ اس صورت سے مستنبط ہے کہ جب وکیل نے

ایک آدمی سے اور ساتھ ہی مؤکل نے دوسرے آدمی سے کوئی چیز بیچی تو امام محمد اس میں مؤکل کا تصرف معتبر مانتے ہیں اور امام ابو یوسف دونوں کے تصرف کا اعتبار کرتے ہیں۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کسی کو وکیل بنایا کہ یہ چیز شرط خیار سے بیع کرے اُس نے بلا شرط بیچ ڈالی یہ بیع جائز و نافذ نہ ہوئی اور اگر بشرط الخیار خریدنے کے لیے وکیل کیا تھا وکیل نے بلا شرط خریدی تو بیع صحیح ہوگئی مگر وکیل پر نافذ ہوگی مؤکل پر نافذ نہ ہوئی۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب دو شخصوں نے ایک چیز خریدی اور ان دونوں نے اپنے لیے خیار شرط کیا پھر ایک نے صراحۃً یا دلالۃً بیع پر رضامندی ظاہر کی تو دوسرے کا خیار جاتا رہا۔ اسی طرح اگر دو شخصوں نے کسی چیز کو ایک عقد میں بیع کیا اور دونوں نے اپنے لیے خیار رکھا پھر ایک بائع نے بیع کو جائز کر دیا تو دوسرے کا خیار باطل ہوگیا اُسے رد کرنے کا حق نہ رہا۔ ایک عقد میں دو چیزیں بیچی تھیں اور اپنے لیے خیار رکھا تھا پھر ایک میں بیع کو فسخ کر دیا تو فسخ نہ ہوئی بلکہ بدستور خیار باقی ہے۔ اسی طرح ایک چیز بیچی تھی اور اُس کے نصف میں فسخ کیا تو بیع فسخ نہ ہوئی اور خیار باقی ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

دو غلاموں سے ایک میں خیار کے عدم جواز کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ عَبْدَيْنِ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ فِي أَحَدِهِمَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ، وَإِنْ بَاعَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِخَمْسِمِائَةٍ عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ فِي أَحَدِهِمَا بِعَيْنِهِ جَازَ الْبَيْعُ) وَالْمَسْأَلَةُ عَلَى أَرْبَعَةِ أَوْجُهٍ :أَحَدُهَا أَنْ لَا يُفَصِّلَ الثَّمَنَ وَلَا يُعَيِّنَ الَّذِي فِيهِ الْخِيَارُ وَهُوَ الْوَجْهُ الْأَوَّلُ فِي الْكِتَابِ وَفَسَادُهُ لِجَهَالَةِ الثَّمَنِ وَالْمَبِيعِ ؛ لِأَنَّ الَّذِي فِيهِ الْخِيَارُ كَالْخَارِجِ عَنْ الْعَقْدِ، إذْ الْعَقْدُ مَعَ الْخِيَارِ لَا يَنْعَقِدُ فِي حَقِّ الْحُكْمِ فَبَقِيَ الدَّاخِلُ فِيهِ أَحَدُهُمَا وَهُوَ غَيْرُ مَعْلُومٍ .

وَالْوَجْهُ الثَّانِي أَنْ يُفَصِّلَ الثَّمَنَ وَيُعَيِّنَ الَّذِي فِيهِ الْخِيَارُ وَهُوَ الْمَذْكُورُ ثَانِيًا فِي الْكِتَابِ، وَإِنَّمَا جَازَ ؛ لِأَنَّ الْمَبِيعَ مَعْلُومٌ وَالثَّمَنَ مَعْلُومٌ، وَقَبُولُ الْعَقْدِ فِي الَّذِي فِيهِ الْخِيَارُ وَإِنْ كَانَ شَرْطًا لِانْعِقَادِ الْعَقْدِ فِي الْآخَرِ وَلَكِنَّ هَذَا غَيْرُ مُفْسِدٍ لِلْعَقْدِ لِكَوْنِهِ مَحَلًّا لِلْبَيْعِ كَمَا إذَا جَمَعَ بَيْنَ قِنٍّ وَمُدَبَّرٍ .وَالثَّالِثُ أَنْ يُفَصِّلَ وَلَا يُعَيِّنَ .وَالرَّابِعُ أَنْ يُعَيِّنَ وَلَا يُفَصِّلَ، فَالْعَقْدُ فَاسِدٌ فِي الْوَجْهَيْنِ :إمَّا لِجَهَالَةِ الْمَبِيعِ أَوْ لِجَهَالَةِ الثَّمَنِ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی شخص نے ایک ہزار درہم کے عوض دو غلاموں کو اس شرط پر بیچا کہ اسے دونوں میں سے ایک غلام میں تین دن کا اختیار ہے تو بیع فاسد ہے لیکن جب ان میں سے ہر ایک کو پانچ سو میں بیچا اس شرط پر کہ اسے ان میں سے ایک متعین غلام میں تین دن کا اختیار تو بیع جائز ہے اور یہ مسئلہ چار صورتوں پر ہے پہلی صورت یہ ہے کہ نہ تو بائع ثمن کی تفصیل بیان کرے اور نہ ہی اس غلام کی تعیین کرے جس میں خیار لے گا اور یہ ہی پہلی صورت ہے جو کتاب میں مذکور ہے اور ثمن اور مبیع دونوں مجہول ہونے کی وجہ سے یہ صورت فاسد ہے کیونکہ وہ غلام جس میں خیار ہے وہ خارج عن العقد کی طرح ہے اس لئے کہ خیار سے ہم آہنگ عقد ثبوت حکم کے حق میں منعقد نہیں ہوتا لہذا عقد میں دونوں غلاموں میں سے صرف ایک داخل ہوگا اور وہ ایک غیر معلوم ہے دوسری صورت یہ ہے کہ بائع ثمن کی بھی تفصیل کر دے اور جس میں اسے خیار لینا ہے اس کی بھی تعیین کر دے کتاب میں دوسرے نمبر پر یہ ہی مذکور ہے اور اس صورت میں بیع اس لئے جائز ہے کہ مبیع بھی معلوم ہے اور ثمن بھی معلوم ہے اور خیار والے غلام میں عقد قبول کرنا اگر چہ دوسرے کیلئے انعقاد عقد کیلئے شرط ہے لیکن یہ شرط مفسد عقد نہیں ہے اس لئے کہ جس غلام میں اسے خیار ہے وہ بیع کا محل ہے جیسے اس صورت میں جب کوئی شخص قن اور مدبر دونوں کو بیع میں جمع کرے تیسری صورت یہ ہے کہ بائع ثمن کو الگ الگ بیان کر دے اور من فیہ الخیار کو متعین نہ کرے چوتھی صورت یہ ہے کہ جس میں خیار کی تعیین کر دے لیکن ثمن الگ بیان نہ کرے اور دونوں صورتوں میں عقد فاسد ہے یا تو مبیع مجہول ہونے کی وجہ سے یا پھر ثمن مجہول ہونے کے سبب ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے دو چیزوں کو ایک ساتھ بیچا، مثلاً دو غلام یا دو کپڑے یا دو جانور، ان میں ایک میں بائع یا مشتری نے خیار شرط کیا اس کی چار صورتیں ہیں، جس ایک میں خیار ہے، وہ متعین ہے یا نہیں اور ہر ایک کا ثمن علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا گیا ہے۔ یا نہیں اگر محل خیار متعین ہے اور ہر ایک کا ثمن ظاہر کر دیا گیا تو بیع صحیح ہے باقی تین صورتوں میں بیع فاسد اور اگر کیلی یا وزنی چیز خریدی اور اس کے نصف میں خیار شرط رکھا یا ایک غلام خریدا اور نصف میں خیار رکھا تو بیع صحیح ہے ثمن کی تفصیل کرے یا نہ کرے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

مشروعیت خیار کا ازالہ نقصان ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى ثَوْبَيْنِ عَلَى أَنْ يَأْخُذَ أَيَّهُمَا شَاءَ بِعَشَرَةٍ وَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَهُوَ جَائِزٌ، وَكَذَا الثَّلَاثَةُ، فَإِنْ كَانَتْ أَرْبَعَةَ أَثْوَابٍ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ) وَالْقِيَاسُ أَنْ يَفْسُدَ الْبَيْعُ فِي الْكُلِّ لِجَهَالَةِ الْمَبِيعِ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ شَرْعَ الْخِيَارِ لِلْحَاجَةِ إِلَى دَفْعِ الْغَبْنِ لِيَخْتَارَ مَا هُوَ الْأَرْفَقُ وَالْأَوْفَقُ، وَالْحَاجَةُ إِلَى هَذَا النَّوْعِ مِنَ الْبَيْعِ مُتَحَقِّقَةٌ ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى اخْتِيَارِ مَنْ يَثِقُ بِهِ أَوْ اخْتِيَارِ مَنْ يَشْتَرِيهِ لِأَجْلِهِ، وَلَا يُمَكِّنُهُ الْبَائِعُ مِنَ الْحَمْلِ إِلَيْهِ إِلَّا بِالْبَيْعِ فَكَانَ فِي مَعْنَى مَا وَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ، غَيْرَ أَنَّ هَذِهِ الْحَاجَةَ تَنْدَفِعُ بِالثَّلَاثِ لِوُجُودِ الْجَيِّدِ وَالْوَسَطِ وَالرَّدِيءِ فِيهَا، وَالْجَهَالَةُ لَا تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ فِي الثَّلَاثَةِ لِتَعْيِينِ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ، وَكَذَا فِي الْأَرْبَعِ، إِلَّا أَنَّ الْحَاجَةَ إِلَيْهَا غَيْرُ مُتَحَقِّقَةٍ وَالرُّخْصَةُ ثُبُوتُهَا بِالْحَاجَةِ وَكَوْنُ الْجَهَالَةِ غَيْرَ مُفْضِيَةٍ إِلَى الْمُنَازَعَةِ فَلَا تَثْبُتُ بِأَحَدِهِمَا .

ترجمہ

فرمایا کہ جس نے دو کپڑوں کو اس شرط پر خریدا کہ ان میں سے جسے چاہے گا دس دراہم میں لے لے گا اور اسے تین دن کا خیار ہوگا تو بیع جائز ہے انہی تین کپڑوں میں بھی بیع جائز ہے لیکن اگر چار کپڑے ہوں تو بیع فاسد ہے اور قیاس یہ ہے کہ تمام صورتوں میں بیع فاسد ہو اس لئے کہ مبیع مجہول ہے یہی امام زفر اور امام شافعی کا قول ہے استحسان کی دلیل یہ ہے کہ خیار کی مشروعیت ہی خسارہ دور کرنے کیلئے ہوئی ہے تا کہ صاحب خیار زیادہ نفع بخش اور موافقت کو اختیار کر سکے اور اس طرح کی بیع کی ضرورت ثابت ہے اس لئے کہ مشتری کبھی اپنے نزدیک قابل اعتماد شخص کو منتخب کرنے یا جس کیلئے کپڑا خرید رہا ہے اس کے پسند کرنے کا محتاج ہوتا ہے اور بیع کے بغیر بائع اسے مشتری کے پاس مبیع نہیں لے جانے لہذا یہ بیع بھی اس بیع کے معنی میں ہوگی جس پر شریعت وارد ہوئی ہے البتہ یہ ضرورت تین کپڑوں سے پوری ہو جاتی ہے کیونکہ تین میں عمدہ اوسط اور ردی شامل ہیں اور تین میں جہالت بھی جھگڑے کی طرف لے جانے والی نہیں ہوگی اس لئے کہ جس کیلئے اختیار ہے کو انھی میں سے تعیین کا حق ہے اور ایسے ہی چار کپڑوں میں لیکن اس کی طرف حاجت ثابت نہیں ہے حالانکہ رخصت کا ثبوت ہی حاجت اور جہالت کے جھگڑے کی طرف لے جانے والی نہ ہونے کی وجہ سے ہے لہذا ان میں سے کسی ایک کے ہونے سے اجازت کا ثبوت نہیں ہوگا۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے دو چیزوں کو ایک ساتھ بیچا، مثلاً دو غلام یا دو کپڑے یا دو جانور، ان میں ایک میں بائع یا مشتری نے خیار شرط کیا اس کی چار صورتیں ہیں، جس ایک میں خیار ہے، وہ متعین ہے یا نہیں اور ہر ایک کا ثمن علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا گیا ہے یا نہیں اگر محل خیار متعین ہے اور ہر ایک کا ثمن ظاہر کر دیا گیا تو بیع صحیح ہے باقی تین صورتوں میں بیع فاسد اور اگر کیلی یا وزنی چیز خریدی اور اس کے نصف میں خیار شرط رکھا یا ایک غلام خریدا اور نصف میں خیار رکھا تو بیع صحیح ہے ثمن کی تفصیل کرے یا نہ کرے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

خیارِ شرط کا خیارِ تعیین کے ساتھ ہونے کا بیان

ثُمَّ قِيلَ: يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ فِي هَذَا الْعَقْدِ خِيَارُ الشَّرْطِ مَعَ خِيَارِ التَّعْيِينِ، وَهُوَ الْمَذْكُورُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ.

(وَقِيلَ لَا يُشْتَرَطُ وَهُوَ الْمَذْكُورُ فِي الْجَامِعِ الْكَبِيرِ) ، فَيَكُونُ ذِكْرُهُ عَلَى هَذَا الِاعْتِبَارِ وِفَاقًا لَا شَرْطًا ؛ وَإِذَا لَمْ يَذْكُرْ خِيَارَ الشَّرْطِ لَا بُدَّ مِنْ تَوْقِيتِ خِيَارِ التَّعْيِينِ بِالثَّلَاثِ عِنْدَهُ وَبِمُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ أَيَّتُهَا كَانَتْ عِنْدَهُمَا.

ثُمَّ ذَكَرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ: اشْتَرَى ثَوْبَيْنِ وَفِي بَعْضِهَا اشْتَرَى أَحَدَ الثَّوْبَيْنِ وَهُوَ الصَّحِيحُ ؛ لِأَنَّ الْمَبِيعَ فِي الْحَقِيقَةِ أَحَدُهُمَا وَالْآخَرُ أَمَانَةٌ، وَالْأَوَّلُ تَجَوُّزٌ وَاسْتِعَارَةٌ.

وَلَوْ هَلَكَ أَحَدُهُمَا أَوْ تَعَيَّبَ لَزِمَهُ الْبَيْعُ فِيهِ بِثَمَنِهِ وَتَعَيَّنَ الْآخَرُ لِلْأَمَانَةِ لِامْتِنَاعِ الرَّدِّ بِالتَّعَيُّبِ، وَلَوْ هَلَكَا جَمِيعًا مَعًا يَلْزَمُهُ نِصْفُ ثَمَنِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِشُيُوعِ الْبَيْعِ وَالْأَمَانَةِ فِيهِمَا.

ترجمہ

پھر کہا گیا ہے کہ اس عقد میں خیارِ تعیین کے ساتھ خیارِ شرط کا ہونا ضروری ہے اور جامع صغیر میں یہی مذکور ہے اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ خیارِ شرط کی معیت شرط نہیں ہے اور جامع کبیر میں یہی مذکور ہے تو جامع کبیر کے اعتبار پر خیارِ شرط کا ذکر اتفاقی ہوگا اور جب خیارِ شرط کا تذکرہ نہ ہو تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک خیارِ تعیین کو تین دن کے ساتھ متوقت کرنا ضروری ہے اور صاحبین کے نزدیک مدت سے اسکی توقیت ضروری ہے خواہ کوئی بھی مدت ہو پھر بعض نسخوں میں اشتری ثوبین ہے اور بعض میں اشتری احد الثوبین ہے اور یہی دوسرا صحیح ہے اس لئے کہ حقیقت میں مبیع ان میں سے ایک ہی کپڑا ہے اور دوسرا امانت ہے اور پہلا مجاز اور استعارہ ہے۔

اور جب دونوں کپڑوں میں سے ایک ہلاک ہوگیا یا عیب دار ہوگیا تو اس کپڑے میں اس کے ثمن کے عوض بیع لازم ہو جائے گی اور دوسرا کپڑا امانت کیلئے متعین ہو جائے گا اس لئے کہ عیب دار ہونے کی وجہ سے پہلے کپڑے کی واپسی ناممکن ہوگئی اور جب دونوں کپڑے ایک ساتھ ضائع ہو جائیں تو مشتری پر ہر ایک کا نصف ثمن لازم ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں بیع اور امانت شائع ہو چکی ہیں۔

شرح

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ چند چیزوں میں سے ایک غیر معین کو خریدا یوں کہا کہ ان میں سے ایک کو

خریدتا ہوں تو مشتری اُن میں سے جس ایک کو چاہے متعین کرلے اس کو خیار تعیین کہتے ہیں اس کے لیے چند شرطیں ہیں۔ اول یہ کہ اُن چیزوں میں ایک کو خریدے یہ نہیں کہ میں نے ان سب کو خریدا۔ دوم یہ کہ دو چیزوں میں سے ایک یا تین چیزوں میں سے ایک کو خریدے، چار میں سے ایک خریدی تو صحیح نہیں۔ سوم یہ کہ یہ تصریح ہو کہ ان میں سے جو تو چاہے لے لے۔ چہارم یہ کہ اس کی مدت بھی تین دن تک ہونی چاہیے۔ پنجم یہ کہ قیمی چیزوں میں ہو مثلی چیزوں میں نہ ہو۔ رہا یہ امر کہ خیار تعیین کے ساتھ خیار شرط کی بھی ضرورت ہے یا نہیں اس میں علما کا اختلاف ہے بہر حال اگر خیار تعیین کے ساتھ خیار شرط بھی مذکور ہو اور مشتری نے تقاضہ تعیین سے ایک کو معین کرلیا تو خیار شرط کا حکم باقی ہے کہ اندرون مدت اُس ایک میں بھی بیع فسخ کرسکتا ہے۔ اور اگر مدت ختم ہوگئی اور خیار شرط کی رو سے بیع کو فسخ نہ کیا تو بیع لازم ہوگئی اور مشتری پر لازم ہوگا کہ اب تک متعین نہیں کیا ہے تو اب معین کرلے۔

(فتح القدیر، کتاب بیوع)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ خیار تعیین بائع کے لیے بھی ہوسکتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری نے دو یا تین چیزوں میں سے ایک کو خریدا اور بائع سے کہہ دیا کہ ان میں سے تو جو چاہے دیدے، بائع نے جس ایک کو دیدیا مشتری کو اُس کا لینا لازم ہو جائے گا، ہاں بائع وہ دے رہا ہے جو عیب دار ہے اور مشتری لینے پر راضی ہے تو خیر، ورنہ بائع مجبور نہیں کرسکتا اور اگر مشتری عیب دار کے لینے پر طیار نہ ہوا تو اُن میں سے دوسری چیز لینے پر بھی بائع اب اُس کو مجبور نہیں کرسکتا اور اگر دونوں چیزوں میں سے ایک بائع کے پاس ہلاک ہوگئی تو جو باقی ہے وہ مشتری پر لازم کرسکتا ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ خیار تعیین کے ساتھ بیع ہوئی اور مشتری نے دونوں چیزوں پر قبضہ کیا تو ان میں ایک مشتری کی ہے اور ایک بائع کی جو اس کے پاس بطور امانت ہے یعنی اگر مشتری کے پاس دونوں ہلاک ہوگئیں تو ایک کا جو ثمن طے پایا ہے وہی دینا پڑے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

خیار تعیین میں اجرائے وراثت ہونے کا بیان

وَلَوْ كَانَ فِيهِ خِيَارُ الشَّرْطِ لَهُ أَنْ يَرُدَّهُمَا جَمِيعًا .وَلَوْ مَاتَ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ فَلِوَارِثِهِ أَنْ يَرُدَّ أَحَدَهُمَا ؛ لِأَنَّ الْبَاقِيَ خِيَارُ التَّعْيِينِ لِلِاخْتِلَاطِ، وَلِهَذَا لَا يَتَوَقَّفُ فِي حَقِّ الْوَارِثِ .وَأَمَّا خِيَارُ الشَّرْطِ لَا يُورَثُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ .

ترجمہ

اور اگر اس عقد میں خیار شرط بھی تھا تو مشتری کو دونوں کپڑے واپس کرنے کا حق ہے اور اگر جس کیلئے اختیار ہے مر جائے تو اس کے وارث کو ان میں سے کپڑا واپس کرنے کا اختیار ہے اس لئے کہ مخلوط ہونے کی وجہ سے صرف خیار تعیین باقی ہے اسی وجہ سے وارث کے حق میں کوئی وقت متعین نہیں ہوتا رہا خیار شرط کا مسئلہ تو اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی اور ہم نے اس سے پہلے اسے بیان کردیا ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے خیار تعیین کے ساتھ ایک چیز خریدی تھی اور مشتری مر گیا تو یہ خیار وارث کی طرف منتقل ہوگا یعنی وارث دونوں کو رد کر کے بیع فسخ کرنا چاہے ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ جس ایک کو چاہے پسند کرلے اور قبضہ دونوں پر ہو چکا ہے تو دوسری اس کے پاس امانت ہے۔ بائع کے پاس دونوں چیزیں ہلاک ہوگئیں تو بیع باطل ہوگئی اور ایک باقی ہے ایک ہلاک ہوگئی تو جو باقی ہے وہ بیع کے لیے متعین ہوگئی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

خیار شرط کے ساتھ مکان خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنُ اشُتَرَى دَارًا عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ فَبِيعَتُ دَارٌ أُخُرَى بِجَنُبِهَا فَأَخَذَهَا بِالشُّفُعَةِ فَهُوَ رِضًا) ؛ لِأَنَّ طَلَبَ الشُّفُعَةِ يَدُلُّ عَلَى اخُتِيَارِهِ الْمِلُكَ فِيهَا ؛ لِأَنَّهُ مَا ثَبَتَ إلَّا لِدَفُعِ ضَرَرِ الْجِوَارِ وَذَلِكَ بِالِاسُتِدَامَةِ فَيَتَضَمَّنُ ذَلِكَ سُقُوطَ الْخِيَارِ سَابِقًا عَلَيْهِ فَيَثُبُتُ الْمِلُكُ مِنُ وَقُتِ الشِّرَاءِ فَيَتَبَيَّنُ أَنَّ الْجِوَارَ كَانَ ثَابِتًا، وَهَذَا التَّقُرِيرُ يُحُتَاجُ إلَيْهِ لِمَذُهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ خَاصَّةً .

ترجمہ

جب کسی شخص نے خیار شرط کیساتھ کوئی مکان خریدا پھر اس مکان کے برابر میں دوسرا گھر بیچا ہوا اور اس نے شفعہ میں لے لیا تو یہ رضامندی ہوگی اس لئے کہ شفعہ کا طلب کرنا مکان میں اختیار ملکیت کا غماز ہے کیونکہ شفعہ کا ثبوت ہی نقصان جوار کو دور کرنے کیلئے ہوا ہے اور یہ مقصد دائمی ملکیت سے حاصل ہوگا لہذا طلب شفعہ اپنے سے پہلے سقوط خیار کو متضمن ہوگا اور وقت شراء سے مشتری کی ملکیت ثابت ہوگی اور یہ واضح ہو جائے گا کہ پڑوس ثابت تھا اور یہ بطور خاص امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب کیلئے اس تقریر کی ضرورت ہوگی۔

حق شفعہ کے طلب کو رضامندی پر قیاس کرنے کا بیان

جس طرح شفعہ کے احکام میں سے ہے کہ جیسے ہی اس کو اُس جائداد کے فروخت ہونے کا علم ہو فوراً اُسی وقت یہ ظاہر کردے کہ میں طالب شفعہ ہوں اگر علم ہونے کے بعد اس نے طلب نہ کی تو شفعہ کا حق جاتا رہا اور بہتر یہ ہے کہ اپنے اس طلب کرنے پر لوگوں کو گواہ بھی بنالے تاکہ یہ نہ کہا جاسکے کہ اس نے طلب مواثبت نہیں کی ہے۔

مذکورہ مسئلہ پر اسی طرح اس کو قیاس کیا گیا ہے کہ جب شفیع نے اپنے حق شفعہ کے باوجود خاموشی اختیار کی اور کسی قسم کا دعویٰ یا طلب شفعہ کا کوئی ذریعہ نہ اپنایا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہونے پر رضامند ہو چکا ہے۔

دو مشترکہ آدمیوں کو خیار شرط پر غلام کو خریدنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا اشْتَرَى الرَّجُلَانِ عَبْدًا عَلَى أَنَّهُمَا بِالْخِيَارِ فَرَضِيَ أَحَدُهُمَا فَلَيْسَ لِلْآخَرِ أَنْ يَرُدَّهُ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا: لَهُ أَنْ يَرُدَّهُ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ خِيَارُ الْعَيْبِ وَخِيَارُ الرُّؤْيَةِ، لَهُمَا أَنَّ إِثْبَاتَ الْخِيَارِ لَهُمَا إِثْبَاتُهُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَلَا يَسْقُطُ بِإِسْقَاطِ صَاحِبِهِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِبْطَالِ حَقِّهِ .

وَلَهُ أَنَّ الْمَبِيعَ خَرَجَ عَنْ مِلْكِهِ غَيْرَ مَعِيبٍ بِعَيْبِ الشَّرِكَةِ، فَلَوْ رَدَّهُ أَحَدُهُمَا رَدَّهُ مَعِيبًا بِهِ وَفِيهِ إِلْزَامُ ضَرَرٍ زَائِدٍ، وَلَيْسَ مِنْ ضَرُورَةِ إِثْبَاتِ الْخِيَارِ لَهُمَا الرِّضَا بِرَدِّ أَحَدِهِمَا لِتَصَوُّرِ اجْتِمَاعِهِمَا عَلَى الرَّدِّ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب دو آدمیوں نے مل کر خیار شرط کے ساتھ غلام خریدا پھر ان میں سے ایک عقد پر راضی ہوگیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک دوسرے کو عقد رد کرنے کا اختیار نہ ہوگا صاحبین نے فرمایا کہ اس تو خیار رد ہوگا اور خیار عیب اور خیار رویت بھی اسی اختلاف پر ہے صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کیلئے ایک ساتھ خیار ثابت کرنا ان میں سے ہر ایک کیلئے الگ الگ خیار ثابت کرنے کی طرح ہے لہذا اس کے ساتھی کے خیار ساقط کرنے سے اس کا خیار ساقط نہیں ہوگا کیونکہ اس میں اس دوسرے کے حق کا ابطال ہے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ مبیع بائع کی ملکیت سے شرکت کے عیب سے پاک ہو کر نکلی ہے اب اگر ان میں سے کوئی اسے واپس کرے گا تو وہ اسے عیب شرکت سے معیوب کر کے واپس کرے گا حالانکہ اس میں ایک زائد نقصان کو تھوپنا ہے اور دونوں کیلئے خیار ثابت کرنے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے رد کرنے پر راضی ہو کیونکہ رد پر دونوں کا متفق ہونا بھی ممکن ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب دو شخصوں نے ایک چیز خریدی اور ان دونوں نے اپنے لیے خیار شرط کیا پھر ایک نے صراحۃً یا دلالۃً بیع پر رضامندی ظاہر کی تو دوسرے کا خیار جاتا رہا۔ اسی طرح اگر دو شخصوں نے کسی چیز کو ایک عقد میں بیع کیا اور دونوں نے اپنے لیے خیار رکھا پھر ایک بائع نے بیع کو جائز کر دیا تو دوسرے کا خیار باطل ہوگیا اُسے رد کرنے کا حق نہ رہا۔ (درمختار، کتاب بیوع)

خیار تعیین کے ساتھ بیع ہوئی اور ابھی تک دونوں چیزیں بائع ہی کے قبضہ میں تھیں کہ اُن میں سے ایک میں عیب پیدا ہوگیا اب مشتری کو اختیار ہے کہ عیب والی پورے داموں سے لے یا دوسری لے لے یا کسی کو نہ لے۔ دونوں میں عیب پیدا ہوگیا جب بھی یہی حکم ہے۔ اور اگر مشتری قبضہ کر چکا ہے اور ایک عیب دار ہوگئی تو یہ بیع کے لیے متعین ہے اور دوسری امانت اور دونوں عیب دار ہوگئیں اگر آگے پیچھے عیب پیدا ہوا تو جس میں پہلے عیب پیدا ہوا وہ بیع کے لیے متعین ہے اور ایک ساتھ دونوں میں عیب پیدا ہوا تو بیع کے

لیے ابھی کوئی متعین نہیں جس ایک کو چاہے معین کرے اور دونوں کو رد کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

وصف معین کی شرط پر غلام خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلَى أَنَّهُ خَبَّازٌ أَوْ كَاتِبٌ وَكَانَ بِخِلَافِهِ فَالْمُشْتَرِي بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِجَمِيعِ الثَّمَنِ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ) لِأَنَّ هَذَا وَصْفٌ مَرْغُوبٌ فِيهِ فَيُسْتَحَقُّ فِي الْعَقْدِ بِالشَّرْطِ، ثُمَّ فَوَاتُهُ يُوجِبُ التَّخْيِيرَ ؛ لِأَنَّهُ مَا رَضِيَ بِهِ دُونَهُ، وَهَذَا يَرْجِعُ إلَى اخْتِلَافِ النَّوْعِ لِقِلَّةِ التَّفَاوُتِ فِي الْأَغْرَاضِ، فَلَا يَفْسُدُ الْعَقْدُ بِعَدَمِهِ بِمَنْزِلَةِ وَصْفِ الذُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ فِي الْحَيَوَانَاتِ وَصَارَ كَفَوَاتِ وَصْفِ السَّلَامَةِ، وَإِذَا أَخَذَهُ أَخَذَهُ بِجَمِيعِ الثَّمَنِ ؛ لِأَنَّ الْأَوْصَافَ لَا يُقَابِلُهَا شَيْءٌ مِنْ الثَّمَنِ لِكَوْنِهَا تَابِعَةً فِي الْعَقْدِ عَلَى مَا عُرِفَ.

ترجمہ

فرمایا کہ جس شخص نے کوئی غلام اس شرط پر بیچا کہ وہ روٹی پکانے والا ہے یا لکھنے والا ہے جبکہ وہ اس کے برخلاف تھا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو پورے ثمن کے عوض اسے لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے اس لئے یہ غلام میں ایک مرغوب وصف ہے لہذا شرط کی وجہ سے عقد میں اس کا استحقاق ہوگا پھر اس وصف کا فوت ہونا خیار مشتری کا سبب بنے گا اس لئے کہ مشتری اس وصف کے علاوہ مبیع پر راضی نہیں ہوا ہے اور اغراض میں قلت تفاوت کی بنا پر یہ اختلاف نوع کی طرف راجع ہے لہذا اس کے نہ ہونے سے عقد فاسد نہیں ہوگا جیسا کہ حیوانات میں مذکر مونث ہونا وصف اور یہ وصف سلامت کے فوت ہونے کی طرح ہوگیا اور جب مشتری اس کو لے گا تو پورے ثمن کے عقض لے گا اس لئے کہ اوصاف کے مقابلے میں کچھ ثمن نہیں ہوتا کیونکہ اوصاف عقد میں تابع ہوتے ہیں جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔

شرط وصف کے عدم پر اختیار مشتری کا بیان

غلام کو اس شرط کے ساتھ خریدا کہ باورچی یا منشی ہے مگر معلوم ہوا کہ وہ ایسا نہیں تو مشتری کو اختیار ہے کہ اُسے پورے داموں میں لے لے یا چھوڑ دے۔ بکری خریدی اس شرط کے ساتھ کہ گابھن ہے یا اتنا دودھ دیتی ہے تو بیع فاسد ہے اور اگر یہ شرط ہے کہ زیادہ دودھ دیتی ہے تو بیع فاسد نہیں۔ (درمختار، کتاب بیوع)

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ایک مکان خریدا اس شرط پر کہ پختہ اینٹوں سے بنا ہوا ہے وہ نکلا خام، یا باغ خریدا اس شرط پر کہ اُس کے کل درخت پھل دار ہیں اُن میں ایک درخت پھل دار نہیں ہے یا کپڑا خریدا اس شرط پر کہ کسم کا رنگا ہوا ہے وہ زعفران کا رنگا ہوا نکلا۔

ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہے۔ یا خچر خریدا اس شرط پر کہ مادہ ہے وہ نر تھا تو بیع جائز ہے مگر مشتری کو اختیار ہے کہ ہے یا نہ لے اور اگر نر کہہ کر خریدا اور مادہ نکلا یا گدھا یا اونٹ کہہ کر خریدا اور نکلی گدھی یا اونٹنی تو ان صورتوں میں بیع جائز ہے اور مشتری کو خیار بھی نہیں کہ جنس مختلف نہیں ہے اور جو شرط تھی مبیع اس سے بہتر ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

﴿ یہ باب خیار رؤیت کے بیان میں ہے ﴾

باب خیار رؤیت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ خیار رؤیت کو خیار عیب پر مقدم کیا گیا ہے۔ کیونکہ خیار رؤیت حکم کو مکمل ہونے سے روکنے والا ہے جبکہ خیار عیب حکم کو لازم ہونے سے روکنے والا ہے۔ اور حکم کا لزوم اس کے اتمام کے بعد ہوتا ہے اور یہاں پر اضافت کی نسبت اضافت شئی بہ شرط کی جانب منسوب ہے۔ کیونکہ رؤیت خیار کے ثبوت کیلئے شرط ہے۔ جبکہ عدم رؤیت سبب ہے ثبوت خیار کیلئے جو خیار کے وقت ہوگا۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۴، ص ۳۶۵، بیروت)

خیار رؤیت کا بیان

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چیز کو بغیر دیکھے بھالے خرید لیتے ہیں اور دیکھنے کے بعد وہ چیز ناپسند ہوتی ہے، ایسی حالت میں شرع مطہر نے مشتری کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر دیکھنے کے بعد چیز کو نہ لینا چاہے تو بیع کو فسخ کر دے، اس کو خیار رویت کہتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا" : جس نے ایسی چیز خریدی جس کو دیکھا نہ ہو تو دیکھنے کے بعد اُسے اختیار ہے لے یا چھوڑ دے۔ (سنن الدارقطنی"، کتاب البیوع)

جس مجلس میں بیع ہوئی اُس میں مبیع موجود ہے مگر مشتری نے دیکھی نہیں مثلاً پیپے میں گھی یا تیل تھا یا بوریوں میں غلہ تھا یا گٹھری میں کپڑا تھا اور کھول کر دیکھنے کی نوبت نہیں آئی یا وہاں مبیع موجود نہ ہو اس وجہ سے نہیں دیکھی بہر حال دیکھنے کے بعد خریدار کو خیار حاصل ہے چاہے بیع کو جائز کرے یا فسخ کر دے۔ مبیع کو بائع نے جیسا بتایا تھا ویسی ہی ہے یا اُس کے خلاف دونوں صورتوں میں دیکھنے کے بعد بیع کو فسخ کر سکتا ہے۔

اگر مشتری نے دیکھنے سے پہلے اپنی رضا مندی کا اظہار کیا یا کہہ دیا کہ میں نے اپنا خیار باطل کر دیا جب بھی دیکھنے کے بعد فسخ کرنے کا حق حاصل ہے کہ یہ خیار ہی دیکھنے کے وقت ملتا ہے دیکھنے سے پہلے خیار تھا ہی نہیں لہذا اُس کو باطل کرنے کے کوئی معنے نہیں۔

خیار رویت چار مواقع میں ثابت ہوتا ہے 1 : کسی شے معین کی خریداری۔ 2 اجارہ۔ 3 تقسیم۔ 4 مال کا دعویٰ تھا اور شے معین پر مصالحت ہوگئی۔ بے دیکھی ہوئی چیز خریدی ہے دیکھنے سے پہلے بھی اس کی بیع فسخ کر سکتا ہے کیونکہ یہ بیع مشتری کے ذمہ لازم نہیں۔

بے دیکھی ہوئی چیز کو خریدنے کے بعد اس چیز کو رکھ لینے یا واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے اسے خیار رؤیت

کہتے ہیں مثلاً کسی خریدار نے بغیر دیکھے کوئی چیز خریدی تو یہ بیع جائز ہو جائے گی لیکن خریدار کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اس چیز کو جس وقت دیکھے چاہے تو اسے رکھ لے اور چاہے تو بیچنے والے کو واپس کر دے۔

ان اقسام کے علاوہ اس باب میں خیار کی ایک اور قسم ذکر ہوگی جسے خیار مجلس کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک مجلس میں تاجر و خریدار کے درمیان خرید و فروخت کا کوئی معاملہ طے ہو جانے کے بعد اس مجلس کے ختم ہونے تک تاجر اور خریدار دونوں کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اس معاملہ کو ختم کر سکتا ہے مجلس ختم ہونے کے بعد یہ اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں رہتا لیکن خیار کی اس قسم میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت امام شافعی اور بعض دوسرے علماء اس خیار کے قائل ہیں جبکہ حضرت امام ابوحنیفہ اور دوسرے علماء اس کے قائل نہیں ہیں یہ حضرات کہتے ہیں کہ جب بیع کا ایجاب وقبول ہو گیا یعنی معاملہ تکمیل پا گیا تو اب کسی کو بھی اس معاملے کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہے گا اور یہ کہ معاملہ کے وقت خیار کی شرط طے پا گئی ہو جسے خیار شرط کہتے ہیں اور جس کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے تین دن کے بعد خیار شرط کی صورت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

خیار رؤیت کے جواز کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى شَيْئًا لَمْ يَرَهُ فَالْبَيْعُ جَائِزٌ، وَلَهُ الْخِيَارُ إذَا رَآهُ، إنْ شَاءَ أَخَذَهُ) بِجَمِيعِ الثَّمَنِ (وَإِنْ شَاءَ رَدَّهُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا يَصِحُّ الْعَقْدُ أَصْلًا ؛ لِأَنَّ الْمَبِيعَ مَجْهُولٌ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ اشْتَرَى شَيْئًا لَمْ يَرَهُ فَلَهُ الْخِيَارُ إذَا رَآهُ) ؛ وَلِأَنَّ الْجَهَالَةَ بِعَدَمِ الرُّؤْيَةِ لَا تُفْضِي إلَى الْمُنَازَعَةِ، لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يُوَافِقْهُ يَرُدُّهُ، فَصَارَ كَجَهَالَةِ الْوَصْفِ فِي الْمُعَايَنِ الْمُشَارِ إلَيْهِ .

ترجمہ

اور جب کسی نے بغیر دیکھے کوئی چیز خرید لی تو بیع جائز ہے اور دیکھنے کے بعد اسے خیار ملے گا اگر چاہے تو اسے پورے ثمن کے عوض میں لے لے اور اگر چاہے تو واپس کر دے امام شافعی نے فرمایا کہ عقد بالکل صحیح نہیں ہوگا اس لئے کہ مبیع مجہول ہے اور ہماری دلیل آپ ﷺ کا وہ فرمان ہے کہ جس نے دیکھے بغیر کوئی چیز خرید لی تو دیکھنے کے بعد اسے خیار حاصل ہوگا اور اس لئے بھی کہ نہ دیکھنے کی جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی نہیں ہے کیونکہ اگر مشتری کو مبیع پسند نہ ہوگی تو وہ اسے واپس کر دے گا تو یہ معین مشار الیہ میں جہالت وصف کی طرح ہوگئی۔

بغیر دیکھے بائع کی بیع پر عدم اختیار کا بیان

قَالَ : (وَمَنْ بَاعَ مَا لَمْ يَرَهُ فَلَا خِيَارَ لَهُ) وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَقُولُ : أَوَّلًا لَهُ الْخِيَارُ اعْتِبَارًا بِخِيَارِ الْعَيْبِ وَخِيَارِ الشَّرْطِ وَهَذَا ؛ لِأَنَّ لُزُومَ الْعَقْدِ بِتَمَامِ الرِّضَا زَوَالًا وَثُبُوتًا وَلَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ إلَّا بِالْعِلْمِ بِأَوْصَافِ الْمَبِيعِ، وَذَلِكَ بِالرُّؤْيَةِ فَلَمْ يَكُنْ الْبَائِعُ رَاضِيًا بِالزَّوَالِ .وَوَجْهُ الْقَوْلِ الْمَرْجُوعِ إلَيْهِ أَنَّهُ مُعَلَّقٌ بِالشِّرَاءِ لِمَا رَوَيْنَا فَلَا يَثْبُتُ دُونَهُ .

وَرُوِيَ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ بَاعَ أَرْضًا لَهُ بِالْبَصْرَةِ مِنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ فَقِيلَ لِطَلْحَةَ : إنَّك قَدْ غُبِنْت، فَقَالَ: لِي الْخِيَارُ ؛ لِأَنِّي اشْتَرَيْت مَا لَمْ أَرَهُ .وَقِيلَ لِعُثْمَانَ : إنَّك قَدْ غُبِنْت، فَقَالَ : لِي الْخِيَارُ ؛ لِأَنِّي بِعْت مَا لَمْ أَرَهُ .فَحَكَّمَا بَيْنَهُمَا جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ .فَقَضَى بِالْخِيَارِ لِطَلْحَةَ، وَكَانَ ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنْ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی نے بغیر دیکھے کوئی چیز بیچ دی تو اسے خیار نہیں ملے گا امام اعظم رضی اللہ عنہ پہلے خیار عیب اور خیار شرط پر قیاس کرتے ہوئے بائع کے خیار کیلئے قائل تھے اور اس لئے تھے کہ عقد کا لازم ہوتا ہے زوال عن ملک البائع اور ثبوت لملک المشتری دونوں اعتبار سے تمامیت رضا پر موقوف ہے اور تمامیت رضا اوصاف بیع کو جاننے سے پہلے ثابت نہیں ہوگی اور بیع کے اوصاف کا علم اسے دیکھنے سے ہی ہوگا لہذا بائع زوال مبیع پر راضی نہیں ہوگا اور مرجوع الیہ قول کی دلیل یہ ہے کہ سابق میں ہماری بیان کردہ حدیث کی وجہ سے خیار رؤیت شراء پر معلق ہے لہذا بغیر شراء کے اس کا ثبوت نہیں ہوگا اور منقول ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے اپنی بصرہ کی زمین بیچی تو حضرت طلحہؓ سے کہا گیا کہ تمہیں خسارہ ہوگیا اس پر طلحہؓ نے فرمایا کہ میں نے بن دیکھی چیز خریدی ہے اس لئے مجھے اختیار ہے پھر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا گیا کہ آپ کا نقصان ہوگیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اختیار ہے کیونکہ میں نے بغیر دیکھے بیچ دیا ہے تو ان حضرات نے حضرت جبیر بن مطعم کو اپنے درمیان فیصل بنایا چنانچہ انہوں نے حضرت طلحہ کیلئے خیار کا فیصلہ کیا اور یہ واقعہ حضرات صحابہ کی موجودگی میں پیش آیا تھا۔

شرح

اگر کوئی شخص ایسی غیر منقولہ شی کو جس کا ناپنا تولنا ممکن نہ ہو باقاعدہ قبضہ میں لینے سے پہلے ہی کسی دوسرے شخص کو فروخت کردے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کو جائز قرار دیتے تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا، فقہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ)

ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ناپ کر یا تول کر بیچی جانے والی کھانے کی چیز کو قبضہ سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا۔

(ابوداؤد، باب فی بیع الطعام قبل ان یستوفی :. نسائی، باب النھی فی بیع ماالشتری من الطعام بکیل حتی یستوفی)

ممکن ہے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے کیل اور وزن کی قید کو علت نہی قرار دیا اور غیر منقولہ اشیاء کو علت نہ پائے جانے کی بنیاد پر قبضہ سے پہلے بیچنے کو جائز قرار دیا ہو۔ استخراج مسائل کی ایک قسم، تقلید مجتہد استخراج واستنباط مسائل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مجتہد کسی دوسرے مجتہد کے قول پر فتویٰ دے جیسا کہ علامہ ابن قیم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، ہم کسی ایسے امام کو نہیں پاتے ہیں جس نے بعض احکام میں اپنے سے زیادہ علم والے کی تقلید نہ کی ہو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی کوفہ والی زمین کے بدلہ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے ان کی مدینہ منورہ کی زمین یہ کہہ کر خرید فرمائی کہ میں وہ زمین بغیر دیکھے تم کو بیچ رہا ہوں، حضرت طلحہؓ نے فرمایا: میرے لیے مہلت ہوگی کیونکہ میں بغیر دیکھی ہوئی چیز خرید رہا ہوں اور آپ دیکھی ہوئی خرید رہے ہیں، ان دونوں نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا تو حضرت جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ کے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے بیع کو جائز قرار دیا اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بغیر دیکھی ہوئی چیز خریدنے کی بناء پر مہلت دی۔

(اعلام موقعینؒ)

ممکن ہے کہ اس مسئلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے قول کو قبول کیا ہو جو ایسے ہی ایک مسئلہ میں انہوں نے فرمایا تھا۔ (اعلاء السنن)

خیار رؤیت کے موقت نہ ہونے کا بیان

ثُمَّ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ غَيْرُ مُؤَقَّتٍ بَلْ يَبْقَى إلَى أَنْ يُوجَدَ مَا يُبْطِلُهُ، وَمَا يُبْطِلُ خِيَارَ الشَّرْطِ مِنْ تَعَيُّبٍ أَوْ تَصَرُّفٍ يُبْطِلُ خِيَارَ الرُّؤْيَةِ، ثُمَّ إنْ كَانَ تَصَرُّفًا لَا يُمْكِنُ رَفْعُهُ كَالْإِعْتَاقِ وَالتَّدْبِيرِ أَوْ تَصَرُّفًا يُوجِبُ حَقًّا لِلْغَيْرِ كَالْبَيْعِ الْمُطْلَقِ وَالرَّهْنِ وَالْإِجَارَةِ يُبْطِلُهُ قَبْلَ الرُّؤْيَةِ وَبَعْدَهَا ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا لَزِمَ تَعَذَّرُ الْفَسْخِ فَبَطَلَ الْخِيَارُ وَإِنْ كَانَ تَصَرُّفًا لَا يُوجِبُ حَقًّا لِلْغَيْرِ كَالْبَيْعِ بِشَرْطِ الْخِيَارِ، وَالْمُسَاوَمَةُ وَالْهِبَةُ مِنْ غَيْرِ تَسْلِيمٍ لَا يُبْطِلُهُ قَبْلَ الرُّؤْيَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَرْبُو عَلَى صَرِيحِ الرِّضَا وَيُبْطِلُهُ بَعْدَ الرُّؤْيَةِ لِوُجُودِ دَلَالَةِ الرِّضَا .

ترجمہ

پھر خیار رؤیت متوقت نہیں ہے بلکہ وجود جس تک وہ باقی رہے گا اور خیار شرط کو باطل کرنے والا عیب یا تصرف خیار رؤیت کو بھی باطل کر دیتا ہے پھر اگر کوئی نا قابل ارتفاع کوئی تصرف ہو جیسے آزاد کرنا مدبر بنانا یا کسی غیر کا حق ثابت کرنے والا تصرف ہو جیسے بیع مطلق رہن اور اجارہ تو ایسا تصرف رؤیت سے پہلے بھی خیار رؤیت کو باطل کر دے گا اور رؤیت کے بعد بھی اس لئے کہ جب

یہ تصرف لازم ہوگیا تو فسخ کرنا دشوار ہوگیا لہذا خیار باطل ہوجائے گا اور اگر کوئی ایسا تصرف ہو جو دوسرے کیلئے حق ثابت نہ کرتا ہو جیسے خیار شرط کیساتھ بیچنا بھاؤ شاؤ کرنا اور سپرد کیے بغیر ہبہ کرنا تو یہ تصرف رؤیت سے پہلے خیار کو باطل نہیں کرے گا اس لئے کہ یہ صریح رضا سے آگے نہیں بڑھ سکتا البتہ رؤیت کے بعد خیار کو باطل کردے گا اس لئے کہ دلالۃ رضامندی موجود ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا اور دیکھنے کے بعد صراحۃً یا دلالۃً اپنی رضا مندی ظاہر کی یا اُس میں کوئی عیب پیدا ہوگیا یا ایسا تصرف کردیا جو قابل فسخ نہیں ہے مثلاً آزاد کردیا یا اُس میں دوسرے کا حق پیدا ہوگیا مثلاً دوسرے کے ہاتھ بلا شرط خیار بیع کردیا یا رہن رکھدیا یا اجارہ پر دیدیا ان سب صورتوں میں خیار رویت جاتا رہا اب بیع کو فسخ نہیں کرسکتا اور اگر اُس کو بیع کیا مگر اپنے لیے خیار شرط کرلیا یا بیچنے کے لیے اُس کا نرخ کیا یا ہبہ کیا مگر قبضہ نہیں دیا اور یہ باتیں دیکھنے کے بعد ہوئیں تو دلالۃ رضامندی پائی گئی اب بیع کو فسخ نہیں کرسکتا اور دیکھنے سے پہلے ہوئیں تو خیار باقی ہے دیکھنے کے بعد مبیع پر قبضہ کرلینا بھی دلیل رضامندی ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

مبیع کو دیکھنے کی میں حد بندی کا بیان

(قَالَ :وَمَنْ نَظَرَ إلَى وَجْهِ الصُّبْرَةِ، أَوْ إلَى ظَاهِرِ الثَّوْبِ مَطْوِيًّا أَوْ إلَى وَجْهِ الْجَارِيَةِ أَوْ إلَى وَجْهِ الدَّابَّةِ وَكَفَلِهَا فَلَا خِيَارَ لَهُ) وَالْأَصْلُ فِي هَذَا أَنَّ رُؤْيَةَ جَمِيعِ الْمَبِيعِ غَيْرُ مَشْرُوطٍ لِتَعَذُّرِهِ فَيَكْتَفِي بِرُؤْيَةِ مَا يَدُلُّ عَلَى الْعِلْمِ بِالْمَقْصُودِ .

وَلَوْ دَخَلَ فِي الْبَيْعِ أَشْيَاءُ، فَإِنْ كَانَ لَا تَتَفَاوَتُ آحَادُهَا كَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ، وَعَلَامَتُهُ أَنْ يَعْرِضَ بِالنَّمُوذَجِ يَكْتَفِي بِرُؤْيَةِ وَاحِدٍ مِنْهَا إلَّا إذَا كَانَ الْبَاقِي أَرْدَأَ مِمَّا رَأَى فَحِينَئِذٍ يَكُونُ لَهُ الْخِيَارُ .

وَإِنْ كَانَ تَتَفَاوَتُ آحَادُهَا كَالثِّيَابِ وَالدَّوَابِّ لَا بُدَّ مِنْ رُؤْيَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا، وَالْجَوْزُ وَالْبَيْضُ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ فِيمَا ذَكَرَهُ الْكَرْخِيُّ، وَكَانَ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مِثْلَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ لِكَوْنِهَا مُتَقَارِبَةً .

إذَا ثَبَتَ هَذَا فَنَقُولُ :النَّظَرُ إلَى وَجْهِ الصُّبْرَةِ كَافٍ ؛ لِأَنَّهُ يَعْرِفُ وَصْفَ الْبَقِيَّةِ ؛ لِأَنَّهُ مَكِيلٌ يُعْرَضُ بِالنَّمُوذَجِ، وَكَذَا النَّظَرُ إلَى ظَاهِرِ الثَّوْبِ مِمَّا يَعْلَمُ بِهِ الْبَقِيَّةَ إلَّا إذَا كَانَ فِي طَيِّهِ مَا يَكُونُ مَقْصُودًا كَمَوْضِعِ الْعَلَمِ، وَالْوَجْهُ هُوَ الْمَقْصُودُ فِي الْآدَمِيِّ، وَهُوَ

وَالْكَفَلُ فِي الدَّوَابِّ فَيُعْتَبَرُ رُؤْيَةُ الْمَقْصُودِ وَلَا يُعْتَبَرُ رُؤْيَةُ غَيْرِهِ .وَشَرَطَ بَعْضُهُمْ رُؤْيَةَ الْقَوَائِمِ .وَالْأَوَّلُ هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ .وَفِي شَاةِ اللَّحْمِ لَا بُدَّ مِنَ الْجَسِّ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ اللَّحْمُ يُعْرَفُ بِهِ .وَفِي شَاةِ الْقِنْيَةِ لَا بُدَّ مِنْ رُؤْيَةِ الضَّرْعِ .وَفِيمَا يُطْعَمُ لَا بُدَّ مِنَ الذَّوْقِ لِأَنَّ ذَلِكَ هُوَ الْمُعَرِّفُ لِلْمَقْصُودِ .

ترجمہ

فرمایا کہ جس نے ڈھیر کے اوپری حصے یا تہ شدہ تھان کے اوپری حصے کو دیکھ لیا یا باندی کے چہرے کو دیکھ لیا یا سواری کا چہرا اور اس کی سرین دیکھ لی تو اس کو خیار رؤیت نہیں ملے گا اس میں اصل یہ ہے کہ تمام مبیع کو دیکھنا شرط نہیں ہے کیونکہ وہ تو ناممکن ہے لہذا اتنی رؤیت پر اکتفاء کیا جائے گا جس سے مقصود کا پتہ چل جائے اور جب مبیع میں کئی چیزیں شامل ہوں تو اگر ان کے افراد متفاوت نہ ہوں جیسے مکیلی اور موزونی چیزیں تو ان میں سے ایک کا دیکھنا کافی ہو جائے گا مگر جب کہ باقی دیکھی ہو چیز سے گھٹیا ہوں تو اس وقت مشتری کو خیار رؤیت حاصل ہوگا۔

اور جب اشیاء کے افراد مختلف ہوں جیسے چوپائے اور کپڑے تو ان میں سے ہر ایک کا دیکھنا ضروری ہوگا اور امام کرخی کے بیان کے مطابق اخروٹ اور انڈے بھی اسی قبیل سے ہیں لیکن مناسب یہ ہے کہ انڈے وغیرہ گندم اور جو کے مثل ہوں اس لئے کہ ان کے افراد متقارب ہیں۔

جب یہ ضابطہ ثابت ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ غلے کے اوپری حصے کو دیکھنا کافی ہے کیونکہ وہ بقیہ مبیع کے وصف کو بتا رہا ہے اس لئے کہ غلہ مکیلی ہے اور بطور نمونہ پیش کیا جا رہا ہے اسی طرح کپڑے کے ظاہری حصے کو دیکھنا ایسا ہے جس سے باقی کا علم ہو جائے مگر جب کہ کپڑے کے تھان میں کوئی ایسی چیز ہو جو مقصود ہو جیسے نقش ونگار کی جگہ اور آدمی کا چہرا ہی مقصود ہوتا ہے اسی طرح جانور میں چہرہ اور اسکی سرین مقصود ہوتی ہے لہذا مقصود کا دیکھنا معتبر ہوگا اور غیر مقصود کے دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بعض لوگوں نے جانور کے ہاتھ پیر دیکھنے کی شرط لگائی ہے اور پہلا قول امام ابو یوسف سے منقول ہے اور گوشت والی بکری کا ٹٹولنا ضروری ہے اس لئے کہ مقصود کا پتہ چلے گا اور پالتو بکری میں تھن کا دیکھنا ضروری ہے اور ماکولات میں چکھنا ضروری ہے کیونکہ چکھنے سے ہی مقصود کا علم ہوگا۔

شرح

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مبیع کو دیکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پوری پوری دیکھ لی جائے اُس کا کوئی جز دیکھنے سے رہ نہ جائے بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ حصہ دیکھ لیا جائے جس کا مقصود کے لیے دیکھنا ضروری تھا مثلاً مبیع بہت سی چیزیں ہے اور اُن کے افراد میں تفاوت نہ ہو سب ایک سی ہوں جیسی کیلی اور وزنی چیزیں یعنی جس کا نمونہ پیش کیا جاتا ہو یہاں بعض کا دیکھنا کافی ہے مثلاً غلہ کی ڈھیری ہے اُس کا ظاہری حصہ دیکھ لیا کافی ہے ہاں اگر اندرونی حصہ ویسا نہ ہو بلکہ عیب دار ہو تو خیار رویت اور خیار عیب دونوں

مشتری کو حاصل ہیں اور اگر عیب دار نہ ہو کم درجہ کا ہو جب بھی خیار رویت حاصل ہے اگر چہ خیار عیب نہیں۔ اسی طرح چند بوریوں میں غلہ بھرا ہوا ہے۔ایک میں سے دیکھ لینا کافی ہے جبکہ باقیوں میں اس سے کم درجہ کا نہ ہو۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

لونڈی غلام میں چہرہ کا دیکھنا کافی ہے اور اگر باقی اعضا دیکھے چہرہ نہیں دیکھا تو کافی نہیں۔ان میں ہاتھ زبان دانت بالوں کا دیکھنا شرط نہیں۔ سواری کے جانور میں چہرہ اور پٹھے دیکھنا کافی ہے صرف چہرہ دیکھنا کافی نہیں پاؤں اور سُم اور دُم اور ایال دیکھنا ضرور نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

پالنے کے لیے بکری خریدتا ہے اُس کا تمام بدن اور تھن کا دیکھنا ضروری ہے۔اسی طرح گائے بھینس دودھ کے لیے خریدتا ہے تو تھن کا دیکھنا ضروری ہے اور گوشت کے لیے بکری خریدتا ہے تو اُسے ٹٹولنا ضروری ہے دور سے دیکھ لی ہے جب بھی خیار رویت حاصل ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

گھر کا صحن دیکھنے میں رویت ہو جانے کا بیان

(قَالَ وَإِنْ رَأَى صَحْنَ الدَّارِ فَلا خِيَارَ لَهُ وَإِنْ لَمْ يُشَاهِدْ بُيُوتَهَا) وَكَذَلِكَ إِذَا رَأَى خَارِجَ الدَّارِ أَوْ رَأَى أَشْجَارَ الْبُسْتَانِ مِنْ خَارِجٍ .

وَعِنْدَ زُفَرَ لا بُدَّ مِنْ دُخُولِ دَاخِلِ الْبُيُوتِ، وَالْأَصَحُّ أَنَّ جَوَابَ الْكِتَابِ عَلَى وِفَاقِ عَادَتِهِمْ فِي الْأَبْنِيَةِ، فَإِنَّ دُورَهُمْ لَمْ تَكُنْ مُتَفَاوِتَةً يَوْمَئِذٍ، فَأَمَّا الْيَوْمُ فَلا بُدَّ مِنْ الدُّخُولِ فِي دَاخِلِ الدَّارِ لِلتَّفَاوُتِ، وَالنَّظَرُ إلَى الظَّاهِرِ لا يُوقِعُ الْعِلْمَ بِالدَّاخِلِ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب مشتری نے گھر کا صحن دیکھ لیا تو اسے خیار رویت نہیں حاصل ہوگا چاہے اس نے گھر کے کمروں کو نہ دیکھا ہو اور ایسے جب گھر کے باہری حصہ کو دیکھ لیا یا باہر سے باغ کے درختوں کو دیکھ لیا امام زفر کے نزدیک کمروں کے اندر داخل ہونا ضروری ہے صحیح بات یہ ہے کہ قدوری کا فیصلہ عمارتوں کے سلسلہ میں اہل کوفہ کی عادت کے موافق ہے کیونکہ اس زمانے میں ان کے مکانات میں تفاوت نہیں تھا لیکن آج کل تفاوت کی بنا پر گھر کے اندر داخل ہونا ضروری ہے اور اوپر سے دیکھنے سے اندر کا علم نہیں ہو سکتا۔

شرح

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مکان میں اندر باہر نیچے اوپر پاخانہ باورچی خانہ سب کا دیکھنا ضروری ہے کیونکہ ان کے مختلف ہونے میں قیمت مختلف ہو جایا کرتی ہے باغ میں بھی باہر سے دیکھ لینا کافی نہیں اندرونی حصہ بھی دیکھنا ضروری ہے اور مختلف قسم کے درخت ہوں تو ہر ایک قسم کے درخت دیکھنا اور پھلوں کا شیریں و ترش معلوم کر لینا بھی ضروری ہے۔

(ردمحتار، کتاب بیوع)

رؤیت وکیل کا رؤیت مشتری کی طرح ہونے کا بیان

قَالَ (وَنَظَرُ الْوَكِيلِ كَنَظَرِ الْمُشْتَرِي حَتَّى لَا يَرُدَّهُ إِلَّا مِنْ عَيْبٍ، وَلَا يَكُونُ نَظَرُ الرَّسُولِ كَنَظَرِ الْمُشْتَرِي، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا :هُمَا سَوَاءٌ، وَلَهُ أَنْ يَرُدَّهُ) قَالَ مَعْنَاهُ الْوَكِيلُ بِالْقَبْضِ، فَأَمَّا الْوَكِيلُ بِالشِّرَاءِ فَرُؤْيَتُهُ تُسْقِطُ الْخِيَارَ بِالْإِجْمَاعِ، لَهُمَا أَنَّهُ تَوَكَّلَ بِالْقَبْضِ دُونَ إِسْقَاطِ الْخِيَارِ فَلَا يَمْلِكُ مَا لَمْ يَتَوَكَّلْ بِهِ وَصَارَ كَخِيَارِ الْعَيْبِ وَالشَّرْطِ وَالْإِسْقَاطِ قَصْدًا .وَلَهُ أَنَّ الْقَبْضَ نَوْعَانِ :تَامٌّ وَهُوَ أَنْ يَقْبِضَهُ وَهُوَ يَرَاهُ .وَنَاقِصٌ، وَهُوَ أَنْ يَقْبِضَهُ مَسْتُورًا وَهَذَا ؛لِأَنَّ تَمَامَهُ بِتَمَامِ الصَّفْقَةِ وَلَا تَتِمُّ مَعَ بَقَاءِ خِيَارِ الرُّؤْيَةِ وَالْمُوَكِّلُ مَلَكَهُ بِنَوْعَيْهِ، فَكَذَا الْوَكِيلُ .وَمَتَى قَبَضَ الْمُوَكِّلُ وَهُوَ يَرَاهُ سَقَطَ الْخِيَارُ فَكَذَا الْوَكِيلُ لِإِطْلَاقِ التَّوْكِيلِ .

وَإِذَا قَبَضَهُ مَسْتُورًا انْتَهَى التَّوْكِيلُ بِالنَّاقِصِ مِنْهُ فَلَا يَمْلِكُ إِسْقَاطَهُ قَصْدًا بَعْدَ ذَلِكَ، بِخِلَافِ خِيَارِ الْعَيْبِ ؛لِأَنَّهُ لَا يَمْنَعُ تَمَامَ الصَّفْقَةِ فَيَتِمُّ الْقَبْضُ مَعَ بَقَائِهِ، وَخِيَارُ الشَّرْطِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ .

وَلَوْ سُلِّمَ فَالْمُوَكِّلُ لَا يَمْلِكُ التَّامَّ مِنْهُ فَإِنَّهُ لَا يَسْقُطُ بِقَبْضِهِ ؛لِأَنَّ الِاخْتِيَارَ وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِالْخِيَارِ يَكُونُ بَعْدَهُ، فَكَذَا لَا يَمْلِكُهُ وَكِيلُهُ، وَبِخِلَافِ الرَّسُولِ ؛لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ شَيْئًا وَإِنَّمَا إِلَيْهِ تَبْلِيغُ الرِّسَالَةِ وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ الْقَبْضَ، وَالتَّسْلِيمَ إِذَا كَانَ رَسُولًا فِي الْبَيْعِ .

ترجمہ

فرمایا کہ وکیل کا دیکھنا مشتری کے دیکھنے کی طرح ہے یہاں تک کہ مشتری عیب کے علاوہ کسی اور سبب سے مبیع کو واپس نہیں کرسکتا البتہ قاصد کا دیکھنا مشتری کے دیکھنے کی طرح نہیں ہے اور یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے صاحبین نے فرمایا کہ وکیل اور قاصد دونوں برابر ہیں اور مشتری کو واپس کرنے کا اختیار ہے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ وکیل بالقبض ہے رہا وکیل بالشراء تو اس کے دیکھنے سے خیار رؤیت ساقط ہوجائے گا صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ وکیل نے قبضہ کرنے کی وکالت قبول کی ہے نہ کہ خیار ساقط کرنے کی لہذا جس چیز کی اس نے وکالت قبول نہیں کی ہے وہ اس کا

مالک بھی نہیں ہوگا اور یہ خیار عیب خیار شرط اور قصداً اسقاط خیار کی طرح ہوگیا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ قبضے کی دو قسمیں ہیں (۱) قبضہ ءتام اور وہ یہ ہے کہ مبیع کو دیکھتا ہوا اس پر قبضہ کرے (۲) قبضہ ءناقص اور وہ یہ ہے کہ مبیع کے پوشیدہ ہوکی حالت میں اس پر قبضہ کرے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ قبضہ کا تام ہونا تمام صفقہ سے ہوتا ہے اور خیار رؤیت کے ہوتے ہوئے صفقہ تام نہیں ہوتا اور مؤکل قبضے کی دونوں قسموں کا مالک ہوتا ہے لہذا وکیل بھی دونوں قسموں کا مالک ہوگا اور جب مؤکل نے مبیع کو دیکھتے ہوئے مبیع پر قبضہ کیا تو خیار ساقط ہوجائے گا تو ایسا ہی وکیل کے ساتھ ہوگا کیونکہ توکیل مطلق ہے اور جب وکیل نے پوشیدہ مبیع پر قبضہ کیا تو قبضہ ءناقصہ کی وجہ سے توکیل پوری ہوگئی لہذا اس کے بعد وکیل قصداً خیار رؤیت ساقط کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ برخلاف خیار عیب کے اس لئے کہ خیار عیب صفقہ تام ہونے سے مانع نہیں ہے لہذا خیار عیب کے ہوتے ہوئے بھی قبضہ تام ہوجائے گا اور خیار شرط اسی اختلاف پر ہے اور اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی مؤکل قبضہ ءتام کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ مؤکل کے قبضہ کرنے سے خیار ساقط نہیں ہوتا اس لئے کہ خیار کا مقصود قبضہ کے بعد ہوگا لہذا اسی طرح مؤکل کا وکیل بھی قبضہ ءتام کا مالک نہیں ہوگا اور برخلاف قاصد کے کیونکہ وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا اس کا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے یہی وجہ ہے کہ رسول فی البیع ہونے کی صورت میں قاصد قبضہ کرنے اور سپرد کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔

شرح

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مشتری نے کسی کو قبضہ کے لیے وکیل کیا تو وکیل کا دیکھنا کافی ہے وکیل نے دیکھ کر پسند کرلیا تو نہ وکیل کو فسخ کا اختیار رہا نہ مؤکل کو، یہ اُس وقت ہے کہ قبضہ کرتے وقت وکیل نے مبیع کو دیکھا اور اگر قبضہ کرتے وقت وہ چیز چھپی ہوئی تھی بعد میں اُسے کھول کر دیکھا تا کہ مشتری کا خیار باطل ہوجائے تو یہ دیکھنا اور پسند کرنا مشتری کے خیار کو باطل نہیں کریگا کہ قبضہ کرنے سے اُس کی وکالت ختم ہوگئی دیکھنے کا حق باقی نہ رہا۔ اور اگر خریدنے کے لیے وکیل کیا ہے تو وکیل کا دیکھنا کافی ہے کہ وکیل نے دیکھ کر پسند کرلیا یا خریدنے سے پہلے وکیل نے دیکھ لیا تو اب نہ وکیل فسخ کرسکتا ہے نہ مؤکل یہ اُس صورت میں ہے کہ غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل ہو۔ اور اگر مؤکل نے خریدنے کے لیے چیز کو معین کردیا ہو کہ فلاں چیز مثلاً فلاں غلام یا فلاں گائے یا بکری تو وکیل کو خیار رویت حاصل نہیں۔ ایک شخص نے ایک چیز خریدی مگر دیکھی نہیں دوسرے شخص کو اُس کے دیکھنے کا وکیل کیا کہ دیکھ کر پسند کرے یا ناپسند کرے وکیل نے دیکھ کر پسند کرلی بیع لازم ہوگئی اور ناپسند کی تو فسخ کرسکتا ہے۔

(ردمحتار، کتاب بیوع)

نابینا کی خرید وفروخت کے جواز کا بیان

قَالَ (وَبَيْعُ الْأَعْمَى وَشِرَاؤُهُ جَائِزٌ وَلَهُ الْخِيَارُ إِذَا اشْتَرَى) لِأَنَّهُ اشْتَرَى مَا لَمْ يَرَهُ وَقَدْ قَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ (ثُمَّ يَسْقُطُ خِيَارُهُ بِجَسِّهِ الْمَبِيعَ إِذَا كَانَ يُعْرَفُ بِالْجَسِّ، وَبِشَمِّهِ إِذَا

كَانَ يُعْرَفُ بِالشَّمِّ، وَيَذُوقُهُ إِذَا كَانَ يُعْرَفُ بِالذَّوْقِ) كَمَا فِي الْبَصِيرِ (وَلَا يَسْقُطُ خِيَارُهُ فِي الْعَقَارِ حَتَّى يُوصَفَ لَهُ) لِأَنَّ الْوَصْفَ يُقَامُ مَقَامَ الرُّؤْيَةِ كَمَا فِي السَّلَمِ.

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ إِذَا وَقَفَ فِي مَكَانٍ لَوْ كَانَ بَصِيرًا لَرَآهُ وَقَالَ: قَدْ رَضِيتُ سَقَطَ خِيَارُهُ، لِأَنَّ التَّشَبُّهَ يُقَامُ مَقَامَ الْحَقِيقَةِ فِي مَوْضِعِ الْعَجْزِ كَتَحْرِيكِ الشَّفَتَيْنِ يُقَامُ مَقَامَ الْقِرَاءَةِ فِي حَقِّ الْأَخْرَسِ فِي الصَّلَاةِ، وَإِجْرَاءُ الْمُوسَى مَقَامَ الْحَلْقِ فِي حَقِّ مَنْ لَا شَعْرَ لَهُ فِي الْحَجِّ.

وَقَالَ الْحَسَنُ: يُوَكِّلُ وَكِيلًا بِقَبْضِهِ وَهُوَ يَرَاهُ وَهَذَا أَشْبَهُ بِقَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ رُؤْيَةَ الْوَكِيلِ كَرُؤْيَةِ الْمُوَكِّلِ عَلَى مَا مَرَّ آنِفًا.

ترجمہ

فرمایا کہ اندھے کی خرید وفروخت جائز ہے اور خریدنے کے بعد اسے خیار حاصل ہوگا کیونکہ اس نے ایسی چیز خریدی ہے جسے دیکھا نہیں اور ہم اس سے پہلے اسے ثابت کر چکے ہیں پھر مبیع کو ٹٹولنے سے اسکا خیار باطل ہو جائے گا جب مبیع ٹٹولنے سے معلوم ہو سکتی ہے اور مبیع کو سونگھنے سے اسکا خیار ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ مبیع کو سونگھنے سے اسکی شناخت ہو جائے اور مبیع کو چکھنے سے جب اس سے مبیع کی معرفت ممکن ہو جیسا کہ بینا کے حق میں ہوتا ہے اور زمین میں اسکا خیار ساقط نہیں ہوگا جب تک اس کا وصف بیان نہ کر دیا جائے اس لئے کہ وصف رؤیت کے قائم مقام ہوتا ہے جیسا کہ بیع سلم میں ہوتا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ جب نابینا کسی ایسی جگہ کھڑا ہو کہ اگر وہ بینا ہوتا تو مبیع کو دیکھ لیتا اور یوں کہے قد رضیت تو اسکا خیار ساقط ہو جائے گا اس لئے موضع عجز میں تشبیہ حقیقت کے قائم مقام ہوتی ہے جیسے نماز کے متعلق گونگے آدمی کے حق میں ہونٹوں کا ہلانا قرائت کے قائم مقام ہے اور حج میں گنجے آدمی کے حق میں استرے کا پھیرنا حلق کے قائم مقام ہے۔

حضرت حسن بن زیاد فرماتے ہیں کہ نابینا ایک وکیل مقرر کرے جو مبیع کو دیکھ کر اس پر قبضہ کر لیا اور یہ قول امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کے زیادہ مشابہ ہے اس لئے کہ وکیل کی رؤیت متوکل کی رؤیت کے مثل ہے۔

نابینا کی بیع کے جواز میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد علیہ الرحمہ کے نزدیک نابینا کی بیع جائز ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا اور کہا کہ جائز نہیں ہے۔ امام شافعی کی صرف سلم میں جائز سمجھتے ہیں اور ان کی دلیل بیع میں وسعت اور ایسے اوصاف جن کا نابینا ادراک نہیں کر سکتا جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جب وہ چکھنے اور ٹٹول کر کے خیار فسخ

رکھی ہے تو بیع اس کیلئے کیونکر ثابت نہ ہوگی۔ (فتح القدیر، بتصرف، کتاب بیوع، ج ۱۴، ص ۳۹۲ بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اندھے کی خرید وفروخت دونوں جائز ہیں اگر کسی چیز کو بیچے گا تو خیار حاصل نہ ہوگا اور خریدے گا تو خیار حاصل ہوگا اور بیع کو اُلٹ پلٹ کر ٹٹولنا دیکھنے کے حکم میں ہے کہ ٹٹول لیا اور پسند کر لیا تو خیار ساقط ہوگیا اور کھانے کی چیز کو چکھنا اور سونگھنے کی چیز کا سونگھنا کافی ہے اور جو چیز نہ ٹٹولنے سے معلوم ہو نہ چکھنے سونگھنے سے جیسے زمین، مکان، درخت، لونڈی غلام وہاں اُس چیز کے اوصاف بیان کرنے ہوں گے جو اوصاف بیان کر دیے گئے مبیع اُن کے مطابق ہے تو فسخ نہیں کر سکتا ورنہ فسخ کر سکتا ہے۔ اندھا مشتری یہ بھی کر سکتا ہے کہ کسی کو قبضہ یا خریدنے کے لیے وکیل کر دے وکیل کا دیکھ لینا اُس کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اندھا کسی چیز کو اپنے لیے خریدے یا دوسرے کے لیے مثلاً کسی نے اندھے کو وکیل کر دیا دونوں صورتوں میں خیار حاصل ہوگا۔ اور اندھے کے لیے مبیع کے اوصاف بیان کر دیے گئے یا اُس نے ٹٹول کر معلوم کر لیا اور چیز پسند کر لی پھر وہ بینا ہوگیا تو اب اُسے خیار رویت حاصل نہیں ہوگا جو خیار اُسے حاصل تھا ختم کر چکا۔ انکھیارے نے خریدی تھی اور مبیع کو دیکھنے سے پہلے نابینا ہوگیا تو اب اس کے لیے وہی حکم ہے جو اُس مشتری کا ہے کہ خریدتے وقت نابینا تھا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

ایک تھان کی رؤیت پر دو تھان کپڑے کے خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ رَأَى أَحَدَ الثَّوْبَيْنِ فَاشْتَرَاهُمَا ثُمَّ رَأَى الْآخَرَ جَازَ لَهُ أَنْ يَرُدَّهُمَا) لِأَنَّ رُؤْيَةَ أَحَدِهِمَا لَا تَكُونُ رُؤْيَةَ الْآخَرِ لِلتَّفَاوُتِ فِي الثِّيَابِ فَبَقِيَ الْخِيَارُ فِيمَا لَمْ يَرَهُ، ثُمَّ لَا يَرُدُّهُ وَحْدَهُ بَلْ يَرُدُّهُمَا كَيْ لَا يَكُونَ تَفْرِيقًا لِلصَّفْقَةِ قَبْلَ التَّمَامِ، وَهَذَا لِأَنَّ الصَّفْقَةَ لَا تَتِمُّ مَعَ خِيَارِ الرُّؤْيَةِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَبَعْدَهُ، وَلِهَذَا يَتَمَكَّنُ مِنْ الرَّدِّ بِغَيْرِ قَضَاءٍ وَلَا رِضًا وَيَكُونُ فَسْخًا مِنْ الْأَصْلِ. وَمَنْ مَاتَ وَلَهُ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ بَطَلَ خِيَارُهُ) لِأَنَّهُ لَا يَجْرِي فِيهِ الْإِرْثُ عِنْدَنَا، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي خِيَارِ الشَّرْطِ (وَمَنْ رَأَى شَيْئًا ثُمَّ اشْتَرَاهُ بَعْدَ مُدَّةٍ، فَإِنْ كَانَ عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي رَآهُ فَلَا خِيَارَ لَهُ) لِأَنَّ الْعِلْمَ بِأَوْصَافِهِ حَاصِلٌ لَهُ بِالرُّؤْيَةِ السَّابِقَةِ، وَبِفَوَاتِهِ يَثْبُتُ الْخِيَارُ إلَّا إذَا كَانَ لَا يَعْلَمُهُ مَرْئِيَّهُ لِعَدَمِ الرِّضَا بِهِ (وَإِنْ وَجَدَهُ مُتَغَيِّرًا فَلَهُ الْخِيَارُ) لِأَنَّ تِلْكَ الرُّؤْيَةَ لَمْ تَقَعْ مُعْلِمَةً بِأَوْصَافِهِ فَكَأَنَّهُ لَمْ يَرَهُ، وَإِنْ اخْتَلَفَا فِي التَّغَيُّرِ فَالْقَوْلُ لِلْبَائِعِ لِأَنَّ التَّغَيُّرَ حَادِثٌ وَسَبَبُ اللُّزُومِ ظَاهِرٌ، إلَّا إذَا بَعُدَتْ الْمُدَّةُ عَلَى مَا قَالُوا لِأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لِلْمُشْتَرِي، بِخِلَافِ مَا إذَا اخْتَلَفَا فِي الرُّؤْيَةِ لِأَنَّهَا أَمْرٌ حَادِثٌ وَالْمُشْتَرِي يُنْكِرُهُ فَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَهُ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی نے کپڑے کے دو تھان میں سے ایک کو دیکھ کر دونوں کو خرید لیا پھر دوسرے کو دیکھا تو اسے دونوں تھان واپس کرنے کا اختیار ہے اس لئے کہ کپڑوں میں تفاوت کی وجہ سے ایک تھان کا دیکھنا دوسرے کا دیکھنا شمار نہیں ہوگا لہذا نہ دیکھے ہوئے تھان میں خیار باقی رہے گا پھر مشتری صرف اسی تھان کو واپس نہیں کرے گا تا کہ تمامیت صفقہ سے پہلے تفریق صفقہ نہ ہو اور یہ اس لئے ہے کہ قبضہ کے پہلے اور قبضہ کے بعد دونوں صورتوں میں خیار رؤیت کے ہوتے ہوئے صفقہ تام نہیں ہوتا اسی وجہ سے مشتری قضائے قاضی اور رضائے مشتری کے بغیر بھی مبیع واپس کر سکتا ہے اور یہ رد اصل عقد سے فسخ مانا جاتا ہے اور جب جس کیلئے اختیار ہے مر جائے تو اس کا خیار باطل ہو جائے گا کیونکہ ہمارے نزدیک خیار میں وراثت نہیں چلتی اور خیار شرط میں ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔

جس شخص نے کوئی چیز دیکھی اور پھر ایک مدت کے بعد اسے خریدا تو اگر وہ چیز اسکی دیکھی ہوئی صفت پر بحال ہو تو مشتری کو خیار رؤیت نہیں ملے گا اس لئے کہ رؤیت سابقہ ہی سے مشتری کو اس کے اوصاف معلوم ہیں اور علم بالا وصاف ہی کے فوت ہونے سے خیار ثابت ہوتا ہے مگر جب کہ جب مشتری یہ یقین نہ کر سکے کہ مبیع ہی اسکی دیکھی ہوئی چیز ہے کیونکہ اب اس کے ساتھ مشتری کی رضامندی معدوم ہے اور جب مشتری اس چیز کو بدلی ہوئی پائے تو بھی اسے خیار حاصل ہوگا اس لئے کہ وہ رؤیت اوصاف مبیع کی خبر نہ واقع ہو سکی تو گویا کہ مشتری نے اسے دیکھا ہی نہیں اور جب عقد کرنے والے تغیر کے متعلق اختلاف کریں تو بائع کی بات معتبر ہوگی اس لئے کہ تغیر حادث ہے اور لزوم عقد کا سبب ظاہر ہے مگر جب کہ مدت دراز ہو جیسا کہ متاخرین فقہاء نے فرمایا کیونکہ ظاہر مشتری کیلئے شاہد ہے برخلاف اس صورت کے جب عقد کرنے والے رؤیت کے سلسلے میں اختلاف کریں اس لئے کہ رؤیت ایک امر جدید ہے اور مشتری اسکا منکر ہے لہذا اس کی قول معتبر ہوگا۔

شرح

اور جب بائع دو تھان الگ الگ دو کپڑوں میں لپیٹ کر لایا اور مشتری سے کہتا ہے یہ وہی دونوں تھان ہیں جن کو تم نے کل دیکھا تھا مشتری نے کہا اس تھان کو دس روپے میں خریدا اور اس کو دس روپے میں خریدا اور خریدتے وقت نہیں دیکھا تو خیار رویت حاصل نہیں اور اگر دونوں مختلف داموں سے خریدے تو خیار حاصل ہے۔ دو کپڑے خریدے اور دونوں کو دیکھ کر ایک کی نسبت کہتا ہے یہ مجھے پسند ہے اس سے خیار باطل نہیں ہوا اور ابھی خیار بدستور باقی ہے۔ دو شخصوں نے ایک چیز خریدی دونوں نے اُسے دیکھا نہیں تھا اب دیکھ کر ایک نے رضامندی ظاہر کی دوسرا واپس کرنا چاہتا ہے وہ تنہا واپس نہیں کر سکتا دونوں متفق ہو کر واپس کرنا چاہیں واپس کر سکتے ہیں اور اگر ایک نے دیکھا تھا ایک نے نہیں جس نے نہیں دیکھا تھا دیکھ کر واپس کرنا چاہتا ہے جب بھی دونوں متفق ہو کر واپس کر سکتے ہیں اور اگر اس کے دیکھنے سے پہلے ہی دیکھنے والے نے کہہ دیا کہ میں راضی ہوں میں نے بیع کو نافذ کر دیا تو دوسرے کا خیار باطل نہیں ہوگا مگر پوری مبیع واپس کرنی ہوگی۔ ایک تھان دیکھا تھا باقی نہیں دیکھے تھے اور سب خرید لیے تو خیار ہے،

مگر واپس کرنا چاہے تو سب واپس کرے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

بغیر دیکھے زطی تھان خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى عِدْلَ زُطِّيٍّ وَلَمْ يَرَهُ فَبَاعَ مِنْهُ ثَوْبًا أَوْ وَهَبَهُ وَسَلَّمَهُ لَمْ يَرُدَّ شَيْئًا مِنْهَا إلَّا مِنْ عَيْبٍ، وَكَذَلِكَ خِيَارُ الشَّرْطِ) ؛ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ الرَّدُّ فِيمَا خَرَجَ عَنْ مِلْكِهِ، وَفِي رَدِّ مَا بَقِيَ تَفْرِيقُ الصَّفْقَةِ قَبْلَ التَّمَامِ ؛ لِأَنَّ خِيَارَ الرُّؤْيَةِ وَالشَّرْطِ يَمْنَعَانِ تَمَامَهَا، بِخِلَافِ خِيَارِ الْعَيْبِ لِأَنَّ الصَّفْقَةَ تَتِمُّ مَعَ خِيَارِ الْعَيْبِ بَعْدَ الْقَبْضِ وَإِنْ كَانَتْ لَا تَتِمُّ قَبْلَهُ وَفِيهِ وَضْعُ الْمَسْأَلَةِ .

فَلَوْ عَادَ إلَيْهِ بِسَبَبٍ هُوَ فَسْخٌ فَهُوَ عَلَى خِيَارِ الرُّؤْيَةِ، كَذَا ذَكَرَهُ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِيُّ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَعُودُ بَعْدَ سُقُوطِهِ كَخِيَارِ الشَّرْطِ، وَعَلَيْهِ اعْتَمَدَ الْقُدُورِيُّ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی نے دیکھے بغیر زطی تھانوں کی کوئی گٹھری خرید لی پھر اس میں سے ایک تھان بیچ دیا یا کسی کو ایک تھان ہبہ کر کے اس کے حوالے کر دیا تو بدون عیب کے مشتری اس میں سے کچھ واپس نہیں کر سکتا اور یہی حکم خیار شرط کا بھی ہے اس لئے کہ جو مبیع اسکی ملکیت سے نکل گئی اس کی واپسی ناممکن ہوگئی اور اور بقیہ مبیع کو واپس کرنے میں تفریق صفقہ قبل التمام لازم آتا ہے اس لئے کہ خیار رؤیت اور خیار شرط دونوں تمامیت صفقہ سے مانع ہیں۔ برخلاف خیار عیب کے کیونکہ قبضہ کے بعد خیار عیب کے ہوتے ہوئے بھی صفقہ تام ہو جاتا ہے ہر چند کہ قبضہ سے پہلے تام نہیں ہوتا اور اسی میں مسئلہ کی وضع ہے پھر جب مشتری کے پاس کسی ایسے سبب سے مبیع لوٹ کے آئی جو فسخ ہو تو اپنے خیار رؤیت پر برقرار رہے گا حضرت سرخسی علیہ الرحمہ نے اسی طرح بیان کیا ہے امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ خیار شرط کی طرح خیار رؤیت بھی ساقط ہونے کے بعد بحال نہیں ہوتا امام قدوری نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔

عدل زطی کی لغوی تشریح کا بیان

وَالْعِدْلُ :الْمِثْلُ، وَالْمُرَادُ هُنَا الْغِرَارَةُ الَّتِي هِيَ عِدْلُ غِرَارَةٍ أُخْرَى عَلَى الْجَمَلِ أَوْ نَحْوِهِ :أَيْ يُعَادِلُهَا وَفِيهَا أَثْوَابٌ .وَالزُّطُّ فِي الْمَغْرِبِ :جِيلٌ مِنْ الْهِنْدِ تُنْسَبُ إلَيْهِمْ الثِّيَابُ الزُّطِّيَّةُ، وَقِيلَ جِيلٌ بِسَوَادِ الْعِرَاقِ .وَذَكَرَ الضَّمِيرَ فِي قَوْلِهِ فَبَاعَ مِنْهُ عَلَى لَفْظِ الْعِدْلِ ثُمَّ أَنَّثَهُ فِي قَوْلِهِ لَمْ يَرُدَّ شَيْئًا مِنْهَا عَلَى مَعْنَاهُ، فَكَانَ نَظِيرُ قَوْلِهِ تَعَالَى (وَكَمْ مِنْ

قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَائِلُونَ) هَذَا (وَلَوْ عَادَ) الثَّوْبُ الَّذِي بَاعَهُ مِنْ الْعِدْلِ أَوْ وَهَبَهُ .(فتح القدير، كتاب بيوع، ج ۱۴، ص ۴۰۲،بیروت)

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کپڑا اگر اس قسم کا ہو کہ اندر باہر سب یکساں ہو، جیسے ململ، لٹھا، مارکین، ریشمی، کشمیرہ وغیرہ جن کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے تو تھان کو اوپر سے دیکھ لینا کافی ہے کھول کر اندر سے دیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایسے کپڑوں میں ایک تھان کا دیکھ لینا کافی ہے سب تھانوں کے دیکھنے کی ضرورت نہیں البتہ اگر اندر خراب نکلے یا عیب ہو تو خیار رویت یا خیار عیب حاصل ہوگا۔ اگر مبیع مختلف قسم کے تھان ہوں تو ہر ایک قسم کا ایک ایک تھان دیکھ لینا ضرور ہے اور اگر اس قسم کا ہو کہ سب ایک طرح کا نہ ہو جیسے چکن اور کلبدن کے تھان کہ اوپر کے پرت میں بوٹیاں زیادہ ہوتی ہیں اور اندر کم تو کھول کر سب تہیں دیکھی جائیں گی صرف اوپر کا پرت دیکھنا کافی نہیں۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

قالین کے اوپر کا رخ دیکھ لینا ضرور ہے نیچے کا رخ دیکھنے سے خیار رویت باطل نہ ہوگا اور دری اور دیگر فروش میں کل دیکھنا ضروری ہے۔ رضائی لحاف اور جبہ یا کوٹ جس میں دوہری تہہ ہے ابرا دیکھنا ضروری ہے دوہری تہہ دیکھنا کافی نہیں۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

باب خیار العیب

﴿یہ باب خیار عیب کے بیان میں ہے﴾

باب خیار عیب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ خیارات کے تقدم وتاخر کی وجوہات کو پہلے بیان کر دیا ہے اور یہاں پر کسی چیز کی اضافت اس کے سبب کی جانب ہے۔ (عام طور پر عرف میں جب بائع کسی مبیع کو بیچتا ہے تو مشتری کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی چیز کو خریدنے سے پہلے اس کی اچھے طریقے سے جانچ پڑتال کر لیتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی چیز عیب والی ہو تو مشتری خریدتا ہے ہی نہیں۔ اور اگر وہ خریدتا ہے تو بھی اس میں عیب کی ایک حد اس کے ذہن میں متعین ہوتی ہے کہ وہ اس قدر عیب کو برداشت کرنے والا ہے۔ اور بعض اوقات کسی چیز میں عیب بیع ہو جانے کے بعد پیدا ہوتا ہے اور اس کی بھی کئی صورتیں ہیں یعنی اس کا عیب کا پہلے بائع کے سبب سے ہے یا مشتری کے سبب سے ہے یا دیگر آسمانی وآفاتی اسباب کے سبب سے ہوا ہے یا دیگر کئی قرائن جو اس عیب کا سبب ہوئے ہیں اس طرح اس عیب میں فقہی مفاہیم میں بڑی وسعت ہے جس کے سبب مصنف علیہ الرحمہ نے اس باب کو باقی خیارات والے ابواب سے مؤخر ذکر کیا ہے تا کہ اس کی کثیر جزئیات کے بنیادی قواعد کو بیان کر دیا جائے۔ رضوی عفی عنہ)۔

(فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۴، ص ۴۰۵، بیروت)

بیع میں خیار عیب ہونے کا فقہی مفہوم

بیع ہو جانے کے بعد خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہونے کے بعد اس چیز کو رکھ لینے یا واپس کر دینے کا جو اختیار خریدار کو حاصل ہوتا ہے اسے خیار عیب کہتے ہیں مثلاً تاجر نے ایک چیز بیچی جسے خریدار نے خرید لی اب اس بیع کے بعد اگر خریدار واپس کر کے اپنی دی ہوئی قیمت لوٹا لے البتہ اگر بیچنے والے نے اس چیز کو بیچنے کے وقت خریدار سے یہ کہہ دیا تھا کہ اس چیز میں جو عیب ہو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں خواہ تم اس وقت اسے خرید و یا نہ خرید و اور اس کے باوجود بھی خریدار رضا مند ہو گیا تھا تو خواہ کچھ ہی عیب اس میں نکلے خریدار کو واپسی کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

خیار عیب والی بیع کے شرعی حکم کا بیان

اسلام کا معاشی واقتصادی نظام فلاح دارین کے ساتھ انسانی حقوق کے تحفظ کا ضامن بھی ہے۔ اسلام کے مطابق عمل کیا جائے تو نہ تاجر کو خریدار کی جانب سے نقصان پہنچتا ہے اور نہ خریدار کو تاجر کی جانب سے کوئی ضرر لاحق ہوتا ہے۔

چنانچہ شریعت اسلامیہ کا یہ بنیادی قانون ہے کہ کوئی شخص نہ خود ضرر اٹھائے اور نہ دوسرے کو ضرر پہنچائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لا تظلمون ولا تظلمون۔ ترجمہ: نہ تم کسی پر زیادتی کرو نہ تم پر کوئی زیادتی کرے (سورۃ البقرۃ، آیت 279)

مسندامام احمد میں حدیث مبارک ہے ۔ عن ابن عباس :قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لا ضرر ولا ضرار فى الاسلام (مسند امام احمد،مسند عبد الله بن عباس، حديث نمبر :2921)۔ترجمہ :سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا :اسلام میں نہ نقصان (اٹھانا)درست ہےاور نہ نقصان پہنچانا جائز ہے۔اس ضرر ونقصان سے بچانے اور تجارت میں دھوکہ دہی سے محفوظ رکھنے کیلئے شریعت مطہرہ میں تاجر کو یہ ہدایت دی گئی کہ کسی چیز میں عیب ہوتو فروخت کرتے وقت خریدارکوآ گاہ کردے،عیب کو چھپا کر چیز فروخت کرنا خریدارکو دھوکہ دینا ہے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تاجر کے حق میں وعید بیان فرمائی ہے۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ شریف ،كتاب التجارات، بابمن باع عيبا لم يبينه ،ص126 (حدیث نمبر2332:)میں حدیث مبارک ہے :عن واثلة بن الاسقع قال سمعت رسول الله -صلى الله عليه وسلم -يقول من باع عيبا لم يبينه لم يزل فى مقت من الله ولم تزل الملائكة تلعنه .ترجمہ :سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوارشادفرماتے ہوئے سنا :جس نے کوئی عیب والی چیز فروخت کی اور عیب کوظاہر نہیں کیا،وہ ہمیشہ اللہ کے غضب میں رہتا ہےاورفرشتے اس پرلعنت کرتے ہیں۔

نیز ردمحتار ج 4 صفحہ 176 میں ہے:(قوله اما بيان نفس العيب فواجب) لان الغش حرام ۔ترجمہ :فروخت کرتے وقت عیب بیان کرنا ضروری ہے،اس لئے کہ دھوکہ حرام ہے۔

صحیح مسلم شریف،ج1، كتاب الايمان،باب قول النبى من غش فليس منا،ص 70(حديث نمبر295:)میں حديث پاك هے :عن ابى هريرة .ان رسول الله -صلى الله عليه وسلم -مر على صبرة طعام فادخل يده فيها فنالت اصابعه بللا فقال ما هذا يا صاحب الطعام .قال اصابته السماء يا رسول الله .قال افلا جعلته فوق الطعام كى يراه الناس من غش فليس منى.۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلہ کے ڈھیر کے پاس تشریف لے گئے اور غلہ کے ڈھیر میں دست اقدس ڈالاتو اس میں کچھ نمی محسوس ہوئی تو آپ نے ارشادفرمایا :اے غلہ والے یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا:یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارش کی وجہ سے غلہ بھیگ چکا تھا تو آپ نے ارشادفرمایا :پھر بھیگے ہوئے غلہ کوتم نے اوپر کیوں نہیں رکھا؟ تاکہ لوگ اس کودیکھ لیں جس۔ نے دھوکہ کا معاملہ کیاوہ مجھ سے نہیں۔

ان نصوص سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی تاجر کوفروخت کی جانے والی اشیاء کے عیب ونقص کوخریدار پرظاہر کئے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں ،تاہم کسی تاجر نے کوئی عیب دار چیز عیب کی وضاحت کے بغیر فروخت کردی اور خریدارکوخریدنے کے بعد اس میں موجودعیب کاعلم ہوااور اگر اس شئے کوعیب کے ساتھ رکھ لیناضروری قرار دیا جائے تو خریدار کا نقصان ہوجائے گا اس کوشرعا یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اس عیب دار چیز کوواپس کردےاور دی ہوئی قیمت اس سے واپس لے لے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ عیب خرید و

فروخت کے معاملہ کے وقت موجود تھا۔اس کے برخلاف خریدنے کے بعد اس میں کوئی عیب آ گیا تو خریدار کو واپس کرنے کا اختیار نہیں۔

فروخت شدہ چیز میں عیب پائے جانے کی وجہ سے اس کو واپس کرنے کے اختیار کو شریعت کی اصطلاح میں خیارِعیب کہتے ہیں جیسا کہ فتاویٰ فتاوی ہندیہ، کتاب بیوع ج 3 ص66 میں ہے :واذا اشترى شيئا لم يعلم بالعيب وقت الشراء ولا علمه قبله والعيب يسير او فاحش فله الخيار ان شاء رضي بجميع الثمن وان شاء رده ۔ترجمہ :جب کسی نے کوئی چیز خریدی اور خریدتے وقت یا اس سے پہلے اس کے عیب سے واقف نہیں تھا، خواہ عیب چھوٹا ہو یا بڑا البعداز اں اسے عیب کا علم ہوا تو اس کو اختیار ہے چاہے تو پوری قیمت کے بدلہ وہ عیب دار چیز لے لے اور اگر چاہے تو اس چیز کو لوٹا دے۔ نیز فتاوی فتاوئی ہندیہ، کتاب بیوع ج3 کے اسی صفحہ پر خیارعیب کے شرائط میں ہے۔ فمنها ثبوت العيب عند البيع و بعده قبل التسليم حتى لو حدث بعد ذلك لا يثبت الخيار .

باب خیارعیب کے شرعی ماخذ کا بیان

اگر چیز میں کوئی عیب (خرابی) ہوتو وہ بھی بیان کردے نبی کریم ﷺ سے عرض کی گئی کہ سب سے پاکیزہ کمائی کونسی ہے فرمایا کہ بندے کا اپنے ہاتھ سے کمانا اور دھوکے سے پاک خرید وفروخت کرنا۔(السنن الکبری، حدیث نمبر۱۰۷۰۱)

وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ نے کوفرماتے سنا کہ جس نے عیب والی چیز کو فروخت کیا اور عیب کو ظاہر نہ کیا وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں ہے یا فرمایا کہ ہمیشہ فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔

(سنن ابن ماجہ حدیث نمبر۲۲۴۲)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کوفرماتے سنا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور جب مسلمان اپنے بھائی کے ہاتھ کوئی چیز بیچے جس میں عیب ہو تو جب تک بیان نہ کرئے اسے بیچنا حلال نہیں۔(سنن ابن ماجہ حدیث نمبر۲۲۴۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ ایک غلہ کی ڈھیری کے پاس سے گزرے اس میں ہاتھ ڈال دیا حضور ﷺ کو انگلیوں میں تری محسوس ہوئی ارشاد فرمایا اے غلہ والے یہ کیا ہے اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس پر بارش کا پانی پڑ گیا تھا ارشاد فرمایا کہ تو نے بھیگے ہوئے کو اوپر کیوں نہیں کر دیا کہ لوگ دیکھتے جو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

(صحیح مسلم، حدیث نمبر۲۹۵)

ملاوٹ کرنے والوں اور خراب مال بیچنے والوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ جس سے رب العالمین ناراض ہو فرشتے اس پر لعنت کرنے والے ہوں نبی علیہ السلام اس سے دوری اختیار فرما رہے ہوں تو کس طرح اس کے کاروبار میں برکت ہوگی اور کس طرح وہ مصائب وآلام سے بچا ہوا ہوگا اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے لہٰذا اول تو کسی بھی طرح کی ملاوٹ نہ کریں اور اگر بالفرض مال خراب

ہے یا کسی اور نے ملاوٹ والا مال آپ کو دیا ہے تو آپ حدیث پر عمل کرتے ہوئے خریدار کو وہ بتا دیں ویسے بھی عموماً لوگوں کو علم ہوتا ہے کہ کس مال میں کیا ملاوٹ ہے اور کیا خرابی ہے کہ لوگوں سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے مثلاً دودھ میں پانی، لال مرچ میں کلر، چینی میں چاول کے ٹکڑے، گوشت میں پانی کا پریشر، دال میں کنکر وغیرہ لہذا جب لوگوں کے علم میں یہ بات ہے کہ دوکاندار زیادہ تر جھوٹ بولتے ہیں اور دھوکہ دیتے ہیں تا کہ ان کا مال بکے تو حدیث پر عمل کریں اور بتا دیں اس سے انشاء اللہ آپ کے کاروبار میں برکت ہوگی نیز وہ آپ کی سچائی کو دیکھ کر ہمیشہ آپ سے ہی چیز خریدے گا۔

مشتری کا عیب پر مطلع ہونے پر خیار کا بیان

(وَإِذَا اطَّلَعَ الْمُشْتَرِي عَلَى عَيْبٍ فِي الْمَبِيعِ) فَهُوَ بِالْخِيَارِ، إنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِجَمِيعِ الثَّمَنِ، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهُ لِأَنَّ مُطْلَقَ الْعَقْدِ يَقْتَضِي وَصْفَ السَّلَامَةِ، فَعِنْدَ فَوْتِهِ يَتَخَيَّرُ كَيْ لَا يَتَضَرَّرَ بِلُزُومِ مَا لَا يَرْضَى بِهِ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُمْسِكَهُ وَيَأْخُذَ النُّقْصَانَ ؛ لِأَنَّ الْأَوْصَافَ لَا يُقَابِلُهَا شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ فِي مُجَرَّدِ الْعَقْدِ ؛ وَلِأَنَّهُ لَمْ يَرْضَ بِزَوَالِهِ عَنْ مِلْكِهِ بِأَقَلَّ مِنَ الْمُسَمَّى فَيَتَضَرَّرُ بِهِ، وَدَفْعُ الضَّرَرِ عَنِ الْمُشْتَرِي مُمْكِنٌ بِالرَّدِّ بِدُونِ تَضَرُّرِهِ، وَالْمُرَادُ عَيْبٌ كَانَ عِنْدَ الْبَائِعِ وَلَمْ يَرَهُ الْمُشْتَرِي عِنْدَ الْبَيْعِ وَلَا عِنْدَ الْقَبْضِ ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ رِضًا بِهِ

ترجمہ

اور جب مشتری مبیع میں کسی عیب پر مطلع ہو تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو پورے ثمن کے عوض مبیع کو لے لے اور اگر چاہے تو واپس کر دے کیونکہ مطلق عقد مبیع کی سلامتی کا تقاضہ کرنے والا ہوتا ہے لہذا اس کے فوت ہونے کی صورت میں مشتری کو خیار حاصل ہوگا تا کہ غیر پسندیدہ چیز کے لزوم سے مشتری کا نقصان نہ ہو اور مشتری کو یہ حق نہیں ہے کہ مبیع کو روک کر نقصان کی بھرپائی لے لے اس لئے کہ مطلق عقد میں اوصاف کے مقابلہ میں کچھ بھی ثمن نہیں ہوتا اور اس لئے کہ بائع طے شدہ قیمت سے کم میں مبیع کے اپنی ملکیت سے زائل ہونے پر راضی نہیں ہے لہذا اسے اس سے نقصان ہوگا اور رد کے ذریعے مشتری کے نقصان کے بغیر اس سے نقصان دور کرنا ممکن ہے اور عیب سے وہ عیب مراد ہے جو بائع کے پاس بھی موجود تھا اور عقد بیع اور قبضہ کے وقت اس پر مشتری کی نگاہ نہیں پڑی تھی کیونکہ عیب کو دیکھنا اس کی رضامندی کی علامت ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مبیع میں عیب ہو تو اُس کا ظاہر کر دینا بائع پر واجب ہے چھپانا حرام و گناہ کبیرہ ہے۔ اسی طرح ثمن کا عیب مشتری پر ظاہر کر دینا واجب ہے اگر بغیر عیب ظاہر کیے چیز بیچ کر دی تو معلوم ہونے کے بعد واپس کر سکتے

ہیں اس کو خیار عیب کہتے ہیں خیار عیب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وقت عقد یہ کہہ دے کہ عیب ہوگا تو پھیر دینے کا کہا ہو یا نہ کہا ہو بہر حال عیب معلوم ہونے پر مشتری کو واپس کرنے کا حق حاصل ہوگا لہٰذا اگر مشتری کو نہ خریدنے سے پہلے عیب پر اطلاع تھی نہ وقت خریداری اُس کے علم میں یہ بات آئی بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں عیب ہے تھوڑا عیب ہو یا زیادہ خیار عیب حاصل ہے کہ مبیع کو لینا چاہے تو پورے دام پر لے لے واپس کرنا چاہے واپس کر دے یہ نہیں ہو سکتا کہ واپس نہ کرے بلکہ دام کم کر دے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

حضرت عبداللہ بن ابی بکر سے روایت ہے کہ ابان بن عثمان اور ہشام بن اسماعیل دونوں نے خطبے میں بیان کیا کہ غلام اور لونڈی کے عیب کی جواب دہی بائع پر تین روز تک ہے خریدنے کے وقت سے اور ایک جواب دہی سال بھر تک ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ غلام اور لونڈی کو جو عارضہ لاحق ہو تین دن کے اندر وہ بائع کی طرف سے سمجھا جائے گا اور مشتری کو اس کے پھیر دینے کا اختیار ہوگا اور اگر جنون یا جذام یا برص نکلے تو ایک برس کے اندر پھیر دینے کا اختیار ہوگا بعد ایک سال کے پھر بائع سب باتوں سے بری ہو جائے اس کو کسی عیب کی جواب دہی لازم نہ ہوگی اگر کسی نے وارثوں میں سے یا اور لوگوں میں سے ایک غلام یا لونڈی کو بیچا اس شرط سے کہ بائع عیب کی جواب دہی سے بری ہے تو پھر بائع پر جواب دہی لازم نہ ہوگی البتہ اگر جان بوجھ کر اس نے کوئی عیب چھپایا ہوگا تو جواب دہی اس پر لازم ہوگی اور مشتری کو پھیر دینے کا اختیار ہوگا۔ یہ جواب دہی خاص غلام یا لونڈی میں ہے اور چیزوں میں نہیں۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1194)

اطلاع عیب پر واپسی میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں کہ فقہاء شوافع کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص مبیع میں عیب پر مطلع ہوا تو اس پر لازم ہے کہ وہ فوری طور پر اس چیز کو واپس کر دے۔

فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ جب مشتری کو عیب کی اطلاع ہو جائے تو اس کو جلدی واپس کر دینا چاہیے ہاں البتہ اس کو واپس کرنے میں دو دن کی مدت کا اختیار ہے۔

فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ مشتری کو عیب پر مطلع ہونے کی صورت فوری واپس کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ اس کو تاخیر سے بھی واپس کر سکتا ہے۔

فقہاء احناف کہتے ہیں کہ واپسی کیلئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ عیب پر مطلع ہوتے ہی اسکو واپس کر دے بلکہ جب اس نے فروخت کنندہ کو اطلاع کر دی اور پھر اصرار سے اس نے کچھ ترک کیا تب بھی واپسی کے مطالبے حق باقی رہے گا۔

(مذاہب اربعہ، کتاب بیوع، باب خیار عیب)

نقص ثمن والی چیز کے عیب ہونے کا قاعدہ فقہیہ

قَالَ (وَكُلُّ مَا أَوْجَبَ نُقْصَانَ الثَّمَنِ فِي عَادَةِ التُّجَّارِ فَهُوَ عَيْبٌ) ؛ لِأَنَّ التَّضَرُّرَ

بِنُقْصَانِ الْمَالِيَّةِ، وَذٰلِكَ بِانْتِقَاصِ الْقِيمَةِ وَالْمَرْجِعُ فِي مَعْرِفَتِهِ عُرْفُ أَهْلِهِ.

(وَالْإِبَاقُ وَالْبَوْلُ فِي الْفِرَاشِ وَالسَّرِقَةُ فِي الصَّغِيرِ عَيْبٌ مَا لَمْ يَبْلُغْ، فَإِذَا بَلَغَ فَلَيْسَ ذٰلِكَ بِعَيْبٍ حَتَّى يُعَاوِدَهُ بَعْدَ الْبُلُوغِ) وَمَعْنَاهُ: إِذَا ظَهَرَتْ عِنْدَ الْبَائِعِ فِي صِغَرِهِ ثُمَّ حَدَثَتْ عِنْدَ الْمُشْتَرِي فِي صِغَرِهِ فَلَهُ أَنْ يَرُدَّهُ، لِأَنَّهُ عَيْنُ ذٰلِكَ، وَإِنْ حَدَثَتْ بَعْدَ بُلُوغِهِ لَمْ يَرُدَّهُ، لِأَنَّهُ غَيْرُهُ، وَهٰذَا، لِأَنَّ سَبَبَ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ يَخْتَلِفُ بِالصِّغَرِ وَالْكِبَرِ، فَالْبَوْلُ فِي الْفِرَاشِ فِي الصِّغَرِ لِضَعْفِ الْمَثَانَةِ، وَبَعْدَ الْكِبَرِ لِدَاءٍ فِي بَاطِنِهِ، وَالْإِبَاقُ فِي الصِّغَرِ لِحُبِّ اللَّعِبِ وَالسَّرِقَةُ لِقِلَّةِ الْمُبَالَاةِ، وَهُمَا بَعْدَ الْكِبَرِ لِخُبْثٍ فِي الْبَاطِنِ، وَالْمُرَادُ مِنَ الصَّغِيرِ مَنْ يَعْقِلُ، فَأَمَّا الَّذِي لَا يَعْقِلُ فَهُوَ ضَالٌّ لَا آبِقٌ فَلَا يَتَحَقَّقُ عَيْبًا.

ترجمہ

فرمایا کہ ہر وہ چیز جس سے تجار کی عادت میں ثمن میں کمی واقع ہو وہ عیب ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) کیونکہ مالیت کی کمی کے سبب نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور قیمت کی کمی سے مالیت میں کمی آتی ہے اور اسکی معرفت کا دارومدار تاجروں کے عرف پر ہے۔

فرمایا کہ غلام کا بھاگنا اور بستر پر پیشاب کرنا بچے میں عیب ہے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے بالغ ہونے کے بعد یہ عیب نہیں ہے یہاں تک کہ بلوغت کے بعد بھی اسے دہرائے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بچپن میں چیزیں بائع کے پاس ظاہر ہوئیں پھر اس کے بچپنے ہی میں مشتری کے پاس بھی انکا ظہور ہوا تو مشتری کو وہ غلام واپس کرنے کا اختیار ہے کیونکہ یہ بعینہ وہی ہے اور اگر بلوغت کے بعد یہ چیزیں ظاہر ہوں تو مشتری اس غلام کو واپس نہیں کر سکتا کیونکہ کہ یہ بائع کے پاس موجود عیب کے علاوہ دوسرا عیب ہے اور یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ بڑے اور چھوٹے ہونے کی وجہ سے ان چیزوں کا سبب بدلتا رہتا ہے چنانچہ بچپن میں بستر پر پیشاب کرنا مثانہ کی کمزوری سے ہوتا ہے اور بڑا ہونے کے بعد ایسا کرنا اندرونی بیماری کے سبب ہوتا ہے اسی طرح بچپنے میں بھاگنا کھیل کود میں رغبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور چوری کرنا لا پرواہی کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ بڑا ہونے کے بعد یہ چیزیں اندرونی خباثت کی وجہ سے ہوتی ہیں اور صغیر سے مراد وہ بچہ ہے جو سمجھدار ہو رہا نا سمجھ بچہ تو وہ بھٹکا ہوا ہوتا ہے بھگوڑا نہیں ہوتا لہذا وہ عیب نہیں ہوگا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بچھونے پر پیشاب کرنا عیب ہے چوری کرنا عیب ہے چاہے اتنا چرایا جس سے ہاتھ کاٹا جائے یا اس سے کم۔ اسی طرح کفن چرانا جیب کاٹنا بھی عیب ہے بلکہ نقب لگانا بھی عیب ہے۔ کھانے کی چیز کھانے کے لیے مالک کی چرائی تو عیب نہیں اور بیچنے کے لیے چرائی یا دوسرے کی چیز چرائی تو عیب ہے۔ بعض فقہانے فرمایا کہ مالک کا پیسہ دو پیسے چرانا عیب نہیں۔ بھاگنا، چوری کرنا، بچھونے پر پیشاب کرنا ان تینوں کے اسباب بچپن میں اور بڑے ہونے پر مختلف ہیں۔

بچپن سے مراد پانچ سال کی عمر ہے اس سے کم عمر میں یہ چیزیں پائی جائیں تو عیب نہیں۔ بچپن میں ان کا سبب کم عقلی اور ضعف مثانہ ہے اور بڑے ہونے کے بعد ان کا سبب سوء اختیار اور باطنی بیماری ہے۔

لہٰذا اگر یہ عیوب مشتری و بائع دونوں کے یہاں بچپن میں پائے گئے یا دونوں کے یہاں جوانی کے بعد پائے گئے تو مشتری رد کرسکتا ہے کہ یہ وہی عیب ہے جو بائع کے یہاں تھا اور اگر بائع کے یہاں یہ عیب بچپن میں تھا اور مشتری کے یہاں بلوغ کے بعد تو رد نہیں کرسکتا کہ یہ وہ عیب نہیں بلکہ دوسرا عیب ہے جو مشتری کے یہاں پیدا ہوا جس طرح بائع کے یہاں اُسے بخار آتا تھا اگر مشتری کے یہاں بھی وہی بخار اُسی وقت آیا تو واپس کرسکتا ہے اور مشتری کے یہاں دوسری قسم کا بخار آیا تو واپس نہیں کرسکتا۔

(ردمحتار، کتاب بیوع)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے نابالغ غلام کو خریدا جو بچھونے پر پیشاب کرتا تھا مشتری کے یہاں بھی یہ عیب موجود تھا مگر کوئی دوسرا عیب اس کے علاوہ بھی پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے واپس نہ کرسکا اور بائع سے اس عیب کا نقصان لے لیا بالغ ہونے پر پیشاب کرنا جاتا رہا تو جو معاوضہ عیب بائع نے ادا کیا ہے چونکہ وہ عیب جاتا رہا وہ رقم واپس لے سکتا ہے۔

(فتح القدیر، کتاب بیوع)

اعتبار عیب میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مالکیہ کے نزدیک جس عیب کے سبب مال کو واپس کیا جائے گا اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ اس عیب کے سبب مال کی قیمت کم ہوجائے۔ جس طرح جانور کا سرکش ہونا یا بے قابو ہوجانا ہے۔

فقہاء حنابلہ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ جس میں کوئی نقص واقع ہوجائے جیسے جانور کا خصی ہونا ہے کیونکہ اس کے سبب اس کو قیمت کم ہوجائے گی۔

فقہاء شافعیہ کے نزدیک جس عیب کے سبب مال کو واپس کیا جائے اسی کو عیب سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اسی کے سبب اس کی قیمت میں کمی ہونے والی ہے۔

فقہاء احناف کے نزدیک ہروہ چیز جس سے تجار کی عادت میں ثمن میں کمی واقع ہو وہ عیب ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) کیونکہ مالیت کی کمی کے سبب نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور قیمت کی کمی سے مالیت میں کمی آتی ہے اور اسکی معرفت کا دارومدار تاجروں کے عرف پر ہے

(مذاہب اربعہ، کتاب بیوع، باب خیار عیب)

جنون اور صغرسنی کے عیب ہونے کا بیان

قَالَ (وَالْجُنُونُ فِي الصِّغَرِ عَيْبٌ أَبَدًا) وَمَعْنَاهُ :إذَا جُنَّ فِي الصِّغَرِ فِي يَدِ الْبَائِعِ ثُمَّ عَاوَدَهُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي فِيهِ أَوْ فِي الْكِبَرِ يَرُدُّهُ ؛ لِأَنَّهُ عَيْنُ الْأَوَّلِ، إذْ السَّبَبُ فِي

الْحَالَيْنِ مُتَّحِدٌ وَهُوَ فَسَادُ الْبَاطِنِ، وَلَيْسَ مَعْنَاهُ أَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ الْمُعَاوَدَةُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَادِرٌ عَلَى إِزَالَتِهِ وَإِنْ كَانَ قَلَّمَا يَزُولُ فَلَا بُدَّ مِنَ الْمُعَاوَدَةِ لِلرَّدِّ.

ترجمہ

فرمایا کہ بچپن کا جنون دائمی عیب شمار ہوگا اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب بچہ بچپن میں مجنون ہوا پھر بچپن ہی میں یا بڑا ہونے کے بعد مشتری کے قبضہ میں جنون طاری ہوا تو مشتری اسے واپس کر دے گا کیونکہ یہ بعینہ پہلا ہی ہے اس لئے کہ دونوں حالتوں میں سبب متحد ہے جامع صغیر کی اس عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مشتری کے قبضے میں جنون کا دوبارہ لوٹنا شرط نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی اس کو زائل کرنے پر قادر ہے ہر چند کے وہ بہت کم ختم ہوتا ہے لہذا پھیرنے کیلئے اس کا لوٹنا ضروری ہے۔

شرح

جنون بھی عیب ہے اور بچپن اور جوانی دونوں میں اس کا سبب ایک ہی ہے یعنی اگر بائع کے یہاں بچپن میں پاگل ہوا تھا اور مشتری کے یہاں جوانی میں تو واپس کرنے کا حق ہے کیونکہ یہ وہی عیب ہے دوسرا نہیں۔ جنون کی مقدار یہ ہے کہ ایک دن رات سے زیادہ پاگل رہے اس سے کم میں عیب نہیں۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب بیوع)

حضرت عداء بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع نامہ لکھ دیا تھا کہ یہ کاغذ ہے جس میں محمد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عداء بن خالد سے خریدنے کا بیان ہے۔ یہ بیع مسلمان کی ہے مسلمان کے ہاتھ، نہ اس میں کوئی عیب ہے نہ کوئی فریب نہ فسق و فجور، نہ کوئی بد باطنی ہے۔ اور قتادہ رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ غائلہ، زنا، چوری اور بھاگنے کی عادت کو کہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ علیہ سے کسی نے کہا کہ بعض دلال (اپنے اصطبل کے) نام آری خراسان اور بحستان (خراسانی اصطبل اور بحستانی اصطبل) رکھتے ہیں اور (دھوکہ دینے کے لیے) کہتے ہیں کہ فلاں جانور کل ہی خراسان سے آیا تھا۔ اور فلاں آج ہی بحستان سے آیا ہے۔ تو ابراہیم نخعی نے اس بات کو بہت زیادہ نا گواری کے ساتھ سنا۔ عقبہ بن عامر نے کہا کہ کسی شخص کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ کوئی سودا بیچے اور یہ جاننے کے باوجود کہ اس میں عیب ہے خریدنے والے کو اس کے متعلق کچھ نہ بتائے۔ (حدیث نمبر 2079)

قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ نے کہا کہ صحیح یوں ہے کہ عداء کے خریدنے کا بیان ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، جیسے ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ نے اسے وصل کیا ہے۔ قسطلانی نے کہا ممکن ہے یہاں اشتری باع کے معنی میں آیا ہو یا معاملہ کئی بار ہوا ہو۔ غلام کے عیب کا ذکر ہے یعنی وہ کانا، لولا، لنگڑا فریبی نہیں ہے۔ نہ بھاگنے والا بدکار ہے مقصد یہ ہے کہ بیچنے والے کا فرض ہے کہ معاملہ کی

چیز کے عیب وصواب سے خریدار کو پورے طور پر آگاہ کر دے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب لونڈی کی عمر پندرہ سال کی ہو اور حیض نہ آئے یہ عیب ہے اور اگر صغر سنی یا کبر سنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو عیب نہیں۔ یہ بات کہ حیض نہیں آتا یہ خود اُسی لونڈی کے کہنے سے معلوم ہو گی اور اگر بائع کہتا ہے کہ اسے حیض آتا ہے تو اُسے قسم دیں گے، اگر قسم کھالے بائع کا قول معتبر ہے اور قسم سے انکار کرے تو عیب ثابت ہے۔ استحاضہ بھی عیب ہے۔ (درمختار کتاب بیوع)

باندی کے منہ وبغل کی بو کے عیب ہونے کا بیان

(قَالَ : وَالْبَخَرُ وَالدَّفْرُ عَيْبٌ فِي الْجَارِيَةِ) ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ قَدْ يَكُونُ الِاسْتِفْرَاشَ وَطَلَبَ الْوَلَدِ وَهُمَا يُخِلَّانِ بِهِ، وَلَيْسَ بِعَيْبٍ فِي الْغُلَامِ ؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الِاسْتِخْدَامُ وَلَا يُخِلَّانِ بِهِ، إلَّا أَنْ يَكُونَ مِنْ دَاءٍ ؛ لِأَنَّ الدَّاءَ عَيْبٌ (وَالزِّنَا وَوَلَدُ الزِّنَا عَيْبٌ فِي الْجَارِيَةِ دُونَ الْغُلَامِ) ؛ لِأَنَّهُ يُخِلُّ بِالْمَقْصُودِ فِي الْجَارِيَةِ وَهُوَ الِاسْتِفْرَاشُ وَطَلَبُ الْوَلَدِ، وَلَا يُخِلُّ بِالْمَقْصُودِ فِي الْغُلَامِ وَهُوَ الِاسْتِخْدَامُ، إلَّا أَنْ يَكُونَ الزِّنَا عَادَةً لَهُ عَلَى مَا قَالُوا ؛ لِأَنَّ اتِّبَاعَهُنَّ يُخِلُّ بِالْخِدْمَةِ .

ترجمہ

فرمایا کہ باندی میں منہ اور بغل کی بو عیب ہے اس لئے کہ کبھی باندی کو فراش بنانا مقصود ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں استفراش میں مخل ہیں اور غلام میں بدبو عیب نہیں ہے اس لئے کہ غلام سے خدمت لینا مقصود ہوتا ہے اور یہ دونوں بدبو اس میں مخل نہیں ہوتیں مگر جب کہ کسی بیماری کے سبب ہوں کیونکہ بیماری تو عیب ہے نہ کہ غلام کا اس لئے کہ باندی میں یہ چیزیں مقصود کے حوالے سے مخل بنتی ہیں اور غلام میں یہ مخل بالمقصود نہیں ہوتیں مگر جب کہ زنا کرنا غلام کی فطرت بن چکی ہو کیونکہ اس کے لڑکیوں کے پیچھے لگے رہنے سے خدمت کرنے میں خلل واقع ہوگا۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ منہ کی بدبو یا بغل میں بو ہونا لونڈی میں عیب ہے غلام میں نہیں، مگر جبکہ بہت زیادہ ہو تو غلام میں بھی عیب ہے اور اگر دانت مانجھے نہیں اس وجہ سے منہ سے بو آتی ہے، منجن مسواک سے بو زائل ہو جائے گی، یہ عیب نہیں۔ ناف کے نیچے پیڑو کا پھولا ہونا، لونڈی غلام دونوں میں عیب ہے۔ لونڈی کی شرمگاہ میں گوشت یا ہڈی کا پیدا ہو جانا جس کی وجہ سے وطی نہ ہو سکے، عیب ہے۔ اسی طرح آگے کا مقام بند ہونا بھی عیب ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

غلام و باندی میں کفر کے عیب ہونے کا بیان

قَالَ (وَالْكُفْرُ عَيْبٌ فِيهِمَا) ؛ لِأَنَّ طَبْعَ الْمُسْلِمِ يَنْفِرُ عَنْ صُحْبَتِهِ ؛ وَلِأَنَّهُ يَمْتَنِعُ صَرْفُهُ فِي بَعْضِ الْكَفَّارَاتِ فَتَخْتَلُّ الرَّغْبَةُ، فَلَوْ اشْتَرَاهُ عَلَى أَنَّهُ كَافِرٌ فَوَجَدَهُ مُسْلِمًا لَا يَرُدُّهُ ؛ لِأَنَّهُ زَوَالُ الْعَيْبِ .

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يَرُدُّهُ ؛ لِأَنَّ الْكَافِرَ يُسْتَعْمَلُ فِيمَا لَا يُسْتَعْمَلُ فِيهِ الْمُسْلِمُ، وَفَوَاتُ الشَّرْطِ بِمَنْزِلَةِ الْعَيْبِ .

(قَالَ : فَلَوْ كَانَتْ الْجَارِيَةُ بَالِغَةً لَا تَحِيضُ أَوْ هِيَ مُسْتَحَاضَةٌ فَهُوَ عَيْبٌ) ؛ لِأَنَّ ارْتِفَاعَ الدَّمِ وَاسْتِمْرَارَهُ عَلَامَةُ الدَّاءِ، وَيُعْتَبَرُ فِي الِارْتِفَاعِ أَقْصَى غَايَةِ الْبُلُوغِ وَهُوَ سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً فِيهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَيُعْرَفُ ذَلِكَ بِقَوْلِ الْأَمَةِ فَتُرَدُّ إذَا انْضَمَّ إلَيْهِ نُكُولُ الْبَائِعِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَبَعْدَهُ وَهُوَ الصَّحِيحُ .

ترجمہ

فرمایا کہ کفر غلام اور باندی دونوں میں عیب ہے اس لئے کہ مسلمان کی طبیعت کافر کی صحبت سے نفرت کرتی ہے اور اس لئے بھی کہ بعض کفارات میں کافر کو دینا ممتنع ہے لہذا رغبت میں خلل ہوگا پھر اگر غلام کو اس شرط پر خریدا کہ وہ کافر ہے اور اسے مسلمان پایا تو مشتری اسے واپس نہیں کرسکتا اس لئے کہ یہ عیب کا زائل ہونا ہے اور امام شافعی کے نزدیک واپس کرسکتا ہے کیونکہ کافر کو ان چیزوں صرف کیا جا سکتا ہے جن میں مسلمان کو نہیں کیا جا سکتا اور شرط کا فوت ہونا عیب کے درجے میں ہے۔

فرمایا کہ اگر باندی بالغ ہو مگر اسے حیض نہ آتا ہو یا وہ مستحاضہ رہتی ہو تو یہ عیب ہے کیونکہ خون کا بند ہونا اور اس کا مسلسل آنا دونوں بیماری کی علامت ہیں خون بند ہونے کے سلسلے میں بلوغ کی آخری حد کا اعتبار ہوگا اور باندی میں یہ غایت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک سترہ سال ہے اور خون کا بند ہونا باندی ہی کی بات سے معلوم ہوگا لہذا اگر اس کی بات کیساتھ بائع کا انکار بھی مل جائے تو اسے واپس کردیا جائے گا چاہے قبضہ سے پہلے ہو یا قبضہ کے بعد یہی صحیح ہے۔

بدمذہب کے عیب ہونے کا بیان

صاحب فتاوٰی ہندیہ لکھتے ہیں اور کافر ہونا لونڈی غلام دونوں میں عیب ہے۔ اسی طرح بدمذہب ہونا بھی عیب ہے۔ لونڈی کی عمر پندرہ سال کی ہو اور حیض نہ آئے یہ عیب ہے اور اگر صغرسنی یا کبرسنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو عیب نہیں۔ یہ بات کہ حیض نہیں آتا یہ خود اُسی لونڈی کے کہنے سے معلوم ہوگی اور اگر بائع کہتا ہے کہ اسے حیض آتا ہے تو اُسے قسم دیں گے، اگر قسم کھالے بائع کا قول معتبر

ہےاور قسم سے انکار کرے تو عیب ثابت ہے۔استحاضہ بھی عیب ہے۔ پرانی کھانسی عیب ہے،معمولی کھانسی عیب نہیں ہے۔
(فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

مشتری کے پاس مبیع میں عیب پیدا ہونے کا بیان

(قَالَ :وَإِذَا حَدَثَ عِنْدَ الْمُشْتَرِيَ عَيْبٌ فَاطَّلَعَ عَلَى عَيْبٍ كَانَ عِنْدَ الْبَائِعِ فَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ بِالنُّقْصَانِ وَلَا يَرُدُّ الْمَبِيعَ) ؛لِأَنَّ فِي الرَّدِّ إضْرَارًا بِالْبَائِعِ ؛لِأَنَّهُ خَرَجَ عَنْ مِلْكِهِ سَالِمًا، وَيَعُودُ مَعِيبًا فَامْتَنَعَ، وَلَا بُدَّ مِنْ دَفْعِ الضَّرَرِ عَنْهُ فَتَعَيَّنَ الرُّجُوعُ بِالنُّقْصَانِ إلَّا أَنْ يَرْضَى الْبَائِعُ أَنْ يَأْخُذَهُ بِعَيْبِهِ ؛لِأَنَّهُ رَضِيَ بِالضَّرَرِ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب مشتری کے پاس مبیع میں عیب پیدا ہوگیا اور مشتری کسی ایسے عیب پر بھی مطلع ہوا جو بائع کے پاس تھا تو مشتری کو نقصان عیب کے ساتھ بائع پر رجوع کرنے کا اختیار ہوگا مشتری مبیع نہیں مبیع واپس کرسکتا اس لئے کہ مبیع واپس کرنے میں بائع کا نقصان ہے کیونکہ بائع کی ملکیت سے مبیع صحیح سالم نکلی تھی اور رد کی صورت میں معیوب ہوکر لوٹے گی لہذا رد ممتنع ہوگا اور مشتری سے بھی نقصان دور کرنا ضروری ہے لہذا رجوع بالنقصان متعین ہے مگر جب کہ بائع عیب کیساتھ مبیع واپس لینے پر راضی ہو کیونکہ وہ نقصان پر راضی ہے۔

اسباب کی قیمت پھیرنے میں فقہی مذاہب

امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے خبر دی، انہیں عبداللہ بن دینار نے اور انہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہ ایک شخص (حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ اکثر خرید وفروخت میں دھوکہ کھا جاتے ہیں۔اس پر آپ نے ان سے فرمایا کہ جب تم کسی چیز کی خرید وفروخت کرو تو یوں کہہ دیا کرو کہ بھائی دھوکہ اور فریب کا کام نہیں۔

(بخاری، رقم الحدیث، ۲۱۱۷)

امام بیہقی کی روایت میں اتنا زیادہ ہے اور جو چیز خریدے اس میں تجھے تین دن تک اختیار ہوگا۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ حکم دیا ہے کہ اگر کسی شخص کو اسباب کی قیمت معلوم نہ ہو، اور وہ تہائی قیمت زیادہ دے یا ایک سدس تو وہ اسباب بائع کو پھیر سکتا ہے اور حنفیہ اور شافعیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

یہ حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ صحابی تھے، جنگ احد میں ان کے سر میں زخم آیا تھا، جس کی وجہ سے ان کی عقل میں نقص آ گیا۔

خرید شدہ کپڑے کے کٹ جانے کے بعد عیب کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى ثَوْبًا فَقَطَعَهُ فَوَجَدَ بِهِ عَيْبًا رَجَعَ بِالْعَيْبِ) ؛لِأَنَّهُ امْتَنَعَ الرَّدُّ بِالْقَطْعِ

فَإِنَّهُ عَيْبٌ حَادِثٌ (فَإِنْ قَالَ الْبَائِعُ :أَنَا أَقْبَلُهُ كَذَلِكَ كَانَ لَهُ ذَلِكَ) ؛ لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ لِحَقِّهِ وَقَدْ رَضِيَ بِهِ (فَإِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِي لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ) ؛ لِأَنَّ الرَّدَّ غَيْرُ مُمْتَنِعٍ بِرِضَا الْبَائِعِ فَيَصِيرُ هُوَ بِالْبَيْعِ حَابِسًا لِلْمَبِيعِ فَلَا يَرْجِعُ بِالنُّقْصَانِ (فَإِنْ قَطَعَ الثَّوْبَ وَخَاطَهُ أَوْ صَبَغَهُ أَحْمَرَ، أَوْ لَتَّ السَّوِيقَ بِسَمْنٍ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلَى عَيْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهِ) لِامْتِنَاعِ الرَّدِّ بِسَبَبِ الزِّيَادَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا وَجْهَ إلَى الْفَسْخِ فِي الْأَصْلِ بِدُونِهَا ؛ لِأَنَّهَا لَا تَنْفَكُّ عَنْهُ، وَلَا وَجْهَ إلَيْهِ مَعَهَا ؛ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ لَيْسَتْ بِمَبِيعَةٍ فَامْتَنَعَ أَصْلًا (وَلَيْسَ لِلْبَائِعِ أَنْ يَأْخُذَهُ) ؛ لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ لِحَقِّ الشَّرْعِ لَا لِحَقِّهِ (فَإِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِي بَعْدَمَا رَأَى الْعَيْبَ رَجَعَ بِالنُّقْصَانِ) لِأَنَّ الرَّدَّ مُمْتَنِعٌ أَصْلًا قَبْلَهُ فَلَا يَكُونُ بِالْبَيْعِ حَابِسًا لِلْمَبِيعِ، وَعَنْ هَذَا (قُلْنَا :إنَّ مَنْ اشْتَرَى ثَوْبًا فَقَطَعَهُ لِبَاسًا لِوَلَدِهِ الصَّغِيرِ وَخَاطَهُ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلَى عَيْبٍ لَا يَرْجِعُ بِالنُّقْصَانِ، وَلَوْ كَانَ الْوَلَدُ كَبِيرًا يَرْجِعُ ؛ لِأَنَّ التَّمْلِيكَ حَصَلَ فِي الْأَوَّلِ قَبْلَ الْخِيَاطَةِ، وَفِي الثَّانِي بَعْدَهَا بِالتَّسْلِيمِ إلَيْهِ).

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی شخص نے کوئی کپڑا خرید کر اسے کاٹ دیا پھر اس میں عیب پایا تو وہ نقصان عیب کیساتھ رجوع کرے گا کیونکہ کاٹنے کیوجہ سے واپس کرنا ناممکن ہو گیا اس لئے کہ قطع ایک نیا عیب ہے پھر اگر بائع یوں کہے کہ میں اسی طرح مقطوع مقبول کرتا ہوں تو اسے یہ حق ہوگا کیونکہ واپسی کا امتناع اسی کے حق کی وجہ سے تھا حالانکہ وہ معیوب کپڑا لینے پر راضی ہے لیکن جب مشتری نے اس کپڑے کو بیچ دیا تو بائع سے کوئی چیز واپس نہیں لے سکتا اس لئے کہ بائع کی رضامندی سے رد غیر ممتنع تھا لہذا بیع کے ذریعے مشتری مبیع کو روکنے والا ہو گیا اس لئے وہ رجوع بالنقصان بھی نہیں کر سکتا پھر جب مشتری نے کپڑے کو کاٹ کر اسے سلا لیا یا سرخ رنگ میں رنگا لیا یا ستو کو گھی میں ملا لیا پھر کسی عیب پر مطلع ہوا تو رجوع بالنقصان کرے گا اس کہ زیادتی کے سبب واپس کرنا ناممکن ہے کیونکہ زیادتی کے بغیر اصل کو فسخ کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ زیادتی مبیع نہیں ہے لہذا واپس کرنا تو بالکل ہی محال ہے اور بائع کو زیادتی کیساتھ مبیع لینے کا اختیار نہیں ہوگا اسلئے کہ واپسی کا ناممکن ہونا حق شرع کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کے حق کی وجہ سے پھر جب عیب دیکھنے کے بعد مشتری نے مبیع کو بیچ دیا تو وہ رجوع بالنقصان کرے گا کیونکہ اس کے بیچنے سے پہلے ہی واپسی ناممکن تھی لہذا مبیع کے ذریعے وہ مبیع کو روکنے والا نہیں ہوگا اور یہیں سے ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جس نے کپڑا خرید کر اسے اپنے چھوٹے بچے

کیلئے لباس کاٹ دیا اور اس کو سلا لیا پھر کسی عیب پر مطلع ہوا تو رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا اور اگر بچہ بڑا ہو تو رجوع کرسکتا ہے اس لئے کہ پہلی صورت میں سلنے سے پہلے ہی تملیک حاصل ہوگئی اور دوسری صورت میں سلائی اور لڑکے کو سپرد کرنے کے بعد تملیک حاصل ہوئی ہے۔

شرح

جب خریدی ہوئی چیز ایک ہو جیسے ایک کپڑا یا غلام، پھر قبضہ سے پہلے یا بعد اس کے بعض میں استحقاق ثابت ہوگیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو باقی کو اس کے حصہ کی قیمت کے بدلے میں لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے الخ اور اس کو محیط کی طرف منسوب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ کپڑا قیمتی مذروع ہے، ردالمحتار میں کہا کہ اگر مذروع کو بیچا جیسے کپڑا اور زمین بے شک اسکے بعض میں استحقاق ثابت ہونے کی صورت میں باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لینے کا حکم کیا گیا ہے۔

(فتاوٰی ہندیہ، کتاب البیوع، نورانی کتب خانہ پشاور)

بعض مبیع میں استحقاق ثابت ہوگیا تو (دیکھیں گے کہ) اگر وہ بلا نقصان جدا نہیں ہوسکتا جیسے مکان، انگور کی بیل، زمین، موزوں کا جوڑا اور ایک دروازے کے دو پٹ تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ملے گا ورنہ نہیں، پھر اگر استحقاق باقی مبیع میں عیب پیدا کردے تو مشتری کو اختیار ملے گا جیسا کہ گزر چکا ہے اور اگر وہ عیب پیدا نہ کرے جیسے دو کپڑوں میں سے ایک میں استحقاق ثابت ہوجائے تو مشتری باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے گا اس صورت میں اس کو اختیار نہیں ملے گا۔

(جامع الفصولین، الفصل السادس عشر، اسلامی کتب خانہ کراچی)

مشتری کے پاس غلام کے فوت ہوجانے کے بعد عیب کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى عَبْدًا فَأَعْتَقَهُ أَوْ مَاتَ عِنْدَهُ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلَى عَيْبٍ رَجَعَ بِنُقْصَانِهِ) أَمَّا الْمَوْتُ ؛ فَلِأَنَّ الْمِلْكَ يَنْتَهِي بِهِ وَالِامْتِنَاعُ حُكْمِيٌّ لَا يَفْعَلُهُ، وَأَمَّا الْإِعْتَاقُ فَالْقِيَاسُ فِيهِ أَنْ لَا يَرْجِعَ ؛ لِأَنَّ الِامْتِنَاعَ بِفِعْلِهِ فَصَارَ كَالْقَتْلِ، وَفِي الِاسْتِحْسَانِ : يَرْجِعُ ؛ لِأَنَّ الْعِتْقَ إنْهَاءُ الْمِلْكِ ؛ لِأَنَّ الْآدَمِيَّ مَا خُلِقَ فِي الْأَصْلِ مَحَلًّا لِلْمِلْكِ، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ الْمِلْكُ فِيهِ مُوَقَّتًا إلَى الْإِعْتَاقِ فَكَانَ إنْهَاءً فَصَارَتْ كَالْمَوْتِ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الشَّيْءَ يَتَقَرَّرُ بِانْتِهَائِهِ فَيُجْعَلُ كَأَنَّ الْمِلْكَ بَاقٍ وَالرَّدُّ مُتَعَذِّرٌ .

وَالتَّدْبِيرُ وَالِاسْتِيلَادُ بِمَنْزِلَتِهِ ؛ لِأَنَّهُ تَعَذَّرَ النَّقْلُ مَعَ بَقَاءِ الْمَحَلِّ بِالْأَمْرِ الْحُكْمِيِّ (وَإِنْ أَعْتَقَهُ عَلَى مَالٍ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ) لِأَنَّهُ حَبَسَ بَدَلَهُ وَحَبْسُ الْبَدَلِ كَحَبْسِ الْمُبْدَلِ .وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : أَنَّهُ يَرْجِعُ ؛ لِأَنَّهُ إنْهَاءٌ لِلْمِلْكِ وَإِنْ كَانَ بِعِوَضٍ .

ترجمہ

فرمایا کہ جب کسی شخص نے کوئی غلام خرید کر اسے آزاد کر دیا یا وہ غلام مشتری کے پاس مرگیا پھر مشتری کسی عیب پر مطلع ہوا تو وہ رجوع بہ نقصان العیب کرے گا البتہ موت تو اس وجہ سے کہ ملکیت تام ہوجاتی ہے اور امتناع رد غیر اختیاری ہوتا ہے مشتری کے فعل سے نہیں ہوتا اور جہاں تک اعتاق کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مشتری رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ امتناع رد مشتری کے فعل سے ہوتا ہے لہذا یہ قتل کے مشابہ ہوگیا اور استحسان میں رجوع کرسکتا ہے اس لئے کہ عتق میں بھی ملکیت تام ہوجاتی ہے کیونکہ اصل خلقت میں آدمی محل ملک نہیں ہے اور غلام صرف ایک محدود وقت یعنی اعتاق تک ملکیت ثابت ہوتی ہے لہذا اعتاق کمال ملک بن کر موت کے مشابہ ہوگیا اور یہ حکم اس لئے ہے کہ شیء اپنی انتہاء کو پہنچ کر ثابت ہوجاتی ہے لہذا ایسا فرض کرلیا گیا کہ گویا ملکیت باقی ہے اور واپسی ناممکن ہے اور مدبر بنانا اور ام ولد بنانا اعتاق کے درجے میں کیونکہ بقائے محل کیساتھ انتقال ملک دشوار ہونا امر غیر ختیاری کی وجہ سے ہے اور اگر مشتری نے مال کے عوض غلام کو آزاد کیا تو وہ رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ اس نے مبیع کا بدل روک لیا ہے اور بدل کا روکنا مبدل کو روکنے کی طرح ہے حضرت امام اعظم سے منقول ہے کہ اس صورت میں بھی مشتری رجوع کرسکتا کیونکہ اعتاق ملکیت کو منتہی کرنا ہے ہر چند کہ عوض کیساتھ ہو۔

بعد از موت رجوع بہ نقصان میں فقہی مذاہب

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کوئی غلام خرید کر اسے آزاد کر دیا یا وہ غلام مشتری کے پاس مرگیا پھر مشتری کسی عیب پر مطلع ہوا تو وہ رجوع بہ نقصان العیب کرے گا۔ حضرت امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہی ہے۔ جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مشتری کا حبس ایسے ہے گویا اس نے بدل کا حبس کیا اور بدل کا حبس مبدل کے حبس کی طرح ہوتا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

خیار عیب کی صورت میں مشتری مبیع کا مالک ہوجاتا ہے مگر ملک لازم نہیں ہوتی اور اس میں وراثت بھی جاری ہوتی ہے یعنی اگر مشتری کو عیب کا علم نہ ہوا اور مرگیا اور وارث کو عیب پر اطلاع ہوئی تو اُسے عیب کی وجہ سے فسخ کا حق حاصل ہوگا۔ خیار عیب کے لیے کسی وقت کی تحدید نہیں جب تک موانع رد نہ پائے جائیں، یہ حق باقی رہتا ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب بیوع)

مشتری کا غلام کو قتل کر دینے کا بیان

(فَإِنْ قَتَلَ الْمُشْتَرِي الْعَبْدَ أَوْ كَانَ طَعَامًا فَأَكَلَهُ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَمَّا الْقَتْلُ فَالْمَذْكُورُ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَرْجِعُ) لِأَنَّ قَتْلَ الْمَوْلَى عَبْدَهُ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ حُكْمٌ دُنْيَاوِيٌّ فَصَارَ كَالْمَوْتِ حَتْفَ أَنْفِهِ فَيَكُونُ إنْهَاءً .

وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْقَتْلَ لَا يُوجَدُ إلَّا مَضْمُونًا ، وَإِنَّمَا يَسْقُطُ الضَّمَانُ هَاهُنَا بِاعْتِبَارِ

الْمِلْكِ فَيَصِيرُ كَالْمُسْتَفِيدِ بِهِ عِوَضًا، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُوجِبُ الضَّمَانَ لَا مَحَالَةَ كَإِعْتَاقِ الْمُعْسِرِ عَبْدًا مُشْتَرَكًا، وَأَمَّا الْأَكْلُ فَعَلَى الْخِلَافِ، فَعِنْدَهُمَا يَرْجِعُ وَعِنْدَهُ لَا يَرْجِعُ اسْتِحْسَانًا، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إذَا لَبِسَ الثَّوْبَ حَتَّى تَخَرَّقَ لَهُمَا أَنَّهُ صَنَعَ فِي الْمَبِيعِ مَا يُقْصَدُ بِشِرَائِهِ وَيُعْتَادُ فِعْلُهُ فِيهِ فَأَشْبَهَ الْإِعْتَاقَ.

وَلَهُ أَنَّهُ تَعَذَّرَ الرَّدُّ بِفِعْلٍ مَضْمُونٍ مِنْهُ فِي الْمَبِيعِ فَأَشْبَهَ الْبَيْعَ وَالْقَتْلَ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِكَوْنِهِ مَقْصُودًا ؛ أَلَا يَرَى أَنَّ الْبَيْعَ مِمَّا يُقْصَدُ بِالشِّرَاءِ ثُمَّ هُوَ يَمْنَعُ الرُّجُوعَ، فَإِنْ أَكَلَ بَعْضَ الطَّعَامِ ثُمَّ عَلِمَ بِالْعَيْبِ فَكَذَا الْجَوَابُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّ الطَّعَامَ كَشَيْءٍ وَاحِدٍ فَصَارَ كَبَيْعِ الْبَعْضِ، وَعِنْدَهُمَا أَنَّهُ يَرْجِعُ بِنُقْصَانِ الْعَيْبِ فِي الْكُلِّ، وَعَنْهُمَا أَنَّهُ يَرُدُّ مَا بَقِيَ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَضُرُّهُ التَّبْعِيضُ.

ترجمہ

فرمایا کہ جب مشتری نے غلام کو قتل کر دیا یا مبیع کھانا تھا اسے کھالیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مشتری کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا رہا قتل کرنا تو قدوری میں مذکور ظاہر الروایہ ہے لیکن امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ مشتری رجوع کر سکتا ہے اس لئے کہ آقا کا اپنے غلام کو قتل کرنے سے کوئی دنیاوی حکم متعلق نہیں ہوتا لہذا یہ اپنی موت مرنے کے مشابہ ہو گیا اس لئے یہ انہاء ملک ہو جائے گا اور ظاہر الروایہ کی دلیل یہ ہے کہ ضمان کے بغیر قتل کا وجود ہی معدوم ہے اور یہاں صرف ملکیت کی وجہ سے ضمان ساقط ہو رہا ہے لہذا آقا عوض دیگر غلام سے استفادہ کرنے والے کی طرح ہو گیا برخلاف اعتاق کے اس لئے کہ اعتاق بالیقین موجب ضمان نہیں ہے جیسا کہ تنگ دست آدمی کا عبد مشترک کو آزاد کرنا رہا مسئلہ کھانے کا تو وہ بھی مختلف فیہ ہے صاحبین کے نزدیک مشتری کو رجوع کا حق حاصل ہوگا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک استحسانا حق رجوع حاصل نہیں ہوگا اور اسی اختلاف پر ہے کہ جب مشتری نے کپڑے کو پہنا اور وہ پھٹ گیا صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مشتری نے مبیع میں ایسا تصرف کر دیا ہے جو شراء کے قصد سے کیا جاتا ہے اور مبیع میں اس کا کرنا معتاد ہوتا ہے لہذا یہ اعتاق کے مشابہ ہو گیا اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ مشتری کی جانب سے مبیع میں موجب ضمان فعل کی وجہ سے اس کا واپس کرنا ناممکن ہو گیا لہذا یہ مبیع کو بیچنے اور غلام کو قتل کرنے کے مشابہ ہو گیا اور اکل وغیرہ کے مقصود ہو کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیا دیکھتے نہیں کہ بیع ان چیزوں میں سے ہے جن سے شراء مقصود ہوتا ہے پھر وہ رجوع بالنقصان سے مانع بن جاتی ہے پھر جب مشتری کو تھوڑا سا کھانے کے بعد عیب کی اطلاع ہوئی تو بھی امام

اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں یہی جواب ہے اس لئے کہ کھانا شیء واحد کے درجے میں ہے لہذا یہ بعض کی بیع کی مانند ہو گیا اور صاحبین کے نزدیک پورے طعام میں نقصان عیب لے گا اور انہی سے منقول ہے کہ مشتری مابقیہ واپس کردے گا اس لئے کہ ٹکڑے ٹکڑے کرنا طعام کیلئے مضر نہیں ہے۔

قتل غلام پر رجوع کرنے میں فقہی مذاہب

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مشتری نے غلام کو قتل کر دیا یا مبیع کھانا تھا اسے کھالیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مشتری کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا رہا قتل کرنا تو قدوری میں مذکور ظاہر الروایہ ہے لیکن امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ مشتری رجوع کرسکتا ہے۔ صاحب ینابیع لکھتے ہیں کہ امام محمد علیہ الرحمہ کا موقف بھی اس مسئلہ میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے ساتھ ہے اور امام شافعی اور امام احمد علیہما الرحمہ کا مذہب بھی اسی طرح ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۴، ص ۲۴۵، بیروت)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب کسی شخص نے غلام خریدا اور اُس پر قبضہ بھی کرلیا وہ کسی ایسے جُرم کی وجہ سے قتل کیا گیا جو بائع کے یہاں اُس نے کیا تھا تو پورا ثمن بائع سے واپس لے گا اور اگر اُس کا ہاتھ کاٹا گیا اور جرم بائع کے یہاں کیا تھا تو مشتری کو اختیار ہے کہ اُس کو واپس کردے یا رکھ لے اور آدھا ثمن واپس لے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

سبزیوں وغیرہ کی بیع کے بطلان کا بیان

(قَالَ :وَمَنْ اشْتَرَى بَيْضًا أَوْ بِطِّيخًا أَوْ قِثَّاءً أَوْ خِيَارًا أَوْ جَوْزًا فَكَسَرَهُ فَوَجَدَهُ فَاسِدًا فَإِنْ لَمْ يَنْتَفِعْ بِهِ رَجَعَ بِالثَّمَنِ كُلِّهِ) ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالٍ فَكَانَ الْبَيْعُ بَاطِلًا، وَلَا يُعْتَبَرُ فِي الْجَوْزِ صَلَاحُ قِشْرِهِ عَلَى مَا قِيلَ لِأَنَّ مَالِيَّتَهُ بِاعْتِبَارِ اللُّبِّ (وَإِنْ كَانَ يَنْتَفِعُ بِهِ مَعَ فَسَادِهِ لَمْ يَرُدَّهُ) ؛ لِأَنَّ الْكَسْرَ عَيْبٌ حَادِثٌ (وَ) لَكِنَّهُ (يَرْجِعُ بِنُقْصَانِ الْعَيْبِ) دَفْعًا لِلضَّرَرِ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ .وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَرُدُّهُ ؛ لِأَنَّ الْكَسْرَ بِتَسْلِيطِهِ .

قُلْنَا :التَّسْلِيطُ عَلَى الْكَسْرِ فِي مِلْكِ الْمُشْتَرِي لَا فِي مِلْكِهِ فَصَارَ كَمَا إذَا كَانَ ثَوْبًا فَقَطَعَهُ، وَلَوْ وَجَدَ الْبَعْضَ فَاسِدًا وَهُوَ قَلِيلٌ جَازَ الْبَيْعُ اسْتِحْسَانًا ؛ لِأَنَّهُ لَا يَخْلُو عَنْ قَلِيلٍ فَاسِدٍ .

وَالْقَلِيلُ مَا لَا يَخْلُو عَنْهُ الْجَوْزُ عَادَةً كَالْوَاحِدِ وَالِاثْنَيْنِ فِي الْمِائَةِ، وَإِنْ كَانَ الْفَاسِدُ كَثِيرًا لَا يَجُوزُ وَيَرْجِعُ بِكُلِّ الثَّمَنِ ؛ لِأَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَ الْمَالِ وَغَيْرِهِ فَصَارَ كَالْجَمْعِ بَيْنَ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ .

ترجمہ

فرمایا کہ جس شخص نے انڈا یا خربوزہ یا ککڑی یا کھیرا، یا اخروٹ خرید کر اسے توڑا اور خراب پایا تو جب قابل انتفاع نہ ہو تو مشتری پورا ثمن واپس لے گا، کیونکہ وہ فاسد مال نہیں ہے لہذا بیع باطل ہوگئی اور اخروٹ میں اسکے چھلکے کی درستگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے جیسا کہ کہا گیا ہے اس لئے کہ اخروٹ کی مالیت میں مغز اور گودے کا اعتبار ہوتا ہے اور جب خراب ہونے کے باوجود وہ قابل انتفاع ہو تو مشتری اسے واپس نہیں کرسکتا اس لئے کہ توڑ نا ث ایک عیب جدید ہے البتہ نقصان کو دور کرنے کے پیش نظر بقدر امکان مشتری رجوع بہ نقصان العیب کرے گا اور امام شافعی نے فرمایا کہ مشتری اسے واپس کردے گا کیونکہ اس کا توڑنا بائع کی قدرت کی دینے سے ہوا ہے ہم کہتے ہیں کہ توڑنے پر قدرت دینا مشتری کی ملکیت میں ہے نہ کہ بائع کی تو یہ ایسا ہوگا کہ مبیع کپڑا تھی اور مشتری نے اسے کاٹ دیا اور جب مبیع کا کچھ حصہ خراب ہو اور وہ تھوڑا ہو تو استحسانا مبیع درست ہے کیونکہ بیع معمولی خرابی سے خالی نہیں ہوتی اور قلیل وہ ہے جس سے عادتا اخروٹ خالی نہیں ہوتے جیسے سو میں اکا دکا اور جب خراب مبیع زیادہ ہو تو بیع جائز نہیں ہے اور مشتری پورا ثمن واپس لے گا کیونکہ بائع نے مال اور غیر مال دونوں کو جمع کر دیا لہذا یہ آزاد اور اپنے غلام کو جمع کرنے کی طرح ہوگیا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے انڈا خریدا، توڑا تو گندہ نکلا، کل دام واپس ہونگے کہ وہ بیکار چیز ہے بیع کے قابل نہیں ہاں شتر مرغ کا انڈا جس میں چھلکا مقصود ہوتا ہے اکثر لوگ اُسے زینت کی غرض سے رکھتے ہیں اُس کی بیع باطل نہیں عیب کا نقصان لے سکتا ہے۔ خربزہ۔ تربز۔ کھیرا خریدا اور کاٹا تو خراب نکلا یا بادام، اخروٹ خریدا توڑنے پر معلوم ہوا کہ خراب ہے مگر باوجود خرابی کام کے لائق ہے کم سے کم یہ کہ جانور ہی کے کھلانے میں کام آسکتا ہے تو واپس نہیں کرسکتا نقصان لے سکتا ہے اور اگر بائع کٹے ہوئے یا ٹوٹے ہوئے کو واپس لینے پر طیار ہے تو واپس کردے نقصان نہیں لے سکتا۔ اور اگر عیب معلوم ہو جانے کے بعد کچھ بھی کھالیا تو نقصان بھی نہیں لے سکتا۔ اور اگر چکھا اور عیب معلوم ہونے کے بعد چھوڑ دیا کچھ نہ کھایا تو نقصان لے سکتا ہے۔ اور اگر کاٹنے توڑنے سے پہلے ہی مشتری کو عیب معلوم ہوگیا تو اُسی حالت میں واپس کردے کاٹے توڑے گا تو نہ واپس کرسکتا ہے نہ نقصان لے سکتا ہے۔ اور اگر کاٹنے توڑنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ چیزیں بالکل بیکار ہیں مثلاً کھیرا کڑوا ہے یا بادام۔ اخروٹ میں گری نہیں ہے۔ تربز یا خربزہ سڑا ہوا ہے تو پورے دام واپس لے بیع باطل ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

مشتری کا غلام کو فروخت کرنے بعد عیب کا بیان

(قَالَ :وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا فَبَاعَهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ رُدَّ عَلَيْهِ بِعَيْبٍ فَإِنْ قَبِلَ بِقَضَاءِ الْقَاضِي بِإِقْرَارٍ أَوْ بَيِّنَةٍ أَوْ بِإِبَاءِ يَمِينٍ لَهُ أَنْ يَرُدَّهُ عَلَى بَائِعِهِ) ؛ لِأَنَّهُ فَسْخٌ مِنْ الْأَصْلِ فَجَعَلَ الْبَيْعَ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّهُ أَنْكَرَ قِيَامَ الْعَيْبِ لَكِنَّهُ صَارَ مُكَذَّبًا شَرْعًا بِالْقَضَاءِ ،

وَمَعْنَى الْقَضَاءِ بِالْإِقْرَارِ أَنَّهُ أَنْكَرَ الْإِقْرَارَ فَأُثْبِتَ بِالْبَيِّنَةِ، وَهَذَا بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالْبَيْعِ إِذَا رُدَّ عَلَيْهِ بِعَيْبٍ بِالْبَيِّنَةِ حَيْثُ يَكُونُ رَدًّا عَلَى الْمُوَكِّلِ ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ هُنَاكَ وَاحِدٌ وَالْمَوْجُودُ هَاهُنَا بَيْعَانِ، فَيُفْسَخُ الثَّانِي وَالْأَوَّلُ لَا يَنْفَسِخُ (وَإِنْ قَبِلَ بِغَيْرِ قَضَاءِ الْقَاضِي لَيْسَ لَهُ أَنْ يَرُدَّهُ) ؛ لِأَنَّهُ بَيْعٌ جَدِيدٌ فِي حَقِّ ثَالِثٍ وَإِنْ كَانَ فَسْخًا فِي حَقِّهِمَا وَالْأَوَّلُ ثَالِثُهُمَا (وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ :وَإِنْ رُدَّ عَلَيْهِ بِإِقْرَارِهِ بِغَيْرِ قَضَاءٍ بِعَيْبٍ لَا يَحْدُثُ مِثْلُهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يُخَاصِمَ الَّذِي بَاعَهُ) وَبِهَذَا يَتَبَيَّنُ أَنَّ الْجَوَابَ فِيمَا يَحْدُثُ مِثْلُهُ وَفِيمَا لَا يَحْدُثُ سَوَاءٌ .

وَفِي بَعْضِ رِوَايَاتِ الْبُيُوعِ :إِنْ كَانَ فِيمَا لَا يَحْدُثُ مِثْلُهُ يَرْجِعُ بِالنُّقْصَانِ لِلتَّيَقُّنِ بِقِيَامِ الْعَيْبِ عِنْدَ الْبَائِعِ الْأَوَّلِ .

ترجمہ

فرمایا:اور جب کسی شخص نے کسی غلام کو بیچا اس کے بعد مشتری نے بھی اس غلام کو آگے بیچ دیا اور اس کے بعد وہ غلام کسی عیب کی وجہ مشتری کو واپس کر دیا گیا اب اگر مشتری نے قاضی کے حکم سے اس غلام کی واپسی کو قبول کیا ہے اگر چہ وہ اقرار کے سبب ہو یا گواہی سے یا قسم سے انکار کی وجہ سے ہے تو پہلے مشتری کو اپنے بائع کو واپس کرنے کا اختیار ہے کیونکہ یہ اصل سے فسخ ہے۔پس دوسری بیع ایسے سمجھ لیا جائے گا گویا وہ ہوئی ہی نہیں ہے۔اور غالب طور پر یہ کہہ دیا جائے گا پہلے مشتری نے عیب کا انکار کیا ہے۔جبکہ قاضی کے فیصلے سے وہ شرعی طور پر جھوٹا ثابت ہو گیا ہے۔

اور قضاء بہ اقرار کا حکم یہ ہے کہ مشتری نے عیب کے اقرار سے انکار کیا ہے پس اسکو گواہی کے ذریعے ثابت کر دیا جائے گا۔اور مسئلہ وکیل کے ساتھ والی بیع کے خلاف ہے کیونکہ جب عیب والی بیع کی گواہی سبب اس پر مبیع کو واپس کر دیا جائے حالانکہ وہ موکل پر رد کر دی جائے گی۔کیونکہ وہ ایک ہی مبیع پر ہے جبکہ یہاں پر دو مبیع ہیں۔پس دوسری بیع کو ختم کر دیا جائے گا بیع اول ختم نہ ہو گی اور جب مشتری اول نے دوسرے مشتری کے رد کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر قبول کر لیا ہے۔تو اب اس کو اپنے بائع پر اس بیع کو واپس کرنے کا اختیار نہ ہو گا۔اس لئے کہ تیسرے کے حق میں بیع جدید ہو جائے گی جبکہ ان دونوں کے حق میں فسخ ہے پس پہلا بائع ان دونوں کے حق میں تیسرا ہو گا۔

جامع صغیر میں ہے جب قاضی کے فیصلہ کے مطابق کسی ایسی چیز کو عیب کے سبب واپس کیا گیا ہے جس کی نظیر نہ ہو تو مشتری کو اپنے بائع سے جھگڑا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔اس سے اس اصول کی وضاحت ہو گئی ہے کہ عیب کے معدوم الحدوث اور ممکن

الحدوث دونوں صورتوں میں جواب ایک جیسا ہوگا۔ اور کتاب بیوع کی بعض روایات میں آیا ہے کہ جب عیب معدوم الحدوث ہے تو مشتری اپنے بائع سے عیب والا نقصان واپس لے گا۔ کیونکہ پہلے بائع کے پاس عیب کا ہونا یقینی ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب عیب پر مشتری کو اطلاع قبضہ سے پہلے ہی ہوگئی تو مشتری بطور خود عقد کو فسخ کرسکتا ہے، اس کی ضرورت نہیں کہ قاضی فسخ کا حکم دے تو فسخ ہو سکے بائع کے سامنے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے عقد کو فسخ کردیا یا رد کردیا یا باطل کردیا بائع راضی ہو یا نہ ہو عقد فسخ ہو جائے گا اور اگر مبیع پر قبضہ کر چکا ہے تو بائع کی رضامندی یا قضائے قاضی کے بغیر عقد فسخ نہیں ہوسکتا۔ مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا تھا پھر عیب معلوم ہوا اور بائع کی رضامندی سے عقد فسخ ہوا تو ان دونوں کے حق میں فسخ ہے مگر تیسرے کے حق میں یہ فسخ نہیں بلکہ بیع جدید ہے کہ اس فسخ کے بعد اگر مبیع مکان یا زمین ہے تو شفعہ کرنے والا شفعہ کرسکتا ہے اور اگر قضائے قاضی سے فسخ ہوا تو سب کے حق میں فسخ ہی ہے شفعہ کا حق نہیں پہنچے گا۔

اور خیار عیب کی صورت میں مشتری مبیع کا مالک ہو جاتا ہے مگر ملک لازم نہیں ہوتی اور اس میں وراثت بھی جاری ہوتی ہے یعنی اگر مشتری کو عیب کا علم نہ ہوا اور مر گیا اور وارث کو عیب پر اطلاع ہوئی تو اُسے عیب کی وجہ سے فسخ کا حق حاصل ہوگا۔ خیار عیب کے لیے کسی وقت کی تحدید نہیں جب تک موانع رد نہ پائے جائیں تو یہ حق باقی رہتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

خرید کردہ غلام پر قبضہ کر لینے کے بعد عیب پر مطلع ہونے کا بیان

(قَالَ :وَمَنْ اشْتَرَى عَبْدًا فَقَبَضَهُ فَادَّعَى عَيْبًا لَمْ يُجْبَرْ عَلَى دَفْعِ الثَّمَنِ حَتَّى يَحْلِفَ الْبَائِعُ أَوْ يُقِيمَ الْمُشْتَرِي بَيِّنَةً) لِأَنَّهُ أَنْكَرَ وُجُوبَ دَفْعِ الثَّمَنِ حَيْثُ أَنْكَرَ تَعَيُّنَ حَقِّهِ بِدَعْوَى الْعَيْبِ، وَدَفْعُ الثَّمَنِ أَوَّلًا لِيَتَعَيَّنَ حَقُّهُ بِإِزَاءِ تَعَيُّنِ الْمَبِيعِ ؛ وَلِأَنَّهُ لَوْ قُضِيَ بِالدَّفْعِ فَلَعَلَّهُ يَظْهَرُ الْعَيْبُ فَيَنْتَقِضُ الْقَضَاءُ فَلَا يَقْضِي بِهِ صَوْنًا لِقَضَائِهِ (فَإِنْ قَالَ الْمُشْتَرِي شُهُودِي بِالشَّامِ اُسْتُحْلِفَ الْبَائِعُ وَدَفَعَ الثَّمَنَ) يَعْنِي إذَا حَلَفَ وَلَا يُنْتَظَرُ حُضُورُ الشُّهُودِ ؛ لِأَنَّ فِي الِانْتِظَارِ ضَرَرًا بِالْبَائِعِ، وَلَيْسَ فِي الدَّفْعِ كَثِيرُ ضَرَرٍ بِهِ ؛ لِأَنَّهُ عَلَى حُجَّتِهِ، أَمَّا إذَا نَكَلَ أُلْزِمَ الْعَيْبَ ؛ لِأَنَّهُ حُجَّةٌ فِيهِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے غلام خریدا اور پھر اس پر قبضہ کرلیا اس کے بعد اس نے کسی عیب کا دعویٰ کردیا ہے تو مشتری کو قیمت ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا حتیٰ کہ بائع قسم اٹھائے یا مشتری کوئی گواہی کو پیش کردے۔ کیونکہ مشتری نے جب عیب کو دعویٰ کر کے اپنا معین حق کا انکار کیا ہے تو وہ قیمت کی ادائیگی کے وجوب کا انکار کرنے والا ہے۔ اور ثمن کی ادائیگی کا وجوب اسی سبب سے پہلے ہوتا

ہے کہ مبیع معین کے تقابل میں بائع کا حق متعلق ہو جائے۔

اور یہ بھی دلیل ہے کہ جب قاضی کو ثمن کی ادائیگی کا فیصلہ کر دیا ہے تو ممکن عیب ظاہر ہونے کے سبب وہ ٹوٹ جائے۔لہذا اپنے فیصلے کو حفاظت کے سبب قاضی قیمت دینے والا فیصلہ نہیں کرے گا۔

اور جب مشتری نے اس طرح کہا کہ میرے گواہ شام کے ملک میں ہیں تو اب بائع سے قسم لی جائے گی اور مشتری ثمن ادا کرے گا اور یہ بائع کی قسم اٹھانے کے بعد ہوگا۔اور مشتری کے گواہوں کی حاضری کا انتظار نہ کیا جائے گا کیونکہ ان کے انتظار میں بائع کا نقصان ہے جبکہ ثمن ادا کرنے میں مشتری کا کوئی زیادہ نقصان نہیں ہے اس لئے کہ وہ اپنی دلیل پر باقی ہے ہاں البتہ جب بائع نے انکار کیا ہے تو وہ عیب کو لازم کرے کیونکہ عیب کے ثبوت میں انکار حجت ہے۔

غلام خریدنے کے بعد عیب ظاہر ہونے میں فقہی تصریحات

حضرت سالم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر نے ایک غلام بیچا آٹھ سو درہم کو اور مشتری سے شرط کر لی کہ عیب کی جواب دہی سے میں بری ہوا بعد اس کے مشتری نے کہا غلام کو ایک بیماری ہے تم نے مجھ سے اس کا بیان نہیں کیا تھا پھر دونوں میں جھگڑا ہوا اور گئے عثمان بن عفان کے پاس مشتری بولا کہ انہوں نے ایک غلام میرے ہاتھ بیچا اور اس کو ایک بیماری تھی انہوں نے بیان نہیں کیا عبداللہ بن عمر نے کہا کہ میں نے شرط کر لی تھی عیب کی جواب دہی میں نہ کروں گا حضرت عثمان نے حکم کیا کہ عبداللہ بن عمر حلف کریں میں نے یہ غلام بیچا اور میرے علم میں اس کو کوئی بیماری نہ تھی عبداللہ نے قسم کھالے سے انکار کیا تو وہ غلام پھر آیا عبداللہ پاس اور اس بیماری سے اچھا ہو گیا پھر عبداللہ نے اس کو ایک ہزار پانچ سو درہم کا بیچا۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1195)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ جو شخص خریدے ایک لونڈی کو پھر وہ حاملہ ہو جائے خریدار سے یا غلام خریدے پھر اس کو آزاد کر دے یا کوئی اور امر ایسا کرے جس کے سبب سے اس غلام یا لونڈی کا پھیرنا نہ ہو سکے بعد اس کے گواہ گواہی دیں کہ اس غلام یا لونڈی میں بائع کے پاس سے کوئی عیب تھا یا بائع خود اقرار کرلے کہ میرے پاس یہ عیب تھا یا اور کسی صورت سے معلوم ہو جائے کہ عیب بائع کے پاس ہی تھا تو اس غلام اور لونڈی کی خرید کے روز کے عیب سمیت قیمت لگا کر بے عیب کی بھی قیمت لگا دیں دونوں قیمتوں میں جس قدر فرق ہو اس قدر مشتری بائع سے پھیر لے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک غلام خریدا پھر اس میں ایک عیب پایا جس کی وجہ سے وہ غلام بائع کو پھیر سکتا ہے مگر مشتری کے پاس جب وہ غلام آیا اس میں دوسرا عیب ہو گیا مثلا اس کا کوئی عضو کٹ گیا یا کانا ہو گیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے اس غلام کو رکھ لے اور بائع سے عیب کا نقصان لے لے چاہے غلام کو واپس کر دے اور عیب کا تاوان دے اگر وہ غلام مشتری کے پاس مر گیا تو عیب سمیت قیمت لگا دیں گے خرید کے روز کی مثلا جس دن خریدا تھا اس روز عیب سمیت اس غلام کی قیمت اسی دینار تھی اور بے عیب سو دینار تو مشتری بیس دینار بائع سے مجرا لے گا مگر قیمت اس کی لگائی جائے گی جس دن خریدا تھا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ نزدیک یہ حکم اتفاقی ہے کہ اگر ایک شخص نے لونڈی خریدی پھر عیب کی وجہ سے اسے واپس کر دیا مگر اس سے جماع کر چکا تھا تو اگر وہ لونڈی باکرہ تھی تو جس قدر اس کی قیمت میں نقصان ہو گیا مشتری کو دینا ہوگا اور اگر ثیبہ تھی تو مشتری کو کچھ دینا نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص غلام یا لونڈی یا اور کوئی جانور بیچے یہ شرط لگا کر کہ اگر کوئی عیب نکلے گا تو میں بری ہوں یا بائع عیب کی جواب دہی سے بری ہو جائے گا مگر جب جان بوجھ کر کوئی عیب اس میں ہو اور وہ اس کو چھپائے اگر ایسا کرے گا تو یہ شرط مفید نہ ہوگی اور وہ چیز بائع کو واپس کی جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک لونڈی کو دو لونڈیوں کے بدلے میں بیچا پھر ان دو لونڈیوں میں سے ایک لونڈی میں کچھ عیب نکلا، جس کی وجہ سے وہ پھر سکتی ہے تو پہلے اس لونڈی کی قیمت لگائی جائے گی جس کے بدلے میں یہ دونوں لونڈیاں آئی ہیں پھر ان دونوں لونڈیوں کی بے عیب سمجھ کر قیمت لگا دیں گے پھر اس لونڈی کے زر ثمن کو ان دونوں لونڈیوں کی قیمت پر تقسیم کریں گے ہر ایک کا حصہ جدا ہوگا بے عیب لونڈی کا اس کے موافق اور عیب دار کا اس کے موافق پھر عیب دار لونڈی اس حصہ ثمن کے بدلے میں واپس کی جائے گی قلیل ہو یا کثیر مگر قیمت دو لونڈیوں کی اسی روز کی لگائی جائے گی جس دن وہ لونڈیاں مشتری کے قبضے میں آئی ہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور اس سے مزدوری کرائی اور مزدوری کے دام حاصل کیے قلیل ہوں یا کثیر بعد اس کے اس غلام میں عیب نکلا جس کی وجہ سے وہ غلام پھیر سکتا ہے تو وہ اس غلام کو پھیر دے اور مزدوری کے پیسے رکھ لے اس کا واپس کرنا ضروری نہیں ہمارے نزدیک جماعت علماء کا یہی مذہب ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک غلام خریدا اور اس کے ہاتھ سے ایک گھر بنوایا جس کی بنوائی اس کی قیمت سے دو چند سہ چند ہے پھر عیب کی وجہ سے اسے واپس کر دیا تو غلام واپس ہو جائے گا اور بائع کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ مشتری سے گھر بنوانے کی مزدوری لے اسی طرح سے غلام کی کمائی بھی مشتری کی رہے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص نے کئی غلام ایک ہی دفعہ (یعنی ایک ہی عقد میں) خریدے اب ان میں سے ایک غلام چوری کا نکلا یا اس میں کچھ عیب نکلا تو اگر وہی غلام سب غلاموں میں عمدہ اور ممتاز ہوگا اور اسی کی وجہ سے باقی غلام خریدے گئے ہوں تو ساری بیع فسخ ہو جائے گی اور سب غلام پھر واپس دیئے جائیں گے۔ اگر ایسا نہ ہو تو صرف اس غلام کو پھیر دے گا اور زر ثمن میں سے بقدر اس کی قیمت کے حصہ لگا کر بائع سے واپس لے گا۔

نفع مشتری کے بعد ظہور عیب کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ہر چیز کا نفع اسی کے لیے ہے جو اس کا ضامن ہے۔ یہ حدیث ہشام بن عروہ کی روایت سے صحیح غریب ہے۔ امام بخاری نے عمر بن علی کی روایت سے اسے غریب کہا ہے

یہ حدیث مسلم بن خالد زنجی بھی ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں جریر نے بھی اس حدیث کو ہشام سے روایت کیا۔ کہا گیا ہے کہ جریر کی روایت میں تدلیس ہے اس لیے کہ جریر نے ہشام سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اس حدیث کی تفسیر یہ ہے کہ ایک شخص نے غلام خریدا اور اس سے نفع اٹھایا بعد میں پتہ چلا کہ اس میں کوئی عیب ہے تو اسے واپس کر دیا اس صورت میں اس نے جو کچھ غلام کے ذریعے کمایا وہ اسی کا ہوگا کیونکہ اگر وہ غلام ہلاک ہو جاتا تو خسارہ خریدنے والے ہی کا تھا۔ اس قسم کے دوسرے مسائل کا یہی حکم ہے کہ نفع اسی کا ہوگا جو ضامن ہوگا۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1306)

مشتری کا غلام پر بھگوڑا ہونے کا دعویٰ کرنے کا بیان

(قَالَ :وَمَنْ اشْتَرَى عَبْدًا فَادَّعَى إبَاقًا لَمْ يُحَلَّفْ الْبَائِعُ حَتَّى يُقِيمَ الْمُشْتَرِي الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ أَبَقَ عِنْدَهُ) وَالْمُرَادُ التَّحْلِيفُ عَلَى أَنَّهُ لَمْ يَأْبَقْ عِنْدَهُ ؛ لِأَنَّ الْقَوْلَ وَإِنْ كَانَ قَوْلَهُ وَلَكِنَّ إنْكَارَهُ إنَّمَا يُعْتَبَرُ بَعْدَ قِيَامِ الْعَيْبِ بِهِ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي وَمَعْرِفَتِهِ بِالْحُجَّةِ (فَإِذَا أَقَامَهَا حَلَفَ بِاَللَّهِ لَقَدْ بَاعَهُ وَسَلَّمَهُ إلَيْهِ وَمَا أَبَقَ عِنْدَهُ قَطُّ) كَذَا قَالَ فِي الْكِتَابِ، وَإِنْ شَاءَ حَلَّفَهُ بِاَللَّهِ مَا لَهُ حَقُّ الرَّدِّ عَلَيْك مِنْ الْوَجْهِ الَّذِي يَدَّعِي أَوْ بِاَللَّهِ مَا أَبَقَ عِنْدَك قَطُّ أَمَّا لَا يُحَلِّفُهُ بِاَللَّهِ لَقَدْ بَاعَهُ وَمَا بِهِ هَذَا الْعَيْبُ وَلَا بِاَللَّهِ لَقَدْ بَاعَهُ وَسَلَّمَهُ وَمَا بِهِ هَذَا الْعَيْبُ ؛ لِأَنَّ فِيهِ تَرْكُ النَّظَرِ لِلْمُشْتَرِي ؛ لِأَنَّ الْعَيْبَ قَدْ يَحْدُثُ بَعْدَ الْبَيْعِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ وَهُوَ مُوجِبٌ لِلرَّدِّ، وَالْأَوَّلُ ذُهُولٌ عَنْهُ وَالثَّانِي يُوهِمُ تَعَلُّقَهُ بِالشَّرْطَيْنِ فَيَتَأَوَّلُهُ فِي الْيَمِينِ عِنْدَ قِيَامِهِ وَقْتَ التَّسْلِيمِ دُونَ الْبَيْعِ،

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے کسی غلام کو خریدا اور پھر اس پر بھگوڑا ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے تو بائع سے قسم لی جائے گی۔ حتیٰ کہ مشتری اس دعویٰ پر گواہی پیش کرے کہ وہ غلام بائع کے ہاں سے بھی بھاگ جایا کرتا تھا۔ اور بائع کی قسم سے مراد یہ ہے کہ وہ بائع کے پاس ہوتے ہوئے نہیں بھاگا کرتا تھا۔ کیونکہ بائع کا قول خواہ معتبر ہے مگر اس کا انکار مشتری کے قبضہ میں موجود غلام کے ساتھ عیب قائم ہونے کے بعد معتبر ہوگا جبکہ قیام عیب کی پہچان دلیل سے اعتبار کی جائے گی۔

اور اس کے بعد جب مشتری نے گواہی پیش کر دی تو قاضی بائع سے قسم لے گا کہ بہ خدا! اس نے یہ غلام بیچ کر مشتری کے سپرد کر دیا ہے اور وہ اس کے پاس کبھی بھی نہیں بھاگا تھا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں اسی طرح کہا ہے اور جب قاضی چاہے اس سے قسم لے کہ بہ خدا مشتری کو اسی

طریقے پر بائع پر واپسی کا حق نہیں ہے جس کا وہ دعویٰ کرنے والا ہے یا اس طرح "بہ خدا! بائع کے پاس غلام کبھی نہیں بھاگا" مگر قاضی بائع سے اس طرح کی قسم کبھی نہ لے گا۔ کہ بہ خدا! اس نے غلام کو بے عیب بیچا ہے اور نہ ہی اس طرح قسم لے سکتا ہے کہ بہ خدا! بائع نے اس کو بیچ کر مشتری کے سپرد کیا ہے اور اس میں بھاگنے کا عیب نہ تھا۔ کیونکہ اس معاملہ میں مشتری کی جانب سے شفقت کو ترک کرنا ہے کیونکہ کبھی کبھی بیع کے بعد سپرد کرنے سے پہلے بھی عیب پیدا ہو جاتا ہے جو واپسی کو واجب کرنے والا ہے اور پہلی صورت میں قسم نہ لینا یہ غفلت کے سبب سے ہے جبکہ دوسری صورت میں دونوں شرائط کے ساتھ عیب کے متعلق نہ ہونے کا وہم ہے لہذا بائع قسم میں یہ تاویل کرے گا کہ غلام سپرد کرتے وقت اس میں عیب تھا جبکہ بیچتے وقت اس میں عیب نہ تھا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لونڈی غلام کا مالک کے پاس سے بھاگنا عیب ہے اور اگر بھاگنا اس وجہ سے ہے کہ مالک اُس پر ظلم کرتا ہے تو عیب نہیں۔ مالک نے اُسے امانت رکھ دیا ہے یا عاریت دیدیا ہے یا اُجرت پر دیا ہے امین یا مستعیر یا مستاجر کے پاس سے بھاگنا بھی عیب ہے مگر جبکہ یہ ظلم کرتے ہوں۔ بھاگنے کے لیے یہ ضرور نہیں کہ شہر سے نکل جائے بلکہ اُسی شہر میں رہے جب بھی عیب ہے اور بھاگنا اسی وقت عیب ہے جب مشتری کے یہاں سے بھی بھاگا ہو۔ مشتری کے یہاں سے بھاگ کر بائع کے یہاں آیا اور چھپا نہیں جب کہ بائع اُسی شہر میں ہو تو عیب نہیں اور یہاں آ کر پوشیدہ ہو گیا تو عیب ہے۔ غاصب کے یہاں سے بھاگ کر مالک کے پاس آیا یہ عیب نہیں۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

مشتری کا قیام عیب پر گواہ پیش نہ کرنے کا بیان

وَلَوْ لَمْ يَجِدْ الْمُشْتَرِي بَيِّنَةً عَلَى قِيَامِ الْعَيْبِ عِنْدَهُ وَأَرَادَ تَحْلِيفَ الْبَائِعِ مَا يَعْلَمُ أَنَّهُ أَبَقَ عِنْدَهُ يُحَلَّفُ عَلَى قَوْلِهِمَا .

وَاخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لَهُمَا أَنَّ الدَّعْوَى مُعْتَبَرَةٌ حَتَّى يَتَرَتَّبَ عَلَيْهَا الْبَيِّنَةُ فَكَذَا يَتَرَتَّبُ التَّحْلِيفُ .

وَلَهُ عَلَى مَا قَالَهُ الْبَعْضُ أَنَّ الْحَلِفَ يَتَرَتَّبُ عَلَى دَعْوَى صَحِيحَةٍ، وَلَيْسَتْ تَصِحُّ إلَّا مِنْ خَصْمٍ وَلَا يَصِيرُ خَصْمًا فِيهِ إلَّا بَعْدَ قِيَامِ الْعَيْبِ .وَإِذَا نَكَلَ عَنْ الْيَمِينِ عِنْدَهُمَا يَحْلِفُ ثَانِيًا لِلرَّدِّ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي قَدَّمْنَاهُ .

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :إذَا كَانَتْ الدَّعْوَى فِي إبَاقِ الْكَبِيرِ يَحْلِفُ مَا أَبَقَ مُنْذُ بَلَغَ مَبْلَغَ الرِّجَالِ ؛ لِأَنَّ الْإِبَاقَ فِي الصِّغَرِ لَا يُوجِبُ رَدَّهُ بَعْدَ الْبُلُوغِ .

ترجمہ

اور جب مشتری نے عیب قائم ہوجانے پر گواہ نہ پائے تو وہ بائع سے اس طرح قسم اٹھوائے گا کہ بہ خدا! وہ نہیں جانتا کہ مشتری کے ہاں سے غلام بھاگ گیا ہے۔ صاحبین کے نزدیک مشتری سے اسی طرح کی قسم لی جائے گی۔ جبکہ مشائخ فقہاء کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول پر اختلاف ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مشتری کا دعویٰ معتبر ہے کیونکہ اس پر گواہی مرتب ہونے والی ہے پس قسم بھی اسی پر مرتب ہوگی۔ اور بعض مشائخ کے قول کے مطابق امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ قسم کا ترتب صحت دعویٰ پر ہوتا ہے اور دعویٰ صرف خصم کا درست ہوتا ہے جبکہ مشتری عیب قائم ہونے پہلے اس میں خصم بننے والا نہیں ہے۔

اور جب بائع نے قسم سے انکار کر دیا ہے تو اب صاحبین کے نزدیک بھی ہمارے پہلے بیان کردہ اصول کے مطابق واپسی کیلئے اس سے دوبارہ قسم لی جائے گی۔

صاحب ہدایہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب بڑے غلام کے بارے میں بھاگنے کا دعویٰ ہے تو اب بائع سے ایسے الفاظ میں قسم لی جائے گی۔ کہ جس وقت سے وہ غلام مردوں کی طرح حد بلوغت کو پہنچا ہے وہ کبھی بھاگا نہیں ہے کیونکہ بچپن میں بھگوڑا ہونا یہ بلوغت کے بعد واپسی کو واجب کرنے والا نہیں ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مشتری نے مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد عیب کا دعویٰ کیا تو ثمن دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ مشتری سے اثبات عیب کے گواہ طلب کیے جائیں گے اور گواہ نہ ہوں تو بائع پر حلف دیا جائے گا اور بائع قسم کھا جائے کہ عیب نہیں تھا تو ثمن دینے کا حکم ہوگا اور اگر مشتری نے پہلے یہ کہا کہ میرے گواہ نہیں ہیں پھر کہتا ہے گواہ پیش کروں گا تو گواہ قبول کر لیے جائیں گے۔ اور اگر مشتری کے پاس گواہ نہیں ہیں اور بائع قسم سے انکار کرتا ہے تو عیب کا حکم ہوگا۔

اور گواہ مشتری یا حلف بائع کی اُس وقت ضرورت ہے جب وہ عیب پوشیدہ ہو مثلاً بھاگنا چوری کرنا اور اگر عیب ظاہر ہو مثلاً کانا، بہرا، گونگا ہے یا اُس کی اُنگلیاں زائد یا کم ہیں تو نہ گواہ کی حاجت نہ قسم کی ضرورت ہاں اگر بائع یہ کہے کہ مشتری کو خریدنے کے وقت عیب کا علم تھا یا بعد خریدنے کے عیب پر راضی ہوگیا یا میں عیب سے بری الذمہ ہو چکا تھا تو بائع کو ان امور پر گواہ پیش کرنے پڑیں گے گواہ نہ لاسکے تو مشتری پر حلف دیا جائے گا قسم کھالے گا واپس کر دیا جائے گا ورنہ واپس نہیں کر سکتا۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

استحسان سنت پر عمل کرتے ہوئے قیاس کو ترک کرنے کا بیان

اور جب سنت سے ایسی چیز ثابت ہوتی ہو کہ اس کی وجہ سے قیاس کا ترک کرنا ضروری ہو، مثلاً حدیث میں ہے۔

"إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ تَحَالَفَا وَتَرَادَّا" ۔(بدائع الصنائع، کتاب

الدَّعْوَى،

جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے اور سامان موجود ہو تو دونوں سے قسم لی جائے اور مشتری کو ثمن اور بائع کو مبیع واپس کردی جائے۔

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہاں بائع کو مدعی اور مشتری کو مدعا علیہ مانا جائے؛ کیونکہ بائع زیادہ ثمن کا دعویٰ کررہا ہے اور مشتری اس کا انکار کررہا ہے؛ لہٰذا بائع کو بینہ پیش کرنا چاہیے، اگر وہ بینہ پیش نہ کرے تو مشتری سے قسم لیکر اس کے حق میں فیصلہ کردینا چاہیے؛ لیکن سنت میں یہ آچکا ہے کہ دونوں سے قسم لیکر بیع کو ختم کردیا جائے، اس لیے قیاس کو ترک کردیا جائے گا اور سنت پر عمل کیا جائے گا۔

اشترائے باندی پر بائع ومشتری کے اختلاف کا بیان

(قَالَ :وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً وَتَقَابَضَا فَوَجَدَ بِهَا عَيْبًا فَقَالَ الْبَائِعُ :بِعْتُك هَذِهِ وَأُخْرَى مَعَهَا وَقَالَ الْمُشْتَرِي :بِعْتَنِيهَا وَحْدَهَا فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي) ؛لِأَنَّ الِاخْتِلَافَ فِي مِقْدَارِ الْمَقْبُوضِ فَيَكُونُ الْقَوْلُ لِلْقَابِضِ كَمَا فِي الْغَصْبِ (وَكَذَا إذَا اتَّفَقَا عَلَى مِقْدَارِ الْمَبِيعِ وَاخْتَلَفَا فِي الْمَقْبُوضِ) لِمَا بَيَّنَّا .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے کوئی باندی خریدی اور دونوں عقد کرنے والوں نے قیمت ومبیع پر قبضہ بھی کرلیا اور اس کے بعد مشتری کو باندی میں کوئی عیب دیکھائی دیا تو بائع کہنے لگا کہ میں نے اس باندی کے ساتھ ایک دوسری باندی بھی تجھے بیچی تھی جبکہ مشتری کہنے لگا کہ تو نے صرف ایک ہی باندی بیچی تھی تو اب مشتری کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ اختلاف قبضہ شدہ چیز میں ہے پس قابض کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ (قاعدہ فقہیہ) جس طرح غصب میں ہوتا ہے اور اسی طرح جب دونوں عقد کرنے والوں نے مبیع کی مقدار پر اتفاق کیا اور قبضہ والی چیز میں اختلاف کرتے ہیں تب بھی اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کرآئے ہیں۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب قبضہ کے بعد مبیع میں اختلاف ہوا کہ ایک ہے یا زیادہ تاکہ عیب کی صورت میں واپسی ہو تو یہ معلوم ہوسکے ثمن کتنا واپس کیا جائے گا یا مبیع میں اختلاف نہیں مگر کتنے پر قبضہ ہوا اس میں اختلاف ہے ان دونوں صورتوں میں مشتری کا قول معتبر ہے اور اگر خیار عیب میں مبیع کی واپسی کے وقت بائع کہتا ہے یہ وہ چیز نہیں ہے مشتری کہتا ہے وہی ہے تو بائع کا قول معتبر ہے اور خیار شرط یا خیار رویت میں مشتری کا قول معتبر ہے، مشتری جانور کو پھیرنے لایا کہ اس کے زخم ہے میں نہیں لوں گا بائع کہتا ہے کہ یہ وہ زخم نہیں ہے جو میرے یہاں تھا وہ اچھا ہوگیا یہ دوسرا ہے تو مشتری کا قول معتبر ہے۔

(ردمحتار، کتاب بیوع)

غیر قبضہ شدہ چیز میں بائع کے قول کے معتبر ہونے کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب فروخت کرنے والے اور خریدنے والے میں اختلاف ہو جائے تو بیچنے والے کے قول کا اعتبار ہوگا اور خریدنے والے کو اختیار ہے چاہے تو لے ورنہ واپس کر دے۔ یہ حدیث مرسل ہے اس لیے کہ عون بن عبداللہ کی ابن مسعود سے ملاقات نہیں ہوئی۔ یہ حدیث قاسم بن عبدالرحمن بھی ابن مسعود سے مرسلاً نقل کرتے ہیں ابن منصور نے احمد بن حنبل سے پوچھا کہ اگر بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے اور کوئی گواہ نہ ہو تو کیا حکم ہے فرمایا کہ اس میں فروخت کرنے والے کے قول کا اعتبار کیا جائے گا پس اگر مشتری راضی ہو تو خریدے ورنہ چھوڑ دے۔ اسحاق کہتے ہیں کہ فروخت کرنے والے کا قسم کیساتھ معتبر ہوگا بعض تابعین جن میں شریح بھی شامل ہیں یہی منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1290)

حضرت عبدالرحمن بن محمد بن اشعث، وہ اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے، عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جس وقت فروخت کرنے والا اور خریدنے والا شخص دونوں قیمت کے متعلق ایک دوسرے سے اختلاف کریں کہ فروخت کرنے والا شخص زیادہ قیمت بتلائے اور خریدنے والا شخص کم قیمت بتلائے اور دونوں کے پاس گواہ (یا شرعی ثبوت) نہ ہوں تو فروخت کرنے والا جو ہے اس کا اعتبار ہوگا بشرطیکہ وہ قسم کھائے اور خریدنے والے کو اس قیمت پر لینا ہوگا یا اگر نہ وصول کرے تو وہ چھوڑ دے اس کا اختیار ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 952)

بائع و مشتری کے اختلاف میں اعتبار قول پر مذاہب اربعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خریدار اور بیچنے والے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا اور خریدار کو بیع فسخ کر دینے یا باقی رکھنے کا اختیار حاصل ہوگا (ترمذی) ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب خریدار بیچنے والے کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے اور مبیع یعنی یا خریدی جانے والی چیز جوں کی توں باقی ہو اور ان دونوں کے درمیان کوئی گواہ نہ ہو تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا یا پھر وہ دونوں بیع کو فسخ کر دیں (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 105)

خریدار بیچنے والے کے درمیان بسا اوقات اختلاف ونزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے کبھی تو یہ اختلاف ونزاع قیمت کے تعین کے سلسلہ میں پیدا ہوتا ہے کہ خریدار کہتا ہے میں نے تم سے اس چیز کا معاملہ دس روپے میں طے کیا ہے اور بیچنے والا کہتا ہے کہ نہیں میں نے یہ چیز بارہ روپے میں فروخت کی ہے شرط خیار یا تعین مدت میں اختلاف ہو جاتا ہے اور کبھی ان کے علاوہ دیگر شروط میں نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے ایسے ہی مواقع کے لئے حدیث نے واضح ہدایات کی ہے کہ ان صورتوں میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا بشرطیکہ اس کا قول قسم کے ساتھ ہو یعنی اس سے کہا جائیگا کہ تم قسم کھاؤ کہ تم نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں بیچی ہے جو خریدار بتا

رہا ہے پھر خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو بیچنے والے کی اس بات پر راضی ہو جائے جو اس نے قسم کھا کر کہی ہے اور بیع کو برقرار رکھے اور چاہے وہ بھی قسم کھائے اور کہے کہ میں نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں خریدی ہے جو بیچنے والا بتا رہا ہے اور جب دونوں اپنی اپنی بات پر قسم کھائیں گے تو ان کا معاملہ اسی صورت میں باقی رہے گا جب کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی بات کو تسلیم کرلے گا اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے دوسرے فریق کی بات کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوگا تو پھر آخری درجہ پر قاضی و حاکم کو اختیار ہوگا کہ وہ اس بیع و معاملہ کو فسخ کرادے خواہ بیع فروخت شدہ چیز بعینہ باقی ہو یا بعینہ باقی نہ جیسا کہ حضرت امام شافعی کا مسلک ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک یہ کہتے ہیں کہ اگر مبیع باقی نہ ہو تو پھر دونوں فریق قسم نہ کھائیں بلکہ اس صورت میں خریدار کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

حدیث کے الفاظ المبیع قائم ان دونوں کے قول کی تائید کرتے ہیں چنانچہ دوسری روایت جسے ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کیا ہے کے الفاظ (فالقول ما قال البائع) (تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا) کا مطلب بھی حنفی مسلک کے مطابق یہی ہے کہ اگر مبیع بعینہ باقی ہو تو بیچنے والے سے قسم کھلائی جائے اگر وہ قسم کھالے تو خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو بیچنے والے کی بات کو تسلیم کردے اور چاہے خود بھی قسم کھائے یا پھر دونوں فریق بیع کو فسخ کردیں اور اگر اختلاف و نزاع کے وقت مبیع بعینہ باقی نہ ہو تو پھر دونوں فریق قسم نہ کھائیں بلکہ اس صورت میں خریدار کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اس صورت میں قسم کے ساتھ خریدار ہی کا قول معتبر ہوگا بیچنے والے سے قسم نہ کھلائی جائے۔

امام احمد کے نزدیک بائع کے قول کا اعتبار کیا جائے گا جس طرح جامع ترمذی میں امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے مسلک کو بیان کیا گیا ہے۔

اکٹھے دو غلاموں کی خرید پر ایک میں عیب ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى عَبْدَيْنِ صَفْقَةً وَاحِدَةً فَقَبَضَ أَحَدَهُمَا وَوَجَدَ بِالْآخَرِ عَيْبًا فَإِنَّهُ يَأْخُذُهُمَا أَوْ يَدَعُهُمَا) ؛ لِأَنَّ الصَّفْقَةَ تَتِمُّ بِقَبْضِهِمَا فَيَكُونُ تَفْرِيقُهَا قَبْلَ التَّمَامِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْقَبْضَ لَهُ شَبَهٌ بِالْعَقْدِ فَالتَّفْرِيقُ فِيهِ كَالتَّفْرِيقِ فِي الْعَقْدِ .

وَلَوْ وَجَدَ بِالْمَقْبُوضِ عَيْبًا اخْتَلَفُوا فِيهِ . وَيُرْوَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَرُدُّهُ خَاصَّةً، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَأْخُذُهُمَا أَوْ يَرُدُّهُمَا ؛ لِأَنَّ تَمَامَ الصَّفْقَةِ تَعَلَّقَ بِقَبْضِ الْمَبِيعِ وَهُوَ اسْمٌ لِلْكُلِّ فَصَارَ كَحَبْسِ الْمَبِيعِ لَمَّا تَعَلَّقَ زَوَالُهُ بِاسْتِيفَاءِ الثَّمَنِ لَا يَزُولُ دُونَ قَبْضِ جَمِيعِهِ (وَلَوْ قَبَضَهُمَا ثُمَّ وَجَدَ) بِأَحَدِهِمَا عَيْبًا يَرُدُّهُ خَاصَّةً خِلَافًا لِزُفَرَ .

هُوَ يَقُولُ : فِيهِ تَفْرِيقُ الصَّفْقَةِ وَلَا يَخْلُو عَنْ ضَرَرٍ ؛ لِأَنَّ الْعَادَةَ جَرَتْ بِضَمِّ الْجَيِّدِ إلَى

الرَّدِیءِ فَأَشْبَهَ مَا قَبْلَ الْقَبْضِ وَخِيَارَ الرُّؤْيَةِ وَالشَّرْطِ . وَلَنَا أَنَّهُ تَفْرِيقُ الصَّفْقَةِ بَعْدَ التَّمَامِ ؛ لِأَنَّ بِالْقَبْضِ تَتِمُّ الصَّفْقَةُ فِي خِيَارِ الْعَيْبِ وَفِي خِيَارِ الرُّؤْيَةِ وَالشَّرْطِ لَا تَتِمُّ بِهِ عَلَى مَا مَرَّ ، وَلِهَذَا لَوْ اُسْتُحِقَّ أَحَدُهُمَا لَيْسَ لَهُ أَنْ يَرُدَّ الْآخَرَ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے ایک ہی معاملہ میں دوغلاموں کو خریدا اور ان میں سے ایک پر قبضہ بھی کرلیا اور اس نے دوسرے میں عیب پایا تو وہ دونوں کو اکٹھے یا تو خرید لے گا یا پھر دونوں کو یہ چھوڑ دے گا۔ کیونکہ معاملہ دونوں پر قبضہ کرنے سے ہی مکمل ہوگا۔ پس ایک چیز پر قبضہ کرنے کی وجہ سے معاملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی معاملے کی جدائی لازم آئی۔ اور اس کو ہم نے بیان کردیا ہے۔ اور یہ حکم اس دلیل کے سبب سے ہے کہ قبضہ عقد کے مشابہ ہے لہذا قبضہ کی جدائی عقد کی جدائی سمجھی جائے گی۔ (قاعدہ فقہیہ) اور جب مشتری کو قبضہ والے غلام میں عیب دیکھائی دے تو اسکے حکم میں مشائخ فقہاء کا اختلاف ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ مشتری اکیلا ہی اس کو واپس کرسکتا ہے جبکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ مشتری دونوں کو واپس کرے گا یا دونوں کو لینے والا ہوگا۔ کیونکہ معاملے کا مکمل ہونا یہ مبیع پر قبضے سے متعلق ہے اور مبیع دونوں غلام ہیں پس یہ مبیع کو روکنے کی طرح ہو جائے گا اور جب کہ ثمن پورا وصول کرنے سے مبیع متعلق ہو۔ کیونکہ مکمل پر قبضہ کیے بغیر یہ حق ختم ہونے والا نہیں ہے۔

اور جب مشتری نے دونوں غلاموں پر قبضہ کیا اور اس کے بعد ان میں سے کسی ایک میں عیب دیکھائی دیا تو اب وہ اس اکیلے کو واپس کرسکتا ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے انہوں نے فرمایا: کہ اس حالت میں بھی معاملہ جدائی کا ہے کیونکہ عقد میں جدائی نقصان سے خالی نہیں ہے کیونکہ وہ اچھی چیز کو ادنٰی چیز کے ساتھ بیچنے کا عرف عام ہے۔ پس یہ تفریق قبضے سے پہلے، خیار رویت اور خیار شرط کے مشابہ ہو جائے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ یہاں مکمل ہونے کے بعد معاملے کی جدائی ہے کیونکہ خیار عیب میں قبضہ سے تفریق مکمل ہو جاتی ہے جبکہ خیار رویت اور خیار شرط میں قبضہ سے تفریق مکمل ہونے والی نہیں ہے جس طرح اسکا بیان گزر گیا ہے یہی سبب ہے کہ جب دونوں میں سے کوئی مستحق نکل آئے تو مشتری کو دوسرا غلام واپس کرنے کا حق نہیں ہے۔

ایک مبیع میں عیب پر بائع کی رضامندی سے بیع کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے دو چیزیں ایک عقد میں خریدیں اگر ہر ایک تنہا کام میں آتی ہو جیسے دو غلام دو کپڑے اور ابھی دونوں پر قبضہ نہیں کیا ہے کہ ایک کے عیب پر مطلع ہوا تو اختیار ہے لینا ہو تو دونوں لے، پھیرنا ہو تو دونوں

پھیرے مگر جبکہ بائع ایک کے پھیرنے پر راضی ہو تو فقط ایک کو بھی واپس کر سکتا ہے اور اگر دونوں پر قبضہ کر لیا ہے تو جس میں عیب ہے اُسے واپس کر دے دونوں کو واپس کرنا چاہے تو بائع کی رضامندی درکار ہے اور اگر قبضہ سے پہلے ایک کا عیب دار ہونا معلوم ہو گیا اور اسی پر قبضہ کر لیا تو دوسری کو لینا بھی ضروری ہے اور دوسری پر قبضہ کیا تو اختیار ہے دونوں کو لے یا دونوں کو پھیر دے اور اگر دونوں ایک ساتھ کام میں لائی جاتی ہوں تنہا ایک کام کی نہ ہو جیسے موزے اور جوتے کے جوڑے۔ چوکھٹ باز دیا بیلوں کی جوڑی جبکہ وہ آپس میں ایسا اتحاد رکھتے ہوں کہ ایک کے بغیر دوسرا کام ہی نہ کرے تو دونوں پر قبضہ کیا ہو یا ایک پر قبضہ کیا ہو دونوں حال میں ایک ہی حکم ہے کہ لینا چاہے تو دونوں لے اور پھیرے تو دونوں پھیرے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

مکیلی وموزونی اشیاء میں سے بعض میں عیب کے ظاہر ہونے کا بیان

(قَالَ : وَمَنْ اشْتَرَى شَيْئًا مِمَّا يُكَالُ أَوْ يُوزَنُ فَوَجَدَ بِبَعْضِهِ عَيْبًا رَدَّهُ كُلَّهُ أَوْ أَخَذَهُ كُلَّهُ) وَمُرَادُهُ بَعْدَ الْقَبْضِ ؛ لِأَنَّ الْمَكِيلَ إِذَا كَانَ مِنْ جِنْسٍ وَاحِدٍ فَهُوَ كَشَيْءٍ وَاحِدٍ ؛ أَلَا يُرَى أَنَّهُ يُسَمَّى بِاسْمٍ وَاحِدٍ وَهُوَ الْكُرُّ وَنَحْوُهُ .

وَقِيلَ هَذَا إِذَا كَانَ فِي وِعَاءٍ وَاحِدٍ، فَإِذَا كَانَ فِي وِعَاءَيْنِ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ عَبْدَيْنِ حَتَّى يَرُدَّ الْوِعَاءَ الَّذِي وَجَدَ فِيهِ الْعَيْبَ دُونَ الْآخَرِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے مکیلی وموزونی چیزوں میں کوئی چیز خریدی اور پھر اس کے بعض حصہ میں عیب پایا گیا تو وہ ساری چیز لے گا یا ساری چیز کو واپس کرے گا۔ اور صاحب کتاب کی مراد قبضہ ہو جانے کے بعد ہے۔ کیونکہ جب مکیلی چیزیں ایک جنس سے ہوں تو وہ ایک ہی چیز کے حکم میں ہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک ہی نام رکھ دیا جاتا ہے۔ جس طرح بوری اور اس کی مثل ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ حکم اس وقت ہو گا جب مبیع ایک برتن میں ہو مگر جب وہ دو برتنوں میں ہو تو وہ دو غلاموں کے حکم میں ہے حتیٰ کہ اسی برتن کو واپس کیا جائے گا جس میں عیب ہے جبکہ دوسرے کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

شرح

اور جب کسی شخص نے غلہ خریدا اُس میں خاک ملی ہوئی نکلی اگر خاک اُتنی ہی ہے جتنی عادۃً ہوا کرتی ہے واپس نہیں کر سکتا اور عادت سے زیادہ ہے تو کل واپس کر دے اور اگر گیہوں رکھنا چاہتا ہے خاک کو الگ کر کے واپس کرنا چاہتا ہے یہ نہیں کر سکتا۔ گیہوں میں کچھ خاک ملی تھی اُڑ گئی اور وزن کم ہو گیا یا گیہوؤں میں نمی تھی خشک ہو کر وزن کم ہو گیا واپس نہیں کر سکتا۔ (فتاویٰ خانیہ)

مکیلی وموزونی چیز میں کسی کا حق ثابت ہوجانے کا بیان

(وَلَوْ اُسْتُحِقَّ بَعْضُهُ فَلا خِيَارَ لَهُ فِي رَدِّ مَا بَقِيَ) ؛ لِأَنَّهُ لا يَضُرُّهُ التَّبْعِيضُ، وَالِاسْتِحْقَاقُ لا يَمْنَعُ تَمَامَ الصَّفْقَةِ ؛ لِأَنَّ تَمَامَهَا بِرِضَا الْعَاقِدِ لا بِرِضَا الْمَالِكِ، وَهَذَا إِذَا كَانَ بَعْدَ الْقَبْضِ، أَمَّا لَوْ كَانَ قَبْلَ الْقَبْضِ فَلَهُ أَنْ يَرُدَّ مَا بَقِيَ لِتَفَرُّقِ الصَّفْقَةِ قَبْلَ التَّمَامِ.

قَالَ (وَإِنْ كَانَ ثَوْبًا فَلَهُ الْخِيَارُ) ؛ لِأَنَّ التَّشْقِيصَ فِيهِ عَيْبٌ وَقَدْ كَانَ وَقْتَ الْبَيْعِ حَيْثُ ظَهَرَ الِاسْتِحْقَاقُ، بِخِلَافِ الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ.

ترجمہ

اور جب مبیع کے کچھ حصہ میں کسی دوسرے کا حق نکل آیا تو مشتری کو بقیہ کو واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ مکیلی وموزونی چیزیں مبیع کیلئے نقصان دہ نہیں ہیں۔ جبکہ حق کا نکل آنا یہ عقد کو مکمل ہونے سے روکنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ عقد عاقد کی رضامندی سے مکمل ہوتا ہے جبکہ مالک کی مرضی سے نہیں ہے۔ اور یہ حکم بھی اس وقت ہوگا جب کسی کا حق قبضہ ہوجانے کے بعد نکلنے والا ہے۔ ہاں البتہ جب کوئی حقدار قبضہ سے پہلے نکل آیا ہے تو اب عقد مکمل ہونے سے پہلے عقد کی جدائی کے سبب مشتری کو بقیہ مبیع کو واپس کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر مبیع کپڑا ہے تب بھی مشتری کو خیار رد حاصل ہے کیونکہ ٹکڑے ٹکڑے کرنا یہ کپڑے میں عیب ہے اور بیع کے وقت بھی یہی عیب موجود تھا پس حق ظاہر ہو چکا ہے جبکہ مکیلی وموزونی اشیاء میں ایسا نہیں ہے۔ (کیونکہ ان میں نقصان نہ ہوگا)

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مبیع کے کسی جز کے متعلق کسی نے دعوے کر کے اپنا حق ثابت کردیا اگر مشتری نے قبضہ نہیں کیا ہے تو اختیار ہے کہ باقی کو لے یا نہ لے اور قبضہ کر چکا ہے اور وہ چیز قیمی ہے جب بھی اختیار ہے کہ لے یا واپس کردے اور وہ چیز مثلی ہے تو باقی کو واپس نہیں کرسکتا بلکہ جو کچھ اسکا حصہ ہے یہ لے لے اور جو دوسرے حقدار کا ہے وہ لے لے گا۔ اور دو چیزیں خریدی ہیں اور ایک پر قبضہ کرلیا یا اب تک کسی پر قبضہ نہیں کیا ہے اور ایک میں کسی نے اپنا حق ثابت کردیا تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسری کو لے لے یا چھوڑ دے اور دونوں پر قبضہ کر چکا ہے تو اختیار نہیں یعنی دوسری کو لینا ضروری ہے واپس نہیں کرسکتا۔ (درمختار، کتاب بیوع)

خریدنے کے بعد باندی میں عیب ظاہر ہونے کا بیان

(قَالَ : وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً فَوَجَدَ بِهَا قُرْحًا فَدَاوَاهُ أَوْ كَانَتْ دَابَّةً فَرَكِبَهَا فِي حَاجَةٍ

فَهُوَ رِضًا) ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ دَلِيلُ قَصْدِهِ الِاسْتِبْقَاءَ بِخِلَافِ خِيَارِ الشَّرْطِ ؛ لِأَنَّ الْخِيَارَ هُنَاكَ لِلِاخْتِبَارِ وَأَنَّهُ بِالِاسْتِعْمَالِ فَلَا يَكُونُ الرُّكُوبُ مُسْقِطًا (وَإِنْ رَكِبَهَا لِيَرُدَّهَا عَلَى بَائِعِهَا أَوْ لِيَسْقِيَهَا أَوْ لِيَشْتَرِيَ لَهَا عَلَفًا فَلَيْسَ بِرِضًا) أَمَّا الرُّكُوبُ لِلرَّدِّ ؛ فَلِأَنَّهُ سَبَبُ الرَّدِّ وَالْجَوَابُ فِي السَّقْيِ وَاشْتِرَاءِ الْعَلَفِ مَحْمُولٌ عَلَى مَا إذَا كَانَ لَا يَجِدُ بُدًّا مِنْهُ، إمَّا لِصُعُوبَتِهَا أَوْ لِعَجْزِهِ أَوْ لِكَوْنِ الْعَلَفِ فِي عِدْلٍ وَاحِدٍ، وَأَمَّا إذَا كَانَ يَجِدُ بُدًّا مِنْهُ لِانْعِدَامِ مَا ذَكَرْنَاهُ يَكُونُ رِضًا .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے کوئی باندی خریدی پس اس نے اس میں زخم پایا اور اس نے اس کی دوائی کی یا مبیع کوئی سواری تھی اور مشتری اپنی ضرورت کیلئے اس پر سوار ہو گیا ہے تو یہ اعمال اس کی رضامندی کی دلیل ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں مبیع کو باقی رکھنے کی دلیل ہیں۔ بہ خلاف خیار شرط کے کیونکہ وہاں آزمانے کیلئے اختیار ہے۔ اور امتحان استعمال سے ہی ممکن ہے پس اس پر سوار ہونے سے خیار ساقط نہ ہوگا۔

اور جب وہ بائع کو واپس کرنے کی غرض سے سوار ہوا ہے یا سواری کو پانی پلانے یا اس کے لئے چارہ خریدنے کیلئے اس پر سوار ہوا ہے تو اس میں اس کی رضامندی نہ ہوگی۔ البتہ رد کرنے کی غرض سے سوار ہونا تو یہ بھی رد کا سبب ہے۔ جبکہ چارہ لانے یا پانی پلانے کو اس حالت پر محمول کیا جائے گا جب مشتری کیلئے اس کے سوا کوئی اور ذریعہ (پانی پلانے یا چارہ لانے) نہ ہو۔ اور اگر چہ یہ جانور کی سختی کے سبب سے ہو یا مشتری کے عاجز آنے کے سبب سے ہو۔ یا چارے کی ایک ہی گنڈھ میں ہونے کے سبب سے ہو۔ ہاں البتہ جب مشتری کے پاس موجودہ عذروں کے سوا بھی ذرائع حاصل ہیں تو اب سوار ہونا اس کی رضامندی کی دلیل ہے۔

عیب کے آنے جانے کے سبب حکم رجوع کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مبیع میں نیا عیب پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے بائع کو واپس نہیں کر سکا تھا اب یہ عیب جاتا رہا تو اُس پُرانے عیب کی وجہ سے واپس کر سکتا ہے اور جو نقصان لیا ہے اُسے بھی واپس کرنا ہوگا۔ (درمختار، کتاب بیوع)

اسلام کا معاشی واقتصادی نظام فلاح دارین کے ساتھ انسانی حقوق کے تحفظ کا ضامن بھی ہے۔ اسلام کے مطابقتی نظام پر عمل کیا جائے تو نہ تاجر کو خریدار کی جانب سے نقصان پہنچتا ہے اور نہ خریدار کو تاجر کی جانب سے کوئی ضرر لاحق ہوتا ہے۔

چنانچہ شریعت اسلامیہ کا یہ بنیادی قانون ہے کہ کوئی شخص نہ خود ضرر اٹھائے اور نہ دوسرے کو ضرر پہنچائے۔ ارشاد باری ہے: لا تظلمون ولا تظلمون ۔

ترجمہ: نہ تم کسی پر زیادتی کرو نہ تم پر کوئی زیادتی کرے (البقرة، آیت)972

مسند امام احمد جلد 1 صفحہ 515 میں حدیث مبارک ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام میں نہ نقصان (اٹھانا) ہے اور نہ نقصان پہنچانا ہے۔ اس ضرر ونقصان سے بچانے اور تجارت میں دھوکہ دہی سے محفوظ رکھنے کیلئے شریعت مطہرہ میں تاجر کو یہ ہدایت دی گئی کہ کسی چیز میں عیب ہو تو فروخت کرتے وقت خریدار کو آگاہ کردے، عیب کو چھپا کر چیز فروخت کرنا خریدار کو دھوکہ دینا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تاجر کیلئے وعید بیان فرمائی۔

جیسا کہ سنن ابن ماجہ شریف صفحہ 621 میں حدیث مبارک ہے سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس نے کوئی عیب والی چیز فروخت کی اور عیب کو ظاہر نہیں کیا، وہ ہمیشہ اللہ کے غضب میں رہتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ ردالمحتار ج 4 صفحہ 671 میں ہے (قولہ اما بیان نفس العیب فواجب) لان الغش حرام۔

فروخت کرتے وقت عیب بیان کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ دھوکہ حرام ہے۔

مسلم شریف ج 1 ص 07 میں حدیث پاک ہے۔ سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ کے ڈھیر کے پاس تشریف لے گئے اور غلہ کے ڈھیر میں دست اقدس ڈالا تو اس میں کچھ نمی محسوس ہوئی تو آپ نے فرمایا: اے غلہ والے یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ بارش کی وجہ سے غلہ بھیگ چکا تھا تو آپ نے فرمایا: پھر بھیگے ہوئے غلہ کو تم نے اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اس کو دیکھ لیں جس نے دھوکہ کا معاملہ کیا وہ مجھ سے نہیں۔

ان نصوص سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی تاجر کو فروخت کی جانے والی اشیاء کے عیب ونقص کو خریدار پر ظاہر کیئے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں ہے تاہم کسی تاجر نے کوئی عیب دار چیز عیب کی وضاحت کے بغیر فروخت کردی اور خریدار کو خریدنے کے بعد اس میں موجود عیب کا علم ہو تو خریدار کا حق یہ ہے کہ اس کو مبیع صحیح وسالم ملے لیکن عیب پایا گیا۔ بہرحال اس شئے کو عیب کے ساتھ رکھ لینا ضروری قرار دیا جائے تو خریدار کا نقصان ہو جائے گا، اس کو شرعاً یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اس عیب دار چیز کو واپس کردے اور دی ہوئی قیمت اس سے واپس لے لے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ عیب خرید وفروخت کے معاملہ کے وقت موجود تھا۔ اس کے برخلاف خریدنے کے بعد اس میں کوئی عیب آ گیا تو خریدار کو واپس کرنے کا اختیار نہیں۔

فروخت شدہ چیز میں عیب پائے جانے کی وجہ سے اس کو واپس کرنے کے اختیار کو شریعت کی اصطلاح میں خیار عیب کہتے ہیں فتاوی فتاوی ہندیہ، کتاب بیوع ج 3 ص 66 میں ہے: واذا اشتری شیئا لم یعلم بالعیب وقت الشراء ولا علمہ قبلہ والعیب یسیرا وفاحش فلہ الخیاران شاء رضی بجمیع الثمن وان شاء ردہ۔ ترجمہ: جب کسی نے کوئی چیز خریدی اور خریدتے وقت یا اس سے پہلے اس کے عیب سے واقف نہیں تھا، خواہ عیب چھوٹا ہو یا بڑا بعد از اں اسے عیب کا علم ہوا تو اس کو اختیار ہے چاہے تو پوری قیمت کے بدلہ وہ عیب دار چیز لے لے اور اگر چاہے تو اس چیز کو لوٹا دے۔ فتاوی ہندیہ، کتاب

بیوع ج 3 کے اسی صفحہ پر خیار عیب کے شرائط میں ہے :فمنها ثبوت العيب عند البيع او بعده قبل التسليم حتى لو حدث بعد ذلك لا يثبت الخيار ۔

خیار عیار کیلئے خریدی کے وقت یا اس کے بعد خریدار کو حوالہ کرنے سے پہلے عیب کا ثابت ہونا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ اگر خریدار کو دینے کے بعد کوئی عیب پیدا ہو جائے تو خریدار کو مذکورہ اختیار نہیں ہوگا۔

چور غلام کو خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى عَبْدًا قَدْ سَرَقَ وَلَمْ يَعْلَمْ بِهِ فَقُطِعَ عِنْدَ الْمُشْتَرِي لَهُ أَنْ يَرُدَّهُ وَيَأْخُذَ الثَّمَنَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

وَقَالَا :يَرْجِعُ بِمَا بَيْنَ قِيمَتِهِ سَارِقًا إلَى غَيْرِ سَارِقٍ) وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إذَا قُتِلَ بِسَبَبٍ وُجِدَ فِي يَدِ الْبَائِعِ .وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الِاسْتِحْقَاقِ عِنْدَهُ وَبِمَنْزِلَةِ الْعَيْبِ عِنْدَهُمَا .

لَهُمَا أَنَّ الْمَوْجُودَ فِي يَدِ الْبَائِعِ سَبَبُ الْقَطْعِ وَالْقَتْلِ وَأَنَّهُ لَا يُنَافِي الْمَالِيَّةَ فَنَفَذَ الْعَقْدُ فِيهِ لَكِنَّهُ مُتَعَيِّبٌ فَيَرْجِعُ بِنُقْصَانِهِ عِنْدَ تَعَذُّرِ رَدِّهِ وَصَارَ كَمَا إذَا اشْتَرَى جَارِيَةً حَامِلًا فَمَاتَتْ فِي يَدِهِ بِالْوِلَادَةِ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِفَضْلِ مَا بَيْنَ قِيمَتِهَا حَامِلًا إلَى غَيْرِ حَامِلٍ .

وَلَهُ أَنَّ سَبَبَ الْوُجُوبِ فِي يَدِ الْبَائِعِ وَالْوُجُوبُ يُفْضِي إلَى الْوُجُودِ فَيَكُونُ الْوُجُودُ مُضَافًا إلَى السَّبَبِ السَّابِقِ، وَصَارَ كَمَا إذَا قُتِلَ الْمَغْصُوبُ أَوْ قُطِعَ بَعْدَ الرَّدِّ بِجِنَايَةٍ وُجِدَتْ فِي يَدِ الْغَاصِبِ، وَمَا ذُكِرَ مِنْ الْمَسْأَلَةِ مَمْنُوعٌ .

ترجمہ

فرمایا:اور جب کسی شخص نے ایک غلام خریدا جس نے چوری کی ہوئی تھی اور مشتری کو اس کا پتہ ہی نہیں ہے۔اس کے بعد مشتری کے ہاں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مشتری کو پوری قیمت واپس کرتے ہوئے اس غلام کو لوٹانے کا اختیار ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ مشتری اس چور غلام اور چوری نہ کرنے والے غلام میں جتنا فرق ہے وہ لے گا۔اور یہ اسی اختلاف کے مطابق ہے جب بائع کے قبضہ میں موجود کسی وجہ سے اس کو قتل کر دیا جائے۔

اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک غلام کا یہ عیب استحقاق کی طرح ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ

بھی عیب کی طرح ہے اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بائع کے قبضہ میں ہاتھ کاٹنے اور قتل کرنے کا سبب موجود ہے اور یہ سبب مال ہونے کے منافی بھی نہیں ہے پس اس میں عقد بیع نافذ ہوگی۔ ہاں البتہ جب مبیع عیب والی ہے پس مبیع کی واپسی کے ناممکن ہونے کے سبب مشتری نقصان عیب میں رجوع کرنے والا ہوگا۔

اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی شخص نے حاملہ باندی کو خریدا اس کے بعد ولادت کے بعد وہ مشتری کے قبضہ میں فوت ہوگئی تو اب مشتری حاملہ اور غیر حاملہ باندی کے درمیان جو قیمت زیادہ ہوگی اسکو واپس لے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا سبب وجوب یہ بائع کے قبضہ میں پیش آیا ہے اور وجوب کا سبب ہی وجود کا سبب بننے والا ہے پس وجود سابق سبب کی جانب مضاف ہوگا اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب کسی غصب شدہ غلام کو قتل کر دیا جائے یا کسی ایسی جنایت کے بدلے میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے جو غاصب کے قبضہ میں موجود ہو۔ جبکہ صاحبین کی جانب سے بیان کردہ حمل والا مسئلہ ہمیں منظور نہیں ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بچھونے پر پیشاب کرنا عیب ہے چوری کرنا عیب ہے چاہے اتنا چرایا جس سے ہاتھ کاٹا جائے یا اس سے کم۔ اسی طرح کفن چرانا جیب کاٹنا بھی عیب ہے بلکہ نقب لگانا بھی عیب ہے۔ کھانے کی چیز کھانے کے لیے مالک کی چرائی تو عیب نہیں اور بیچنے کے لیے چرائی یا دوسرے کی چیز چرائی تو عیب ہے۔ بعض فقہانے فرمایا کہ مالک کا پیسہ دو پیسے چرانا عیب نہیں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

غلام کا بائع کے قبضہ میں چوری کرنے کا بیان

وَلَوْ سَرَقَ فِي يَدِ الْبَائِعِ ثُمَّ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي فَقُطِعَ بِهِمَا عِنْدَهُمَا يَرْجِعُ بِالنُّقْصَانِ كَمَا ذَكَرْنَا.

وَعِنْدَهُ لَا يَرُدُّهُ بِدُونِ رِضَا الْبَائِعِ لِلْعَيْبِ الْحَادِثِ وَيَرْجِعُ بِرُبْعِ الثَّمَنِ، وَإِنْ قَبِلَهُ الْبَائِعُ فَبِثَلَاثَةِ الْأَرْبَاعِ ؛ لِأَنَّ الْيَدَ مِنَ الْآدَمِيِّ نِصْفُهُ وَقَدْ تَلِفَتْ بِالْجِنَايَتَيْنِ وَفِي إحْدَاهُمَا رُجُوعٌ فَيَتَنَصَّفُ ؛ وَلَوْ تَدَاوَلَتْهُ الْأَيْدِي ثُمَّ قُطِعَ فِي يَدِ الْأَخِيرِ رَجَعَ الْبَاعَةُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ عِنْدَهُ كَمَا فِي الِاسْتِحْقَاقِ، وَعِنْدَهُمَا يَرْجِعُ الْأَخِيرُ عَلَى بَائِعِهِ وَلَا يَرْجِعُ بَائِعُهُ عَلَى بَائِعِهِ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْعَيْبِ.

وَقَوْلُهُ (فِي الْكِتَابِ وَلَمْ يَعْلَمْ الْمُشْتَرِي) يُفِيدُ عَلَى مَذْهَبِهِمَا ؛ لِأَنَّ الْعِلْمَ بِالْعَيْبِ رِضًا بِهِ، وَلَا يُفِيدُ عَلَى قَوْلِهِ فِي الصَّحِيحِ ؛ لِأَنَّ الْعِلْمَ بِالِاسْتِحْقَاقِ لَا يَمْنَعُ الرُّجُوعَ.

ترجمہ

اور جب غلام نے بائع کے قبضہ میں ہوتے ہوئے چوری کی اور مشتری کے قبضہ میں ہوتے ہوئے بھی چوری کر ڈالی اور ان دونوں طرح جنایت کے بدلے میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو صاحبین کے نزدیک مشتری عیب والے نقصان کے ساتھ رجوع کرے گا۔ جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک نئے عیب ہونے کے سبب بائع کی رضامندی کے بغیر مشتری اس کو واپس نہیں کر سکتا ہاں وہ چوتھائی قیمت واپس لے لے گا اور جب بائع نے اس غلام کو قبول کر لیا تو مشتری تین چوتھائی قیمت واپس کرے گا۔ کیونکہ ہاتھ انسان کا نصف حصہ ہے اور دو جرموں کے بدلے میں کاٹا گیا ہے اور ان میں سے ایک میں مشتری کو رجوع کرنے کا حق حاصل تھا پس اس نصف کے دو حصے کر دیئے جائیں گے۔

اور جب غلام کو کئی لوگوں نے خریدا ہے اور اسکے بعد سب سے آخر والے مشتری کے ہاں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حقدار ہونے کی طرح سارے مشتری دوسرے پر رجوع بہ ثمن کرنے والے ہوں گے۔

صاحبین کے نزدیک صرف آخری مشتری اپنے بائع سے ثمن واپس لے گا اور اس کا بائع اپنے بائع سے رجوع کرنے والا نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ عیب کے حکم میں ہے۔

جامع صغیر میں حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا قول جب وہ نہ جانتا ہو' یہ صاحبین کے مذہب پر مفید ہے کیونکہ عیب پر مطلع ہونا یہ عیب پر راضی ہونا ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مطابق اس قید کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ علم بہ استحقاق یہ رجوع سے روکنے والا نہیں ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مبیع میں اگر نقصان پیدا ہو گیا اور یہ نقصان مشتری کے فعل سے ہوا یا خود مبیع کے فعل سے ہوا یا آفت سماویہ سے ہوا بائع مشتری سے مبیع کو واپس لے گا اور اس نقصان کا معاوضہ بھی لے گا مثلاً کپڑے کو مشتری نے قطع کرا لیا ہے مگر ابھی سلوایا نہیں تو بائع مشتری سے وہ کپڑا لے گا اور قطع ہو جانے سے جو قیمت میں کمی ہوگئی وہ لے گا اور اگر وہ نقصان دفع ہو گیا تو جو کچھ اس کا معاوضہ لے چکا ہے بائع واپس کرے مثلاً کنیز تھی اُس کی آنکھ خراب ہوگئی جس کا نقصان لیا پھر اچھی ہوگئی تو واپس کر دے یا لونڈی کا نکاح کر دیا تھا پھر بیع فسخ ہوگئی اور نکاح کرنے سے جو نقصان ہوا بائع نے مشتری سے وصول کیا پھر اُس کے شوہر نے قبلِ دخول طلاق دیدی تو یہ معاوضہ واپس کر دے۔

اور اگر مبیع میں نقصان کسی اجنبی شخص کے فعل سے ہوا تو بائع کو اختیار ہے کہ اس کا معاوضہ اُس اجنبی سے لے یا مشتری سے اگر مشتری سے لے گا تو مشتری وہ رقم اُس اجنبی سے وصول کریگا۔ مبیع میں نقصان خود بائع نے کیا تو یہ نقصان پہنچانا ہی واپس کرنا ہے یعنی فرض کرو اگر وہ مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی اور مشتری نے اُس کو بائع سے روکا نہ ہو تو بائع کی ہلاک ہوئی مشتری اُس کا

تاوان نہیں دے گا اور ثمن دے چکا ہے تو واپس لے گا اور اگر مشتری کی طرف سے مبیع کی واپسی میں رکاوٹ ہوئی اس کے بعد ہلاک ہوئی تو دو صورتیں ہیں : یہ ہلاک ہونا اُسی نقصان پہنچانے سے ہوا یعنی یہاں تک اُس کا اثر ہوا کہ ہلاک ہوئی جب بھی بائع کی ہلاک ہوئی مشتری پر تاوان نہیں اور اگر اُس کے اثر سے نہ ہو تو مشتری کو تاوان دینا ہوگا مگر وہ نقصان جو بائع نے کیا ہے اُس کا معاوضہ اُس میں سے کم کر دیا جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

بائع کا غلام میں ہر عیب سے بری ہونے کی شرط لگانے کا بیان

(قَالَ :وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا وَشَرَطَ الْبَرَاءَةَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرُدَّهُ بِعَيْبٍ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ الْعُيُوبَ بِعَدَدِهَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا تَصِحُّ الْبَرَاءَةُ بِنَاءً عَلَى مَذْهَبِهِ أَنَّ الْإِبْرَاءَ عَنْ الْحُقُوقِ الْمَجْهُولَةِ لَا يَصِحُّ .

هُوَ يَقُولُ :إنَّ فِي الْإِبْرَاءِ مَعْنَى التَّمْلِيكِ حَتَّى يَرْتَدَّ بِالرَّدِّ، وَتَمْلِيكُ الْمَجْهُولِ لَا يَصِحُّ

وَلَنَا أَنَّ الْجَهَالَةَ فِي الْإِسْقَاطِ لَا تُفْضِي إلَى الْمُنَازَعَةِ وَإِنْ كَانَ فِي ضِمْنِهِ التَّمْلِيكُ لِعَدَمِ الْحَاجَةِ إلَى التَّسْلِيمِ فَلَا تَكُونُ مُفْسِدَةً، وَيَدْخُلُ فِي هَذِهِ الْبَرَاءَةِ الْعَيْبُ الْمَوْجُودُ وَالْحَادِثُ قَبْلَ الْقَبْضِ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يَدْخُلُ فِيهِ الْحَادِثُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّ الْبَرَاءَةَ تَتَنَاوَلُ الثَّابِتَ .

وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْغَرَضَ إلْزَامُ الْعَقْدِ بِإِسْقَاطِ حَقِّهِ عَنْ صِفَةِ السَّلَامَةِ وَذَلِكَ بِالْبَرَاءَةِ عَنْ الْمَوْجُودِ وَالْحَادِثِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے غلام کو بیچ دیا اور اس میں ہر عیب سے بری ہونے کی شرط لگائی تو مشتری کو کسی بھی قسم کے عیب کے سبب غلام کو واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ خواہ بائع نے تمام عیوب کی تعداد نہ بھی بیان کی ہو۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: بائع کی طرف سے یہ برأت صحیح نہیں ہے۔ اور آپ کا یہ قول آپ کے مذہب پر بنی ہے کیونکہ حقوق مجہولہ میں برأت صحیح نہیں ہے (فقہ شافعی کے مطابق قاعدہ فقہیہ) امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ برأت میں تملیک کا حکم موجود ہے حتی کہ مدیون کے رد کرنے کے سبب برأت ہو جاتی ہے اور مجہول چیز کا مالک بنانا درست نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حوالے کرنے کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے برأت کا ساقط ہونا یہ ایسی جہالت ہے جو جھگڑے کی طرف لے جانے والی نہیں ہے پس یہ جہالت عقد کو فاسد کرنے والی نہ ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قول کے مطابق قبضہ سے پہلے پیدا ہونے والے عیب سے برأت اور اس برأت میں موجود عیب یہ دونوں شامل ہیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: نئے عیب کی برأت اس میں شامل نہ ہوگی اور امام زفر علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے کیونکہ برأت موجود اور ثابت چیز دونوں کو شامل ہوا کرتی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے برأت کا مقصد یہ ہے کہ مبیع میں موجود سلامتی کے وصف کے حوالے سے مشتری کے حق کو ساقط کرتے ہوئے عقد کو لازم کرنا ہے اور موجودہ اور نئے پیدا ہونے والے دونوں طرح کے عیوب سے برأت کے ذریعے عقد کو لازم کرنا حاصل ہو جائے گا۔

عیب حادث کا برأت میں داخل ہونے میں فقہی مذاہب

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نئے پیدا ہونے والے عیب کی برأت پر تو اجماع ہے جبکہ مصنف علیہ الرحمہ کے قول جس طرح ظاہر الروایت میں ہے اس سے مراد امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا قول اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول بھی اسی طرح ہے جبکہ امام زفر، امام حسن، امام شافعی، امام محمد، امام مالک اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے ایک روایت کے مطابق جدید پیدا ہونے والا عیب برأت میں داخل نہ ہوگا۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۵، بیروت)

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہمیں زید بن ثابت ؓ سے یہ قول پہنچا ہے کہ انہوں نے کہا جس شخص نے غلام عیب کی عدم ذمہ داری پر فروخت کیا تو وہ ہر عیب سے بری ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن عمر ؓ نے عیب کی عدم ذمہ داری پر فروخت کیا اور برات کو جائز سمجھا۔ ہم زید بن ثابت اور عبداللہ بن عمر ؓ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص نے غلام یا کوئی شے خریدی اور ہر عیب کی ذمہ داری سے بری ہونے کی شرط کر لی۔

اور مشتری نے اس پر راضی ہو کر قبضہ کر لیا تو وہ ہر عیب کی ذمہ داری سے آزاد ہے۔ اسے معلوم ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ خریدار نے اسے اس سے آزاد کر دیا ہے۔ لیکن علمائے مدینہ کے نزدیک فروخت کرنے والا صرف اس عیب سے بری ہوگا جس کا اسے علم نہیں۔ جس عیب کا اسے علم ہو اور اس نے اس عیب کو چھپایا ہو تو وہ اس سے بری نہ ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب بائع عیب بتا کر اس سے عدم ذمہ داری کی شرط کر لے تو وہ اس سے بری ہوگا خواہ اس عیب کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ جب اس نے کہہ دیا کہ میں برات کی شرط پر فروخت کرتا ہوں اور اس نے عیب بتا بھی دیا تو اس شرط کی بناء پر مناسب ہے کہ وہ بری ہو جائے گا۔ اور یہی ابو حنیفہؒ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ (موطا امام محمد، حدیث، ۷۷۰)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کسی چیز بیچ کی اور بائع نے کہہ دیا کہ میں ہر عیب سے بری الذمہ

ہوں یہ بیع صحیح ہے اور اس مبیع کے واپس کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح اگر بائع نے کہدیا کہ لینا ہو تو لو اس میں سو طرح کے عیب ہیں یا یہ مٹی ہے یا اسے خوب دیکھ لو کیسی بھی ہو میں واپس نہیں کروں گا یہ عیب سے براءت ہے۔ جب ہر عیب سے براءت کر لے تو جو عیب وقت عقد موجود ہے یا عقد کے بعد قبضہ سے پہلے پیدا ہوا سب سے براءت ہو گئی۔ کوئی چیز خریدی اس کا کوئی خریدار آیا اُس سے کہا اسے لے لو اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔

اور اتفاق سے اُس نے نہیں خریدی پھر مشتری نے اُس میں کوئی عیب دیکھا تو واپس کرسکتا ہے اور اُس کا پہلے یہ کہنا کہ اس میں کوئی عیب نہیں ہے مضر نہیں کہ اس سے مقصود ترغیب ہے اور اگر اُس نے کسی عیب کا نام لے کر کہا کہ یہ عیب اس میں نہیں ہے اور بعد میں وہی عیب اُس میں موجود ملا تو واپس نہیں کرسکتا ہاں اگر ایسے عیب کا نام لیا جو اس دوران میں پیدا نہیں ہوسکتا جیسے اُنگلی کا زائد ہونا تو واپس کرسکتا ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

﴿یہ باب بیع فاسد کے بیان میں ہے﴾

باب بیع فاسد کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے بیع کی صحیح اقسام اوران کے احکام کو بیان کیا ہے احکام شریعت میں یہ فقہی اصول ہے کہ کسی چیز کے فساد کا حکم اس کی صحت کے بعد کسی عارض کے سبب واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ فساد صحیح کے بعد آتا ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے بیع فاسد کے احکام کو مؤخر ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح نماز وروزہ وحج وغیرہ دیگر احکام شرعیہ میں بھی حکم فساد عبادت کو شروع طریقے سے جاری کرنے کے بعد آتا ہے۔ لہذا افساد کا مؤخر ہونا یہ اس کا اصلی مقام ہے۔ جبکہ صحت تقدم یہ اس کا اصلی مقام ومرتبہ ہے۔

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کسی بھی حکم کی صحت اس کے مقصود تک پہنچانے والی ہے جبکہ فاسد مقصود سے محروم کرنے کا سبب بننے والا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵ ص ۱۱، بیروت)

صحیح اور فاسد کا فقہی مفہوم

صحیح: لغت میں بیمار (سقیم) کے متضاد کو صحیح کہتے ہیں۔ اصطلاح میں صحیح اسے کہتے ہیں جس سے عبادت کا درست ہونا اور معاملات کا نافذ ہونا متعلق ہو۔

مثال کے طور پر (شرعی) نماز اس وقت واقع (صحیح) ہوتی ہے جب اس میں شرائط مکمل طور پر پائی جائیں، ارکان مکمل طور پر ادا کیے جائیں اور موانع ختم ہوجائیں، اگرچہ یہ سب کچھ فاعل کے خیال میں ہی ہو، اسی طرح تجارت بھی ایسے شخص کی صحیح (واقع) ہوتی ہے جو مباح چیز پر اختیار رکھتا ہو اور اسے سپرد کرنے پر قدرت رکھتا ہو اور وہ چیز حقیقت میں اس کی ملکیت ہو، تو اگر بائع (بیچنے والا) ایسی چیز کو بیچے جس کے بارے میں اس کا گمان یہ ہو کہ یہ چیز کسی اور کی ملکیت میں ہے لیکن پھر اس پر یہ بات ظاہر ہوجائے کہ واقعی وہ چیز اسی (بائع) کی تھی تو بیع (تجارت) صحیح ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاملات حقائق پر مبنی ہوتے ہیں اور عبادات فاعل کے اعتقاد پر۔

فاسد: لغت میں فاسد ایسی چیز کو کہتے ہیں جس میں کوئی خرابی ہو۔ اصطلاح میں ایسی چیز کو فاسد کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ عبادت کی ادائیگی اور معاملات کا نفاذ نہ ہو۔ عبادات کی مثال جیسا کہ نماز کو اس کے وقت سے پہلے پڑھ لینا، اور معاملات کی مثال جیسا کہ ایسی چیز کو بیچنا جو بندہ کی ملکیت ہی نہ ہو۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ان دونوں کے درمیان فرق کرتے ہیں، ان کے نزدیک فاسد وہ ہے جو اصل میں تو جائز ہو لیکن کسی

وصف کی وجہ سے ممنوع ہوجائے جیسا کہ ایک مد گندم کی بیع ایک مد گندم اور ایک درہم کے بدلے کرنا۔ایک مد گندم کی تجارت ایک مد کے بدلے تو جائز ہے (مگر یہ فاسد اس وقت ہوا جب دوسری طرف سے مُد کے ساتھ ایک درہم بھی لیا گیا) پس اگر درہم کو ختم کردیا جائے تو اصل شریعت کو دیکھتے ہوئے سودا درست (صحیح) ہوگا۔

فاسد و باطل میں فرق کا بیان

جس کے کرنے کے بعد بھی کوئی اثر مرتب نہ ہو، مثلاً عبادت کی ادائیگی کے باوجود انسان اپنی ذمہ داری سے عہدہ برانہ ہو سکے، یا بیع کرنے کے باوجود ملکیت وتصرف کا فائدہ حاصل نہ ہو۔فاسد و باطل میں احناف نے فرق کیا ہے۔ان کے نزدیک ایسا عمل جو نہ اصلاً مشروع ہو اور نہ وصفاً اسے "باطل" کہتے ہیں اور جو اصلاً مشروع ہو مگر کسی وصف کے سبب غیر مشروع ہوجائے اسے "فاسد" کہتے ہیں۔

فاسد وہ جس کی اصل حقیقت خلل سے خالی ہو مگر وصف یعنی ان متعلقات میں خلل ہو جو قوام عقد میں داخل نہیں مثلاً شروط فاسدہ اگر رکن ومحل سالم از خلل ہوں تو بیع شرعی قطعاً متحقق، پھر اگر وصف میں خلل ہے مثلاً بیع مقدور التسلیم نہیں یا مجہول ہے یا کوئی شرط فاسد مفہوم، اصل یہ کہ بیع شرعی میں مبادلہ مال بمال کا نام ہے ایجاب وقبول اس کے رکن اور مال متقوم محل اور اجل وقدرت تسلیم وشرط وغیرہا اوصاف اور انتقال ملک حکم واثر ہے اپنے وجود شرعی میں صرف رکن ومحل کا محتاج ہے کہ بے ان کے اس کے (تحقق کی کوئی ضرورت نہیں) جو خلل کہ ان میں ہوگا مبطل بیع قرار پائے گا جس کے معنی یہ ہوں گے کہ عندالشرع بیع ہی نہیں خلل رکن مثل بیع یعنی جس طرح بیع ہوئی ہی نہیں ہے۔

دونوں اعواض یا ایک کے حرام ہونے کا بیان

(وَإِذَا كَانَ أَحَدُ الْعِوَضَيْنِ أَوْ كِلَاهُمَا مُحَرَّمًا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ كَالْبَيْعِ بِالْمَيْتَةِ وَالدَّمِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْخَمْرِ، وَكَذَا إذَا كَانَ غَيْرَ مَمْلُوكٍ كَالْحُرِّ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :هَذِهِ فُصُولٌ جَمَعَهَا، وَفِيهَا تَفْصِيلٌ نُبَيِّنُهُ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى فَنَقُولُ :الْبَيْعُ بِالْمَيْتَةِ وَالدَّمِ بَاطِلٌ، وَكَذَا بِالْحُرِّ لِانْعِدَامِ رُكْنِ الْبَيْعِ وَهُوَ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ، فَإِنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ لَا تُعَدُّ مَالًا عِنْدَ أَحَدٍ وَالْبَيْعُ بِالْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ فَاسِدٌ لِوُجُودِ حَقِيقَةِ الْبَيْعِ وَهُوَ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ فَإِنَّهُ مَالٌ عِنْدَ الْبَعْضِ وَالْبَاطِلُ لَا يُفِيدُ مِلْكَ التَّصَرُّفِ .

ترجمہ

اور جب دونوں اعواض میں سے ایک یا دونوں حرام ہیں تو بیع فاسد ہے جس طرح مردار، خون، شراب اور خنزیر کے بدلے میں

بیع کرنا ہے۔اور اسی جب دو غیر ملکیت ہوں جس طرح آزاد کے بدلے میں بیع کرنا ہے۔

مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ امام قدوری علیہ الرحمہ نے بیع ان تمام صورتوں کو مکس کر دیا ہے جبکہ ان میں تفصیل ہے جس کو ان شاءاللہ ہم بیان کریں گے۔

ہم کہتے ہیں کہ مردار اور خون کے بدلے میں خرید وفروخت کرنا باطل ہے اور اسی طرح آزاد کے بدلے میں بیع باطل ہے کیونکہ اس میں بیع رکن مال کا تبادلہ مال کے ساتھ ہو یہ معدوم ہے کیونکہ ان اشیاء کو کسی کے ہاں بھی مال نہیں سمجھا جاتا جبکہ شراب اور خنزیر کے بدلے میں خرید وفروخت فاسد ہے اگرچہ ان میں مال کا تبادلہ مال کے ساتھ حقیقی طور پر موجود ہے کیونکہ بعض لوگوں کے نزدیک شراب مال ہے۔اور باطل بیع ملکیت تصرف کا فائدہ دینے والی نہیں ہے۔

شرح

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس صورت میں بیع کا کوئی رُکن مفقود ہو یا وہ چیز بیع کے قابل ہی نہ ہو وہ بیع باطل ہے۔پہلی کی مثال یہ ہے کہ مجنون یا غیر عاقل بچے نے ایجاب یا قبول کیا کہ ان کا قول شرعاً معتبر ہی نہیں، لہٰذا ایجاب یا قبول پایا ہی نہ گیا۔دوسری کی مثال یہ ہے کہ مبیع مُردار یا خون یا شراب یا آزاد ہو کہ یہ چیزیں بیع کے قابل نہیں ہیں اور اگر رکنِ بیع یا محلِ بیع میں خرابی نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ کوئی خرابی ہو تو وہ بیع فاسد ہے مثلاً ثمن خمر ہو یا مبیع کی تسلیم پر قدرت نہ ہو یا بیع میں کوئی شرط خلاف عقد کے تقاضہ ہو۔

اور جب مبیع یا ثمن دونوں میں سے ایک بھی ایسی چیز ہو جو کسی دینِ آسمانی میں مال نہ ہو، جیسے مُردار، خون، آزاد، ان کو چاہے مبیع کیا جائے یا ثمن، بہرحال بیع باطل ہے اور اگر بعض دین میں مال ہوں بعض مُیں نہیں جیسے شراب کہ اگرچہ اسلام میں یہ مال نہیں مگر دین موسوی وعیسوی میں مال تھی، اس کو مبیع قرار دیں گے تو بیع باطل ہے اور ثمن قرار دیں تو فاسد مثلاً شراب کے بدلے میں کوئی چیز خریدی تو بیع فاسد ہے اور اگر روپیہ پیسہ سے شراب خریدی تو باطل۔(ردمحتار، کتاب بیوع)

خنزیر (سؤر) کی حرمت کے سائنسی دلائل

قرآن میں تقریباً 4 مقامات پر سؤر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا گیا ہے۔یہ ممانعت ان آیات : 173/2,3/5,145/6, اور 115/16 میں آئی ہے۔ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّماً عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَماً مَّسْفُوْحاً اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقاً اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

"آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کیلئے جو اس کو

کھانے والے پر کہ وہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر خدا کے نامزد کر دیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبور ہو جائے بشرطیکہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو واقعی آپ کا رب غفور رحیم ہے۔ (سورۃ انعام 145)

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۔

"تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا گیا ہو، اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو، اور جو اونچی جگہ سے گر کر مرا ہو، اور جو کسی کے سینگ مارنے سے مرا ہو، اور جسے درندوں نے چیر کھایا ہو لیکن اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو، اور یہ بھی کہ قرعہ کے تیروں کے ذریعہ فال گیری کرو یہ سب بدترین گناہ ہیں"۔ (سورۃ المائدۃ ۔3)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کئی احادیث میں سور کے حرام ہونے کا امت کو بتایا ہے۔ اور اس کو بیچنا بھی حرام قرار دے دیا ہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بھی ہے کہ قیامت کے قریب جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے تو صلیب توڑنے کے ساتھ ساتھ خنزیر کو بھی قتل کریں گے۔ (متفق علیہ)۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں سور کس قدر ناپسندیدہ جانور ہے۔ یہ آیات اور احادیث مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان اس جانور سے صدیوں سے نفرت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ مگر مقام افسوس ہے کہ بائبل کے منع کرنے کے باوجود یہودی اور عیسائی اس غلیظ جانور سے محبت کرتے اور اس کا گوشت ان کی مرغوب غذا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ بائبل نے اس جانور کے متعلق اپنے متبعین کو کیا ہدایات دی تھیں۔ بائبل کے عہد نامہ عتیق کی کتاب احبار میں لکھا ہے ": اور سور نہ کھانا کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں، ہر چند وہ جگالی نہیں کرتا، وہ تمہارے لیے ناپاک ہے۔ تم ان کا گوشت نہ کھانا اور ان کی لاشوں کو بھی نہ چھونا، وہ تمہارے لیے ناپاک ہیں"۔

(احبار 11/7-8 :)۔ کتاب استثناء میں لکھا ہے ": اور سور تمہارے واسطے اس لیے ناپاک ہے کہ اس کے پاؤں تو چرے ہوتے ہیں مگر وہ جگالی نہیں کرتا۔ تم ان کا گوشت نہ کھانا نہ ان کی لاش کو چھونا"۔ (استثناء 14/8 :)۔ اسی طرح بائبل کی کتاب یسعیاہ باب 65 فقرہ 2 تا 5 میں بھی سور کا گوشت کھانے کی ممانعت ہے۔

تاہم دوسرے غیر مسلم اور دہریے قرآن مجید اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی وقت کان دھریں گے کہ جب ان کو دلائل

عقلی اور سائنس کی بنیاد پر سمجھایا جائے کہ سؤر کا گوشت مختلف قسم کی کم از کم 70 بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔اسے کھانے والے کے معدے اور آنتوں میں کئی قسم کے کیڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔مثلاً ,Trichinella Spiralis پن ورم، ہک ورم اور Taenia Solium وغیرہ۔اور بعض کے اندر ایسے بہت سے امراض ہوتے ہیں جو انسان کے درمیان مشترک ہوتے ہیں جیسے (فاشیولا) کیڑے کے اندر انفلوئنزا کے جراثیم ہوتے ہیں،اسی طرح Ascaris اور پیٹ کے سانپ Fasciolopsis Buski, چین میں بہت زیادہ ہوتے ہیں ۔اور خنزیر پالنے والوں اور ان سے میل جول رکھنے والوں کے اندر Balantidiasis کا مرض وبائی شکل میں ظاہر ہوتا ھے۔جیسا کہ بحرالکاہل (Pacific Ocean) کے ایک جزیرے میں خنزیر کے پاخانہ کے پھیلنے کے نتیجہ میں ہوا۔اگرچہ جرمنی،فرانس،فلپائن اور وینزویلا وغیرہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے جدید ٹیکنیکس بروئے کار لاکر خنزیر کے گوشت کی نجاستوں اور خباستوں کو دور کر دیا ہے لیکن ان ممالک کے مخصوص سرٹیفائڈ فارموں کا مذکورہ گوشت کھانے والے بیشمار افراد میں بھی Trichinellosis کا مرض لگ جاتا ہے۔جس کی وجہ سے معدے سے آواز نکلنے لگتی ہے اور کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جن کی تعداد کم از کم دس ہزار ہوتی ہے پھر یہ کیڑے خون کے راستہ سے انسان کے پٹھوں میں منتقل ہو جاتے ہیں اور پھر مزید مہلک امراض کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔اسی طرح Spiralis کا مرض بیمار خنزیر کا گوشت کھانے سے لگتا ہے۔اس مرض میں بھی انسان کی آنتوں کے اندر کیڑا پروان چڑھنے لگتا ہے جس کی لمبائی کبھی کبھی سات میٹر سے بھی لمبی ہوتی ہے جس کا کانٹے دار سر آنتوں کی دیواروں کے اندر فضلے اور دوران خون کی دشواری کا سبب بنتا ہے اسکی چار چوسنے والی چونچیں اور ایک گردن ہوتی ہے جس سے مزید چونچ دار کیڑے وجود میں آتے ہیں جن کا ایک مستقل وجود ھوتا ہے اور تعداد ہزار تک ہوتی ہے،اور ہر بار ہزار انڈے پیدا ہوتے ہیں اور انڈوں سے ملوث کھانا کھانے کی صورت میں Taenia Solium کا مرض لگ جاتا ہے۔ٹائینا سولیئم کے انڈے (Ova) خون کی گردش میں شامل ہو کر جسم کے کسی بھی حصے میں پہنچ جاتے ہیں اگر یہ دماغ تک جا پہنچیں تو یادداشت کو شدید نقصان پہنچاتے ہیں اگر یہ دل میں داخل ہو جائیں تو دل کے دورے کی وجہ بن سکتے ہیں۔آنکھ میں جا پہنچنے پر نابینا پن ہو سکتا ہے۔جگر میں داخل ہو جائیں تو پورے جگر کا ستیاناس کر ڈالتے ہیں غرض اس ایک مرض سے جسم کے کم وبیش تمام اعضا غارت ہو سکتے ہیں۔سور کے گوشت کا کاروبار کرنے والوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اسے 70 ڈگری پر پکانے سے اس کے بیشتر جراثیم مرجاتے ہیں جو کہ صرف اپنی پراڈکٹس بیچنے کا پراپیگنڈہ ہے۔

امریکہ میں کی گئی ایک تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اس گوشت کے استعمال سے لگنے والے خطرناک طفیلیے ٹرائی کیورا سے متاثرہ چوبیس افراد میں سے بیس ایسے تھے جنہوں نے 70 ڈگری سے زائد پر پکا ہوا سؤر کا گوشت کھایا تھا اس سے اخذ کیا گیا کہ مخصوص درجہ حرارت پر پکانے سے بھی ایسے جراثیم کسی طور نہیں مرتے۔اس گوشت کے کھانے والے میں بے غیرتی کے جراثیم بھی داخل ہو جاتے ہیں یعنی اپنی ازدواجی زندگی میں دیگر مرد حضرات کی شراکت اچھی لگنے لگتی ہے یہی وجہ ہے کہ اپنی بیویاں ایک دوسرے سے بدلنے والے سور کے گوشت کے رسیا ہوتے ہیں لہذا مسلمان تو مسلمان کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے یا لادین

افراد کو بھی اپنی صحت اور متوازن انسانی طرز زندگی کی خاطر اس کے استعمال سے لازمی بچنا چاہیے۔ علاوہ ازیں سور کے گوشت میں عضلات سازمادہ کم اور حد سے زیادہ چربی ہوتی ہے۔ یہ چربی خون کی نالیوں میں جم جاتی ہے جو فالج اور دل کے دورے کا باعث بنتی ہے۔ یہ کوئی حیران کن بات نہیں کہ 50 فیصد امریکی ہائی بلڈ پریشر کا شکار ہیں۔

سور روئے زمین کا غلیظ ترین جانور ہے۔ یہ گوبر، فضلے اور گندگی پر پھلتا پھولتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے غلاظت خور اور سب سے زیادہ گندگی پر گزارا کرنے والا جانور بنایا ہے۔ دیہات میں عموماً گٹر نیز اور بیت الخلا نہیں ہوتے، اس لیے لوگ کھلی جگہوں پر رفع حاجت کرتے ہیں اور اکثر اس غلاظت کو سور ہی چٹ کر جاتے ہیں۔ کوئی یہ دلیل دے سکتا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک جیسے آسٹریلیا وغیرہ میں سوروں کو بڑی صاف ستھری جگہ پالا جاتا ہے۔ ان صاف جگہوں پر بھی ان کو باڑوں میں رکھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سوروں کو کتنی ہی صاف ستھری جگہ پر رکھا جائے، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، یہ فطرتاً گندے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنا بلکہ ساتھ والے کا فضلہ بھی کھا جاتے ہیں۔

خنزیر زمین پر پایا جانے والا سب سے بے شرم جانور ہے۔ یہ واحد جانور ہے کہ جو دیگر سوروں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس کی مادہ سے جنسی ملاپ کریں۔ امریکہ اور یورپ میں اکثر لوگ اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ اسی کا اثر ہے کہ آج اس معاشرے میں شرم و حیا کا جنازہ نکل چکا ہے۔ بائبل کے منع کرنے کے باوجود یہ سوروں کو پالتے، ان کا گوشت کھاتے اور اس کے چمڑے وغیرہ سے چیزیں تیار کرتے ہیں۔ مائیکروسافٹ انکارٹا کے مطابق چین میں 46 کروڑ، امریکہ میں 6 کروڑ، برازیل میں 3 کروڑ اور جرمنی میں 2.6 کروڑ سور پائے جاتے ہیں۔ یہ وہ ممالک ہیں کہ جہاں سب سے زیادہ سور پائے جاتے ہیں۔ مجموعی طور پر تقریباً 94 کروڑ سور اس زمین پر پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں سور کی کھال (Pigskin) یا چمڑے سے سوٹ کیس، دستانے، جیکٹ اور فٹ بال تیار کیے جاتے ہیں۔ اس کے سخت بالوں سے برش تیار کیے جاتے ہیں۔ اس کی چربی سے کئی مصنوعات تیار کی جاتی ہیں جو بیکری اور کھانا بنانے میں استعمال ہوتی ہیں۔

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قرآن کے سور کو حرام قرار دینے میں کتنی مصلحتیں ہیں۔ اللہ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات پر ہمارا ایمان پہلے بھی تھا اور آج سائنس کی بدولت اللہ نے ہمیں ان خطرات سے آگاہ بھی فرما دیا ہے۔ جو سور کے کھانے سے ہمیں پہنچ سکتے تھے۔

بائع کی مبیع کو مشتری کے پاس ہلاک ہونے کا بیان

وَلَوْ هَلَكَ الْمَبِيعُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي فِيهِ يَكُونُ أَمَانَةً عِنْدَ بَعْضِ الْمَشَايِخِ لِأَنَّ الْعَقْدَ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ فَبَقِيَ الْقَبْضُ بِإِذْنِ الْمَالِكِ وَعِنْدَ الْبَعْضِ يَكُونُ مَضْمُونًا لِأَنَّهُ لَا يَكُونُ أَدْنَى حَالًا مِنْ الْمَقْبُوضِ عَلَى سَوْمِ الشِّرَاءِ.

وَقِيلَ الْأَوَّلُ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَالثَّانِي قَوْلُهُمَا كَمَا فِي بَيْعِ أُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرِ عَلَى مَا نُبَيِّنُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، وَالْفَاسِدُ يُفِيدُ الْمِلْكَ عِنْدَ اتِّصَالِ الْقَبْضِ بِهِ وَيَكُونُ الْمَبِيعُ مَضْمُونًا فِي يَدِ الْمُشْتَرِي فِيهِ . وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ وَسَنُبَيِّنُهُ بَعْدَ هَذَا . وَكَذَا بَيْعُ الْمَيْتَةِ وَالدَّمِ وَالْحُرِّ بَاطِلٌ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ أَمْوَالًا فَلَا تَكُونُ مَحَلًّا لِلْبَيْعِ .

ترجمہ

اور جب کسی نے باطل بیع کی اور مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی تو بعض مشائخ فقہاء کے نزدیک بیع امانت ہو جائے گی کیونکہ عقد کا اعتبار نہیں ہے پس مالک کی اجازت کے سبب صرف قبضہ باقی رہ گیا ہے۔ جبکہ دوسرے بعض مشائخ فقہاء کے نزدیک بیع ضمانت والی ہے کیونکہ یہ مبیع خرید وفروخت کر کے قبضہ میں لینے والی مبیع سے کم حالت کی نہیں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ پہلا قول حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا ہے جبکہ دوسرا قول صاحبین کا ہے۔ جس طرح ام ولد اور مدبر کی بیع میں ان فقہاء کے اقوال میں اختلاف ہے اسی تفصیل کے موافق جس کو ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ بیع فاسد وقت اتصال ملکیت کا فائدہ دینے والی ہے (قاعدہ فقہیہ) اور بیع فاسد میں مبیع مشتری کے قبضہ میں بطور ضمان ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے ان شاء اللہ ہم عنقریب اس مسئلہ کے بعد اس کو بیان کررہے ہیں۔

اور اسی مردار، خون اور شراب کی بیع باطل ہے کیونکہ یہ مال نہیں ہے پس بیع کا محل بھی نہ ہوں گے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیع فاسد میں مشتری پر اولاً یہی لازم ہے کہ قبضہ نہ کرے اور بائع پر بھی لازم ہے کہ منع کر دے بلکہ ہر ایک پر بیع فسخ کر دینا واجب اور قبضہ کر ہی لیا تو واجب ہے کہ بیع کو فسخ کر کے مبیع کو واپس کر لے یا کر دے فسخ نہ کرنا گناہ ہے اور اگر واپسی نہ ہو سکے مثلاً مبیع ہلاک ہوگئی یا ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ واپسی نہیں ہو سکتی (جس کا بیان آتا ہے) تو مشتری مبیع کی مثل واپس کرے اگر مثلی ہو اور قیمی ہو تو قیمت ادا کرے (یعنی اس چیز کی واجبی قیمت، نہ کہ ثمن جو ٹھہرا ہے) اور قیمت میں قبضہ کے دن کا اعتبار ہے یعنی بروز قبض جو اس کی قیمت تھی وہ دے ہاں اگر غلام کو بیع فاسد سے خریدا ہے اور آزاد کر دیا تو ثمن واجب ہے۔ (ردمختار، کتاب بیوع)

دین کے بدلے میں خنزیر وشراب کی بیع کے باطل ہونے کا بیان

وَأَمَّا بَيْعُ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ إِنْ كَانَ قُوبِلَ بِالدَّيْنِ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ فَالْبَيْعُ بَاطِلٌ ، وَإِنْ كَانَ قُوبِلَ بِعَيْنٍ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ حَتَّى يَمْلِكَ مَا يُقَابِلُهُ وَإِنْ كَانَ لَا يَمْلِكُ عَيْنَ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ .

وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الْخَمْرَ مَالٌ وَكَذَا الْخِنْزِيرُ مَالٌ عِنْدَ أَهْلِ الذِّمَّةِ إِلَّا أَنَّهُ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ لِمَا أَنَّ الشَّرْعَ أَمَرَ بِإِهَانَتِهِ وَتَرْكِ إِعْزَازِهِ، وَفِي تَمَلُّكِهِ بِالْعَقْدِ مَقْصُودًا إِعْزَازٌ لَهُ، وَهَذَا لِأَنَّهُ مَتَى اشْتَرَاهُمَا بِالدَّرَاهِمِ فَالدَّرَاهِمُ غَيْرُ مَقْصُودَةٍ ؛ لِكَوْنِهَا وَسِيلَةً لِمَا أَنَّهَا تَجِبُ فِي الذِّمَّةِ، وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ الْخَمْرُ فَسَقَطَ التَّقَوُّمُ أَصْلًا، بِخِلَافِ مَا إِذَا اشْتَرَى الثَّوْبَ بِالْخَمْرِ لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ لِلثَّوْبِ إِنَّمَا يَقْصِدُ تَمَلُّكَ الثَّوْبِ بِالْخَمْرِ.
وَفِيهِ إِعْزَازٌ لِلثَّوْبِ دُونَ الْخَمْرِ فَبَقِيَ ذِكْرُ الْخَمْرِ مُعْتَبَرًا فِي تَمَلُّكِ الثَّوْبِ لَا فِي حَقِّ نَفْسِ الْخَمْرِ حَتَّى فَسَدَتِ التَّسْمِيَةُ وَوَجَبَتْ قِيمَةُ الثَّوْبِ دُونَ الْخَمْرِ، وَكَذَا إِذَا بَاعَ الْخَمْرَ بِالثَّوْبِ لِأَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ شِرَاءُ الثَّوْبِ بِالْخَمْرِ لِكَوْنِهِ مُقَايَضَةً.

ترجمہ

اور بہر حال جب اس نے شراب اور خنزیر کی بیع کی اور ان کے مقابلے میں دین ہو جس طرح دراہم و دنانیر ہیں تو بیع باطل ہے اور جب ان کے مقابلے میں عین ہے تو بیع فاسد ہے حتیٰ کہ ان کے مقابلہ میں مملوک ہو خواہ شراب وخنزیر کا عین مملوک نہیں ہوتا۔

اور فرق کی دلیل یہ ہے کہ شراب مال ہے اور اسی طرح اہل ذمہ کے نزدیک خنزیر مال ہے مگر وہ غیر متقوم مال ہے کیونکہ شریعت نے اس کی توہین وذلت کا حکم دیا ہے۔ اور اس کو معزز بنانے سے منع کیا ہے جبکہ ارادے کے ساتھ اس کا عقد کرنا یہ اس کو معزز بنانا ہے اور یہ حکم تب ہوگا جب مشتری ان کو دراہم کے بدلے میں خریدنے والا ہے۔ تو اب دراہم بھی غیر مقصود ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان کے حاصل کرنے کا وسیلہ دراہم ہیں اسی دلیل کے سبب وہ ذمہ پر واجب ہوتے ہیں جبکہ مقصود شراب ہوگی پس مال متقوم کا ہونا ساقط ہو جائے گا۔

بہ خلاف اس کے کہ جب کسی شخص نے شراب کے بدلے میں کپڑا خریدا ہے کیونکہ کپڑے کو خریدنے والا شراب کے بدلے میں کپڑے کا مالک بن رہا ہے اور اس میں معزز ہونا یہ کپڑے کیلئے ہے لہذا شراب کا اعزاز نہ ہوا۔ پس شراب کا ذکر محض ملکیت ثوب کے طور پر اعتبار کیا گیا ہے جبکہ نفس شراب کے حق میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پس اس ثمن مقرر کرنا فاسد ہو جائے گا اور کپڑے کی قیمت واجب ہوگی جبکہ شراب کی قیمت واجب نہ ہوگی اور اسی طرح جب کسی شخص نے کپڑے کو شراب کے بدلے میں بیچ دیا ہے کیونکہ یہاں شراب کے بدلے میں کپڑے کو بیچنے کا اعتبار ہوگا۔ پس یہ بیع، بیع مقایضہ ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مبیع یا ثمن دونوں میں سے ایک بھی ایسی چیز ہو جو کسی دین آسمانی میں مال نہ ہو، جیسے مردار، خون، آزاد، ان کو چاہے مبیع کیا جائے یا ثمن، بہر حال بیع باطل ہے اور اگر بعض دین میں مال ہوں بعض میں

نہیں جیسے شراب کہ اگرچہ اسلام میں یہ مال نہیں مگر دین موسوی وعیسوی میں مال تھی، اس کو مبیع قرار دیں گے تو بیع باطل ہے اور ثمن قرار دیں تو فاسد مثلاً شراب کے بدلے میں کوئی چیز خریدی تو بیع فاسد ہے اور اگر روپیہ پیسہ سے شراب خریدی تو باطل ہے۔

مال وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو جس کو دیا لیا جاتا ہو جس سے دوسروں کو روکتے ہوں جسے وقت ضرورت کے لیے جمع رکھتے ہوں لہٰذا تھوڑی سی مٹی جب تک وہ اپنی جگہ پر ہے مال نہیں اور اس کی بیع باطل ہے البتہ اگر اُسے دوسری جگہ منتقل کرکے لے جائیں تو اب مال ہے اور بیع جائز گیہوں کا ایک دانہ اس کی بھی بیع باطل ہے۔ انسان کے پاخانہ پیشاب کی بیع باطل ہے جب تک مٹی اس پر غالب نہ آ جائے اور کھاد نہ ہو جائے گوبر، مینگنی، لید کی بیع باطل نہیں اگرچہ دوسری چیز کی اُن میں آمیزش نہ ہو لہٰذا اُپلے کا بیچنا خریدنا یا استعمال کرنا ممنوع نہیں۔

مُردار سے مراد غیر مذبوح ہے چاہے وہ خود مر گیا ہو یا کسی نے اُس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہو یا کسی جانور نے اُسے مار ڈالا ہو۔ مچھلی اور ٹڈی مُردار میں داخل نہیں کہ یہ ذبح کرنے کی چیز ہی نہیں۔ (ردمختار، کتاب بیوع)

اگر اسباب کی بیع اسباب کے ساتھ ہو تو اس کو مقایضہ کہتے ہیں۔ اگر اسباب کی نقد کے ساتھ ہو تو نقد کو ثمن اور اسباب کو عرض کہیں گے۔ اگر نقد کی نقد کے ساتھ ہو مگر ہم جنس ہو یعنی سونے کو سونے کے ساتھ بدلے یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تو اس کو مراطلہ کہتے ہیں۔ اگر جنس کا اختلاف ہو جیسے چاندی سونے کے بدل یا بالعکس تو اس کو صرف کہتے ہیں۔ صرف میں کمی بیشی درست ہے مگر طول یعنی ہاتھوں ہاتھ لین دین ضروری اور لازم ہے اور قبض میں دیر کرنی درست نہیں۔ اور مراطلہ میں تو برابر برابر اور ہاتھوں ہاتھ دونوں باتیں ضروری ہیں۔ اگر ثمن اور عرض کی بیع ہو تو ثمن یا عرض کے لیے میعاد مقرر کرنا درست ہے۔ اگر ثمن میں میعاد ہو تو وہ قرض ہے اگر عرض میں میعاد ہو تو وہ سلم ہے یہ دونوں درست ہیں۔ اگر دونوں میں میعاد ہو تو وہ بیع الکالئی بالکالئی ہے جو درست نہیں۔

ام ولد، مدبر اور مکاتب کی بیع کے فاسد ہونے کا بیان

قَالَ (وَبَيْعُ أُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَبِ فَاسِدٌ) وَمَعْنَاهُ بَاطِلٌ لِأَنَّ اسْتِحْقَاقَ الْعِتْقِ قَدْ ثَبَتَ لِأُمِّ الْوَلَدِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَعْتَقَهَا وَلَدُهَا) وَسَبَبُ الْحُرِّيَّةِ انْعَقَدَ فِي الْمُدَبَّرِ فِي الْحَالِ لِبُطْلَانِ الْأَهْلِيَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْمُكَاتَبُ اسْتَحَقَّ يَدًا عَلَى نَفْسِهِ لَازِمَةً فِي حَقِّ الْمَوْلَى، وَلَوْ ثَبَتَ الْمِلْكُ بِالْبَيْعِ لَبَطَلَ ذَلِكَ كُلُّهُ فَلَا يَجُوزُ، وَلَوْ رَضِيَ الْمُكَاتَبُ بِالْبَيْعِ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ، وَالْأَظْهَرُ الْجَوَازُ، وَالْمُرَادُ الْمُدَبَّرُ الْمُطْلَقُ دُونَ الْمُقَيَّدِ، وَفِي الْمُطْلَقِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْعَتَاقِ .

ترجمہ

فرمایا: ام ولد، مدبر اور مکاتب کی بیع فاسد ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ باطل ہے کیونکہ ام ولد کیلئے حق ثابت ہو گیا ہے جس کی

دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے جو آپ ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا تھا کہ اس کو اس کے بیٹے نے آزاد کر دیا ہے۔اور مدبر میں آزادی کا سبب منعقد ہو چکا ہے کیونکہ موت کے بعد آقا کی اہلیت باطل ہو جائے گی اور مکاتب اپنے آپ پر تصرف کا حق رکھنے والا ہے۔ جو آقا کے حق میں لازم تھا۔اور اب جب بیع کے سبب سے ملکیت ثابت ہوئی تو یہ سب باطل ہو جائے گا پس بیع جائز نہ ہوگی۔

اور جب مکاتب بیع پر راضی ہو جائے تو اس میں دو روایات ہیں۔جبکہ ان میں زیادہ ظاہر روایت جواز کی ہے اور متن میں مدبر سے مراد علی الاطلاق مدبر ہے نہ کہ اس میں کوئی قید ہو۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے مطلق کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔جس کو ہم کتاب العتاق میں بیان کر آئے ہیں۔

ام ولد کی بیع میں ممانعت کے دلائل کا بیان

اسلام سے پہلے لونڈیوں اور ان کے بچوں کا معاشرے میں بہت پست مقام تھا۔لونڈی کے بچوں کو آزاد خاتون کے بچوں کی نسبت حقیر سمجھا جاتا۔ام ولد کو بیچنے کا رواج تو عرب میں کم ہی تھا لیکن تھوڑا بہت پایا جاتا تھا۔اسلام نے اس ضمن میں یہ اصلاح کی کہ بچے والی لونڈی جسے ام ولد کہا جاتا ہے، کی خدمات کی منتقلی کو قطعی طور پر ممنوع قرار دیا گیا۔ایسی لونڈی اپنے خاوند کی آزاد بیوی کے ہم پلہ قرار پائی۔اس کے بچے کا بھی معاشرے میں وہی مقام قرار پایا جو کہ آزاد عورت کے بچے کا تھا۔

سلامہ بنت معقل بیان کرتی ہیں کہ میں خارجہ قیس عیلان سے تعلق رکھتی ہوں اور اپنے چچا کے ساتھ آئی تھی۔میرے چچا نے مجھے دور جاہلیت میں حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا جو کہ ابی الیسر بن عمرو کے بھائی تھے۔میرے ہاں ان سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی۔اس کے بعد حباب فوت ہو گئے۔ان کی بیوی کہنے لگی، "خدا کی قسم اب تو ہم اس کے قرض کی ادائیگی کے لئے تمہیں بیچیں گے۔"

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی، "یا رسول اللہ ﷺ میں خارجہ قیس علیان سے اپنے چچا کے ساتھ دور جاہلیت میں مدینہ آئی تھی۔انہوں نے مجھے حباب بن عمرو کے ہاتھ بیچ دیا تھا اور میرے بطن سے عبدالرحمن بن حباب کی پیدائش ہوئی ہے۔اب ان کی بیوی کہہ رہی ہے کہ وہ ان کا قرض ادا کرنے کے لئے مجھے بیچ دیں گی۔" آپ نے فرمایا، "حباب کے بعد خاندان کا سرپرست کون ہے؟" کہا گیا، "ان کے بھائی ابوالیسر بن عمرو۔" آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، "انہیں آزاد کر دو۔جب بھی تم کسی غلام کے بارے میں سنو تو میرے ہاں آ جایا کرو۔میں تمہیں اس کا معاوضہ دوں گا۔

(ابوداؤد، کتاب العتق، حدیث(3953)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سامنے ام ابراہیم (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کا ذکر کیا گیا۔آپ نے فرمایا، "اس کے بچے نے اسے آزاد کروا دیا ہے۔" (ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث(2516)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "جس شخص کے ہاں بھی کسی لونڈی

سے بچہ پیدا ہو جائے، تو وہ اس کے فوت ہوتے ہی آزاد ہو جائے گی۔ "(ابن ماجہ، کتاب العتق، حدیث 2515، مشکوۃ، کتاب العتق، حدیث (3394)

ان دونوں احادیث کی سند میں اگرچہ حسین بن عبداللہ ضعیف راوی ہیں لیکن اس حدیث کی دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں۔ دارمی میں یہی حدیث صحیح سند سے روایت کی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا یہی فرمان تھا کہ ام ولد کی منتقلی کو مکمل طور پر روک کر اس کی آزادی پر عمل درآمد کیا جائے۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "ام ولد آزاد ہی ہے اگرچہ اس کا حمل ساقط ہو جائے۔ "(دار قطنی، کتاب المکاتب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ام ولد کی آزادی کو بچے کے پیدا ہونے سے مشروط نہیں فرمایا بلکہ محض حمل ٹھہر جانے سے مشروط فرما دیا اگرچہ وہ حمل بعد میں ضائع بھی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس ضمن میں سختی سے ام ولد کی آزادی کو نافذ کیا۔

حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ :أَيُّمَا وَلِيدَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا، فَإِنَّهُ لاَ يَبِيعُهَا، وَلاَ يَهَبُهَا، وَلاَ يُوَرِّثُهَا ,وَهُوَ يَسْتَمْتِعُ بِهَا، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ .(موطا مالك، كتاب العتق، حديث (2248)

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس لونڈی کے بھی اپنے آقا سے بچہ پیدا ہو، تو اس کی خدمات کو نہ تو بیچا جائے گا، نہ ہی کسی کو تحفتاً منتقل کیا جائے گا، نہ ہی وراثت میں منتقل کیا جائے گا۔ وہ مالک ہی اس سے فائدہ اٹھائے گا اور اس کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہوگی۔

یہ حکم جاری کرتے وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تصریح فرمائی تھی کہ انہوں نے ایسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حکم کے مطابق کیا تھا۔

حدثنا محمد بن الحسن النقاش ثنا الحسن بن سفيان نا مصرف بن عمرو نا سفيان بن عيينة عن عبد الرحمن الأفريقي عن مسلم بن يسار عن سعيد بن المسيب أن عمر رضي الله تعالى عنه أعتق أمهات الأولاد وقال عمر أعتقهن رسول الله صلى الله عليه وسلم .(دارقطني، كتاب المكاتب(

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب ام ولد لونڈیوں کو آزاد کیا تو فرمایا، "انہیں دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آزاد فرمایا تھا۔"

ام ولد کی آزادی میں حضرت فاروق اعظم کا اصول

آقا سے جس لونڈی کے اولاد پیدا ہو جاتی ہے اس کو ام ولد کہتے ہیں، حضرت عمرؓ کے عہد خلافت سے پہلے اس قسم کی لونڈیاں

عام لونڈیوں کے برابر سمجھی جاتی تھیں، لیکن حضرت عمرؓ نے یہ عام قاعدہ مقرر فرما دیا کہ اس قسم کی لونڈیاں نہ فروخت کی جاسکتیں ہیں نہ ان میں وراثت جاری ہوتی، نہ ان کا ہبہ ہوسکتا! بلکہ وہ آقا کی موت کے بعد آزاد ہوجائیں گی، اس طرح لونڈیوں کی آزادی کا نیا راستہ نکل آیا۔ (موطا امام محمد باب بیع امہات الاولاد)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص اپنی لونڈی کو مدبر کرے بعد اس کے اس کی اولاد پیدا ہو پھر وہ لونڈی مولیٰ کے سامنے مرجائے تو اس کی اولاد اپنی ماں کی طرح مدبر رہے گی جب مولیٰ مرجائے گا اور ثلث مال میں گنجائش ہو تو آزاد ہوجائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہر عورت کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہوگی اگر وہ مدبر ہے یا مکاتبہ ہے یا معتقہ الی اجل ہے یا مخدمہ ہے یا معتقۃ البعض ہے یا گرو ہے یا ام ولد ہے۔ ہر ایک کی اولاد اپنی ماں کی مثل ہوگی وہ آزاد تو وہ آزاد اور وہ لونڈی ہوجائے گی تو وہ بھی مملوک ہوجائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر لونڈی حالت حمل میں مدبر ہوئی تو اس کا بچہ بھی مدبر ہوجائے گا اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی حاملہ لونڈی کو آزاد کردیا اور اس کو معلوم نہ تھا کہ یہ حاملہ ہے تو اس کا بچہ بھی آزاد ہوجائے گا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اسی طرح اگر ایک شخص حاملہ لونڈی کو بیچے تو وہ لونڈی اور اس کے پیٹ کا بچہ مشتری کا ہوگا خواہ مشتری نے اس کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اسی طرح بائع کے لئے درست نہیں کہ لونڈی کو بیچے اور اس کا حمل بیچے کیونکہ اس میں دھوکا ہے شاید بچہ پیدا ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کوئی شخص پیٹ کے بچے کو بیچے اس کی بیع درست نہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مدبر اپنے مولیٰ سے کہے تو مجھے ابھی آزاد کردے میں تجھے پچاس دینار قسط وار دیتا ہوں مولیٰ کہے اچھا تو آزاد ہے تو مجھے پچاس دینار پانچ برس میں دے دینا ہر سال دس دینار کے حساب سے مدبر اس پر راضی ہوجائے بعد اس کے دو تین دن میں مولیٰ مرجائے تو وہ آزاد ہوجائے گا اور پچاس دینار اس پر قرض رہیں گے اور اس کی گواہی جائز ہوجائے گی اور اس کی حرمت اور میراث اور حدود پورے ہوجائیں گے اور مولیٰ کے مرجانے سے ان پچاس دینار میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (مؤطا امام مالک، کتاب بیوع)

مدبر کی بیع میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے اپنے غلام سے کہا تو میری موت کے بعد آزاد ہے (اس کو مدبر کہتے ہیں) پھر وہ آدمی فوت ہوگیا اور اس نے اس غلام کے علاوہ ترکے میں کچھ نہیں چھوڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کو نعیم بن انحام کے ہاتھوں بیچ دیا۔ جابر کہتے ہیں کہ وہ قبطی تھا اور ابن زبیر کی امارت کے پہلے سال فوت ہوا۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے حضرت جابر سے ہی منقول ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مدبر کے بیچنے میں کوئی

حرج نہیں امام شافعی، احمد، اسحاق، کا بھی یہی قول ہے۔ سفیان ثوری، امام مالک، اوزاعی، اور بعض علماء کے نزدیک مدبر کی بیع مکروہ ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1235)

مدبر وہ غلام جس کے لیے آقا کا فیصلہ ہو کہ وہ اس کی وفات کے بعد آزاد ہو جائے گا۔ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان اور حدیث کا مفہوم یہی بتلاتا ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ اس بارے میں امام قسطلانی نے چھ اقوال نقل کئے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں:

وقال النووی الصحیح ان الحدیث علی ظاهره و انه یجوز بیع المدبر بکل حال مالم یمت السید۔ (قسطلانی)

یعنی نووی نے کہا کہ صحیح یہی ہے کہ حدیث اپنے ظاہر پر ہے اور ہر حال میں مدبر کی بیع جائز ہے جب تک اس کا آقا زندہ ہے۔

امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مذہب یہی ہے کہ مدبر کی بیع جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً منع ہے اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ اگر مولیٰ مدیون ہو اور دوسری کوئی ایسی جائیداد نہ ہو جس سے قرض ادا ہو سکے تو مدبر بیچا جائے گا ورنہ نہیں۔ حنفیہ نے ممانعت بیع پر جن حدیثوں سے دلیل لی ہے۔ ان کا استدلال قوی و مضبوط ہے لہٰذا ترجیح مذہب احناف کو ہے۔

ام ولد یا مدبر کے مشتری کے پاس فوت ہو جانے پر عدم ضمان کا بیان

قَالَ (وَإِنْ مَاتَتْ أُمُّ الْوَلَدِ أَوْ الْمُدَبَّرُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا :عَلَيْهِ قِيمَتُهُمَا) وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْهُ لَهُمَا أَنَّهُ مَقْبُوضٌ بِجِهَةِ الْبَيْعِ فَيَكُونُ مَضْمُونًا عَلَيْهِ كَسَائِرِ الْأَمْوَالِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمُدَبَّرَ وَأُمَّ الْوَلَدِ يَدْخُلَانِ تَحْتَ الْبَيْعِ حَتَّى يَمْلِكَ مَا يُضَمُّ إلَيْهِمَا فِي الْبَيْعِ، بِخِلَافِ الْمُكَاتَبِ لِأَنَّهُ فِي يَدِ نَفْسِهِ فَلَا يَتَحَقَّقُ فِي حَقِّهِ الْقَبْضُ وَهَذَا الضَّمَانُ بِهِ وَلَهُ أَنَّ جِهَةَ الْبَيْعِ إنَّمَا تَلْحَقُ بِحَقِيقَةٍ فِي مَحِلٍّ يَقْبَلُ الْحَقِيقَةَ وَهُمَا لَا يَقْبَلَانِ حَقِيقَةَ الْبَيْعِ فَصَارَا كَالْمُكَاتَبِ، وَلَيْسَ دُخُولُهُمَا فِي الْبَيْعِ فِي حَقِّ أَنْفُسِهِمَا، وَإِنَّمَا ذَلِكَ لِيَثْبُتَ حُكْمُ الْبَيْعِ فِيمَا ضُمَّ إلَيْهِمَا فَصَارَ كَمَالِ الْمُشْتَرِي لَا يَدْخُلُ فِي حُكْمِ عَقْدِهِ بِانْفِرَادِهِ، وَإِنَّمَا يَثْبُتُ حُكْمُ الدُّخُولِ فِيمَا ضَمَّهُ إلَيْهِ، كَذَا هَذَا

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر ام ولد یا مدبر مشتری کے پاس فوت ہو جائیں تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہے۔ جبکہ صاحبین نے کہا ہے کہ مشتری پر اس کی قیمت واجب ہے۔ اور ایک روایت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح بیان کی گئی ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ بیع پر بیع کے طریقے پر قبضہ کیا گیا ہے پس دوسرے اموال کی طرح اس میں بھی ضمان واجب ہوگا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ام ولد اور مدبر بیع کے حکم میں آنے والے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے ساتھ مبیع میں ملائی ہوئی چیز یں میں بھی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے بہ خلاف مکاتب کے کیونکہ وہ اپنے ہی قبضہ میں ہوتا ہے پس اس کے حق میں قبضہ ثابت نہ ہوگا حالانکہ یہ ضمان قبضہ ہی کے سبب سے واجب ہوتا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کو بیع کے طریقے پر بیع کی ایسی حقیقت کے ساتھ ملایا جائے گا جو محل حقیقت کو قبول کرنے والا ہو۔ جبکہ یہ دونوں یعنی ام ولد و مدبر حقیقت بیع کو قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ پس یہ مکاتب کی طرح ہو جائیں گے۔ جبکہ بیع میں ان کا داخل ہونا یہ اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ ان میں ملنے والی اشیاء میں بیع کا حکم ثابت ہونے کیلئے ہوتا ہے پس یہ ان کا دخول مشتری کے مال کی طرح ہو جائے گا جو اکیلا اس کی بیع کے حکم میں داخل نہیں ہوتا بلکہ اس کی جانب سے ملائی گئی چیزوں میں داخل ہونے کا حکم ثابت ہو جاتا ہے لہذا ایسے ہی اس میں ثابت ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مشتری نے مبیع کو واپس دے دیا یعنی بائع کے پاس رکھ دیا کہ بائع لینا چاہے تو لے سکتا ہے۔ بائع نے اُسے لینے سے انکار کر دیا مگر مشتری اُسکے پاس چھوڑ کر چلا گیا بری الذمہ ہو گیا وہ چیز اگر ضائع ہوگئی تو مشتری تاوان نہیں دے گا اور اگر بائع کے انکار پر مشتری چیز کو واپس لے گیا تو بری الذمہ نہیں کہ اس صورت میں اُسکا لے جانا ہی جائز نہیں کہ بیع فسخ ہو چکی اور پھیر لے جانا غصب ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

شکار سے پہلے مچھلی کی بیع کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ السَّمَكِ قَبْلَ أَنْ يُصْطَادَ) لِأَنَّهُ بَاعَ مَا لَا يَمْلِكُهُ (وَلَا فِي حَظِيرَةٍ إذَا كَانَ لَا يُؤْخَذُ إلَّا بِصَيْدٍ) ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَقْدُورِ التَّسْلِيمِ، وَمَعْنَاهُ إذَا أَخَذَهُ ثُمَّ أَلْقَاهُ فِيهَا لَوْ كَانَ يُؤْخَذُ مِنْ غَيْرِ حِيلَةٍ جَازَ، إلَّا إذَا اجْتَمَعَتْ فِيهَا بِأَنْفُسِهَا وَلَمْ يَسُدَّ عَلَيْهَا الْمَدْخَلَ لِعَدَمِ الْمِلْكِ .

قَالَ (وَلَا بَيْعُ الطَّيْرِ فِي الْهَوَاءِ) لِأَنَّهُ غَيْرُ مَمْلُوكٍ قَبْلَ الْأَخْذِ، وَكَذَا لَوْ أَرْسَلَهُ مِنْ يَدِهِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَقْدُورِ التَّسْلِيمِ

ترجمہ

فرمایا: اور شکار کرنے سے پہلے مچھلی کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کو بیچنے والا ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے۔ اور تالاب میں بھی مچھلی کی بیع جائز نہیں ہے جبکہ شکار کے بغیر اس کو پکڑنا ممکن نہ ہو۔ کیونکہ اس کو سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ جب

مچھلی کو پکڑ کر تالاب میں ڈال دیا ہے اور اب اگر بغیر کسی ذریعے۔ کے ان کو پکڑا جا سکتا ہے تو ان کی بیع جائز ہے مگر جب مچھلیاں خود بہ خود تالاب میں جمع ہوئی ہیں اور اندر جانے کا راستہ بھی بند نہیں کیا۔ ہے تو ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی بیع جائز نہیں ہے۔

اور ہوا میں پرندے کی بیع بھی جائز نہیں ہے کیونکہ پکڑنے سے پہلے وہ ملکیت میں نہیں ہے اور اسی طرح جب بائع نے اس کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب اس کو بھی حوالے نہیں کیا جا سکتا۔

شرح

حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع کیا کہ میں اس چیز کو بیچوں جو میرے پاس نہیں۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 95)

ترمذی ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت حکیم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ایک ایسی چیز خریدنے کا ارادہ کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی تو میں اس چیز کو بازار سے خرید لاتا ہوں یعنی میں اس چیز کا معاملہ اس سے کر لیتا ہوں پھر وہ چیز بازار سے خرید لاتا ہوں اور اس شخص کے حوالے کر دیتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ تم کسی ایسی چیز کو نہ بیچو جو تمہارے پاس نہیں ہے۔

عدم ملکیت والی چیز کی بیع میں مذاہب اربعہ

مطلب یہ ہے کہ جو چیز خرید و فروخت کا معاملہ کرتے وقت اپنی ملکیت میں نہ ہو اسے نہیں بیچنا چاہئے اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اول تو یہ کہ وہ چیز نہ تو اپنی ملکیت میں ہو اور نہ اپنے پاس موجود ہی ہو اس صورت میں تو اس چیز کی بیع صحیح ہی نہیں ہوگی دوم یہ کہ وہ اپنی ملکیت میں نہیں ہے ایک دوسرا شخص اس کا مالک ہے لیکن ہے اپنے ہی پاس اس صورت میں بھی مالک کی اجازت کے بغیر اس کی بیع نہیں کرنی چاہئے اور اگر مالک کی اجازت لینے سے پہلے ہی اس کی بیع کر دی جائے گی تو حضرت امام ابوحنیفہ حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کے مسلک کے مطابق وہ بیع مالک کی منظوری پر موقوف رہے گی اگر منظوری دیدے گا تو صحیح ہو جائے گی نہیں تو کالعدم ہو جائے گی لیکن حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ بیع سرے سے صحیح ہی نہیں ہوگی مالک خواہ منظوری دے یا نہ دے۔

پہلی صورت کے حکم میں اس چیز کی بیع داخل ہے جس پر قبضہ حاصل نہ ہوا ہو یا وہ چیز گم ہو گئی ہو یا مفرور ہو جیسے غلام وغیرہ اور یا اس کو خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہ ہو جیسے ہوا میں اڑتا ہوا جانور اور وہ مچھلی جو ابھی پانی یعنی دریا وغیرہ سے نہ نکالی گئی ہو لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ ممانعت بیع السلم کے علاوہ صورت میں ہے کیونکہ بیع السلم متعینہ و معروف شرائط کے ساتھ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک جائز ہے بیع السلم اور اس کی شرائط کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ باب السلم میں کیا جائے گا۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو مچھلی کہ دریا یا تالاب میں ہے ابھی اس کا شکار کیا ہی نہیں اس کو اگر نقود یعنی روپے پیسے سے بیع کیا تو باطل ہے کہ وہ ملک میں نہیں اور مال متقوم نہیں اور اگر اس کو غیر نقود مثلاً کپڑا یا کسی اور چیز کے بدلے میں

بیع کیا ہے تو بیع فاسد ہے۔ اسی طرح اگر شکار کر کے اُسے دریا یا تالاب میں چھوڑ دیا جب بھی اُس کی بیع فاسد ہے کہ اُس کی تسلیم پر قدرت نہیں۔ (درمختار، کتاب بیوع)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مچھلی کو شکار کرنے کے بعد کسی گڑھے میں ڈالدیا یا وہ گڑھا ایسا ہے کہ بغیر کسی ترکیب کے اُس میں سے پکڑ سکتا ہے تو بیع کرنا بھی جائز ہے کہ اب وہ مقدور التسلیم بھی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسے پانی کے گھڑے میں رکھی ہے اور اگر اُسے پکڑنے کے لیے شکار کرنے کی ضرورت ہوگی کانٹے یا جال وغیرہ سے پکڑنا پڑے گا تو جب تک پکڑ نہ لے اُس کی بیع صحیح نہیں اور اگر مچھلی خود بخود گڑھے میں آ گئی اور وہ گڑھا اسی لیے مقرر کر رکھا ہے تو یہ شخص اُسکا مالک ہو گیا دوسرے کو اس کا لینا جائز نہیں پھر اگر بے جال وغیرہ کے اُسے پکڑ سکتے ہیں تو اُس کی بیع بھی جائز ہے کہ وہ مقدور التسلیم بھی ہے ورنہ بیع ناجائز اور اگر وہ اس لیے نہیں تیار کر رکھا ہے تو مالک نہیں مگر جبکہ دریا یا تالاب کی طرف جو راستہ تھا اُسے مچھلی کے آنے کے بعد بند کر دیا تو مالک ہو گیا اور بغیر جال وغیرہ کے پکڑ سکتا ہے تو بیع جائز ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح اگر اپنی زمین میں گڑھا کھودا تھا اُس میں ہرن وغیرہ کوئی شکار گر پڑا اگر اس نے اسی غرض سے کھودا تھا تو یہی مالک ہے دوسرے کو اسکا لینا جائز نہیں اور اس لیے نہیں کھودا تو جو پکڑ لے جائے اُس کا ہے مگر مالک زمین اگر شکار کے قریب ہو کہ ہاتھ بڑھا کر اُسے پکڑ سکتا ہے تو اسی کا ہے دوسرے کو پکڑنا جائز نہیں دوسرا پکڑے بھی تو وہ مالک نہیں ہوگا یہ ہوگا۔ اسی طرح شکھانے کے لیے جال تانا تھا کوئی شکار اُس میں پھنسا تو جو پکڑ لے اس کا ہے اور اگر شکار ہی کے لیے تانا تھا تو شکار کا مالک یہ ہے۔ جال میں شکار پھنسا مگر تڑپا اُس سے چھوٹ گیا دوسرے نے پکڑ لیا تو یہ مالک ہے اور جال والا پکڑنے کے لیے قریب آ گیا کہ ہاتھ بڑھا کر جانور پکڑ سکتا ہے اس وقت توڑا کر نکل گیا اور دوسرے نے پکڑ لیا تو جال والا مالک ہے پکڑنے والا مالک نہیں۔ باز اور کُتے کے شکار کا بھی یہی حکم ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

اور اسی طرح پرند جو ہوا میں اُڑ رہا ہے اگر اُس کو ابھی تک شکار نہ کیا ہو تو بیع باطل ہے اور اگر شکار کر کے چھوڑ دیا ہے تو بیع فاسد ہے کہ تسلیم پر قدرت نہیں اور اگر وہ پرند ایسا ہے کہ اس وقت ہوا میں اُڑ رہا ہے مگر خود بخود واپس آ جائے گا جیسے پلاؤ کبوتر تو اگرچہ اس وقت اس کے پاس نہیں ہے بیع جائز ہے اور حقیقۃً نہیں تو حکماً اس کی تسلیم پر قدرت ضرور ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

ہوا میں اڑتے پرندے کی بیع میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں کہ فقہاء شوافع کہتے ہیں کہ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی بیع کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اسی کو دھوکے کی بیع کہتے ہیں جو منع ہے۔

فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ ہوا میں اڑتے پرندوں کی بیع درست نہیں ہے خواہ وہ چھوٹا جھنڈ ہو یا کوئی بڑا ہو۔ کیونکہ ان کی تعداد کو معین کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہذا منع ہوئی۔

فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ اڑنے کی حالت میں پرندوں کی بیع درست نہیں ہے اگرچہ وہ پرندہ واپس آنے والا ہو یا نہ ہو اور اسی طرح شہد کی مکھیوں کی بیع بھی اڑنے کی حالت میں کرنا درست نہیں ہے۔

فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ اور ہوا میں پرندے کی بیع بھی جائز نہیں ہے کیونکہ پکڑنے سے پہلے وہ ملکیت میں نہیں ہے اور اسی طرح جب بائع نے اس کو ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے کیونکہ اب اس کو بھی حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ (مذاہب اربعہ، کتاب بیوع)

حمل کی بیع کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا بَيْعُ الْحَمْلِ وَلَا النِّتَاجِ) (لِنَهْيِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ بَيْعِ الْحَبَلِ وَحَبَلِ الْحَبَلَةِ) وَلِأَنَّ فِيهِ غَرَرًا .

(وَلَا اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ لِلْغَرَرِ) فَعَسَاهُ انْتِفَاخٌ، وَلِأَنَّهُ يُنَازَعُ فِي كَيْفِيَّةِ الْحَلْبِ، وَرُبَّمَا يَزْدَادُ فَيَخْتَلِطُ الْمَبِيعُ بِغَيْرِهِ .

ترجمہ

فرمایا: اور حمل کی بیع اور حمل در حمل کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حمل اور حمل در حمل کی بیع سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں دھوکہ ہے۔

اور دودھ کی بیع تھنوں میں دھوکہ کے سبب سے جائز نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے تھن محض پھول گئے ہوں۔ کیونکہ مشتری دودھ دوہتے وقت بائع سے جھگڑا کرے گا اور کبھی کبھی دودھ بڑھتا رہتا ہے پس مبیع غیر مبیع سے ملنے والی ہے۔

حمل کی بیع کا دھوکہ کی بیع پر محمول ہونے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی کے حمل کے بچے کو بیچنے سے منع فرمایا اس باب میں عبداللہ بن عباس، ابوسعید خدری سے بھی روایت ہے حدیث ابن عمر، حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے حبل الحبلہ سے مراد اونٹنی کے بچے کا بچہ ہے اس کا فروخت کرنا اہل علم کے نزدیک باطل ہے اس لیے کہ وہ دھوکے کی بیع ہے شعبہ یہ حدیث ایوب سے وہ سعید بن جبیر سے اور وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں عبدالوہاب، ثقفی، وغیرہ بھی یہ حدیث ایوب سے وہ سعید بن جبیر سے وہ نافع سے وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1246)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو دودھ تھن میں ہے اُسکی بیع ناجائز ہے۔ اسی طرح زندہ جانور کا گوشت، چربی، چمڑا، سری پائے، زندہ دُنبہ کی چکی کی بیع ناجائز ہے اسی طرح اُس اون کی بیع جو دُنبہ یا بھیڑ کے جسم میں ہے ابھی کاٹی نہ ہو اور اُس موتی کی جو سیپ میں ہو یا گھی کہ جو ابھی دودھ سے نکالا نہ ہو یا کڑیوں کی جو چھت میں ہیں یا جو تھان ایسا ہو کہ پھاڑ کر نہ بیچا جاتا ہو اُس میں سے ایک گز آدھ گز کی بیع جیسے مشروع اور گلبدن کے تھان یہ سب ناجائز ہیں اور اگر مشتری نے ابھی بیع کو فسخ نہیں کیا تھا کہ بائع نے چھت میں سے کڑیاں نکال دیں یا تھان میں سے وہ ٹکڑا پھاڑ دیا تو اب یہ بیع صحیح ہوگئی۔ (درمختار، کتاب بیوع)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بیچنے کے لیے) اونٹنی اور بکری کے تھنوں میں دودھ کو روک کر نہ رکھو۔ اگر کسی نے (دھوکہ میں آکر) کوئی ایسا جانور خرید لیا تو اسے دودھ دوہنے کے بعد دونوں اختیارات ہیں چاہے تو جانور کو رکھ لے، اور چاہے تو واپس کر دے۔ اور ایک صاع کھجور اس کے ساتھ دودھ کے بدل دے دے۔ ابو صالح، مجاہد، ولید بن رباح اور موسیٰ بن یسار سے بواسطہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ایک صاع کھجور ہی کی ہے۔ بعض راویوں نے ابن سیرین سے ایک صاع کھجور کی روایت کی ہے اور یہ کہ خریدار کو (صورت مذکورہ میں) تین دن کا اختیار ہوگا۔ اگرچہ بعض دوسرے راویوں نے ابن سیرین ہی سے ایک صاع کھجور کی بھی روایت کی ہے، لیکن تین دن کے اختیار کا ذکر نہیں کیا اور (تاوان میں) کھجور دینے کی روایات ہی زیادہ ہیں۔

نام نہاد غیر مقلد وحید زمان لکھتے ہیں کہ لونڈی ہو یا گدھی ان کے دودھ کے بدل ایک صاع نہ دیا جائے گا۔ اور حنابلہ نے گدھی کے دودھ کے بدلے صاع دینا لازم نہیں رکھا۔ لیکن لونڈی میں انہوں نے اختلاف کیا ہے اور جمہور اہل علم، صحابہ اور تابعین اور مجتہدین نے باب کی حدیث پر عمل کیا ہے کہ ایسی صورت میں مشتری چاہے تو وہ جانور پھیر دے اور ایک صاع کھجور دودھ کا بدل دے دے۔ خواہ دودھ بہت ہو یا کم اور حنیفہ نے قیاس پر عمل کر کے اس صحیح حدیث کا خلاف کیا ہے اور کہتے کیا ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہ تھے۔ اس لیے ان کی روایت قیاس کے خلاف قبول نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کھلی دھینگا مشتی ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم نقل فرمایا ہے اور لطف یہ ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جن کو حنفی فقہ اور اجتہاد میں امام جانتے ہیں، ان سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ اور شاید حنفیہ کو الزام دینے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کیا ہے اور خود حنفیہ نے بہت سے مقاموں میں حدیث سے قیاس جلی کو ترک کیا ہے، جیسے وضو بالنبیذ اور قہقہہ میں پھر یہاں کیوں ترک نہیں کرتے۔ اور امام ابن قیم نے اس مسئلہ کے مالہ وما علیہ پر پوری پوری روشنی ڈالتے ہوئے حنفیہ پر کافی رد کیا ہے۔

شاید مولوی وحید زمان نے احناف کا مذہب پڑھا ہی نہ تھا کہ ان کا مؤقف حدیث کے خلاف بتا کر اپنی عادت پوری کر لی ہے کہ جھوٹ ان لوگوں کی فطرت ثانیہ بن چکا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو شخص مصراۃ بکری خریدے اور اسے واپس کرنا چاہے تو (اصل مالک کو) اس کے ساتھ ایک صاع بھی دے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ والوں سے (جو مال بیچنے لائیں) آگے بڑھ کر خریدنے سے منع فرمایا ہے۔ (حدیث نمبر: 2149)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تجارتی) قافلوں کی پیشوائی (ان کا سامان شہر پہنچنے سے پہلے ہی خرید لینے کی غرض سے) نہ کرو۔ ایک شخص کسی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور کوئی نجش نہ کرے اور کوئی شہری بدوی کا مال نہ بیچے اور بکری کے تھن میں دودھ نہ روکے۔ لیکن اگر کوئی اس (آخری) صورت میں جانور خرید لے تو اسے

دوہنے کے بعد دونوں طرح کے اختیارات ہیں۔ اگر وہ اس بیع پر راضی ہے تو جانور کو روک سکتا ہے اور اگر وہ راضی نہیں تو ایک صاع کھجور اس کے ساتھ دے کر اسے واپس کر دے۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر 2150)

بکریوں کی پشتوں پر اون کی بیع کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا الصُّوفُ عَلَى ظَهْرِ الْغَنَمِ) لِأَنَّهُ مِنْ أَوْصَافِ الْحَيَوَانِ، وَلِأَنَّهُ يَنْبُتُ مِنْ أَسْفَلَ فَيَخْتَلِطُ الْمَبِيعُ بِغَيْرِهِ، بِخِلَافِ الْقَوَائِمِ ؛ لِأَنَّهَا تَزِيدُ مِنْ أَعْلَى، وَبِخِلَافِ الْقَصِيلِ لِأَنَّهُ يُمْكِنُ قَلْعُهُ، وَالْقَطْعُ فِي الصُّوفِ مُتَعَيِّنٌ فَيَقَعُ التَّنَازُعُ فِي مَوْضِعِ الْقَطْعِ، وَقَدْ صَحَّ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الصُّوفِ عَلَى ظَهْرِ الْغَنَمِ، وَعَنْ لَبَنٍ فِي ضَرْعٍ، وَعَنْ سَمْنٍ فِي لَبَنٍ) وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي هَذَا الصُّوفِ حَيْثُ جَوَّزَ بَيْعَهُ فِيمَا يُرْوَى عَنْهُ .

ترجمہ

فرمایا: اور بکری کی پشت پر اون کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اون حیوان کے اوصاف میں سے ہے کیونکہ اون نیچے سے اگنے والی ہے پس مبیع غیر مبیع کے ساتھ ملنے والی ہے بہ خلاف درختوں کے شاخوں کے کیونکہ وہ اوپر کی جانب سے بڑھنے والی ہیں بہ خلاف سبز کھیتی کے کیونکہ اس کو اکھاڑنا ممکن ہے جبکہ اون میں کاٹنا معین ہے۔ پس کاٹنے کی جگہ میں اختلاف ہو جائے گا اور یہ حکم صحیح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بکری کی پشت پر اون کی بیع تھن میں دودھ کی بیع اور دودھ میں گھی کی بیع سے منع کیا ہے اور اون کے بارے میں یہ حدیث حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے خلاف حجت ہے کیونکہ ان سے روایت کردہ ایک روایت کے مطابق اس بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

بائع کے ضرر کے بغیر مبیع کو سپرد کرنے کا فقہی بیان

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صحت بیع کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مبیع مقدور التسلیم ہو بغیر اس کے کہ بائع کو ضرر لاحق ہو، چنانچہ اگر کسی نے چھت میں لگی ہوئی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں یا ریشمی یا اونی کپڑے میں سے ایک گز فروخت کیا تو جائز نہیں پھر اگر بائع نے مبیع کو اکھاڑ دیا، یا کاٹ دیا اور مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے پہلے مبیع مشتری کے حوالے کر دیا تو بیع جائز ہو گئی یہاں تک کہ مشتری کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو لے کیونکہ مانع جواز تو تسلیم کے سبب سے بائع کو لاحق ہونے والا ضرر تھا اب جبکہ بائع نے اپنی رضامندی اور اختیار سے تسلیم مبیع کر دیا تو وہ مانع زائل ہو گیا اور بیع جائز اور لازم ہو گئی، فرق کیا گیا ہے درمیان مذکورہ صورت کے اور درمیان اس کے کہ زندہ دنبہ کی چکی، کھجور میں موجود گٹھلی زیتون میں موجود روغن، گندم میں موجود

آ تا، تربوز میں موجود بیج اور اس طرح کی دیگر اشیاء فروخت کی جائیں۔ کیونکہ ان میں سرے سے بیع منعقد ہی نہیں ہوتی یہاں تک اگر بائع مبیع کو مشتری کے حوالے بھی کر دے تب بھی جائز نہ ہوگی اور اصل محفوظ یہ ہے کہ اگر تسلیم مبیع بائع کو ایسا ضرر پہنچے بغیر ممکن نہ ہو جو ضرر اصل خلقت سے ثابت شدہ اتصال کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع باطل ہوگی۔

اور اگر تسلیم مبیع ایسے ضرر کے بغیر ممکن نہ ہو جو اتصال عارضی کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع فاسد ہوگی مگر جب بائع اپنے اختیار سے قطع کر کے تسلیم مبیع کر دے تو بیع جائز ہو جائیگی۔ اور اس اصل پر قیاس کا تقاضا ہے کہ بکریوں کی پشت پر اگی ہوئی اون کی بیع جائز ہو کیونکہ اس میں تسلیم ممکن ہے بائع کو ضرور لاحق ہوئے بغیر جو بسبب اون کاٹنے کے لازم آتا ہے مگر فقہاء نے اس کے جائز نہ ہونے کو مستحسن قرار دیا۔

اس نص کی وجہ سے جس کو سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرمایا اور اس وجہ سے کہ اون کو جڑ سے کاٹنا حیوان کو ضرر پہنچانے سے خالی نہیں اور جڑ کے اوپر سے کاٹیں تو کاٹنے کی جگہ متعین نہیں لہٰذا اس میں جھگڑا پیدا ہوگا اس لئے ناجائز ہے الخ پس میں کہتا ہوں کہ یہ مفسد کے دور نہ ہونے کے باب سے ہو گیا اور صاحب بدائع کا قول کہ "بائع نے چھت میں لگی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں فروخت کیں "تو اس میں احتمال ہے کہ وہ شہتیر اور اینٹیں معین ہوں تو اس میں سوائے لزوم ضرر کے کسی اور جہت سے فساد نہ ہوگا۔ (بدائع الصنائع، کتاب البیوع)

چھت پر چھتیر کی بیع کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَجِذْعٍ فِي سَقْفٍ وَذِرَاعٍ مِنْ ثَوْبٍ ذَكَرَا الْقَطْعَ أَوْ لَمْ يَذْكُرَاهُ) لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ التَّسْلِيمُ إلَّا بِضَرَرٍ، بِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ مِنْ نُقْرَةٍ فِضَّةً لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ فِي تَبْعِيضِهِ، وَلَوْ لَمْ يَكُنْ مُعَيَّنًا لَا يَجُوزُ لِمَا ذَكَرْنَا وَلِلْجَهَالَةِ أَيْضًا، وَلَوْ قَطَعَ الْبَائِعُ الذِّرَاعَ أَوْ قَلَعَ الْجِذْعَ قَبْلَ أَنْ يَفْسَخَ الْمُشْتَرِي يَعُودُ صَحِيحًا لِزَوَالِ الْمُفْسِدِ، بِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَ النَّوَى فِي التَّمْرِ أَوْ الْبَذْرَ فِي الْبِطِّيخِ حَيْثُ لَا يَكُونُ صَحِيحًا.

وَإِنْ شَقَّهُمَا وَأَخْرَجَ الْمَبِيعَ لِأَنَّ فِي وُجُودِهِمَا احْتِمَالًا، أَمَّا الْجِذْعُ فَعَيْنٌ مَوْجُودٌ.

قَالَ (وَضَرْبَةِ الْقَانِصِ) وَهُوَ مَا يَخْرُجُ مِنْ الصَّيْدِ بِضَرْبِ الشَّبَكَةِ مَرَّةً لِأَنَّهُ مَجْهُولٌ وَلِأَنَّ فِيهِ غَرَرًا.

ترجمہ

فرمایا: چھت پر موجود چھتیر کی بیع اور کپڑے میں سے صرف ایک گز کی بیع جائز نہیں ہے خواہ عقد کرنے والوں نے کپڑے

کے کاٹنے کی جگہ کو بیان کیا ہے یا نہیں بیان کیا۔ کیونکہ نقصان کے بغیر اس کو حوالے کرنا ممکن نہیں ہے بہ خلاف اس صورت کے کہ جب چاندی کی ڈلی سے دس دراہم چاندی کو بیچ دیا ہے کیونکہ ڈلی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

اور اگر چھتیر اور گز معین نہ ہوں تب بھی ان کی بیع جائز نہیں ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ ہاں جہالت کے سبب سے بھی منع ہے۔ اور جب مشتری کے بیع کرنے سے پہلے ہی بائع نے گز کاٹ دیا ہے یا چھتیر کو نکال لیا ہے تو بیع صحیح ہو کر لوٹنے والی ہے کیونکہ فسادی ختم ہو گیا ہے۔ بہ خلاف اس حالت کے کہ جب چھوہاروں میں موجود گٹھلیوں کو فروخت کیا یا خربوزے میں موجود بیج کو فروخت کیا ہے تو بیع صحیح نہ ہوگی خواہ وہ چھوہاروں اور خربوزوں کو پھاڑ کر ان سے بیج کو نکال دے۔ کیونکہ ان میں گٹھلی اور بیج کے موجود ہونے کا احتمال ہے جبکہ چھتیر تو معین دموجود ہے۔

شکاری کے ایک وار کی بیع بھی جائز نہیں ہے اور یہ وہ شکار ہے جو ایک بار جال کو پھینکنے سے حاصل ہو کیونکہ ایسا شکار مجہول ہے اور اس میں دھوکہ بھی موجود ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ چھت میں لگی ہوئی معین شہتیر کی بیع فاسد ہے رہی غیر معین تو اس کی بیع نہیں ہوسکتی (ابن کمال) اور جس کپڑے کو تبعیض نقصان دے اس میں سے ایک گز کی بیع فاسد ہے پھر اگر مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے قبل بائع نے اس کپڑے کو کاٹ کر مشتری کے سپرد کر دیا تو بیع جائز ہوگی اور اگر کاٹنا اس کو نقصان نہیں پہنچاتا تو مانع کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہے۔ (درمختار، کتاب البیوع باب البیع الفاسد)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور وہ ضعیف ہے کیونکہ غیر معین میں فساد بیع کی علت لزوم ضرر اور جہالت کو قرار دیا گیا تو جب بائع نے ضرر کو برداشت کر لیا اور مبیع مشتری کے سپرد کر دیا تو مفسد زائل ہو گیا اور جہالت بھی جاتی رہی، یہی وجہ ہے کہ فتح میں اس پر جزم کیا گیا کہ بیع صحت کی طرف پلٹ آئے گی۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

بیع مزابنہ ومحاقلہ کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَبَيْعِ الْمُزَابَنَةِ، وَهُوَ بَيْعُ التَّمْرِ عَلَى النَّخِيلِ بِتَمْرٍ مَجْذُوذٍ مِثْلِ كَيْلِهِ خَرْصًا) (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ) فَالْمُزَابَنَةُ مَا ذَكَرْنَا، وَالْمُحَاقَلَةُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ فِي سُنْبُلِهَا بِحِنْطَةٍ مِثْلِ كَيْلِهَا خَرْصًا ؛ وَلِأَنَّهُ بَاعَ مَكِيلًا بِمَكِيلٍ مِنْ جِنْسِهِ فَلَا تَجُوزُ بِطَرِيقِ الْخَرْصِ كَمَا إذَا كَانَا مَوْضُوعَيْنِ عَلَى الْأَرْضِ، وَكَذَا الْعِنَبُ بِالزَّبِيبِ عَلَى هَذَا .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَجُوزُ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ (لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا وَهُوَ أَنْ يُبَاعَ بِخَرْصِهَا تَمْرًا فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ)، "

قُلْنَا: الْعَرِيَّةُ: الْعَطِيَّةُ لُغَةً، وَتَأْوِيلُهُ أَنْ يَبِيعَ الْمُعْرَى لَهُ مَا عَلَى النَّخِيلِ مِنَ الْمُعْرِي بِتَمْرٍ مَجْذُوذٍ، وَهُوَ بَيْعٌ مَجَازًا لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ فَيَكُونُ بِرًّا مُبْتَدَأً .

ترجمہ

فرمایا: اور بیع مزابنہ جائز نہیں ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ درختوں پر موجود کھجور کو ٹوٹے ہوئے چھوہاروں کے بدلے میں ان کے وزن کے برابر اندازے سے بیچا جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بیع مزابنہ اور محاقلہ سے منع کیا ہے۔ مزابنہ وہی بیع ہے جس ہم بیان کر آئے ہیں۔

اور محاقلہ یہ ہے کہ گندم کو ان کی بالیوں میں ان کے ہم وزن گندم کے بدلے میں اندازے سے بیچ دیا جائے۔ پس اندازے سے یہ بیع جائز نہ ہوگی جس طرح اس حالت میں جائز نہیں ہے کہ جب وہ دونوں زمین پر رکھی ہوئی ہوں۔ اور اسی طرح انگور کو کشمش کے بدلے میں بیچنا بھی جائز نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مزابنہ پانچ وسق سے کم کے اندر جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مزابنہ سے منع کیا ہے مگر عرایا کی اجازت دی ہے اور عرایا یہ ہے کہ کھجور کے پانچ وسق سے کم میں اندازے سے بیچ دیا جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ لغت میں عطیہ کو عریہ کہتے ہیں اور حدیث مبارکہ کی تاویل یہ ہے کہ عطیہ لینے والا درختوں پر موجود کھجور کے عطیہ دینے سے کاٹی ہوئی کھجوروں کے بدلے میں بیچ دے۔ اور یہ بیع بطور مجاز ہے۔ کیونکہ معریٰ لہ ان پھلوں کا مالک نہیں ہے پس معریٰ کا اس کو پھل دے دینا یہ ایک جدید احسان ہوگا۔

بیع مزابنہ کی ممانعت کا بیان

یہ خشک کھجور کی بیع درخت پر لگی ہوئی کھجور کے بدلے اور خشک انگور کی بیع تازہ انگور کے بدلے میں ہوتی ہے اور بیع عرایا کا بیان۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب بیوع)

اس کو خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آگے چل کر وصل کیا ہے، مزابنہ کے معنی تو معلوم ہو چکے۔ محاقلہ یہ ہے کہ ابھی گیہوں کھیت میں ہو، بالیوں میں اس کا اندازہ کر کے اس کو اترے ہوئے گیہوں کے بدلے میں بیچے۔ یہ بھی منع ہے۔ محاقلہ کی تفسیر میں شوکانی فرماتے ہیں۔ قد اختلف فی تفسیرها فمنم من فسرها فی الحدیث فقال هی بیع الحقل بکیل من الطعام و قال ابوعبید هی بیع الطعام فی سنبله و الحقل الحرث و موضع الزرع۔

یعنی محاقلہ کی تفسیر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی تفسیر اس کھیت سے کی ہے جس کی کھڑی کھیتی کو اندازاً مقررہ مقدار کے غلہ سے بیچ دیا جائے۔ ابو عبید نے کہا وہ غلہ کو اس کی بالیوں میں بیچنا ہے اور حقل کا معنی کھیتی اور مقام زراعت کے ہیں۔ یہ بیع محاقلہ ہے جسے شرع محمدی میں منع قرار دیا گیا۔ کیوں کہ اس میں جانبین کو نفع ونقصان کا احتمال قوی ہے۔

مزابنہ کی تفسیر میں مولانا شوکانی فرماتے ہیں: والمزابنة بالزای و الموحدة و النون قال فی الفتح هی مفاعلة من الزبن بفتح الزای و سکون الموحدة وهو الدفع الشدید و منه سمیت الحرب الزبون لشدة الدفع فیها و قیل للبیع المخصوص مزابنة کان کل واحد من المتبایعین یدفع صاحبه عن حقه او لان احدهما اذا وقف مافیه من الغبن اراد دفع البیع یفسخه و اراد الاخر دفعه عن هذه الارادة بامضاء البیع و قد فسرت بما فی الحدیث اعنی بیع النخل باوساق من التمر و فسرت بهذا و بیع العنب بالزبیب کما فی الصحیحین۔

(نیل الاطار)

مزابنہ زبن سے مفاعلہ کا مصدر ہے۔ جس کا معنی رفع شدید کے ہیں، اسی لیے لڑائی کا نام بھی زبون رکھا گیا کیوں کہ اس میں شدت سے مدافعت کی جاتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیع مخصوص کا نام مزابنہ ہے۔ گویا دینے والا اور لینے والا دونوں میں سے ہر شخص ایک دوسرے کو اس کے حق سے محروم رکھنے کی شدت سے کوشش کرتا ہے یا یہ معنی کہ ان دونوں میں سے جب ایک اس سودے میں غبن سے واقف ہوتا ہے تو وہ اس بیع کو فسخ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور دوسرا بیع کا نفاذ کر کے اسے اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور حدیث کی بھی تفسیر کر چکا ہوں۔ یعنی تر کھجور کو خشک کھجور سے بیچنا اور انگوروں کو منقی سے بیچنا جیسا کہ صحیحین میں ہے۔

عہد جاہلیت میں بیوع کے یہ جملہ مذموم طریقے جاری تھے۔ اور ان میں نفع ونقصان ہر دو کا قوی احتمال ہوتا تھا۔ بعض دفعہ لینے والے کے وارے نیارے ہو جاتے اور بعض دفعہ وہ اصل پونجی کو بھی گنوا بیٹھتا۔ اسلام نے ان جملہ طریقہ ہائے بیوع کو سختی سے منع فرمایا۔ آج کل ایسے دھوکہ کے طریقوں کی جگہ لاٹری، سٹہ، ریس وغیرہ نے لے لی ہے۔ جو اسلامی احکام کی روشنی میں نہ صرف ناجائز بلکہ سود بیاج کے دائرہ میں داخل ہیں۔ خرید وفروخت میں دھوکہ کرنے والے کے حق میں سخت ترین وعیدیں آئی ہیں۔ مثلاً ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا من غشنا فلیس منا جو دھوکہ بازی کرنے والا ہے وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے

اسی طرح تر کھجور خشک کھجور کے بدل برابر برابر بیچنا ناجائز ہے کیوں کہ تر کھجور سوکھے سے وزن میں کم ہو جاتی ہے، جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز رکھا ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا۔ یعنی باغ کے پھلوں کو اگر وہ کھجور ہیں تو ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے میں ناپ کر بیچا جائے۔ اور اگر انگور ہیں تو اسے خشک انگور کے بدلے ناپ کر بیچا جائے اور اگر وہ کھیتی ہے تو ناپ کر غلہ کے بدلے میں بیچا جائے۔ آپ نے ان تمام قسموں کے لین دین سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ کھیتی کو اس کے کاٹنے سے پہلے غلہ کے ساتھ بیچنا درست نہیں۔اس لیے کہ وہ ایک معلوم غلہ کے ساتھ مجہول چیز کی بیع ہے۔اس میں ہر دو کے لیے نقصان کا احتمال ہے۔ایسے ہی تر کاٹنے کے بعد خشک کے ساتھ بیچنا جمہور اس قسم کی تمام بیوع کو ناجائز کہتے ہیں۔ان سب میں نفع ونقصان ہر دو احتمالات ہیں۔اور شریعت محمدیہ ایسے جملہ ممکن نقصانات کی بیوع کو ناجائز قرار دیتی ہے۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری)

عریہ کے مفہوم میں فقہی تصریحات

امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ عریہ یہ ہے کہ کوئی شخص (کسی باغ کا مالک اپنے باغ میں) دوسرے شخص کو کھجور کا درخت (ہبہ کے طور پر) دے دے، پھر اس شخص کا باغ میں آنا اچھا نہ معلوم ہو،تو اس صورت میں وہ شخص ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے میں اپنا درخت (جسے وہ ہبہ کر چکا ہے) خرید لے اس کی اس کے لیے رخصت دی گئی ہے اور ابن ادریس (امام شافعی رحمہ اللہ علیہ) نے کہا کہ عریہ جائز نہیں ہوتا مگر (پانچ وسق سے کم میں) سوکھی کھجور ناپ کر ہاتھوں ہاتھ دے دے یہ نہیں کہ دونوں طرف اندازہ ہو۔ اور اس کی تائید سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ وسق سے ناپ کر کھجور دی جائے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ علیہ نے اپنی حدیث میں نافع سے بیان کیا اورانہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا کہ عریہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باغ میں کھجور کے ایک دو درخت کسی کو عاریتاً دے دے اور یزید نے سفیان بن حسین سے بیان کی کہ عریہ کھجور کے اس درخت کو کہتے ہیں جو مسکینوں کو للہ دے دیا جائے،لیکن وہ کھجور کے پکنے کا انتظار نہیں کر سکتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دی کہ جس قدر سوکھی کھجور کے بدل چاہیں اور جس کے ہاتھ چاہیں بیچ سکتے ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عریہ کی اجازت دی کہ وہ اندازے سے بیچی جاسکتی ہے۔موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ عرایا کچھ معین درخت جن کا میوہ تو اترے ہوئے میوے کے بدل خریدے۔

(صحیح بخاری، حدیث نمبر 2192)

شوکانی عرایا کی تفصیل ان لفظوں میں پیش فرماتے ہیں عرایا عریہ کی جمع ہے اور دراصل یہ کھجور کا صرف پھل کسی محتاج مسکین کو عاریتاً بخشش کے طور پر دے دینا ہے۔عربوں کا طریقہ تھا کہ وہ فقراء مساکین کو فصل میں کسی درخت کا پھل بطور بخشش دے دیا کرتے تھے جیسا کہ بکری اور اونٹ والوں کا بھی طریقہ رہا ہے کہ کسی غریب مسکین کے حوالہ صرف دودھ پینے کے لیے بکری یا اونٹ کر دیا کرتے تھے۔

شوکانی فرماتے ہیں عرایا ان کھجوروں کو کہا جاتا ہے جو مساکین کو عاریتاً بخشش کے طور پر دے دی جاتی ہیں۔پھر ان مساکین کو تنگ دستی کی وجہ سے ان کھجوروں کا پھل پختہ ہونے کا انتظار کرنے کی تاب نہیں ہوتی۔پس ان کو رخصت دی گئی کہ وہ جیسے مناسب جانیں سوکھی کھجوروں سے ان کا تبادلہ کر سکتے ہیں۔ و قال الجوهری هی النخلة التی یعریها صحابها رجلا محتاجا بان یجعل له ثمرها عاما یعنی جوہری نے کہا کہ یہ وہ کھجور ہیں جس کے پھلوں کو ان کے مالک کسی محتاج کو عاریتاً محض بطور بخشش

...کرتے ہیں۔ عرایا کی اور بھی بہت سی صورتیں بیان کی گئی ہیں تفصیل کے لیے فتح الباری کا مطالعہ ضروری ...

مولانا شوکانی آخر میں فرماتے ہیں بیع عرایا کی جتنی بھی صورتیں صحیح حدیث میں وارد ہیں یا اہل شرع یا اہل لغت سے وہ ثابت ہیں وہ سب جائز ہیں۔ اس لیے کہ وہ مطلق اذن کے تحت داخل ہیں۔ اور بعض احادیث بعض صورتوں میں جو بطور نص وارد ہیں وہ ... کے منافی نہیں ہیں جو بعض ان کے غیر سے ثابت ہیں۔

بیع عرایا کے جواز میں اہم پہلو غرباء مساکین کا مفاد ہے جو اپنی تنگ دستی کی وجہ سے پھلوں کے پختہ ہونے کا انتظار کرنے سے معذور ہیں۔ ان کو فی الحال شکم پری کی ضرورت ہے اس لیے ان کو اس بیع کے لیے اجازت دی گئی۔ ثابت ہوا کہ عقل صحیح بھی اس کے جواز کی تائید کرتی ہے۔

بیع ملامسہ ومنابزہ سے ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ الْبَيْعُ بِإِلْقَاءِ الْحَجَرِ وَالْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَزَةِ). وَهَذِهِ بُيُوعٌ كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَهُوَ أَنْ يَتَرَاوَضَ الرَّجُلَانِ عَلَى سِلْعَةٍ : أَيْ يَتَسَاوَمَانِ، فَإِذَا لَمَسَهَا الْمُشْتَرِي أَوْ نَبَذَهَا إلَيْهِ الْبَائِعُ أَوْ وَضَعَ الْمُشْتَرِي عَلَيْهَا حَصَاةً لَزِمَ الْبَيْعُ ؛ فَالْأَوَّلُ بَيْعُ الْمُلَامَسَةِ وَالثَّانِي الْمُنَابَذَةُ، وَالثَّالِثُ إلْقَاءُ الْحَجَرِ، (وَقَدْ نَهَى عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ بَيْعِ الْمُلَامَسَةِ وَالْمُنَابَذَةِ) وَلِأَنَّ فِيهِ تَعْلِيقًا بِالْخَطَرِ .

ترجمہ

فرمایا: اور القائے حجر اور ملامسہ اور منابزہ کی بیع جائز نہیں ہے اور یہ زمانہ جاہلیت کی بیوع ہیں۔ اور اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ یہ دو آدمی کسی سامان کے بارے میں باہمی گفتگو کرتے پھر جب مشتری اس سامان کو چھوڑ دیتا اور بائع مشتری کی طرف اس سامان کو پھینک دیتا اور مشتری اس پر کنکری ڈال دیتا تو بیع لازم ہو جاتی لہذا پہلی بیع ملامسہ اور دوسری منابذہ جبکہ تیسری القاء حجر کہلاتی ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ نے بیع ملامسہ اور منابذہ سے منع کیا ہے کیونکہ ان میں ملکیت کو خطرے میں معلق کرنا ہے۔

بیع منابذہ کی ممانعت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دھوکے اور کنکریاں مارنے کی بیع سے منع فرمایا اس باب میں حضرت ابن عمر، ابن عباس، ابوسعید، اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہے، حدیث ابو ہریرہ حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ دھوکے والی بیع حرام ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ دھوکے والی بیع میں یہ چیزیں داخل ہیں مچھلی کا پانی میں ہوتے ہوئے فروخت کرنا اور پرندے کا

اڑتے ہوئے فروخت کرنا اوراسی طرح کی دوسری بیوع بھی اسی ضمن میں آتی ہیں۔ بیع الحصاۃ کنکری مارنے والی بیع کا مطلب یہ ہے کہ بیچنے والا خریدنے والے سے یہ کہے کہ جب میں تیری طرف کنکری پھینکوں تو میرے اور تیرے درمیان بیع واجب ہوگئی، یہ بیع منابذہ ہی کے مشابہ ہے یہ سب زمانہ جاہلیت کی بیوع ہیں۔ (جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1247)

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوطرح کے پہناوے سے اور دوطرح کی بیع سے منع کیا ہے وہ ملامست اور منابذت ہیں۔

ملامست یہ ہے کہ ایک شخص یعنی خریدار دوسرے شخص یعنی تاجر کے کپڑے کو جسے وہ لینا چاہتا ہے دن میں یارات میں صرف ہاتھ سے چھولے اسے کھول کر الٹ کر دیکھے نہیں اور اس کا یہ چھونا بیع کے لئے ہو اور منابذت یہ ہے کہ معاملہ کرنیوالوں میں سے ہر ایک اپنے کپڑے کو دوسرے کی طرف پھینک دے اور اس طرح بغیر دیکھے بھالے اور بغیر اظہار رضامندی کے بیع ہو جائے اور جن دو طرح کے پہناوے سے منع فرمایا ہے ان میں سے ایک کپڑے کو (صماء) کے طور پر پہننا ہے۔

اور (صماء) کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ایک مونڈھے پر اس طرح کپڑا ڈال لے کہ اس کی دوسری سمت کہ جس پر کپڑا نہ ہو ظاہر و برہنہ رہے اور دوسرا پہناوا جس سے منع کیا گیا ہے یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے گرد اس طرح کپڑا لپیٹ لے کہ جب وہ بیٹھے تو اس کی شرم گاہ اس کپڑے سے بالکل عاری ہو (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر 82)

ملامست کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص کوئی چیز مثلا کپڑا خریدنے جاتا تو کپڑے کو ہاتھ لگا دیتا کپڑے کو ہاتھ لگاتے ہی بیع ہو جاتی تھی نہ تو آپس میں قولی ایجاب وقبول ہوتا تھا کہ دکاندار تو یہ کہتا ہے کہ میں نے تمہارے ہاتھ یہ چیز بیچ دی اور خریدار یہ کہتا ہے کہ میں نے تم سے یہ چیز خرید لی اور نہ فعلی لین دین جسے اصطلاح فقہ میں تعاطی کہتے ہیں ہوتا تھا کہ دکاندار برضاء ورغبت خاموشی کے ساتھ وہ چیز دیتا اور خریدار اس کی قیمت ادا کر دیتا بلکہ خریدار کا اس چیز کو ہاتھ سے چھو دینا ہی کافی سمجھا جاتا تھا۔

علامہ طیبی نے حدیث کے الفاظ (لا یقلبه الا بذلك) (اسے کھول الٹ کر دیکھے نہیں) کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کپڑے کو علاوہ چھونے کے نہ الٹے نہ کھولے یعنی چاہئے تو یہ کہ کپڑے کو کھولا جائے اور اچھی طرح دیکھا بھالا جائے مگر بیع ملامست کرنیوالا نہ کھولتا تھا نہ اسے دیکھتا بھالتا تھا البتہ صرف اسے چھولیتا تھا ظاہر ہے کہ کسی چیز کو محض چھولیا اس کو الٹ کھول کر دیکھنے بھالنے کا درجہ حاصل نہیں کرسکتا۔

بہرکیف ملامست ایام جاہلیت میں خرید فروخت کا ایک خاص طریقہ تھا کہ جہاں ایک نے دوسرے کے کپڑے کو ہاتھ لگایا بس بیع ہوگئی نہ وہ اس کو دیکھتے بھالتے تھے اور نہ شرط خیار کرتے تھے کہ اس کو دیکھنے کے بعد اگر چاہیں گے تو رکھ لیں گے ورنہ اس کو واپس کردیں گے چونکہ یہ ایک بالکل غلط طریقہ تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

منابذت کی صورت یہ ہوتی تھی کہ دونوں صاحب معاملہ نے جہاں آپس میں ایک دوسرے کی طرف کپڑا ڈالا بس بیع ہوگئی مبیع کو دیکھنے بھالنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی ایام جاہلیت میں رائج بیع کا ایک طریقہ تھا لہذا اس کی ممانعت بھی فرمائی

گئی۔
(صماء) کے ایک معنی تو وہی ہیں جو تر جمہ میں ظاہر کئے گئے لیکن اس کا زیادہ واضح اور مشہور مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص ایک کپڑا لے کر اسے سر سے پاؤں تک اپنے بدن پر اس طرح لپیٹ لے کہ دونوں ہاتھ بھی اس کے اندر لپٹے رہیں اور جسم کہیں سے کھلا نہ رہے ظاہر ہے کہ اس طرح آدمی بالکل مفلوج ونا کارہ ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔
دوسرا پہناوا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے یہ ہے کہ کوئی شخص کولہوں پر بیٹھ جائے اور دونوں زانوں کو کھڑا کرے اور پھر اپنے زانوں اور کمر کے گرد کوئی کپڑا اس طرح لپیٹ لے کہ ستر کھلا رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس لیے منع فرمایا کہ اس میں ستر کی پردہ پوشی نہیں ہوتی چنانچہ اگر کوئی شخص مذکورہ بالا صورت میں اس طرح کپڑا لپیٹے کہ اس کا ستر چھپا رہے تو پھر یہ ممانعت نہیں رہے گی۔ بطور نکتہ ایک بات ذہن میں رہے کہ زانوں کے گرد ہاتھوں کا حلقہ بنا کر بیٹھنا مسنون ہے۔
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منابذہ کی بیع سے منع فرمایا تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک آدمی بیچنے کے لیے اپنا کپڑا دوسرے شخص کی طرف (جو خریدار ہوتا) پھینکتا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے الٹے پلٹے یا اس کی طرف دیکھے (صرف پھینک دینے کی وجہ سے وہ بیع لازم سمجھی جاتی تھی) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ملامسة سے بھی منع فرمایا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ (خریدنے والا) کپڑے کو بغیر دیکھے صرف اسے چھو دیتا (اور اسی سے بیع لازم ہو جاتی تھی اسے بھی دھوکہ کی بیع قرار دیا گیا۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر 2145)
ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالوہاب نے بیان کیا، ان سے محمد بن سیرین نے، ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ دو طرح کے لباس پہننے منع ہیں۔ کہ کوئی آدمی ایک ہی کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھے، پھر اسے مونڈے پر اٹھا کر ڈال لے (اور شرم گاہ کھلی رہے) اور دو طرح کی بیع سے منع کیا ایک بیع ملامسة سے اور دوسری بیع منابذہ سے۔
اس روایت میں دوسرے لباس کا ذکر نہیں کیا۔ وہ اشتمال صما ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے یعنی ایک ہی کپڑا سارے بدن پر اس طرح لپیٹنا کہ ہاتھ وغیرہ کچھ باہر نہ نکل سکیں۔ نسائی کی روایت میں ملامسة کی تفسیر یوں مذکور ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ میں اپنا کپڑا تیرے کپڑے کے عوض بیچتا ہوں اور کوئی دوسرے کا کپڑا نہ دیکھے صرف چھوئے، اور بیع منابذہ یہ ہے کہ مشتری اور بائع میں یہ ٹھہرے کہ جو میرے پاس ہے وہ میں تیری طرف پھینک دوں گا اور جو تیرے پاس ہے وہ تو میری طرف پھینک دے۔ بس اسی شرط پر بیع ہو جائے اور کسی کو معلوم نہ ہو کہ دوسرے کے پاس کتنا اور کیا مال ہے۔

بیع مخاضرہ مزابنہ کا مفہوم وحکم کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مخاضرہ، ملامسہ، منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔
حافظ فرماتے ہیں و المراد بیع الثمار و الحبوب قبل ان یبدو صلاحها یعنی مخاضرہ کے معنے پکنے سے پہلے ہی

فصل کو کھیت میں بیچنا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ محاقلہ کا مفہوم بھی یہی ہے۔ دیگر واردہ اصطلاحات کے معانی ان کے مقامات پر مفصل بیان ہو چکے ہیں۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 2208)

ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اسماعیل بن جعفر نے بیان کیا، ان سے حمید نے اور ان سے انس رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کو زہو سے پہلے ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔ ہم نے پوچھا کہ زہو کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ پک کے سرخ ہو جائے یا زرد ہو جائے۔ تم ہی بتاؤ کہ اگر اللہ کے حکم سے پھل نہ آ سکا تو تم کس چیز کے بدلے میں اپنے بھائی (خریدار) کا مال اپنے لیے حلال کرو گے۔

کوئی بھی ایسا پہلو جس میں خریدنے والے یا بیچنے والے کے لیے نقصان ہونے کا احتمال ہو، شریعت کی نگاہوں میں ناپسندیدہ ہے، ہاں جائز طور پر سودا ہونے کے بعد نفع نقصان یہ قسمت کا معاملہ ہے۔ تجارت نفع ہی کے لیے کی جاتی ہے۔ لیکن بعض دفعہ گھاٹا بھی ہو جاتا ہے لہٰذا یہ کوئی چیز نہیں۔ آج کل ریس وغیرہ کی شکلوں میں جو دھندے چل رہے ہیں، شرعاً یہ سب حرام اور ناجائز بلکہ سود خوری میں داخل ہیں۔ حدیث کے آخری جملہ کا مطلب ظاہر ہے کہ تم نے اپنا کچا باغ کسی بھائی کو بیچ دیا اور اس سے طے شدہ روپیہ بھی وصول کر لیا۔ بعد میں باغ پھل نہ لا سکا۔ آفت زدہ ہو گیا یا کم پھل لایا تو اپنے خریدار بھائی سے جو رقم تم نے وصول کی ہے وہ تمہارے لیے کس جنس کے عوض حلال ہو گی۔ پس ایسا سودا ہی نہ کرو۔

ایک کپڑے کی بیع دو کپڑوں کے ساتھ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ ثَوْبٍ مِنْ ثَوْبَيْنِ) لِجَهَالَةِ الْمَبِيعِ ؛ وَلَوْ قَالَ :عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ فِي أَنْ يَأْخُذَ أَيَّهُمَا شَاءَ جَازَ الْبَيْعُ اسْتِحْسَانًا، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ بِفُرُوعِهِ .

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْمَرَاعِي وَلَا إجَارَتُهَا) الْمُرَادُ الْكَلَأُ، أَمَّا الْبَيْعُ فَلِأَنَّهُ وَرَدَ عَلَى مَا لَا يَمْلِكُهُ لِاشْتِرَاكِ النَّاسِ فِيهِ بِالْحَدِيثِ، وَأَمَّا الْإِجَارَةُ فَلِأَنَّهَا عُقِدَتْ عَلَى اسْتِهْلَاكِ عَيْنٍ مُبَاحٍ، وَلَوْ عَقَدَ عَلَى اسْتِهْلَاكِ عَيْنٍ مَمْلُوكٍ بِأَنْ اسْتَأْجَرَ بَقَرَةً لِيَشْرَبَ لَبَنَهَا لَا يَجُوزُ فَهَذَا أَوْلَى .

ترجمہ

فرمایا: اور ایک کپڑے کی بیع دو کپڑوں کے ساتھ جائز نہیں ہے کیونکہ مبیع مجہول ہے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے اس شرط کے ساتھ بیچ دیا ہے کہ مشتری کو اختیار ہے کہ وہ دونوں میں سے جس کو چاہے اس کو لے لے گا۔ تو یہ بطور استحسان بیع جائز ہو جائے گی اور اس کی فروعات کے ساتھ اس مسئلہ کو بھی بیان کر آئے ہیں۔

اور چراگاہ کو بیچنا اور اس کو کرائے پر دینا جائز نہیں ہے۔ اور چراگاہ سے مراد اس کی گھاس ہے جہاں تک بیع کا تعلق ہے تو وہ

اس سبب سے ناجائز ہے کہ بیع ایک ایسی چیز پر واقع ہوئی ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے کیونکہ حدیث پاک کے مطابق اس میں سارے لوگ مشترک ہیں اور کرائے کا عدم جواز اس دلیل کی وجہ سے ہے کہ اجارہ ایک مباح مال کو ہلاک کرنے پر واقع ہونے والا ہے اور جب اجارہ مال مملوک کو ہلاک کرنے پر منعقد ہو جائے تو ناجائز ہے پس وہ یہاں تو بدرجہ اولی جائز نہ ہوگا۔

بیع کی جہالت کے سبب نزاع کا بیان

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر بائع نے کہا میں نے غلام اس کی قیمت کے عوض بیچا تو بیع فاسد ہے کیونکہ مختلف قیمت لگانے والوں کے اعتبار سے اس غلام کی قیمت مختلف ہوگی تو اس طرح ثمن مجہول ہوگا اس طرح اگر غلام بیچا اس چیز کے بدلے میں جس کا فیصلہ مشتری یا فلاں شخص کرے گا تو بھی بیع فاسد ہوگی کیونکہ معلوم نہیں فلاں شخص کیا فیصلہ کریگا اور جہالت ثمن صحت بیع سے مانع ہے پھر جب مشتری کو ثمن کا علم ہوا اور وہ اس پر رضامند ہو گیا تو بیع جائز ہو جائے گی کیونکہ جہالت مجلس کے اندر ہی زائل ہو گئی تو یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے گویا کہ عقد کے وقت معلوم تھا اور اگر ثمن کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ بائع اور مشتری متفرق ہو گئے تو فساد مستحکم ہو گیا۔

اور اسی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ قول بھی ہے کہ اگر حالت عقد میں تمام ثمن اس طرح مجہول ہوں کہ جہالت جھگڑے تک پہنچائے تو یہ فساد عقد کا موجب بنے گی اور ہمارے نزدیک جب مجلس کے اندر جہالت رفع ہو جائے تو عقد جواز کی طرف پلٹ آتا ہے کیونکہ مجلس اگرچہ طویل ہو اس کا حکم ساعت عقد والا ہی ہوتا ہے اھ اور اسی میں یہ بھی ہے کہ جب کسی نے لکھی ہوئی قیمت کے بدلے میں کپڑا خریدا اور مشتری کو اس لکھی ہوئی قیمت کا علم نہیں ہے حتی کہ بیع فاسد ہوئی پھر اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا اگرچہ تو یہ علم افتراق سے قبل ہوا اور اس نے بیع کو اختیار کر لیا تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوگی اور اگر افتراق کے بعد اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا تو بالاتفاق بیع جائز نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع، کتاب بیوع)

شہد کی مکھیوں کی بیع کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ النَّحْلِ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَجُوزُ إذَا كَانَ مُحْرَزًا، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ حَيَوَانٌ مُنْتَفَعٌ بِهِ حَقِيقَةً وَشَرْعًا فَيَجُوزُ بَيْعُهُ وَإِنْ كَانَ لَا يُؤْكَلُ كَالْبَغْلِ وَالْحِمَارِ .

وَلَهُمَا أَنَّهُمَا مِنْ الْهَوَامِّ فَلَا يَجُوزُ بَيْعُهُ كَالزَّنَابِيرِ وَالِانْتِفَاعُ بِمَا يَخْرُجُ مِنْهُ لَا بِعَيْنِهِ فَلَا يَكُونُ مُنْتَفَعًا بِهِ قَبْلَ الْخُرُوجِ، حَتَّى لَوْ بَاعَ كُوَّارَةً فِيهَا عَسَلٌ بِمَا فِيهَا مِنْ النَّحْلِ يَجُوزُ تَبَعًا لَهُ، كَذَا ذَكَرَهُ الْكَرْخِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ .

ترجمہ

اور شہد کی مکھیوں کو بیچنا جائز نہیں ہے اور شیخین کے نزدیک حکم ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ جب مکھیاں بائع کی ملکیت میں ہوں تو ان کی بیع جائز ہے امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے کیونکہ شہد کی مکھی ایک ایسا جانور ہے جس سے حقیقی طور پر اور شرعی طور پر دونوں اعتبار سے فائدہ حاصل کرنا ممکن ہے۔ پس اس کی بیع جائز ہوگی۔ اگرچہ وہ کھائے جانے والی نہیں ہے۔ جس طرح خچر اور گدھا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ شہد کی مکھی زمینی کیڑے مکوڑوں کی طرح ہے پس بھڑ کی طرح اس کی بیع بھی جائز نہ ہوگی۔ البتہ فائدہ اس مکھی سے نکلنے والے شہد سے حاصل کیا جاتا ہے نہ مکھی کے عین سے نفع ہوتا ہے پس وہ شہد کے خروج سے پہلے وہ کسی قسم کے فائدے کی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ جب کسی نے شہد کا کوئی چھتہ اور اس چھتے میں موجود مکھیوں کے ساتھ فروخت کیا تو شہد کے تابع ہوتے ہوئے ان مکھیوں کی بیع جائز ہوگی اور حضرت امام کرخی علیہ الرحمہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

ریشم اور شہد کے کیڑوں کی خرید وفروخت

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض بھی اس زمانہ میں متاع خرید وفروخت بن گئے ہیں، ان کی پرورش بھی کی جاتی ہے اور ان کے ذریعہ ریشم، شہد اور بعض ادویہ حاصل کی جاتی ہیں، ریشم کے کیڑے، شہد کی مکھیاں اور سانپ اس سلسلہ میں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں، ابتداءً فقہاء نے ان کی خرید وفروخت کو منع کیا تھا کہ بہ ظاہر یہ نفع آور نہ تھے اور جن اشیاء میں نفع پہنچانے کی صلاحیت نہ ہو، وہ نہ مال ہیں اور نہ اُن کی خرید وفروخت کا کوئی فائدہ ہے؛ لیکن جوں جوں اس طرح کی اشیاء قابل انتفاع ہونے لگیں اور اُن سے معاشی مفاد متعلق ہوتا گیا، فقہاء نے اُن کی خرید وفروخت کی بھی اجازت دے دی؛ اس لیے فی زمانہ جن کارآمد حشرات کی خرید وفروخت مروج ہو جائے، ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔ (جدید فقہی مسائل)

حرام جانوروں کی بیع

بندر، بلی، چوہا، مینڈک، گوہ، سانپ، کیکڑا وغیرہ حرام جانوروں کا کھانا، احناف کے نزدیک جائز نہیں؛ اگر یہ چیزیں کسی ضرورت میں مثلاً دوا کے طور پر خارجی استعمال میں مفید ہوں یا ان کی کھال، ہڈی وغیرہ کارآمد ہوں تو ان کی خرید وفروخت کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ)

ریشم کے کیڑوں کی بیع کی ممانعت کا بیان

(وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ دُودِ الْقَزِّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) لِأَنَّهُ مِنْ الْهَوَامِّ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجُوزُ إذَا ظَهَرَ فِيهِ الْقَزُّ تَبَعًا لَهُ .وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجُوزُ كَيْفَمَا كَانَ لِكَوْنِهِ مُنْتَفَعًا بِهِ (وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ بَيْضَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَهُمَا يَجُوزُ) لِمَكَانِ

الضَّرُورَةِ .

وَقِيلَ أَبُو يُوسُفَ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ كَمَا فِي دُودِ الْقَزِّ وَالْحَمَامِ إِذَا عَلِمَ عَدَدَهَا وَأَمْكَنَ تَسْلِيمُهَا جَازَ بَيْعُهَا لِأَنَّهُ مَالٌ مَقْدُورُ التَّسْلِيمِ .

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ وہ حشرات الارض ہیں۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جب ریشم ظاہر ہو جائے تو اس کے تابع کرتے ہوئے ان کی بیع جائز ہے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ان کی بیع جائز ہے خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہوں کیونکہ وہ فائدے کے قابل ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ریشم کے کیڑے کا انڈہ بیچنا جائز نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک ضرورت کے سبب سے جائز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ریشم کے کیڑوں کی طرح اس مسئلہ میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں اور جب کبوتروں کی تعداد معلوم ہو اور ان کو حوالے کرنا بھی ممکن ہو تو ان کی بیع جائز ہے کیونکہ ان کو سپرد کرنا ممکن ہے۔

شرح

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ریشم کے کیڑے اور ان کے انڈوں کی بیع جائز ہے، دو شخص اگر ریشم کے کیڑوں میں شرکت کریں یہ جب ہو سکتی ہے کہ انڈے دونوں کے ہوں اور کام بھی دونوں کریں اور جتنے جتنے انڈے ہوں اُنھیں کے حساب سے شرکت کے حصے ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کے انڈے ہوں اور ایک کام کرے اور دونوں نصف نصف یا کم وبیش کے شریک ہوں بلکہ اگر ایسا کیا ہے تو کیڑے اُس کے ہوں گے جس کے انڈے ہیں اور کام کرنے والے کے لیے اُجرتِ مثل ملے گی۔ اسی طرح اگر گائے بکری مرغی کسی کو آدھے آدھ پر دے دی کہ وہ کھلائے گا چرائے گا اور جو بچے ہوں گے دونوں آدھے آدھے بانٹ لیں گے جیسا کہ اکثر دیہاتوں میں کرتے ہیں یہ طریقہ غلط ہے بچوں میں شرکت نہیں ہوگی بلکہ بچے اسی کے ہونگے جس کے جانور ہیں اس دوسرے کو چارہ کی قیمت جب کہ اپنا کھلایا ہو اور چرائی اور رکھوالی کی اُجرتِ مثل ملے گی۔ اسی طرح اگر ایک شخص نے اپنی زمین دوسرے کو پیڑ لگانے کے لیے ایک مدت معین تک کے لیے دیدی کہ درخت اور پھل دونوں نصف نصف لے لیں گے یہ بھی صحیح نہیں وہ درخت اور پھل کُل مالک زمین کے ہونگے اور دوسرے کے لیے درخت کی وہ قیمت ملے گی جو نصب کرنے کے دن تھی اور جو کچھ کام کیا ہے اُس کی اُجرتِ مثل ملے گی۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

بھاگے ہوئے غلام کی بیع کی ممانعت کا بیان

(وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْآبِقِ) لِنَهْيِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْهُ وَلِأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهِ (إلَّا أَنْ يَبِيعَهُ مِنْ رَجُلٍ زَعَمَ أَنَّهُ عِنْدَهُ) لِأَنَّ الْمَنْهِيَّ عَنْهُ بَيْعُ آبِقٍ مُطْلَقٍ وَهُوَ أَنْ

يَكُونَ آبِقًا فِي حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَهٰذَا غَيْرُ آبِقٍ فِي حَقِّ الْمُشْتَرِي ؛ وَلِأَنَّهُ إِذَا كَانَ عِنْدَ الْمُشْتَرِي انْتَفَى الْعَجْزُ عَنِ التَّسْلِيمِ وَهُوَ الْمَانِعُ، ثُمَّ لَا يَصِيرُ قَابِضًا بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ وَكَانَ أَشْهَدَ عِنْدَهُ أَخْذَهُ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ عِنْدَهُ وَقَبْضُ الْأَمَانَةِ لَا يَنُوبُ عَنْ قَبْضِ الْبَيْعِ، وَلَوْ كَانَ لَمْ يُشْهِدْ يَجِبُ أَنْ يَصِيرَ قَابِضًا لِأَنَّهُ قَبْضُ غَصْبٍ، لَوْ قَالَ هُوَ عِنْدَ فُلَانٍ فَبِعْهُ مِنِّي فَبَاعَهُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ آبِقٌ فِي حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ وَلِأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهِ .

وَلَوْ بَاعَ الْآبِقَ ثُمَّ عَادَ مِنَ الْإِبَاقِ لَا يَتِمُّ ذٰلِكَ الْعَقْدُ ؛ لِأَنَّهُ وَقَعَ بَاطِلًا لِانْعِدَامِ الْمَحَلِّيَّةِ كَبَيْعِ الطَّيْرِ فِي الْهَوَاءِ .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّهُ يَتِمُّ الْعَقْدُ إِذَا لَمْ يُفْسَخْ لِأَنَّ الْعَقْدَ انْعَقَدَ لِقِيَامِ الْمَالِيَّةِ وَالْمَانِعُ قَدِ ارْتَفَعَ وَهُوَ الْعَجْزُ عَنِ التَّسْلِيمِ، كَمَا إِذَا أَبَقَ بَعْدَ الْبَيْعِ، وَهٰكَذَا يُرْوَى عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ .

ترجمه

فرمایا: اور بھاگے ہوئے غلام کی بیع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کی بیع سے منع کیا ہے اور اس دلیل کی وجہ سے بھی منع ہے کہ بائع اس کو سپرد کرنے پر قدرت رکھنے والا نہیں ہے۔ ہاں جب اس نے کسی ایسے شخص کو بیچا ہو جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ غلام میرے پاس ہے۔ کیونکہ علی الاطلاق بھاگا ہوا غلام وہ ہے جو مشتری اور بائع دونوں کے ہاں سے بھاگنے والا ہے جبکہ یہ مشتری کے حق میں بھاگنے والا نہ ہوگا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ جب وہ غلام مشتری کے قبضہ میں ہوگا تو سپرد کرنے والا عجز ختم ہو چکا ہے اور بیع کو مانع بھی یہی تھا۔

اور جب غلام مشتری کے قبضہ میں ہو اور اس نے اس کو پکڑتے وقت گواہ بنا لئے ہیں تب بھی صرف عقد کے سبب وہ قابض نہ ہوگا بلکہ یہ غلام اس کے پاس بطور امانت ہے اور امانت کا قبضہ بیع کے قبضے کے قائم مقام نہیں ہوتا اور اگر مشتری نے پکڑتے وقت گواہ نہیں بنائے تھے تو مشتری کا قبضہ ثابت ہو جائے گا کیونکہ یہ غصب کا قبضہ ہے۔

اور جب کسی شخص نے کہا کہ وہ جو غلام فلاں آدمی کے قبضہ میں ہے اس کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ اور بائع نے اس کو بیچ دیا تو یہ بیع بھی جائز نہ ہوگی کیونکہ دونوں عقد کرنے والوں کے حق میں غلام بھاگا ہوا ہے کیونکہ بائع اس کو حوالے کرنے سے عاجز ہے۔

اور جب بھاگے ہوئے غلام کو بیچ دیا اور اس کے بعد وہ واپس آ گیا تو یہ عقد مکمل نہ ہوگا کیونکہ یہاں محل عقد کے معدوم ہونے کے سبب یہ عقد باطل ہو چکا تھا جس طرح ہوا میں پرندے کا مسئلہ ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب عقد فسخ نہ ہوا ہو تو وہ پورا ہو جائے گا کیونکہ عقد مال کے قائم ہونے کی وجہ سے منعقد ہونے والا ہے اور اب مانع ختم ہو گیا ہے جس طرح اس حالت میں ہے کہ جب بیع کے بعد غلام بھاگ جائے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

آبق غلام کی بیع وآزادی میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ جب آبق غلام مشتری کے پاس ہو تو اس بھگوڑے غلام کی بیع درست نہیں ہے جبکہ اتفاق مذہب ائمہ اربعہ اس کو آزاد کرنا جائز ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بھاگے ہوئے غلام کی بیع ناجائز ہے اور اگر جس کے ہاتھ بیچا ہے، وہ غلام بھاگ کر اُسی کے یہاں چھپا ہو تو بیع صحیح ہے پھر اگر مشتری نے اُس غلام پر قبضہ کرتے وقت کسی کو گواہ نہیں بنایا ہے تو بیع کے لیے جدید قبضہ کی ضرورت نہیں، یعنی فرض کرو بیع کے بعد ہی مر گیا تو مشتری کو ثمن دینا پڑے گا اور قبضہ کرتے وقت گواہ کر لیا ہے تو یہ قبضہ بیع کے قبضہ کے قائم مقام نہیں بلکہ یہ قبضہ قبضہ امانت ہے اس کے بعد پھر قبضہ کرنا ہوگا اور اس قبضہ جدید سے پہلے مرا تو بائع کا مرا مشتری کو کچھ ثمن دینا نہیں پڑے گا اور اگر مشتری کے یہاں نہیں چھپا ہے مگر جس کے یہاں ہے اُس سے مشتری آسانی کے ساتھ بغیر مقدمہ بازی کے لے سکتا ہے جب بھی صحیح ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

جب مانع زائل ہو جائے تو ممنوع واپس لوٹ آتا ہے امام اعظم کے مؤقف پر قاعدہ فقہیہ

اذا زال المانع عاد الممنوع ۔الاشباہ والنظائر)

جب مانع زائل ہو جائے تو ممنوع واپس لوٹ آتا ہے۔

اس قاعدہ کی توضیح یہ ہے کہ جب کسی حکم کا مانع زائل ہو جائے یعنی جس کی وجہ سے وہ حکم ممنوع لگایا گیا تھا وہ وجہ ختم ہو جائے تو اس وجہ کے ختم ہوتے ہی ممنوع واپس لوٹ آئے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی وقوعہ کا آنکھوں بھرا مشاہدہ کیا اس کے بعد اس واقعہ کو عدالت میں پیش کیا گیا اور جب اس مشاہدہ کرنے والے گواہ کو عدالت نے طلب کیا تو وہ اس وقت نابینا ہو چکا تھا، اس پر عدالت نے اس کی گواہی کو کالعدم قرار دیتے ہوئے کہا کہ نابینا شخص کی گواہی قابل قبول نہیں۔ اور اس کا نابینا ہونا ہی فیصلے اور شہادت کے اندر مانع ومخل پیدا ہو گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ نابینا تندرست ہو گیا اور اسکی نظر ٹھیک ہو گئی تو عدالت اسکی شہادت کو قبول کرے گی اور اسکی گواہی اسی طرح کارگر ثابت ہو گی جس طرح گواہوں کی گواہی کا حکم ہوتا ہے۔ لہذا اسکی اہلیت شہادت کا حکم جس نابینا پن ہونے کی وجہ سے مانع تھا اس مانع کے ختم ہوتے ہی حکم ممنوع واپس لوٹ آئے گا اور وہ نابینا شخص گواہی کے قابل سمجھا جائے گا۔

اس قاعدہ کا ثبوت یہ حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اناج کو خریدے تو وہ اس اناج کو

وزن کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔ (صحیح مسلم ج ۲، ص ۵ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مبیع پر قبضہ سے پہلے اور حتی کہ اسکی مقدار یا اس کا وزن کرنے پہلے اسکی بیع سے منع کر دیا گیا اور اس کا مانع عدم قبضہ ہے اور جیسے ہی اس کا مانع ختم ہوگا ویسے ہی مشتری کی دوسرے کے ہاں بیع کی اباحت کا حکم لوٹ آئے گا کیونکہ اصل تو اباحت تھی۔

خیار بیع کی مدت میں عیب ظاہر ہونے کا بیان

اگر کسی شخص نے مبیع کیلئے تین دن کا اختیار لیا یا مبیع کے اندر کوئی عیب نکلا تو وہ مبیع بائع کو واپس کر سکتا ہے کیونکہ انعقاد بیع تو مبیع کی سلامتی یا خیار بیع کے حکم سے ساتھ ملصق تھا اور جیسے ہی مبیع میں عیب نکلا تو حکم جو کسی بیع میں انعقاد و قبضہ ہو جانے کے بعد واپسی کے مانع ہوتا ہے وہ زائل ہوا اور مبیع کو واپس کرنے کا حکم لوٹ آیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں جائز ہے بیع قرض اور بیع فسخ اور بیع میں دو شرط مقرر کرنا اور جائز نہیں ہے اس شے کو فروخت کرنا جو کہ تیرے پاس موجود نہیں ہے (یعنی جس پر تمہارا قبضہ نہیں ہے)۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 915)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ بیع لازم نہیں ہوتی کہ جس کا انسان مالک نہ ہو (بلکہ اگر دوسرے کی ملک ہو تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گی) اور جو کسی کی ملکیت میں نہ آئی ہو (مثلاً اڑنے والا پرندہ یا تیرتی ہوئی مچھلی کی بیع باطل ہے)۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 916)

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک آدمی میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے وہ کوئی شے خریدتا ہے جو کہ میرے پاس نہیں ہوتی میں وہ شے بازار سے خرید کر اس کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اس شے کو فروخت نہ کرو جو تمہارے پاس نہ ہو (یعنی تم جس چیز کے مالک نہ ہو اس کو فروخت نہ کرو)۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 917)

پیالے میں عورت کے دودھ کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا بَيْعُ لَبَنِ امْرَأَةٍ فِي قَدَحٍ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجُوزُ بَيْعُهُ لِأَنَّهُ مَشْرُوبٌ طَاهِرٌ، وَلَنَا أَنَّهُ جُزْءُ الْآدَمِيِّ وَهُوَ بِجَمِيعِ أَجْزَائِهِ مُكَرَّمٌ مَصُونٌ عَنْ الِابْتِذَالِ بِالْبَيْعِ، وَلَا فَرْقَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ بَيْنَ لَبَنِ الْحُرَّةِ وَالْأَمَةِ.

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَجُوزُ بَيْعُ لَبَنِ الْأَمَةِ لِأَنَّهُ يَجُوزُ إيرَادُ الْعَقْدِ عَلَى نَفْسِهَا

فَكَذَا عَلَى جُزْئِهَا .

قُلْنَا :الـرِّقُّ قَدْ حَلَّ نَفْسَهَا، فَأَمَّا اللَّبَنُ فَلا رِقَّ فِيهِ لِأَنَّهُ يَخْتَصُّ بِمَحِلٍّ يَتَحَقَّقُ فِيهِ الْقُوَّةُ الَّتِي هِيَ ضِدُّهُ وَهُوَ الْحَيُّ وَلَا حَيَاةَ فِي اللَّبَنِ .

ترجمہ

اور پیالے میں عورت کے دودھ کی بیع جائز نہیں ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ یہ بیع جائز ہے کیونکہ وہ پاکیزہ مشروب ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ دودھ انسان کا حصہ ہے اور انسان اپنے سارے اجزاء سمیت معزز ہے اور وہ بیع کی توہین سے محفوظ ہے۔اور ظاہر الروایت کے مطابق آزاد عورت اور باندی کے دودھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ باندی کے دودھ کی بیع جائز ہے کیونکہ باندی کی ذات پر عقد کرنا جائز ہے پس اس کے جز پر بھی عقد کرنا جائز ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ باندی کی ذات میں غلامی سرایت کرنے والی ہے جبکہ دودھ میں کوئی رقیت نہیں ہے کیونکہ ایسے محل کے ساتھ خاص ہے جس میں ایسی طاقت ثابت ہے جو رقیت کی ضد یعنی زندہ ہوتا ہے جبکہ دودھ زندگی سے خالی ہے۔

عورت کے دودھ کی بیع میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے پیالے کی قید اس لئے ذکر کی ہے کہ جب وہ عورت سے جدا ہو جائے تو اس کی بیع کا کیا حکم ہے۔ائمہ احناف، امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک انسانی جز کے مصون ہونے کے سبب اور مکرم ہونے کے سبب اس کی بیع جائز نہیں ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک نفع مند مشروب ہونے کے سبب اس کی بیع جائز ہے۔(فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵،ص ۶۹، بیروت)

عورت کے دودھ کو بیچنا ناجائز ہے اگرچہ اُسے نکال کر کسی برتن میں رکھ لیا ہو اگرچہ جس کا دودھ ہو وہ باندی ہو۔

خنزیر کے بالوں کی بیع کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ شَعْرِ الْخِنْزِيرِ) لِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ فَلَا يَجُوزُ بَيْعُهُ إهَانَةً لَهُ، وَيَجُوزُ الِانْتِفَاعُ بِهِ لِلْخَرْزِ لِلضَّرُورَةِ فَإِنَّ ذَلِكَ الْعَمَلَ لَا يَتَأَتَّى بِدُونِهِ، وَيُوجَدُ مُبَاحَ الْأَصْلِ فَلَا ضَرُورَةَ إلَى الْبَيْعِ، وَلَوْ وَقَعَ فِي الْمَاءِ الْقَلِيلِ أَفْسَدَهُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ .

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يُفْسِدُهُ لِأَنَّ إطْلَاقَ الِانْتِفَاعِ بِهِ دَلِيلُ طَهَارَتِهِ وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْإِطْلَاقَ لِلضَّرُورَةِ فَلَا يَظْهَرُ إلَّا فِي حَالَةِ الِاسْتِعْمَالِ وَحَالَةُ الْوُقُوعِ

تُغَایِرُهَا.

ترجمہ

فرمایا: اور خنزیر کے بالوں کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے پس اس کی توہین کے سبب اس کے بالوں کی بیع جائز نہ ہوگی۔ مگر ضرورت کی وجہ سے سلائی کے طور پر ان کے بالوں سے فائدہ اٹھانا جائز ہے کیونکہ سلائی کا کام اس کے بغیر حاصل نہ ہو سکے گا اور جب مباح الاصل مل جائیں تو تب ان کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جب قلیل پانی میں خنزیر کا بال گر جائے تو اس کو فاسد کر دیتا ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ پانی کو فاسد کرنے والا نہیں ہے کیونکہ اس سے فائدہ اٹھانے کا اطلاق اس کے پاک ہونے کی دلیل ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اطلاق نفع ضرورت کی وجہ سے ہے پس ضرورت صرف استعمال کی حالت میں ظاہر ہوگی جبکہ گرنے کی حالت اور استعمال کی حالت یہ دونوں الگ الگ ہیں۔

شرح

خنزیر زندہ ہو یا مردہ یا قاعدہ شریعت کے موافق ذبح کر لیا جائے ہر حال میں حرام ہے اور اس کے تمام اجزاء گوشت پوست چربی ناخن بال ہڈی پٹھا ناپاک اور ان سے نفع اٹھانا اور کسی کام میں لانا حرام ہے۔ اس موقع پر چونکہ کھانے کی چیزوں کا ذکر ہے اس لئے فقط گوشت کا حکم بتلایا گیا مگر اس پر سب کا اجماع ہے کہ خنزیر جو کہ بے غیرتی اور بے حیائی اور حرص اور رغبت الی النجاسات میں سب جانوروں میں بڑھا ہوا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت فَإِنَّهُ رِجْسٌ فرمایا بلاشک نجس العین ہے نہ اس کا کوئی جزو پاک اور نہ کسی قسم کا انتفاع اس سے جائز جو لوگ کثرت سے اس کو کھاتے ہیں اور اس کے اجزاء سے نفع اٹھاتے ہیں ان تک میں اوصاف مذکورہ واضح طور پر مشاہدہ ہوتے ہیں۔

لپ سٹک میں خنزیر کی چربی ہونے کا بیان

لپ سٹک جسے سرخی کہا جاتا ہے (خواہ وہ سیاہ ہی کیوں نہ ہو) اس میں خنزیر کی چربی، ارنڈی کا تیل، تیز ترین قسم کے تیزاب جو کہ رنگت کو کافی دیر تک قائم رکھنے میں مدد دیتے ہیں استعمال کیے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جدید میڈیکل سائنس لپ سٹک کے استعمال کے چھ گھنٹے بعد تک کچھ بھی کھانے پینے سے منع کرتی ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت کچھ حرام اس میں استعمال کیا جاتا ہے اور اسکے نقصانات بھی بہت زیادہ ہیں۔

ان وجوہات کی بناء پر اسے بنانا، خریدنا، فروخت کرنا، استعمال کرنا سب حرام ہے۔ کسی بھی طبقہ کے لوگ اگر حرام کام کو اپنا لیں تو وہ حلال نہیں ہو جاتا بلکہ حرام ہی رہتا ہے۔ لہذا کسی بھی شخصیت سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں۔

لپ سٹک کے نقصان دہ ترکیبی اجزاء کا بیان

لپ اسٹک ہو یا لپ پینسل دراصل دونوں ایک ہی چیز ہیں صرف لپ پینسل کے اجزاء میں نمی اور تری کی نسبت کو قدرے کم کر دیا جاتا ہے انکے اجزائے ترکیبی کیا ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

اس بارے میں اپنے الفاظ کی بجائے "سیکرٹ ہاؤس " نامی کتاب کا ایک اقتباس آپکی خدمت میں پیش کرتا ہوں جس سے آپکو معلوم ہو سکے گا کہ آپ لپ اسٹک یا لپ پینسل کے نام پر اپنے ہونٹوں پر دراصل کیا وی اجزاء کا مرکب ، مچھلی کے سنے اور کیا کیا کچھ لگا رہی ہیں ، ملاحظہ فرمائیں۔

"اس دلکش رنگین ٹیوب میں کیا کیا شامل ہے جو آپ اپنے ہونٹوں پر ملتی یا لگاتی ہیں ، اس میں وہ تمام "بہترین "اجزاء شامل ہیں جو بیسویں صدی کی کاسمیٹک سائنس اب تک ایجاد کر چکی ہے جدید لپ اسٹک کے مرکز میں تیزاب ہوتا ہے اسکے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعہ رنگ کو ہونٹوں پر کافی دیر تک جمایا یا قائم نہیں رکھا جا سکتا۔

تیزاب کے باعث شروع مین نانجی رنگ نظر آتا ہے پھر وہ جلد کے ذی حیات خلیوں پر اثر کرتا ہے اور نارنجی رنگ کو گہرے سرخ رنگ میں تبدیل کر دیتا ہے جو ہونٹوں پر چپک جاتا ہے۔لپ سٹک میں ہر دوسری چیز صرف اس لیے ہوتی ہے کہ تیزاب اپنی جگہ بنالے۔پہلے تو اسے پھیلنا ہوتا ہے۔غذا کو چکنا اور ملائم کرنے والا بناسپتی تیل بڑی آسانی سے پھیلتا ہے اور اسی لیے وہ بازار میں فروخت ہونے والی تمام لپ اسٹکوں میں ایک لازمی جزو کی حیثیت سے شامل ہوتا ہے ، صابن بھی اچھی طرح ملا جا سکتا ہے اس لیے کچھ صابن بھی اس میں شامل ہوتا ہے۔بدقسمتی سے نہ تو صابن اور نہ ہی بناسپی تیل تیزاب کے اثر کو قبول کرنے کے لیے اچھے ہیں جو رنگ لانے کے لیے ضروری ہے صرف ایک چیز ہی کسی حد تک ایسا کر سکتی ہے اور وہ ہے ارنڈی کا تیل۔اچھا اور سستا ارنڈی کا تیل جو ورانش اور قبض کشا ادویات میں استعمال ہوتا ہے۔

تیزاب ارنڈی کے تیل میں ڈوب جاتا ہے ، ارنڈی کا تیل صابن اور بناسپتی کے ساتھ ہونٹوں پر پھیل جاتا ہے ، یہاں تک کہ تیزاب وہاں تک پہنچ جاتا ہے جہاں اسکے پہنچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر لپ اسٹک ارنڈی کی بوتلوں میں فروخت ہو سکتی تو اس دوسرے بڑے جزو کی ضرورت نہ ہوتی لیکن اس مکسچر کو ایک دوسری دیدہ زیب شکل میں فروخت کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ حساس صارفین یعنی خواتین کے ہاتھ فروخت کیا جا سکے۔اس لیے اسکو ایک سخت اسٹک میں منتقل کرنا ہوتا ہے اور اس کام کے لیے بھاری پٹرولیم سے بنی موم سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے۔یہ وہ چیز ہے جو اسٹک کو اسٹک کی شکل فراہم کرتی ہے بالاشبہ ان اشیاء کو یکجا کرنے میں کچھ احتیاطیں برتنی ہوتی ہیں۔اگر لپ اسٹک استعمال کرنے والی کسی خاتون کو معلوم ہو جائے کہ لپ اسٹک کے اندر کیا کچھ شامل ہے تو لپ اسٹک کی فروخت اور قبولیت کے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔

اس لیے لپ اسٹک کی تیاری کے مرحلے میں قبل اس کے کہ تمام قسم کے تیل جمنے پائیں خوشبو ڈال دی جاتی ہے جبکہ وہ ابھی پگھلے ہوئے سیال مادہ کی شکل میں ہوتے ہیں۔اسکے ساتھ ہی غذا کو تحفظ فراہم کرنے والی اشیاء اس مادہ میں شامل کر دی جاتی ہیں۔اس لیے کہ تیل کی بدبو کے علاوہ بھی ان تحفظ فراہم کرنے والی اشیاء کے بغیر تیل قابل استعمال ہی نہیں رہے گا۔(پرانی لپ اسٹک جو

خشک ہونے کے قریب ہوا سے سوکھنے سے اس اعلیٰ قسم کی لپ اسٹک کی بدبو دماغ کو ہلا دیتی ہے۔

اب لپ اسٹک میں جس چیز کی کمی رہ گئی ہے وہ ہے "چمک "جب غذا کو تحفظ فراہم کرنے والی اشیاء اور خوشبو ڈالی جاتی ہے اس وقت کچھ چمکدار اور رنگین چیز بھی جو زیادہ قیمتی نہیں ہوتی ۔لپ اسٹک میں کے مکسچر میں ڈال دی جاتی ہے۔ یہ چیز ہے مچھلی کے سنے ۔انہیں امونیا میں ڈبو دیا جاتا ہے اور پھر ہر چیز کے مکسچر میں انکو شامل کر دیا جاتا ہے اسی طرح اس میں نارنجی ایسڈ بھی ڈالا جاتا ہے جو ہونٹوں سے ملتا ہے تو ہونٹوں پر لگ کر سرخ ہو جاتا ہے۔(از ماہنامہ خواتین میگزین اگست)

انسان کے بالوں کی بیع کی ممانعت کا بیان

(وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ شُعُورِ الْإِنْسَانِ وَلَا الِانْتِفَاعُ بِهَا) لِأَنَّ الْآدَمِيَّ مُكَرَّمٌ لَا مُبْتَذَلٌ فَلَا يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ شَيْءٌ مِنْ أَجْزَائِهِ مُهَانًا وَمُبْتَذَلًا وَقَدْ قَالَ :عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَعَنَ اللَّهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ) الْحَدِيثُ، وَإِنَّمَا يُرَخَّصُ فِيمَا يُتَّخَذُ مِنْ الْوَبَرِ فَيَزِيدُ فِي قُرُونِ النِّسَاءِ وَذَوَائِبِهِنَّ .

ترجمہ

اور انسان کے بالوں کی بیع اور ان سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے کیونکہ انسان مکرم ہے۔اور وہ حقیر نہیں ہے پس اس کے اجزاء میں سے کسی جز کی بھی توہین وذلت جائز نہ ہوگی۔اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ بال جوڑنے والی اور بالوں جڑوانے والی دونوں عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے اور رخصت صرف ان بالوں میں ہے جو اونٹوں وغیرہ سے لیتے ہوئے لگائے جاتے ہیں اور اس سے عورتوں کی مینڈھیوں اور چوٹیوں میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

شرح

انسان کے بالوں کی خرید وفروخت اس کی اہانت وبے توقیری کے مترادف ہے جب کہ تمام مخلوقات میں انسان کو اللہ تعالی نے عظمت وعزت کا تاج پہنا کر محترم ومکرم قرار دیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے :وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ ۔ترجمہ:اور یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بزرگی عطا فرمائی ہے۔(الاسراء۔(70)

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1088ھ)اور علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ(متوفی 1252ھ)نے اس امر کی صراحت کی ہے کہ انسان کی عظمت وشرافت کی وجہ سے شریعت اسلامیہ نے انسانی بالوں کی خرید وفروخت ناجائز رکھی ہے،البتہ مصنوعی بالوں کی خرید وفروخت جائز ہے۔لہذا آپ اپنے پاس جو کاسمیٹک پروڈکس (cosmetic products) فروخت کے لئے رکھیں گے ان میں انسانی بالوں سے بننے والے آئٹمس شامل نہ کریں۔

مصنوعی بال لگوانے کی ممانعت میں فقہی مذاہب

علامہ یحیٰ بن شرف نووی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ احادیث کے صراحت کے سبب ہمارے فقہاء شوافع نے بہ اتفاق بالوں کو جوڑنا حرام بتایا ہے۔

قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے امام مالک اور امام طبری اور جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ بالوں کے ساتھ کسی چیز کو بھی پیوند کرنا جائز نہیں ہے۔ اوران فقہاء کی دلیل صحیح مسلم کی وہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عورت کو اپنے بالوں کے ساتھ کسی چیز کو پیوند کرنے سے منع کیا ہے۔ (شرح مسلم، ج ۲، ص ۲۰۴، کراچی)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بالوں کے ساتھ کسی شخص کے بالوں کو ملانا حرام ہے خواہ وہ عورت کے بال ہوں یا کسی دوسرے کے بال ہوں۔ (درمختار، کتاب بیوع)

انسانی اعضاء کی پیوند کاری میں فقہی مباحث کا بیان

مولانا ندیم الواجدی لکھتے ہیں کہ گزشتہ ہفتے ہم نے عطیہ خون کے بارے میں شرعی نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی تھی، اس مضمون میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آئی تھی کہ ایک انسان کا خون کسی دوسرے انسان کے خون میں اضطرار اور حاجت کے وقت جائز ہے، ہم نے عرض کیا تھا کہ اخبارات نے دارالعلوم دیوبند کے فتوے معنی پہنائے ہیں، مفتی صاحب نے انگ دان یعنی اعضا کے عطیہ کو ناجائز قرار دیا تھا، خون دینے کو ناجائز نہیں کہا تھا، دونوں میں فرق ہے، فقہا نے خون کو دودھ پر قیاس کیا ہے، کسی انسانی جسم کو دودھ اور خون پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ یہ دونوں چیزیں انسان کے جسم میں حسب ضرورت بنتی ہیں اور ذخیرہ ہوتی ہیں، جب کہ اعضا اگر ایک مرتبہ ضائع ہوجائیں تو دوبارہ پیدا نہیں ہوتے، اس معاملے میں غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بھی سامنے آتی ہے کہ جسم سے اگر کچھ خون نکال لیا جائے تو بہت جلد اس کی کمی پوری ہوجاتی ہے، اور ضائع شدہ خون مناسب مقدار میں دوبارہ پیدا ہوجاتا ہے، غالباً اسی لیے شریعت نے خون دینے کی اجازت دی ہے، اور عضو کا عطیہ دینے سے منع کیا ہے کیوں کہ وہ دوبارہ پیدا نہیں ہوتا۔ آج کل اعضا کی پیوند کاری بڑے پیمانے پر جاری ہے، آنکھیں بدلی جارہی ہیں، گردے تبدیلی کئے جارہے ہیں، دل اور دماغ تک بدلے جارہے ہیں، پھیپھڑوں اور جگر کی پیوند کاری ہورہی ہے، کہتے ہیں کہ اعضا کی پیوند کاری کا سلسلہ ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح سے ہے، یقینی طور پر عہد نبوت میں بھی عضو کی تبدیلی کا سلسلہ تھا، روایات میں ہے کہ ایک صحابی حضرت عرفجہؓ کی ناک کٹ گئی تھی۔

انہوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگوالی، مگر وہ سڑ گئی، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سونے کی ناک بنوا کر لگوانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ (ترمذی 4/240: رقم الحدیث 1770)

میڈیکل سائنس کی ترقی نے اعضا کی تبدیلی کو باقاعدہ ایک فن بنادیا ہے، یہ سلسلہ گزشتہ صدی کے نصف آخر سے شروع ہوا

تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ لگاتار ترقی کر رہا ہے، اب خطرات بھی بہت کم ہو گئے ہیں اور کامیابی کے امکانات بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں، پہلے ان اعضا کو محفوظ رکھنے کی ادویات ایجاد نہیں ہوئی تھیں اس لیے یہ امکان رہتا تھا کہ مریض کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہ اعضا بیکار ہو جائیں، یا مریض کے جسم میں داخل ہونے کے بعد پوری طرح کار آمد نہ ہوں، اب ڈاکٹروں نے ان خطرات پر قابو پالیا ہے، گردوں کی خرابی کا مرض تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور اسی تیزی کے ساتھ گردے بھی تبدیل کئے جارہے ہیں، ایک معمولی جائزے کے مطابق اب تک لگ بھگ ایک لاکھ آپریشن گردوں کی تبدیلی کے لیے کئے جاچکے ہیں۔

عام طور پر یہ آپریشن کامیاب رہے اور دنیا گردہ لگوانے کے بعد مریض نے معمول کے مطابق زندگی گزاری، اور یہ دیر تک زندہ رہا، جگر کی پیوند کاری کا بھی یہی حال ہے، چند سال پہلے تک جگر کی تبدیلی کی صورت میں مریض کی بقا کے مکانات سال ڈیڑھ سال تک ہی رہتے تھے، اب ایسے مریض بھی دیکھے جانے لگے ہیں جو دس پندرہ سال سے تبدیل شدہ جگر کے ساتھ زندہ ہیں، بلاشبہ میڈیکل سائنس کی اس عظیم کامیابی نے زبردست انقلاب برپا کیا ہے اور مایوس مریضوں کے دل میں صحت مند زندگی کی امید جگا دی ہے، ان حالات میں دین پسند حضرات یقینی طور پر شریعت کی طرف دیکھنے کی ضرورت سمجھتے ہیں، آیا اس عمل کی شریعت میں گنجائش ہے یا نہیں یہ ظاہر ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی بلکہ اس انسانیت نوزی کی اعلیٰ ترین مثال سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے کام آئے، اور اپنے جسم کا کوئی عضو دان کر کے (عطیہ دے کر) اس کی زندگی محفوظ بنادے، اس سے بڑھ کر کوئی دوسری عطیہ ہو بھی نہیں سکتا جس میں ہمدردی، ایثار اور خیر خواہی کے اعلیٰ ترین جذبات پائے جاتے ہوں، انسان خواہ کیسا بھی ہو، اس کے دل میں زیادہ دیر تک جینے کی تمنا بھی رہتی ہے، اور وہ زیادہ صحت مند بھی رہنا چاہئے، اعضا کے عطیئے میں اگر چہ پہلے کے مقابلے میں خطرات کے امکانات بہت کم ہو گئے ہیں پھر بھی مکمل اعضا رکھنے والے کے مقابلے میں کسی عضو سے محروم شخص کی بیماری یا ہلاکت کا کچھ نہ کچھ خطرہ موجود ہے، اگر خطرہ نہ بھی ہو تب بھی یہ کیا کم ہے کہ ایک انسان اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے ایک عضو سے محروم ہو گیا۔

انسانیت نوازی کے اس جذبے کا تقاضا تو یہ ہے کہ شریعت کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہے، اور اس بات کی کھلی اجازت ہونی چاہئے کہ جو شخص چاہے جس کو چاہے اپنا کوئی عضو دیدے، لیکن فقہی کتابوں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بات صرف ہمدردی، خیر خواہی اور انسانیت نوازی کی نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ اور بھی پہلو ہیں جن کی بنیاد پر شریعت نے پیوند کاری کی اجازت نہیں دی ہے۔ اگر انسان کا کوئی عضو اس حد تک ناکارہ ہو جائے کہ علاج معالجے سے صحیح نہ ہوئی اور حالت یہ ہو جائے کہ اگر بیمار اور ناکارہ عضو الگ کر کے اس کی جگہ دوسرا عضو لگایا جائے تو آدمی کا زندہ رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جائے تو اس تبدیلی عضو کی کئی ممکنہ صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ اس عضو کی جگہ کسی دھات یا پلاسٹک یا لکڑی وغیرہ کا عضو بنا کر لگادیا جائے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے، خود حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک صحابی نے پہلے چاندی کی ناک لگوائی جب وہ کار آمد نہ ہوئی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سونے کی ناک لگوانے کی اجازت دی گئی۔

حالانکہ سونے کا استعمال مردوں کے لئے قطعاً حرام ہے، اگر کسی کے دانت ہلنے لگیں اوران کومنہ مضبوطی کے ساتھ روکنا دشوار ہوجائے تو ان دانتوں کوسونے کے تاروں کے ساتھ باندھنے کی بھی اجازت دی گئی ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں یہ عبارت موجود ہے :وقدروی غیر واحد من اهل العلم انهم شدوا اسنانهم بالذهب (ترمذی 4/240: رقم الحدیث 1770:)

بہت سے اہل علم سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے دانت سونے (کے تاروں) سے باندھے دوسری صورت یہ ہے کہ فاسد عضو کی جگہ کسی جانور کا عضو لگایا جائے، اگر وہ جانور شرعی طریقے سے ذبح کیا گیا ہوتو اس کے اعضا استعمال کئے جاسکتے ہیں اور انسانی جسم میں لگائے جاسکتے ہیں، فقہی کتابوں میں اس کی وضاحت موجود ہے :اذا سقطت ثنیۃ رجل یاخذ من شاۃ ذکیۃ یشد مکانھا (در مختار) اگر کسی شخص کے سامنے کے دانت گرجائیں تو وہ ذبح شدہ بکری کے دانت لے کر اس کی جگہ لگالے۔

فتاوی عالم گیری میں یہ مسئلہ زیادہ واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعضا کے فساد اور اس فساد کی وجہ سے تبدیلی کا مسئلہ نیا نہیں ہے، ابتداہی سے یہ مسائل موجود ہیں اور فقہا نے ان کے حل بھی پیش کئے ہیں، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں امام محمد علیہ الرحمہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے :لا باس بالتداوی بالعظم اذا کان عظم شاة ار بقرة او بعمر اوفرس وغیره من الدواب الا عظم الخنزیر و الادمی فانه یکره التداوی نهما (5/354 مطبوعہ دارالکتاب)

ہڈیوں سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اگر وہ ہڈی بکری، گائے اونٹ اور گھوڑے وغیرہ جانوروں کی ہے، خنزیر اور آدمی کی ہڈی نہ ہونی چاہئے کیوں کہ ان دونوں کی ہڈیوں سے علاج کرنا مکروہ (تحریمی) ہے۔لیکن یہ استعمال بھی ذبح پر موقوف ہے، ایسا نہیں ہے کہ زندہ جانور کی ہڈی توڑ لی جائے اور اسے استعمال کرلیا جائے، یا کسی مردہ جانور کی ہڈی استعمال کی جائے یہ بھی جائز نہیں ہے۔

فقہانے وضاحت کردی ہے کہ ہڈی مذبوح جانور کی ہو :اذا کان الحیوان ذکیا لانۃ عظم طاهر رطبا کان اویا بسا یجوز الا شفاع به بشرطیکہ جانور شرعی طریقے پر ذبح کیا گیا ہو اس لیے کہ ذبح سے ہڈی پاک ہوگئی خواہ تر ہو یا خشک دونوں صورتوں میں اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔تیسری صورت یہ ہے کہ وہ جانور مردہ ہو، کیا ایسے جانور کے اعضا سے انتفاع جائز ہے، فقہانے اس کے مشروط استعمال کی اجازت دی ہے، اور وہ شرط یہ ہے کہ وہ ہڈی یا دوسرا کوئی عضو خشک ہو تر نہ ہو، چنانہ فقہی کتابوں میں لکھا ہے :واما اذا کان الحجوان میتا فانما یجوز الا نتفاع بعظمه اذا کان یا بساو لا یجوز اذا کان رطبا (فتاری عالمگیری 5/354:) اگر حیوان مردہ ہوتو اس کی ہڈی سے اسی صورت میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جب وہ خشک ہو، اگر ہڈی تر ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ جانور زندہ ہو اور اسی حالت میں اس کا کوئی عضو کاٹ کر استعمال کیا جائے، یہ صورت قطعاً جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے کہ :ماقطع من البهمة وهي حية فهي ميتة (ترمذی 4/74: رقم الحدیث 1480:)

زندہ جانور کے جسم سے کاٹا گیا ٹکڑا مردار ہے۔اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے فقہانے یہ کلیہ اخذ کیا ہے :المنفصل

من الحی کمیتۃ (درمختار) زندہ جانور سے جدا کیا گیا حصہ جسم مردار کی طرح ہے اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذبوح جانور کا عضو لگانا بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح پاک وطاہر چیزوں سے بنے ہوئے اعضا بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں، مردہ جانور کے خشک اعضا استعمال کئے جا سکتے ہیں، تر اعضا استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، زندہ جانور کی ہڈی توڑ کر یا کوئی اور عضو الگ کر کے استعمال نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ عضو مردار کے حکم میں ہے اور مردار سے انتفاع جائز نہیں ہے۔

اب آخری صورت یہ رہ جاتی ہے کہ کیا انسان کے جسم میں کسی دوسرے انسان کے جسم کا کوئی حصہ لگانا جائز ہے یا نہیں، یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اگر یہ عضو جو کسی انسان کے جسم میں لگایا جا رہا ہے خود اسی کے جسم کا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، فقہانے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ :المتفصل من الحی کمیتۃ الا فی حق صاحبہ (درمختار)

زندہ کے جسم سے الگ ہونے والا حصہ مردار کی طرح ہے مگر عضو والے کے حق میں مردار نہیں ہے اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ کیا دوسرے انسان کا عضو بھی لگایا جا سکتا ہے، اس سلسلے میں بھی سب سے پہلے برصغیر پاک وہند ممتاز علما اور ارباب فتوی سے رائے مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اعضا کی پیوندکاری بہ چند وجوہ جائز نہیں ہے،

عدم جواز کی جو وجوہات بیان کی گئی ہیں ان کا خلاصہ اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ اجزا انسانی کا استعمال اس کی تعظیم وتکریم کے خلاف ہے، تقریباً تمام قدیم فقہی مراجع میں تکریم وتعظیم کے اس پہلو کو بہ طور خاص ذکر کیا گیا ہے، مثلاً فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

الال تفاع باجزا الادمی لم یجز قیل للنجامۃ وقیل للکرامۃ وھوا الصحیح (5/354) آدمی کے اجزا سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے، کسی نے کہا نجاست کی وجہ سے فائدہ نہ اٹھانا چاہئے اور کسی نے کہا کہ کرامت اور بزرگی کی وجہ سے یہی دوسری وجہ صحیح ہے۔

شرح السیر الکبیر میں ہے :**لا یجوز الا نتفاع بہ بحال ولادمی محترم بعد مونہ علی ماکار علیہ وی حیاتہ فکما لا یجوز التداوی بشی من الادی الحی اکراما لہ فکذالک لایجوز التداوی بعظم المت (ج1/90:)** آدمی کے عضو سے فائدہ اٹھانا کسی صورت میں جائز نہیں ہے، کیوں کہ آدمی جس طرح اپنی زندگی میں مکرم ومحترم تھا اسی طرح مرنے کے بعد بھی ہے، جس طرح زندہ آدمی کے کسی حصے سے اس کی حرمت وعزت کے پیش نظر علاج کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح میت کی ہڈی (وغیرہ) سے بھی علاج کرانا جائز نہ ہوگا۔ ہدایہ میں ہے کہ :**لا یجوز بیع شعور الانسان ولا الا نتفاع بہ لان الادمی مکرم، فلایجوز ان یکون شیء من اجزا مھانا متد لا (3/39)**

انسان کے بالوں کی خرید وفروخت جائز نہیں اور نہ ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے کیونکہ آدمی محترم ہے اس لیے یہ مناسب نہیں کہ اس کے جسم کے کسی حصے کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا جائے اور اسے مال مبتذل سمجھا جائے۔ اسی لیے فقہانے انسانی اجزا کی بیع کو بیع فاسد قرار دیا ہے، فتاویٰ شامی میں ہے کہ انسان کے احترام کی وجہ سے اس کے اعضا بال وغیرہ کی بیع فاسد قرار دی گئی ہے۔ (فتاویٰ شامی 9/454:) یہی بات صاحب فتح القدیر نے لکھی ہے، بلکہ انہوں نے تو مسلمان عزت وتوقیر پر علما کا اتفاق بھی نقل کیا

ہے خواہ وہ مردہ ہو یا زندہ۔

ایک اور وجہ یہ بیان کی گئی ہے کے آدمی اپنے جسم کا مالک نہیں ہوتا، اصل مالک اللہ ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے، کیوں کہ وہ مالک نہیں ہے اسی لیے اس کو اپنے جسم میں یا کسی دوسرے کو اس کے جسم میں زندگی میں یا موت کے بعد اس طرح کے تصرف کا اختیار نہیں ہے، اسی لیے اسلام میں خودکشی کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے، اگر انسان اپنے جسم وروح کا مالک ہوتا تو خود خودکشی کی اجازت ہوتی جس طرح اسے اپنے مال میں تصرف کرنے کی اجازت ہے، فقہانے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص حالت اضطرار میں ہے، یعنی کھانے کو کچھ نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ اگر کھانے کو کچھ نہ ملا تو اس کی زندگی خطرے میں پڑسکتی ہے، ایسی صورت میں اگر وہ یہ چاہے کہ اپنے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر کھالے اور اس کے ذریعے اپنی زندگی بچالے تو اس کی اجازت نہیں ہے اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی زندگی بچانے کے لیے اپنے جسم کا گوشت کھانے کی پیش کش کرے (فتاویٰ قاضی خاں، ص 365:) کتاب الحظر الاباحہ)

گوشت کی طرح آنکھ، ناک، کان، گردہ، جگر وغیرہ بھی انسانی جسم کے حصے ہیں، جب شریعت نے گوشت کی اجازت نہیں دی تو باقی دوسرے حصوں کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔

پھر اس میں بھی کوئی فرق نہیں کہ آدمی اپنا کوئی جز بدن کسی کو قیمتاً فروخت کرے یا بلا قیمت ہدیہ کرے، جب وہ مالک ہی نہیں ہے تو اسے بلا قیامت یا قیمتاً کسی بھی طرح دینے کا کوئی حق بھی نہیں ہے، روایات میں ہے کہ ایک خاتون سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ میری بیٹی کے بال ٹوٹ کر گر جاتے ہیں، کیا میں اس کے بالوں میں دوسرے بال جوڑ سکتی ہو، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لعن اللہ الواصلہ والمستو صلحة (بخاری: 5/2217، رقم الحدیث 5590: مسلم 3/1676: رقم الحدیث 2122:) اللہ تعالیٰ نے واصلہ اور مستوصلہ دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ واصلہ اس عورت کو کہتے ہیں جو دوسروں کے بال عورتوں کے بالوں میں لگاتی ہے اور مستوصلہ وہ عورت ہے جس کے بالوں میں دوسروں کے بال لگائے جائیں، اس حدیث سے فقہانے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے: **وصل الشعر بشعر الادمی حرام سوا کان شعرھا او شعر غیر ھا** (فتاویٰ شامی کتاب الحظر والاباحۃ 9/454 : مطبوعہ دارالکتاب دیوبند)

آدمی کے بالوں سے اپنے بال جوڑنا حرام ہے خواہ وہ خود اسی عورت کے بال ہوں یا کسی دوسری عورت کے بال ہو۔ علمانے یہ بھی لکھا ہیکہ کسی انسان کے جسم سے اس کی کوئی عضو جدا کرلیا جائے تو اس کا مثلہ کہا جاتا ہے جس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے، علامہ بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں مثلہ کی حقیقت پر تفصیلی کلام کیا ہے اور جمہور کی رائے بھی نقل کی ہے۔

بہر حال یہ کوئی عقل مندی نہیں ہے کہ کسی انسان کو ضرر پہنچا کر کسی دوسرے انسان کا ضرر دفع کیا جائے، اس لیے فقہ وفتاوی کی کتابوں میں صاف طور پر لکھا ہے کہ کوئی انسان اپنی زندگی میں کسی دوسرے کی زندگی بچانے کے لیے اپنی آنکھ یا گردہ وغیرہ نہیں دے سکتا، نہ ہدیۃ اور نہ قیمۃ، مرنے کے بعد بھی مسئلہ اپنی جگہ رہتا ہے۔ اسی لیے کسی انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی آنکھ نکال کر

محفوظ کرنے کی یا کسی مریض کی آنکھ کی جگہ لگانے کی وصیت کرے،

مولانا عبدالرحیم نے لکھا ہے کہ آنکھ نکالنا مثلہ ہے اور مثلہ حرام ہے لہٰذا زندگی میں یا موت کے بعد بطور بیع یا ہبہ کے کسی کو اپنی آنکھ دینا یا وصیت کرنا اور مریض کا اسے استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، نفع سے انکار نہیں لیکن، والمھما اکبر من نفعهما کے اصول پر حرام ہی ہوگا کہ نقصان نفع سے زیادہ ہے اور اس طریقے میں انسانیت کی توہین بھی ہے، اگر یہ طریقہ چل پڑا تو انسانی اعضا بکری کا مال بن جائیں گے (فتاویٰ رحیمیہ 10/169، 171)

انسان کی لاش سے انتفاع کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس سلسلے میں فقہا نے واضح طور پر اس حدیث شریف سے استدلال کیا ہے کسر عظیم المیت ککسره حیا(ابوداود 2/231: رقم الحدیث 2307: سنن ابن ماجہ 1/516: رقم الحدیث 1616) میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ شخص کی ہڈی توڑنا اسی سے یہ اصول سامنے آیا کہ آدمی کے معاملے میں اصل اس کی حرمت اور احترام ہے، وہ زندگی میں جس طرح محترم ہے اسی طرح مرنے کے بعد بھی قابل احترام ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو مرنے کے بعد بہ صد احترام زمین کے اندر دفن کر دینا چاہیے۔

اس کی لاش کو جلانا یا چیل کووں کو کھلانا جائز نہیں ہے، قبر میں دفن کرنے کا حکم نص قرآنی سے ثابت ہے :ثم اماته فاقبره (عبس 2:) پھر اس کو موت دی اور قبر میں دفن کرایا۔ فقہ فتاویٰ کی جتنی بھی مستند کتابیں ہیں خواہ وہ جدید ہوں یا قدیم ان کی یہی فتویٰ دیا گیا ہے کہ انسانی اعضا کی پیوند کاری حرام ہے،

دارالعلوم دیوبند کا پہلے بھی یہی فتویٰ تھا اور آج بھی یہی فتویٰ ہے، البتہ اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے دوسرے فقہی سیمینار منعقدہ دہلی مورخہ 8 تا 11 دسمبر 1989 میں کچھ شرطوں کے ساتھ پیوند کاری کی اجازت کا فیصلہ کیا ہے، اگرچہ بعض اکابر علما نے اسی وقت اس فیصلے سے اپنا اختلاف بھی درج کرا دیا تھا، اس فیصلے کے دو نکات اس طرح تھے۔

اگر کوئی مریض اسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہو کر رہ گیا ہے اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسان عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کی کو پورا نہیں کر سکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطبا کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوند کاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوند کاری کی صورت ماہر اطبا کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لیے فراہم ہے تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوند کاری کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہوگا۔

اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطبا کی رائے کی روشنی میں ان نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اسکی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت

اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔ (بہ حوالہ نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص 177: 178)

مگر ابھی تک فقہ اکیڈمی کے اس فیصلے کے مطابق فتویٰ نہیں دیا جاتا ہے، مفتی احمد خاں پوری نے ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے کہ ایک انسان کے جسم میں دوسرے انسان کے کسی جز یا عضو کا لگانا جس کو آج کل اعضائے انسانی کی پیوند کاری سے تعبیر کیا جاتا ہے درست نہیں اس پر برصغیر کے تقریباً تمام ممتاز علما اور مفتیان کا اتفاق ہے علاوہ ازیں برصغیر کے تمام موقر مدرسوں اور اداروں کے دارالافتا بہ شمول دارالعلوم دیو بند، مظاہر علوم سہارنپور، اور دارالعلوم ندوۃ العلما اور امارت شرعیہ بہار انسانی اعضا کے پیوند کاری کے عدم جوازی کے فتوے صادر کرتے آئے ہیں اس سلسلے کی مزید تفصیل مولانا برہان الدین سنبھلی کی کتاب موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل از ص 254: تا 272 دیکھی جاسکتی ہے، البتہ اسلامی فقہ اکیڈمی کی طرف سے چند شرائط اس کی اجازت دی گئی ہے۔

(بحوالہ عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل اور ان کا حل 2/581/513)

حافظ اشتیاق احمد ازہری لکھتے ہیں کہ نسانی اعضاء کی ایسی پیوند کاری جس سے کسی حادثے کی بنا پر انسانی جسم کی خراب ہو جانے والی کارکردگی کو پھر سے بہتر بنایا جاسکے، جائز ہے۔ ایسے اقدامات بھی بعض معاملات میں عندالضرورۃ جائز اور مباح تصور کیے جاتے ہیں۔ بلاضرورت محض تعیش کے لیے سرجری کروانا جائز نہیں۔ چنانچہ صورت مسؤلہ میں کسی فرد کا اپنے اعضاء کے بارے میں وصیت کرنا جائز ہے۔

اسی طرح انسانی اعضاء کی خرید وفروخت کلیتًا ناجائز ہے۔ اسلام اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ امراء اپنی دولت کے بل بوتے پر دووقت کی روٹی کو ترسنے والے غریبوں کے گردے یا دیگر اعضاء خرید کر ان کی زندگی کو اجیرن بنادیں۔

(فتویٰ، تاریخ اشاعت، ۲۰۱۲، ۰۶، ۲۷)

انسانی اعضاء کی پیوند کاری کی ممانعت پر فتویٰ

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ سونے چاندی کی دھات اور پاک جانوروں کے اعضاء اور ہڈیوں سے پیوند کاری جائز ہے البتہ پیوند کاری میں کسی مردہ یا زندہ انسان کے اجزاء کسی دوسرے انسان کے جسم میں لگانا جائز نہیں ہے اور ہم اس کی وجہ لکھ چکے ہیں کہ ہر چند کہ اعضاء کا ضرورت مند محتاج اور مضطر ہے لیکن اعضاء دینے والے کو کونسا اضطرار لاحق ہے۔ جس کی وجہ سے یہ حرام کام کر رہا ہے۔ (شرح صحیح مسلم، جلد ثانی، ص ۸۶۳، فرید بک سٹال لاہور)

مردار کی کھالوں کی بیع کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَا بَيْعُ جُلُودِ الْمَيْتَةِ قَبْلَ أَنْ تُدْبَغَ) لِأَنَّهُ غَيْرُ مُنْتَفَعٍ بِهِ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تَنْتَفِعُوا مِنْ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ) وَهُوَ اسْمٌ لِغَيْرِ الْمَدْبُوغِ عَلَى مَا عُرِفَ فِي كِتَابِ الصَّلَاةِ (وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِهَا وَالِانْتِفَاعِ بِهَا بَعْدَ الدِّبَاغِ) لِأَنَّهَا قَدْ طَهُرَتْ بِالدِّبَاغِ،

وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي كِتَابِ الصَّلَاةِ (وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ عِظَامِ الْمَيْتَةِ وَعَصَبِهَا وَصُوفِهَا وَقَرْنِهَا وَشَعْرِهَا وَوَبَرِهَا وَالِانْتِفَاعِ بِذَلِكَ كُلِّهِ) ؛ لِأَنَّهَا طَاهِرَةٌ لَا يَحِلُّهَا الْمَوْتُ ؛ لِعَدَمِ الْحَيَاةِ وَقَدْ قَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ .

وَالْفِيلُ كَالْخِنْزِيرِ نَجِسُ الْعَيْنِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَهُمَا بِمَنْزِلَةِ السِّبَاعِ حَتَّى يُبَاعُ عَظْمُهُ وَيُنْتَفَعُ بِهِ .

ترجمہ

فرمایا: دباغت سے پہلے مردار کی کھال کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ دباغت سے پہلے وہ نفع والی نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مردار کی کچی کھال سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔ اور اہاب غیر مدبوغہ کھال کو کہتے ہیں۔ جس طرح کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکا ہے۔

دباغت کے بعد ان کو بیچنے اور ان سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ دباغت کے بعد وہ پاک ہو جانے والی ہے اور اس کو ہم کتاب صلوٰۃ میں بیان کر آئے ہیں۔

مردار کی ہڈیاں، پٹھے، اون، سینگ، بال اور مردار کی اون کے بال وغیرہ کو بیچنے اور ان تمام چیزوں سے فائدہ حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں پاک ہوتی ہیں اور زندگی نہ ہونے کے سبب ان میں موت سرایت کرنے والی نہیں ہے۔ اور اس سے پہلے بھی ہم اس کو بیان کر آئے ہیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک خنزیر کی طرح ہاتھی بھی نجس العین ہے جبکہ شیخین کے نزدیک ہاتھی درندوں کے حکم میں ہے اور اس کی دلیل یہی ہے کہ اس کی ہڈی کو بیچا جاتا ہے اور اس سے فائدہ بھی اٹھایا جاتا ہے۔

دباغت کی تعریف

ہر وہ چیز جو بدبو اور فساد کو ختم کرے اسے دباغت کہتے ہیں۔

مردار کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں کہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی کسی لونڈی کو ایک بکری صدقہ میں دی گئی تھی، وہ مر گئی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو پڑا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی؟ رنگ کر کام میں لاتے۔ تو لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! وہ مردار تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مردار کا کھانا حرام ہے۔

(رقم الحدیث، 117، صحیح مسلم ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، مسند احمد، بخاری، ابوداؤد، نسائی، بتصرف اسنادھا)

امام دار قطنی ۲۹ مختلف اسناد سے دباغت کے متعلق احادیث لائے ہیں۔

حدثنا أبو بكر النيشابوري نا محمد بن عقيل بن خويلد نا حفص بن عبد الله نا إبراهيم بن طهمان عن أيوب

عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما اہاب دبغ فقد طہر اسنادہ حسن۔ (سنن دار قطنی، ج ۱، ص ۴۸، دار المعرفہ بیروت)

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دباغت کھال سے متعلق تین مسائل ہیں (۱) کھال کی طہارت۔ اس کا تعلق کتاب الطہارت سے ہے۔ (۲) اس کھال میں نماز پڑھنا یہ مسئلہ کتاب الصلوٰۃ سے متعلق ہے۔ (۳) اس سے وضو کرنا تا کہ قربت حاصل ہو یہ مسئلہ اس باب سے متعلق ہے۔ اور والصلوٰۃ فیہ کہا ہے۔ لہذا اس کو کپڑا بنایا جائے۔ اسی لئے "والصلوٰۃ علیہ" نہیں کہا۔ کہ نماز ی اس پر نماز پڑھے اگر چہ دونوں کا حکم ایک ہے۔ کیونکہ کپڑے کا بیان نمازی پر زیادہ مشتمل ہے۔ اور وہ منصوص علیہ بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "وثیابک فطہر" اور جگہ کی طہارت اس کے ساتھ بطور دلالت ملی ہوئی ہے۔ اور آخری دونوں کا حکم اس میں بیان کیا ہے اور پہلی صورت اس لئے بیان کہ تا کہ امام مالک علیہ الرحمہ کے قول سے احتراز کیا جائے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ کمال کا ظاہر پاک ہو جاتا ہے لیکن اس کا باطن پاک نہیں ہوتا لہذا کھال پر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اس کے اندر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اسی طرح استثناء میں خنزیر کو آدمی پر مقدم کیا ہے کیونکہ یہ محل نجاست ہے اور نجاست کے موقع کے اعتبار سے خنزیر نجس العین ہے لہذا وہ قابل اہانت ہے اور آدمی کو اس سے موخر ذکر کیا ہے کیونکہ وہ افضل ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱، ص ۱۲۶، بیروت)

نکرہ جب صفت عامہ کے ساتھ ہو قاعدہ فقہیہ

نکرہ جب صفت عامہ کے ساتھ مذکور ہو تو وہ عموم پر دلالت کرتا ہے۔ (ماخذ من العنایہ، ج ۱، ص ۱۲۶، بیروت)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ یہاں کھال سے مراد عام ہے چاہے وہ مردار کی کھال ہو یا غیر مردار کی کھال ہو اسی طرح وہ ماکول لحم کی کھال ہو یا غیر ماکول لحم کی کھال ہو ہر صورت میں دباغت کی وجہ سے پاک ہو جائے گی۔ کیونکہ حکم دباغت بھی عام ہے۔ جو رطوبت و نجاستوں کو ختم کرنے والا ہے۔

اس حدیث میں جو صاحب ہدایہ نے فقہاء احناف کے موقف کی دلیل میں ذکر کی ہے۔ اس حدیث سے عموم مراد ہے اس سے ہر کھال مراد ہوگی سوائے خنزیر اور آدمی کی کھال کے کیونکہ ان دونوں کا استثناء کیا جائے گا۔

فقہ شافعی و مالکی کے مطابق مردار کی کھال کا حکم و فقہاء احناف کا جواب

امام مالک علیہ الرحمہ نے مذکورہ متن میں ذکر کردہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ مردار کی کھال سے نفع حاصل کرنے سے منع کیا گیا ہے لہذا مردار کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔ امام مالک کی مستدل حدیث ہے۔

اس حدیث کو اصحاب سنن اربعہ نے ذکر کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وصال سے ایک ماہ قبل حضرت جہینہ کو لکھا تھا۔ کہ تم مردار کی کھال اور پٹھوں سے نفع حاصل نہ کرو۔ (ابن ماجہ، طبرانی، مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، بیہقی، ابن عدی، بتصرف اسنادھا)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اس حدیث کے متن میں اضطراب ہے۔اور اس کی سند میں بھی اضطراب ہے۔ کیونکہ امام احمد کے نزدیک متن ''شهر او شهرين'' ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو تقدم حاصل ہے کیونکہ وہ حدیث اس کی ناسخ یعنی معارض ہے۔ لہذا قوت والی حدیث حکم کو شامل ہوگا۔ اسی طرح امام احمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے۔

اسی طرح سند میں اضطراب اس طرح ہے۔ کہ عبدالرحمٰن نے ابن عکیم سے بیان کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد نے خالد حذاء کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور انہوں نے حکیم بن عتیبہ سے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن اور لوگ عبداللہ بن عکیم کی طرف چلے پس وہ داخل ہوئے میں دروازے پر کھڑا ہوا۔ جب وہ نکلے تو انہوں نے مجھے خبر دی کہ ان کو عبداللہ بن عکیم نے خبر دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جہینہ کی طرف مذکورہ حدیث لکھی ہے۔

اس سند میں واضح ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے دروازے سے باہر نکلنے والوں سے حدیث سنی ہے اور دروازے سے نکلنے والے مجہول ہیں۔

اسی طرح اس حدیث کے متن میں بھی اضطراب ہے کہ ایک روایت میں ایک مہینہ ہے اور ایک میں چالیس دن ہیں۔ اور ایک روایت میں تین دن مع الاختلاف کے ذکر ہے۔ اختلاف بھی ان سے مذکور ہے جو عکیم کی صحبت اختیار کرنے والے ہیں لہذا اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث جس کو امام مسلم سمیت دیگر محدثین نے ذکر کیا ہے وہی ائمہ احناف کے مسلک کی دلیل ہوئی۔ (فتح القدیر، ج ۱، ص، ۱٦٧، دارالمعرفه بیروت)

اسی طرح مذہب احناف پر یہ حدیث بھی دلیل ہے جس کو امام دارقطنی نے ذکر کیا ہے۔

عن عائشة قالت قال النبي صلى الله عليه و سلم استمتعوا بجلود الميتة إذا هي دبغت ترابا كان أو رمادا أو ملحا أو ما كان بعد أن تريد صلاحه ۔ (سنن دار قطنی، ج ۱، ص ٤٩، دارالمعرفه بیروت)

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مردار کی کھال سے نفع حاصل کرو جبکہ اسے مٹی یا راکھ یا نمک یا تو اس کو بہت عرصے بعد صحیح دیکھے۔

اور امام شافعی علیہ الرحمہ نے کتے کے کھال کے بارے کو خنزیر کی کھال پر قیاس کیا ہے کہ جس طرح خنزیر کی کھال دباغت سے پاک نہ ہوگی اسی طرح کتے کی کھال بھی پاک نہ ہوگی۔

امام شافعی کا یہ قیاس اس لئے درست نہیں ہے۔ کیونکہ خنزیر نجس العین ہے جس کے بارے میں نص وارد ہے۔ اور مبسوط میں مذکور ہے کہ امام شافعی کے نزدیک لایوکل لحم کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے۔ لہذا امام شافعی نے کتے کو خنزیر پر قیاس کیا ہے حالانکہ اگر لایوکل لحم جانوروں پر قیاس کرتے تو درست ہوتا۔

احناف نے قرآن سے بھی استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''فانه رجس'' میں ھو ضمیر کا مرجع خنزیر ہے۔ لہذا وہ نجس العین ہوا۔ اور نجس العین ہونا صرف خنزیر کی تخصیص ہے۔

جس طرح دباغت سبب زوال نجاست ہے اسی طرح ذبح بھی سبب زوال نجاست ہے

ثُمَّ مَا يَطْهُرُ جِلْدُهُ بِالدِّبَاغِ يَطْهُرُ بِالذَّكَاةِ لِأَنَّهَا تَعْمَلُ عَمَلَ الدِّبَاغِ فِي إِزَالَةِ الرُّطُوبَةِ النَّجِسَةِ، وَكَذَلِكَ يَطْهُرُ لَحْمُهُ هُوَ الصَّحِيحُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَأْكُولًا.

ترجمہ:

ہر وہ چیز جس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اسکی کھال ذبح سے پاک ہو جائے گی۔ کیونکہ جس طرح دباغت رطوبات نجس کو دور کرنے کا عمل کرتی ہے اسی طرح ذبح بھی اس جانور کے گوشت کو پاک کر دیتا ہے۔ یہی صحیح مذہب ہے اگر چہ وہ جانور ایسا ہو جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو۔

ذبح کھال کی طہارت میں دباغت کھال والی طہارت کی طرح ہے (قاعدہ فقہیہ)

ہر وہ چیز جس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اسکی کھال ذبح سے بھی پاک ہو جائے گی۔ (ہدایہ)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح دباغت سے کھال کے اندر سے نجاست اور وہ تمام مادے جو نجاست سے بھرے ہوتے ہیں یا جن میں نجاست حلول کیے ہوتی ہے وہ سب خارج ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ذبح کے ساتھ بھی وہ تمام فاسد مادے خارج ہو جاتے ہیں لہذا جس طرح دباغت سبب زوال نجاست ہوا اسی طرح ذبح بھی سبب زوال نجاست ہوا۔

ہر وہ جانور جو مایوکل لحم ہے یا لا یوکل لحم ہے ان کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ذبح کرنے سے بھی کھال پاک ہو جاتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح کسی جانور کو ذبح کرنے سے اس کے جسم کے اندر سے خون اور رطوبات نجاستہ خارج ہو جاتی ہیں اسی طرح دباغت سے بھی خارج ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح ایک تحقیق یہ بھی ہے کہ گوشت میں جس قدر رطوبات نجاستہ ملوث ہوتی ہیں اسی طرح کھال میں ملوث نہیں ہوتیں کیونکہ کھال گاڑھی ہوتی ہے اس میں نجاست اسی طرح حلول نہیں کرتیں۔ جس طرح گوشت میں حلول کر جاتی ہے۔ اور جب گوشت ذبح سے پاک ہو جاتا ہے جس میں زیادہ نجاست حلول کیے ہوتی ہے تو کھال بدرجہ اولیٰ دباغت وذبح سے پاک ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک مردہ بکری پر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے چمڑے سے تم لوگوں نے کیوں نہیں فائدہ اٹھایا؟ صحابہ نے عرض کیا، کہ وہ تو مردار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردار کا صرف کھانا منع ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۲۲۱)

مردار کے اجزاء کی حرمت میں فقہی مذاہب

حالانکہ قرآن شریف میں حرمت علیکم المیتة (المائدة 3 :) مطلق ہے۔ اس کے سب اجزاء کو شامل ہے، مگر حدیث سے اس کی تخصیص ہوگئی کہ مردار کا صرف کھانا حرام ہے۔ زہری نے اس حدیث سے دلیل لی، اور کہا کہ مردار کی کھال سے مطلقاً نفع اٹھانا درست ہے۔ دباغت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، لیکن دباغت کی قید دوسری حدیث سے نکالی گئی ہے۔ اور جمہور علماء کی وہی دلیل ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مرداروں میں کتے اور سور کا استثناء کیا ہے۔ اس کی کھال دباغت سے بھی پاک نہ ہوگی اور

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صرف سور اور آدمی کی کھال کو مستثنیٰ کیا ہے۔

مردار کا دودھ اور اس کے .... جو اس میں ہوں نجس ہیں امام شافعی کا یہی مذہب ہے اس لئے کہ وہ بھی میت کا ایک جزو ہے، امام مالک رحمۃ اللہ سے ایک روایت میں ہے کہ تو وہ پاک ہے لیکن میت میں شامل کی وجہ سے نجس ہو جاتا ہے، اسی طرح مردار کی پنیر (کھیری) بھی ...... ہو رمذہب میں ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے۔

نمک لگائے ہوئے چمڑے کی خرید وفروخت

بحمد اللہ چمڑے کی تجارت میں آج بھی مسلمانوں کا بہتر تناسب ہے، چمڑا اگر ایسے جانور سے حاصل کیا گیا ہو جس کو شرعی طور پر ذبح کیا تھا تب تو کوئی قباحت نہیں ایسے چمڑے پاک اور قابل خرید وفروخت ہیں؛ لیکن اگر مردار کے چمڑے ہوں تو گوشت کی طرح یہ چمڑے بھی ناپاک ہیں اور ان کی خرید وفروخت جائز نہیں، مسلمان تاجرانِ چرم کے لیے یہ پہلو ہندوستان کے ماحول میں خاصا دشوار ہے؛ کیونکہ ایک کثیر تعداد مشرکین کے ذبیحوں سے حاصل ہونے والے چمڑوں کی ہوتی ہے اس لیے مسلمان تاجرانِ چرم کو چاہیے کہ ایسے چمڑوں کو اولاً ان کے مالک سے کچھ اُجرت لے کر نمک لگادیں اور پھر انھیں خرید کرلیں؛ کیونکہ مردار کے چمڑے بھی دباغت سے پاک ہو جاتے ہیں اور دباغت کے لیے نمک کا لگانا کافی ہے، دارِقطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسْتَمْتِعُوا بِجُلُودِ الْمَيْتَةِ إِذَا هِيَ دُبِغَتْ تُرَابًا كَانَ أَوْرَمَادًا أَوْمِلْحًا أَوْمَا كَانَ بَعْدَ أَنْ تُرِيدَ صَلَاحَهُ (سنن دارِقطنی، حدیث نمبر ۱۲۹)

مردہ جانوروں کے ایسے چمڑوں سے فائدہ اُٹھاؤ جن کو مٹی، راکھ یا نمک یا کسی اور شئی سے دباغت دے دی جائے؛ بشرطیکہ اس سے اس کے باقی رہنے کی صلاحیت بڑھ جائے۔ (جدید فقہی مسائل)

مشترکہ ملبہ بیچنے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَإِذَا كَانَ السُّفْلُ لِرَجُلٍ وَعُلُوُّهُ لِآخَرَ فَسَقَطَا أَوْ سَقَطَ الْعُلُوُّ وَحْدَهُ فَبَاعَ صَاحِبُ الْعُلُوِّ عُلُوَّهُ لَمْ يَجُزْ) لِأَنَّ حَقَّ التَّعَلِّي لَيْسَ بِمَالٍ لِأَنَّ الْمَالَ مَا يُمْكِنُ إِحْرَازُهُ وَالْمَالُ هُوَ الْمَحَلُّ لِلْبَيْعِ، بِخِلَافِ الشُّرْبِ حَيْثُ يَجُوزُ بَيْعُهُ تَبَعًا لِلْأَرْضِ بِاتِّفَاقِ الرِّوَايَاتِ وَمُفْرَدًا فِي رِوَايَةٍ، وَهُوَ اخْتِيَارُ مَشَايِخِ بَلْخِي رَحِمَهُمُ اللَّهُ لِأَنَّهُ حَظٌّ مِنْ الْمَاءِ وَلِهَذَا يُضْمَنُ بِالْإِتْلَافِ وَلَهُ قِسْطٌ مِنْ الثَّمَنِ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ فِي كِتَابِ الشُّرْبِ.

ترجمہ

فرمایا: اور جب گھر کا فسٹ فلور کسی ایک آدمی کا ہے جبکہ سیکنڈ فلور کسی دوسرے شخص کا ہے پھر وہ دونوں گر گئے یا صرف سیکنڈ فلور گر گیا ہے اور اس کے مالک نے اپنا فسٹ فلور والاحق بیچ دیا ہے تو اس طرح جائز نہ ہوگا کیونکہ بلند ہونا مال نہیں ہے اس لئے کہ مال

وہ چیز کہلاتی ہے جس کو جمع کیا جاسکے اور مال ہی محل بیع ہوتا ہے بہ خلاف شرب کے کیونکہ وہ زمین کے تابع کر کے اس کو بیچنا تو ساری روایات کے مطابق جائز ہے اور ایک روایت کے مطابق اسکو بھی اکیلے بیچنا جائز ہے اور مشائخ بلخ فقہاء کا یہ پسند کردہ قول ہے کیونکہ شرب پانی کا حصہ ہے اسی دلیل کے سبب وہ تلف ہونے کی صورت میں ضمان والا ہے۔ اور ثمن سے بھی اس کا حصہ لگنے والا ہے جس طرح ہم اس کو کتاب الشرب میں بیان کردیں گے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ معدوم کی بیع باطل ہے مثلاً دو منزلہ مکان دو شخصوں میں مشترک تھا ایک کا نیچے والا تھا دوسرے کا اوپر والا، وہ گر گیا یا صرف بالا خانہ گرا بالا خانہ والے نے گرنے کے بعد بالا خانہ کی بیع کی تو یہ بیع باطل ہے کہ جب وہ چیز ہی نہیں بیع کسی چیز کی ہوگی اور اگر بیع سے مراد اُس حق کو بیچنا ہے کہ مکان کے اوپر اُس کو مکان بنانے کا حق تھا یہ بھی باطل ہے کہ بیع مال کی ہوتی ہے اور یہ محض ایک حق ہے مال نہیں اور اگر بالا خانہ موجود ہے تو اُس کی بیع ہوسکتی ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

راستے کی بیع وہبہ کے جواز کا بیان

قَالَ (وَبَيْعُ الطَّرِيقِ وَهِبَتُهُ جَائِزٌ وَبَيْعُ مَسِيلِ الْمَاءِ وَهِبَتُهُ بَاطِلٌ) وَالْمَسْأَلَةُ تَحْتَمِلُ وَجْهَيْنِ :بَيْعُ رَقَبَةِ الطَّرِيقِ وَالْمَسِيلِ، وَبَيْعُ حَقِّ الْمُرُورِ وَالتَّسْيِيلِ .

فَإِنْ كَانَ الْأَوَّلَ فَوَجْهُ الْفَرْقِ بَيْنَ الْمَسْأَلَتَيْنِ أَنَّ الطَّرِيقَ مَعْلُومٌ لِأَنَّ لَهُ طُولًا وَعَرْضًا مَعْلُومًا، وَأَمَّا الْمَسِيلُ فَمَجْهُولٌ لِأَنَّهُ لَا يُدْرَى قَدْرُ مَا يَشْغَلُهُ مِنْ الْمَاءِ وَإِنْ كَانَ الثَّانِيَ فَفِي بَيْعِ حَقِّ الْمُرُورِ رِوَايَتَانِ وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى إحْدَاهُمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ حَقِّ التَّسْيِيلِ أَنَّ حَقَّ الْمُرُورِ مَعْلُومٌ لِتَعَلُّقِهِ بِمَحِلٍّ مَعْلُومٍ وَهُوَ الطَّرِيقُ، أَمَّا الْمَسِيلُ عَلَى السَّطْحِ فَهُوَ نَظِيرُ حَقِّ التَّعَلِّي وَعَلَى الْأَرْضِ مَجْهُولٌ لِجَهَالَةِ مَحِلِّهِ .

وَوَجْهُ الْفَرْقِ بَيْنَ حَقِّ الْمُرُورِ وَحَقِّ التَّعَلِّي عَلَى إحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ أَنَّ حَقَّ التَّعَلِّي يَتَعَلَّقُ بِعَيْنٍ لَا تَبْقَى وَهُوَ الْبِنَاءُ فَأَشْبَهَ الْمَنَافِعَ، أَمَّا حَقُّ الْمُرُورِ يَتَعَلَّقُ بِعَيْنٍ تَبْقَى وَهُوَ الْأَرْضُ فَأَشْبَهَ الْأَعْيَانَ .

ترجمہ

فرمایا۔ اور راستے کی بیع وہبہ جائز ہے اور پانی گزارنے کے راستے کی بیع اور اس کا ہبہ باطل ہے اور اس مسئلہ میں دو احتمال ہیں (۱) عین راستے اور عین مسیل کو فروخت کرنا (۲) گزرنے کے حق اور پانی بہانے کے راستے کو فروخت کرنا۔

پہلی صورت میں دونوں مسائل کے درمیان فرق یہ ہے کہ راستہ معلوم ہے کیونکہ اس کی لمبائی وچوڑائی معین ہے جبکہ مسیل مجہول ہے کیونکہ پتہ ہی نہیں ہے کہ پانی کتنے مسیل کو شامل کرنے والا ہے۔

دوسری صورت میں یعنی گزرنے کے حق کی بیع میں دو روایات ہیں۔ان میں سے ایک روایت کے مطابق گزرنے کے حق اور پانی گزارنے کے درمیان فرق یہ ہے کہ گزرنے کا حق معلوم ہے کیونکہ اس کا تعلق معین جگہ کے ساتھ ہے اور وہ راستہ ہی ہے اور جہاں تک چھت سے پانی گزارنے کا تعلق ہے تو وہ بلندی والے حق کی مثل ہے جبکہ مسیل علی الارض اپنے مقام کی جہالت کے سبب مجہول ہے اور بلندی حق اور حق مرور کے درمیان دوسری فرق کرنے والی روایت یہ ہے کہ بلندی والے کا حق ایسے عین کی بناء سے متعلق ہے جو باقی رہنے والا نہیں ہے پس یہ منافع کے مشابہ ہو جائے گا البتہ حق مرور تو اس کا تعلق ایسے عین کے ساتھ ہے جو باقی رہنے والا ہے یعنی زمین ہے تو یہ اعیان کے مشابہ ہو جائے گا۔

گزرنے کے حق کو بیان کرنے کا حکم

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زمین یا مکان کی بیع ہوئی اور راستہ کا حق مرور تبعاً بیع کیا گیا مثلاً جمیع حقوق یا تمام مرافق کے ساتھ بیع کی تو بیع درست ہے اور تنہا راستہ کا حق مرور بیچا گیا تو درست نہیں۔ مکان سے پانی بہنے کا راستہ یا کھیت میں پانی آنے کا راستہ بیچنا درست نہیں یعنی محض حق بیچنا بھی ناجائز ہے اور زمین جس پر پانی گزرے گا وہ بھی بیع نہیں کی جاسکتی جبکہ اُس کا طول وعرض بیان نہ کیا گیا ہو اور اگر بیان کر دیا ہو تو جائز ہے۔(فتح القدیر، کتاب بیوع)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ راستہ یعنی اُس کی زمین کی بیع و ہبہ جائز ہے، جب کہ وہ زمین بائع کی ملک ہو نہ یہ کہ فقط حق مرور (حق آسائش) ہو، مثلاً اس کے گھر کا راستہ دوسرے کے گھر میں سے ہو اور راستہ کی زمین اس کی ہو۔اگر اس زمین راستہ کے طول وعرض مذکور ہیں جب تو ظاہر ہے ورنہ اُس مکان کا جو بڑا دروازہ ہے اُتنی چوڑائی اور کوچہ نافذہ تک لمبائی لی جائے گی اور جو راستہ کوچہ نافذہ یا کوچہ سربستہ میں نکلا ہے جو خاص بائع کی ملک میں نہیں ہے، بلکہ اُس میں سب کے لیے حق آسائش ہے مکان خریدنے میں وہ تبعاً داخل ہو جاتا ہے خاص کر اُسے خریدنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔(ردمحتار، کتاب بیوع)

باندی کو بیچنے کے بعد غلام ہو جانے کی صورت میں ممانعت بیع کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ جَارِيَةً فَإِذَا هُوَ غُلَامٌ) فَلَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا، بِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَ كَبْشًا فَإِذَا هُوَ نَعْجَةٌ حَيْثُ يَنْعَقِدُ الْبَيْعُ وَيَتَخَيَّرُ .

وَالْفَرْقُ يَنْبَنِي عَلَى الْأَصْلِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ فِي النِّكَاحِ لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ أَنَّ الْإِشَارَةَ مَعَ التَّسْمِيَةِ إذَا اجْتَمَعَتَا فَفِي مُخْتَلِفِي الْجِنْسِ يَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ بِالْمُسَمَّى وَيَبْطُلُ لِانْعِدَامِهِ، وَفِي مُتَّحِدِي الْجِنْسِ يَتَعَلَّقُ بِالْمُشَارِ إلَيْهِ وَيَنْعَقِدُ لِوُجُودِهِ وَيَتَخَيَّرُ لِفَوَاتِ

الْوَصْفِ كَمَنْ اشْتَرَى عَبْدًا عَلَى أَنَّهُ خَبَّازٌ فَإِذَا هُوَ كَاتِبٌ، وَفِي مَسْأَلَتِنَا الذَّكَرُ وَالأُنْثَى مِنْ بَنِي آدَمَ جِنْسَانِ لِلتَّفَاوُتِ فِي الْأَغْرَاضِ، وَفِي الْحَيَوَانَاتِ جِنْسٌ وَاحِدٌ لِلتَّقَارُبِ فِيهَا وَهُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي هَذَا دُونَ الْأَصْلِ كَالْخَلِّ وَالدِّبْسِ جِنْسَانِ وَالْوَذَارِيُّ وَالزندنيجي عَلَى مَا قَالُوا جِنْسَانِ مَعَ اتِّحَادِ أَصْلِهِمَا.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے باندی کو بیچ دیا ہے اس کے بعد وہ غلام نکلی تو عقد کرنے والوں کے درمیان کوئی عقد بیع نہ ہوگا۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جب کسی نے مینڈھا بیچا اور اور وہ مبیع بھیڑ نکلی تو بیع منعقد ہو جائے گی۔ اور مشتری کو خیار حاصل ہوگا۔ اور ان دونوں صورتوں میں فرق اسی اصل کے مطابق ہے جس ہم کتاب نکاح میں حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کی جانب منسوب کرتے ہوئے بیان کرآئے ہیں۔

اور وہ یہ ہے کہ جب اشارہ اور تسمیہ دونوں کی مسئلہ میں جمع ہو جائیں تو اختلاف جنس کی صورت میں عقد مسمیٰ سے متعلق ہوگا اور تسمیہ کے معدوم ہونے کے سبب عقد باطل ہو جائے گا۔ اور اتحاد جنس کی صورت میں عقد مشار الیہ سے متعلق ہوگا۔ اور اس میں موجود ہونے کے سبب سے منعقد ہو جائے گا۔ (قاعدہ فقہیہ)

البتہ وصف کے باقی رہنے کے سبب مشتری کو خیار کا حق حاصل ہے جس طرح جب کسی نے اس شرط پر غلام کو خریدا کہ روٹی پکانے والا ہے پھر وہ کاتب نکلا۔ اور ہمارے اس مسئلہ میں اختلاف اغراض کے سبب ابن آدم کے مذکر ومؤنث دو علیحدہ علیحدہ اجناس ہیں۔ جبکہ قلیل فرق کے سبب حیوانات میں مذکر ومؤنث دونوں کو ایک ہی جنس شمار کیا جاتا ہے اور اختلاف جنس اور اتحاد جنس دونوں میں یہی چیز معتبر ہے لہذا اصل ماہیت کا اعتبار نہ ہوگا جس طرح سرکہ اور انگور دو جنس ہیں اور اسی طرح وزری اور زندیچی کپڑے فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق اصلیت کے متحد ہونے کے بلوجود علیحدہ علیحدہ جنس کے ہیں۔

شرح

اور جب کسی شخص نے مبیع کی طرف اشارہ کیا اور نام بھی لے دیا مگر جس کی طرف اشارہ ہے اُس کا وہ نام نہیں مثلاً کہا کہ اس گائے کو اتنے میں بیچا اور وہ گائے نہیں بلکہ بیل ہے یا اس لونڈی کو بیچا اور وہ لونڈی نہیں غلام ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جو نام ذکر کیا ہے اور جس کی طرف اشارہ ہے دونوں کی ایک جنس ہے تو بیع صحیح ہے کہ عقد کا تعلق اُس کے ساتھ ہے جس کی طرف اشارہ ہے اور وہ موجود ہے مگر جو چیز سمجھ کر مشتری لینا چاہتا ہے چونکہ وہ نہیں ہے لہذا اُس کو اختیار ہے کہ لے یا نہ لے اور جنس مختلف ہو تو بیع باطل ہے کہ عقد کا تعلق اس صورت میں اُس کے ساتھ ہے جس کا نام لیا گیا اور وہ موجود نہیں لہذا عقد باطل۔ انسان میں مرد وعورت دو جنس مختلف ہیں لہذا لونڈی کہہ کر بیع کی اور نکلا غلام یا بالعکس یہ بیع باطل ہے اور جانوروں میں نر و مادہ ایک جنس ہے گائے کہہ کر بیع کی

اور نکلا نیل یا بالعکس تو بیع صحیح ہے اور مشتری کو خیار حاصل ہے۔

تبدیلی وصف کے سبب مشتری کے خیار کا بیان

ایک مکان خریدا اس شرط پر کہ پختہ اینٹوں سے بنا ہوا ہے وہ نکلا خام، یا باغ خریدا اس شرط پر کہ اُس کے کل درخت پھل دار ہیں اُن میں ایک درخت پھل دار نہیں ہے یا کپڑا خریدا اس شرط پر کہ کسم کا رنگا ہوا ہے وہ زعفران کا رنگا ہوا نکلا ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہے۔ یا خچر خریدا اس شرط پر کہ مادہ ہے وہ نر تھا تو بیع جائز ہے مگر مشتری کو اختیار ہے کہ لے یا نہ لے اور اگر نر کہہ کر خریدا اور مادہ نکلا یا گدھا یا اونٹ کہہ کر خریدا اور نکلی گدھی یا اونٹنی تو ان صورتوں میں بیع جائز ہے اور مشتری کو خیار فسخ بھی نہیں کہ جنس مختلف نہیں ہے اور جو شرط تھی مبیع اس سے بہتر ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

خریداری کے بعد اسی مبیع کی بیع کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً بِأَلْفِ دِرْهَمٍ حَالَّةً أَوْ نَسِيئَةً فَقَبَضَهَا ثُمَّ بَاعَهَا مِنْ الْبَائِعِ بِخَمْسِمِائَةٍ قَبْلَ أَنْ يَنْقُدَ الثَّمَنَ الْأَوَّلَ لَا يَجُوزُ الْبَيْعُ الثَّانِي) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَجُوزُ لِأَنَّ الْمِلْكَ قَدْ تَمَّ فِيهَا بِالْقَبْضِ فَصَارَ الْبَيْعُ مِنْ الْبَائِعِ وَمِنْ غَيْرِهِ سَوَاءً وَصَارَ كَمَا لَوْ بَاعَ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْأَوَّلِ أَوْ بِالزِّيَادَةِ أَوْ بِالْعَرْضِ .

وَلَنَا قَوْلُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا :لِتِلْكَ الْمَرْأَةِ وَقَدْ بَاعَتْ بِسِتِّمِائَةٍ بَعْدَمَا اشْتَرَتْ بِثَمَانِمِائَةٍ :بِئْسَمَا شَرَيْت وَاشْتَرَيْت، أَبْلِغِي زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَبْطَلَ حَجَّهُ وَجِهَادَهُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إنْ لَمْ يَتُبْ ؛ وَلِأَنَّ الثَّمَنَ لَمْ يَدْخُلْ فِي ضَمَانِهِ فَإِذَا وَصَلَ إلَيْهِ الْمَبِيعُ وَوَقَعَتْ الْمُقَاصَّةُ بَقِيَ لَهُ فَضْلُ خَمْسِمِائَةٍ وَذَلِكَ بِلَا عِوَضٍ، بِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَ بِالْعَرْضِ لِأَنَّ الْفَضْلَ إنَّمَا يَظْهَرُ عِنْدَ الْمُجَانَسَةِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے ایک ہزار دراہم نقد یا ادھار کے بدلے میں کوئی باندی خرید لی اور اس پر قبضہ بھی کر لیا اس کے قیمت ادا کرنے سے پہلے ہی اسی باندی کو بائع سے پانچ سو دراہم میں فروخت کر دیا تو دوسری صورت میں بیع جائز نہ ہوگی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ قبضہ کے ذریعے بیع میں ملکیت مکمل ہو چکی ہے پس بائع اور غیر بائع دونوں کو فروخت کرنا برابر ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا۔ جس طرح مشتری نے اس کو پہلی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ یا کسی سامان کے بدلے میں بیچ دیا ہے۔

ہماری دلیل حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے کہ انہوں نے اس عورت سے کہا تھا جس نے آٹھ سو دراہم میں ایک باندی خرید کر اس کو چھ سو دراہم میں بیچ دیا تھا۔ کہ تو نے بہت بری خرید وفروخت کی ہے اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو مطلع کر دو کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو اللہ تعالیٰ ان کے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے حج اور جہاد سب کو ضائع کر دے گا اور یہ بھی دلیل ہے کہ قیمت بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوئی ہے اور اس کے بعد جب مبیع اس کے پاس پہنچ گئی ہے تو یہ مقاصہ واقع ہوا ہے۔ یا بائع کو پانچ سو زائد ملے ہیں جو بغیر کسی بدلے کے ہیں بہ خلاف اس صورت کے کہ جب اس نے سامان کے بدلے میں بیچ دیا ہو کیونکہ اب زیادتی کا ظاہر ہونا اتحاد جنس کے ساتھ ہوا ہے۔

شرح

امام ابن ابوحاتم لکھتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ ام بحنہ حضرت زید بن ارقم کی ام ولد تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے ایک غلام حضرت زید کے ہاتھوں آٹھ سو کا اس شرط پر بیچا کہ جب ان کے پاس رقم آئے تو وہ ادا کر دیں، اس کے بعد انہیں نقدی کی ضرورت پڑی تو وقت سے پہلے ہی وہ اسے فروخت کرنے کو تیار ہو گئے، میں نے چھ سو کا خرید لیا، حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تو نے بھی اور اس نے بھی بالکل خلاف شرع کیا، بہت برا کیا، جاؤ زید سے کہہ دو اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو اس کا جہاد بھی غارت جائے گا جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہے، میں نے کہا اگر وہ دو سو جو مجھے اس سے لینے ہیں چھوڑ دوں اور صرف چھ سو وصول کرلوں تاکہ مجھے میری پوری رقم آٹھ سو کی مل جائے، آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں، پھر آپ نے (فمن جاء موعظة والی آیت پڑھ کر سنائی۔ (ابن ابی حاتم)

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس چیز کو بیع کر دیا ہے اور ابھی پورا ثمن وصول نہیں ہوا ہے اُس کو مشتری سے کم دام میں خریدنا جائز نہیں اگر چہ اس وقت اُس کا نرخ کم ہو گیا ہو۔ اسی طرح اگر مشتری مرگیا اُس کے وارث سے خریدی جب بھی جائز نہیں۔ مالک نے خود نہیں بیع کی ہے بلکہ اس کے وکیل نے بیع کی جب بھی یہی حکم ہے کہ کم میں خریدنا ناجائز اور اگر اُتنے ہی میں خریدی مگر پہلے ادائے ثمن کی معیاد نہ تھی اور اب میعاد مقرر ہوئی یا پہلے ایک ماہ کی میعاد تھی اور اب دو ماہ کی میعاد مقرر کی یہ بھی ناجائز ہے۔ اور اگر بائع مرگیا اس کے وارث نے اُسی مشتری سے کم دام میں خریدی تو جائز ہے۔ اسی طرح بائع نے اُس سے خریدی جس کے ہاتھ مشتری نے بیع کر دی ہے یا ہبہ کر دی ہے یا مشتری نے جس کے لیے اُس چیز کی وصیت کی اُس سے خریدی یا خود مشتری سے اُسی دام میں یا زائد میں خریدی یا ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد خریدی یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ اور بائع کے باپ یا بیٹے یا غلام یا مکاتب نے کم دام میں خریدی تو ناجائز ہے۔ کم داموں میں خریدنا اُس وقت ناجائز ہے جب کہ ثمن اُسی جنس کا ہو اور مبیع میں کوئی نقصان نہ پیدا ہوا ہو اور اگر ثمن دوسری جنس کا ہو یا مبیع میں نقصان ہوا ہو تو مطلقاً بیع جائز ہے۔ روپیہ اور اشرفی اس بارہ میں ایک جنس قرار پائیں گے لہٰذا اگر بیس روپیہ میں بیچی تھی اور اب ایک اشرفی میں خریدی جس کی قیمت اس وقت پندرہ روپے ہے تو ناجائز ہے اور اگر کپڑے یا سامان کے بدلے میں خریدی جس کی قیمت پندرہ روپے ہے جائز ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

خرید کردہ مبیع کے ساتھ کوئی چیز ملا کر بیع کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً بِخَمْسِمِائَةٍ ثُمَّ بَاعَهَا وَأُخْرَى مَعَهَا مِنْ الْبَائِعِ قَبْلَ أَنْ يَنْقُدَ الثَّمَنَ بِخَمْسِمِائَةٍ فَالْبَيْعُ جَائِزٌ فِي الَّتِي لَمْ يَشْتَرِهَا مِنْ الْبَائِعِ وَيَبْطُلُ فِي الْأُخْرَى) لِأَنَّهُ لَا بُدَّ أَنْ يَجْعَلَ بَعْضَ الثَّمَنِ بِمُقَابَلَةِ الَّتِي لَمْ يَشْتَرِهَا مِنْهُ فَيَكُونُ مُشْتَرِيًا لِلْأُخْرَى بِأَقَلَّ مِمَّا بَاعَ وَهُوَ فَاسِدٌ عِنْدَنَا، وَلَمْ يُوجَدْ هَذَا الْمَعْنَى فِي صَاحِبَتِهَا وَلَا يَشِيعُ الْفَسَادُ لِأَنَّهُ ضَعِيفٌ فِيهَا لِكَوْنِهِ مُجْتَهَدًا فِيهِ أَوْ ؛ لِأَنَّهُ بِاعْتِبَارِ شُبْهَةِ الرِّبَا، أَوْ ؛ لِأَنَّهُ طَارِئٌ ؛ لِأَنَّهُ يَظْهَرُ بِانْقِسَامِ الثَّمَنِ أَوْ الْمُقَاصَّةِ فَلَا يَسْرِي إلَى غَيْرِهَا ..

ترجمہ

فرمایا: جب کسی شخص نے پانچ سو دراہم میں باندی خریدی اور اس کے ساتھ ایک دوسری باندی کو ملا کر دونوں کو ثمن کی ادائیگی سے بائع کو پانچ سو دراہم میں فروخت کردی تو جس باندی کو اس نے بائع نے خریدا تھا اس میں بیع جائز ہے اور دوسری میں بیع باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ مشتری کیلئے ضروری ہے کہ اس نے جس نے باندی کو بائع خریدا نہیں ہے اس کے مقابل کچھ قیمت مقرر کرے ورنہ بائع دوسری باندی کو اس کی خرید سے کم قیمت پر خریدنے والا ہوگا جو ہمارے نزدیک فاسد ہے جبکہ دوسری باندی میں یہ حکم نہ ہوگا کیونکہ اس میں فساد بڑھنے والا نہیں ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اختلاف کے سبب خریدی ہوئی باندی میں فساد کم ہے یا یہ سبب ہے کہ فساد سود کے اشتباہ کی وجہ سے ہے یا اس لئے کہ فاسد طاری ہونے والا ہے یا اس لئے کہ فساد کا ظاہر ہونا قیمت کی تقسیم یا مقاصہ سے ہو جائے گا۔ پس یہ امور دوسری باندی میں سرایت کرنے والے نہیں ہیں۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس چیز کی بیع کردی ہے اور ابھی پورا ثمن وصول نہیں ہوا ہے اُس کو مشتری سے کم دام میں خریدنا جائز نہیں اگرچہ اس وقت اُس کا نرخ کم ہوگیا ہو۔ اسی طرح اگر مشتری مرگیا اُس کے وارث سے خریدی جب بھی جائز نہیں۔ مالک نے خود نہیں بیع کی ہے بلکہ اس کے وکیل نے بیع کی جب بھی یہی حکم ہے کہ کم میں خریدنا ناجائز اور اگر اُتنے ہی میں خریدی مگر پہلے ادائے ثمن کی میعاد نہ تھی اور اب میعاد مقرر ہوئی یا پہلے ایک ماہ کی میعاد تھی اور اب دو ماہ کی میعاد مقرر کی یہ بھی ناجائز ہے۔ اور اگر بائع مرگیا اس کے وارث نے اُسی مشتری سے کم دام میں خریدی تو جائز ہے۔ اسی طرح بائع نے اُس سے خریدی جس کے ہاتھ مشتری نے بیع کردی ہے یا ہبہ کردی ہے یا مشتری نے جس کے لیے اُس چیز کی وصیت کی اُس سے خریدی یا خود مشتری سے اُسی دام میں یا زائد میں خریدی یا ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد خریدی یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ اور بائع کے باپ یا بیٹے یا غلام یا مکاتب نے کم دام میں خریدی تو ناجائز ہے۔ کم داموں میں خریدنا اُس وقت ناجائز ہے جب کہ ثمن اُسی جنس کا ہو اور مبیع میں

کوئی نقصان نہ پیدا ہوا ہو اور اگر ثمن دوسری جنس کا ہو یا مبیع میں نقصان ہوا ہو تو مطلقا بیع جائز ہے۔روپیہ اور اشرفی اس بارہ میں ایک جنس قرار پائیں گے لہٰذا اگر بیس روپیہ میں بیچی تھی اور اب ایک اشرفی میں خریدی جس کی قیمت اس وقت پندرہ روپے ہے نا جائز ہے اور اگر کپڑے یا سامان کے بدلے میں خریدی جس کی قیمت پندرہ روپے ہے جائز ہے۔(فتاوی ہندیہ، کتاب بیوع)

مشتری کا پیمانے میں شرط لگانے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى زَيْتًا عَلَى أَنْ يَزِنَهُ بِظَرْفِهِ فَيَطْرَحَ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ ظَرْفٍ خَمْسِينَ رَطْلًا فَهُوَ فَاسِدٌ، وَلَوْ اشْتَرَى عَلَى أَنْ يَطْرَحَ عَنْهُ بِوَزْنِ الظَّرْفِ جَازَ) ؛ لِأَنَّ الشَّرْطَ الْأَوَّلَ لَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ وَالثَّانِي يَقْتَضِيهِ.

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى سَمْنًا فِي زِقٍّ فَرَدَّ الظَّرْفَ وَهُوَ عَشَرَةُ أَرْطَالٍ) فَقَالَ الْبَائِعُ الزِّقُّ غَيْرُ هَذَا وَهُوَ خَمْسَةُ أَرْطَالٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي، لِأَنَّهُ إنْ اُعْتُبِرَ اخْتِلَافًا فِي تَعْيِينِ الزِّقِّ الْمَقْبُوضِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْقَابِضِ ضَمِينًا كَانَ أَوْ أَمِينًا، وَإِنْ اُعْتُبِرَ اخْتِلَافًا فِي السَّمْنِ فَهُوَ فِي الْحَقِيقَةِ اخْتِلَافٌ فِي الثَّمَنِ فَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَ الْمُشْتَرِي ؛ لِأَنَّهُ يُنْكِرُ الزِّيَادَةَ.

ترجمہ

اور جس شخص نے زیتون کا تیل اس شرط کے ساتھ بائع سے خریدا کہ وہ مشتری کے پیمانے سے وزن کرے گا مگر ہر برتن کے بدلے مشتری سے پچاس رطل کم کرتا ہے تو یہ بیع فاسد ہے۔اور جب اس شرط پر خریدا کہ بائع مشتری سے برتن کے وزن کے برابر کم کرے گا تو یہ جائز ہے کیونکہ پہلی شرط کا عقد تقاضہ کرنے والا نہیں ہے جبکہ شرط ثانی کا تقاضہ کرنے والا ہے۔

اور جس شخص نے ایک مشک میں گھی خریدا اور برتن کو واپس کر دیا اور وہ دس رطل ہے اس کے بعد بائع نے کہا کہ مشک اس کے سوا ہے وہ پانچ رطل کا تھا تو اب مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ جب اس کو قبضہ والے مشک کے تعین میں مختلف مان لیا جائے تو قابض کا قول معتبر ہوگا اگر چہ وہ ضامن ہو یا امانت کے طور پر ہو۔اور جب گھی کی مقدار میں اختلاف مان لیا گیا تو وہ اصل میں ثمن میں اختلاف ہوگا اور مشتری کے قول کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہی زیادتی کا انکار کرنے والا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے تیل بیچا اور یہ ٹھہرا کہ برتن سمیت تولا جائے گا اور برتن کا اتنا وزن کاٹ دیا جائے مثلاً ایک سیر یہ نا جائز ہے اور اگر یہ ٹھہرا کہ برتن کا جو وزن ہے وہ کاٹ دیا جائے گا مثلاً ایک سیر ہے تو ایک سیر اور

ڈیڑھ سیر ہے تو ڈیڑھ سیر یہ جائز ہے۔اسی طرح اگر دونوں کو معلوم ہے کہ برتن کا وزن ایک سیر ہے اور یہ ٹھہرا کہ برتن کا وزن ایک سیر جاری کیا جائے گا یہ بھی جائز ہے۔(درمختار، کتاب بیوع)

اور جب کسی شخص نے تیل یا گھی خریدا اور برتن سمیت تولا گیا اور ٹھہرا یہ کہ برتن کا جو وزن ہوگا مجرا دیا جائے گا مشتری برتن خالی کر کے لایا اور کہتا ہے اس کا وزن مثلاً دو سیر ہے بائع کہتا ہے یہ وہ برتن نہیں میرا برتن ایک سیر وزن کا تھا تو قسم کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اس اختلاف سے اگر مقصود برتن ہے تو مشتری قابض ہے اور قابض کا قول معتبر ہوتا ہے اور اگر مقصود ثمن میں اختلاف ہے کہ ایک سیر کی قیمت بائع طلب کرتا ہے اور مشتری منکر ہے۔ تو منکر کا قول معتبر ہوتا ہے۔

مسلمان کا نصرانی کو شراب کی بیع میں وکیل بنانے کا بیان

قَالَ :(وَإِذَا أَمَرَ الْمُسْلِمُ نَصْرَانِيًّا بِبَيْعِ خَمْرٍ أَوْ شِرَائِهَا فَفَعَلَ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا لَا يَجُوزُ :عَلَى الْمُسْلِمِ) وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْخِنْزِيرُ، وَعَلَى هَذَا تَوْكِيلُ الْمُحْرِمِ غَيْرَهُ بِبَيْعِ صَيْدِهِ .

لَهُمَا أَنَّ الْمُوَكِّلَ لَا يَلِيهِ فَلَا يُوَلِّيهِ غَيْرَهُ ؛ وَلِأَنَّ مَا يَثْبُتُ لِلْوَكِيلِ يَنْتَقِلُ إلَى الْمُوَكِّلِ فَصَارَ كَأَنَّهُ بَاشَرَهُ بِنَفْسِهِ فَلَا يَجُوزُ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْعَاقِدَ هُوَ الْوَكِيلُ بِأَهْلِيَّتِهِ وَوِلَايَتِهِ، وَانْتِقَالُ الْمِلْكِ إلَى الْآمِرِ أَمْرٌ حُكْمِيٌّ فَلَا يَمْتَنِعُ بِسَبَبِ الْإِسْلَامِ كَمَا إذَا وَرِثَهُمَا، ثُمَّ إنْ كَانَ خَمْرًا يُخَلِّلُهَا وَإِنْ كَانَ خِنْزِيرًا يُسَيِّبُهُ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی مسلمان نے نصرانی کو شراب کی خرید و فروخت میں وکیل بنا دیا اور اس نے یہ کام کر دیا ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک مسلمان کو اس طرح کا حکم دینا جائز نہیں ہے۔اور خنزیر کا مسئلہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔اور احرام والے کا اپنا شکار بیچنے میں کسی کو وکیل بنانے کا مسئلہ بھی اسی اختلاف پر ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جب خود مؤکل اس کا اہل نہیں ہے تو دوسرے کو وکیل بھی نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ وکیل کے لئے ثابت ہونے والی چیز مؤکل کی جانب منتقل ہونے والی ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح مؤکل نے خود یہ کام کیا ہو حالانکہ اس کیلئے جائز نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ وکیل اپنی اہلیت و ولایت سے خود عقد کرنے والا ہے جبکہ حکم دینے والے کی

جانب ملکیت کا انتقال ایک غیر اختیاری معاملہ ہے پس اسلام کے سبب یہ منع نہ ہوگا جس طرح اس صورت میں ہے کہ جب شراب اور خنزیر مسلمان کو وراثت میں مل جائیں۔ اور اب جبکہ مأمور بہ شراب ہے تو وہ مسلمان اس کا سرکہ بنائے اور خنزیر ہو تو اس کو چھوڑ دے۔

شرح

ابن وعلۃ مصری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا انگور کے شیرہ کے بارے میں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں شراب کی مشکیں تحفہ میں لے کر حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ خداوند قدوس نے شراب کو حرام قرار دے دیا ہے پھر اس نے آہستہ سے ایک آدمی کے کان میں کچھ کہا جس کو میں نہیں سمجھا کہ کیا کہا۔ میں نے ایک اور شخص سے جو کہ اس کے نزدیک بیٹھا تھا دریافت کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم نے کان میں کیا کہا؟ اس نے کہا میں نے اس سے کہا کہ تم اس کو فروخت کر دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اس کا پینا حرام فرمایا ہے اس نے اس کا فروخت کرنا بھی حرام فرمایا ہے اس پر اس نے دونوں مشک کا منہ کھول دیا اور اس میں جس قدر شراب تھی وہ سب بہہ گئی۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 968)

جو فعل اصل سے نہ ہو سکے اس میں وکالت

ہر وہ فعل جس کا مقصد اصل شخص یعنی موکل کے بغیر پورا نہ ہو سکے، اس میں وکالت جائز نہیں۔ (الفروق)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح نماز میں کسی شخص کو وکیل نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ اس طرح تو اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے کہ نماز کا مقصد بندگی اور کمال خشوع وخضوع کا اظہار کیا جائے، لیکن وکیل کے خشوع وخضوع سے موکل میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح قسم کھانے کا معاملہ ہے کیونکہ قسم کھانے کا اصل منشاء ومقصد یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنے دعوے کی صداقت کا اظہار کرے لیکن دوسرے شخص کی قسم کھانے سے پہلے شخص کی صداقت کا ثبوت نہیں مل سکتا۔

اسی طرح اشد ضرورت کے بغیر شہادت کیلئے بھی کسی دوسرے شخص کو وکیل نہیں بنایا جا سکتا، البتہ بعض خاص حالات وواقعات اور ضرورت کے موقع پر بعض علماء اس کیلئے بھی وکیل بنانے کے قائل ہیں اور اسکی وجہ بھی یہ ہے کہ گواہ کی صداقت کا اظہار نہیں ہو سکتا، گناہ اور معصیت کی بھی وکالت نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ شریعت ہمیں گناہوں سے روکتی ہے۔ اور جبکہ ان میں وکیل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طور پر انہیں ثابت کیا جائے۔ جو اس کے بنیادی مقصد کے خلاف ہے۔ (الفروق)

چوری، زنا اور کئی حدود وقصاص کے بہت زیادہ مسائل ہیں جہاں کسی کو وکیل نہیں بنایا جا سکتا۔ اور نہ ہی حدود کا نفاذ وکیل کی وجہ سے اصل پر جاری کیا جا سکتا ہے۔

خنزیر کی بیع میں وکالت غیر مسلم کے عدم جواز میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فرمایا: اور جب کسی مسلمان نے نصرانی کو شراب کی خرید وفروخت میں وکیل بنادیا اور اس نے یہ کام کردیا ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے۔ جبکہ صاحبین اور امام مالک، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک اس طرح کی وکالت درست نہیں ہے۔ کیونکہ جس چیز کو کھانا حرام ہے اس کی بیع بھی حرام ہے۔ اور اسی طرح شراب کی بیع اور احرام والے شخص کے شکار کا مسئلہ ہے یعنی اس کا اختلاف بھی اسی اختلاف کی طرح ہے۔

(فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۱۰۴، بیروت)

غلام کو شرط مکاتبت یا تدبیر پر بیچنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا عَلَى أَنْ يُعْتِقَهُ الْمُشْتَرِي أَوْ يُدَبِّرَهُ أَوْ يُكَاتِبَهُ أَوْ أَمَةً عَلَى أَنْ يَسْتَوْلِدَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ) ؛ لِأَنَّ هَذَا بَيْعٌ وَشَرْطٌ وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ .

ثُمَّ جُمْلَةُ الْمَذْهَبِ فِيهِ أَنْ يُقَالَ : كُلُّ شَرْطٍ يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ كَشَرْطِ الْمِلْكِ لِلْمُشْتَرِي لَا يُفْسِدُ الْعَقْدَ لِثُبُوتِهِ بِدُونِ الشَّرْطِ، وَكُلُّ شَرْطٍ لَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ وَفِيهِ مَنْفَعَةٌ لِأَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ أَوْ لِلْمَعْقُودِ عَلَيْهِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الِاسْتِحْقَاقِ يُفْسِدُهُ كَشَرْطِ أَنْ لَا يَبِيعَ الْمُشْتَرِي الْعَبْدَ الْمَبِيعَ ؛ لِأَنَّ فِيهِ زِيَادَةً عَارِيَّةً عَنْ الْعِوَضِ فَيُؤَدِّي إلَى الرِّبَا، أَوْ ؛ لِأَنَّهُ يَقَعُ بِسَبَبِهِ الْمُنَازَعَةُ فَيَعْرَى الْعَقْدُ عَنْ مَقْصُودِهِ إلَّا أَنْ يَكُونَ مُتَعَارَفًا ؛ لِأَنَّ الْعُرْفَ قَاضٍ عَلَى الْقِيَاسِ، وَلَوْ كَانَ لَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ وَلَا مَنْفَعَةَ فِيهِ لِأَحَدٍ لَا يُفْسِدُهُ وَهُوَ الظَّاهِرُ مِنْ الْمَذْهَبِ كَشَرْطِ أَنْ لَا يَبِيعَ الْمُشْتَرِي الدَّابَّةَ الْمَبِيعَةَ لِأَنَّهُ انْعَدَمَتْ الْمُطَالَبَةُ فَلَا يُؤَدِّي إلَى الرِّبَا، وَلَا إلَى الْمُنَازَعَةِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے اس شرط پر غلام کو بیچا کہ وہ اس کو مدبر بنائے یا اس کو مکاتب بنائے یا اس کو آزاد کرے یا اس نے باندی اس شرط پر فروخت کی کہ مشتری اس کو ام ولد بنائے گا۔ تو ان تمام احوال میں بیع فاسد ہوجائے گی۔ کیونکہ یہ بیع بھی ہے اور شرط بھی ہے اور نبی کریم ﷺ نے بیع کو شرط کے ساتھ کرنے سے منع کیا ہے اس بارے میں مذہب کا حاصل یہ ہے ہر وہ چیز جو عقد کا تقاضہ کرنے کے مطابق ہو وہ عقد کو فاسد کرنے والی نہیں ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) کیونکہ وہ شرط کے بغیر بھی ثابت ہے۔

اور ہر وہ چیز جو عقد کے تقاضہ کے خلاف ہو اور اس میں عقد کرنے والوں میں سے کسی ایک کا یا معقود علیہ کا فائدہ بھی ہے تو معقود علیہ حقدار ہونے کا اہل ہو اتو وہ شرط عقد کو فاسد کرنے والی ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) جس طرح یہ شرط لگانا کہ مشتری مبیع غلام کو فروخت نہ کرے گا کیونکہ اس میں ایک ایسی زبردستی ہے جو بدلے سے مجرد ہے پس یہ سود کا سبب بننے والی ہے۔ یا اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ جھگڑے کا ذریعہ بننے والی ہے جبکہ عقد اپنے مقصد سے خالی رہ جائے گا۔

ہاں البتہ جب وہ شرط معروف ہے کیونکہ قیاس پر غالب رہنے والا عرف ہے۔ اور جب شرط تقاضہ عقد کے خلاف نہ ہو اور اس میں کوئی فائدہ بھی نہ ہو تو ایسی شرط عقد کو فاسد کرنے والی نہیں ہے۔ ظاہر مذہب یہی ہے جس طرح یہ شرط لگانا کہ مشتری مبیع میں ٹھہرائی ہوئی سواری کو فروخت نہ کرے گا۔ کیونکہ طلب کرنا معدوم ہے پس ایسی شرط سود اور جھگڑے کا سبب نہ بنے گی۔

شرح

غلام کو اس شرط پر بیع کیا کہ مشتری اُسے آزاد کردے یا مدبر یا مکاتب کرے یا لونڈی کو اس شرط پر کہ اسے اُم ولد بنائے یہ بیع فاسد ہے کہ جو شرط عقد کے تقاضہ کے خلاف ہو اور اُس میں بائع یا مشتری یا خود مبیع کا فائدہ ہو (جب کہ مبیع اہل استحقاق سے ہو) وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے اور اگر جانور کو اس شرط پر بیچا کہ مشتری اُسے بیع نہ کرے تو بیع فاسد نہیں کہ یہاں وہ تینوں باتیں نہیں اور اگر اس شرط پر سے غلام بیچا تھا کہ مشتری اُسے آزاد کردے گا اور مشتری نے اس شرط پر خرید کر آزاد کر دیا بیع صحیح ہوگئی اور غلام آزاد ہوگیا۔ غلام کو ایسے کے ہاتھ بیچا کہ معلوم ہے وہ آزاد کردے گا مگر بیع میں آزادی کی شرط مذکور نہ ہوئی بیع جائز ہے۔

بیع میں تقاضہ عقد والی شرط لگانے کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیع میں ایسی شرط ذکر کرنا کہ خود عقد اُس کا مقتضی ہے مضر نہیں مثلاً بائع پر مبیع کے قبضہ دلانے کی شرط اور مشتری پر ثمن ادا کرنے کی شرط اور اگر وہ شرط عقد کے تقاضہ نہیں مگر عقد کے مناسب ہو اس شرط میں بھی حرج نہیں مثلاً یہ کہ مشتری ثمن کے لیے کوئی ضامن پیش کرے یا ثمن کے مقابل میں فلاں چیز رہن رکھے اور جس کو ضامن بتایا ہے اُس نے اُسی مجلس میں ضمانت کر بھی لی اور اگر اُس نے ضمانت قبول نہ کی تو بیع فاسد ہے اور اگر مشتری نے ضمانت یا رہن سے گریز کی تو بائع بیع کو فسخ کرسکتا ہے۔ اسی طرح مشتری نے بائع سے ضامن طلب کیا کہ میں اس شرط سے خریدتا ہوں کہ فلاں شخص ضامن ہو جائے کہ مبیع پر قبضہ دلا دے یا مبیع میں کسی کا حق نکلے گا تو ثمن واپس ملے گا یہ شرط بھی جائز ہے۔ اور اگر وہ شرط نہ اس قسم کی ہو نہ اُس قسم کی مگر شرع نے اُس کو جائز رکھا ہے جیسے خیار شرط یا وہ شرط ایسی ہے جس پر مسلمانوں کا عام طور پر عمل درآمد ہے جیسے آج کل گھڑیوں میں گارنٹی سال دو سال کی ہوا کرتی ہے کہ اس مدت میں خراب ہوگی تو درستی کا ذمہ دار بائع ہے ایسی شرط بھی جائز ہے۔ اور یہ بھی نہ ہو یعنی شریعت میں بھی اُس کا جواز نہیں وارد ہوا اور مسلمانوں کا تعامل بھی نہ ہو وہ شرط فاسد ہے اور بیع کو بھی فاسد کر دیتی ہے مثلاً کپڑا خریدا اور یہ شرط کرلی کہ بائع اس کو قطع کر کے سی دے گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

عقد کا تقاضہ تصرف میں آزادی واختیار ہونے کا بیان

إِذَا ثَبَتَ هَذَا فَنَقُولُ :إنَّ هَذِهِ الشُّرُوطَ لَا يَقْتَضِيهَا الْعَقْدُ ؛لِأَنَّ قَضِيَّتَهُ الْإِطْلَاقُ فِي التَّصَرُّفِ وَالتَّخْيِيرُ لَا الْإِلْزَامُ حَتْمًا، وَالشَّرْطُ يَقْتَضِي ذَلِكَ وَفِيهِ مَنْفَعَةٌ لِلْمَعْقُودِ عَلَيْهِ، وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ وَإِنْ كَانَ يُخَالِفُنَا فِي الْعِتْقِ وَيَقِيسُهُ عَلَى بَيْعِ الْعَبْدِ نَسَمَةً فَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَاهُ، وَتَفْسِيرُ الْمَبِيعِ نَسَمَةً أَنْ يُبَاعَ مِمَّنْ يَعْلَمُ أَنَّهُ يُعْتِقُهُ لَا أَنْ يَشْتَرِطَ فِيهِ، فَلَوْ أَعْتَقَهُ الْمُشْتَرِي بَعْدَمَا اشْتَرَاهُ بِشَرْطِ الْعِتْقِ صَحَّ الْبَيْعُ حَتَّى يَجِبَ عَلَيْهِ الثَّمَنُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا :يَبْقَى فَاسِدًا حَتَّى يَجِبَ عَلَيْهِ الْقِيمَةُ ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ قَدْ وَقَعَ فَاسِدًا فَلَا يَنْقَلِبُ جَائِزًا كَمَا إذَا تَلِفَ بِوَجْهٍ آخَرَ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ شَرْطَ الْعِتْقِ مِنْ حَيْثُ ذَاتِهِ لَا يُلَائِمُ الْعَقْدَ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ، وَلَكِنْ مِنْ حَيْثُ حُكْمِهِ يُلَائِمُهُ ؛ لِأَنَّهُ مِنْهُ لِلْمِلْكِ وَالشَّيْءُ بِانْتِهَائِهِ يَتَقَرَّرُ، وَلِهَذَا لَا يَمْنَعُ الْعِتْقُ الرُّجُوعَ بِنُقْصَانِ الْعَيْبِ، فَإِذَا تَلِفَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ لَمْ تَتَحَقَّقْ الْمُلَاءَمَةُ فَيَتَقَرَّرُ الْفَسَادُ، وَإِذَا وُجِدَ الْعِتْقُ تَحَقَّقَتْ الْمُلَاءَمَةُ فَيَرْجَحُ جَانِبُ الْجَوَازِ فَكَانَ الْحَالُ قَبْلَ ذَلِكَ مَوْقُوفًا .

ترجمہ

اور جب شرط کے بارے میں یہ اصول ثابت ہو چکا ہے تو ہم نے کہا کہ یہ تمام شرائط تقاضہ عقد کے خلاف ہیں۔ کیونکہ عقد تصرف میں آزادی اور اختیار کا تقاضہ کرنے والا ہے نہ کہ التزام کو لازم کرنے والا ہے۔ جبکہ شرط اسی لزوم کا تقاضہ کرنے والی ہے اور اس میں معقود علیہ کا نفع بھی ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ اگر چہ شرط عتق میں ہمارے خلاف ہیں اور غلام کی بیع نسمہ پر اس کو قیاس کرنے والے ہیں مگر انہی کے خلاف وہ حدیث دلیل ہے جس کو ہم نے بیان کر دیا ہے اور بیع نسمہ کا مطلب یہ ہے کہ عتق کو عقد میں مشروع کیے بغیر ایسے آدمی کو غلام بیچا جس کے بارے میں پتہ ہو کہ وہ اس کو آزاد کرے گا۔ اس کے بعد جب آزادی کی شرط سے خریدنے کے بعد مشتری نے اس کو آزاد کر دیا ہے تو بیع درست ہو جائے گی اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس پر ثمن واجب ہو جائے گی۔

صاحبین نے کہا کہ بیع باقی رہے گی حتیٰ کہ مشتری پر قیمت واجب ہو جائے گی کیونکہ بیع فاسدہ بھی واقع ہونے والی ہے پس وہ جواز میں تبدیل نہ ہوگی۔ جس طرح اس صورت میں ہے کہ جب غلام کسی دوسرے سبب کے پیش نظر ہلاک ہو گیا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ آزادی کی شرط اپنی ذات کے اعتبار سے عقد کے مطابق نہیں ہے جس طرح ہم نے ذکر کردیا ہے جبکہ بطور حکم وہ عقد کے مطابق ہے کیونکہ وہ ملکیت کو پورا کرنے والی ہے کیونکہ کوئی بھی چیز مکمل اور انجام کو پہنچ جانے کے بعد پکی ہو جاتی ہے اسی دلیل کے سبب آزادی سے رجوع نقصان عیب کے ساتھ مانع نہ ہوگا۔ اور اگر غلام کسی دوسرے سبب سے ہلاک ہوا ہے تو مناسبت ثابت نہ ہوئی پس فساد مستحکم ہونے والا ہے اور جب آزادی پائی گئی تو مناسبت بھی ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ جواز کی جانب راجع ہو چکی ہے پس عقد کی حالت اس سے پہلے پر موقوف رہے گی۔

استحکام فساد کے سبب فساد بیع کا بیان

علامہ علاؤالدین کاسانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر بائع نے کہا میں نے غلام اس کی قیمت کے عوض بیچا تو بیع فاسد ہے کیونکہ مختلف قیمت لگانے والوں کے اعتبار سے اس غلام کی قیمت مختلف ہوگی تو اس طرح ثمن مجہول ہوگا اس طرح اگر غلام بیچا اس چیز کے بدلے میں جس کا فیصلہ مشتری یا فلاں شخص کرے گا تو بھی بیع فاسد ہوگی کیونکہ معلوم نہیں فلاں شخص کیا فیصلہ کریگا اور جہالت ثمن صحت بیع سے مانع ہے پھر جب مشتری کو ثمن کا علم ہوا اور وہ اس پر رضامند ہو گیا تو بیع جائز ہو جائے گی کیونکہ جہالت مجلس کے اندر ہی زائل ہوگئی تو یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے گویا کہ عقد کے وقت معلوم تھا اور اگر ثمن کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ بائع اور مشتری متفرق ہوگئے تو فساد مستحکم ہوگیا۔ اور اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی ہے کہ اگر حالت عقد میں تمام ثمن اس طرح مجہول ہوں کہ جہالت جھگڑے تک پہنچائے تو یہ فساد عقد کا موجب بنے گی اور ہمارے نزدیک جب مجلس کے اندر جہالت رفع ہو جائے تو عقد جواز کی طرف پلٹ آتا ہے کیونکہ مجلس اگرچہ طویل ہو اس کا حکم ساعت عقد والا ہی ہوتا ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی ہے کہ جب کسی نے لکھی ہوئی قیمت کے بدلے میں کپڑا خریدا اور مشتری کو اس لکھی ہوئی قیمت کا علم نہیں ہے حتی کہ بیع فاسد ہوئی پھر اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا اگرچہ تو یہ علم افتراق سے قبل ہوا اور اس نے بیع کو اختیار کرلیا تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوگئی اور اگر افتراق کے بعد اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا تو بالاتفاق بیع جائز نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع، کتاب بیوع)

تقاضہ عقد نہ ہونے کی علت کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مشتری اس درخت کو فی الحال کاٹے یعنی جب بائع اپنی ملکیت کی فراغت کا مطالبہ کرے، اور اگر اس کو زمین میں چھوڑے رکھنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگئی جیسا کہ کاٹنے کی ذمہ داری بائع پر عائد کرنے کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، حاوی، بحر۔ میں فساد کی علت یوں بیان فرمائی کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا تقاضا عقد نہیں کرتا اور وہ شرط ملک غیر کو مشغول رکھنے کی ہے۔

بیع باطل کے قبیلہ سے ہے اس چیز کی بیع جا بائع کی ملک میں نہ ہو کیونکہ معدوم چیز اور وہ چیز جس کے عدم کا خطرہ ہو اس کی بیع باطل ہے مگر بطور سلم ان کی بیع باطل نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس

نہ ہوا اور بیع سلم میں رخصت دی۔اس سے مراد اس چیز کی بیع ہے جو عنقریب اس کی ملک میں آئے گی اس کی ملک میں ہونے سے قبل۔پس شیشیاں کہ زید نے خریدیں زید ہی کی ملک تھیں جتنی ٹوٹیں اس کی عمرو سے کچھ علاقہ نہیں۔(درمختار، کتاب بیوع)

شرط پر خریدی گئی باندی سے عدم وطی کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے آدمی کو اس لونڈی سے وطی کرنا درست ہے جس پر سب طرح کا اختیار ہو اگر چاہے اس کو بیچ ڈالے چاہے ہبہ کر دے چاہے رکھ چھوڑے جو چاہے سو کر سکے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص کسی لونڈی کو اس شرط پر خریدے کہ اس کو بیچوں گا نہیں یا ہبہ نہ کروں گا یا اس کی مثل اور کوئی شرط لگا دی تو اس لونڈی سے وطی کرنا درست نہیں کیونکہ جب اس کو اس لونڈی کے بیچنے یا ہبہ کرنے کا اختیار نہیں ہے تو اس کی ملک پوری نہیں ہوئی اور جو لوازم تھے اس کی ملک کے وہ غیر کے اختیار میں رہے اور اس طرح کی بیع مکروہ ہے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1197)

ایک ماہ کی مدت تک خدمت پر غلام بیچنے کا بیان

قَالَ (وَكَذَلِكَ لَوْ بَاعَ عَبْدًا عَلَى أَنْ يَسْتَخْدِمَهُ الْبَائِعُ شَهْرًا أَوْ دَارًا عَلَى أَنْ يَسْكُنَهَا أَوْ عَلَى أَنْ يُقْرِضَهُ الْمُشْتَرِي دِرْهَمًا أَوْ عَلَى أَنْ يُهْدِيَ لَهُ هَدِيَّةً) ؛ لِأَنَّهُ شَرْطٌ لَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ وَفِيهِ مَنْفَعَةٌ لِأَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ ؛ وَلِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعٍ وَسَلَفٍ ، وَلِأَنَّهُ لَوْ كَانَ الْخِدْمَةُ وَالسُّكْنَى يُقَابِلُهُمَا شَيْءٌ مِنْ الثَّمَنِ يَكُونُ إجَارَةً فِي بَيْعٍ، وَلَوْ كَانَ لَا يُقَابِلُهُمَا يَكُونُ إعَارَةً فِي بَيْعٍ .(وَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ صَفْقَتَيْنِ فِي صَفْقَةٍ)

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ عَيْنًا عَلَى أَنْ لَا يُسَلِّمَهُ إلَى رَأْسِ الشَّهْرِ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ) ؛ لِأَنَّ الْأَجَلَ فِي الْمَبِيعِ الْعَيْنِ بَاطِلٌ فَيَكُونُ شَرْطًا فَاسِدًا، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْأَجَلَ شُرِعَ تَرْفِيهًا فَيَلِيقُ بِالدُّيُونِ دُونَ الْأَعْيَانِ.

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے اس شرط پر غلام کو فروخت کیا کہ وہ ایک ماہ تک بائع کی خدمت کرے گا یا اس نے کسی گھر کو اس شرط پر بیچا کہ ایک ماہ تک اس میں رہائش رکھے گا یا اس شرط پر کسی چیز کو بیچا کہ مشتری اس کو ایک درہم قرض دے گا یا مشتری اس کو کچھ ہدیہ دے گا تو ان تمام احوال میں یہ بیع فاسد ہے کیونکہ یہ شرائط تقاضہ عقد کے خلاف ہیں۔اور ان میں ایک میں عقد کرنے والوں کا

فائدہ بھی ہے اور وہ اس لئے منع ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیع اور قرض سے منع کیا ہے۔ ہاں البتہ جب خدمت اور رہائش میں کچھ قیمت ہو تو یہ بیع اجارہ میں تبدیل ہو جائے گی اور جب ان کے مقابلے میں کوئی ثمن نہ ہو تو یہ بیع اعارہ ہو جائے گی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عقد کو دو عقدوں میں جمع کرنے سے منع کیا ہے۔

اور جب کسی شخص نے کسی چیز کا عین اس شرط پر بیچا کہ چاندرات وہ مبیع کو مشتری کے حوالے نہ کرے گا تو بیع فاسد ہے کیونکہ مبیع عین میں مدت باطل ہے پس یہ شرط فاسد ہوگی اور یہ اس دلیل کے سبب سے ہے کہ مدت کو آسانی کیلئے مشروع کیا گیا ہے پس وہ دیون کے مناسب ہوگی اعیان کے مناسب نہ ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی نے غلام بیچا اور یہ شرط کی کہ وہ غلام بائع کی ایک مہینہ خدمت کریگا یا مکان بیچا اور شرط کی کہ بائع ایک ماہ تک اُس میں سکونت رکھے گا یا یہ شرط کی کہ مشتری اتنا روپیہ مجھے قرض دے یا فلاں چیز ہدیہ کرے یا معین چیز کو بیچا اور شرط کی کہ ایک ماہ تک مبیع پر قبضہ نہ دے گا ان سب صورتوں میں بیع فاسد ہے۔

بیع میں ثمن کا ذکر نہ ہوا یعنی یہ کہا کہ جو بازار میں اس کا نرخ ہے دیدینا یہ بیع فاسد ہے اور اگر یہ کہا کہ ثمن کچھ نہیں تو بیع باطل ہے کہ بغیر ثمن بیع نہیں ہوسکتی۔ (درمختار، کتاب بیوع)

باندی کا حمل ترک کرتے ہوئے صرف باندی کی بیع کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً إلَّا حَمْلَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ) وَالْأَصْلُ أَنَّ مَا لَا يَصِحُّ إفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ لَا يَصِحُّ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنْ الْعَقْدِ، وَالْحَمْلُ مِنْ هَذَا الْقَبِيلِ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ أَطْرَافِ الْحَيَوَانِ لِاتِّصَالِهِ بِهِ خِلْقَةً وَبَيْعُ الْأَصْلِ يَتَنَاوَلُهُمَا فَالِاسْتِثْنَاءُ يَكُونُ عَلَى خِلَافِ الْمُوجِبِ فَلَا يَصِحُّ فَيَصِيرُ شَرْطًا فَاسِدًا، وَالْبَيْعُ يَبْطُلُ بِهِ وَالْكِتَابَةُ وَالْإِجَارَةُ وَالرَّهْنُ بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّهَا تُبْطِلُ الشُّرُوطَ الْفَاسِدَةَ، غَيْرَ أَنَّ الْمُفْسِدَ فِي الْكِتَابَةِ مَا يَتَمَكَّنُ فِي صُلْبِ الْعَقْدِ مِنْهَا، وَالْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ وَالنِّكَاحُ وَالْخُلْعُ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ لَا تَبْطُلُ بِاسْتِثْنَاءِ الْحَمْلِ، بَلْ يَبْطُلُ الِاسْتِثْنَاءُ ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْعُقُودَ لَا تُبْطِلُ الشُّرُوطَ الْفَاسِدَةَ، وَكَذَا الْوَصِيَّةُ لَا تَبْطُلُ بِهِ، لَكِنْ يَصِحُّ الِاسْتِثْنَاءُ حَتَّى يَكُونَ الْحَمْلُ مِيرَاثًا وَالْجَارِيَةُ وَصِيَّةً ؛ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ أُخْتُ الْمِيرَاثِ وَالْمِيرَاثُ يَجْرِي فِيمَا فِي الْبَطْنِ، بِخِلَافِ مَا إذَا اسْتَثْنَى خِدْمَتَهَا ؛ لِأَنَّ الْمِيرَاثَ لَا يَجْرِي فِيهَا .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے باندی کے حمل کو ترک کرتے ہوئے صرف باندی کو خریدا تو یہ بیع فاسد ہے اور اس کی دلیل یہ قاعدہ فقہیہ ہے کہ جس چیز کا اکیلے عقد درست نہیں ہے اس عقد سے استثناء بھی درست نہیں ہے اور حمل اسی حکم سے ہے۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ حمل پیدائشی طور پر مادہ کے اتصال کے سبب حیوان کے اعضاء کے حکم میں ہے۔ اور اصل کی بیع اطراف کی بیع کو شامل ہوتی ہے۔ پس یہ استثناء عقد کے موجب کے خلاف ہے اور درست نہ ہوگا اور اسی طرح یہ استثناء شرط فاسد بن جائے گا اور شرط فاسد سے بیع باطل ہو جاتی ہے۔

اور اسی طرح کتابت، اجارہ اور رہن بھی بیع کے حکم میں ہیں کیونکہ یہ اشیاء بھی شرائط فاسدہ کے سبب باطل ہو جاتی ہیں جبکہ کتابت کیلئے مفسد کا صلب عقد میں موجود ہونا لازم ہے۔

اور ہبہ، صدقہ، نکاح، خلع اور قتل عمد سے صلح کرنے میں یہ چیزیں حمل کا استثناء کرنے سے باطل نہ ہوں گی بلکہ استثناء خود باطل ہونے والا ہے۔ کیونکہ یہ عقود شرائط فاسدہ کے سبب باطل ہونے والے نہیں ہیں۔ اور وصیت بھی استثناء حمل سے باطل نہ ہوگی جبکہ استثناء درست ہو جائے گا اور میراث حمل میں بھی جاری ہو جائے گی۔ اور باندی وصیت میں ہو جائے گی کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے اور جو کچھ پیٹ میں ہے اس میں میراث جاری ہو جائے گی بہ خلاف اس صورت کے کہ جب باندی کی خدمت کا استثناء کیا ہے کیونکہ خدمت میں میراث جاری نہ ہوگی۔

شرح

کسی شخص نے لونڈی خریدی مگر اس کا حمل نہ خریدا تو بیع فاسد ہے کیونکہ حمل حیوان کے اعضاء کی مثل ہے اس لئے کہ حمل خلقی طور پر حیوان کے ساتھ متصل ہے اور اصل کی بیع اس کو شامل ہے، تو یہ استثناء موجب کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرط فاسد ہوا اور بیع شرط فاسد کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے۔ ہبہ، صدقہ اور نکاح باطل نہیں ہوتے بلکہ استثناء باطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وصیت باطل نہیں ہوتی لیکن اس میں استثناء صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث اس میں جاری ہو جاتی ہے جو پیٹ میں ہے۔

استثناء کا عقد میں جواز و عدم جواز کا بیان

کسی شخص نے لونڈی خریدی مگر اس کا حمل نہ خریدا تو بیع فاسد ہے کیونکہ حمل حیوان کے اعضاء کی مثل ہے اس لئے کہ حمل خلقی طور پر حیوان کے ساتھ متصل ہے اور اصل کی بیع اس کو شامل ہے، تو یہ استثناء موجب کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرط فاسد ہوا اور بیع شرط فاسد کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے۔ ہبہ، صدقہ اور نکاح باطل نہیں ہوتے بلکہ استثناء باطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وصیت باطل نہیں ہوتی لیکن اس میں استثناء صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث اس میں جاری ہو جاتی ہے جو پیٹ میں ہے

کیونکہ استثناء کے بعد باقی مجہول ہے۔ مصنف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت امام حسن کی ہے اور وہی طحاوی کا قول ہے۔ لیکن ظاہر الروایۃ پر اس کو جائز ہونا چاہئے اس لئے کہ ضابطہ یہ ہے جس شی ء پر بطور انفراد عقد کا وارد ہونا جائز ہو عقد سے اس کا استثناء بھی جائز ہوتا ہے۔ ڈھیر میں سے ایک بوری کی بیع جائز ہے تو اسی طرح اس کا استثناء بھی جائز ہوگا بخلاف حمل اور جانور کے اجزاء کے، کیونکہ ان کی بیع جائز نہیں، اسی طرح ان کا استثناء بھی جائز نہیں۔

غیر معلوم چیز کے استثناء کی ممانعت کا بیان

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع، محاقلہ مذابنہ مخابرہ اور غیر معلوم چیز کے استثناء سے منع فرمایا۔ یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے یعنی یونس بن عبید، عطاء سے اور وہ جابر سے روایت کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1310)

فساد کے صلب عقد میں ہونے کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اس لئے کہ شرط کا معدوم ہونا عقد کو باطل کر دیتا ہے ایسا نہیں کہ وہ عقد صفت فساد کے ساتھ منعقد ہوا کہ مجلس میں اس کی اصلاح ممکن ہو۔

اس پر اعتراض کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بغیر گواہوں کے نکاح کرے پھر نکاح کے بعد اس پر گواہ قائم کر دے تو وہ نکاح جواز کی طرف نہیں پلٹے گا حالانکہ اس صورت میں فساد صلب عقد میں نہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں فلاں عدم شرط کی وجہ سے آیا ہے جو قوی ہے جیسا کہ صلب عقد میں فساد ہو تو قوی ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا طہارت نماز پڑھ لے پھر بعد میں طہارت کر لے تو اس کی نماز جواز کی طرف نہیں پلٹے گی۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب بیوع، بیروت)

سلوانے کی شرط پر کپڑا خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى ثَوْبًا عَلَى أَنْ يَقْطَعَهُ الْبَائِعُ وَيَخِيطَهُ قَمِيصًا أَوْ قَبَاءً فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ) ؛ لِأَنَّهُ شَرْطٌ لَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ وَفِيهِ مَنْفَعَةٌ لِأَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ ؛ وَلِأَنَّهُ يَصِيرُ صَفْقَةً فِي صَفْقَةٍ عَلَى مَا مَرَّ (وَمَنْ اشْتَرَى نَعْلًا عَلَى أَنْ يَحْذُوَهَا الْبَائِعُ قَالَ أَوْ يُشَرِّكَهَا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :مَا ذَكَرَهُ جَوَابُ الْقِيَاسِ، وَوَجْهُهُ مَا بَيَّنَّا، وَفِي الِاسْتِحْسَانِ : يَجُوزُ لِلتَّعَامُلِ فِيهِ فَصَارَ كَصَبْغِ الثَّوْبِ، وَلِلتَّعَامُلِ جَوَّزْنَا الِاسْتِصْنَاعَ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے اس شرط پر کپڑے کو خریدا کہ بائع اس کو سلوا کر یا قمیص بنوا کر دے گا یا جبہ بنوا دے گا تو بیع فاسد

ہے کیونکہ یہ شرط تقاضہ عقد کے خلاف ہے اگر چہ اس میں عاقدین میں سے ایک فائدہ بھی ہے اور اسکے منع ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ یہ ایک عقد میں ایک دوسرا عقد ہے جس طرح کہ پہلے اس کا بیان گزر گیا ہے۔

اور جب کسی شخص نے اس شرط پر چمڑے کو خریدا کہ بائع اس کا جوتا بنوا کر دے گا یا وہ اس میں تسمیہ لگوادے گا تو یہ بیع فاسد ہے مصنف علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ متن میں ذکر کردہ حکم قیاسی ہے اور اس کی دلیل وہی ہے جس کو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں مگر لوگوں کے تعامل کے سبب بطور استحسان یہ صورت جائز ہے پس یہ کپڑے کو رنگ دینے کے مشابہ ہو جائے گا اور تعامل کی دلیل وہی ہے جس کو ہم استصناع میں جائز قرار دے آئے ہیں۔

تقاضہ عقد کے خلاف فساد بیع پر اجماع ائمہ اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب کسی شخص نے اس شرط پر کپڑے کو خریدا کہ بائع اس کو سلوا کر یا قمیص بنوا کر دے گا یا جبہ بنوادے گا تو بیع فاسد ہے کیونکہ یہ شرط تقاضہ عقد کے خلاف ہے۔ اور اس بیع کے فاسد ہونے پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۱۲۸، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مبیع میں اگر نقصان پیدا ہو گیا اور یہ نقصان مشتری کے فعل سے ہوا یا خود مبیع کے فعل سے ہوا یا آفت سماویہ سے ہوا بائع مشتری سے مبیع کو واپس لے گا اور اس نقصان کا معاوضہ بھی لے گا مثلاً کپڑے کو مشتری نے قطع کرالیا ہے مگر ابھی سلوایا نہیں تو بائع مشتری سے وہ کپڑا لے گا اور قطع ہو جانے سے جو قیمت میں کمی ہوگئی وہ لے گا اور اگر وہ نقصان دفع ہو گیا تو جو کچھ اس کا معاوضہ لے چکا ہے بائع واپس کرے مثلاً کنیز تھی اُس کی آنکھ خراب ہوگئی جس کا نقصان لیا پھر اچھی ہوگئی تو واپس کر دے یا لونڈی کا نکاح کر دیا تھا پھر بیع فسخ ہوگئی اور نکاح کرنے سے جو نقصان ہوا بائع نے مشتری سے وصول کیا پھر اُس کے شوہر نے قبل دخول طلاق دیدی تو یہ معاوضہ واپس کر دے۔

اور اگر مبیع میں نقصان کسی اجنبی شخص کے فعل سے ہوا تو بائع کو اختیار ہے کہ اس کا معاوضہ اُس اجنبی سے لے یا مشتری سے اگر مشتری سے لے گا تو مشتری وہ رقم اُس اجنبی سے وصول کریگا۔ مبیع میں نقصان خود بائع نے کیا تو یہ نقصان پہنچانا ہی واپس کرنا ہے یعنی فرض کرو اگر وہ مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہوگئی اور مشتری نے اُس کو بائع سے روکا نہ ہو تو بائع کی ہلاک ہوئی مشتری اُس کا تاوان نہیں دے گا اور ثمن دے چکا ہے تو واپس لے گا اور اگر مشتری کی طرف سے مبیع کی واپسی میں رُکاوٹ ہوئی اس کے بعد ہلاک ہوئی تو دو صورتیں ہیں: یہ ہلاک ہونا اُسی نقصان پہنچانے سے ہوا یعنی یہاں تک اُس کا اثر ہوا کہ ہلاک ہوگئی جب بھی بائع کی ہلاک ہوئی مشتری پر تاوان نہیں اور اگر اُس کے اثر سے نہ ہو تو مشتری کو تاوان دینا ہوگا مگر وہ نقصان جو بائع نے کیا ہے اُس کا معاوضہ اُس میں سے کم کر دیا جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

نیروز و مہرجان کے عہد پر بیع کرنے کا بیان

قَالَ (وَالْبَيْعُ إلَى النَّيْرُوزِ وَالْمِهْرَجَانِ وَصَوْمِ النَّصَارَى وَفِطْرِ الْيَهُودِ إذَا لَمْ يَعْرِفْ

الْمُتَبَایِعَانِ ذٰلِکَ فَاسِدٌ لِجَهَالَةِ الْأَجَلِ) وَهِیَ مُفْضِیَةٌ إِلَی الْمُنَازَعَةِ فِی الْبَیْعِ لِابْتِنَائِهَا عَلَی الْمُمَاکَسَةِ إِلَّا إِذَا کَانَا یَعْرِفَانِهِ لِکَوْنِهِ مَعْلُومًا عِنْدَهُمَا، أَوْ کَانَ التَّأْجِیلُ إِلَی فِطْرِ النَّصَارَی بَعْدَمَا شَرَعُوا فِی صَوْمِهِمْ ؛ لِأَنَّ مُدَّةَ صَوْمِهِمْ مَعْلُومَةٌ بِالْأَیَّامِ فَلَا جَهَالَةَ فِیهِ .

ترجمہ

فرمایا: نیروز، مہرجان، صوم نصاریٰ اور عید یہود کے وعدے پر بیع کرنا فاسد ہے جبکہ عقد کرنے والوں کو ان کی مدت معلوم نہ ہو لہٰذا یہ فساد جہالت کے سبب ہوگا۔ اور یہ جہالت نزاع کی طرف لے جانے والی ہے کیونکہ یہ ٹال مٹول کرنے پر مبنی ہے ہاں البتہ جب عقد کرنے والوں کو مدت معلوم ہو کیونکہ اب میعاد کا علم ہوگا یا پھر نصاریٰ کا روزہ شروع ہونے کے بعد ان کی عید کی میعاد ہوگی۔ کیونکہ ایام ہی ذریعے ان کے روزوں کی مدت معلوم ہوتی ہے پس یہ صورت جہالت سے بری ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیع میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ادائے ثمن کے لیے کوئی مدت مقرر ہوتی ہے اور کبھی نہیں اگر مدت مقرر نہ ہو تو ثمن کا مطالبہ بائع جب چاہے کرے اور جب تک مشتری ثمن نہ ادا کرے مبیع کو روک سکتا ہے اور دعویٰ کر کے وصول کرسکتا ہے اور اگر مدت مقرر ہے تو قبل مدت مطالبہ نہیں کر سکتا مگر مدت ایسی مقرر ہو جس میں جہالت نہ رہے کہ جھگڑا ہو اگر مدت ایسی مقرر کی جو فریقین نہ جانتے ہوں یا ایک کو اُس کا علم نہ ہو تو بیع فاسد ہے مثلاً نوروز اور مہرگان یا ہولی، دیوالی کہ اکثر مسلمان یہ نہیں جانتے کہ کب ہوگی اور جانتے ہوں تو بیع ہو جائے گی (مگر مسلمانوں کو اپنے کاموں میں کفار کے تہواروں کی تاریخ مقرر کرنا بہت قبیح ہے) حجاج کی آمد کا دن مقرر کرنا کھیت کٹنے اور پیَر میں سے غلہ اُٹھنے کی تاریخ مقرر کرنا بیع کو فاسد کردے گا کہ یہ چیزیں آگے پیچھے ہوا کرتی ہیں اگر ادائے ثمن کے لیے یہ اوقات مقرر کیے تھے مگر ان اقات کے آنے سے پہلے مشتری نے یہ میعاد ساقط کردی تو بیع صحیح ہو جائے گی جب کہ دونوں میں سے کسی نے اب تک بیع کو فسخ نہ کیا ہو۔ (درمختار، کتاب بیوع)

کفار کے تہواروں کے موقع پر خرید وفروخت کرنے کا بیان

ان تہواروں کے روز دوکانیں اور سپر مارکیٹ کھولنے کا حکم جو غیر مسلموں کے تہوار ہیں مثلا : کرسمس، اور یہود ونصاری یا بدھ مت یا دوسرے ہندو تہوار تو اس میں بھی دوکانیں کھولنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ان کے لیے کوئی ایسی چیز فروخت نہ کرے جس سے وہ اپنی اس معاصی اور نافرمانی والے کاموں میں معاونت حاصل کرسکیں، مثلا جھنڈیاں اور تصاویر اور تہنیتی کارڈ اور فانوس، اور پھول، اور رنگ برنگے انڈے، اور ہر وہ چیز جو اپنا تہوار منانے میں استعمال کرتے ہیں۔

اور اسی طرح وہ مسلمانوں کے لیے کوئی ایسی چیز فروخت نہ کرے جس کے استعمال سے وہ ان تہواروں میں کفار کے ساتھ مشابہت میں ممد ومعاون ہوں۔

اس میں اصل اور دلیل یہ ہے کہ مسلمان شخص کو معصیت و نافرمانی کرنے اور اس کی معاونت کرنے کی بھی ممانعت ہے؛ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے۔

اور نیکی و بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے رہو اور تم گناہ و ظلم و زیادتی میں ایک دوسرے کا تعاون مت کرو، اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو اس کا تقوی اختیار کرو یقیناً اللہ تعالی شدید سزا دینے والا ہے۔ (المائدۃ.(2)

اور وہ کسی بھی مسلمان شخص کے لیے کوئی ایسی چیز فروخت نہ کرے جو مسلمان ان کے تہوار میں ان کی مشابہت اختیار کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہے، چاہے وہ کھانا ہو یا لباس وغیرہ؛ کیونکہ اس میں برائی اور منکر میں معاونت ہوتی ہے۔

(اقتضاء الصراط المستقیم(2 /.(520)

اور وہ کہتے ہیں ":اور مسلمانوں کا انہیں (یعنی کفار کو) ان کے تہواروں کے موقع پر وہ اشیاء فروخت کرنا جس سے وہ اپنے تہواروں میں مدد و معاونت لیتے ہوں چاہے وہ کھانا ہو یا لباس یا خوشبو اور پھول وغیرہ، یا انہیں یہ اشیاء بطور ہدیہ دینا، یہ سب کچھ انہیں حرام تہوار منانے میں ایک قسم کی معاونت میں شمار ہوتا ہے"

اور ابن حبیب مالکی رحمہ اللہ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ": کیا آپ دیکھتے نہیں کہ مسلمانوں کے لیے حلال نہیں کہ وہ نصاری کو کوئی بھی ایسی چیز فروخت کریں جو انہیں ان کے تہوار منانے میں مدد و معاون ہو، نہ تو گوشت، اور نہ ہی سالن، اور نہ ہی لباس، اور نہ ہی انہیں کوئی سواری عاریتا دی جائیگی، اور نہ ہی ان کے تہوار میں ان کی کسی بھی قسم کی مدد و معاونت کی جائیگی؛ کیونکہ یہ سب کچھ ان کے شرک کی تعظیم میں شامل ہوتا ہے، اور ان کے کفر پر ان کی معاونت ہے، مسلمان حکمرانوں کی ایسے کام کرنے سے روکنا چاہیے . امام مالک وغیرہ کا بھی یہی قول ہے، اس میں مجھے کسی بھی اختلاف کا علم نہیں"

(اقتضاء الصراط المستقیم(2 / 526) الفتاوی الکبری(2 /.489) احکام اھل الذمۃ(3 /.(1250)

اور اگر تو وہ اشیاء جو یہ لوگ خریدتے ہیں ان سے حرام کام کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلا صلیب، یا شعانین (عیسائیوں کا تہوار) یا معمودیۃ (انجیل کے کلمات پڑھ کر بچے پر پانی کے چھینٹے مار کر عسائی بنانا) یا دھونی کے لیے خوشبو، یا غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا، یا تصاویر وغیرہ، تو بلاشک وشبہ یہ حرام ہیں، مثلا انہیں شراب بنانے کے لیے جوس فروخت کرنا، یا ان کے لیے گرجا اور چرچ تعمیر کرنا.

اور رہا ان اشیاء کا مسئلہ جن سے وہ اپنے ان تہواروں میں کھانے پینے اور لباس میں معاونت حاصل کرتے ہوں، تو احمد وغیرہ کی اصول تو اس کی کراہت پر دلالت کرتی ہیں، لیکن یہ کراہت تحریمی ہے، جیسا کہ امام مالک کا مسلک ہے، یا کہ کراہت تنزیہی؟

زیادہ شبہ تو یہی ہے کہ اس کے ہاں اس طرح کی دوسری اشیاء کی طرح یہ بھی کراہت تحریمی ہے، کیونکہ فساق اور شرابی قسم کے افراد کے لیے روٹی اور گوشت وغیرہ فروخت کرنی جائز نہیں جو اس کے ساتھ شراب نوش کرینگے، اور اس لیے بھی کہ یہ اعانت باطل دین کے اظہار کی متقاضی ہے، اور ان کے تہواروں اور اسے ظاہر کرنے میں لوگوں کا زیادہ جمع ہونا ہے، جو کہ کسی ایک معین شخص کی معاونت سے بھی بڑھ کر ہے۔ (الاقتضاء الصراط المستقیم(2 /.(552)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ سے درج ذیل مسئلہ دریافت کیا گیا جس کافر کے متعلق علم ہو کہ وہ خوشبو اپنے بت کو لگاتا ہے اسے کستوری فروخت کرنے، اور جس کافر کے متعلق یہ علم ہو کہ وہ اسے ذبح کیے بغیر کھائیگا جانور فروخت کرنے کا حکم کیا ہے؟

ان کا جواب تھا ": دونوں صورتوں میں ہی اسے فروخت کرنا حرام ہے، جیسا کہ ان (یعنی علماء) کے قول میں یہ بات شامل ہے کہ : جس کے متعلق بھی فروخت کرنے والے کو یہ علم ہو جائے کہ خریدار اس چیز کے ساتھ نافرمانی کا ارتکاب کریگا وہ چیز اسے فروخت کرنی حرام ہے، اور بت کو خوشبو لگانا اور ذبح کیے بغیر اس جانور کا قتل کرنا جسے ذبح کیا جاتا ہو یہ دونوں ہی نافرمانیاں اور عظیم معصیت ہیں، چاہے ان کی طرف بھی نسبت ہو، کیونکہ صحیح بات یہی ہے کہ کفار بھی مسلمانوں کی طرح ہی شریعت اسلامیہ کی فروعات پر عمل پیرا ہونے کے مخاطب ہیں، اس لیے کسی بھی ایسی چیز کو ان کے لیے فروخت کرنا جائز نہیں جو اس عظیم معصیت و نافرمانی میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہو، اور یہاں علم ظن غالب ہے۔ (الفتاوی الفقهية الكبرى (2 / (270)

حاصل یہ ہوا کہ : کفار کے تہواروں میں مسلمانوں کے لیے اپنی دوکانیں اور سپر مارکیٹ دو شرطوں کے ساتھ کھولنی جائز ہیں:

پہلی شرط: ان کفار کے لیے کوئی بھی وہ چیز فروخت نہ کی جائے جس سے وہ اپنا تہوار منانے میں معاونت حاصل کریں، اور اسے معصیت و نافرمانی میں استعمال کریں۔

دوسری شرط: مسلمانوں کو بھی وہ اشیاء فروخت نہ کی جائیں جو ان تہواروں میں کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے میں مدد و معاون ہوں۔

بلا شک و شبہ اس وقت ان تہواروں کے لیے کچھ مخصوص اور معلوم اشیاء پائی جاتی ہے جو ان تہواروں میں استعمال ہوتی ہیں: مثلا تہنیتی کارڈ، اور تصاویر، اور مجسمے اور صلیب، اور بعض درخت، تو ان اشیاء کی فروخت جائز نہیں، اور اصل میں انہیں اپنی دوکان اور سپر مارکیٹ میں داخل ہی نہیں کرنا چاہیے۔

اور اس کے علاوہ باقی وہ اشیاء جن کا استعمال ان تہواروں میں بھی استعمال ہو سکتا ہے، دوکان والے اور سپر مارکیٹ کے مالک کو اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے، اور وہ جس کی حالت سے علم ہو جائے کہ وہ یہ اشیاء حرام کام میں استعمال کریگا، یا وہ اس تہوار کو منانے میں استعمال کریگا، یا اس کے متعلق اس کا ظن غالب ہو کہ وہ ایسا ہی کریگا مثلا لباس، خوشبو، اور کھانے والی اشیاء تو وہ اسے یہ اشیاء فروخت نہ کرے۔

ہاڑی ساونی کے وعدے پر بیع کرنے کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ الْبَيْعُ إِلَى قُدُومِ الْحَاجِّ) ، وَكَذَلِكَ إِلَى الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَالْقِطَافِ وَالْجِزَازِ ؛ لِأَنَّهَا تَتَقَدَّمُ وَتَتَأَخَّرُ، وَلَوْ كَفَلَ إِلَى هَذِهِ الْأَوْقَاتِ جَازَ ؛ لِأَنَّ الْجَهَالَةَ الْيَسِيرَةَ مُتَحَمَّلَةٌ فِي الْكَفَالَةِ وَهَذِهِ الْجَهَالَةُ يَسِيرَةٌ مُسْتَدْرَكَةٌ لِاخْتِلَافِ الصَّحَابَةِ

رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ فِيهَا وَلِأَنَّهُ مَعْلُومُ الْأَصْلِ ؛ أَلَا يُرَى أَنَّهَا تَحْتَمِلُ الْجَهَالَةَ فِي أَصْلِ الدَّيْنِ بِأَنْ تُكْفَلَ بِمَا ذَابَ عَلَى فُلَانٍ فَفِي الْوَصْفِ أَوْلَى، بِخِلَافِ الْبَيْعِ فَإِنَّهُ لَا يَحْتَمِلُهَا فِي أَصْلِ الثَّمَنِ، فَكَذَا فِي وَصْفِهِ، بِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَ مُطْلَقًا ثُمَّ أَجَّلَ الثَّمَنَ إلَى هَذِهِ الْأَوْقَاتِ حَيْثُ جَازَ ؛ لِأَنَّ هَذَا تَأْجِيلٌ فِي الدَّيْنِ وَهَذِهِ الْجَهَالَةُ فِيهِ مُتَحَمَّلَةٌ بِمَنْزِلَةِ الْكَفَالَةِ، وَلَا كَذَلِكَ اشْتِرَاطُهُ فِي أَصْلِ الْعَقْدِ ؛ لِأَنَّهُ يَبْطُلُ بِالشَّرْطِ الْفَاسِدِ .

ترجمہ

فرمایا: حجاج کی آمد کھیتی کے کاٹنے ،گاہ لینے ،انگور توڑنے ،اوراون وغیرہ کاٹ لینے کے اوقات کے وعدوں پر بیع کرنا جائز نہیں ہے۔کیونکہ ان میں وقت آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے اور اگر اس نے انہی اوقات تک قرض کی کفالت لی ہے تو جائز ہے کیونکہ کفالت میں معمولی جہالت کو برداشت کرلیا جاتا ہے۔اور یہ جہالت بھی معمولی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کے سبب اس کا ازالہ بھی ممکن ہے کیونکہ قرض کی اصل معلوم ہے۔کیا آپ نہیں جانتے کہ کفالت اصل قرض میں جہالت کو برداشت کرنے والی ہے۔اس لئے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کے قرض کا کفیل بن جائے۔پس وصف میں بدرجہ اولیٰ جہالت کو برداشت کرلیا جائے گا۔

البتہ بیع میں برداشت نہیں ہوتی کیونکہ بیع اصل ثمن میں جہالت کو برداشت نہیں کرتی پس وہ وصف ثمن میں برداشت نہ کرے گی۔(قاعدہ فقہیہ) یہ خلاف اس کے کہ جب کسی مطلق طور پر بیچنے کے بعد انہی اوقات تک ثمن کی مدت کو مقرر کردیا تو وہ جائز ہے کیونکہ یہ قرض میں مدت کی مہلت ہے اور کفالت کی طرح قرض میں بھی اس طرح کی جہالت کو برداشت کرلیا جائے گا جبکہ اصل عقد میں مدت کی شرط اس طریقے سے لگانا نہیں ہے کیونکہ عقد شرط فاسد سے باطل ہونے والا ہے۔

شرح

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیع میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ادائے ثمن کے لیے کوئی مدت مقرر ہوتی ہے اور کبھی نہیں اگر مدت مقرر نہ ہو تو ثمن کا مطالبہ بائع جب چاہے کرے اور جب تک مشتری ثمن نہ ادا کرے مبیع کو روک سکتا ہے اور دعویٰ کر کے وصول کرسکتا ہے اور اگر مدت مقرر ہے تو قبل مدت مطالبہ نہیں کرسکتا مگر مدت ایسی مقرر ہو جس میں جہالت نہ رہے کہ جھگڑا ہو اگر مدت ایسی مقرر کی جو فریقین نہ جانتے ہوں یا ایک کو اُس کا علم نہ ہو تو بیع فاسد ہے مثلاً نوروز اور مہرگان یا ہولی دیوالی کہ اکثر مسلمان یہ نہیں جانتے کہ کب ہوگی اور جانتے ہوں تو بیع ہو جائے گی (مگر مسلمانوں کو اپنے کاموں میں کفار کے تہواروں کی تاریخ مقرر کرنا بہت قبیح ہے، حجاج کی آمد کا دن مقرر کرنا کھیت کٹنے اور پیر میں سے غلہ اُٹھنے کی تاریخ مقرر کرنا بیع کو فاسد کردے گا کہ یہ چیزیں آگے پیچھے ہوا کرتی ہیں اگر ادائے ثمن کے لیے یہ اوقات مقرر کیے تھے مگر ان اقات کے آنے سے پہلے مشتری نے یہ میعاد

ساقط کر دی تو بیع صحیح ہو جائے گی جب کہ دونوں میں سے کسی نے اب تک بیع کو فسخ نہ کیا ہو۔

بیع میں ایسے نامعلوم اوقات مذکور نہیں ہوئے، عقد بیع ہو جانے کے بعد ادائے ثمن کے لیے اس قسم کی میعادیں مقرر کیں، یہ مضر نہیں۔ آندھی چلنے بارش ہونے کو ادائے ثمن کا وقت مقرر کیا تو بیع فاسد ہے اور اگر ان چیزوں کو میعاد مقرر کیا پھر اُس میعاد کو ساقط کر دیا تو یہ بیع اب بھی صحیح نہ ہوگی۔ (ردمختار، کتاب بیوع)

مقررہ مدت سے پہلے اسقاط مدت پر رضامند ہونے کا بیان

(وَلَوْ بَاعَ إِلَى هَذِهِ الْآجَالِ ثُمَّ تَرَاضَيَا بِإِسْقَاطِ الْأَجَلِ قَبْلَ أَنْ يَأْخُذَ النَّاسُ فِي الْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ وَقَبْلَ قُدُومِ الْحَاجِّ جَازَ الْبَيْعُ أَيْضًا .

وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يَجُوزُ ؛ لِأَنَّهُ وَقَعَ فَاسِدًا فَلَا يَنْقَلِبُ جَائِزًا وَصَارَ كَإِسْقَاطِ الْأَجَلِ فِي النِّكَاحِ إلَى أَجَلٍ) وَلَنَا أَنَّ الْفَسَادَ لِلْمُنَازَعَةِ وَقَدْ ارْتَفَعَ قَبْلَ تَقَرُّرِهِ وَهَذِهِ الْجَهَالَةُ فِي شَرْطٍ زَائِدٍ لَا فِي صُلْبِ الْعَقْدِ فَيُمْكِنُ إسْقَاطُهُ، بِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَ الدِّرْهَمَ بِالدِّرْهَمَيْنِ ثُمَّ أَسْقَطَا الدِّرْهَمَ الزَّائِدَ ؛ لِأَنَّ الْفَسَادَ فِي صُلْبِ الْعَقْدِ، وَبِخِلَافِ النِّكَاحِ إلَى أَجَلٍ ؛ لِأَنَّهُ مُتْعَةٌ وَهُوَ عَقْدٌ غَيْرُ عَقْدِ النِّكَاحِ، وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ ثُمَّ تَرَاضَيَا خَرَجَ وِفَاقًا ؛ لِأَنَّ مَنْ لَهُ الْأَجَلُ يَسْتَبِدُّ بِإِسْقَاطِهِ ؛ لِأَنَّهُ خَالِصُ حَقِّهِ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے مذکورہ مدتوں (ہاڑی، ساونی) کو میعاد بناتے ہوئے کوئی چیز بیچ دی اس کے بعد لوگوں کے کٹائی کرنے اور اس کو گاہ دینے میں مصروف ہونے سے پہلے اور حجاج کے آمد سے قبل دونوں عقد کرنے والے اسقاط مدت پر راضی ہوئے تو یہ بیع جائز ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ بیع جائز نہیں ہے کیونکہ اس کا وقوع ہی بطور فاسد تھا پس وہ جواز میں تبدیل ہونے والی نہ ہوگی اور یہ نکاح متعہ میں اسقاط مدت کے مشابہ ہو جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ فساد بیع کا سبب نزاع کی وجہ سے تھا جبکہ نزاع اٹھنے سے پہلے ہی ختم ہو چکا ہے جبکہ جہالت ایک زیادہ شرط میں تھی جبکہ وہ نفس عقد میں نہ تھی پس اس کو ساقط کرنا ممکن ہوگا بہ خلاف اس صورت کے کہ جب ایک درہم کو دو دراہم کے بدلے میں فروخت کیا ہے اس کے بعد عقد کرنے والوں نے زائد دراہم کو ساقط کر دیا ہے کیونکہ فساد نفس عقد میں تھا بہ خلاف کسی مدت تک نکاح کرنے کے کیونکہ وہ متعہ ہے اور متعہ عقد نکاح کے سوا دوسرا عقد ہے۔

اور قدوری میں ماتن علیہ الرحمہ کا قول ''پھر وہ دونوں راضی ہوئے'' یہ اتفاقیہ ہے کیونکہ صاحب میعاد اکیلا اس کو ساقط کر سکتا ہے کیونکہ میعاد کا تقرر اسی کا حق ہے۔

شرح

اور بیع میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ادائے ثمن کے لیے کوئی مدت مقرر ہوتی ہے اور کبھی نہیں اگر مدت مقرر نہ ہو تو ثمن کا مطالبہ بائع جب چاہے کرے اور جب تک مشتری ثمن نہ ادا کرے مبیع کو روک سکتا ہے اور دعویٰ کر کے وصول کر سکتا ہے اور اگر مدت مقرر ہے تو قبل مدت مطالبہ نہیں کر سکتا مگر مدت ایسی مقرر ہو جس میں جہالت نہ رہے کہ جھگڑا ہو اگر مدت ایسی مقرر کی جو فریقین نہ جانتے ہوں یا ایک کو اُس کا علم نہ ہو تو بیع فاسد ہے مثلاً نوروز اور مہرگان یا ہولی، دیوالی کہ اکثر مسلمان یہ نہیں جانتے کہ کب ہوگی اور جانتے ہوں تو بیع ہو جائے گی (مگر مسلمانوں کو اپنے کاموں میں کفار کے تہواروں کی تاریخ مقرر کرنا بہت قبیح ہے) حجاج کی آمد کا دن مقرر کرنا کھیت کٹنے اور پیَر میں سے غلہ اُٹھنے کی تاریخ مقرر کرنا بیع کو فاسد کر دے گا کہ یہ چیزیں آگے پیچھے ہوا کرتی ہیں اگر ادائے ثمن کے لیے یہ اوقات مقرر کیے تھے مگر ان اوقات کے آنے سے پہلے مشتری نے یہ میعاد ساقط کر دی تو بیع صحیح ہو جائے گی جب کہ دونوں میں سے کسی نے اب تک بیع کو فسخ نہ کیا ہو۔

بیع فاسد کے حکم کا فقہی بیان

بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ اگر مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کر لیا تو مبیع کا مالک ہو گیا اور جب تک قبضہ نہ کیا ہو مالک نہیں بائع کی اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً ۔ صراحۃً اجازت ہو تو مجلس عقد میں قبضہ کرے یا بعد میں بہر حال مالک ہو جائے گا اور دلالۃً یہ کہ مثلاً مجلس عقد میں مشتری نے بائع کے سامنے قبضہ کیا اور اُس نے منع نہ کیا اور مجلس عقد کے بعد صراحۃً اجازت کی ضرورت ہے، دلالۃً کافی نہیں مگر جبکہ بائع ثمن پر قبضہ کر کے مالک ہو گیا تو اب مجلسِ عقد کے بعد اُس کے سامنے قبضہ کرنا اور اُس کا منع نہ کرنا، اجازت ہے۔ یہ جو کہا گیا کہ قبضہ سے مالک ہو جاتا ہے اس سے مراد ملکِ خبیث ہے کیونکہ جو چیز بیع فاسد سے حاصل ہوگی اسے واپس کرنا واجب ہے اور مشتری کو اُس میں تصرف کرنا منع ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیع فاسد میں قبضہ سے چونکہ ملک حاصل ہوتی ہے اگر چہ ملک خبیث ہے لہٰذا ملک کے کچھ احکام ثابت ہوں گے مثلاً 1 اُس پر دعویٰ ہو سکتا ہے۔ 2 اُس کو بیع کریگا تو ثمن اسے ملے گا۔ 3 آزاد کریگا تو آزاد ہو جائے گا۔ 4 اور ولا کا حق بھی اسی کو ملے گا۔ 5 اور بائع آزاد کریگا تو آزاد نہ ہوگا۔ 6 اور اگر اس کے پڑوس میں کوئی مکان فروخت ہوگا تو شفعہ مشتری کا ہوگا بائع کا نہیں ہوگا اور چونکہ یہ ملک خبیث ہے، لہٰذا ملک کے بعض احکام ثابت نہیں ہوں گے۔ 7 اگر کھانے کی چیز ہے تو اُس کا کھانا۔ 8 پہننے کی چیز ہے تو پہننا حلال نہیں۔ 9 کنیز ہے تو وطی کرنا حلال نہیں۔ 10 اور بائع کا اُس سے نکاح ناجائز۔ 11 اور اگر مکان ہے تو اُس کی پڑوس والے کو یا خلیط کو شفعہ کا حق نہیں، ہاں اگر مشتری نے اس میں کوئی تعمیر کی تو اب اس کا پڑوسی شفعہ کر سکتا ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

بیع میں آزادو غلام وغیرہ کو جمع کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ أَوْ شَاةٍ ذَكِيَّةٍ وَمَيْتَةٍ بَطَلَ الْبَيْعُ فِيهِمَا) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ :إنْ سَمَّى لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ثَمَنًا جَازَ فِي الْعَبْدِ وَالشَّاةِ الذَّكِيَّةِ (وَإِنْ جَمَعَ بَيْنَ عَبْدٍ وَمُدَبَّرٍ أَوْ بَيْنَ عَبْدِهِ وَعَبْدِ غَيْرِهِ صَحَّ الْبَيْعُ فِي الْعَبْدِ بِحِصَّتِهِ مِنْ الثَّمَنِ) عِنْدَ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ : فَسَدَ فِيهِمَا، وَمَتْرُوكُ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا كَالْمَيْتَةِ، وَالْمُكَاتَبُ وَأُمُّ الْوَلَدِ كَالْمُدَبَّرِ لَهُ الِاعْتِبَارُ بِالْفَصْلِ الْأَوَّلِ، إذْ مَحَلِّيَّةُ الْبَيْعِ مُنْتَفِيَةٌ بِالْإِضَافَةِ إلَى الْكُلِّ وَلَهُمَا أَنَّ الْفَسَادَ بِقَدْرِ الْمُفْسِدِ فَلَا يَتَعَدَّى إلَى الْقِنِّ، كَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ الْأَجْنَبِيَّةِ وَأُخْتِهِ فِي النِّكَاحِ، بِخِلَافِ مَا إذَا لَمْ يُسَمِّ ثَمَنَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا ؛ لِأَنَّهُ مَجْهُولٌ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ الْفَرْقُ بَيْنَ الْفَصْلَيْنِ أَنَّ الْحُرَّ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْعَقْدِ أَصْلًا ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالٍ وَالْبَيْعُ صَفْقَةٌ وَاحِدَةٌ فَكَانَ الْقَبُولُ فِي الْحُرِّ شَرْطًا لِلْبَيْعِ فِي الْعَبْدِ وَهَذَا شَرْطٌ فَاسِدٌ، بِخِلَافِ النِّكَاحِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ، وَأَمَّا الْبَيْعُ فِي هَؤُلَاءِ مَوْقُوفٌ وَقَدْ دَخَلُوا تَحْتَ الْعَقْدِ لِقِيَامِ الْمَالِيَّةِ وَلِهَذَا يَنْفُذُ فِي عَبْدِ الْغَيْرِ بِإِجَازَتِهِ، وَفِي الْمُكَاتَبِ بِرِضَاهُ فِي الْأَصَحِّ، وَفِي الْمُدَبَّرِ بِقَضَاءِ الْقَاضِي، وَكَذَا فِي أُمِّ الْوَلَدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ، إلَّا أَنَّ الْمَالِكَ بِاسْتِحْقَاقِهِ الْمَبِيعَ وَهَؤُلَاءِ بِاسْتِحْقَاقِهِمْ أَنْفُسَهُمْ رَدُّوا الْبَيْعَ فَكَانَ هَذَا إشَارَةً إلَى الْبَقَاءِ، كَمَا إذَا اشْتَرَى عَبْدَيْنِ وَهَلَكَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ الْقَبْضِ، وَهَذَا لَا يَكُونُ شَرْطَ الْقَبُولِ فِي غَيْرِ الْمَبِيعِ وَلَا بَيْعًا بِالْحِصَّةِ ابْتِدَاءً وَلِهَذَا لَا يُشْتَرَطُ بَيَانُ ثَمَنِ كُلِّ وَاحِدٍ فِيهِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے غلام، آزاد کو بیع میں جمع کیا ہے یا اس نے ذبح شدہ اور مردار بکری کو جمع کر کے بیچ دیا ہے تو ان دونوں میں بیع باطل ہو جائے گی۔ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین نے کہا کہ جب بائع نے ہر ایک کی قیمت کو بیان کر دیا ہے تو غلام اور مذبوحہ بکری میں بیع جائز ہے اور جب اس نے

یا اپنے اور دوسرے کے غلام کو جمع کر کے ایک ساتھ ہی فروخت کر دیا ہے تو ہمارے فقہاء ثلاثہ کے نزدیک غلام
غلام اور مدبر کو جمع کیا
میں اس کے حصہ کی قیمت کے برابر بیع درست ہے۔
حضرت امام زفر علیہ الرحمہ نے کہا کہ دونوں صورتوں میں بیع فاسد ہے اور ہر وہ جانور جس پر ارادے کے ساتھ وقت ذبح اللہ کا
نام نہ لیا جائے وہ مردار کے حکم میں ہے اور مکاتب اور ام ولد یہ دونوں مدبر کے حکم میں ہیں۔
حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ پہلی صورت پر قیاس کرنا ہے کیونکہ سب کی جانب نسبت کرتے ہوئے بیع کا محل ختم
ہو چکا ہے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ فساد مفسد کی طاقت کے برابر ہوا کرتا ہے پس کامل غلام کی طرف فساد کی نسبت نہ ہوگی جس طرح اس صورت میں ہے کہ جب کسی شخص نے اجنبی عورت اور اپنی بہن کو نکاح میں جمع کر دیا ہے بہ خلاف اس صورت کے کہ جب ہر ایک کی قیمت بیان نہ کی ہو کیونکہ قیمت مجہول ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل مذکورہ دونوں مسائل میں یہ ہے کہ آزاد عقد میں داخل نہیں ہے لہذا وہ مال نہ ہوا اور بیع ایک معاملہ ہے لہذا آزاد میں بیع کو قبول کرنا یہ غلام میں بیع کے صحیح ہونے کیلئے شرط ہے اور یہ شرط، فاسد شرط ہے۔ بہ خلاف نکاح کے کیونکہ نکاح شرائط فاسدہ سے باطل نہیں ہوا کرتا۔

اور مذکورہ اشیاء میں بیع موقوف ہے اور مالیت کے قائم ہو جانے کے سبب یہ لوگ بھی عقد میں داخل ہوں گے۔ یہی دلیل ہے کہ دوسرے کے غلام میں اس کی اجازت سے بیع نافذ ہو جائے گی۔ اور قول صحیح کے مطابق مکاتب میں اس کی رضا کے ساتھ بیع نافذ ہو جاتی ہے اور مدبر میں قاضی کے فیصلہ کے مطابق بیع نافذ ہو جاتی ہے۔

اور شیخین کے نزدیک اسی طرح ام ولد میں قضائے قاضی کے سبب بیع منعقد ہو جائے گی۔ البتہ مالک نے مبیع میں حقدار ہونے کی وجہ سے اور مذکورہ لوگوں یعنی مکاتب وغیرہ نے ذاتی حقدار ہونے کی وجہ سے مبیع کو رد کر دیا ہے کیونکہ اس میں بیع کی بقاء کا اشارہ ہے۔

اسی طرح جب کسی شخص نے دو غلاموں کو خریدا اور ان میں سے ایک غلام ہلاک ہو گیا ہے جبکہ غیر مبیع میں ابھی قبولیت کی شرط بھی نہ تھی اور ابتدائی طور پر بیع بہ حصہ بھی نہیں ہے اسی دلیل کے سبب اس میں ہر ایک کی قیمت کو بیان کرنا شرط نہیں ہے۔

آزاد وغلام کو بیع میں جمع کرنے پر مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ اور جب کسی شخص نے غلام، آزاد کو بیع میں جمع کیا ہے یا اس نے ذبح شدہ اور مردار بکری کو جمع کر کے بیچ دیا ہے تو ان دونوں میں بیع باطل ہو جائے گی۔ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔ اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کا قول بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح ہے جبکہ امام شافعی اور امام احمد علیہما الرحمہ دونوں ائمہ دو مختلف اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۱۴۳، بیروت)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ آزاد وغلام کو جمع کر کے ایک ساتھ دونوں کو بیچا یا ذبیحہ اور مُردار کو ایک عقد میں بیع کیا غلام اور ذبیحہ کی بھی بیع باطل ہے اگر چہ ان صورتوں میں ثمن کی تفصیل کر دی گئی ہو کہ اتنا اس کا ثمن ہے اور اتنا اس کا۔ اور اگر عقد دو ہوں تو غلام اور ذبیحہ کی صحیح ہے آزاد اور مُردار کی باطل۔ مدبر یا ام ولد کے ساتھ ملا کر غلام کی بیع کی غلام کی بیع صحیح ہے اُن کی نہیں۔ غیر وقف کو وقف کے ساتھ ملا کر بیع کیا غیر وقف کی صحیح ہے اور وقف کی باطل اور مسجد کے ساتھ دوسری چیز ملا کر بیع کی تو دونوں کی باطل ہے۔ (درمختار شرح تنویر الابصار، کتاب بیوع)

اور جب دو شخص ایک مکان میں شریک ہیں ان میں ایک نے دوسرے کے ہاتھ پورا مکان بیچ دیا تو اس کے حصے کی بیع صحیح ہے اور جتنا مکان میں اس کا حصہ ہے اُسی کی بیع ہوئی اور اُس کے مقابل ثمن کا جو حصہ ہوگا وہ ملے گا کل نہیں ملے گا۔ دو شخص مکان یا زمین میں شریک ہیں ایک نے اُس میں سے ایک معین ٹکڑا بیع کر دیا یہ بیع صحیح نہیں اور اگر اپنا حصہ بیچ دیا تو بیع صحیح ہے۔ مسلم گاؤں بیچا جس میں قبرستان اور مسجدیں بھی ہیں اور ان کا استثنا نہیں کیا تو علاوہ مساجد ومقابر کے گاؤں کی بیع صحیح ہے اور مساجد ومقابر کا عادۃً استثنا قرار دیا جائے گا اگر چہ استثنا مذکور نہ ہو۔ (بحر الرائق) (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

فصل فی احکامہ

﴿یہ فصل بیع فاسد کے احکام کے بیان میں ہے﴾

فصل احکام بیع فاسد کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا ہے تو اس وقت اس چیز کا حکم مؤثر ہوتے ہوئے ثابت ہوجائے گا۔لہٰذا اسی سبب سے مصنف علیہ الرحمہ نے بیع فاسد کے ساتھ ہی اس کے احکام کو بیان کیا ہے۔کہ بیع فاسد پر جب مشتری کا قبضہ ہوجائے تو اب عاقدین کیلئے حکم شرعی کیا ہوگا۔اور ہمارے نزدیک بیع کی چار اقسام ہیں۔(۱) صحیح (۲) فاسد (۳) باطل (۴) موقوف۔جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک فاسد و باطل کے سوا اس کی کوئی اقسام نہیں ہیں۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج۹،ص۱۸۹، بیروت)

فاسد بیع کے حکم کا بیان

ہر وہ شرط جو ایسی ہو فاسد ہے اور جو شرط فاسد ہو وہ بیع کو فاسد کردیتی ہے اور ہر فاسد بیع حرام ہے جس کا فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے اگر وہ فسخ نہ کریں تو دونوں گنہگار ہوں گے اور قاضی جبرا اس بیع کو فسخ کرائے۔

صحیح، باطل اور فاسد کی تعریفات کا بیان

صحیح کی تعریف یہ ہے۔

هی موافقة أمر الشارع و يطلق و يراد بها ترتب آثار العمل فی الدنيا كما تطلق و يراد بها ترتب آثار العمل فی الآخرة

وہ جو شارع کے حکم کے موافق ہو اور اس کا اطلاق ہوتا ہے جس سے مراد اس دنیا میں عمل کے آثار مرتب ہونا ہے، اسی طرح اس کا اطلاق ہوتا ہے جس سے مراد آخرت میں عمل کے آثار کا مرتب ہونا ہے۔

مثال کے طور پر نماز کی تکمیل اس کے ارکان اور شرائط کو پورا کرنے سے صحیح ہوگی یعنی اس کی سزا اور اس کے ذمہ سے بری ہوجائے گا اور اس کی قضا ساقط ہوجائے گی۔ اسی طرح بیع اپنے تمام ارکان اور شرائط سے پورا کرنے سے صحیح ہوگا، یعنی شرعی طور پر اسے ملکیت حاصل ہوگی اور اس کے لئے اس سے نفع اٹھانا اور اس کا تصرف مباح ہوجائے گا۔آخرت میں آثار مرتب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسے اس عمل کا آخرت میں ثواب ملے گا۔

باطل کی تعریف

ھو عدم موافقة أمر الشارع و يراد بها عدم ترتب آثار العمل في الدنيا و العقاب عليه في الآخرة بمعنى أن يكون العمل غير مجز و لا مبرىء

وہ جو شارع کے حکم کے موافق نہ ہو جس سے مراد اس دنیا میں عمل کے آثار مرتب نہ ہونا ہے اور آخرت میں اس پر سزا ہے یعنی عمل پورا نہیں ہوا اور نہ ہی اس سے بری ہوا گیا ہے۔

مثال کے طور پر اگر نماز کو اس کے ارکان اور شرائط کے ساتھ ادا نہیں کیا گیا، تو یہ نماز باطل ہوگی اور اس وقت تک اس کا ذمہ باقی رہے گا، جب تک اس کی صحیح ادائیگی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اگر بیع کو اس کے ارکان کے ساتھ ادا نہیں کیا گیا تو یہ بیع باطل ہو گی، نتیجتاً اس چیز کا مالک نہیں بنا گیا اور اس لئے اس سے نفع اٹھانا اور اس کا تصرف حرام ہوگا اور آخرت میں وہ سزا کا مستحق ہو گا۔ مثلاً بیع الملاقیح بلا اطلاع حاملہ جانور کی فروخت اپنی اساس میں ہی باطل ہے کیونکہ یہ اپنی اصل میں ممنوع ہے۔ پس یہ بیع معقود علیہ کی اصل میں مجہول ہے یعنی یہ بیع غرر ہے۔

فساد کی تعریف

ھو يختلف عن البطلان لأن البطلان عدم موافقة أمر الشرع من حيث أصله أي أن الخلل في أركانه أو ما هو حكمها أو أن الشرط الذي لم يستوفه مخل بأصل الفعل، بخلاف الفساد فإنه في أصله موافق لأمر الشرع و لكن وصفه غير المخل بالأصل هو المخالف لأمر الشارع و لذلك يزول الفساد بإزالة سببه

وہ جو بطلان سے مختلف ہے کیونکہ بطلان اپنی اصل کے اعتبار سے شرع کے حکم کے موافق نہیں ہے یعنی اس کے ارکان میں خلل ہے یا اس میں جو اس کے حکم میں ہے، یا وہ شرط جس کے بغیر فعل پورا نہیں ہوتا تو اس سے بھی عمل کی اصل میں خرابی آتی ہے، برعکس فساد کے، کیونکہ اس کی اصل حکم شرع کے موافق ہے لیکن اس کی کوئی ایسی وصف جو اصل کے لئے نہیں ہے، شارع کے حکم کے خلاف ہے اور اس لئے اس کے سبب کو زائل کرنے سے فساد بھی زائل ہو جاتا ہے

عبادات میں فساد کا تصور نہیں ہے کیونکہ ان میں سارے ارکان اور شرائط اصل سے متعلق ہیں اور اگر ان میں کوئی بھی رہ جائے، تو عبادت باطل ہوگی۔ اس کے برعکس عقود میں فساد پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک بیع جس میں سامان کی قیمت کے بارے میں لاعلمی ہو، تو چونکہ یہ لاعلمی اس کی اصل کے بارے میں نہیں ہے، اس لئے یہ بیع فاسد ہوگا نہ کہ باطل۔ پس اگر سامان کی قیمت کی لاعلمی دور ہو جائے یعنی قیمت معلوم ہو جائے، تو یہ عقد صحیح ہو جائے گا۔ البتہ شرکۃ المساہمۃ joint-stock company اپنی اساس سے باطل ہے کیونکہ یہ کسی شریکِ بدن سے خالی ہے جو اس کی اصل کے

متعلق ایک شرط ہے۔ اس کے برعکس اگر شرکت میں مال مجہول ہوتو یہ عقد فاسد ہوگا اور اگر یہ جہالت لاعلمی دور ہو جائے غرر فی الوصف یعنی مال معروف ہو جائے، تو یہ عقد شرکت صحیح ہو جائے گا۔

عقد میں دونوں اعواض کے مال ہونے کا بیان

(وَإِذَا قَبَضَ الْمُشْتَرِى الْمَبِيعَ فِى الْبَيْعِ الْفَاسِدِ بِأَمْرِ الْبَائِعِ وَفِى الْعَقْدِ عِوَضَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَالٌ مَلَكَ الْمَبِيعَ وَلَزِمَتْهُ قِيمَتُهُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يَمْلِكُهُ وَإِنْ قَبَضَهُ ؛ لِأَنَّهُ مَحْظُورٌ فَلَا يَنَالُ بِهِ نِعْمَةَ الْمِلْكِ ؛ وَلِأَنَّ النَّهْىَ نَسْخٌ لِلْمَشْرُوعِيَّةِ لِلتَّضَادِّ، وَلِهَذَا لَا يُفِيدُهُ قَبْضُ الْقَبْضِ، وَصَارَ كَمَا إِذَا بَاعَ بِالْمَيْتَةِ أَوْ بَاعَ الْخَمْرَ بِالدَّرَاهِمِ .

وَلَنَا أَنَّ رُكْنَ الْبَيْعِ صَدَرَ مِنْ أَهْلِهِ .مُضَافًا إِلَى مَحِلِّهِ فَوَجَبَ الْقَوْلُ بِانْعِقَادِهِ، وَلَا خَفَاءَ فِى الْأَهْلِيَّةِ وَالْمَحَلِّيَّةِ .

وَرُكْنُهُ :مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ، وَفِيهِ الْكَلَامُ وَالنَّهْىُ يُقَرِّرُ الْمَشْرُوعِيَّةَ عِنْدَنَا لِاقْتِضَائِهِ التَّصَوُّرَ فَنَفْسُ الْبَيْعِ مَشْرُوعٌ، وَبِهِ تُنَالُ نِعْمَةُ الْمِلْكِ وَإِنَّمَا الْمَحْظُورُ مَا يُجَاوِرُهُ كَمَا فِى الْبَيْعِ وَقْتَ النِّدَاءِ، وَإِنَّمَا لَا يَثْبُتُ الْمِلْكُ قَبْلَ الْقَبْضِ كَىْ لَا يُؤَدِّىَ إِلَى تَقْرِيرِ الْفَسَادِ الْمُجَاوِرِ إِذْ هُوَ وَاجِبُ الرَّفْعِ بِالِاسْتِرْدَادِ فَبِالِامْتِنَاعِ عَنْ الْمُطَالَبَةِ أَوْلَى ؛ وَلِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ ضَعُفَ لِمَكَانِ اقْتِرَانِهِ بِالْقَبِيحِ فَيُشْتَرَطُ اعْتِضَادُهُ بِالْقَبْضِ فِى إِفَادَةِ الْحُكْمِ بِمَنْزِلَةِ الْهِبَةِ، وَالْمَيْتَةِ لَيْسَتْ بِمَالٍ فَانْعَدَمَ الرُّكْنُ، وَلَوْ كَانَ الْخَمْرُ مُثَمَّنًا فَقَدْ خَرَّجْنَاهُ وَشَىْءٌ آخَرُ وَهُوَ أَنَّ فِى الْخَمْرِ الْوَاجِبَ هُوَ الْقِيمَةُ وَهِىَ تَصْلُحُ ثَمَنًا لَا مُثَمَّنًا

ترجمہ

اور جب بائع کے حکم سے مشتری نے فاسد بیع میں مبیع پر قبضہ کرلیا ہے اور عقد میں دونوں اعواض مال ہیں تو وہ مبیع کا مالک ہو جائے گا۔ اور اس پر اس کی قیمت واجب ہو جائے گی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ مبیع کا مالک نہ بنے گا خواہ اس نے قبضہ بھی کرلیا ہے۔ کیونکہ فاسد بیع منع ہے پس اس سے ملکیت کی نعمت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ تضاد کے سبب یہ نہی مشروعیت کو منسوخ کرنے والی ہے اسی دلیل کے سبب قبضہ سے پہلے یہ بیع مفید ملکیت نہیں ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جس طرح کسی نے مردار کو فروخت کیا یا شراب کو دراہم کے بدلے

میں بیچ دیا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ بیع کا رکن اپنے اہل سے صادر ہوتے ہوئے اپنے محل کی جانب منسوب ہو چکا ہے پس اس کے انعقاد کو ماننا لازم ہوگا۔ جبکہ اہل ہونے اور محل ہونے میں کوئی چیز پوشیدہ نہ رہی ہے اور بیع کو رکن مال کا تبادلہ مال کے ساتھ ہے اور ہماری بیان کردہ دلائل بھی اسی بارے میں ہیں۔ ہمارے نزدیک منہی عنہ کی مشروعیت اس کو مستحکم کرنے والی ہے کیونکہ نہی منہی عنہ کے وجود ہونے کا تقاضہ کرنے والی ہے۔ پس نفس بیع مشروع ہے اور بیع ہی کے سبب سے ملکیت کی نعمت کو حاصل کیا جاتا ہے جبکہ ممنوع تو وہ چیز ہے جو بیع سے متصل ہے۔ جس طرح اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت کرنا ہے۔

اور قبضہ سے پہلے ملکیت اس وجہ سے ثابت نہیں ہوا کرتی کہ کہیں متصل آنے والے فساد کو مستحکم کرنے کا سبب نہ بن جائے۔ اس لئے کہ مشتری سے مبیع کو واپس لیتے ہوئے فساد کو دور کرنا لازم ہے تو مشتری کے مطالبہ سے رکنے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ اس کو دور کرنا لازم ہے کیونکہ سبب کے قبیح ہونے کے سبب سے اتصال ہونے کی وجہ سے اس میں نقص آچکا ہے۔ پس حکم کی افادیت کے پیش نظر اس میں قبضہ کے ذریعے اسی سبب کو قوت کے ساتھ مشروط کردیا گیا ہے جس طرح ہبہ میں ہوتا ہے۔ اور مردار مال نہیں ہے کیونکہ وہاں بیع کا رکن معدوم ہے اور جب مبیع شراب ہے تو اس کی تخریج ہم کر آئے ہیں ہاں البتہ دوسرا معاملہ یہ ہے کہ شراب میں قیمت واجب ہوا کرتی ہے اور قیمت ثمن تو بن سکتی ہے مبیع بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

شرح

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ اگر مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرلیا تو مبیع کا مالک ہوگیا اور جب تک قبضہ نہ کیا ہو مالک نہیں بائع کی اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً۔ صراحۃً اجازت ہو تو مجلس عقد میں قبضہ کرے یا بعد میں بہر حال مالک ہوجائے گا اور دلالۃً یہ کہ مثلاً مجلس عقد میں مشتری نے بائع کے سامنے قبضہ کیا اور اُس نے منع نہ کیا اور مجلس عقد کے بعد صراحۃً اجازت کی ضرورت ہے، دلالۃً کافی نہیں مگر جبکہ بائع ثمن پر قبضہ کرکے مالک ہوگیا تو اب مجلسِ عقد کے بعد اُس کے سامنے قبضہ کرنا اور اُس کا منع نہ کرنا، اجازت ہے۔

اور یہ جو کہا گیا کہ قبضہ سے مالک ہوجاتا ہے اس سے مراد ملکِ خبیث ہے کیونکہ جو چیز بیع فاسد سے حاصل ہوگی اسے واپس کرنا واجب ہے اور مشتری کو اُس میں تصرف کرنا منع ہے۔ بیع فاسد میں قبضہ سے چونکہ ملک حاصل ہوتی ہے اگرچہ ملک خبیث ہے لہٰذا ملک کے کچھ احکام ثابت ہوں گے مثلاً 1 اُس پر دعویٰ ہوسکتا ہے۔ 2 اُس کو بیع کریگا تو ثمن اسے ملے گا۔ 3 آزاد کریگا تو آزاد ہوجائے گا۔ 4 اور ولا کا حق بھی اسی کو ملے گا۔ 5 اور بائع آزاد کریگا تو آزاد نہ ہوگا۔ 6 اور اگر اس کے پروس میں کوئی مکان فروخت ہوگا تو شفعہ مشتری کا ہوگا بائع کا نہیں ہوگا اور چونکہ یہ ملک خبیث ہے، لہٰذا ملک کے بعض احکام ثابت نہیں ہوں گے۔ 7 اگر کھانے کی چیز ہے تو اُس کا کھانا۔ 8 پہننے کی چیز ہے تو پہننا حلال نہیں۔ 9 کنیز ہے تو وطی کرنا حلال نہیں۔ 10 اور بائع کا اُس سے نکاح ناجائز۔ 11 اور اگر مکان ہے تو اُس کی پروس والے کو یا خلیط کو شفعہ کا حق نہیں، ہاں اگر مشتری نے اس میں کوئی تعمیر کی

تو اب اس کا پروسی شفعہ کرسکتا ہے۔ (ردمختار، کتاب بیوع)

بیع فاسد میں قبضے کا بائع کی اجازت سے ہونے کا بیان

ثُمَّ شَرَطَ أَنْ يَكُونَ الْقَبْضُ بِإِذْنِ الْبَائِعِ وَهُوَ الظَّاهِرُ، إلَّا أَنَّهُ يَكْتَفِي بِهِ دَلَالَةً كَمَا إذَا قَبَضَهُ فِي مَجْلِسِ الْعَقْدِ اسْتِحْسَانًا، وَهُوَ الصَّحِيحُ ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ تَسْلِيطٌ مِنْهُ عَلَى الْقَبْضِ، فَإِذَا قَبَضَهُ بِحَضْرَتِهِ قَبْلَ الِافْتِرَاقِ وَلَمْ يَنْهَهُ كَانَ بِحُكْمِ التَّسْلِيطِ السَّابِقِ، وَكَذَا الْقَبْضُ فِي الْهِبَةِ فِي مَجْلِسِ الْعَقْدِ يَصِحُّ اسْتِحْسَانًا، وَشَرَطَ أَنْ يَكُونَ فِي الْعَقْدِ عِوَضَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَالٌ لِيَتَحَقَّقَ رُكْنُ الْبَيْعِ وَهُوَ مُبَادَلَةُ الْمَالِ فَيَخْرُجُ عَلَيْهِ الْبَيْعُ بِالْمَيْتَةِ وَالدَّمِ وَالْحُرِّ وَالرِّيحِ وَالْبَيْعِ مَعَ نَفْيِ الثَّمَنِ، وَقَوْلُهُ لَزِمَتْهُ قِيمَتُهُ، فِي ذَوَاتِ الْقِيَمِ، فَأَمَّا فِي ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ فَيَلْزَمُهُ الْمِثْلُ ؛ لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ بِنَفْسِهِ بِالْقَبْضِ فَشَابَهُ الْغَصْبَ، وَهَذَا ؛ لِأَنَّ الْمِثْلَ صُورَةً وَمَعْنًى أَعْدَلُ مِنْ الْمِثْلِ مَعْنًى .

ترجمہ

اس کے بعد امام قدوری قدس سرہ نے یہ شرط بیان کی ہے کہ قبضہ بائع کی اجازت سے ہو اور ظاہر الروایت سے اسی طرح ہے اور بطور دلالت بھی اجازت کافی ہوجائے گی۔ جس طرح بطور استحسان اس صورت میں تسلیم کرلیا جاتا ہے جبکہ مشتری مجلس عقد میں قبضہ کرتا ہے اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ فروخت کرنا یہ بائع کی جانب سے قبضہ پر اختیار دینے کے حکم میں ہے پس جب الگ ہونے سے پہلے بائع کی موجودگی میں مشتری نے مبیع پر قبضہ کیا ہے اور بائع نے اس کو منع نہ کیا تو یہ قبضہ سابقہ سپردگی کے حکم میں ہوگا اسی طرح مجلس عقد میں ہبہ کا قبضہ بھی بطور استحسان درست ہے۔

امام قدوری علیہ الرحمہ نے یہ شرط بھی بیان کی ہے کہ عقد میں دونوں اعواض ہوں اور وہ دونوں مال ہوں تا کہ بیع کا رکن مال کا تبادلہ مال کے ساتھ ثابت ہوجائے پس اس شرط کے سبب سے مردار، خون، آزاد، ہوا، اور ثمن کی نفی کے ساتھ والی بیع سب صورتیں اس سے خارج ہوجائیں گی۔

امام قدوری علیہ الرحمہ کا قول "لزمته قیمته" یہ ذوات قیم میں ہے مگر ذوات امثال میں مشتری پر مثلی دینا لازم ہوگا کیونکہ مثلی چیز قبضہ سے بذات خود ضمان والی ہے پس یہ غصب کے مشابہ ہوجائے گا اور یہ حکم اس لئے بھی ہے کہ مثلی صورت اور معنوی دونوں اعتبار سے صرف معنوی قیمت سے زیادہ برابری کو ثابت کرنے والی ہے۔

شرح

ذوات امثال سے مراد وہ چیزیں جن کے تلف کردینے سے قیمت کی ادائیگی کے بجائے ویسی ہی چیزیں واپس کرنا لازم ہو۔

مثلی چیز میں قبضہ کے سبب ضمان ہونے کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں اور جب بیوی نے ورثاء کی اجازت کے بغیر خاوند کو کفن دیا اور وہ کفن بازاری قیمت کے مساوی تھا تو ترکہ سے اس کی قیمت واپس لے سکے گی، اور اگر بازاری قیمت سے زائد کیا تو کچھ بھی واپس نہ لے سکے گی، اور اللہ تعالی ان پر رحم فرمائے انہوں نے فرمایا اگر کہا جائے کہ مثلی قیمت میں رجوع کرسکتی ہے تو بعید نہ ہوگا، اور وجیز الکردری میں ہے کہ زائد قیمت کی صورت میں رجوع نہیں کرسکتا اور اگر یہ کہا جائے کہ مثلی قیمت تک رجوع کرسکتا ہے تو اس کی وجہ ہوسکتی ہے۔

(درمختار، باب وصی)

علامہ طاہر بن احمد بخاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مثلی کفن تک بھی رجوع نہیں کرسکتی اور اگر کوئی یہ کہے کہ مثلی کفن تک رجوع کرسکتی ہے تو اس کی وجہ ہے اھ، اور تنویر الابصار اور درمختار کے وصایا کے بیان میں ہے کہ اگر وصی نے کفن کی تعداد میں زیادتی کی تو زائد کا ضامن ہوگا اور یہ عدد مثلی کفن کی قیمت میں خرید ہوا تو خرید اس کی ہوگی اور اس وقت اس کی خرید میں یتیم کا جتنا مال خرچ ہو اس کا ضامن ہوگا۔ (خلاصہ فتاویٰ، کتاب وصایا)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کفن کے عدد میں زیادتی کی ہو تو صرف زیادتی کا ضامن ہوگا اور اگر قیمت زائد دی ہو تو کل قیمت کا ضامن ہوگا، ایسے ہی سراجیہ میں ہے، میں کہتا ہوں اس کی علت انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ قیمت جب زائد دی تو وہ خریدار اپنے لئے ہوا اور میت کے مال کا ضامن ہوا، نہج النجاۃ من الوصایا۔ اس کے ذاتی خریدار بننے کی وجہ یہ ہے کہ وصی نے جب قیمت زائد دی تو اس مقدار میں وہ متعدی ہوا جبکہ اس مقدار کا قیمت میں امتیاز نہیں تو تمام قیمت اس کی ذاتی خریداری میں صرف ہوئی، اور یہ کفن اس کی طرف سے بطور تبرع ہوگا بخلاف کہ جب عدد میں زیادتی کرے تو صرف زائد عدد کا ضامن ہوگا کیونکہ یہ زائد ممتاز ہے۔ (عقود الدریہ، کتاب وصایا)

مثلی اجرت دینے سے متعلق قاعدہ فقہیہ

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر عقد کسی خارجی وجہ سے فاسد ہو جائے تو مثلی اجرت لازم ہوتی ہے، اور مقررہ اجرت سے زائد نہ ہونی چاہئے حتی کہ اگر مقررہ اجرت پانچ درہم ہے اور مثلی اجرت دس درہم ہے تو پانچ ہی دئے جائیں گے، زائد نہیں، مثلی اجرت مقررہ سے کم ہونے کی صورت میں کم ہی دی جائیگی، مثلاً مثلی اجرت پانچ روپے ہے اور مقررہ اجرت دس درہم ہو تو پانچ دیئے جائیں گے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب اجارات)

غصب شدہ چیز کی بیع کی ممانعت میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں کہ فقہاء مالکیہ لکھتے ہیں کہ غصب کردہ چیز کی بیع کرنا درست نہیں ہے ہاں البتہ جب اس کی بیع مالک اصلی خود کرنے والا ہے تو تب جائز ہے۔ اور وہ اس بات پر بھی قادر ہو کہ وہ غاصب سے لیکر سپرد کردے گا۔

فقہاء شوافع لکھتے ہیں کہ غصب شدہ چیز کی بیع کسی طرح بھی جائز نہیں ہے خواہ مالک خود بیچے یا کوئی اور بیچنے والا ہو۔ ہاں البتہ جب مالک مشتری کو سپرد کرنے پر قادر ہو جائے۔

فقہاء حنابلہ لکھتے ہیں کہ غصب شدہ کی بیع کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کیونکہ مالک خود بھی اس کو حوالے کرنے کی صلاحیت رکھنے والا نہیں ہے۔

فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ غصب شدہ مال کی بیع درست نہیں ہے مگر جب غاصب بیچ دے اور اس کا مالک اس کی ذمہ داری لینے والا ہو یا مالک بیچنے والا ہو اور غاصب اس بیع کو تسلیم کرنے والا ہو۔ (مذاہب اربعہ، کتاب بیوع)

دونوں عقد کرنے والوں کیلئے ثبوت اختیار کا بیان

قَالَ (وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْمُتَعَاقِدَيْنِ فَسْخُهُ) رَفْعًا لِلْفَسَادِ، وَهَذَا قَبْلَ الْقَبْضِ ظَاهِرٌ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يُفِدْ حُكْمَهُ فَيَكُونُ الْفَسْخُ امْتِنَاعًا مِنْهُ، وَكَذَا بَعْدَ الْقَبْضِ إذَا كَانَ الْفَسَادُ فِي صُلْبِ الْعَقْدِ لِقُوَّتِهِ، وَإِنْ كَانَ الْفَسَادُ بِشَرْطٍ زَائِدٍ فَلِمَنْ لَهُ الشَّرْطُ ذَلِكَ دُونَ مَنْ عَلَيْهِ لِقُوَّةِ الْعَقْدِ، إلَّا أَنَّهُ لَمْ تَتَحَقَّقْ الْمُرَاضَاةُ فِي حَقِّ مَنْ لَهُ الشَّرْطُ .

ترجمہ

فرمایا: عقد کرنے والوں میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہے کہ وہ فساد کو ختم کرنے کیلئے بیع فسخ کر دے اور قبضہ سے پہلے تو یہ حکم ظاہر ہے کیونکہ قبضہ سے پہلے اس بیع میں حکم کا کوئی فائدہ نہیں ہے پس فسخ کرنا حکم سے رکنا ہے اور اسی طرح قبضہ کے بعد ہے مگر شرط یہ ہے فساد عقد کی صلب میں ہو کیونکہ وہی قوی ہے اور جب فساد شرط زائد میں ہے تو جس کیلئے شرط لگائی گئی ہے اس کو فسخ کرنے کا اختیار ہے اور جس پر شرط لگائی گئی ہے اس کو اختیار نہ ہوگا کیونکہ اس حالت میں عقد قوی ہے ہاں البتہ جب وہ شخص جس کیلئے شرط لگائی گئی ہے اس کے حق رضامندی ثابت نہ ہوگی۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فساد کو ختم کرنے کے لئے قبضہ سے پہلے یا قبضہ کے بعد جب تک مبیع مشتری کے پاس اپنے حال میں موجود ہے بیع فاسد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے کیونکہ یہ معصیت ہے اس لئے اس کو دور کرنا واجب ہے۔ بحر، اور اگر ان میں سے کوئی ایک اس کو برقرار رکھنے پر اصرار کرے اور قاضی کو اس کا علم ہو تو وہ حق شرع کے لئے ان دونوں پر جبر کرتے ہوئے فسخ کر سکتا ہے۔ اس کے بعد پھر چاہیں تو آپس میں صحیح بیع کر لیں جتنے ثمن پر راضی ہو۔

(درمختار، کتاب البیوع باب البیع الفاسد، مطبع مجتبائی دہلی)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بائع اور مشتری دونوں پر فسخ کرنا واجب ہے تا کہ فساد ختم ہو سکے، کیونکہ وہ

گناہ ہے جس کو ختم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک اس کو قائم رکھنے پر مصر ہو اور قاضی کو معلوم ہو جائے تو وہ جبراً فسخ کر دے تا کہ شرعی حق قائم ہو، (عقود الدریہ، کتاب اجارات)

بائع کا مبیع کو بیچنے سے انعقاد بیع کا بیان

قَالَ (فَإِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِي نَفَذَ بَيْعُهُ) ؛ لِأَنَّهُ مَلَكَهُ فَمَلَكَ التَّصَرُّفَ فِيهِ وَسَقَطَ حَقُّ الِاسْتِرْدَادِ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْعَبْدِ بِالثَّانِي وَنَقْضُ الْأَوَّلِ لِحَقِّ الشَّرْعِ وَحَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ لِحَاجَتِهِ وَلِأَنَّ الْأَوَّلَ مَشْرُوعٌ بِأَصْلِهِ دُونَ وَصْفِهِ، وَالثَّانِيَ مَشْرُوعٌ بِأَصْلِهِ وَوَصْفِهِ فَلَا يُعَارِضُهُ مُجَرَّدُ الْوَصْفِ ؛ وَلِأَنَّهُ حَصَلَ بِتَسْلِيطٍ مِنْ جِهَةِ الْبَائِعِ، بِخِلَافِ تَصَرُّفِ الْمُشْتَرِي فِي الدَّارِ الْمَشْفُوعَةِ ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَقُّ الْعَبْدِ وَيَسْتَوِيَانِ فِي الْمَشْرُوعِيَّةِ وَمَا حَصَلَ بِتَسْلِيطٍ مِنْ الشَّفِيعِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب بائع نے مبیع کو بیچ دیا ہے تو بیع نافذ ہو جائے گی کیونکہ وہی اس کا مالک ہے اور اس میں تصرف کرنے کا مالک بھی وہی ہے۔ اور دوسری بیع کے سبب بیع کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے پہلے بائع کیلئے رد کرنے کا حق ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ پہلی بیع کو ساقط کرنا شرعی حق کے سبب سے تھا۔ کیونکہ بندے کی ضرورت کے سبب سے اس کا حق مقدم ہوتا ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ بیع اول صرف اپنی اصل کی وجہ سے مشروع ہوئی تھی نہ کہ وصف سے مشروع ہوئی جبکہ بیع ثانی اصل اور وصف دونوں کے اعتبار سے مشروع ہوئی ہے پس صرف وصف کی مشروعیت اس سے معارضہ کرنے والی نہ ہوگی کیونکہ پہلی بیع بائع کی جانب سے طاقت کے واسطے سے حاصل ہوئی ہے بہ خلاف شفعہ والے گھر میں مشتری کے تصرف کے کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں بندے کا حق ہے اور مشروعیت میں بھی دونوں برابر ہیں اور یہ شفیع کی طرف سے تسلیط کے سبب حاصل نہ ہوئی ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر بیع فاسد کے مشتری نے مبیع فاسد کو غیر بائع کے ہاتھ بیع صحیح تام کے ساتھ فروخت کر دیا یا ہبہ کر کے قبضہ دے دیا یا وقف صحیح کے ساتھ وقف کر دیا یا اسی کو کسی کے پاس رہن رکھ دیا یا کسی کے لئے اس مبیع فاسد کی وصیت کر دی یا صدقہ کر دیا تو ان تمام تصرفات مذکورہ میں وہ بیع فاسد نافذ ہو جائے گی اور فسخ ممتنع ہو جائے گا بسبب حق عبد کے اس کے ساتھ متعلق ہونے کے، اور یہی حکم ہے تمام تصرفات قولی کا سوائے اجارہ اور نکاح کے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب بیع فاسد میں مشتری نے قبضہ کرنے کے بعد اس چیز کو بائع کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالا اور یہ بیع صحیح بات ہو۔ یا ہبہ کر کے قبضہ دلا دیا۔ یا آزاد کر دیا۔ یا مکاتب کیا یا کنیز تھی مشتری کے اس سے بچہ

پیدا ہوا۔ یا غلہ تھا اُسے پسوایا۔ یا اس کو دوسرے غلہ میں خلط کر دیا۔ یا جانور تھا ذبح کر ڈالا۔ یا مبیع کو وقف صحیح کر دیا۔ یا رہن رکھ دیا اور قبضہ دے دیا۔ یا وصیت کر کے مر گیا۔ یا صدقہ دے ڈالا غرض یہ کہ کسی طرح مشتری کی ملک سے نکل گئی تو اب وہ بیع فاسد نافذ ہو جائے گی اور اب فسخ نہیں ہو سکتی۔ اور اگر مشتری نے بیع فاسد کے ساتھ بیچا یا بیع میں خیار شرط تھا تو فسخ کا حکم باقی ہے۔

(ردمحتار، کتاب بیوع)

شراب یا خنزیر کے بدلے میں غلام خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى عَبْدًا بِخَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ فَقَبَضَهُ وَأَعْتَقَهُ أَوْ بَاعَهُ أَوْ وَهَبَهُ وَسَلَّمَهُ فَهُوَ جَائِزٌ وَعَلَيْهِ الْقِيمَةُ) لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ مَلَكَهُ بِالْقَبْضِ فَتَنْفُذُ تَصَرُّفَاتُهُ، وَبِالْإِعْتَاقِ قَدْ هَلَكَ فَتَلْزَمُهُ الْقِيمَةُ، وَبِالْبَيْعِ وَالْهِبَةِ انْقَطَعَ الِاسْتِرْدَادُ عَلَى مَا مَرَّ، وَالْكِتَابَةُ وَالرَّهْنُ نَظِيرُ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّهُمَا لَازِمَانِ .إلَّا أَنَّهُ يَعُودُ حَقُّ الِاسْتِرْدَادِ بِعَجْزِ الْمُكَاتَبِ وَفَكِّ الرَّهْنِ لِزَوَالِ الْمَانِعِ .وَهَذَا بِخِلَافِ الْإِجَارَةِ ؛ لِأَنَّهَا تُفْسَخُ بِالْأَعْذَارِ، وَرَفْعُ الْفَسَادِ عُذْرٌ ؛ وَلِأَنَّهَا تَنْعَقِدُ شَيْئًا فَشَيْئًا فَيَكُونُ الرَّدُّ امْتِنَاعًا .

ترجمہ

فرمایا: اور جس شخص نے شراب یا خنزیر کے بدلے میں غلام خرید لیا پھر اس پر قبضہ کیا اور اس کو آزاد کر دیا یا اس نے بیچ دیا یا اس نے ہبہ کرتے ہوئے موہوب لہ کے حوالے کر دیا تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اور اس پر غلام کی قیمت واجب ہوگی اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ جب مشتری اس کا مالک بن جائے۔ تو اس کے تصرفات نافذ ہوں گے۔ اور آزادی کے ساتھ غلام ہلاک ہوا تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔ اور بیع اور ہبہ سے حق رجوع ختم ہو جائے گا جس طرح اس کا بیان گزر گیا ہے۔

اور کتابت ورہن بھی بیع کی مثل ہیں کیونکہ یہ دونوں بھی لازم ہونے والے ہیں۔ مگر مکاتب کے عاجز ہونے اور رہن چھڑوانے کی صورت میں مانع ختم ہو جانے کی وجہ مسترد کرنے کا حق لوٹ کرآ جاتا ہے۔ جبکہ یہ حکم اجارہ کے خلاف ہے کیونکہ عذروں کے سبب اس کو فسخ کر دیا جاتا ہے اور فساد کو دور کرنا یہ بھی ایک عذر ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ اجارہ تھوڑا تھوڑا منعقد ہو جاتا ہے پس اجارے میں واپسی منع ہوگی۔

شرح

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی کہ سورت مائدہ نازل ہوئی تو میں نے نبی کریم سے اس کے متعلق پوچھا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم لڑکے کی ہے آپ نے فرمایا اس کو بہا دو۔ اس باب میں حضرت انس بن مالک سے بھی روایت ہے ابوسعید کی روایت حسن ہے اور کئی سندوں سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔

بعض علماء اسی کے قائل ہیں ان کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا حرام ہے شاید اس لیے کہ واللہ اعلم مسلمان شراب سے سرکہ بنانے کے لیے اپنے گھروں میں نہ رکھنے لگیں بعض اہل علم خود بخود سرکہ بن جانے والی شراب کو رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1283)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ "شریعت میں جوا کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصلاً وحقیقتاً ایک شخص کو بلا وجہ اس کے مال سے محروم کر دینے ہی کی ایک صورت ہے اور ہارنے والے شخص کا سکوت غصہ اور ناامیدی کے ساتھ ہوتا ہے جوا کھیلنے والا سہل پسندی کا عادی ہو جاتا ہے اور کسب معاش کے جائز ذرائع اختیار کرنے اور باہمی ہمدردی وایثار، جو اسلامی معاشرت کی بنیاد ہے، سے اعراض برتتا ہے، سود کی حرمت کی وجہ بھی یہ ہے کہ سودی کاروبار کے رائج ہو جانے کی صورت میں ہمدردی اور غمگساری اٹھ جاتی ہے اور اس کی جگہ بڑے بڑے جھگڑے اور نفرتیں جنم لیتی ہیں، شراب سازی اور شراب فروشی اور بتوں وغیرہ کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان چیزوں کا کاروبار جائز قرار دے دیا جائے تو اس سے وہ برائی روکنا ممکن نہیں جن کے پیدا ہونے کے احتمال کی وجہ سے انہیں حرام قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ شراب پینے کے لیے اور بت پرستش کے لیے بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا جب یہ امور حرام ہیں تو ان کی بیع بھی حرام ہونی چاہئے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

بیع فاسد میں ثمن واپس کرنے سے پہلے مبیع لینے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَلَيْسَ لِلْبَائِعِ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ أَنْ يَأْخُذَ الْمَبِيعَ حَتَّى يَرُدَّ الثَّمَنَ) ؛ لِأَنَّ الْمَبِيعَ مُقَابَلٌ بِهِ فَيَصِيرُ مَحْبُوسًا بِهِ كَالرَّهْنِ (وَإِنْ مَاتَ الْبَائِعُ فَالْمُشْتَرِي أَحَقُّ بِهِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ) ؛ لِأَنَّهُ يُقَدَّمُ عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ، فَكَذَا عَلَى وَرَثَتِهِ وَغُرَمَائِهِ بَعْدَ وَفَاتِهِ كَالرَّاهِنِ ثُمَّ إنْ كَانَتْ دَرَاهِمُ الثَّمَنِ قَائِمَةً يَأْخُذُهَا بِعَيْنِهَا ؛ لِأَنَّهَا تَتَعَيَّنُ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ، وَهُوَ الْأَصَحُّ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْغَصْبِ، وَإِنْ كَانَتْ مُسْتَهْلَكَةً أَخَذَ مِثْلَهَا لِمَا بَيَّنَّا .

ترجمہ

فرمایا: اور بائع کیلئے یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بیع فاسد میں ثمن کی واپسی سے پہلے بیع کو پکڑے حتیٰ کہ ثمن کو لوٹا دیا جائے۔ کیونکہ مبیع ثمن کے مقابلے میں ہے پس رہن کی طرح مبیع ثمن کی وجہ سے محبوس ہوگی۔ اور جب بائع فوت ہو جائے تو پورا ثمن وصول کرنے سے پہلے مشتری مبیع کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ مشتری بائع کی زندگی میں مبیع پر سب سے زیادہ مقدم تھا۔ پس بائع کی موت کے بعد وہ اس کے وارثوں اور قرض خواہوں پر مقدم ہوگا۔ جس طرح راہن ہوتا ہے اور اگر ثمن کے دراہم موجود ہیں تو مشتری وہی وصول کرے گا۔ اس لئے کہ فاسد بیع میں دراہم کا ہی تعین ہو جایا کرتا ہے۔ اور زیادہ صحیح یہی ہے کیونکہ فاسد بیع غصب کی مثل ہے اور جب ثمن کے دراہم خرچ ہو چکے ہوں تو مشتری ان کی مثل وصول کرے گا اسی دلیل کے سبب جو پہلے ہم بیان کر آئے ہیں۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے بیع فاسد کو فسخ کر دیا تو بائع مبیع کو واپس نہیں لے سکتا جب تک ثمن یا قیمت واپس نہ کرے پھر اگر بائع کے پاس وہی روپے موجود ہیں تو بعینہ انھیں کو واپس کرنا ضروری ہے اور خرچ ہو گئے تو اُتنے ہی روپے واپس کرے۔ بیع فسخ ہو چکی ہے اور بائع نے ابھی ثمن واپس نہیں کیا ہے اور مرگیا تو مشتری اُس مبیع کا حقدار ہے یعنی اگر بائع پر لوگوں کے دیون تھے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ اس مبیع سے دوسرے قرض خواہ اپنے مطالبات وصول کریں بلکہ اس کا حق تجہیز و تکفین پر بھی مقدم ہے۔ مثلاً فرض کرو مبیع کپڑا ہے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اس کا کفن دیدیا جائے یہ کہہ سکتا ہے جب تک ثمن واپس نہیں ملے گا میں نہیں دونگا۔ اسی طرح اگر بائع کے مرنے کے بعد اُس کے وارث یا مشتری نے بیع کو فسخ کیا تو مشتری مبیع کو اپنا حق وصول کرنے کے لیے روک سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

بیع فاسد ہونے کے بعد گھر بنالینے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ دَارًا بَيْعًا فَاسِدًا فَبَنَاهَا الْمُشْتَرِي فَعَلَيْهِ قِيمَتُهَا) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَرَوَاهُ يَعْقُوبُ عَنْهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ ثُمَّ شَكَّ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الرِّوَايَةِ .

(وَقَالَا : يُنْقَضُ الْبِنَاءُ وَتُرَدُّ الدَّارُ) وَالْغَرْسُ عَلَى هَذَا الِاخْتِلَافِ . لَهُمَا أَنَّ حَقَّ الشَّفِيعِ أَضْعَفُ مِنْ حَقِّ الْبَائِعِ حَتَّى يَحْتَاجُ فِيهِ إلَى الْقَضَاءِ وَيَبْطُلُ بِالتَّأْخِيرِ، بِخِلَافِ حَقِّ الْبَائِعِ، ثُمَّ أَضْعَفُ الْحَقَّيْنِ لَا يَبْطُلُ بِالْبِنَاءِ فَأَقْوَاهُمَا أَوْلَى، وَلَهُ أَنَّ الْبِنَاءَ وَالْغَرْسَ مِمَّا يُقْصَدُ بِهِ الدَّوَامُ وَقَدْ حَصَلَ بِتَسْلِيطٍ مِنْ جِهَةِ الْبَائِعِ فَيَنْقَطِعُ حَقُّ الِاسْتِرْدَادِ كَالْبَيْعِ، بِخِلَافِ حَقِّ الشَّفِيعِ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ مِنْهُ التَّسْلِيطُ وَلِهَذَا لَا يَبْطُلُ بِهِبَةِ الْمُشْتَرِي وَبَيْعِهِ فَكَذَا بِبِنَائِهِ وَشَكَّ يَعْقُوبُ فِي حِفْظِ الرِّوَايَةِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَدْ نَصَّ مُحَمَّدٌ عَلَى الِاخْتِلَافِ فِي كِتَابِ الشُّفْعَةِ فَإِنَّ حَقَّ الشُّفْعَةِ مَبْنِيٌّ عَلَى انْقِطَاعِ حَقِّ الْبَائِعِ بِالْبِنَاءِ وَثُبُوتِهِ عَلَى الِاخْتِلَافِ .

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس شخص پر قیمت واجب ہوگی جس نے بیع فاسد کے طور کوئی گھر خریدا اور اس کے بعد مشتری نے اس میں گھر کی عمارت بنا ڈالی ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں امام اعظم رضی اللہ عنہ سے یہی روایت بیان کی ہے اس کے بعد ان کو حفظ روایت میں شک واقع ہوا۔

صاحبین نے کہا کہ عمارت کو توڑتے ہوئے بائع کو گھر واپس کر دیا جائے گا اور درخت لگانا بھی اس اختلاف کے مطابق ہے۔
صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ شفیع کا حق بائع کے حق سے کمزور ہوا کرتا ہے کیونکہ شفعہ میں قضاء کی ضرورت ہوتی ہے اور تاخیر سے وہ حق باطل بھی ہو جاتا ہے بہ خلاف حق بائع کے کیونکہ جب ان میں سے کمزور حق عمارت بنوانے کے سبب باطل نہ ہوا تو دونوں حقوق میں سے زیادہ مضبوط حق بدرجہ اولیٰ باطل نہ ہوگا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ عمارت بنوانے اور درخت لگانے سے مقصد دوام ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں بائع کی جانب سے دیئے گئے اختیار کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ بائع کو مسترد کرنے کا حق ختم ہو جائے گا۔ جس طرح کہ جب مشتری مبیع کو فروخت کر دے تو بھی حق بائع ختم ہو جاتا ہے۔ بہ خلاف حق شفیع کے کیونکہ شفیع کی طرف تسلیط نہیں پائی گئی اسی سبب سے مشتری کے ہبہ کرنے اور مبیع کو بیچ ڈالنے سے شفیع کا حق باطل نہیں ہوتا پس اس عمارت بنوانے میں بھی شفیع کا حق باطل نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کو امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کے متعلق حفظ میں شک ہے حالانکہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب شفعہ میں اختلاف کی توضیح کر دی ہے کیونکہ شفیع کا حق عمارت سے بائع کے حق کے ختم ہونے پر مبنی ہے جبکہ اس کے ثبوت میں اختلاف ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے زمین بطور بیع فاسد خریدی تھی اُس میں درخت نصب کر دیے یا مکان خریدا تھا اُس میں تعمیر کی تو مشتری پر قیمت دینی واجب ہے اور اب بیع فسخ نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح مبیع میں زیادت متصلہ غیر متولدہ مانع فسخ ہے مثلاً کپڑے کو رنگ دیا، سی دیا، ستو میں گھی مل دیا، گیہوں کا آٹا پسوالیا، روئی کا سوت کات لیا اور زیادت متصلہ متولدہ جیسے موٹا پایا زیادت منفصلہ متولدہ مثلاً جانور کے بچہ پیدا ہوا یہ مانع فسخ نہیں مبیع اور زیادت دونوں کو واپس کرے۔

(درمختار، کتاب بیوع)

بیع فاسد میں باندی خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً بَيْعًا فَاسِدًا وَتَقَابَضَا فَبَاعَهَا وَرَبِحَ فِيهَا تَصَدَّقَ بِالرِّبْحِ وَيَطِيبُ لِلْبَائِعِ مَا رَبِحَ فِي الثَّمَنِ) وَالْفَرْقُ أَنَّ الْجَارِيَةَ مِمَّا يَتَعَيَّنُ فَيَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ بِهَا فَيَتَمَكَّنُ الْخُبْثُ فِي الرِّبْحِ، وَالدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ لَا يَتَعَيَّنَانِ عَلَى الْعُقُودِ فَلَمْ يَتَعَلَّقْ الْعَقْدُ الثَّانِي بِعَيْنِهَا فَلَمْ يَتَمَكَّنْ الْخُبْثُ فَلَا يَجِبُ التَّصَدُّقُ، وَهَذَا فِي الْخُبْثِ الَّذِي سَبَبُهُ فَسَادُ الْمِلْكِ، أَمَّا الْخُبْثُ لِعَدَمِ الْمِلْكِ فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ يَشْمَلُ النَّوْعَيْنِ لِتَعَلُّقِ الْعَقْدِ فِيمَا يَتَعَيَّنُ حَقِيقَةً، وَفِيمَا لَا يَتَعَيَّنُ شُبْهَةً مِنْ حَيْثُ إنَّهُ يَتَعَلَّقُ بِهِ سَلَامَةُ الْمَبِيعِ أَوْ

تَقْدِيرُ الثَّمَنِ، وَعِنْدَ فَسَادِ الْمِلْكِ تَنْقَلِبُ الْحَقِيقَةُ شُبْهَةً وَالشُّبْهَةُ تَنْزِلُ إِلَى شُبْهَةِ الشُّبْهَةِ، وَالشُّبْهَةُ هِيَ الْمُعْتَبَرَةُ دُونَ النَّازِلِ عَنْهَا .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے بیع فاسد میں کوئی باندی خریدی اوران دونوں نے اعواض پر قبضہ بھی کرلیا ہے اس کے بعد مشتری نے اس باندی کو بیچ کر نفع کمالیا تو وہ نفع کو صدقہ کردے۔ جبکہ بائع کیلئے ثمن میں حاصل ہونے والا نفع حلال ہے اوران دونوں میں فرق یہ ہے کہ باندی متعین ہونے والی اشیاء میں سے ہے پس عقد اسی سے متعلق ہوگا جبکہ نفع میں خباثت سرایت کرنے والی ہے۔ دراہم ودنانیر یہ عقود میں متعین نہیں ہوا کرتے پس دوسرا قطعی طور پر ان دراہم سے متعلق نہ ہوگا اوران میں خباثت بھی سرایت کرنے نہ ہوگی۔ لہذا نفع کو صدقہ کرنا واجب نہ ہوگا۔ اور یہ فرق اس خباثت میں ہے جس کے سبب سے ملکیت میں فساد ہوتا ہے البتہ وہ خباثت جو عدم ملکیت کی وجہ سے ہوتا ہے طرفین کے نزدیک وہ دونوں اقسام کو شامل ہے۔ کیونکہ عقد کا تعلق حقیقت میں انہی سے متعین ہو چکا ہے جبکہ غیر معین میں بطور شبہ متعلق ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مبیع کی سلامتی یا پھر ثمن کا اندازہ کرنا متعلق ہوا کرتا ہے اور ملکیت میں فساد کے سبب حقیقت شبہ میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اب یہ شبہ، شبہ در شبہ میں پہنچ چکا ہے۔ اور شبہ کا اعتبار کرلیا جاتا ہے جبکہ شبہ در شبہ کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔

شرح

جو بیع شرع میں بالکل ہی غیر معتبر اور لغو ہو اور ایسا سمجھیں کہ اس نے بالکل خریدا ہی نہیں۔ اور اس نے بیچا ہی نہیں اس کو باطل کہتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ خریدنے والا اس کا مالک نہیں ہوا۔ وہ چیز اب تک اسی بیچنے والے کی ملک میں ہے اس لیے خریدنے والے کو نہ تو اس کا کھانا جائز نہ کسی کو دینا جائز۔ کسی طرح سے اپنے کام میں لانا درست نہیں۔ اور جو بیع ہو تو گئی ہو لیکن اس میں کچھ خرابی گئی ہے اس کو بیع فاسد کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک خریدنے والی کے قبضہ میں نہ آئے تب تک وہ خریدی ہوئی چیز اس کی ملک میں نہیں تھی۔ اور جب قبضہ کرلیا تو ملک میں تو آ گئی لیکن حلال طیب نہیں ہے۔ اس لیے اس کو کھانا پینا یا کسی اور طرح سے اپنے کام میں لانا درست نہیں۔ بلکہ ایسی بیع کا توڑ دینا واجب ہے۔ لینا ہو تو پھر سے بیع کریں اور مول لیں۔ اگر یہ بیع نہیں توڑی بلکہ کسی اور کے ہاتھ وہ چیز بیچ ڈالی تو گناہ ہوا اور اس دوسرا خریدنے والے کے لیے اس کا کھانا پینا اور استعمال کرنا جائز ہے اور یہ دوسری بیع درست ہوگئی۔ اگر نفع لے کر بیچا ہو تو نفع کا خیرات کردینا واجب ہے اپنے کام میں لانا درست نہیں۔

محض دوسرے کے مال پر دعویٰ کرنے کا بیان

قَالَ (وَكَذَلِكَ إِذَا ادَّعَى عَلَى آخَرَ مَالًا فَقَضَاهُ إِيَّاهُ، ثُمَّ تَصَادَقَا أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ شَيْءٌ وَقَدْ رَبِحَ الْمُدَّعِي فِي الدَّرَاهِمِ يَطِيبُ لَهُ الرِّبْحُ) ؛ لِأَنَّ الْخُبْثَ لِفَسَادِ الْمِلْكِ هَاهُنَا ؛

لِأَنَّ الدَّيْنَ وَجَبَ بِالتَّسْمِيَةِ ثُمَّ اُسْتُحِقَّ بِالتَّصَادُقِ، وَبَدَلُ الْمُسْتَحِقِّ مَمْلُوكٌ فَلَا يَعْمَلُ فِيمَا لَا يَتَعَيَّنُ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے ویسے ہی دوسرے کے مال پر دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے وہ مال اس مدعی کو دے دیا اس کے بعد دونوں نے سچائی کو واضح کیا کہ مدعی علیہ پر تو کوئی مال ہی نہ تھا۔ اور مدعی نے ان دراہم سے فائدہ کما لیا ہے تو اس کیلئے نفع حلال ہوگا کیونکہ یہاں خباثت فساد ملکیت کی وجہ سے ہے کیونکہ مدعی کے دعویٰ سے قرض واجب ہوا ہے اس کے بعد آپس کی سچائی سے وہ مستحق ٹھہرا ہے اور اس کا بدلہ ملکیت ہوتا ہے پس غیر معین دراہم میں خباثت کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب ایک شخص نے دوسرے پر ایک مال کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے دیدیا اُس مال سے مدعی نے کچھ نفع حاصل کیا پھر دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ مال نہیں چاہیے تھا تو جو کچھ نفع اُٹھایا ہے مدعی کے لیے حلال ہے۔ مگر یہ اُس وقت ہے کہ مدعی کے خیال میں یہی تھا کہ یہ مال میرا ہے اور اگر قصداً غلط طور پر مطالبہ کیا اور لیا تو یہ لینا حرام ہے اور اسکا نفع بھی ناجائز وخبیث۔ غاصب نے مغصوب سے جو کچھ نفع اُٹھایا ہے حرام ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ .(البقرہ،۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لئے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھالو، جان بوجھ کر۔ (کنز الایمان)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں باطل طور پر کسی کا مال کھانا حرام فرمایا گیا خواہ لوٹ کر یا چھین کر چوری سے یا جوئے سے یا حرام تماشوں یا حرام کاموں یا حرام چیزوں کے بدلے یا رشوت یا جھوٹی گواہی یا چغل خوری سے یہ سب ممنوع وحرام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ناجائز فائدہ کے لئے کسی پر مقدمہ بنانا اور اس کو حکام تک لے جانا ناجائز وحرام ہے اسی طرح اپنے فائدہ کی غرض سے دوسرے کو ضرر پہنچانے کے لئے حکام پر اثر ڈالنا رشوتیں دینا حرام ہے جو حکام رس لوگ ہیں وہ اس آیت کے حکم کو پیش نظر رکھیں حدیث شریف میں مسلمانوں کے ضرر پہنچانے والے پر لعنت آئی ہے۔

(خزائن العرفان، بقرہ،۱۸۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی اور کا مال چاہئے اور اس حقدار کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ شخص اس کا انکار کر جائے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس پر اس کا حق ہے

وہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے تئیں گنہگاروں میں کر رہا ہے،

حضرت مجاہد سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، حسن، قتادہ، سدی مقاتل بن حیان، عبدالرحمٰن بن زید اسلم بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر، بخاری و مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں انسان ہوں میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں شاید ایک دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو اور میں اس کی چکنی چپڑی تقریر سن کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ درحقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوادوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھا لے خواہ نہ اٹھائے، میں کہتا ہوں یہ آیت اور حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کو شریعت کے نزدیک بدلتا نہیں، فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر ورنہ حاکم کو تو اجر ملے گا، لیکن اس فیصلہ کی بنا پر حق کو ناحق کو حق لینے والا اللہ کا مجرم ٹھہرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا، جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے، کہ تم اپنے دعوے کو باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کے لئے جھوٹے مقدمات بنا کر جھوٹے گواہ گزار کر ناجائز طریقوں سے حکام کو غلطی کھلا کر اپنے دعووں کو ثابت نہ کیا کرو، حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگو! سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لئے حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے، قاضی تو اپنی عقل سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ اسے جائز مال نہ سمجھ لو یہ جھگڑا باقی ہی ہے یہاں تک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں اسے بدلہ دلوائے۔

باطل طریقوں سے دوسروں کا مال ہضم کرنے کی کئی صورتیں ہیں مثلاً چوری، خیانت، دغابازی ڈاکہ، جوا، سود اور تمام ناجائز قسم کی تجارتیں اور سودے بازیاں ہیں اور اس آیت میں بالخصوص اس ناجائز طریقہ کا ذکر ہے جو حکام کی وساطت سے حاصل ہو۔ کی ایک عام صورت تو رشوت ہے کہ حاکم کو رشوت دے کر مقدمہ اپنے حق میں کرالے اور اس طرح دوسرے کا مال ہضم کر جائے اور دوسری یہ کہ مثلاً تمہیں معلوم ہے کہ فلاں جائیداد یا فلاں چیز زید کی ہے۔ لیکن اس کی ملکیت کا کوئی ثبوت اس کے پاس موجود نہیں ہے اور تم مقدمہ کی صورت میں ایچ پیچ کے ذریعہ وہ چیز زید سے ہتھیا سکتے ہو تو اس طرح عدالت کے ذریعہ تم اس چیز کے مالک بن سکتے ہو۔ اس طرح بھی دوسرے کا مال ہضم کرنا حرام ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا "میں ایک انسان ہی ہوں۔ تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک دوسرے کی نسبت اپنی دلیل اچھی طرح پیش کرتا ہو اور میں جو کچھ سنوں اسی کے مطابق فیصلہ کر دوں اور اگر میں کسی کو اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دینے کا فیصلہ کر دوں تو اسے چاہیے کہ نہ لے۔ کیونکہ میں سے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔ (بخاری، کتاب الاحکام، باب موعظۃ الامام للخصوم)

فَصْلٌ فِيمَا يُكْرَهُ

﴿یہ فصل بیع میں مکروہ اشیاء کے بیان میں ہے﴾

فصل بیع میں کراہت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ مکروہ فاسد سے درجے میں کم تر ہوتا ہے۔لیکن مکروہ ہوتا فاسد کے شعبہ سے ہے۔پس اس کو فاسد کے ساتھ ہی ملا دیا گیا ہے اور اس سے مؤخر کیا گیا ہے۔اور غالباً اس کی تحقیق یہ بھی ہے کہ اصول فقہ میں یہ اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ جب قباحت امر مجاور میں ہو اس کو مکروہ کہتے ہیں اور جب وہ وصف اتصالی کے ساتھ ہو تو وہ فاسد ہے اور اس کی ہم بیان کر چکے ہیں۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۹، ص ۲۸۰، بیروت)

بیع نجش کا فقہی مفہوم اور اسکی حرمت پر اجماع

"نجش" سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو بکتا ہوا دیکھے تو خواہ مخواہ اس کی قیمت بڑھا دے۔اُس قیمت بڑھانے والے کا مقصد اُس چیز کو خریدنا نہ ہو بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہو کہ یہ چیز مہنگے داموں بک جائے۔بعض اوقات یہ قیمت بڑھانے والے دکان دار کے ساتھ مل کر گاہک کو پھنسانے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ایسی صورت میں دکان دار اور ایسی بولی لگانے والا دونوں اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔بعض اوقات دکان دار تو اس فعل میں شریک نہیں ہوتا لیکن قیمت بڑھانے والا اس نیت سے قیمت بڑھاتا رہتا ہے کہ خریدار کو نقصان ہو۔ایسی صورت میں صرف قیمت بڑھانے والا ہی گناہ گار ہوگا۔

امام نووی شافعی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

هٰذَا حَرَام بالاجماع 'والبيع صحيح 'والاثم مختص بالناجش ان لم يعلم به البائع 'فان واطاه على ذلك اثما جميعا ۔(شرح مسلم)

بیع نجش کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے 'لیکن یہ بیع ہو جاتی ہے' اگرچہ ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا 'اور گناہ اس کو ہوگا جس نے قیمت بڑھائی بشرطیکہ دکان دار کو اس کا علم نہ ہو 'اگر دکان دار بھی ساتھ ملا ہوا ہو تو دونوں گناہ گار ہوں گے۔اس بیع کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں خریدار کو دھوکا دیا جاتا ہے۔اور دھوکے کی اسلام میں قطعی ممانعت ہے۔

بیع نجش سے ممانعت کا بیان

قَالَ (وَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ النَّجْشِ) وَهُوَ أَنْ يَزِيدَ فِي الثَّمَنِ وَلَا يُرِيدُ الشِّرَاءَ لِيُرَغِّبَ غَيْرَهُ وَقَالَ "(لَا تَنَاجَشُوا). "

ترجمہ

فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے بیع نجش سے منع کیا ہے اور نجش یہ ہے کہ انسان خرید و فروخت کے بغیر دوسرے کو راغب کرنے کیلئے قیمت میں اضافہ کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نجش نہ کرو۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نجش مکروہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا نجش یہ ہے کہ مبیع کی قیمت بڑھائے اور خود خریدنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ دوسرے گاہک کو رغبت پیدا ہو اور قیمت سے زیادہ دے کر خرید لے اور یہ حقیقۃً خریدار کو دھوکا دینا ہے جیسا کہ بعض دُکانداروں کے یہاں اس قسم کے آدمی لگے رہتے ہیں گاہک کو دیکھ کر چیز کے خریدار بن کر دام بڑھا دیا کرتے ہیں اور ان کی اس حرکت سے گاہک دھوکا کھا جاتے ہیں۔ گاہک کے سامنے مبیع کی تعریف کرنا اور اُس کے ایسے اوصاف بیان کرنا جو نہ ہوں تاکہ خریدار دھوکا کھا جائے یہ بھی نجش ہے۔ جس طرح ایسا کرنا بیع میں ممنوع ہے نکاح اجارہ وغیرہ میں بھی ممنوع ہے۔ اس کی ممانعت اُس وقت ہے جب خریدار واجبی قیمت دینے کے لیے طیار ہے اور یہ دھوکا دے کر زیادہ کرنا چاہے۔ اور اگر خریدار واجبی قیمت سے کم دیکر لینا چاہتا ہے اور ایک شخص غیر خریدار اس لیے دام بڑھا رہا ہے کہ اصلی قیمت تک خریدار پہنچ جائے یہ ممنوع نہیں کہ ایک مسلمان کو نفع پہنچاتا ہے بغیر اس کے کہ دوسرے کو نقصان پہنچائے۔

(فتح القدیر، کتاب بیوع)

حضرت ابن ابی اوفی نے کہا کہ ناجش سود خوار اور خائن ہے۔ اور نجش فریب ہے، خلاف شرع بالکل درست نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فریب دوزخ میں لے جائے گا اور جو شخص ایسا کام کرے جس کا حکم ہم نے نہیں دیا تو وہ مردود ہے۔

دھوکے کی بیع یہ ہے کہ مثلاً پرندہ ہوا میں اڑ رہا ہے یا مچھلی دریا میں جا رہی ہے یا ہرن جنگل میں بھاگ رہا ہے۔ اس کو پکڑنے سے پہلے بیچ ڈالے، اسی طرح اس غلام یا لونڈی کو جو بھاگ گیا ہو اور اسی میں داخل ہے بیع معدوم اور مجہول کی اور جس کی تسلیم پر قدرت نہیں۔ اور حبل الحبلہ کی بیع جاہلیت میں مروج تھی۔ اس کی تفسیر آگے خود حدیث میں آ رہی ہے۔ باب کی حدیث میں دھوکے کی بیع کا ذکر نہیں ہے۔ مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حبل الحبلہ کی ممانعت سے نکال لیا۔ اس لیے کہ وہ بھی دھوکے کی ایک قسم ہے۔ ممکن ہے کہ اونٹنی نہ جنے یا اس کا جو بچہ پیدا ہو وہ نہ جنے۔ اور شاید امام بخاری نے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا جس کو امام احمد نے ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے اور مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور طبرانی نے سہل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں صاف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا۔ بعض نے حبل الحبلہ کی تفسیر یہ کی ہے کہ اونٹنی کے حمل کے حمل کو فی الحال بیچ ڈالے مثلاً یوں کہے کہ اس اونٹنی کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کے پیٹ بچہ کو میں نے تیرے ہاتھ بیچا۔ یہ بھی منع ہے اس لیے کہ یہ معدوم اور مجہول کی بیع ہے۔ اور بیع غرر یعنی دھوکے کی بیع میں

داخل ہے۔(صحیح بخاری،حدیث نمبر 2142)

عن ابن عمر - رضی الله عنهما - قال نهى النبی صلى الله علیه وسلم عن النجش

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے امام مالک نے بیان کیا، ان سے نافع نے، اوران سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجش سے منع فرمایا تھا۔

نجش خاص طور پر شکار کو بھڑ کانے کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں ایک خاص مفہوم شرعی کے تحت یہ مستعمل ہے۔ وہ مفہوم یہ کہ کچھ تاجر اپنے غلط گو ایجنٹ مقرر کر دیتے ہیں جن کا کام یہی ہوتا ہے کہ ہر ممکن صورت میں خریدنے والوں کو دھوکہ دے کر زیادہ قیمت وصول کرائیں۔ ایسے ایجنٹ بعض دفعہ گاہک کی موجودگی میں اس چیز کا دام بڑھا کر خریدار بنتے ہیں۔ حالانکہ وہ خریدار نہیں ہیں۔ گاہک دھوکہ میں آ کر بڑھے ہوئے داموں پر وہ چیز خرید لیتا ہے۔ الغرض بیع میں دھوکہ فریب کی جملہ صورتیں سخت ترین گناہ کبیرہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ شریعت نے سختی سے ان کو روکا ہے۔

دوسرے کے ریٹ پر ریٹ لگانے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَعَنْ السَّوْمِ عَلَى سَوْمِ غَيْرِهِ) قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (: لَا يَسْتَمِ الرَّجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ) " ؛ وَلِأَنَّ فِي ذَلِكَ إيحَاشًا وَإِضْرَارًا، وَهَذَا إذَا تَرَاضَى الْمُتَعَاقِدَانِ عَلَى مَبْلَغٍ ثَمَنًا فِي الْمُسَاوَمَةِ، فَأَمَّا إذَا لَمْ يَرْكَنْ أَحَدُهُمَا إلَى الْآخَرِ فَهُوَ بَيْعُ مَنْ يَزِيدُ وَلَا بَأْسَ بِهِ عَلَى مَا نَذْكُرُهُ، وَمَا ذَكَرْنَاهُ مَحْمَلُ النَّهْيِ فِي النِّكَاحِ أَيْضًا .

ترجمہ

فرمایا: اور کوئی شخص دوسرے کے ریٹ پر ریٹ نہ لگائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی انسان اپنے بھائی کے ریٹ پر ریٹ نہ لگائے اور نہ ہی اس کے پیغام پر اپنا پیغام نکاح دے۔ کیونکہ اس میں وحشت اور تکلیف میں مبتلاء کرنا ہے۔ اور یہ حکم اس وقت ہے جب دونوں عقد کرنے والے ثمن کی مقدار پر ریٹ کرنے میں باہم راضی ہوں۔ مگر جب عقد کرنے والوں میں سے کوئی ایک راضی نہ ہو تو یہ بیع میں نیلامی ہے اور بیع میں نیلامی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جس طرح ہم اس کو بیان کر دیں گے۔ اور جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ نکاح میں بھی اس نہی کا وہی حمل ہے۔

شرح

یعنی پہلا بائع اگر اجازت دے کہ تم بھی اپنا مال اس خریدار کو بتلاؤ، بیچو تو بیچنا درست ہے۔ اسی طرح اگر پہلا خریدار اس چیز کو چھوڑ کر چلا جائے نہ خریدے تو دوسرے کو اس کا خریدنا درست ہے ورنہ حرام ہے۔

امام اوزاعی نے کہا یہ امر مسلمان بھائی کے لیے خاص ہے اور جمہور نے اس کو عام رکھا ہے۔ کیوں کہ یہ امر اخلاق سے بعید ہے کہ ایک شخص اپنا سامان بیچ رہا ہے یا کوئی شخص کچھ خرید رہا ہے ہم بیچ میں جا کودیں اور اس کا فائدہ نہ ہونے دیں۔

(حدیث نمبر 2139)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شخص اپنے بھائی کی خرید وفروخت میں دخل اندازی نہ کرے۔ (حدیث نمبر 2140)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال و اسباب بیچے اور یہ کہ کوئی (سامان خریدنے کی نیت کے بغیر دوسرے اصل خریداروں سے) بڑھ کر بولی نہ دے۔ اسی طرح کوئی شخص اپنے بھائی کے سودے میں مداخلت نہ کرے۔ کوئی شخص (کسی عورت کو) دوسرے کے پیغام نکاح ہوتے ہوئے اپنا پیغام نہ بھیجے۔ اور کوئی عورت اپنی کسی دینی بہن کو اس نیت سے طلاق نہ دلوائے کہ اس کے حصہ کو خود حاصل کر لے۔

یعنی باہر والے جو غلہ یا اشیاء باہر سے لاتے ہیں، وہ اکثر بستی والوں کے ہاتھ سستا بیچ کر گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ اب کوئی شہر والا ان کو بہکائے، اور کہے ابھی نہ بیچو، یہ مال میرے سپرد کر دو، میں اس کو مہنگا بیچ دوں گا۔ تو اس سے منع فرمایا، کیوں کہ یہ بستی والوں کو نقصان پہنچانا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ محض بھاؤ بگاڑنے کے لیے بولی چڑھا دیتے ہیں۔ اور ان کی نیت خریدنے کی نہیں ہوتی۔ یہ سخت گناہ ہے اپنے دوسرے بھائی کو نقصان پہنچانا ہے۔ اسی طرح ایک عورت کے لیے کسی مرد نے پیغام نکاح دیا ہے تو کوئی دوسرا اس کو پیغام نہ دے کہ یہ بھی اپنے بھائی کی حق تلفی ہے۔ اسی طرح کوئی عورت کسی شادی شدہ مرد سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اس کو یہ جائز نہیں کہ اس کی پہلی موجودہ بیوی کو طلاق دلوانے کی شرط لگائے کہ یہ اس بہن کی سخت حق تلفی ہے۔ اس صورت میں وہ عورت اور مرد ہر دو گنہگار ہوں گے۔

بیع تلقی جلب کی ممانعت کا بیان

قَالَ (وَعَنْ تَلَقِّي الْجَلَبِ) وَهَذَا إذَا كَانَ يَضُرُّ بِأَهْلِ الْبَلَدِ فَإِنْ كَانَ لَا يَضُرُّ فَلَا بَأْسَ بِهِ، إلَّا إذَا لَبَّسَ السِّعْرَ عَلَى الْوَارِدِينَ فَحِينَئِذٍ يُكْرَهُ لِمَا فِيهِ مِنْ الْغُرُورِ وَالضَّرَرِ .

ترجمہ

فرمایا: اور بیع تلقی جلب سے منع کیا گیا ہے اور یہ حکم تب ہے جب تلقی اہل مصر کیلئے نقصان دہ ہو اور اگر وہ نقصان دہ نہیں ہے تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں ہے ہاں البتہ جب متلقی آنے پر ریٹ کو چھپانے والا ہو تو وہ مکروہ ہو جائے گی۔ کیونکہ اس میں دھوکہ اور نقصان ہے۔

دھوکے کے سبب بیع کی ممانعت کا بیان

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلقی جلب سے ممانعت فرمائی۔ یعنی باہر سے تاجر جو غلہ لا رہے ہیں ان کے شہر میں پہنچنے سے قبل باہر جاکر خرید لینا اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اہل شہر کو غلہ کی ضرورت ہے اور یہ اس لیے ایسا کرتا ہے کہ غلہ ہمارے قبضہ میں ہوگا نرخ زیادہ کرکے بیچیں گے دوسری صورت یہ ہے کہ غلہ لانے والے تاجر شہر کا نرخ غلط بتا کر خرید ے، مثلاً شہر میں پندرہ سیر کے گیہوں بکتے ہیں، اس نے کہہ دیا اٹھارہ سیر کے ہیں اس طرح خریدنا چاہتا ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو ممانعت نہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا : کہ شہری آدمی دیہاتی کے لیے بیع کرے یعنی دیہاتی کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے بازار میں آتا ہے مگر وہ ناواقف ہے سستی بیچ ڈالے گا شہری کہتا ہے تو مت بیچ، میں اچھے داموں بیچ دوں گا، یہ دلال بن کر بیچتا ہے اور حدیث کا مطلب بعض فقہا نے یہ بیان کیا ہے کہ جب اہل شہر قحط میں مبتلا ہوں ان کو خود غلہ کی حاجت ہو ایسی صورت میں شہر کا غلہ باہر والوں کے ہاتھ گراں کر کے بیع کرنا ممنوع ہے کہ اس سے اہل شہر کو ضرر پہنچے گا اور اگر یہاں والوں کو احتیاج نہ ہو تو بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

جب کہیں باہر سے غلہ کی رسد آتی ہے تو بعض بستی والے یہ کرتے ہیں کہ ایک دو کوس بستی سے آگے نکل کر راہ میں ان بیوپاریوں سے ملتے ہیں اور ان کو دغا اور دھوکا دے کر بستی کا نرخ اترا ہوا بیان کر کے ان کا مال خرید لیتے ہیں۔ جب وہ بستی میں آتے ہیں تو وہاں کا نرخ زیادہ پاتے ہیں اور ان کو چکمہ دیا گیا ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی صورت میں بیع باطل اور لغو ہے۔ بعض نے کہا ایسا کرنا حرام ہے۔ لیکن بیع صحیح ہو جائے گی۔ اور ان کو اختیار ہوگا کہ بستی میں آ کر وہاں کا نرخ دیکھ کر اس بیع کو قائم رکھیں یا فسخ کر ڈالیں۔ حنفیہ نے کہا کہ اگر قافلہ والوں سے آگے جا کر ملنا بستی والوں کو نقصان کا باعث ہو تب مکروہ ہے ورنہ نہیں۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر 2162)

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالوہاب نے بیان کیا، ان سے عبیداللہ عمری نے بیان کیا، ان سے سعید بن ابی سعید نے اور ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (تجارتی قافلوں سے) آگے بڑھ کر ملنے سے منع فرمایا ہے اور بستی والوں کو باہر والوں کا مال بیچنے سے بھی منع فرمایا۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر 2163)

آگے قافلوں کے پاس خود ہی پہنچ جایا کرتے تھے اور (شہر میں پہنچنے سے پہلے ہی) ان سے غلہ خرید لیا کرتے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ ہم اس مال کو اسی جگہ بیچیں جب تک اناج کے بازار میں نہ لائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ ملنا بازار کے بلند کنارے پر تھا۔ (جدھر سے سوداگر آیا کرتے تھے) اور یہ بات عبیداللہ کی حدیث سے نکلتی ہے۔

اس روایت میں جو مذکور ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قافلہ والوں سے آگے جا کر ملتے اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ بستی سے

نکل کر، یہ تو حرام اور منع تھا۔ بلکہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ بازار میں آجانے کے بعد اس کے کنارے پر ہم ان سے ملتے۔ کیوں کہ اس روایت میں اس امر کی ممانعت ہے کہ غلہ کو جہاں خریدیں وہاں نہ بیچیں اور اس کی ممانعت اس روایت میں نہیں ہے کہ قافلہ والوں سے آگے بڑھ کر ملنا منع ہے۔ ایسی حالت میں یہ روایت ان لوگوں کی دلیل نہیں ہوسکتی جنہوں نے قافلہ والوں سے آگے بڑھ کر ملنا درست رکھا ہے۔ (صحیح بخاری حدیث نمبر 2167)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ لوگ بازار کی بلند جانب جا کر غلہ خریدتے اور وہیں بیچنے لگتے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ غلہ وہاں نہ بیچیں جب تک اس کو اٹھوا کر دوسری جگہ نہ لے جائیں۔

معلوم ہوا کہ جب قافلہ بازار میں آجائے تو اس سے آگے بڑھ کر ملنا درست نہیں۔ بعض نے کہا بستی کی حد تک آگے بڑھ کر ملنا درست ہے۔ بستی سے باہر جا کر ملنا درست نہیں۔ مالکیہ نے کہا کہ اس میں اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے کہ ایک میل سے کم آگے بڑھ کر ملنا درست ہے کوئی کہتا ہے کہ چھ میل سے کم پر، کوئی کہتا ہے کہ دو دن کی راہ سے کم پر۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے کسی غلہ بیچنے والے قافلے سے شہر کے باہر جا کر ملنے سے منع فرمایا اور اگر کوئی شخص ان سے کچھ خریدے تو شہر میں داخل ہونے کے بعد غلے والوں کو اختیار ہے۔ یہ حدیث ایوب کی روایت سے حسن غریب ہے۔ ابن مسعود کی حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کی ایک جماعت نے شہر سے باہر جا کر تجارتی قافلے سے ملاقات کو مکروہ کہا ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا دھوکہ ہے امام شافعی اور ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1237)

شہری کا دیہاتی سے بیع کرنے کا بیان

قَالَ (وَعَنْ بَيْعِ الْحَاضِرِ لِلْبَادِي) فَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا يَبِيعُ الْحَاضِرُ لِلْبَادِي) وَهَذَا إذَا كَانَ أَهْلُ الْبَلَدِ فِي قَحْطٍ وَعَوَزٍ، وَهُوَ أَنْ يَبِيعَ مِنْ أَهْلِ الْبَدْوِ طَمَعًا فِي الثَّمَنِ الْغَالِي لِمَا فِيهِ مِنْ الْإِضْرَارِ بِهِمْ أَمَّا إذَا لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ فَلَا بَأْسَ بِهِ لِانْعِدَامِ الضَّرَرِ .

ترجمہ

فرمایا: اور شہری کا دیہاتی سے بیع کرنا منع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: شہری دیہاتی کیلئے فروخت نہ کرے۔ اور یہ حکم تب ہے جب شہر والے قحط اور تنگی میں مبتلاء ہیں اور شہری بندہ دیہاتی کو زیادہ قیمت کے لالچ میں بیچ ڈالے۔ کیونکہ اس کے سبب سے اہل بلد کو تکلیف ہوگی مگر جب اس طرح کی صورت حال نہ ہو تو اس بیع میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نقصان ختم ہو چکا ہے۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شہری، کسی دیہاتی

کا مال بیچے۔یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی کہا ہے۔(صحیح بخاری رقم الحدیث،۲۱۵۹)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اوپر گزرا کہ بستی والے باہر والے کا دلال نہ بنے۔یعنی اجرت لے کر اس کا مال نہ بکوائے اور باب کا بھی یہی مطلب ہے۔ و اعلم انه کما لا یجوز ان لا یبیع الحاضر للبادی کذلك لا یجوز ان یشتری له الخ یعنی جیسے کہ شہری کے لیے دیہاتی کا مال بیچنا منع ہے اسی طرح یہ بھی منع ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کے لیے کوئی مال اس کی اطلاع اور پسند کے بغیر خریدے۔یہ جملہ احکامات درحقیقت اس لیے ہیں کہ کوئی شہری کسی بھی صورت میں کسی دیہاتی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔

ابن سیرین اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ نے بیچنے اور خریدنے والے دونوں کے لیے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ عرب کہتے ہیں بع لی ثوبا یعنی کپڑا خرید لے۔مطلب یہ ہے کہ حدیث میں جو لا یبیع حاضر لباد ہے، یہ بیع اور شراء دونوں کو شامل ہے۔جیسے شراء باع کے معنی میں آتا ہے۔قرآن میں ہے و شروه بثمن بخس دراهم یعنی باعوا ایسا ہی باع بھی شری کے معنوں میں آتا ہے اور دونوں صورتیں منع ہیں۔

اذان جمعہ کے وقت بیع سے ممانعت کا بیان

قَالَ :(وَالْبَيْعُ عِنْدَ أَذَانِ الْجُمُعَةِ) قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَذَرُوا الْبَيْعَ) ثُمَّ فِيهِ إخْلَالٌ بِوَاجِبِ السَّعْيِ عَلَى بَعْضِ الْوُجُوهِ، وَقَدْ ذَكَرْنَا الْأَذَانَ الْمُعْتَبَرَ فِيهِ فِي كِتَابِ الصَّلَاةِ .

قَالَ (وَكُلُّ ذَلِكَ يُكْرَهُ) لِمَا ذَكَرْنَا، وَلَا يَفْسُدُ بِهِ الْبَيْعُ ؛لِأَنَّ الْفَسَادَ فِي مَعْنًى خَارِجٍ زَائِدٍ لَا فِي صُلْبِ الْعَقْدِ وَلَا فِي شَرَائِطِ الصِّحَّةِ .قَالَ (وَلَا بَأْسَ بِبَيْعِ مَنْ يَزِيدُ) وَتَفْسِيرُهُ مَا ذَكَرْنَا .

وَقَدْ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بَاعَ قَدَحًا وَحِلْسًا بِبَيْعِ مَنْ يَزِيدُ) ؛ وَلِأَنَّهُ بَيْعُ الْفُقَرَاءِ وَالْحَاجَةُ مَاسَّةٌ إلَى نَوْعٍ مِنْهُ .

ترجمہ

فرمایا: اور اذان جمعہ کے وقت بیع کرنا، اللہ تعالی نے فرمایا: اور تم بیع کو بھی چھوڑ دو' کیونکہ بعض اوقات اس کی وجہ سے سعی میں خلل اندازی ہوتی ہے اور کتاب صلوۃ میں ہم اذان کے اعتبار کو بیان کر آئے ہیں۔

ہماری بیان کردہ سابقہ تمام صورتوں میں بیع مکروہ ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں اور اس سے بیع فاسد نہیں ہوگی کیونکہ فساد ایک عقد سے خارج اور زائد چیز ہے جو صلب عقد اور صحت عقد کی شرائط میں نہیں ہے۔

بیع میں نیلامی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی وضاحت ہم بیان کر آئے ہیں اور صحیح حکم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک پیالہ

اور ایک کمبل کو نیلامی کے طور فروخت کیا اور یہ بھی دلیل ہے کہ وہ غریبوں کی بیع ہے اور اس سے ضرورت ثابت ہے۔

شرح

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ .(الجمعه، ۹)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی اذان ہوتے ہی خرید و فروخت حرام ہو جاتی ہے اور عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ ہر پیشہ (اور شغل) حرام ہو جاتا ہے۔(بخاری، کتاب الجمعه، باب المشی الی الجمعة)

جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے علماء کرام رضی اللہ عنہم کا اتفاق ہے کہ اذان کے بعد خرید و فروخت حرام ہے، اس میں اختلاف ہے کہ دینے والا اگر دے تو وہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ ظاہر آیت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی صحیح نہ ٹھہرے گا واللہ اعلم، پھر فرماتا ہے بیع کو چھوڑ کر ذکر اللہ اور نماز کی طرف تمہارا آنا ہی تمہارے حق میں دین دنیا کی بہتری کا باعث ہے اگر تم میں علم ہو۔ ہاں جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اس مجمع سے چلے جانا اور اللہ کے فضل کی تلاش میں لگ جانا تمہارے لئے حلال ہے۔

عراک بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر لوٹ کر مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے (ترجمہ) یعنی اے اللہ میں نے تیری آواز پر حاضری دی اور تیری فرض کردہ نماز ادا کی پھر تیرے حکم کے مطابق اس مجمع سے اٹھ آیا، اب تو مجھے اپنا فضل نصیب فرما تو سب سے بہتر روزی رساں ہے (ابن ابی حاتم)

اس آیت کو پیش نظر رکھ کر بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد خرید و فروخت کرے اسے اللہ تعالیٰ ستر حصے زیادہ برکت دے گا۔ پھر فرماتا ہے کہ خرید فروخت کی حالت میں بھی ذکر اللہ کیا کرو دنیا کے نفع میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ آخروی نفع بھول بیٹھو۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص کسی بازار جائے اور وہاں (ترجمہ) پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ برائیاں معاف فرماتا ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں بندہ کثیر الذکر اسی وقت کہلاتا ہے جبکہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا ہے۔

جمعہ کیلئے سعی میں دیگر کاموں کو ترک کرنے کا بیان

خرید و فروخت چھوڑ دو کا مطلب صرف خرید و فروخت ہی چھوڑنا نہیں ہے، بلکہ نماز کے لیے جانے کی فکر اور اہتمام کے سوا ہر دوسری مصروفیت چھوڑ دینا ہے، بیع کا ذکر خاص طور پر صرف اس لیے کیا گیا ہے کہ جمعہ کے روز تجارت خوب چمکتی تھی، آس پاس کی بستیوں کے لوگ سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جاتے تھے، تاجر بھی اپنا مال لے لے کر وہاں پہنچ جاتے تھے۔ لوگ بھی اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے میں لگ جاتے تھے۔ لیکن ممانعت کا حکم صرف بیع تک محدود نہیں ہے، بلکہ دوسرے تمام مشاغل بھی اس کے تحت آ جاتے ہیں، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ان سے منع فرما دیا ہے، اس لیے فقہاء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کی اذان کے

بعد بیع اور ہر قسم کا کاروبار حرام ہے۔

یہ حکم قطعی طور پر نماز جمعہ کے فرض ہونے پر دلالت کرتا ہے۔اول تو اذان سنتے ہیں اس کے لیے دوڑنے کی تاکید بجائے خود اس کی دلیل ہے۔ پھر بیع جیسی حلال چیز کا اس کی خاطر حرام ہو جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ فرض ہے۔مزید برآں ظہر کی فرض نماز کا جمعہ کے روز ساقط ہو جانا اور نماز جمعہ کا اس کی جگہ لے لینا بھی اس کی فرضیت کا صریح ثبوت ہے۔ کیونکہ ایک فرض اسی وقت ساقط ہوتا ہے جبکہ اس کی جگہ لینے والا فرض اس سے زیادہ اہم ہو۔اسی کی تائید بکثرت احادیث کرتی ہیں،جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی سخت ترین تاکید کی ہے اور اسے صاف الفاظ میں فرض قرار دیا ہے۔حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ کسی اور شخص کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دوں اور جا کر ان لوگوں کے گھر جلا دوں جو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے نہیں آتے۔(مسند احمد،بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے جمعہ کے خطبہ میں حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے : لوگوں کو چاہیے کہ جمعہ چھوڑنے سے باز آ جائیں، ورنہ اللہ ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دے گا اور وہ غافل ہو کر رہ جائیں گے۔(مسند احمد، مسلم،نسائی)

حضرت ابوالجعد ضمری، حضرت جابرؓ بن عبداللہ اور حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفی کی روایات میں حضور ﷺ کے جو ارشادات منقول ہوئے ہیں،ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کسی حقیقی ضرورت اور جائز عذر کے بغیر محض بے پروائی کی بنا پر مسلسل تین جمعے چھوڑ دے،اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ بلکہ ایک روایت میں تو الفاظ یہ ہیں کہ اللہ اس کے دل کو منافق کا دل بنا دیتا ہے (مسند احمد،ابوداؤد نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، حاکم،ابن حبان، بزاز،طبرانی فی الکبیر)

حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا آج سے لے کر قیامت تک جمعہ تم لوگوں پر فرض ہے۔جو شخص اسے ایک معمولی چیز سمجھ کر یا اس کا حق نہ مان کر اسے چھوڑے،خدا اس کا حال درست نہ کرے، نہ اسے برکت دے۔خوب سن رکھو،اس کی نماز نماز نہیں،اس کی زکوۃ زکوۃ نہیں،اس کا حج حج نہیں،اس کا روزہ روزہ نہیں،اس کی کوئی نیکی نیکی نہیں جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لے اللہ اسے معاف فرمانے والا ہے۔(ابن ماجہ،بزار)

اسی سے قریب المعنیٰ ایک روایت طبرانی نے اوسط میں ابن عمرؓ سے نقل کی ہے۔علاوہ بریں بکثرت روایات ہیں جن میں حضور ﷺ نے جمعہ کو بالفاظ صریح فرض اور حق واجب قرار دیا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جمعہ ہر اس شخص پر فرض ہے جو اس کی اذان سنے (ابوداؤد، دارقطنی)

جابرؓ بن عبداللہ اور ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے خطبہ میں فرمایا۔ جان لو کہ اللہ نے تم پر نماز جمعہ فرض کی ہے۔(بیہقی)

البتہ آپ نے عورت، بچے غلام، مریض اور مسافر کو اس فرضیت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔حضرت حفصہ کی روایت ہے کہ

حضور ﷺ نے فرمایا۔ جمعہ کے لیے نکلنا ہر بالغ پر واجب ہے (نسائی)۔ حضرت طارق بن شہاب کی روایت میں آپ کا ارشاد یہ ہے کہ جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ پڑھنا واجب ہے۔ سوائے غلام، عورت، بچے، اور مریض کے (ابوداؤد، حاکم) حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت میں آپ کے الفاظ یہ ہیں : جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس پر جمعہ فرض ہے۔ الا یہ کہ عورت ہو یا مسافر ہو، یا غلام ہو، یا مریض ہو (دارقطنی، بیہقی) قرآن وحدیث کی ان ہی تصریحات کی وجہ سے جمعہ کی فرضیت پر پوری امت کا اجماع ہے۔

"نودی " سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی جو امام کے سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلی اذان بعد کو حضرت عثمان رضی اللہ کے عہد میں صحابہ کے اجماع سے مقرر ہوئی ہے۔ لیکن حرمت بیع میں اس اذان کا حکم بھی اذان قدیم کے ہے کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے۔ البتہ اذان قدیم میں یہ حکم منصوص وقطعی ہوگا اور اذان حادث میں یہ حکم مجتہد فیہ اور ظنی رہے گا۔ اس تقریر سے تمام علمی اشکالات مرتفع ہو گئے۔ نیز واضح رہے کہ "یا ایھا الذین امنوا " یہاں "عام مخصوص منه البعض " ہے۔ کیونکہ بالاجماع بعض مسلمانوں (مثلاً مسافر ومریض وغیرہ) پر جمعہ فرض نہیں۔

نیلام کی بیع کے جواز کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چادر اور ایک پیالہ بیچنے کا ارادہ کیا تو فرمایا یہ چادر اور پیالہ کون خریدے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا میں انہیں ایک درہم میں خریدتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ایک درہم سے زیادہ کون دے گا تو ایک شخص نے دو درہم دے دیئے اس طرح آپ نے یہ دونوں چیزیں اسے دو درہم کے عوض دیدیں۔
یہ حدیث حسن ہے ہم اسے صرف اخضر بن عجلان کی روایت سے پہچانتے ہیں۔
عبداللہ حنفی جو یہ حدیث انس سے نقل کرتے ہیں۔ وہ ابوبکر حنفی ہیں بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ غنیمت اور وراثت کے مال کو نیلام کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ حدیث معتمر بن سلیمان اور کئی راوی بھی اخضر بن عجلان سے نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی۔ جلد اول: حدیث نمبر 1234)

ذی رحم محرم دو چھوٹے غلاموں کو خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ مَلَكَ مَمْلُوكَيْنِ صَغِيرَيْنِ أَحَدُهُمَا ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْ الْآخَرِ لَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَهُمَا، وَكَذَلِكَ إنْ كَانَ أَحَدُهُمَا كَبِيرًا) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ).
(وَوَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ صَغِيرَيْنِ ثُمَّ قَالَ لَهُ :مَا فَعَلَ الْغُلَامَانِ ؟ فَقَالَ :بِعْت أَحَدَهُمَا، فَقَالَ :أَدْرِكْ أَدْرِكْ،

وَيُرْوَى: رُدَّهُ رُدَّهُ) ؛ وَلِأَنَّ الصَّغِيرَ يَسْتَأْنِسُ بِالصَّغِيرِ وَبِالْكَبِيرِ وَالْكَبِيرَ يَتَعَاهَدُهُ فَكَانَ فِي بَيْعِ أَحَدِهِمَا قَطْعُ الِاسْتِئْنَاسِ، وَالْمَنْعُ مِنَ التَّعَاهُدِ وَفِيهِ تَرْكُ الْمَرْحَمَةِ عَلَى الصِّغَارِ، وَقَدْ أَوْعَدَ عَلَيْهِ ثُمَّ الْمَنْعُ مَعْلُولٌ بِالْقَرَابَةِ الْمُحَرِّمَةِ لِلنِّكَاحِ حَتَّى لَا يَدْخُلَ فِيهِ مَحْرَمٌ غَيْرُ قَرِيبٍ وَلَا قَرِيبٌ غَيْرُ مَحْرَمٍ، وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ الزَّوْجَانِ حَتَّى جَازَ التَّفْرِيقُ بَيْنَهُمَا ؛ لِأَنَّ النَّصَّ وَرَدَ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِهِ، وَلَا بُدَّ مِنْ اجْتِمَاعِهِمَا فِي مِلْكِهِ لِمَا ذَكَرْنَا، حَتَّى لَوْ كَانَ أَحَدُ الصَّغِيرَيْنِ لَهُ وَالْآخَرُ لِغَيْرِهِ لَا بَأْسَ بِبَيْعِ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، وَلَوْ كَانَ التَّفْرِيقُ بِحَقٍّ مُسْتَحَقٍّ لَا بَأْسَ بِهِ كَدَفْعِ أَحَدِهِمَا بِالْجِنَايَةِ وَبَيْعِهِ بِالدَّيْنِ وَرَدِّهِ بِالْعَيْبِ ؛ لِأَنَّ الْمَنْظُورَ إلَيْهِ دَفْعُ الضَّرَرِ عَنْ غَيْرِهِ لَا الْإِضْرَارُ بِهِ.

ترجمہ

فرمایا: اور جب کوئی بندہ ایسے دو چھوٹے غلاموں کا مالک ہوا کہ ان میں سے ایک دوسرے کا ذی رحم محرم ہے تو مالک ان کے درمیان علیحدگی نہ کرائے۔ اور اگر ان میں سے ایک بڑا ہے تب بھی جدائی نہ کرائے اور اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی حدیث دلیل ہے کہ جس نے شخص نے ماں اور اس کے بیٹے میں جدائی کرائی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اس کے دوستوں سے جدا کردے گا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دو چھوٹے غلام بھائی ہدیہ کے طور عنایت فرمائے اور پھر ان سے دریافت فرمایا کہ ان دونوں کا کیا کیا؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو واپس لے آؤ، اس کو واپس لے آؤ۔ جبکہ دوسری روایت میں بھی اس کو واپس لے آؤ، اس کو واپس لے آؤ کے الفاظ ہیں۔ کیونکہ چھوٹا، چھوٹے، اور بڑا دونوں سے محبت کرتا ہے اور بڑا اس کی نگرانی کرتا ہے۔ پس ان میں سے کسی ایک کو فروخت کرنے کی وجہ سے محبت ختم ہو جاتی ہے جس سے نگرانی سے روکنا اور چھوٹوں پر رحم نہ کرنا لازم آئے گا جبکہ ترک رحم پر وعید بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح جدائی کی ممانعت کی علت وہ قرابت ہے جو نکاح کر حرام کرنے والی ہے حتیٰ کہ اس ممانعت میں محرم کے غیر قریبی اور غیر محرم قریبی شخص شامل نہ ہوگا اور اس مین شوہر و زوجہ بھی داخل نہ ہوں گے کیونکہ ان کے درمیان تفریق جائز ہے کیونکہ نص خلاف قیاس ہے۔ پس وہ نص اپنے ورود پر رہے گی۔

آقا کی ملکیت میں دونوں کا اکٹھا ہونا لازم ہے حتیٰ کہ جب وہ صغیرین میں کسی ایک کا مالک بنا جبکہ دوسرے کا کوئی اور مالک بنا ہے تو ان میں سے کسی ایک کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب تفریق کسی ثابت شدہ حق کے سبب سے ہے تو بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے جس طرح صغیرین میں سے کسی ایک کو جنایت میں دینا ہے، یا قرض میں اس کو بیچنا ہے یا عیب کے سبب اسکو واپس کرنا ہے کیونکہ تفریق روکنے کا مقصد دوسرے سے نقصان کو دور کرنا ہے نقصان دینا نہیں ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دو مملوک جو آپس میں ذی رحم محرم ہوں مثلاً دونوں بھائی یا چچا بھتیجے یا باپ بیٹے، ماں بیٹے ہوں خواہ دونوں نابالغ ہوں یا ان میں کا ایک نابالغ ہو ان میں تفریق کرنا منع ہے مثلاً ایک کو بیع کر دے دوسرے کو اپنے پاس رکھے یا ایک کو ایک شخص کے ہاتھ بیچے دوسرے کو دوسرے کے ہاتھ یا ہبہ میں تفریق ہو کہ ایک کو ہبہ کر دے دوسرے کو باقی رکھے یا دونوں کو دو شخصوں کے لیے ہبہ کر دے یا وصیت میں تفریق ہو بہر حال انکی تفریق ممنوع ہے۔

ایسے دو غلاموں کو جن میں تفریق منع ہے اگر ایک کو آزاد کر دیا دوسرے کو نہیں تو ممانعت نہیں اگرچہ آزاد کرنا مال کے بدلے میں ہو بلکہ ایسے کے ہاتھ بیع کرنا بھی منع نہیں جس نے اُس کی آزادی کا حلف کیا ہو یعنی یہ کہا ہو کہ اگر میں اسکا مالک ہو جاؤں تو آزاد ہے۔ اسی طرح ایک کو مدبر مکاتب ام ولد بنانے میں تفریق بھی ممنوع نہیں۔ اسی طرح اگر ایک غلام اس کا ہے دوسرا اس کے بیٹے، مکاتب یا مضارب کا جب بھی تفریق ممنوع نہیں۔ (درمختار، کتاب بیوع)

ترک رحم پر وعید کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا تو ایک صحابی اقرع ابن حابس رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہا کہ میرے دس بچے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کا کبھی بوسہ نہیں لیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ان کی طرف دیکھا اور فرمایا جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا یعنی جو شخص اپنی اولاد یا مخلوق خدا پر لطف وشفقت نہیں کرتا اس پر اللہ کی رحمت وشفقت نہیں ہوتی۔

(بخاری، مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 615)

غلاموں کے درمیان تفریق کی کراہت کا بیان

قَالَ (فَإِنْ فَرَّقَ كُرِهَ لَهُ ذَلِكَ وَجَازَ الْعَقْدُ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ فِي قَرَابَةِ الْوِلَادِ وَيَجُوزُ فِي غَيْرِهَا .وَعَنْهُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِمَا رَوَيْنَا، فَإِنَّ الْأَمْرَ بِالْإِدْرَاكِ وَالرَّدِّ لَا يَكُونُ إلَّا فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ .

وَلَهُمَا أَنَّ رُكْنَ الْبَيْعِ صَدَرَ مِنْ أَهْلِهِ فِي مَحِلِّهِ، وَإِنَّمَا الْكَرَاهَةُ لِمَعْنًى مُجَاوِرٍ فَشَابَهُ كَرَاهَةَ الِاسْتِيَامِ (وَإِنْ كَانَا كَبِيرَيْنِ فَلَا بَأْسَ بِالتَّفْرِيقِ بَيْنَهُمَا) ؛لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى مَا وَرَدَ بِهِ النَّصُّ، وَقَدْ صَحَّ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَرَّقَ بَيْنَ مَارِيَةَ وَسِيرِينَ وَكَانَتَا أَمَتَيْنِ أُخْتَيْنِ).

ترجمہ

فرمایا: اور اگر اس نے ان میں تفریق کرادی تو یہ مکروہ ہے لیکن عقد جائز ہوگا۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ولادت والی قرابت میں عقد جائز نہیں ہے۔ اور اسکے غیر میں جائز ہے۔ اور آپ علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ کسی میں بھی عقد جائز نہیں ہے۔ اسی حدیث کے سبب جس کو ہم بیان کرآئے ہیں۔ کیونکہ حصول کا حکم اور واپسی کو حکم صرف بیع فاسد میں ہوتا ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بیع کا رکن اس کے اہل سے صادر ہوا ہے اور وہ اپنے محل میں منسوب بھی ہے جبکہ کراہت ایک ایسے حکم کی وجہ سے ہے جو عقد سے متصل ہے پس یہ ریٹ پر ریٹ کرنے والی کراہت کے مشابہ ہو جائے گی۔

اور جب مملوک غلام بڑے ہیں تو ان کے درمیان تفریق کروانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ نص میں وارد ہونے والے حکم میں آنے والے نہیں ہیں۔ اور یہ حکم درست ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اور سیرین کے درمیان تفریق کی تھی۔ اور یہ دونوں باندیاں بہنیں تھیں۔

شرح

اگر دونوں بالغ ہوں یا رشتہ دار غیر محرم ہوں مثلاً دونوں چچازاد بھائی ہوں یا محرم ہوں مگر رضاعت کی وجہ سے حرمت ہو یا دونوں زن وشوہر ہوں تو تفریق ممنوع نہیں۔ دو مملوک جو آپس میں ذی رحم محرم ہوں مثلاً دونوں بھائی یا چچا بھتیجے یا باپ بیٹے یا ماں بیٹے ہوں خواہ دونوں نابالغ ہوں یا ان میں کا ایک نابالغ ہو ان میں تفریق کرنا منع ہے مثلاً ایک کو بیع کردے دوسرے کو اپنے پاس رکھے یا ایک کو ایک شخص کے ہاتھ بیچے دوسرے کو دوسرے کے ہاتھ یا ہبہ میں تفریق ہو کہ ایک کو ہبہ کردے دوسرے کو باقی رکھے یا دونوں کو دو شخصوں کے لیے ہبہ کردے یا وصیت میں تفریق ہو بہرحال انکی تفریق ممنوع ہے۔

اگر دو بڑے چھوٹے غلام آپس میں محرمیت کی قرابت رکھتے ہوں تو ان کی علیحدہ علیحدہ بیع کرنا مکروہ وممنوع ہے اسی طرح اگر ایک ان میں سے چھوٹا ہو اور دوسرا بڑا تب بھی مکروہ وممنوع ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک تو یہ بیع ہی جائز نہیں ہوگی۔

مردار کی چربی بیچنا جائز نہیں ہے نجس کا تیل بیچنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں تو جائز ہے لیکن دوسرے ائمہ کے ہاں جائز نہیں ہے انسان کی غلاظت کی بیع جب کہ اس میں کچھ ملا نہ ہو حضرت حضرت امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے اور اگر راکھ غیر ملی ہوئی ہو تو جائز ہے حضرت امام اعظم کے ہاں گوبر کا بیچنا بھی جائز نہیں اس سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں ہے۔ بادشاہ وحاکم کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ اشیاء کے نرخ متعین کردیں ہاں اگر تاجر غلہ ودیگر اشیاء کی گرانی میں حد سے تجاوز کرنے لگیں اور عوام پریشانی میں مبتلا ہو جائیں تو پھر حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ تجربہ کار اور ماہرین کے مشورہ سے متعین کرے۔

۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے لیے شاہانِ وقت کو جو خطوط لکھے تھے، اُن میں ایک خط مقوقس عزیز مصر کے نام بھی تھا، جس کو حضرت حاطب رضی اللہ عنہا ابن بلتعہ لیکر مصر گئے تھے، مقوقس نے اسلام قبول نہیں کیا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام اور پیامبر کی بڑی پذیرائی کی اور قیمتی ساز وسامان کے علاوہ دو لڑکیاں جن کے ساتھ اُن کے بھائی مابور بھی تھے، خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تحفۃً بھجیں ان لڑکیوں میں ایک تو سیرین رضی اللہ عنہا تھیں جن کا ابھی ذکر آچکا ہے، دوسری یہی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ (اصابہ، ۲، ص ۲۰۵)

﴿یہ باب اقالہ کے بیان میں ہے﴾

باب اقالہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اقالہ فاسد بیع اور مکروہ بیع کی خباثت سے بچنا ہے۔اور یہ فسخ بیع فاسد ومکروہ کے ساتھ خاص ہے لہذا اس باب کو بیع فاسد اور بیع مکروہ کے باب کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے کیونکہ یہ اقالہ قیل سے ہے نہ کہ قول سے ہے۔اور اس میں ہمزہ سلب کا ہے جس طرف اہل لغت گئے ہیں کہ بیع کو قاف کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔(اقالہ یہ ایک طرح بیع فاسد و بیع مکروہ سے بچانے کا سبب یا ذریعہ ہے اس لئے اس حیلے کو محیل علیہ کے بعد ذکر کیا گیا ہے کیونکہ حیلہ ہمیشہ محیل علیہ کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔رضوی عفی عنہ)۔(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب بیوع، ج ۹، ص ۲۲۹، بیروت)

اقالہ کا فقہی مفہوم

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اقالہ ایک خاص شرعی طریقے سے معاملہ فسخ کرنے کو اقالہ کہتے ہیں جس میں دونوں خریدار اور بیچنے والے اتفاق کرلیں۔دو شخصوں کے مابین جو عقد ہوا ہے اس کے اُٹھا دینے کو اقالہ کہتے ہیں یہ لفظ کہ میں نے اقالہ کیا، چھوڑ دیا، فسخ کیا یا دوسرے کے کہنے پر مبیع یا ثمن کا پھیر دینا اور دوسرے کا لے لینا اقالہ ہے۔نکاح، طلاق، عتاق، ابراء اقالہ نہیں ہوسکتا۔دونوں میں سے ایک اقالہ چاہتا ہے تو دوسرے کو منظور کرلینا، اقالہ کردینا مستحب ہے اور یہ مستحق ثواب ہے۔اقالہ میں دوسرے کا قبول کرنا ضروری ہے یعنی تنہا ایک شخص اقالہ نہیں کرسکتا اور یہ بھی ضرور ہے کہ قبول اُسی مجلس میں ہو لہذا اگر ایک نے اقالہ کے الفاظ کہے مگر دوسرے نے قبول نہیں کیا یا مجلس کے بعد کیا اقالہ نہ ہوا۔مثلاً مشتری مبیع کو بائع کے پاس واپس کرنے کے لیے لایا اُس نے انکار کردیا اقالہ نہ ہوا پھر اگر مشتری نے مبیع کو یہیں چھوڑ دیا اور بائع نے اُس چیز کو استعمال بھی کرلیا اب بھی اقالہ نہ ہوا یعنی اگر مشتری ثمن واپس مانگتا ہے یہ ثمن واپس کرنے سے انکار کرسکتا ہے کیونکہ جب صاف طور پر انکار کرچکا ہے تو اقالہ نہیں ہوا۔اسی طرح اگر ایک نے اقالہ کی درخواست کی دوسرے نے کچھ نہ کہا اور مجلس کے بعد اقالہ کو قبول کرتا ہے یا پہلے کوئی ایسا فعل کرچکا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے منظور نہیں اس کے بعد قبول کرتا ہے تو قبول صحیح نہیں۔(ردمحتار، کتاب بیوع)

اقالہ کے جواز کے شرعی ماخذ کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمان کی بیع کو واپس کریگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دے گا (ابوداؤد وابن ماجہ) اور شرح السنۃ میں یہ روایت ان الفاظ میں ذکر کی گئی ہے جو مصابیح میں شریح شامی سے بطریق ارسال اقالہ جائز ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 106)

اقالہ کا مطلب ہے بیع کو واپس کر دینا یعنی فسخ کر دینا شرح السنہ میں لکھا ہے کہ بیع اور سلم میں قبل قبضہ بھی اور بعد قبضہ بھی اقالہ جائز ہے۔

اس روایت کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے متصل نقل کیا ہے اسی طرح حاکم نے بھی اس روایت کو حضرت ابو ہریرہ سے متصل ہی نقل کیا ہے لیکن مصابیح میں یہ روای بطریق ارسال ان الفاظ میں منقول ہے حدیث (من اقال اخاه المسلم صفقة كرهها اقال الله عثرته يوم القيامة) جو شخص مسلمان کی کسی ناپسندیدہ بیع کو واپس کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دے گا چنانچہ مؤلف مشکوۃ نے روایت کے آخری الفاظ کے ذریعہ گویا مصابیح کے مصنف علامہ بغوی پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب مصابیح میں اولیٰ کو ترک کیا ہے بایں طور کہ ابوداؤد وابن ماجہ کی نقل کردہ یہ متصل روایت تو نقل نہیں کی بلکہ حدیث مرسل نقل کی ہے۔

ثمن اول پر اقالہ کے جواز کا بیان

(الْإِقَالَةُ جَائِزَةٌ فِي الْبَيْعِ بِمِثْلِ الثَّمَنِ الْأَوَّلِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ أَقَالَ نَادِمًا بَيْعَتَهُ أَقَالَ اللَّهُ عَثْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) وَلِأَنَّ الْعَقْدَ حَقُّهُمَا فَيَمْلِكَانِ رَفْعَهُ دَفْعًا لِحَاجَتِهِمَا (فَإِنْ شَرَطَا أَكْثَرَ مِنْهُ أَوْ أَقَلَّ فَالشَّرْطُ بَاطِلٌ وَيَرُدُّ مِثْلَ الثَّمَنِ الْأَوَّلِ).

وَالْأَصْلُ أَنَّ الْإِقَالَةَ فَسْخٌ فِي حَقِّ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بَيْعٌ جَدِيدٌ فِي حَقِّ غَيْرِهِمَا إلَّا أَنْ لَا يُمْكِنَ جَعْلُهُ فَسْخًا فَتَبْطُلُ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ هُوَ بَيْعٌ إلَّا أَنْ لَا يُمْكِنَ جَعْلُهُ بَيْعًا فَيُجْعَلُ فَسْخًا إلَّا أَنْ لَا يُمْكِنَ فَتَبْطُلُ. وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ هُوَ فَسْخٌ إلَّا إذَا تَعَذَّرَ جَعْلُهُ فَسْخًا فَيُجْعَلُ بَيْعًا إلَّا أَنْ لَا يُمْكِنَ فَتَبْطُلُ

ترجمہ

اور ثمن اول کی مثل پر بیع میں اقالہ کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی ندامت والے کی بیع کا اقالہ کیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو دور کر دے گا۔ اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ عقد عاقدین کا حق ہے پس وہ اپنی ضرورت کو دور کرنے کیلئے عقد کو ختم کرنے کے مالک بھی ہیں۔ اور اگر پہلی ثمن سے زیادہ یا اس سے کم کی شرط لگائی تو یہ شرط لگانا باطل ہوگا۔ اور بائع ثمن اول کی مثل کو واپس کرنے والا ہوگا۔ اور اس کے بارے میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ عاقدین کے حق میں اقالہ فسخ ہے اور ان کے سوا میں نئی بیع ہے مگر جب اس کو فسخ کرنا ممکن نہ ہو تو اقالہ باطل ہو جائے گا۔ اور یہ وضاحت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اقالہ بیع ہے جبکہ اس کو بیع قرار دینا ممکن نہ ہو تو فسخ ہے مگر جب فسخ بھی ممکن نہ ہو تو

بیع باطل ہو جائے گی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اقالہ فسخ ہے اور اگر اس کو فسخ قرار دینا ممکن نہ ہو تو وہ بیع ہے مگر جب بیع قرار دینا بھی ممکن نہ ہو تو وہ باطل ہو جائے گی۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو ثمن بیع میں تھا اُسی پر یا اُس کی مثل پر اقالہ ہو سکتا ہے اگر کم یا زیادہ پر اقالہ ہوا تو شرط باطل ہے اور اقالہ صحیح یعنی اُتنا ہی دینا ہوگا جو بیع میں ثمن تھا۔مثلاً ہزار روپے میں ایک چیز خریدی اُس کا اقالہ ہزار میں کیا یہ صحیح ہے اور اگر ڈیڑھ ہزار میں کیا جب بھی ہزار دینا ہوگا اور پانسو کا ذکر لغو ہے اور پانسو میں کیا اور مبیع میں کوئی نقصان نہیں آیا ہے جب بھی ہزار دینا ہوگا اور اگر مبیع میں نقصان آ گیا ہے تو کمی کے ساتھ اقالہ ہو سکتا ہے۔اقالہ میں دوسری جنس کا ثمن ذکر کیا گیا مثلاً بیع ہوئی ہے روپے سے اور اقالہ میں اشرفی یا نوٹ واپس کرنا قرار پایا تو اقالہ صحیح ہے اور وہی ثمن واپس دینا ہوگا جو بیع میں تھا دوسرے ثمن کا ذکر لغو ہے۔(فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

اَئمہ ثلاثہ کے نزدیک اقالہ کی توضیح کا بیان

لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ اللَّفْظَ لِلْفَسْخِ وَالرَّفْعِ .وَمِنْهُ يُقَالُ :أَقِلْنِي عَثَرَاتِي فَتُوَفَّرُ عَلَيْهِ قَضِيَّتُهُ .وَإِذَا تَعَذَّرَ يُحْمَلُ عَلَى مُحْتَمِلِهِ وَهُوَ الْبَيْعُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ بَيْعٌ فِي حَقِّ الثَّالِثِ : وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ مُبَادَلَةُ الْمَالِ بِالْمَالِ بِالتَّرَاضِي.

وَهَذَا هُوَ حَدُّ الْبَيْعِ وَلِهَذَا يَبْطُلُ بِهَلَاكِ السِّلْعَةِ وَيُرَدُّ بِالْعَيْبِ وَتَثْبُتُ بِهِ الشُّفْعَةُ وَهَذِهِ أَحْكَامُ الْبَيْعِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ اللَّفْظَ يُنْبِئُ عَنْ الرَّفْعِ وَالْفَسْخِ كَمَا قُلْنَا، وَالْأَصْلُ إعْمَالُ الْأَلْفَاظِ فِي مُقْتَضَيَاتِهَا الْحَقِيقِيَّةِ، وَلَا يُحْتَمَلُ ابْتِدَاءُ الْعَقْدِ لِيُحْمَلَ عَلَيْهِ عِنْدَ تَعَذُّرِهِ ؛ لِأَنَّهُ ضِدُّهُ وَاللَّفْظُ لَا يَحْتَمِلُ ضِدَّهُ فَتَعَيَّنَ الْبُطْلَانُ، وَكَوْنُهُ بَيْعًا فِي حَقِّ الثَّالِثِ أَمْرٌ ضَرُورِيٌّ ؛ لِأَنَّهُ يَثْبُتُ بِهِ مِثْلُ حُكْمِ الْبَيْعِ وَهُوَ الْمِلْكُ لَا مُقْتَضَى الصِّيغَةِ، إذْ لَا وِلَايَةَ لَهُمَا عَلَى غَيْرِهِمَا،

ترجمہ

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اقالہ لغت میں فسخ اور رفع دونوں کیلئے آتا ہے اور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ میری

لغزش کو دور کر دے۔ پس اقالہ کو لغوی معنی جو تقاضہ کر رہا ہے وہی دیا جائے گا۔ اور جب یہ معنی ناممکن ہو تو پھر اس کو احتمال والے معانی پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس کا احتمال بیع ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ اقالہ تیسرے آدمی کے حق میں بیع ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ باہمی رضا کے ساتھ مال کے بدلے مال کے تبادلہ کا نام اقالہ ہے اور بیع کی تعریف بھی یہی ہے اور اسی دلیل کے سبب سامان کے ہلاک ہونے سے اقالہ باطل ہو جاتا ہے اور عیب کے سبب واپس کر دیا جاتا ہے۔ اور اس سے شفعہ ثابت ہوتا ہے اور یہ سب بیع کے احکام ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ اقالہ رفع و فسخ دونوں کی خبر دینے والا ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور قانون یہ ہے الفاظ کو ان کے معانی کا لباس پہنایا جائے۔ اور لفظ اقالہ ابتدائے عقد کا احتمال رکھنے والا نہیں ہے اس کو تو فسخ کے ناممکن ہونے کے وقت اپنایا جاتا ہے کیونکہ عقد کا فسخ ہونا یہ بیع کی ضد ہے اور لفظ اپنی ضد کا احتمال رکھنے والا نہیں ہوتا پس اقالہ کا باطل ہونا معین ہو چکا جبکہ اس کا تیسرے آدمی کے حق میں بیع ہونا ایک امر ضروری ہے کیونکہ اقالہ سے مثل بیع یعنی ملکیت ثابت ہوتی ہے جبکہ صیغہ اقالہ کا تقاضہ کرنے والا حکم ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ عاقدین کو اپنے غیر پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اقالہ عقد کرنے والے دونوں کے حق میں فسخ ہے جبکہ ان کے دونوں کے سوا میں ایک نئی بیع ہے۔ البتہ اس صورت میں فسخ نہ ہوگا کہ جب کسی باندی نے بچے کو جنم دے دیا ہے تو وہ بیع باطل ہو جائے گی۔ اور کافی میں بھی اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ عاقدین کے حق میں اقالہ فسخ بیع ہے اور دوسرے کے حق میں یہ ایک بیع جدید ہے لہٰذا اگر اقالہ کو فسخ نہ قرار دے سکتے ہوں تو اقالہ باطل ہے مثلاً مبیع لونڈی یا جانور ہے جس کے قبضہ کے بعد بچہ پیدا ہوا تو اس کا اقالہ نہیں ہو سکتا۔ کپڑا خریدا اور اُس کو واپس کرنے گیا اس نے لفظ اقالہ زبان سے نکالا ہی تھا کہ بائع نے فوراً کپڑے کو قطع کر ڈالا اقالہ صحیح ہے یہ فعل قبول کے قائم مقام ہے۔ مبیع کا کوئی جز ہلاک ہو گیا اور کچھ باقی ہے تو جو کچھ باقی ہے اُس میں اقالہ ہو سکتا ہے اور اگر بیع مقایضہ ہو یعنی دونوں طرف غیر نقود ہوں اور ایک ہلاک ہو گئی تو اقالہ ہو سکتا ہے دونوں جاتی رہیں تو نہیں ہو سکتا۔

(فتح القدیر، کتاب بیوع)

ثبوت اقالہ کے بعد شرائط کا بیان

إِذَا ثَبَتَ هَذَا نَقُولُ :إِذَا شَرَطَ الْأَكْثَرَ فَالْإِقَالَةُ عَلَى الثَّمَنِ الْأَوَّلِ لِتَعَذُّرِ الْفَسْخِ عَلَى الزِّيَادَةِ، إِذْ رَفْعُ مَا لَمْ يَكُنْ ثَابِتًا مُحَالٌ فَيَبْطُلُ الشَّرْطُ ؛ لِأَنَّ الْإِقَالَةَ لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ ؛ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ يُمْكِنُ إثْبَاتُهَا فِي الْعَقْدِ فَيَتَحَقَّقُ الرِّبَا أَوْ لَا يُمْكِنُ

إِثْبَاتُهَا فِي الرَّفْعِ، وَكَذَا إِذَا شَرَطَ الْأَقَلَّ لِمَا بَيَّنَّاهُ إِلَّا أَنْ يَحْدُثَ فِي الْمَبِيعِ عَيْبٌ فَحِينَئِذٍ جَازَتِ الْإِقَالَةُ بِالْأَقَلِّ ؛ لِأَنَّ الْحَطَّ يُجْعَلُ بِإِزَاءِ مَا فَاتَ بِالْعَيْبِ، وَعِنْدَهُمَا فِي شَرْطِ الزِّيَادَةِ يَكُونُ بَيْعًا ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ هُوَ الْبَيْعُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ جَعْلُهُ بَيْعًا مُمْكِنٌ فَإِذَا زَادَ كَانَ قَاصِدًا بِهَذَا ابْتِدَاءَ الْبَيْعِ، وَكَذَا فِي شَرْطِ الْأَقَلِّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ ؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْأَصْلُ عِنْدَهُ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ هُوَ فَسْخٌ بِالثَّمَنِ الْأَوَّلِ لَا سُكُوتٌ عَنْ بَعْضِ الثَّمَنِ الْأَوَّلِ، وَلَوْ سَكَتَ عَنِ الْكُلِّ وَأَقَالَ يَكُونُ فَسْخًا فَهَذَا أَوْلَى، بِخِلَافِ مَا إِذَا زَادَ، وَإِذَا دَخَلَهُ عَيْبٌ فَهُوَ فَسْخٌ بِالْأَقَلِّ لِمَا بَيَّنَّاهُ .

ترجمہ

اور جب اقالہ کی اصل ثابت ہو چکی ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ جب اس نے ثمن اول سے زائد کی شرط لگائی تو اقالہ ثمن اول پر ہوگا کیونکہ زیادتی پر فسخ ناممکن ہے۔اور غیر ثابت شدہ چیز کو فسخ کرنا بھی ناممکن ہے پس شرط باطل ہو جائے گی۔کیونکہ اقالہ شرائط فاسد کے سبب باطل ہونے والا نہیں ہے۔ بہ خلاف بیع کے۔کیونکہ بیع کے عقد میں زیادتی کا ثابت ممکن ہے جس سے سود ثابت ہو جائے گا۔جبکہ بیع کو فسخ کرنے میں زیادتی کا ثبوت ممکن نہیں ہے۔اور اسی طرح کا حکم ہے جب ثمن اول سے کم قیمت لگائی گئی اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

ہاں البتہ جب مبیع میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو اب ثمن اول سے کم پر اقالہ کرنا بھی جائز ہے کیونکہ کمی عیب کے سبب سے فوت شدہ مبیع کے مقابلے میں ہوئی ہے۔

صاحبین کے نزدیک زیادتی کی شرط میں اقالہ بیع بن جائے گا۔کیونکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اصل بیع ہی ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی اس کو بیع قرار دینا ممکن ہے پس جب ثمن اول پر اضافہ کیا ہے تو اضافے کے سبب وہ بیع کا ارادہ کرنے والا ہے۔اور اسی طرح امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک کم قیمت کی شرط پر بھی اقالہ بیع درست ہو جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک اصل بیع ہی ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ثمن اول سے کم کرنا یہ فسخ ہو جائے گا کیونکہ اس ثمن کی بعض مقدار سے سکوت ہے کیونکہ ثمن اول ہی اس کی اصل تھی۔اور جب سارے سکوت کرتے ہوئے کسی نے اقالہ کیا تو یہ فسخ ہوگا تو یہ بدرجہ اولیٰ فسخ ہوگا بہ خلاف اس صورت کے کہ جب وہ زیادتی کرے اور جب بیع میں کوئی عیب پیدا ہوا تو یہ اقل کے ساتھ فسخ ہوگا اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

شرح

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اقالہ کی شرائط یہ ہیں 1 :دونوں کا راضی ہونا۔ 2 مجلس ایک ہونا۔ 3 اگر بیع صرف کا اقالہ ہو تو اُسی مجلس میں تقابض بدلین ہو۔ 4 مبیع کا موجود ہونا شرط ہے ثمن کا باقی رہنا شرط نہیں۔ 5 مبیع ایسی چیز ہو جس میں خیار شرط خیار رویت خیار عیب کی وجہ سے بیع فسخ ہو سکتی ہو، اگر مبیع میں ایسی زیادتی ہوگئی ہو جس کی وجہ سے فسخ نہ ہو سکے تو اقالہ بھی نہیں ہو سکتا۔ 6 بائع نے ثمن مشتری کو قبضہ سے پہلے ہبہ نہ کیا ہو۔ اقالہ کے وقت مبیع موجود تھی مگر واپس دینے سے پہلے ہلاک ہوگئی اقالہ باطل ہوگیا۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

ثمن اول کے خلاف جنس پر اقالہ کرنے کا بیان

وَلَوْ أَقَالَ بِغَيْرِ جِنْسِ الثَّمَنِ الْأَوَّلِ فَهُوَ فَسْخٌ بِالثَّمَنِ الْأَوَّلِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَيَجْعَلُ التَّسْمِيَةَ لَغْوًا عِنْدَهُمَا بَيْعٌ لِمَا بَيَّنَّا، وَلَوْ وَلَدَتْ الْمَبِيعَةُ وَلَدًا ثُمَّ تَقَايَلَا فَالْإِقَالَةُ بَاطِلَةٌ عِنْدَهُ لِأَنَّ الْوَلَدَ مَانِعٌ مِنْ الْفَسْخِ، وَعِنْدَهُمَا تَكُونُ بَيْعًا وَالْإِقَالَةُ قَبْلَ الْقَبْضِ فِي الْمَنْقُولِ، وَغَيْرِهِ فَسْخٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ كَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْمَنْقُولِ لِتَعَذُّرِ الْبَيْعِ، وَفِي الْعَقَارِ يَكُونُ بَيْعًا عِنْدَهُ لِإِمْكَانِ الْبَيْعِ، فَإِنَّ بَيْعَ الْعَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ عِنْدَهُ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے ثمن اول کے خلاف جنس کے ساتھ اقالہ کیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ثمن اول پر فسخ ہو جائے گا جبکہ تسمیہ کو لغو قرار دیں گے، اور صاحبین کے نزدیک بیع ہو جائے گی اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے۔

اور جب مبیع باندی نے بچے کو جنم دیا اس کے بعد عاقدین نے اقالہ کیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اقالہ باطل ہے کیونکہ یہ بچہ فسخ کو رد کرنے والا ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اقالہ بیع ہے۔

منقولہ اور غیر منقولہ دونوں میں قبضہ سے پہلے اقالہ کرنا طرفین کے نزدیک فسخ ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک منقول میں فسخ ہے کیونکہ اس میں بیع ناممکن ہے جبکہ ان کے نزدیک عقار میں اقالہ بیع ہوگا کیونکہ بیع ممکن ہے کیونکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے زمین کی بیع کرنا جائز ہے۔

شرح

اقالہ میں دوسری جنس کا ثمن ذکر کیا گیا مثلاً بیع ہوئی ہے روپے سے اور اقالہ میں اشرفی یا نوٹ واپس کرنا قرار پایا تو اقالہ صحیح ہے اور وہی ثمن واپس دینا ہوگا جو بیع میں تھا دوسرے ثمن کا ذکر لغو ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

شرکت وتولیہ میں اقالہ کے درست ہونے کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے کئی قسم کا کپڑا بیچا اور چند رقم کے کپڑے مستثنیٰ کر لینے کی شرط کر لی تو کچھ قباحت نہیں اگر شرط نہیں کی تو وہ ان کپڑوں میں شریک ہو جائے گا۔اس لیے کہ ایک رقم کے کپڑوں میں بھی کم وبیش ہوتی ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم ہے کہ شرکت اور تولیہ اورا قالہ کھانے کی چیزوں میں درست ہے خواہ ان پر قبضہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر یہ ضروری ہے کہ نقد ہو میعاد نہ ہو اور کمی بیشی نہ ہو اگر اس میں کمی بیشی ہوگی یا میعاد ہوگی تو یہ معاملے بیع سمجھے جائیں گے شرکت اور تولیہ اورا قالہ نہ ہوں گے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی اسباب جیسے کپڑا یا غلام یا لونڈی خرید کیا پھر ایک شخص نے اس سے کہا کہ مجھ کو بھی اس میں شریک کر لو اس نے قبول کیا اور دونوں نے مل کر بائع کو قیمت ادا کر دی پھر وہ اسباب کسی اور کا نکلا تو جو شخص شریک ہو وہ اپنے دام پہلے مشتری سے لے لے گا۔اور وہ بائع سے لے گا مگر جس صورت میں مشتری نے خریدتے وقت بائع کے سامنے اس شریک سے کہہ دیا ہو کہ اگر مبیع میں فتور نکلے تو اس کی جواب وہی بائع پر ہوگی تو اس صورت میں وہ شریک اپنا نقصان بائع سے لے گا اگر ایسا نہ ہو تو مشتری کی شرط کچھ کام نہ آئے گی اور تاوان کا نقصان اسی پر ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ زید نے عمرو سے یہ کہا تو اس شئے کو خرید کر لے میرے اور اپنے ساجھے میں بکوادوں گا۔تو میری طرف سے بھی دام دے دے تو یہ درست نہیں کیونکہ یہ سلف (قرض) ہے بکوادینے کی شرط پر اگر وہ شئے تلف ہو جائے تو عمرو زید سے اس کے حصہ کے دام لے لے گا البتہ اگر عمرو ایک شئے خرید کر چکا پھر زید نے کہا مجھے بھی اس میں شریک کر لے نصف کا میں بکوادوں گا تو یہ درست ہے۔(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1267)

ہلاکت ثمن کا صحت اقالہ کے مانع نہ ہونے کا بیان

(قَالَ وَهَلَاكُ الثَّمَنِ لا يَمْنَعُ صِحَّةَ الْإِقَالَةِ وَهَلَاكُ الْمَبِيعِ يَمْنَعُ مِنْهَا) لِأَنَّ رَفْعَ الْبَيْعِ يَسْتَدْعِي قِيَامَهُ وَهُوَ قَائِمٌ بِالْبَيْعِ دُونَ الثَّمَنِ (فَإِنْ هَلَكَ بَعْضُ الْمَبِيعِ جَازَتْ الْإِقَالَةُ فِي الْبَاقِي) ؛ لِقِيَامِ الْبَيْعِ فِيهِ، وَإِنْ تَقَايَضَا تَجُوزُ الْإِقَالَةُ بَعْدَ هَلَاكِ أَحَدِهِمَا وَلَا تَبْطُلُ بِهَلَاكِ أَحَدِهِمَا لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَبِيعٌ فَكَانَ الْمَبِيعُ بَاقِيًا، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ

فرمایا: ثمن کا ہلاک ہو جانا یہ صحت اقالہ کو روکنے والا نہیں ہے جبکہ مبیع کی ہلاکت صحت اقالہ کو روکنے والی ہے کیونکہ بیع کو رفع کرنا یہ بیع کرنے کا تقاضہ کرنے والا ہے۔کیونکہ بیع، بیع سے قائم ہونے والی ہے ثمن سے قائم ہونے والی نہیں ہے۔اور جب کچھ مبیع ہلاک ہوئی تو بقیہ میں اقالہ جائز ہے کیونکہ بیع کا فسخ قیام اس میں بیع کو قائم کرنا ہے اور جب عقد کرنے والوں نے بیع مقایضہ کی تو

یعنی جاء نی القوم ماعدا (ای وقت مجاوزتہ) زیداً۔ اوراس کی ضمیر کا مرجع حسب سابق ہوگا۔ حاشا کا ما کے بعد آنا قلیل ہے۔
نیز خیال رہے کہ مذکورہ صورت میں ان الفاظ کی فعلیت ہی مستفاد ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ما مصدریہ ہے یا زائدہ۔ تیسرے احتمال کا کوئی قائل نہیں۔ پہلی صورت میں تعیین فعلیت کی وجہ یہ ہے کہ ما مصدریہ فعل ہی پر داخل ہوتا ہے اور دوسری صورت میں سبب یہ ہے کہ ما زائدہ حروف کے آخر میں آتا ہے، ابتداء میں نہیں، جیسے انما، کانما وغیرہ۔ جب ان کا حروف نہ ہونا ثابت ہوگیا، تو افعال ہونا مسلم ہے، کیونکہ ان کی اسمیت کا کوئی قائل نہیں۔

ترکیب:۔ ﴿و﴾ حرف عطف.... ﴿اذا﴾ ظرف زمان، متضمن بمعنی شرط، مفعول فیہ مقدم.... ﴿وقعت﴾ صیغہ واحد مؤنث غائب، فعل ماضی مثبت معروف.... ﴿خلا﴾ معطوف علیہ.... ﴿و﴾ حرف عطف.... ﴿عدا﴾ معطوف.... معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر فاعل.... ﴿بعد﴾ مضاف.... ﴿ما﴾ مضاف الیہ.... مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ.... **وقعت** فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ مقدم ومؤخر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف علیہ....
﴿او﴾ حرف عطف.... ﴿فی﴾ حرف جار.... ﴿صدر﴾ مضاف.... الف لام برائے تعریف.... ﴿کلام﴾ مضاف الیہ.... مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور.... ﴿فی﴾ حرف جار اپنے مجرور سے مل کر "وَقَعَتَا" فعل مقدر کا ظرف مستقر.... ﴿وقعتا﴾ صیغہ تثنیہ مؤنث غائب، فعل ماضی مثبت معروف، اس میں الف ضمیر مرفوع متصل بارز، اس کا فاعل.... **وقعتا** فعل اپنے فاعل اور ظرف مستقر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف.... معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر شرط.... ﴿تعینتا﴾ صیغہ تثنیہ مؤنث غائب، فعل ماضی مثبت معروف، اس میں الف ضمیر مرفوع متصل بارز اس کا فاعل.... ﴿لام﴾ حرف جار.... الف لام برائے تعریف.... ﴿فعلیة﴾ مجرور.... ﴿لام﴾ حرف جار اپنے مجرور سے مل کر **تعینتا** فعل کا ظرف لغو.... **تعینتا** فعل اپنے فاعل اور ظرف لغو سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر جزاء.... شرط اپنی جزاء سے مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔

مثل ما خلا زیدا و ما عدا زیدا

ترکیب(۱):۔ ﴿مثل﴾ مضاف.... ﴿ما خلا زیدا﴾ معطوف علیہ.... ﴿و﴾ حرف عطف.... ﴿ما عدا زیدا﴾ معطوف.... معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر مراد اللفظ مضاف الیہ.... مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر **مثالہ** مقدر کی خبر.... اس میں ﴿مثال﴾ مضاف.... ﴿ہ﴾ ضمیر واحد مذکر غائب، مجرور متصل، راجع بسوئے مفہوم "خلا اور عدا کا ما کے

بَابُ الْمُرَابَحَةِ وَالتَّوْلِيَةِ

﴿یہ باب بیع مرابحہ وتولیہ کے بیان میں ہے﴾

باب مرابحہ وتولیہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب اصل سے فارغ ہوئے ہیں اور اصل ایک بیع ہے جو بیوع لازمہ اور بیوع غیر لازمہ سے ہو۔ اب اس کے بعد ان دونوں کی انواع کو شروع کیا ہے جو ثمن سے متعلق ہیں اور وہ مرابحہ وتولیہ وغیرہ ہیں۔ پس اس کو ہم بیوع کے شروع میں ذکر کرآئے ہیں اور وہاں ہم نے اس کی تفصیل کا وعدہ کیا تھا اور اب یہ وہی مقام آگیا ہے کہ جہاں کی تفصیل کو ذکر کررہے ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، کتاب بیوع، ج ۹، ص ۲۴۱، بیروت)

بیع مرابحہ تولیہ کا مفہوم

تولیہ یہ ہے کہ جس قیمت میں کوئی چیز خریدی جائے اسی میں بیچ دی جائے۔ مرابحہ اس بیع کو کہتے ہیں کہ جس میں اپنی قیمت خرید پر نفع لے کر فروخت کیا جائے، مثلاً ایک چیز دس روپے میں لے اور پندرہ روپے میں فروخت کردے۔

مرابحہ، ایک مخصوص قسم کی تجارت ہے، جو تابع شریعت ہے۔ اس میں ایک فروخت کنندہ اپنا مال بیچنے سے پہلے صاف طور پر یہ کہہ دیتا ہے کہ اس نے اس شئے کو کس قیمت پر خریدا تھا اور یہ فروخت کنندہ اس شئے پر اس کو حاصل ہونے والے منافع کا اظہار بھی خریدنے والے پر کردیتا ہے۔ اسلامی مالیاتی اداروں کے زیر عمل ایک انتہائی مقبول طریقہ ہے جس کے ذریعہ سود سے پاک رقمی لین دین کو فروغ دیا جاتا ہے اس طریقہ کو بالعموم، اثاثہ جات وجائیداد کے لیے مالیہ کی فراہمی، مائیکروفنانس اور اشیاء کی درآمد وبرآمد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ زائد از 100 کھرب ڈالر مالیاتی اشیاء کا مرابحہ بحالت موجودہ خلیج اور دیگر علاقوں میں سب سے زیادہ مقبول اور زیر استعمال اسلامک رقمی مارکیٹ پراڈکٹ ہے

بیع مرابحہ وتولیہ کے جواز کا بیان

قَالَ (الْمُرَابَحَةُ نَقْلُ مَا مَلَكَهُ بِالْعَقْدِ الْأَوَّلِ بِالثَّمَنِ الْأَوَّلِ مَعَ زِيَادَةِ رِبْحٍ، وَالتَّوْلِيَةُ نَقْلُ مَا مَلَكَهُ بِالْعَقْدِ الْأَوَّلِ بِالثَّمَنِ الْأَوَّلِ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةِ رِبْحٍ) وَالْبَيْعَانِ جَائِزَانِ؛ لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِ الْجَوَازِ، وَالْحَاجَةُ مَاسَّةٌ إلَى هَذَا النَّوْعِ مِنْ الْبَيْعِ؛ لِأَنَّ الْغَبِيَّ الَّذِي لَا يَهْتَدِي فِي التِّجَارَةِ يَحْتَاجُ إلَى أَنْ يَعْتَمِدَ فِعْلَ الذَّكِيِّ الْمُهْتَدِي وَتَطِيبُ نَفْسُهُ بِمِثْلِ مَا اشْتَرَى وَبِزِيَادَةِ رِبْحٍ فَوَجَبَ الْقَوْلُ بِجَوَازِهِمَا، وَلِهَذَا كَانَ مَبْنَاهُمَا عَلَى الْأَمَانَةِ

وَالِاحْتِرَازِ عَنِ الْخِيَانَةِ وَعَنْ شُبْهَتِهَا، وَقَدْ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَرَادَ الْهِجْرَةَ ابْتَاعَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَعِيرَيْنِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَلِّنِي أَحَدَهُمَا، فَقَالَ : هُوَ لَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ : أَمَّا بِغَيْرِ ثَمَنٍ فَلَا).

ترجمہ

فرمایا اور بیع مرابحہ یہ ہے کہ پہلے عقد کے ساتھ کسی ملکیت والی چیز کو ثمن اول پر اضافہ کے ساتھ منتقل کر دینا ہے۔ اور تولیہ یہ ہے کہ اپنی ملکیت والی چیز کو ثمن اول پر اضافہ کے بغیر منتقل کر دینا ہے۔ ان کے جواز کی شرائط جامع ہیں اس لئے یہ بیع جائز ہے۔ اور اس میں ہر قسم کی بیع کی ضرورت بھی ثابت ہے۔ کیونکہ وہ جاہل سے تجارت سے واقف نہیں ہے اس کو اس امر کی ضرورت ہے کہ وہ عقل مند تاجر کے عمل پر بھروسہ کرے۔ کیونکہ جاہل کا دل ثمن اول اور اس میں زیادتی دونوں پر خوش ہونے والا ہے پس ان کے جائز ہونے کو تسلیم کرنا ضروری ہوا۔

اور یہی وجہ ہے کہ بیع مرابحہ و تولیہ ان دونوں کا دارومدار امانت، خیانت اور شبہ خیانت سے بچنے کیلئے ہے اور صحیح یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹ خریدے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم ان میں سے ایک اونٹ مجھے بطور تولیہ دے دو تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کیلئے تو وہ بغیر کسی قیمت کے ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیمت کے بغیر میں اس کو نہ لوں گا۔

شرح

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہاں پر عرض اور سلع سے فقہاء کی مراد ہر وہ چیز ہے جو متعین ہو اگر چہ نقدین میں سے کوئی ایک ہو اور عقد صرف سے ان کی مراد وہ بیع ہے جس میں وہ بدل متعین نہ ہو جو اس شخص کی ملکیت میں حاصل ہو جو بطور مرابحہ اس کو بیچنے کا ارادہ کرے، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتح کا قول اولی ہے یعنی مراد یہ ہے کہ اس مبیع متعین کو منتقل کرنا جس کا وہ مالک ہوا ہے اس پر دلیل اس کا قول "ثمن اول" ہے اس لئے کہ اس کے مقابل ثمن مطلق ہونا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ جس چیز کا وہ مالک ہوا وہ ضروری طور پر مبیع مطلق ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس سے اس اعتراض کا ساقط ہونا ظاہر ہو گیا جو ہدایہ کی تعریف پر عنایہ میں وارد کیا گیا اور بحر نے اس کی اتباع کی اختصار الفظ اکمل کے یہ ہیں کہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف، (تعریف ہدایہ) ابہام پر مشتمل ہے۔ جس سے تعریف کا خالی ہونا واجب ہے اس لئے صاحب ہدایہ کے قول "ثمن اول" سے مراد ثمن اول کا عین ہے یا اس کی مثل، اول کی طرف کوئی راہ نہیں کیونکہ عین اول تو بائع اول کی ملک ہو گیا اور نہ ہی ثانی کی طرف کوئی راہ ہے کیونکہ ثانی (ثمن

کی مثل) دوحال سے خالی نہیں یا تو اس سے مراد جنس کے اعتبار سے ثمن اول کا مثل ہونا ہے یا مقدار کے اعتبار سے جنس کے اعتبار سے مثلیت تو اس دلیل کی وجہ سے شرط نہیں جو ایضاح اور محیط میں ہے کہ جب اس نے بطور مرابحہ کسی چیز کی بیع کی اگر اس چیز کی مثل موجود نہ ہو جس کے بدلے میں اس نے اس کو خریدا تھا تو یہ بیع مرابحہ جائز ہے چاہے اس نے نفع راس المال یعنی دراہم کی جنس یعنی دراہم سے رکھا یا اس کے غیر بھی یعنی دیناروں سے رکھا ہو یا اس کے برعکس صورت ہو (یعنی راس المال بجائے درھموں کے دینار ہوں) جب یہ معین ہو تو اس کے بدلے خریداری جائز ہے کیونکہ یہ سب ثمن ہیں اور اگر مقدار کے اعتبار سے مثلیت مراد ہو تو یہ مقتضی ہے اس امر کو کہ راس المال کے ساتھ دھوبی، رنگریز اور نقش ونگار وغیرہ کی اُجرت نہ ملائی جائے الخ اکمل نے اگرچہ اس کا جواب دیتے ہوئے آخری شق کو اختیار کیا مگر صاحب بحر اس پر راضی نہیں بلکہ اس کو رد کر دیا جو کہ اعتراض میں بعد کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ (عنایہ شرح الہدایہ، بتصرف، بیروت)

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اقول: (میں کہتا ہوں) تعجب ہے معترض نے حصر کرتے ہوئے تمام شقوں کو باطل قرار دیا ہے تو اس پر ابہام کا اعتراض کیسے ہوا ابطلان کا حکم کیوں نہیں لگایا گیا پھر شدید ترین تعجب اس استناد پر ہے جو ایضاح اور محیط سے منقول عبارت پر کیا گیا کیونکہ اس کا مدعا سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ علامہ سعدی آفندی نے یہ کہتے ہوئے اس پر تنبیہ فرمائی کہ اے مخاطب! تجھ پر پوشیدہ نہیں کہ اکمل نے ان دونوں کتابوں سے جو نقل کیا ہے وہ تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نفع کا اعتبار جنس کے راس المال کی مثل ہونا شرط نہیں، اس بات پر وہ دلالت نہیں کرتا کہ ثمن ثانی کا باعتبار جنس کے ثمن اول کی مثل ہونا شرط نہیں۔ (حاشیہ سعدی آفندی علی ہامش فتح القدیر، باب المرابحہ والتولیہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

اقول: (میں کہتا ہوں) دراہم ودنانیر سے صورت بیان کرنا جس وہم کو پیدا کرتا ہے علامہ آفندی کو ملحوظ ہے نہ ہی وہ تعلیل جو اکمل نے یہ کہہ کر بیان کی کہ یہ سب ثمن ہیں اس لئے کہ نفع تو مطلقا جائز ہے چاہے کسی بھی جنس سے ہو یعنی چاہے کپڑا ہو یا غلام ہو یا زمین وغیرہ ہو بشرطیکہ وہ مقدار معین ہو جیسا کہ ہم عنایہ سے بحوالہ تحفۃ الفقہاء پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس کی مثل عام کتابوں میں ہے یہ توجیہ ہے۔

اقول: ثانیا (میں دوبارہ کہتا ہوں) اگر ہم اس سے قطع نظر کر لیں تو بھی اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو شرط مجانست سے مانع ومنافی ہو، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ چند جگہوں میں درہم اور دینار جنس واحد شمار ہوتے ہیں، ان میں سے مرابحہ بھی ہو، جیسا کہ بحر اور درر وغیرہ میں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، کتاب بیوع)

جامع الرموز میں کہا تولیہ یہ ہے کہ شرط لگائی جائے بیع میں یعنی سامان کی بیع میں یہ بیع صرف سے احتراز ہے چنانچہ تولیہ ومرابحہ دونوں دراہم ودنانیر کی بیع میں نہیں ہوتے جیسا کہ کفایہ میں ہے۔ درمختار میں کہا کہ مرابحہ یہ ہے کہ سامان مملوک کو اتنے کے بدلے جتنے میں اس کو پڑا ہے اور کچھ زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا ہے۔ (جامع الرموز، کتاب بیوع)

مرابحہ وتولیہ کے صحیح ہونے کیلئے ثمن مثلی کا بیان

قَالَ (وَلَا تَصِحُّ الْمُرَابَحَةُ وَالتَّوْلِيَةُ حَتَّى يَكُونَ الْعِوَضُ مِمَّا لَهُ مِثْلٌ) ؛ لِأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ مِثْلٌ لَوْ مَلَكَهُ مَلَكَهُ بِالْقِيمَةِ وَهِيَ مَجْهُولَةٌ (وَلَوْ كَانَ الْمُشْتَرِي بَاعَهُ مُرَابَحَةً مِمَّنْ يَمْلِكُ ذَلِكَ الْبَدَلَ وَقَدْ بَاعَهُ بِرِبْحِ دِرْهَمٍ أَوْ بِشَيْءٍ مِنْ الْمَكِيلِ مَوْصُوفٍ جَازَ) لِأَنَّهُ يَقْدِرُ عَلَى الْوَفَاءِ بِمَا الْتَزَمَ (وَإِنْ بَاعَهُ بِرِبْحِ الإل يازده لَا يَجُوزُ) لِأَنَّهُ بَاعَهُ بِرَأْسِ الْمَالِ وَبِبَعْضِ قِيمَتِهِ ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ ، (وَيَجُوزُ أَنْ يُضِيفَ إِلَى رَأْسِ الْمَالِ أُجْرَةَ الْقَصَّارِ وَالطَّرَّازِ وَالصَّبْغِ وَالْفَتْلِ وَأُجْرَةَ حَمْلِ الطَّعَامِ) ؛ لِأَنَّ الْعُرْفَ جَارٍ بِإِلْحَاقِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ بِرَأْسِ الْمَالِ فِي عَادَةِ التُّجَّارِ ؛ وَلِأَنَّ كُلَّ مَا يَزِيدُ فِي الْمَبِيعِ أَوْ فِي قِيمَتِهِ يَلْحَقُ بِهِ هَذَا هُوَ الْأَصْلُ ، وَمَا عَدَدْنَاهُ بِهَذِهِ الصِّفَةِ ؛ لِأَنَّ الصَّبْغَ وَأَخَوَاتِهِ يَزِيدُ فِي الْعَيْنِ وَالْحَمْلَ يَزِيدُ فِي الْقِيمَةِ إِذْ الْقِيمَةُ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمَكَانِ (وَيَقُولُ قَامَ عَلَيَّ بِكَذَا وَلَمْ يَقُلْ اشْتَرَيْته بِكَذَا) كَيْ لَا يَكُونَ كَاذِبًا وَسَوْقُ الْغَنَمِ بِمَنْزِلَةِ الْحَمْلِ ، بِخِلَافِ أُجْرَةِ الرَّاعِي وَكِرَاءِ بَيْتِ الْحِفْظِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يَزِيدُ فِي الْعَيْنِ وَالْمَعْنَى ، وَبِخِلَافِ أُجْرَةِ التَّعْلِيمِ لِأَنَّ ثُبُوتَ الزِّيَادَةِ لِمَعْنًى فِيهِ وَهُوَ حَذَاقَتُهُ .

ترجمہ

فرمایا: اور بیع مرابحہ وتولیہ درست نہیں ہے حتیٰ کہ ثمن مثلی ہو کیونکہ جب ثمن مثلی نہ ہو تو اب اگر کوئی شخص اس مال کا مالک بنتا ہے تو وہ قیمت کے ذریعے سے ہوگا اور قیمت مجہول ہے اور جب مشتری نے مبیع کو ایسے آدمی سے بطور مرابحہ خرید لیا جو اس بدل کا مالک ہے۔ اور وہ اس کو ایک درہم یا کسی معین کیل والی چیز سے نفع پر اس کو بیچ چکا ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ وہ چیز کو پورا کرنے کی قدرت رکھنے والا ہے جو اس نے لازم کیا تھا۔

اور جب اس نے اسی نفع یا زیادہ نفع میں بیچا تو جائز نہیں ہے کیونکہ بائع نے رأس المال اور اس کے کچھ قیمت کے بدلے میں بیچ دیا ہے اس لئے کہ وہ ذوات امثال میں سے نہیں ہے۔ اور رأس المال کے ساتھ دھوبی کی اجرت، ڈرائنگ بنانے والے کی اجرت، پینٹنگ کرنے والے کی اجرت، رسی بنانے کی اجرت اور اناج کو پہنچانے کی اجرت ملا دینا جائز ہے کیونکہ اہل تجار کے عرف میں ان چیزوں کی اجرت کو رأس المال کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ اور ہر وہ چیز جو مبیع یا اس کی قیمت میں زیادتی کرے اس کو رأس المال کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اور ہماری بیان کردہ اشیاء اس صفت میں واقع ہیں۔ کیونکہ رنگ اور اس کی ہم مثل اشیاء کے سبب

عین میں اضافہ ہوتا ہے اور بوجھ اٹھانے سے بھی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ مکان کے تبدیلی کے سبب قیمت میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

اور مشتری اس کہے گا کہ مجھے یہ چیز اتنے میں پڑ گئی ہے اور وہ اس طرح نہ کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے کی خریدی ہے اس لئے کہ وہ جھوٹا نہ بنے۔ اور بکریوں کو ہانک کر لے جانا یہ غلہ اٹھانے کے حکم میں ہے بہ خلاف چرواہے کی اجرت اور سیکورٹی گارڈ کے کرائے کے کیونکہ ان میں ہر ایک نہ عین مبیع میں اضافہ کرنے والا ہے اور نہ ہی قیمت میں اضافہ کرتا ہے۔ اور بہ خلاف سپرد کرنے کی اجرت کے کیونکہ زیادتی کا حکم ایسے مفہوم کے سبب سے ہے جو مبیع میں ہے یعنی اس کا ذہین ہونا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مرابحہ یا تولیہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس چیز کے بدلے میں مشتری اول نے خریدی ہے وہ مثلی ہو تا کہ مشتری ثانی وہ ثمن قرار دیکر خرید سکتا ہو اور اگر مثلی نہ ہو بلکہ قیمت والی ہو تو یہ ضرور ہے کہ مشتری ثانی اُس چیز کا مالک ہو مثلاً زید نے عمرو سے کپڑے کے بدلے میں غلام خریدا پھر اس غلام کا بکر سے مرابحہ یا تولیہ کرنا چاہتا ہے اگر بکر نے وہی کپڑا عمرو سے خرید لیا ہے یا کسی طرح بکر کی ملک میں آچکا ہے تو مرابحہ ہوسکتا ہے یا بکر نے اُسی کپڑے کے عوض میں مرابحہ کیا اور ابھی وہ کپڑا عمرو ہی کی ملک ہے مگر بعد عقد عمرو نے عقد کو جائز کر دیا تو وہ مرابحہ بھی درست ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ راس المال جس پر مرابحہ وتولیہ کی بنا ہے (کہ اس پر نفع کی مقدار بڑھائی جائے تو مرابحہ اور کچھ نہ بڑھے وہی ثمن رہے تو تولیہ) اس میں دھوبی کی اُجرت مثلاً تھان خرید کر دُھلوایا ہے۔ اور نقش ونگار ہوا ہے جیسے چکن کڑائی ہے، حاشیہ کے پھُندنے بٹے گئے ہیں، کپڑا رنگا گیا ہے، بار برداری دی گئی ہے، یہ سب مصارف راس المال پر اضافہ کیے جاسکتے ہیں۔

اور جب اس نے جانور کو کھلایا ہے اُس کو بھی راس المال پر اضافہ کیا جائے گا مگر جب کہ اُس کا دودھ گھی وغیرہ حاصل کیا ہے تو اس کو اُس میں سے کم کریں اگر چارہ کے مصارف کچھ بچ رہے تو اس باقی کو اضافہ کریں۔ اسی طرح مرغی پر کچھ خرچ کیا اور اُس نے انڈے دیے ہیں تو ان کو مُجرا دیکر باقی کو اضافہ کریں۔ جانور یا غلام یا مکان کو اُجرت پر دیا ہے کرایہ کی آمدنی کو مصارف سے منہا نہیں کریں گے بلکہ پورے مصارف کھانے وغیرہ کے اضافہ کریں گے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

مرابحہ میں مشتری کا کسی خیانت پر مطلع ہونے کا بیان

(فَإِنْ اطَّلَعَ الْمُشْتَرِي عَلَى خِيَانَةٍ فِي الْمُرَابَحَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِجَمِيعِ الثَّمَنِ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ وَإِنْ اطَّلَعَ عَلَى خِيَانَةٍ فِي التَّوْلِيَةِ أَسْقَطَهَا مِنْ الثَّمَنِ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَحُطُّ فِيهِمَا، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: يُخَيَّرُ

فِيهِمَا) لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الِاعْتِبَارَ لِلتَّسْمِيَةِ ؛ لِكَوْنِهِ مَعْلُومًا، وَالتَّوْلِيَةُ وَالْمُرَابَحَةُ تَرْوِيجٌ وَتَرْغِيبٌ فَيَكُونُ وَصْفًا مَرْغُوبًا فِيهِ كَوَصْفِ السَّلَامَةِ فَيَتَخَيَّرُ بِفَوَاتِهِ، وَلِأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْأَصْلَ فِيهِ كَوْنُهُ تَوْلِيَةً وَمُرَابَحَةً وَلِهَذَا يَنْعَقِدُ بِقَوْلِهِ وَلَّيْتُك بِالثَّمَنِ الْأَوَّلِ أَوْ بِعْتُك مُرَابَحَةً عَلَى الثَّمَنِ الْأَوَّلِ إذَا كَانَ ذَلِكَ مَعْلُومًا فَلَا بُدَّ مِنْ الْبِنَاءِ عَلَى الْأَوَّلِ وَذَلِكَ بِالْحَطِّ، غَيْرَ أَنَّهُ يُحَطُّ فِي التَّوْلِيَةِ قَدْرُ الْخِيَانَةِ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ وَفِي الْمُرَابَحَةِ مِنْهُ وَمِنْ الرِّبْحِ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَوْ لَمْ يُحَطَّ فِي التَّوْلِيَةِ لَا تَبْقَى تَوْلِيَةً ؛ لِأَنَّهُ يَزِيدُ عَلَى الثَّمَنِ الْأَوَّلِ فَيَتَغَيَّرُ التَّصَرُّفُ فَتَعَيَّنَ الْحَطُّ وَفِي الْمُرَابَحَةِ لَوْ لَمْ يُحَطَّ تَبْقَى مُرَابَحَةً وَإِنْ كَانَ يَتَفَاوَتُ الرِّبْحُ فَلَا يَتَغَيَّرُ التَّصَرُّفُ فَأَمْكَنَ الْقَوْلُ بِالتَّخْيِيرِ، فَلَوْ هَلَكَ قَبْلَ أَنْ يَرُدَّهُ أَوْ حَدَثَ فِيهِ مَا يَمْنَعُ الْفَسْخَ يَلْزَمُهُ جَمِيعُ الثَّمَنِ فِي الرِّوَايَاتِ الظَّاهِرَةِ ؛ لِأَنَّهُ مُجَرَّدُ خِيَارٍ لَا يُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِنْ الثَّمَنِ كَخِيَارِ الرُّؤْيَةِ وَالشَّرْطِ، بِخِلَافِ خِيَارِ الْعَيْبِ ؛ لِأَنَّهُ الْمُطَالَبَةُ بِتَسْلِيمِ الْفَائِتِ فَيَسْقُطُ مَا يُقَابِلُهُ عِنْدَ عَجْزِهِ .

ترجمہ

اور بیع مرابحہ میں جب مشتری کسی خیانت پر مطلع ہوا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو پوری قیمت کے بدلے میں اس کو حاصل کرلے اور اگر وہ چاہے تو اس کو ترک کردے۔اور جب وہ بیع تولیہ میں کسی خیانت مطلع ہوا ہے تو وہ خیانت کی مقدار کے برابر قیمت کو ساقط کردے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ وہ دونوں بیوع میں خیانت کی مقدار کے برابر قیمت کو ساقط کردے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ دونوں اس کو مبیع لینے یا نہ لینے کا اختیار ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قیمت اسی کا اعتبار کیا جائے گا جو بیان ہوئی ہے۔اس لئے کہ وہ معدوم ہے جبکہ تولیہ ومرابحہ کا مقصد رغبت دلانا ہے پس ان کو ذکر کرنا یہ سلامتی کے وصف کے ساتھ مرغوب فیہ میں ہوگا جس کے فوت ہونے پر مشتری کو اختیار مل سکتا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں بیوع کا ذکر کرنا یہ ان کی اصل ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ جب قیمت معلوم ہو تو بائع کا قول ''میں نے ثمن اول کے ساتھ تیرے ساتھ تولیہ کیا'' سے تولیہ اور میں نے تجھے بیچ دیا ہے سے مرابحہ منعقد ہوجائے گی۔پس پہلے عقد پر دوسرے عقد کی بناء لازم ہوئی اور ایسا کم کرنے سے ہی ہوتا ہے جبکہ بیع تولیہ میں راس المال سے مقدار

خیانت کم کی جائے گی اور بیع مرابحہ میں راُس المال اور نفع دونوں میں کم کی جائے گی۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ جب بیع تولیہ میں خیانت کی مقدار کم نہ کیا جائے تو وہ بیع تولیہ نہ رہے گی کیونکہ یہ مقدار ثمن اول سے بڑھ جائے گی اور اس کا تصرف بھی بدل جائے گا پس کم کرنا معین ہو جائے گا اور بیع مرابحہ میں جب مقدار کو تھوڑا نہ کیا گیا تو وہ پھر بھی مرابحہ باقی رہے گی خواہ اس کے نفع میں فرق ہے مگر پھر بھی تصرف نہیں بدلے گا۔ پس اس میں مشتری کو اختیار دینا ممکن ہے۔

اور جب وہ واپس کرنے سے پہلے مبیع ہلاک ہو جائے یا اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جو مانع فسخ ہے تو ظاہر روایات کے مطابق مشتری کو ساری ثمن ادا کرنا ضروری ہوگی۔ کیونکہ وہ فوت ہونے والی چیز کے حصے کو حوالے کرنے کا مطالبہ کرنے والا ہے پس فوت ہونے والے حصے کو حوالے کرنے سے عاجز آنے کے وقت اس کے بدلے کی قیمت ساقط ہو جائے گی۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو مصارف اضافہ کرنے کے ہیں اُنھیں اضافہ کرنے کے بعد بائع یہ نہ کہے میں نے اتنے کو خریدی ہے کیونکہ یہ جھوٹ ہے بلکہ یہ کہے کہ مجھے اتنے میں پڑی ہے۔ بیع مرابحہ میں اگر مشتری کو معلوم ہوا کہ بائع نے کچھ خیانت کی ہے مثلاً اصلی ثمن پر ایسے مصارف اضافہ کیے جن کو اضافہ کرنا ناجائز ہے یا اُس ثمن کو بڑھا کر بتایا دس میں خریدی تھی بتائے گیارہ تو مشتری کو اختیار ہے کہ پورے ثمن پر لے یا نہ لے یہ نہیں کرسکتا کہ جتنا غلط بتایا ہے اُسے کم کر کے ثمن ادا کرے۔ اُس نے خیانت کی ہے اسے معلوم کرنے کی تین صورتیں ہیں خود اُس نے اقرار کیا ہو یا مشتری نے اس کو گواہوں سے ثابت کیا یا اُس پر حلف دیا گیا اُس نے قسم سے انکار کیا۔ تولیہ میں اگر بائع کی خیانت ثابت ہو تو جو کچھ خیانت کی ہے اُسے کم کر کے مشتری ثمن ادا کرے مثلاً اُس نے کہا میں نے دس روپے میں خریدی ہے اور ثابت ہوا کہ آٹھ میں خریدی ہے تو آٹھ دیکر مبیع لے لے گا۔ مرابحہ میں خیانت ظاہر ہوئی اور پھیرنا چاہتا ہے پھیرنے سے پہلے مبیع ہلاک ہوگئی یا اُس میں کوئی ایسی بات پیدا ہوگئی جس سے بیع کو فسخ کرنا نادرست ہو جاتا ہے تو پورے ثمن پر مبیع کو رکھ لینا ضروری ہوگا اب واپس نہیں کرسکتا نہ نقصان کا معاوضہ مل سکتا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تولیہ ومرابحۃ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ عوض یعنی ثمن اول مثلی ہو اور علت بیان کرنے والوں جیسے ہدایہ اور اس کی شروحات عنایہ، تبیین اور بحر وغیرہ نے اس کی علت یوں بیان کی، لفظ عنایہ کے ہیں کہ ان دونوں (تولیہ ومرابحہ) کی بناء خیانت اور شبہ خیانت سے اجتناب پر ہے جبکہ قیمتی چیزوں میں اگر چہ خیانت سے اجتناب ممکن ہے مگر شبہ خیانت سے اجتناب کبھی ممکن نہیں ہوتا کیونکہ مرابحہ میں مشتری مبیع کو اس قیمت کے بدلے ہی خرید سکتا ہے جس میں ثمن واقع ہوا نہ کہ عین ثمن کے بدلے کیونکہ جب وہ اس کا مالک ہی نہیں تو اس کا دینا اس کے لیے ناممکن ہے اور نہ ہی مثل ثمن کے بدلے کیونکہ مفروض اس کا عدم ہے تو قیمت ہی متعین ہوئی اور وہ مجہول ہے جو کہ ظن وتخمینہ سے پہچانی جاتی ہے لہٰذا اس میں شبہ خیانت پایا جاتا ہے سوائے اس کے کہ جب مشتری اول مبیع کو اس شخص کے ہاتھ بطور مرابحہ بیچے جو اس بائع اول سے اس مبیع کے

بدل کا کسی سبب سے مالک بن چکا ہے کیونکہ اس صورت میں مشتری ثانی اس مبیع کو دراہم یا کسی کیلی وزنی شے میں سے معین ومعلوم نفع پر خرید رہا ہے یہ اس لئے ہے کہ مشتری ثانی نے جس چیز کا التزام کیا ہے وہ اس کی ادائیگی پر قادر ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب بیوع، بیروت)

کپڑے کو خرید کر نفع میں بیچ کر پھر خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى ثَوْبًا فَبَاعَهُ بِرِبْحٍ ثُمَّ اشْتَرَاهُ، فَإِنْ بَاعَهُ مُرَابَحَةً طَرَحَ عَنْهُ كُلَّ رِبْحٍ كَانَ قَبْلَ ذَلِكَ، فَإِنْ كَانَ اسْتَغْرَقَ الثَّمَنَ لَمْ يَبِعْهُ مُرَابَحَةً، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَا :يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً عَلَى الثَّمَنِ الْأَخِيرِ).

صُورَتُهُ :إذَا اشْتَرَى ثَوْبًا بِعَشَرَةٍ وَبَاعَهُ بِخَمْسَةَ عَشَرَ ثُمَّ اشْتَرَاهُ بِعَشَرَةٍ فَإِنَّهُ يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً بِخَمْسَةٍ وَيَقُولُ قَامَ عَلَيَّ بِخَمْسَةٍ، وَلَوْ اشْتَرَاهُ بِعَشَرَةٍ وَبَاعَهُ بِعِشْرِينَ مُرَابَحَةً ثُمَّ اشْتَرَاهُ بِعَشَرَةٍ لَا يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً أَصْلًا، وَعِنْدَهُمَا يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً عَلَى الْعَشَرَةِ فِي الْفَصْلَيْنِ، لَهُمَا أَنَّ الْعَقْدَ الثَّانِيَ عَقْدٌ مُتَجَدِّدٌ مُنْقَطِعُ الْأَحْكَامِ عَنْ الْأَوَّلِ فَيَجُوزُ بِنَاءُ الْمُرَابَحَةِ عَلَيْهِ، كَمَا إذَا تَخَلَّلَ ثَالِثٌ، وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ شُبْهَةَ حُصُولِ الرِّبْحِ بِالْعَقْدِ الثَّانِي ثَابِتَةٌ ؛ لِأَنَّهُ يَتَأَكَّدُ بِهِ بَعْدَمَا كَانَ عَلَى شَرَفِ السُّقُوطِ بِالظُّهُورِ عَلَى عَيْبٍ الشُّبْهَةِ كَالْحَقِيقَةِ فِي بَيْعِ الْمُرَابَحَةِ احْتِيَاطًا وَلِهَذَا لَمْ تَجُزْ الْمُرَابَحَةُ فِيمَا أُخِذَ بِالصُّلْحِ لِشُبْهَةِ الْحَطِيطَةِ فَيَصِيرُ كَأَنَّهُ اشْتَرَى خَمْسَةً وَثَوْبًا بِعَشَرَةٍ فَيُطْرَحُ عَنْهُ خَمْسَةٌ، بِخِلَافِ مَا إذَا تَخَلَّلَ ثَالِثٌ ؛ لِأَنَّ التَّأْكِيدَ حَصَلَ بِغَيْرِهِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کوئی کپڑا خرید کر پھر اسکو نفع کے ساتھ بیچ دیا اور پھر اسی کپڑے کو خریدا تو اب اگر اس کو مرابحہ کے طور پر فروخت کرنا چاہے تو اس سے پہلے لیے گئے سارے منافع کو ثمن سے ساقط کردے اور جب نفع ثمن کو گھیرنے والا ہے تو اب وہ اس کو بیع مرابحہ کے طور نہیں بیچ سکتا۔ اور یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ بائع اول کو دوسری قیمت پر بطور مرابحہ بیچ سکتا ہے اور اس کی صورت یہ ہوگی جب کسی شخص نے دس دراہم میں کوئی کپڑا خرید کر اس کو پندرہ دراہم میں بیچ دیا اور اس نے دوبارہ اسی کپڑے کو دس دراہم میں خرید لیا تو وہ اس کپڑے کو دوبارہ پانچ دراہم کے مرابحہ کے ساتھ بیچ سکتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہے گا کہ مجھے پانچ دراہم میں پڑا ہے۔

اور جب کسی دس دراہم میں کپڑا خرید کر اس کو بیس دراہم میں بیچ دیا اور اس کے بعد پھر اسی کو دس دراہم میں خرید لیا تو وہ اب اس کپڑے کو بیع مرابحہ کے طور نہیں فروخت کر سکتا۔ صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں پہلے بائع اس کپڑے کو دس دراہم پر بطور مرابحہ بیچ سکتا ہے۔ اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دوسرا عقد ایک نیا عقد ہے اور پہلے عقد سے الگ حکم رکھنے والا ہے۔ پس اس عقد پر بیع مرابحہ کی بناء کرنا جائز ہے جس طرح اس صورت میں ہوگا جب کوئی تیسرا شخص درمیان میں آ جائے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ دوسرے عقد کے سبب نفع حاصل کرنے میں شبہہ ظاہر ہو چکا ہے کیونکہ دوسرے عقد کے سبب وہ نفع مؤکد ہو چکا ہے جبکہ عیب ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ نفع گرنے کے قریب تھا۔ پس احتیاط کے پیش نظر بیع مرابحہ میں شبہہ کو حقیقت کا حکم دیا جائے گا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ قیمت کم کرنے کے شبہہ کے سبب صلح میں لی جانے والی چیز میں بیع مرابحہ جائز نہیں ہے۔

پس پہلا بائع تو اس طرح ہو جائے گا کہ گویا اس نے دس دراہم کے بدلے میں پانچ دراہم اور کپڑا دونوں چیزوں کو خرید لیا ہے کیونکہ اس سے پانچ دراہم ساقط کر دیئے گئے ہیں۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جب کوئی تیسرا آدمی درمیان میں آ گیا ہے کیونکہ اب نفع عقد ثانی کے سواسے مؤکد ہونے والا ہے۔

کپڑا خرید کر نفع کے ساتھ فروخت کرنے میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کوئی کپڑا خرید کر پھر اسکو نفع کے ساتھ بیچ دیا اور پھر اس کپڑے کو خریدا تو اب اگر اس کو مرابحہ کے طور پر فروخت کرنا چاہے تو اس سے پہلے لیے گئے سارے منافع کو ثمن نے ساقط کر دے اور جب نفع ثمن کو گھیرنے والا ہے تو اب وہ اس کو بیع مرابحہ کے طور نہیں بیچ سکتا۔ اور یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے۔ اور حضرت امام احمد علیہ الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

صاحبین نے کہا ہے کہ بائع اول کو دوسری قیمت پر بطور مرابحہ بیچ سکتا ہے۔ حضرت امام مالک اور امام شافعی علیہما الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۲۳۴، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک چیز خرید کر مرابحۃً بیع کی پھر اُس کو خریدا اگر پھر مرابحہ کرنا چاہے تو پہلے مرابحہ میں جو کچھ نفع ملا ہے دوسرے ثمن سے کم کرے اور اگر نفع اتنا ہوا کہ دوسرے ثمن کو مستغرق ہو گیا تو اب مرابحۃً بیع ہی نہیں ہو سکتی اس کی مثال یہ ہے کہ ایک کپڑا دس میں خریدا تھا اور پندرہ میں مرابحہ کیا پھر اسی کپڑے کو دس میں خریدا تو اس میں سے پانچ روپے پہلے کے نفع والے ساقط کر کے پانچ روپے پر مرابحہ کر سکتا ہے اور یہ کہنا ہوگا کہ پانچ روپے میں پڑا ہے اور اگر پہلے بیس روپے میں بیچا تھا پھر اُسی کو دس میں خریدا تو گویا کپڑا مفت ہے کہ نفع نکالنے کے بعد ثمن کچھ نہیں بچتا اس صورت میں پھر مرابحہ نہیں ہو سکتا یہ اس صورت میں ہے کہ جس کے ہاتھ مرابحۃً بیچا ہے اب تک وہ چیز اُسی کے پاس رہی اس نے اُسی سے خریدی اور اگر اُس نے کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ دی اس نے اُس سے خریدی غرض یہ کہ درمیان میں کوئی بیع آ جائے تو اب جس ثمن سے خریدا ہے اُسی پر مرابحہ کرے نفع کم

کرنے کی ضرورت نہیں۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

جس چیز کو جس ثمن سے خریدا اُسے دوسری جنس سے بیچا مثلاً دس روپے میں خریدی پھر کسی جانور کے بدلے میں بیچ کی پھر دس روپے میں خریدی تو دس روپے پر مرابحہ ہوسکتا ہے اگرچہ وہ جانور جس کے بدلے میں پہلے بیچی تھی دس روپے سے زیادہ کا ہو۔ ایک تیسری صورت ثمن ثانی پر مرابحہ جائز ہونے کی یہ ہے کہ اس امر کو ظاہر کردے کہ میں نے دس روپے میں خرید کر پندرہ میں بیچی پھر اُسی مشتری سے دس میں خریدی ہے اور اس دس روپے پر مرابحہ کرتا ہوں، صلح کے طور پر جو چیز حاصل ہوا اُس کا مرابحہ نہیں ہوسکتا مثلاً زید کے عمرو پر دس روپے چاہیے تھے اُس نے مطالبہ کیا عمرو نے کوئی چیز دے کر صلح کرلی یہ چیز زید کو اگرچہ دس روپے کے معاوضہ میں ملی ہے مگر اس کا مرابحہ دس روپے پر نہیں ہوسکتا۔

عبد ماذون سے مرابحہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا اشْتَرَى الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ لَهُ فِي التِّجَارَةِ ثَوْبًا بِعَشَرَةٍ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ يُحِيطُ بِرَقَبَتِهِ فَبَاعَهُ مِنْ الْمَوْلَى بِخَمْسَةَ عَشَرَ فَإِنَّهُ يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً عَلَى عَشَرَةٍ، وَكَذَلِكَ إنْ كَانَ الْمَوْلَى اشْتَرَاهُ فَبَاعَهُ مِنْ الْعَبْدِ) لِأَنَّ فِي هَذَا الْعَقْدِ شُبْهَةَ الْعَدَمِ بِجَوَازِهِ مَعَ الْمُنَافِي فَاعْتُبِرَ عَدَمًا فِي حُكْمِ الْمُرَابَحَةِ وَبَقِيَ الِاعْتِبَارُ لِلْأَوَّلِ فَيَصِيرُ كَأَنَّ الْعَبْدَ اشْتَرَاهُ لِلْمَوْلَى بِعَشَرَةٍ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ، وَكَأَنَّهُ يَبِيعُهُ لِلْمَوْلَى فِي الْفَصْلِ الثَّانِي فَيُعْتَبَرُ الثَّمَنُ الْأَوَّلُ .

ترجمہ

فرمایا: اور تجارت میں اذن دیئے گئے غلام نے جب دس دراہم میں کوئی کپڑا خریدا جبکہ اس پر اتنا قرض ہے جو اس کی ذات کو گھیرے ہوئے ہے اس کے بعد اس نے یہ کپڑا اپنے آقا کو پندرہ دراہم کے بدلے میں بیچ دیا تو آقا اس کو کپڑے کو دس دراہم پر بطور مرابحہ بیچ سکتا ہے۔ اور اسی طرح جب آقا نے دس دراہم میں کپڑا خرید کر اس کو اپنے عبد ماذون کو پندرہ دراہم میں بیچ دیا۔ منافی بیع کے ہوتے ہوئے بھی اس عقد کے جائز ہونے میں عدم جواز شبہہ کا حکم ہے۔ پس مرابحہ کے حکم میں اس کو معدوم سمجھا جائے گا۔ پس پہلے عقد کا اعتبار کرلیا جائے گا۔ پس یہ اسی طرح ہو چکا ہے کہ جب پہلی صورت میں غلام نے دس دراہم کے بدلے آقا کیلئے خریداری کی ہے اور دوسری صورت میں وہ دس دراہم پر آقا کو بیچ رہا ہے پس پہلی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مکاتب یا غلام ماذون نے ایک چیز دس روپے میں خریدی تھی اُس کے مولیٰ نے اُس سے پندرہ میں خریدلی یا مولیٰ نے دس میں خرید کر غلام کے ہاتھ پندرہ میں بیچی تو اس کا مرابحہ اُسی بیع اول کے ثمن پر یعنی دس پر ہوسکتا

ہے، پندرہ پر نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جس کی گواہی اس کے حق میں مقبول نہ ہو جیسے اس کے اصول ماں، باپ، دادا، دادی یا اس کی فروع بیٹا، بیٹی وغیرہ اور میاں بی بی اور دو شخص جن میں شرکت مفاوضہ ہے ان میں ایک نے ایک چیز خریدی پھر دوسرے نے نفع دیکر اُس سے خرید لی تو مرابحہ دوسرے ثمن پر نہیں ہوسکتا ہاں اگر یہ لوگ ظاہر کر دیں کہ یہ خریداری اس طرح ہوئی ہے تو جس ثمن سے خود خریدی ہے اُس پر مرابحہ ہوسکتا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

مضارب کے نصف منافع پر اقالہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا كَانَ مَعَ الْمُضَارِبِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ بِالنِّصْفِ فَاشْتَرَى ثَوْبًا بِعَشَرَةٍ وَبَاعَهُ مِنْ رَبِّ الْمَالِ بِخَمْسَةَ عَشَرَ فَإِنَّهُ يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ وَنِصْفٍ) لِأَنَّ هَذَا الْبَيْعَ وَإِنْ قُضِيَ بِجَوَازِهِ عِنْدَنَا عِنْدَ عَدَمِ الرِّبْحِ خِلَافًا لِزُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ مَعَ أَنَّهُ اشْتَرَى مَالَهُ بِمَالِهِ لِمَا فِيهِ مِنْ اسْتِفَادَةِ وِلَايَةِ التَّصَرُّفِ وَهُوَ مَقْصُودٌ وَالِانْعِقَادُ يَتْبَعُ الْفَائِدَةَ فَفِيهِ شُبْهَةُ الْعَدَمِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهُ وَكِيلٌ عَنْهُ فِي الْبَيْعِ الْأَوَّلِ مِنْ وَجْهٍ فَاعْتُبِرَ الْبَيْعُ الثَّانِي عَدَمًا فِي حَقِّ نِصْفِ الرِّبْحِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب مضارب کے پاس آدھا نفع پر دس دراہم ہوں اور اس نے دس دراہم سے کوئی کپڑا خرید کر رب المال سے پندرہ دراہم میں اس کو فروخت کر دیا ہے تو رب المال اس کپڑے کو ساڑھے بارہ دراہم میں بطور مرابحہ بیچ سکتا ہے کیونکہ نفع ہونے کی حالت اگرچہ اس کو ہمارے نزدیک بیع قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ امام زفر کا وہی اختلاف ہے۔

اور جب رب المال مال کے بدلے میں اپنا ہی مال خریدنے والا ہے کیونکہ اس میں ولایت تصرف کا فائدہ دینے والی ہے اور بیع میں مقصد یہی ہوتا ہے اور فائدہ انعقاد بیع کے بعد ہوتا ہے مگر اس میں بھی عدم جواز کا شبہہ ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ مضارب پہلی بیع میں ایک طرح رب المال کا وکیل ہوتا ہے کیونکہ آدھے نفع کے حق میں دوسرے بیع کو کالعدم سمجھا گیا ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی طرح مبیع کے ثمن اس شخص کے پاس پہنچ جائیں جس کے ہاتھ اب یہ بیع بطور مرابحہ بیچ رہا ہے اور اس ثمن پر معین نفع لگائے مثلاً یوں کہے کہ میں یہ چیز بطور مرابحہ تجھ پر فروخت کرتا ہوں اس کپڑے کے عوض جو تیرے قبضے میں ہے اور ایک درہم کے نفع پر یا ایک گز جو کے نفع پر یا اس کپڑے کے نفع پر تو یہ بیع مرابحہ جائز ہے اھ چنانچہ نفع کے کیلی اور وزنی اشیاء میں اقتصار کا کوئی مفہوم نہیں ، اور ظاہر ہے ثمن اول کے مثل ہونے کی شرط اس بات کو واجب کرتی ہے کہ ثمن اول اور ثمن ثانی کے درمیان جنس کے اعتبار سے مماثلت ہو اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہو تو یہ امر مقصود پر بطور نقض لوٹے گا کیونکہ کوئی شے

اگر چہ مثلی ہو جب غیر جنس سے بدلی جائے تو مماثلت درمیان سے نکل جاتی ہے اور معاملہ قیمت لگانے کی طرف لوٹ آتا ہے، وہاں تم نے کہا کہ ثمن اول کی مثل دینا ممکن نہیں کیونکہ مفروض اس کا عدم ہے تو یہاں ہم کہتے ہیں کہ اس کی مثل دینا ممکن نہیں کیونکہ مفروض یہ ہے کہ بیع ثانی اس کی جنس کے غیر بدلے میں ہے یہ انتہائی واضح چیز ہے۔(فتح القدیر، کتاب بیوع)

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مضارب نے ایک چیز دس روپے میں خریدی اور مال والے کے ہاتھ پندرہ روپے میں بیچ دی اگر مضاربت نصف نفع کے ساتھ ہے تو رب المال اس چیز کو ساڑھے بارہ روپے پر مرابحہ کر سکتا ہے کیونکہ نفع کے پانچ میں ڈھائی روپے اس کے ہیں، لہذا مبیع اس کو ساڑھے بارہ میں پڑی۔ مبیع میں کوئی عیب بعد میں معلوم ہوا اور یہ راضی ہو گیا تو اس کا مرابحہ کر سکتا ہے یعنی عیب کی وجہ سے ثمن میں کمی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اگر اس نے مرابحۃ یہ چیز خریدی تھی اور بعد میں بائع کی خیانت پر مطلع ہوا مگر مبیع کو واپس نہیں کیا بلکہ اسی بیع پر راضی رہا تو جس ثمن پر خریدی ہے اسی پر مرابحہ کریگا۔

(ردمحتار، کتاب بیوع)

باندی کا خرید کے بعد کانا ہو جانے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً فَاعْوَرَّتْ أَوْ وَطِئَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ يَبِيعُهَا مُرَابَحَةً وَلَا يُبَيِّنُ) لِأَنَّهُ لَمْ يَحْتَبِسْ عِنْدَهُ شَيْئًا يُقَابِلُهُ الثَّمَنُ ؛ لِأَنَّ الْأَوْصَافَ تَابِعَةٌ لَا يُقَابِلُهَا الثَّمَنُ ، وَلِهَذَا لَوْ فَاتَتْ قَبْلَ التَّسْلِيمِ لَا يَسْقُطُ شَيْءٌ مِنْ الثَّمَنِ ، وَكَذَا مَنَافِعُ الْبُضْعِ لَا يُقَابِلُهَا الثَّمَنُ ، وَالْمَسْأَلَةُ فِيمَا إذَا لَمْ يُنْقِصْهَا الْوَطْءُ ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الْفَصْلِ الْأَوَّلِ أَنَّهُ لَا يَبِيعُ مِنْ غَيْرِ بَيَانٍ ، كَمَا إذَا احْتَبَسَ بِفِعْلِهِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ (فَأَمَّا إذَا فَقَأَ عَيْنَهَا بِنَفْسِهِ أَوْ فَقَأَهَا أَجْنَبِيٌّ فَأَخَذَ أَرْشَهَا لَمْ يَبِعْهَا مُرَابَحَةً حَتَّى يُبَيِّنَ) لِأَنَّهُ صَارَ مَقْصُودًا بِالْإِتْلَافِ فَيُقَابِلُهَا شَيْءٌ مِنْ الثَّمَنِ ، وَكَذَا إذَا وَطِئَهَا وَهِيَ بِكْرٌ لِأَنَّ الْعُذْرَةَ جُزْءٌ مِنْ الْعَيْنِ يُقَابِلُهَا الثَّمَنُ وَقَدْ حَبَسَهَا .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے باندی کو خریدا اور اس کے بعد کانی ہو گئی یا اس نے اس سے وطی کی جبکہ وہ ثیبہ تھی تو وہ اس کو بطور مرابحہ بیچ سکتا ہے کیونکہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز رکنے والی نہیں ہے جس کے بدلے میں قیمت ہو کیونکہ اوصاف تابع ہوتے ہیں اور ان کے بدلے میں ثمن نہیں آتا۔ اسی دلیل کے سبب سے ہے کہ جب مشتری کی طرف حوالے کرنے سے پہلے ہی اس کی آنکھ ختم ہو جائے تو ثمن سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا۔ اور اسی طرح نفع بضع کے بدلے میں بھی ثمن نہیں ہوتی اور یہ مسئلہ اس صورت میں ہے کہ جب باندی سے وطی کرنے کے سبب اس میں کوئی نقص نہ آیا ہو۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے پہلے مسئلہ میں نقل کیا گیا ہے کہ مشتری وضاحت کرنے کے بغیر اس کو نہ بیچے جس طرح اس صورت میں ہے جب اسی عمل سے کوئی چیز محبوس ہوگئی ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول ہے۔ ہاں البتہ جب مشتری نے خود باندی کی آنکھ نکال دی یا کسی دوسرے نے پھوڑی اور مشتری نے اس سے جرمانہ وصول کرلیا تو اب بغیر وضاحت مشتری اس کو بطور مرابحہ نہیں بیچ سکتا کیونکہ تلف کے سبب ایسا مقصود آگیا ہے جس کے بدلے میں قیمت ہے۔ اور اسی طرح جب مشتری نے باندی سے وطی کی حالانکہ وہ باکرہ تھی کیونکہ دوشیزہ ہونا یہ باندی کی ذات کا ایک حصہ ہے جس وکے بدلے میں قیمت ہے جبکہ مشتری نے اس کو روک رکھا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مبیع میں اگر عیب پیدا ہوگیا مگر وہ عیب کسی کے فعل سے پیدا نہ ہوا چاہے آفت سماویہ سے ہو یا خود مبیع کے فعل سے ہو، ایسے عیب کو مرابحہ میں بیان کرنا ضروری نہیں یعنی بائع کو یہ کہنا ضروری نہیں کہ میں نے جب خریدی تھی اُس وقت عیب نہ تھا میرے یہاں عیب پیدا ہوگیا ہے اور بعض فقہا اس کو بیان کرنا ضروری بتاتے ہیں۔ کپڑے کو چوہے نے کتر لیا یا آگ سے کچھ جل گیا اس کا بھی وہی حکم ہے رہا عیب کو بیان کرنا اسکو ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مبیع کے عیب پر مطلع ہو تو اُس کا ظاہر کر دینا ضروری ہے چھپانا حرام ہے۔ لونڈی ثیب تھی اُس سے وطی کی اور اس سے نقصان پیدا نہ ہوا تو اس کا بیان کرنا بھی ضرور نہیں اور نقصان پیدا ہوا تو بیان کرنا ضروری ہے اور اگر مبیع میں اس کے فعل سے عیب پیدا ہوگیا یا دوسرے کے فعل سے، چاہے اُس نے اس کے حکم سے فعل کیا یا بغیر حکم کے، چاہے اس نے اُس نقصان کا معاوضہ لے لیا ہو یا نہ لیا ہو، یا کنیز باکرہ تھی اُس سے وطی کی ان باتوں کا ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

کپڑے کے جلنے کے بعد مرابحہ کرنے کا بیان

(وَلَوْ اشْتَرَى ثَوْبًا فَأَصَابَهُ قَرْضُ فَأْرٍ أَوْ حَرْقُ نَارٍ يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً مِنْ غَيْرِ بَيَانٍ، وَلَوْ تَكَسَّرَ بِنَشْرِهِ وَطَيِّهِ لَا يَبِيعُهُ مُرَابَحَةً حَتَّى يُبَيِّنَ) وَالْمَعْنَى مَا بَيَّنَّاهُ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کپڑا خرید لیا تو اس کو چوہے نے کاٹ دیا یا اس کو آگ نے جلا دیا تو مشتری بغیر کسی وضاحت اس کو بیچ سکتا ہے اور جب مشتری کے کھولنے اور تہہ لگانے کے سبب کپڑا پھٹ جائے تو بغیر کسی وضاحت کے اس بطور مرابحہ بیچنا درست نہیں ہے۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

شرح

جب خرید چکا تو دیکھا اس میں کوئی عیب ہے جیسے تھان کو چوہوں نے کتر ڈالا ہے یا دوشالے میں کیڑا لگ گیا ہے یا اور کوئی

عیب نکل آیا تو اب اس خریدنے والے کو اختیار ہے چاہے رکھ لے اور لے لیوے چاہے پھیر دے لیکن اگر رکھ لے تو پورے دام دینا پڑیں گے اس عیب کے عوض میں کچھ دام کاٹ لینا درست نہیں البتہ اگر دام کی کمی پر وہ بیچنے والا بھی راضی ہو جائے تو کم کر کے دینا درست ہے۔

کسی نے کوئی تھان خرید کر رکھا تھا کہ کسی لڑکے نے اس کا ایک کونا پھاڑ ڈالا یا قینچی سے کتر ڈالا۔ اس کے بعد دیکھا کہ وہ اندر سے خراب ہے جابجا چوہے کتر گئے ہیں تو اب اس کو نہیں پھیر سکتا کیونکہ ایک اور عیب تو اس کے گھر میں پیدا ہو گیا ہے البتہ اس عیب کے بدلے میں جو کہ بیچنے والا کے گھر کا ہے دام کم کر دیئے جائیں گے۔ لوگوں کو دکھایا جائے جو وہ تجویز کریں اتنا کم کر دو۔

اسی طرح اگر کپڑا قطع کیا ہوا دیدو اور اپنے سب دام لے لو میں دام کم نہیں کرتی تو اس کو یہ اختیار حاصل ہے خریدنے والی انکار نہیں کرسکتی۔ اگر قطع کر کے سی بھی لیا تھا پھر عیب معلوم ہوا تو عیب کے بدلے دام کم کر دیئے جائیں گے اور بیچنے والی اس صورت میں اپنا کپڑا نہیں لے سکتی۔ اور اگر اس خریدنے والی نے وہ کپڑا بیچ ڈالا یا اپنے نابالغ بچہ کے پہنانے کی نیت سے قطع کر ڈالا بشرطیکہ بالکل اس کے دے ڈالنے کی نیت کی ہو اور پھر اس میں عیب نکلا تو اب دام کم نہیں کیے جائیں گے۔ اور اگر بالغ اولاد کی نیت سے قطع کیا تھا اور پھر عیب نکلا تو اب دام کم کر دیئے جائیں گے۔

اور جب کسی شخص نے کپڑا خریدا اُسے قطع کرایا اور ابھی سلا نہیں اُس میں عیب معلوم ہوا اُسے واپس نہیں کر سکتا بلکہ نقصان لے سکتا ہے ہاں اگر بائع قطع کیے ہوئے کو واپس لینے پر راضی ہے تو اب نقصان نہیں لے سکتا اور خرید کر بیچ کر دیا ہے تو کچھ نہیں کر سکتا۔ اور اگر قطع کے بعد سل بھی گیا اور عیب معلوم ہوا تو نقصان لے سکتا ہے بائع بجائے نقصان دینے کے واپس لینا چاہے تو واپس نہیں لے سکتا۔

اور اسی طرح جب کپڑا خرید کر اپنے نابالغ بچہ کے لیے قطع کرایا اور عیب معلوم ہوا تو نہ واپس کر سکتا ہے نہ نقصان لے سکتا ہے۔ اور اگر بالغ لڑکے کے لیے قطع کرایا تو نقصان لے سکتا ہے۔

ادھار غلام خرید کر اس میں مرابحہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى غُلَامًا بِأَلْفِ دِرْهَمٍ نَسِيئَةً فَبَاعَهُ بِرِبْحِ مِائَةٍ وَلَمْ يُبَيِّنْ فَعَلِمَ الْمُشْتَرِي، فَإِنْ شَاءَ رَدَّهُ، وَإِنْ شَاءَ قَبِلَ) ؛ لِأَنَّ لِلْأَجَلِ شَبَهًا بِالْمَبِيعِ ؛ أَلَا يُرَى أَنَّهُ يُزَادُ فِي الثَّمَنِ لِأَجْلِ الْأَجَلِ، وَالشُّبْهَةُ فِي هَذَا مُلْحَقَةٌ بِالْحَقِيقَةِ فَصَارَ كَأَنَّهُ اشْتَرَى شَيْئَيْنِ وَبَاعَ أَحَدَهُمَا مُرَابَحَةً بِثَمَنِهِمَا، وَالْإِقْدَامُ عَلَى الْمُرَابَحَةِ يُوجِبُ السَّلَامَةَ عَنْ مِثْلِ هَذِهِ الْخِيَانَةِ، فَإِذَا ظَهَرَتْ يُخَيَّرُ كَمَا فِي الْعَيْبِ (وَإِنْ اسْتَهْلَكَهُ ثُمَّ عَلِمَ لَزِمَهُ بِأَلْفٍ وَمِائَةٍ) ؛ لِأَنَّ الْأَجَلَ لَا يُقَابِلُهُ شَيْءٌ مِنْ الثَّمَنِ، قَالَ : (فَإِنْ كَانَ وَلَّاهُ إيَّاهُ وَلَمْ يُبَيِّنْ

رَدَّهُ إِنْ) شَاءَ ؛ لِأَنَّ الْخِيَانَةَ فِي التَّوْلِيَةِ مِثْلُهَا فِي الْمُرَابَحَةِ ؛ لِأَنَّهُ بِنَاءٌ عَلَى الثَّمَنِ الْأَوَّلِ (وَإِنْ كَانَ اسْتَهْلَكَهُ ثُمَّ عَلِمَ لَزِمَهُ بِأَلْفٍ حَالَّةٍ) لِمَا ذَكَرْنَاهُ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَرُدُّ الْقِيمَةَ وَيَسْتَرِدُّ كُلَّ الثَّمَنِ، وَهُوَ نَظِيرُ مَا إِذَا اسْتَوْفَى الزُّيُوفَ مَكَانَ الْجِيَادِ وَعَلِمَ بَعْدَ الْإِنْفَاقِ، وَسَيَأْتِيكَ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، وَقِيلَ يُقَوَّمُ بِثَمَنٍ حَالٍّ وَبِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ فَيَرْجِعُ بِفَضْلِ مَا بَيْنَهُمَا، وَلَوْ لَمْ يَكُنْ الْأَجَلُ مَشْرُوطًا فِي الْعَقْدِ وَلَكِنَّهُ مُنَجَّمٌ مُعْتَادٌ قِيلَ لَا بُدَّ مِنْ بَيَانِهِ ؛ لِأَنَّ الْمَعْرُوفَ كَالْمَشْرُوطِ، وَقِيلَ يَبِيعُهُ وَلَا يُبَيِّنُهُ ؛ لِأَنَّ الثَّمَنَ حَالٌّ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے ایک ہزار دراہم کے بدلے میں ادھار غلام خرید کر اس کو وضاحت کیے بغیر سو دراہم کے نفع پر اس کو بیچ دیا اس کے بعد مشتری کو پتہ چل گیا تو اس کو اختیار وہ چاہے تو مبیع کو واپس کرے اور چاہے تو اس کو قبول کرے۔ کیونکہ میعاد مبیع کے مشابہ ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ میعاد کے سبب ثمن میں زیادتی کردی جاتی ہے اور اس باب میں شبہ حقیقت کے ساتھ ملنے والا ہے۔ تو یہ اس طرح ہو جائے گا کہ مشتری نے دو چیزوں کو خرید کر ان میں سے ایک کو دونوں کی قیمت پر مرابحہ کرتے ہوئے بیچ دیا اور مرابحہ پر اقدام کرنا ایسی سلامتی کو واجب کرنے والا ہے جو اس کی مثل خیانت سے بچانے والا ہے اور خیانت ظاہر ہو جائے تو مشتری کو اختیار دیا جائے گا جس طرح عیب میں ہوتا ہے اور جب دوسرے مشتری نے مبیع کو ہلاک کیا اس کے بعد اس کو پتہ چلا تو اس پر گیارہ سو دراہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ میعاد کے بدلے میں کچھ بھی ثمن نہیں ہوتی۔

اور جب پہلے مشتری نے دوسرے مشتری کو وہ غلام بطور تولیہ دیا اور اس کی وضاحت نہ کی تو اب اگر دوسرا مشتری چاہے تو رد کردے۔ کیونکہ تولیہ کی خیانت مرابحہ کی طرح ہے اور تولیہ بھی پہلی قیمت پر مبنی ہے اور جب مبیع کو ہلاک کر دینے کے بعد دوسرے مشتری کو خیانت کا پتہ چلا تو اس پر ایک ہزار نقد واجب ہوں گے۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ دوسرا مشتری پوری قیمت لیکر اس غلام کی قیمت دیدے۔ اور یہ حکم اس مسئلہ کی مثل ہے جب قرض خواہ نے اپنے مدیون کھرے دراہم کی جگہ پر کھوٹے دراہم وصول کر لیے ہوں اور خرچ کرنے کے بعد اس کو پتہ چلا ہے اور عنقریب ان شاء اللہ یہ مسئلہ بھی آ جائے گا۔

ایک قول کے مطابق نقد اور ادھار ثمن پر مبیع کا اندازہ کیا جائے گا اور جب دوسرا مشتری ان کے درمیان فرق کو واپس لے لیتا ہے۔ اور جب میعاد عقد میں بطور شرط نہ ہو اور بطور قسط ادا کرنا بھی معتاد ہے تو کہا گیا ہے کہ اس صورت میں وضاحت ضروری ہے اور ایک دوسرے قول کے مطابق بغیر کسی وضاحت کے اس کو فروخت کر سکتا ہے کیونکہ ثمن نقد ہے۔

شرح

دہ یازدہ کے نفع پر مرابحہ ہوا (یعنی ہر دس پر ایک روپیہ نفع دس کی چیز ہے تو گیارہ، بیس کی ہے تو بائیس وعلیٰ ہٰذا القیاس) اگر ثمن اول قیمی ہے مثلاً کوئی چیز ایک گھوڑے کے بدلے میں خریدی ہے اور وہ گھوڑا اس مشتری ثانی کومل گیا جو مرابحۃً خریدنا چاہتا ہے اور دہ یازدہ کے طور پر خریدا اور مطلب یہ ہوا کہ گھوڑا دے گا اور گھوڑے کی جو قیمت ہے اُس میں فی دہائی ایک روپیہ دیگا یہ بیع درست نہیں کہ گھوڑے کی قیمت مجہول ہے لہٰذا نفع کی مقدار مجہول اور اگر بیع اول کا ثمن مثلی ہو مثلاً پہلے مشتری نے سو روپے کے عوض میں خریدی اور دہ یازدہ کے نفع سے بیچی اس کا محصل ایک سو دس روپے ہوا اگر یہ پوری مقدار مشتری کو معلوم ہو جب تو صحیح ہے اور معلوم نہ ہوا اور اُسی مجلس میں اُسے ظاہر کر دیا گیا ہو تو اُسے اختیار ہے کہ لے یا نہ لے اور اگر مجلس میں بھی معلوم نہ ہوا تو بیع فاسد ہے۔ آج کل عام طور پر تاجروں میں آنہ روپیہ، دو آنے روپیہ نفع کے حساب سے بیع ہوتی ہے اس کا حکم وہی دہ یازدہ کا ہے کہ وقت عقد معلوم ہو یا مجلس عقد میں معلوم ہو جائے تو بیع صحیح ہے ورنہ فاسد۔

قسطوں پر خریداری میں فقہی مذاہب اربعہ

بیع التقسیط میں فروخت کردہ چیز فوری طور پر دی جاتی ہے اور اس کی مکمل یا کچھ قیمت معلوم مدت اور قسطوں میں ادا کی جاتی ہے۔

اس کا حکم جاننے کی اہمیت

بیع التقسیط ان مسائل میں سے ہے اس دور میں جن کا حکم معلوم کرنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے اس لیے کہ اس وقت دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ مسئلہ بہت سی امتوں اور افراد میں پھیل چکا ہے۔

کمپنیاں اور ادارے سامان بنانے اور باہر سے لانیوالوں سے قسطوں میں خریداری کرتے اور اپنے گاہکوں کو بھی قسطوں میں فروخت کرتے ہیں، مثلاً گاڑیاں، جائیداد، اور مختلف قسم کیآلات وغیرہ۔

اور بنک وغیرہ بھی اسے پھیلانے کا باعث بنے ہیں، اس طرح کہ بنک سامان نقد خرید کر اپنے ایجنٹوں کو ادھار قیمت (قسطوں پر) فروخت کرتے ہیں۔

بیع النسیئۃ کے جواز میں نص وارد ہے، اور یہ قیمت کو مؤخر کرنے والی بیع کا نام ہے۔ بخاری اور مسلم نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی درع رہن رکھی۔ صحیح بخاری حدیث نمبر (2068) صحیح مسلم حدیث نمبر (1603)

یہ حدیث قیمت ادھار کرنے کی بیع پر دلالت کرتی ہے، اور قسطوں کی بیع بھی قیمت ادھار کرنے کی بیع ہے، اس میں غایت یہ ہے کہ اس میں قیمت کی قسطیں اور ہر قسط کی مدت مقرر ہوتی ہے۔

اور حکم شرعی میں اس کا کوئی فرق نہیں کہ ادھار کردہ قیمت کی مدت ایک ہو یا کئی ایک مدتیں مقرر کی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی

خرید وفروخت میں مدت کا قیمت میں حصہ ہے،اور خرید وفروخت میں اس کا کوئی حرج نہیں۔(المغنی (6 / 385).

ادھار کے عوض میں قیمت زیادہ کرنا مسلمانوں کا عمل بن چکا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں،لھذا اس صورت کی بیع پر یہ اجماع کی مانند ہے۔

اس معاملہ میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ نقد کی بیع ادھار کے علاوہ ہے،اور آج تک مسلمان اس طرح کے معاملات کر رہے ہیں،اس کے جواز پر ان کی جانب سے یہ اجماع کی مانند ہی ہے،اور بعض شاذ اہل علم نے مدت کے عوض قیمت زیادہ کرنا منع قرار دیا ہے اور ان کا گمان ہے کہ یہ سود ہے،اس قول کی کوئی وجہ نہیں بنتی،اور نہ ہی سود ہے،اس لیے کہ تاجر نے جب ادھار سامان فروخت کیا تو وہ مدت کی وجہ قیمت زیادہ کر کے نفع حاصل کرنے پر متفق ہوا اور خریدار بھی مہلت اور مدت کی بنا پر قیمت زیادہ دینے پر متفق ہوا کیونکہ وہ نقد قیمت ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا،تو اس طرح دونوں فریق اس معاملہ سے نفع حاصل کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جو اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے وہ یہ کہ نبی کریم سے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنھما کو لشکر تیار کرنیکا حکم دیا،تو وہ ادھار میں ایک اونٹ کے بدلے دو اونٹ خریدتے تھے،پھر یہ معاملہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مندرجہ ذیل فرمان میں بھی داخل ہوتا ہے:(اے ایمان والو !جب تم آپس میں میعاد مقرر تک کیلیے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو) البقرۃ (282)اور یہ معاملہ بھی جائز قرضوں میں سے اور مذکورہ آیت میں داخل ہے اور یہ بیع سلم کی جنس میں سے ہی ہے۔(فتاوی اسلامیۃ (2 / 331)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مغنی میں کہتے ہیں۔اور اگر وہ یہ کہے :میں نے تجھے یہ چیز راس المال میں جو کہ ایک سو ہے میں فروخت کردی،اور ہر دس درھم پر ایک درہم نفع لیا ہے،تو امام احمد نے اسے مکروہ جانا ہے،ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کی کراہت مروی ہے،ہمارے علم کے مطابق صحابہ کرام میں ان دونوں کا کوئی مخالف نہیں،اور یہ کراہت تنزیہ ہے(یعنی یہ حرام نہیں) (المغنی ابن قدامہ (6 / 266)

جی ہاں جائز ہے۔اگر چہ نقد پر قیمت کچھ اور ہو اور قسطوں کی صورت میں کچھ اور،یعنی زیادہ ہو تب بھی جائز ہے۔امام ترمذی فرماتے ہیں۔

اَن یقولَ اَبیعكَ هذا الثوبَ بنقدٍ بعشرة و بنسیئةٍ بعشرین ولا یفارقه علٰی اَحد البیعین فاذا فارقَه علٰی احدهما فلا باس اِذا کانتِ العقدُ علٰی واحدٍ منهما.

یوں کہے کہ میں آپ کے ہاتھ یہ کپڑا (مثلاً) نقد قیمت پر دس 10)روپے پر اور ادھار قیمت پر بیس 20)روپے میں بیچتا ہوں اور کسی ایک سودے کو متعین کر کے جدا نہ ہوا گر ایک سودے کا فیصلہ کر کے جدا ہو تو کوئی حرج نہیں۔(ترمذی(147 : 1)

اصل میں یہ تشریح اس حدیث پاک کی ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سودے میں دو سودوں سے منع فرمایا۔
جب ثمن (روپے) اور چیز مدت متعین ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ثمن مجہول ہونے کے سبب بیع فاسد ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ وَلّٰى رَجُلًا شَيْئًا بِمَا قَامَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَعْلَمْ الْمُشْتَرِي بِكَمْ قَامَ عَلَيْهِ فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ) لِجَهَالَةِ الثَّمَنِ (فَإِنْ أَعْلَمَهُ الْبَائِعُ ، يَعْنِي فِي الْمَجْلِسِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ ، إنْ شَاءَ أَخَذَهُ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ) لِأَنَّ الْفَسَادَ لَمْ يَتَقَرَّرْ ، فَإِذَا حَصَلَ الْعِلْمُ فِي الْمَجْلِسِ جُعِلَ كَابْتِدَاءِ الْعَقْدِ وَصَارَ كَتَأْخِيرِ الْقَبُولِ إلَى آخِرِ الْمَجْلِسِ وَبَعْدَ الِافْتِرَاقِ قَدْ تَقَرَّرَ فَلَا يَقْبَلُ الْإِصْلَاحَ ، وَنَظِيرُهُ بَيْعُ الشَّيْءِ بِرَقْمِهِ إذَا عَلِمَ فِي الْمَجْلِسِ ، وَإِنَّمَا يَتَخَيَّرُ ؛ لِأَنَّ الرِّضَا لَمْ يَتِمَّ قَبْلَهُ لِعَدَمِ الْعِلْمِ فَيَتَخَيَّرُ كَمَا فِي خِيَارِ الرُّؤْيَةِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی سے اس قیمت پر کوئی چیز تولیہ کے طور پر فروخت کی جتنے کی وہ اس کو پڑی تھی۔ اور مشتری کا اس علم نہیں ہے کہ وہ چیز بائع کو کتنے میں پڑی تھی تو ثمن کی جہالت کے سبب بیع فاسد ہو جائے گی اور اگر بائع مشتری کو ثمن عقد میں باخبر کرنے والا ہے تو مشتری کو اختیار ہوگا خواہ وہ اس کو لے یا چھوڑ دے۔ کیونکہ ابھی تک فساد پکا نہیں ہوا۔

اور جب مجلس عقد میں ثمن کا پتہ چل گیا تو یہ ابتدائے عقد میں علم کی طرح ہے اور آخر مجلس تک قبولیت میں تاخیر کرنے کی طرح ہو جائے گا اور مجلس سے الگ ہونے کے بعد فساد پکا ہو چکا ہے کیونکہ اب وہ اصلاح کو قبول کرنے والا نہیں ہے اور اس کی مثال لکھ دی گئی قیمت کسی چیز کو بیچنا ہے مگر شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں ہی قیمت کا علم ہو اور مشتری کو اختیار اس لئے دیا جائے گا کہ ثمن کی مقدار جاننے سے پہلے علم نہ ہونے کی وجہ سے رضامندی مکمل ہونے والی نہ تھی۔ پس خیار رویت کی طرح اس میں اختیار دے دیا جائے گا۔

شرح

علامہ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صحت بیع کی شرائط میں سے ثمن کا اس طرح معلوم ہونا ہے کہ جھگڑا پیدا نہ ہو لہٰذا مجہول کی بیع ایسی جہالت کے ساتھ جو جھگڑے کا باعث بنے صحیح نہیں جیسے کسی شیء کو اس کی قیمت کے بدلے فروخت کرنا ہے۔ اور اسی میں ہے کہ کسی شخص نے دوسرے کے ساتھ کسی شیء کی تولیہ کی اتنے کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑی درانحالیکہ مشتری کو معلوم نہیں کہ بائع کو کتنے میں پڑی ہے تو بیع فاسد ہوگی، پھر اگر بائع نے مجلس کے اندر مشتری کو بتا دیا ہے تو بیع صحیح ہو جائے گی اور مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے، اسی طرح کافی میں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وہ مکان زمین دینے میں اتنا لحاظ ضروری ہے کہ نرخ بازار مرد وزن کا معلوم نہیں تو پہلے نرخ دریافت کرلیں ، اس کے تعین کے ساتھ بیع واقع ہو کہ بازار کے بھاؤ سے یہ چیز ہزار روپے کی ہے تو شوہر عورت سے کہے میں نے اپنی یہ زمین ومکان تیرے ہزار روپے کے عوض میں تجھے دی۔ وہ کہے میں نے قبول کی، یہ نہ ہو کہ پہلے بیع ہو لے

اس کے بعد تحقیقات کرنے جائیں کہ بازار کا نرخ کیا ہے کہ اس صورت میں بوجہ جہالت ثمن بیع فاسد ہو جائے گی اور اس پر بائع و مشتری دونوں بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہگار ہونگے پھر اس بیع کا فسخ بوجہ فساد واجب ہوگا ہاں اگر اسی جلسہ ایجاب وقبول میں نرخ بازار معلوم ہو جائے تو البتہ بیع صحیح ہو جائے گی۔ اور مشتری کو بعد علم قیمت اس شیء کی لینے نہ لینے کا اختیار رہوگا مگر یہ امر موہوم و مشکل ہے بہذا پہلے ہی دریافت کر کے بیع بطریق مذکور کریں۔ (الاشباہ والنظائر فن ثالث)

فصل

﴿ یہ فصل مرابحہ وتولیہ کے مسائل متفرقہ کے بیان میں ہے ﴾

فصل مرابحہ وتولیہ کے مسائل متفرقہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس فصل کو الگ ذکر کرنے کا سبب ظاہر ہے اور وہ یہ ہے بعض مسائل ایسے ہیں جو مرابحہ کے باب میں سے نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ مسائل مرابحہ سے مطرد ہیں کیونکہ وہ تعریف مرابحہ سے باہر ہیں اور وہ کسی قید کے ساتھ متقید ہیں۔ لہذا وہ ان اوصاف سے خالی ہوئے ہیں جو مرابحہ وتولیہ میں ہوتے ہیں پس اسی سبب سے ان مسائل کو مصنف علیہ الرحمہ نے ایک الگ فصل میں ذکر کیا ہے اور ان مسائل کو بیع مرابحہ وتولیہ سے مؤخر ذکر کرنے کا سبب مسائل شتیٰ کی طرح بعض قیود کے ساتھ یہ بھی مرابحہ وتولیہ میں ملنے والے ہیں۔

(عنایہ شرح الہدایہ، بتصرف، کتاب بیوع، ج ۹، ص ۲۶۷، بیروت)

منقولات ومحولات کو قبضہ سے پہلے بیچنے کی ممانعت کا بیان

وَمَنْ اشْتَرَى شَيْئًا مِمَّا يُنْقَلُ وَيُحَوَّلُ لَمْ يَجُزْ لَهُ بَيْعُهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ، لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يُقْبَضْ وَلِأَنَّ فِيهِ غَرَرَ انْفِسَاخِ الْعَقْدِ عَلَى اعْتِبَارِ الْهَلَاكِ .

ترجمہ

اور جس شخص نے منقولات اور محولات میں سے کسی چیز کو خریدا تو اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا منع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے قبضہ میں نہ ہونے والی اشیاء کی بیع سے منع کیا ہے۔ اور اس دلیل سے بھی منع ہے کہ ہلاکت کا اعتبار کرتے ہوئے اس میں فسخ عقد کا دھوکہ ہے۔

شرح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بازار کے اس حصے میں جو جانب بلندی واقع تھا لوگ غلہ خریدتے اور پھر اس کی اسی جگہ قبضہ میں لینے سے پہلے بیچ ڈالتے تھے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس بات سے منع فرمایا کہ جب تک غلہ کو خریدنے کے بعد وہاں سے منتقل نہ کیا جائے اس کو اسی جگہ فروخت نہ کیا جائے اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا اور مجھے یہ روای بخاری ومسلم میں نہیں ملی۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 79)

وہاں سے منتقل نہ کیا جائے " کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اسے اپنے قبضہ میں نہ لے لیا جائے اور اشیاء منقولہ کا قبضہ میں لینا

ہے کہ اس کو خریدنے کے بعد اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھ دیا جائے چاہے وہ دوسری جگہ کتنی ہی قریب کیوں نہ ہو۔
یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر اس چیز کو پیمانے یا وزن کے ذریعے لیا ہے تو پیمانے میں نپوا کر یا وزن کرانے کے بعد ہی اسے اٹھائے اور اگر بلا پیمانہ و وزن لیا ہے تو پھر اس کے بغیر ہی اٹھا کر رکھ دے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اشیاء منقولہ میں سے کوئی چیز خریدے اور پھر اسے کسی دوسرے کو فروخت کرنا چاہیے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس چیز کو اپنے قبضے میں لے اس کے بعد اسے فروخت کرے کیونکہ بیع اشیاء منقولہ میں قبل قبضہ دوسری بیع جائز نہیں ہے۔
صاحب مشکوۃ نے "مجھے یہ روایت بخاری و مسلم میں نہیں ملی ہے۔ کے ذریعے دراصل صاحب مصابیح پر اعتراض کیا ہے کہ اس روایت کو پہلی فصل میں ذکر کیا گیا ہے جب کہ یہ روایت نہ تو بخاری میں ہے اور نہ مسلم میں بلکہ ابوداؤد میں ہے اس لئے یہ روایت قاعدہ کے اعتبار سے دوسری فصل میں نقل کی جانی چاہئے تھی۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غلہ خریدے تو اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک کہ اسے پوری طرح نہ لے اور حضرت ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تک اس کو ناپ نہ لے (بخاری و مسلم)

اشیاء منقولہ کی بیع میں فقہی مذاہب اربعہ

جب تک کہ اسے پوری طرح نہ لے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کہ اسے اپنے قبضہ میں نہ لے لے اس کی وضاحت گذشتہ حدیث کے ضمن میں کی جا چکی ہے اس موقع پر اس بارے میں فقہی اختلاف بھی جان لیجئے کہ حضرت امام شافعی اور حنفیہ میں سے حضرت امام محمد کے نزدیک کسی چیز کو خرید کر پھر اسے کسی دوسرے کے ہاتھ قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے وہ چیز خواہ اشیاء منقولہ میں سے ہو جیسے غلہ وغیرہ یا عقار یعنی زمین ہو۔
حضرت امام مالک کے نزدیک قبل قبضہ صرف غلے کا بیچنا تو جائز نہیں ہے اور سب چیزوں کا بیچنا جائز ہے حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کے ہاں قبل قبض عقار یعنی زمین کا بیچنا تو جائز ہے لیکن اشیاء منقولہ میں سے کسی بھی چیز کا بیچنا جائز نہیں ہے حضرت امام احمد کا مسلک بھی بظاہر یہی ہے۔
حضرت ابن عباس کی روایت کے الفاظ جب تک کہ اس کو ناپ نہ لے " سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر بیچنے والا خریدار کے سامنے غلہ کو ناپ کر یا وزن کر کے دے تو یہ کافی نہیں ہے بلکہ خریدار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو اپنے قبضے میں لے لینے کے بعد پھر دوبارہ خود بھی ناپے یا وزن کرے لیکن اس بارے میں زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ خریدار کے سامنے بیچنے والے کا ناپنا یا وزن کرنا کافی ہے کیونکہ خریدار کے سامنے بیچنے والے کا ناپنا یا وزن کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود خریدار ناپے یا وزن کرے۔
حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو منع کیا ہے وہ غلہ ہے کہ اس کو قبضے میں لانے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع ہے حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اس بارے میں ہر چیز غلہ کی مانند ہے (بخاری و مسلم)

حضرت ابن عباس کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلہ کو قبل قبضہ بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی بھی چیز کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ قبضہ میں نہ آ جائے یہ گویا حضرت ابن عباس کا اپنا گمان وخیال ہے کہ انہوں نے اس مسئلے میں غلے پر غیر غلے کو قیاس کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم آگے جا کر غلہ وغیرہ لانے والے قافلے سے خرید وفروخت کے لئے نہ ملو اور تم میں سے کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نجش نہ کرو اور شہر کا آدمی کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے اور اونٹ وبکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو اور اگر کوئی شخص ایسا جانور خریدے جس کے تھنوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو تو دودھ دوہنے کے بعد اسے اس جانور کو رکھ لینے یا پھیر لینے کا اختیار ہوگا اگر اس کی مرضی ہو تو اس جانور کو رکھ لے اور مرضی ہو تو اس کو پھیر دے اور اس کے ساتھ ہی صاع (ساڑھے تین سیر) کھجوریں دیدے (بخاری ومسلم)

مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جو شخص ایسی بکری خریدے جس کے تھنوں میں دودھ جمع کیا گیا ہو تو اس بکری کو رکھ لینے یا پھیر دینے کا تین دن تک اختیار رہتا ہے چنانچہ اگر وہ ان تین دنوں میں اس بکری کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں دیدے مگر گیہوں نہ دے۔

پہلی ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً تمہیں معلوم ہو کہ بیوپاریوں کا کوئی گروہ غلہ وغیرہ لے کر شہر آ رہا ہے تو قبل اس کے کہ وہ بیوپاری شہر میں پہنچیں اور وہاں بازار کا بھاؤ وغیرہ معلوم کریں تم راستے میں جا کر ان سے خرید وفروخت کا کوئی معاملہ نہ کرو یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے دیا کہ تا کہ ان بیوپاریوں اور تاجروں کو فریب دینے یا ان کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع پیدا نہ ہو جائے۔

تم میں سے کوئی شخص کسی کی بیع پر بیع نہ کرے یعنی دو شخصوں میں خرید وفروخت کا کوئی معاملہ ہو رہا ہو تو تم اس میں دخل نہ دو بایں طور کہ نہ تو چیز کے دام بڑھا کر یا کسی اور ذریعے سے اس کو خریدنے کا اظہار کہ اس میں خریدار کا نقصان ہوگا اور نہ اپنا مال دکھا کر کم قیمت پر اسے بیچو کہ اس میں بیچنے والے کو نقصان ہوگا یا مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز بشرط خیار خریدے تو تم اس خریدار کے پاس جا کر یوں کہو کہ تم اس معاملے کو فسخ کر کے اسے واپس کر دو میں ایسی ہی چیز تمہیں اس سے سستے داموں دیدوں گا اس طرح اپنے فائدے کے لئے کسی کا معاملہ بگاڑنا برا ہے اگر مقصد خود خریدنا یا خود بیچنا نہ ہو بلکہ محض معاملہ بگاڑنا ہی منظور ہو تو یہ بہت ہی برا ہے۔
بعض علماء کہتے ہیں کہ اس مخالفت کا تعلق اس چیز سے ہے کہ جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو اور اگر کسی چیز میں کوئی شرعی قباحت ہو جیسے کوئی شخص کسی کو غبن یا چوری کا مال بیچتا ہو تو اس صورت میں معاملہ کو فسخ کرا دینا جائز ہے۔

نجش: کے معنی ہیں رغبت دلانا اور فریب دینا اس کی صورت یہ ہے کہ دو شخصوں کے درمیان معاملہ ہو رہا ہو تو تیسرا شخص آ کر اس چیز کی تعریف کرنے لگے جس کا معاملہ ہو رہا ہے یا اس چیز کی قیمت زیادہ لگا دے اور اس سے اس کا مقصد خریداری نہ ہو بلکہ منظور یہ ہو کہ خریدار میری دیکھا دیکھی اس چیز کی خریداری کی طرف زیادہ راغب ہو جائے یا اس چیز کی قیمت اور زیادہ لگا دے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ اصل خریدار کو فریب میں مبتلا کرنے کی ایک بدترین صورت ہے۔

شہری آدمی کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے مثلاً کوئی دیہاتی اپنا مال جیسے غلہ وغیرہ بازار کے بھاؤ فروخت کرنے کے لئے شہر لائے اور کوئی شہری اس سے آ کر یہ کہے کہ تم اپنا یہ مال میرے پاس چھوڑ جاؤ میں اس کو بڑی آسانی کے ساتھ گراں نرخ پر بیچ دوں گا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے منع فرمایا ہے کہ اس میں مخلوق خدا کو نفع سے باز رکھنا ہے چنانچہ یہ حضرت امام شافعی کے نزدیک حرام ہے اور حنفی مسلک کے مطابق مکروہ ہے۔

اونٹ و بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو مثلاً ایک شخص کے پاس دودھ والا کوئی جانور جیسے بکری و بھینس وغیرہ ہے وہ اس کو بیچنا چاہتا ہے اس جانور کی زیادہ قیمت وصول کرنے کے لئے وہ یہ کرتا ہے کہ بیچنے سے دو تین دن یا دو تین وقت پہلے اس جانور کا دودھ دوہتا نہیں بلکہ اس کے تھن میں چھوڑے رکھتا ہے تاکہ تھن میں زیادہ دودھ جمع ہو جائے اور خریدار یہ سمجھ کر کہ یہ جانور زیادہ دودھ دینے والا ہے اس کی زیادہ قیمت دیدے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے منع فرمایا کہ یہ فریب دہی کا معاملہ ہے اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسئلہ بیان فرمایا اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر اور کوئی شخص ایسا جانور خرید لائے جس کا کئی دن یا کئی وقت کا دودھ اس کے تھن میں جمع رکھا گیا اور پھر اسکا دودھ دوہنے کے بعد معلوم ہو کہ یہ جانور کم دودھ دیتا ہے تو اسے اختیار حاصل ہوگا کہ چاہے تو اس جانور کو واپس کر دے اور چاہے رکھ لے مگر جب جانور کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں اس دودھ کے عوض میں دے جو اس نے دوہا ہے۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دودھ کے عوض میں ایک صاع کھجوروں کا تعین کیوں کیا گیا ہے جب کہ اس دودھ ہی کو واپس کر دیا، یا اس دودھ کی قیمت دے دینے کا حکم بھی دیا جا سکتا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خریدار نے اس جانور کا جو دودھ دوہا ہے اس میں کچھ حصہ تو وہ ہوگا جو خریدار کی ملکیت میں آنے کے بعد جانور کے تھن میں پیدا ہوا ہے اور کچھ حصہ وہ ہے جو جانور کی خریداری کے وقت اس کے تھن میں تھا اور جانور کے ساتھ اس دودھ کی بھی بیع ہوئی تھی ظاہر ہے کہ اس صورت میں دودھ کے ان دونوں حصوں کا تعین و امتیاز ناممکن ہونے کی وجہ سے نہ تو دودھ واپس کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی قیمت ہی متعین کر کے دی جا سکتی ہے لہذا شارع نے اس کا حل یہ نکالا کہ طرفین میں فتنہ و فساد کے دفعیہ کے لئے شارع نے خون ناحق کی دیت یعنی قتل کا مالی معاوضہ ایک سو اونٹ مقرر کیا ہے حالانکہ مراتب و حیثیت کے اعتبار سے ہر جان اور ہر خون یکساں نہیں ہوتا لیکن اس بارے میں شریعت نے اس تفاوت کو بنیاد نہیں بنایا۔

اس حدیث پر امام شافعی نے عمل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرح کے جانور کی بیع میں خیار (یعنی بیع کو فسخ کر دینے یا باقی رکھنے کا اختیار) حاصل ہوتا ہے لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اس میں خیار نہیں ہے ان کے نزدیک حدیث میں مذکورہ بالا حکم متروک ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم ربا کے حرام ہونے سے پہلے تھا جب کہ معاملات میں اس قسم کی چیزیں جائز تھی اب یہ منسوخ ہو گیا ہے۔

حدیث کے آخری جملے ایک صاع غلہ دیدے مگر گیہوں نہ دے کے بارے میں علامہ ابن حجر شافعی کہتے ہیں کہا اس سے معلوم ہوا کہ جانور واپس کرتے ہوئے اس کے دودھ کے عوض میں کھجوروں کے علاوہ اور کچھ دینا جائز نہیں ہے اگر چہ بیچنے والا کوئی بھی چیز لینے پر راضی ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی غذا کا زیادہ تر تعلق کھجور اور دودھ ہی سے تھا اس لئے دودھ کی بجائے کھجور دینا مقرر کیا گیا لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر بیچنے ولا راضی ہو تو کھجور کے علاوہ اور کوئی چیز بھی دی جاسکتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آگے جا کر غلہ وغیرہ لانے والے قافلے سے نہ ملو اگر کوئی شخص جا کر ملا اور کچھ سامان خرید لیا اور پھر سامان کا مالک بازار میں آیا تو اس کو اختیار ہوگا (کہ چاہے بیع کو قائم رکھے چاہے فسخ کر دے۔ (مسلم)

لفظ جلب اور لفظ رکبان جو گذشتہ حدیث میں منقول تھا دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور ان کی وضاحت گذشتہ حدیث کی تشریح میں کی جاچکی ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ اس ممانعت کا تعلق اس صورت میں ہے جب کہ آنیوالے بیوپاریوں سے راستے ہی میں خریداری کرنے کی وجہ سے اہل شہر کو نقصان وضرر پہنچے اور خریدار شہر و بازار کے نرخ کو پوشیدہ رکھ کر بیوپاریوں کو فریب دے اور اگر اہل شہر کو نقصان وضرر نہ ہو نیز نہ تو خریدار، بیوپاریوں سے شہر کا نرخ چھپائے اور نہ ان کو فریب میں مبتلا کرے تو اس صورت میں یہ ممانعت نہیں ہوگی۔

حدیث میں جس اختیار کو ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں شافعیہ تو یہ کہتے ہیں کہ جب مالک (یعنی باہر سے مال لانے والا بیوپاری) شہر میں آئے اور اسے یہ معلوم ہو کہ خریدار نے اس شہر کی بنسبت سستا لیا ہے تو اس صورت میں اسے اختیار ہوگا کہ چاہے تو بیع کو فسخ کر کے اپنا مال واپس لے لے اور چاہے بیع کو باقی رکھے اور اگر اسے یہ معلوم ہو کہ خریدار نے شہر کے بھاؤ سے گراں لیا ہے یا شہر کے بھاؤ کے مطابق لیا ہے تو پھر اس صورت میں بیوپاری کو اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

اس مسئلے میں فقہ حنفی کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوپاری کو یہ اختیار اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ اسے شہر میں آنے کے بعد معلوم ہو کہ خریدار نے اس سے کھلا ہوا فریب کیا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سامان لانیوالوں سے ان کے شہر پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں جا کر نہ ملو اور اس وقت تک ان سے کوئی معاملہ نہ کرو جب تک کہ ان کا سامان بازار میں آ کر اتر نہ جائے (بخاری ومسلم)

پاس نہ ہونے والے مبیع کی بیع کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سلف اور بیع حلال نہیں اور ایک بیع میں دوشرطیں بھی جائز نہیں جس چیز کا وہ ضامن نہ ہو اس کا نفع بھی حلال نہیں اور جو چیز اس کے پاس نہ ہو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اسحاق بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ سلف کیساتھ بیع کی ممانعت کا کیا مطلب ہے انہوں نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو قرض دے اور پھر کوئی چیز اسے قیمت سے زیادہ کی فروخت کرے

سکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ کوئی شخص کسی چیز کی قیمت قرض چھوڑ دے اور اس سے یہ کہے کہ اگر تم یہ قیمت ادا نہ کر سکے تو میرے ہاتھ فروخت ہوگئی اسحاق کہتے ہیں کہ پھر میں نے امام احمد سے اسی کا معنی پوچھا کہ (جن کا ضامن ہو اس کا منافع بھی نہیں) انہوں نے فرمایا میرے نزدیک یہ صرف غلے وغیرہ میں ہے یعنی جب تک قبضہ نہ ہو اسحاق کہتے ہیں جو چیزیں تولی یا ناپی جاتی ہیں ان کا حکم بھی اسی طرح ہے یعنی قبضے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے تمہارے ہاتھ فروخت کیا کہ سلائی اور دھلائی میرے ذمہ ہے تو یہ ایک بیع میں دو شرطوں کی طرح ہے لیکن اگر یہ کہے کہ تمہیں فروخت کرتا ہوں اس کی سلائی بھی مجھ پر ہی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اسی طرح اگر صرف دھلائی کی شرط ہو تب بھی جائز ہے اس لیے کہ یہ ایک ہی شرط ہے اسحاق نے اسی طرح کچھ کہا ہے۔ حکیم بن حزام ہی سے کئی سندوں سے مروی ہے یہ حدیث ایوب سختیانی اور ابوالبشر بھی یوسف بن ماہک سے اور وہ حکیم بن حزام سے نقل کرتے ہیں پھر عوف اور ہشام بن حسان، ابن سیرین سے اور وہ حکیم بن حزام سے مرسلاً نقل کرتے ہیں ابن سیرین ایوب، سختیانی سے وہ یوسف بن ماہک سے اور وہ حکیم بن حزام سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1251)

حکیم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وہ چیز فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جو میرے پاس نہ ہو وکیع یہی حدیث یزید بن ابراہیم سے اور وہ ابن سیرین سے وہ ایوب سے وہ حکیم بن حزام سے نقل کرتے ہیں اور اس میں یوسف بن ماہک کا ذکر نہیں کرتے عبدالصمد کی حدیث زیادہ صحیح ہے یحیی بن ابوکثیر بھی یہی حدیث یعلی بن حکیم سے وہ یوسف بن ماہک سے وہ عبداللہ بن عصمہ سے وہ حکیم بن حزام سے اور وہ نبی سے نقل کرتے ہیں اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ آدمی کے پاس جو چیز نہ ہو اس کا فروخت کرنا حرام ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1252)

قبضہ سے پہلے زمین بیچنے کا بیان

(وَيَجُوزُ بَيْعُ الْعَقَارِ قَبْلَ الْقَبْضِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يَجُوزُ) رُجُوعًا إلَى إطْلَاقِ الْحَدِيثِ وَاعْتِبَارًا بِالْمَنْقُولِ وَصَارَ كَالْإِجَارَةِ، وَلَهُمَا أَنَّ رُكْنَ الْبَيْعِ صَدَرَ مِنْ أَهْلِهِ فِي مَحِلِّهِ، وَلَا غَرَرَ فِيهِ ؛ لِأَنَّ الْهَلَاكَ فِي الْعَقَارِ نَادِرٌ، بِخِلَافِ الْمَنْقُولِ، وَالْغَرَرُ الْمَنْهِيُّ عَنْهُ غَرَرُ انْفِسَاخِ الْعَقْدِ، وَالْحَدِيثُ مَعْلُولٌ بِهِ عَمَلًا بِدَلَائِلِ الْجَوَازِ وَالْإِجَارَةِ، قِيلَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ ؛ وَلَوْ سُلِّمَ فَالْمَعْقُودُ عَلَيْهِ فِي الْإِجَارَةِ الْمَنَافِعُ وَهَلَاكُهَا غَيْرُ نَادِرٍ .

ترجمہ

شیخین کے نزدیک قبضہ سے پہلے زمین کو بیچنا جائز ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے جائز نہیں ہے۔ انہوں نے حدیث

کے متعلق ہونے اور اس کو منقول پر اعتبار کرتے ہوئے کہا ہے۔ اور یہ اجارہ کی طرح ہو جائے گا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ بیع کا رکن اپنے اہل سے صادر ہوا ہے اور اپنے محل کی جانب منسوب ہوا ہے اور اس میں دھوکہ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ زمین کا ہلاک ہونا شاذ ونادر ہے بہ خلاف منقول کے اور ایسا دھوکہ سے منع کیا گیا ہے اور وہ عقد کے فسخ ہونے کا دھوکہ ہے پس جواز بیع کے دلائل پر عمل کرتے ہوئے حدیث کو مذکورہ دھوکہ کے ساتھ ہی منحصر کر دیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجارہ کا اختلاف بھی اسی طرح ہے اور جب تسلیم کر لیا جائے تو اجارہ کا نفع معقود علیہ ہوتے ہیں اور ان کی ہلاکت بھی شاذ ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ غیر منقول جائداد کو اس کے بائع سے لے کر اپنے قبضہ میں کرنے سے پہلے فروخت کرنا صحیح ہے جبکہ اس جائداد کی ہلاکت کا خوف نہ ہو (من بائعہ کا تعلق قبض کے ساتھ ہے بیع کے ساتھ نہیں کیونکہ غیر منقول کو قبضہ سے پہلے اس کے بائع کے ہاتھ فروخت کرنا فاسد ہے جیسا کہ مال منقول میں ہوتا ہے) اور مال منقول کی بیع قبضہ سے پہلے اگرچہ اس کے بائع کے ہاتھ ہو بالاتفاق صحیح نہیں بخلاف اس منقول کے غیر بائع کو ہبہ کرنے قرض دینے رہن رکھنے اور عاریت پر دینے کے کہ یہ صحیح قول کے مطابق درست ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

موجودہ دور میں زمین کی خرید وفروخت

آج کل زمینوں کی خرید وفروخت بڑے پیمانے پر اس طرح کی جارہی ہے کہ خریدار، مالک زمین سے زمین کا سودا کر لیتا ہے، اور بیعانہ کے طور پر اسے کچھ رقم دیدیتا ہے، جسے مارکیٹنگ کی زبان میں ٹوکن سے تعبیر کرتے ہیں، پھر پوری قیمت کی ادائیگی اور خریدی رجسٹری کے لیے ایک مدت متعین ہوتی ہے، مدت پوری ہونے پر خریدار پوری رقم دے کر مالک زمین سے اپنے نام زمین کی خریدی رجسٹری کرواتا ہے، مگر اس مدت کے درمیان خریدار، اس زمین کی خریدی رجسٹری اپنے نام پر ہونے سے پہلے ہی اسے کسی تھرڈ پارٹی (Third Party) کے ہاتھوں منافع کے ساتھ فروخت کر دیتا ہے، اور اس سے حاصل کردہ رقم سے مالک زمین کو پوری قیمت ادا کر دینے کے بعد جو رقم بچتی ہے اسے منافع کے طور پر رکھ لیتا ہے، یعنی ابھی یہ زمین اس کی ملک میں آئی بھی نہیں کہ اس سے پہلے ہی وہ اسے کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، شریعت اس طرح کی بیع کو ناجائز کہتی ہے؛ کیوں کہ اس طرح کی بیع میں دھوکہ وغرر ہے، وہ اس طرح کہ ہوسکتا ہے خریدار یا پارٹی مدت پوری ہونے سے پہلے مفلس وکنگال ہو جائے، اور زمین دار کو وقت پر مقررہ قیمت نہ ادا کر سکے، جس کی وجہ سے یہ بیع پوری نہ ہو پائے، یا یہ بھی ممکن ہے کہ مدت پوری ہونے سے پہلے خود زمین دار کی مدت عمر پوری ہو جائے، اور زمین پر اس کے ورثاء کے نام چڑھ جائیں، اور وہ اس زمین کو فروخت نہ کریں، جس کی وجہ سے یہ بیع پوری نہ ہو پائے، معلوم ہوا کہ بیع کی یہ صورت دھوکہ اور غرر پر مشتمل ہے، جس سے شریعت منع کرتی ہے۔

(احکام القرآن للجصاص)

بندے نے زمینوں کا کاروبار کرنے والے کئی لوگوں کو اس ناجائز صورت کی طرف متوجہ کیا، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم پارٹی نمبر

دار First Party)) یعنی مالکِ زمین سے اسٹامپ بنوالیتے ہیں اوراس اسٹامپ کی بنیاد پر تھرڈ پارٹی کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں، میں نے ان سے پوچھا:

کیااس اسٹامپ کی حیثیت انتقالِ ملک کی ہے؟ یعنی کیااس اسٹامپ کے ذریعہ خریدارزمین کا مالک بن جاتا ہے،اورزمین، زمین دار کی ملک سے نکل کرخریدار کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے؟ توان کا جواب یہ تھا کہ نہیں،ایسا نہیں ہے؛ بلکہ اسٹامپ کی حیثیت محض اتنی ہے کہ اس میں مذکورمدت پوری ہونے کے بعدخریدار پیمینٹ کی ادائیگی،اورزمین دارخریدی دینے کا مکلف وپابند ہوتا ہے۔

ان کے اس جواب کے لحاظ سے اسٹامپ پیپر Stamp Paper)) محض وعدہ بیع Agreement to sale)) ہوا،نہ کہ بیع،اوروعدہ بیع سے نہ تو بیع پوری ہوتی ہےاورنہ ہی مبیع (زمین) پرخریدار کی ملک ثابت ہوتی ہے،تواسے تھرڈ پارٹی کے ہاتھوں فروخت کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے، جب کہ شریعت غیرمملوکہ وغیرمقبوضہ (Without Owned and Possessed) کی بیع سے منع کرتی ہے، جب بیع کی یہ شکل جائز نہیں ہے،تواس کے منافع بھی جائز نہیں ہوں گے، کیوں کہ فقہ کا قاعدہ ہے: الخراج بالضمان۔خراج ضمان کے سبب ہے۔یعنی کسی بھی چیز کے منافع کا جواز،ضمان اوررسک کی بنیاد پر ثابت ہوتا ہے، جب کہ بیع کی اس صورت میں زمین خریدار کے ضمان اوررسک میں داخل ہی نہیں ہوتی،اوروہ اس سے پہلے ہی اسے تھرڈ پارٹی کے ہاتھوں بیچ کرمنافع کماتا ہے،تو یہ منافع کیسے جائز ہوں گے!!

اسی طرح بعض سرمایہ دارمشارکت Partnership)) میں اپنا سرمایہ اس شرط پرلگاتے ہیں کہ وہ ہرمہینہ ایک متعینہ رقم کے بطور نفع حقدار ہوں گے،خواہ نفع کچھ بھی ہو،یا یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ کاروبار میں ہونے والے نقصان کے ذمہ دار نہیں ہوں گے،پارٹنرشپ کی یہ صورت بھی درست نہیں ہے؛ کیوں کہ پارٹنرشپ کے درست ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ کسی ایک فریق کے لیے نفع کی ایک خاص مقدار متعین نہ کی جائے (بلکہ متوقع نفع میں فیصد کو متعین کیا جائے) ،اورشریک وپارٹنرکاروبار میں ہونے والے نقصان میں بھی اپنے سرمایہ کے تناسب سے شریک ہو۔(فتاوی عثمانی)

دوسرے کے مال میں تصرف کی حرمت کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى مَكِيلًا مُكَايَلَةً أَوْ مَوْزُونًا مُوَازَنَةً فَاكْتَالَهُ أَوْ اتَّزَنَهُ ثُمَّ بَاعَهُ مُكَايَلَةً أَوْ مُوَازَنَةً لَمْ يَجُزْ لِلْمُشْتَرِي مِنْهُ أَنْ يَبِيعَهُ وَلَا أَنْ يَأْكُلَهُ حَتَّى يُعِيدَ الْكَيْلَ وَالْوَزْنَ) (لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتَّى يَجْرِيَ فِيهِ صَاعَانِ :صَاعُ الْبَائِعِ، وَصَاعُ الْمُشْتَرِي) ؛ وَلِأَنَّهُ يُحْتَمَلُ أَنْ يَزِيدَ عَلَى الْمَشْرُوطِ وَذَلِكَ لِلْبَائِعِ وَالتَّصَرُّفُ فِي مَالِ الْغَيْرِ حَرَامٌ فَيَجِبُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ، بِخِلَافِ مَا إذَا بَاعَهُ مُجَازَفَةً ؛ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ لَهُ،

وَبِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ الثَّوْبَ مُذَارَعَةً ؛ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ لَهُ إِذْ الذَّرْعُ وَصْفٌ فِي الثَّوْبِ، بِخِلَافِ الْقَدْرِ، وَلَا مُعْتَبَرَ بِكَيْلِ الْبَائِعِ قَبْلَ الْبَيْعِ وَإِنْ كَانَ بِحَضْرَةِ الْمُشْتَرِي ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ صَاعَ الْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِي وَهُوَ الشَّرْطُ، وَلَا بِكَيْلِهِ بَعْدَ الْبَيْعِ بِغَيْبَةِ الْمُشْتَرِي ؛ لِأَنَّ الْكَيْلَ مِنْ بَابِ التَّسْلِيمِ ؛ لِأَنَّ بِهِ يَصِيرُ الْمَبِيعُ مَعْلُومًا وَلَا تَسْلِيمَ إِلَّا بِحَضْرَتِهِ، وَلَوْ كَالَهُ الْبَائِعُ بَعْدَ الْبَيْعِ بِحَضْرَةِ الْمُشْتَرِي فَقَدْ قِيلَ لَا يُكْتَفَى بِهِ لِظَاهِرِ الْحَدِيثِ، فَإِنَّهُ أُعْتُبِرَ صَاعَيْنِ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُكْتَفَى بِهِ ؛ لِأَنَّ الْمَبِيعَ صَارَ مَعْلُومًا بِكَيْلٍ وَاحِدٍ وَتَحَقَّقَ مَعْنَى التَّسْلِيمِ، وَمَحْمَلُ الْحَدِيثِ اجْتِمَاعُ الصَّفْقَتَيْنِ عَلَى مَا نُبَيِّنُ فِي بَابِ السَّلَمِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، وَلَوْ اشْتَرَى الْمَعْدُودَ عَدًّا فَهُوَ كَالْمَذْرُوعِ فِيمَا يُرْوَى عَنْهُمَا لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالِ الرِّبَا، وَكَالْمَوْزُونِ فِيمَا يُرْوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ لَا تَحِلُّ لَهُ الزِّيَادَةُ عَلَى الْمَشْرُوطِ .

ترجمہ

اور جس شخص نے کوئی کیل والی چیز ناپ کر خریدی یا اس نے کوئی موزونی چیز کو وزن کر کے خرید لیا پھر اس نے اس کو ناپ لیا یا اس کا وزن کر لیا اور اس کے بعد ناپ یا وزن کے مطابق اس کو بیچ دیا تو اس کو خریدنے والے کیلئے ناپنے کرنے یا وزن کرنے کا اعادہ کیے بغیر اس چیز کی فروخت یا اس کو کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے غلہ کی بیع سے منع کیا ہے حتیٰ کہ اس میں دو صاع جاری ہوں ایک صاع بائع کا جبکہ دوسرا مشتری کا ہے۔ اور اس لئے بھی ہے کہ مکیلی و موزونی چیز میں مشروط سے مقدار کے بڑھ جانے کا احتمال ہے اور یہ زیادہ چیز بائع کی ہے کیونکہ دوسرے کے مال میں تصرف کرنا حرام ہے۔ پس اس سے اجتناب ضروری ہوگا بہ خلاف اس صورت کے کہ جب اس نے اندازے کے ساتھ بیچ دیا ہو کیونکہ اب زیادتی مشتری کی ہے بہ خلاف اس کے کہ جب کسی نے کپڑے کو گز کے ساتھ بیچا ہے کیونکہ اب بھی زیادتی مشتری کی ہے کیونکہ گز کپڑے کا وصف ہے بہ خلاف مقدار کے، اور بیع سے پہلے بائع کا ناپ کرنے کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ خواہ دوسرے مشتری کی موجودگی میں ایسا کیا ہے کیونکہ یہ بائع اور مشتری کا صاع نہیں ہے جبکہ شرط بھی یہی ہے۔

اور بیع کے بعد مشتری کے موجود نہ ہونے کے وقت میں کیل کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ کیل یہ سپرد کرنے کے حکم سے ہے کیونکہ اسی سے مبیع کا پتہ چلتا ہے۔ جبکہ مشتری کے موجود نہ ہونے کی صورت میں سپرد کرنا ممکن نہیں ہے اور جب بیع کے بعد بائع نے مشتری کی موجودگی میں بیع کا ناپ کیا ہے تو کہا گیا ہے کہ حدیث کے ظاہری حکم کے مطابق یہ کیل کرنا کافی نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دو

صاع کا اعتبار کیا ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہی کافی ہو جائے گا کیونکہ ایک ہی کیل سے مبیع کا پتہ چل چکا ہے اور سپرد کرنے کا حکم بھی ثابت ہو چکا ہے اور حدیث کا محمل دو عقدوں کا اجتماع ہے جس طرح ہم باب سلم میں ان شاء اللہ بیان کر دیں گے۔

اور جب کسی شخص نے عدد والی چیز کو گنتی کے ساتھ خرید لیا تو صاحبین کے نزدیک وہ مذروع کی طرح ہے کیونکہ یہ مال سود نہیں ہے جبکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ چیز موزون کی طرح ہے کیونکہ مشروط پر زیادتی مشتری کیلئے حلال نہیں ہے۔

غلہ کو وصول کرنے سے قبل بیچنے میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام شافعی علیہم الرحمہ کا مذہب وہی ہے جو فقہاء احناف کا مذہب ہے۔ اور ان سب ائمہ کی دلیل یہ درج ذیل حدیث ہے جس کو کئے مضبوط طرق و رواۃ سے روایت کیا گیا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۱۷۱، بیروت)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے جب تو کوئی غلہ خریدے تو اسے نہ بیچ جب تک تو اس کو پورا پورا وصول نہ کر لے۔

ابوزبیر اور سعید بن میناء سے روایت ہے کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلہ، مزابنہ سے اور معاومہ سے اور مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔ (راویوں میں سے ایک نے کہا کہ معاومہ سے مراد یہ ہے کہ اپنے درخت کا پھل کئی سال کے لئے بیچ دیا جائے) اور آپ نے استثناء کرنے سے منع کیا (یعنی ایک مجہول مقدار نکال لینے سے جیسے یوں کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ غلہ بیچا مگر تھوڑا اس میں سے نکال لوں گا یا یہ باغ بیچا مگر اس میں سے بعض درخت نہیں بیچے کیونکہ اس صورت میں بیع باطل ہو جائے گی اور جو استثناء معلوم ہو جیسے یوں کہے کہ یہ ڈھیر غلہ کا بیچا مگر اس میں سے چوتھائی نکال لوں گا تو بالاتفاق صحیح ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی اجازت دی۔

شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا مال میں تصرف کرنے میں مذاہب اربعہ

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ عاقل بالغ اور آزاد اور تصرفات کرسکتا ہو کو اپنی زندگی میں اپنے ذاتی مال میں تصرف کرنے کا حق ہے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ چاہے خرید وفروخت کرے یا کرایہ وغیرہ پر دے یا پھر ھبہ اور وقف کرے اور اسی طرح باقی تصرفات بھی اس کے لیے جائز ہیں، اور اہل علم کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور اہل علم کے مابین اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ خاوند کو اپنی بیوی کے ذاتی مال میں کوئی اعتراض کرنے کا حق نہیں جبکہ اس کا تصرف کسی عوض میں ہو یعنی خرید وفروخت، اور کرایہ وغیرہ۔

اور جب وہ عورت عقل مند اور تصرف کرنے میں بھی جائز ہو اور پھر وہ عادتا دھوکہ باز بھی نہ ہو اس کے لیے تصرف جائز ہے۔

(مراتب الاجماع لابن حزم (162) ، الاجماع فی الفقہ الاسلامی تالیف ابو جیب (2 / 566))

علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا عورت اپنا سارا مال یا اس میں کچھ حصہ اپنے خاوند کی اجازت کی بغیر ہبہ کرسکتی ہے،

ذیل میں ہم مختلف مذاہب بیان کرتے ہیں:

پہلا قول۔ مالکیہ اور حنابلہ کی ایک روایت ہے کہ: ثلث سے زیادہ مال کے ہبہ میں خاوند کو روکنے کا حق ہے، اس سے کم میں خاوند کو روکنے کا حق نہیں۔ (شرح الخرشی (7 / 103) المغنی لابن قدامہ (4 / 513) نیل الاوطار (6 / 22)

ان کے دلائل میں قیاس اور منقول دونوں ہی شامل ہیں۔ منقول میں سے دلائل یہ ہیں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کی بیوی خیرۃ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا زیور لے کر آئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: عورت کو اپنے مال میں سے خاوند کی اجازت کے بغیر کچھ بھی جائز نہیں، تو کیا تو نے کعب (رضی اللہ تعالی عنہ) سے اجازت لی ہے، اس نے کہا جی ہاں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک کے پاس ایک شخص کو بھیجا کہ ان سے پوچھے کہ کیا تو نے خیرہ کو اپنا زیور صدقہ کرنے کی اجازت دی ہے، تو انہوں نے جواب میں کہا جی ہاں میں نے اجازت دی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قبول کر لیا۔ سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2380) اس حدیث کی سند میں عبداللہ ابن یحیی اور اس کا والد دونوں راوی مجہول ہیں۔

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں فرمایا: (کسی بھی عورت کا خاوند کی اجازت کے بغیر عطیہ دینا جائز نہیں) سنن ابوداود کتاب البیوع باب نمبر (84) ، سنن نسائی الزکاۃ باب (58) مسند احمد (2/ 179) سنن ابن ماجۃ (2 / 798) ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب خاوند بیوی کی عصمت کا مالک بن جائے تو اس کے لیے اپنے مال میں کچھ بھی جائز نہیں) ترمذی کے علاوہ باقی پانچ نے اسے روایت کیا ہے۔

یہ اور اس سے قبل والی حدیث اس کی دلیل ہے کہ بیوی کے لیے جائز نہیں کہ وہ خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے مال میں تصرف کر سکے، اور اس میں یہ ظاہر ہے کہ عورت کیلیے اپنے مال میں تصرف کرنے کے لیے خاوند کی اجازت شرط ہے، اس قول کے قائلین نے ثلث سے زیادہ کی شرط دوسری نصوص کی وجہ سے لگائی ہے، جن میں یہ ہے کہ مالک کے لیے صرف ثلث اور اس سے کم میں وصیت کرنے کا حق حاصل ہے اس سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا لیکن اگر ورثاء اجازت دیں تو پھر کر سکتا ہے۔

جیسا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کے قصہ میں میں جو کہ مشہور ہے اس میں ہے کہ جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے سارے مال کے صدقہ کے بارہ میں پوچھا تو آپ نے اجازت نہ دی اور جب دو ثلث کا پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی نہیں ہی کہا اور جب انہوں نے ثلث کے بارہ میں پوچھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثلث ٹھیک ہے اور پھر ثلث بہت ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

اور قیاس میں ان کی دلیل یہ ہے کہ: خاوند کا حق اس کے مال سے بھی متعلق ہے جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (عورت سے اس کے مال اور اس کی خوبصورتی و جمال اور اس کے دین کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے) اسے ساتوں نے روایت

کیا ہے۔

اور عادت ہے کہ بیوی کے مال کی وجہ سے خاوند اس کا مہر بھی زیادہ کرتا ہے اور اس میں دلچسپی لیتا اور اس سے نفع حاصل کرتا ہے، اور جب اسے تنگی پیش آ جائے تو وہ اسے مہلت دے دیتا ہے، تو اس طرح یہ مریض کے مال سے وارثوں کے حقوق کی جگہ ہوا۔ (المغنی لابن قدامہ (4 / 514)

دوسرا قول: خاوند کو مطلق طور پر بیوی کو تصرف سے روکنے کا حق حاصل ہے۔ چاہے وہ کم ہو یا زیادہ لیکن صرف خراب اور ضائع ہونے والی اشیاء میں یہ حق نہیں۔ یہ قول لیث بن سعد کا قول ہے۔ (نیل الاوطار (6 / 22)

تیسرا قول: عورت کو اپنے مال میں خاوند کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا حق نہیں: یہ طاووس رحمہ اللہ تعالی کا قول ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی فتح الباری میں کہتے ہیں طاووس رحمہ اللہ تعالی نے عمرو بن شعیب والی مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے: عورت کیلئے اپنے مال خاوند کی اجازت کے بغیر عطیہ جائز نہیں۔ ابوداود اور نسائی رحمہ اللہ تعالی نے روایت کی ہے، ابن بطال رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں : باب کی احادیث صحیح ہیں۔

چوتھا قول: عورت اپنے مال میں مطلقا تصرف کا حق حاصل ہے چاہے وہ عوض کے ساتھ یا بغیر عوض کے، چاہے وہ سارے مال میں یہ کچھ میں۔

یہ قول جمہور علماء کرام کا ہے، جن میں شافعیہ، احناف، حنابلہ کا ایک مذہب، اور ابن منذر شامل ہیں۔ (المغنی لابن قدامہ (4 / 513) الانصاف (5 / 342) اور شرح معانی الآثار (4 / 354) فتح الباری (5 / 318) ، نیل اولا طار (22 /6)

کتاب وسنت اور نظر کے اعتبار سے سب سے زیادہ عادل اور صحیح قول یہی ہے۔ کتاب اللہ سے دلائل:

اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے: (اور عورتوں کو ان کے مہر پورے کے پورے ادا کرو، اگر تو وہ تمہیں اپنی مرضی اور خوشی سے کچھ معاف کر دیں تو اسے بڑی خوشی سے کھاؤ) ۔

تو اللہ تعالی نے اس آیت میں خاوند کے لیے بیوی کے مال سے جس پر وہ راضی ہو مباح قرار دیا ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر کچھ اس طرح فرمایا: (اور اگر تم انہیں چھونے سے قبل ہی طلاق دے دو اور ان کا مہر مقرر کر چکے ہو تو جو تم نے مہر مقرر کیا ہے اس کا نصف ادا کرو لیکن اگر وہ معاف کر دیں) ۔

تو اللہ تعالی نے خاوند کے طلاق دینے کے بعد عورت کو اپنا مال معاف کرنے کی اجازت دی ہے اور اس میں کسی کو بھی دخل نہیں کہ اس سے اجازت طلب کی جائے جو کہ عورت کے اپنے مال میں تصرف کرنے کی دلیل ہے، اور اس پر بھی دلیل ہے کہ اپنے مال میں اسی طرح ہے جس طرح کہ مرد اپنے مال میں تصرف رکھتا ہے۔ دیکھیں کتاب : شرح معانی الآثار (4 / 352) ۔

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے کچھ اس طرح فرمایا ہے: (اور یتیموں کو ان کے بالغ ہونے تک سدھارتے

اور آزماتے رہو پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو) النساء (6) ۔

اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اگر یتیم بچی ہوشیار اور بالغ ہو جائے تو اس کے لیے اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے۔

اور اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیعید کے خطبہ میں وعظ ونصیحت کرنے کے بعد عورتوں نے اپنے زیورات صدقہ کردیے، تو یہ سب کچھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اور کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔

(اتحاف الخلان بحقوق الزوجین فی الاسلام تالیف ڈاکٹر فیحان بن عتیق المطیری ص (96 - 92)

نیل الاوطار میں ہے کہ: جمہور اہل علم کا کہنا ہے کہ: جب عورت بے وقوف نہ ہو تو اس کے لیے مطلقا اپنے مال میں خاوند کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا جائز ہے، اور اگر وہ بے وقوف ہو تو پھر جائز نہیں۔

فتح الباری میں کہا ہے کہ: جمہور علماء کرام کی اس پر کتاب وسنت میں سے بہت سے دلائل ہیں۔ جمہور علماء کرام نے اس حدیث: عورت کے لیے اپنے مال میں خاوند کی عصمت میں رہتے ہوئے ہبہ جائز نہیں۔ سنن ابوداود حدیث نمبر (3079) صحیح الجامع حدیث نمبر (7265) اور بعض روایات کا بیان ہو چکا ہے۔

اس حدیث سے استدلال کا رد کرتے ہوئے جمہور علماء کرام کہتے ہیں: یہ ادب اور حسن معاشرت اور خاوند کے بیوی پر حق اور مقام مرتبہ اور اس کی قوت رائے اور عقل پر محمول ہے کہ خاوند ان اشیاء میں پختہ ہوتا ہے۔

امام سندھی نے نسائی کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے کہ: یہ حدیث اکثر علماء کرام کے نزدیک حسن معاشرت اور خاوند کو راضی وخوش کرنے کے معنی پر ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالی سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہی نہیں تو ہم کس طرح ایسا کہیں اور قرآن مجید اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے، قرآن مجید کیبعد سنت اور پھر آثار اور اس کے بعد معقول کا درجہ ہے۔

میمونہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے بغیر ہی غلام آزاد کردیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم ہونے پر انہیں کوئی عیب نہیں لگایا، تو یہ اس کے علاوہ دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حدیث اگر ثابت ہو تو پھر ادب واحسان اور اختیار پر محمول ہوگی۔

تو اس طرح مسلمان عورت کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے خاوند سے اجازت طلب کرے اور اجازت لینا اس پر واجب تو نہیں بہتر ہے، اسے اس کا اجر بھی ملے گا۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا عورتوں میں سے کونسی عورت بہتر ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورت اچھی اور بہتر ہے جب اس کی طرح خاوند دیکھے تو وہ اسے خوش کردے، اور جب اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے، اور وہ اپنے مال اور نفس میں خاوند کی مخالفت نہ کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔

(سنن نسائی حدیث نمبر (3179) صحیح الجامع حدیث نمبر (3292)

قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کا بیان

قَالَ (وَالتَّصَرُّفُ فِي الثَّمَنِ قَبْلَ الْقَبْضِ جَائِزٌ) لِقِيَامِ الْمُطْلَقِ وَهُوَ الْمِلْكُ وَلَيْسَ فِيهِ غَرَرُ الِانْفِسَاخِ بِالْهَلَاكِ لِعَدَمِ تَعَيُّنِهَا بِالتَّعْيِينِ، بِخِلَافِ الْمَبِيعِ، قَالَ (وَيَجُوزُ لِلْمُشْتَرِي أَنْ يَزِيدَ لِلْبَائِعِ فِي الثَّمَنِ وَيَجُوزُ لِلْبَائِعِ أَنْ يَزِيدَ لِلْمُشْتَرِي فِي الْمَبِيعِ، وَيَجُوزُ أَنْ يَحُطَّ مِنْ الثَّمَنِ وَيَتَعَلَّقُ الِاسْتِحْقَاقُ بِجَمِيعِ ذَلِكَ) فَالزِّيَادَةُ وَالْحَطُّ يَلْتَحِقَانِ بِأَصْلِ الْعَقْدِ عِنْدَنَا، وَعِنْدَ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَصِحَّانِ عَلَى اعْتِبَارِ الِالْتِحَاقِ، بَلْ عَلَى اعْتِبَارِ ابْتِدَاءِ الصِّلَةِ، لَهُمَا أَنَّهُ لَا يُمْكِنُ تَصْحِيحُ الزِّيَادَةِ ثَمَنًا ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ مِلْكُهُ عِوَضَ مِلْكِهِ فَلَا يَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ، وَكَذَا الْحَطُّ ؛ لِأَنَّ كُلَّ الثَّمَنِ صَارَ مُقَابَلًا بِكُلِّ الْمَبِيعِ فَلَا يُمْكِنُ إخْرَاجُهُ فَصَارَ بِرًّا مُبْتَدَأً، وَلَنَا أَنَّهُمَا بِالْحَطِّ وَالزِّيَادَةِ يُغَيِّرَانِ الْعَقْدَ مِنْ وَصْفٍ مَشْرُوعٍ إلَى وَصْفٍ مَشْرُوعٍ وَهُوَ كَوْنُهُ رَابِحًا أَوْ خَاسِرًا أَوْ عَدْلًا، وَلَهُمَا وِلَايَةُ الرَّفْعِ فَأَوْلَى أَنْ يَكُونَ لَهُمَا وِلَايَةُ التَّغْيِيرِ، وَصَارَ كَمَا إذَا أَسْقَطَا الْخِيَارَ أَوْ شَرَطَاهُ بَعْدَ الْعَقْدِ، ثُمَّ إذَا صَحَّ يَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ ؛ لِأَنَّ وَصْفَ الشَّيْءِ يَقُومُ بِهِ لَا بِنَفْسِهِ، بِخِلَافِ حَطِّ الْكُلِّ ؛ لِأَنَّهُ تَبْدِيلٌ لِأَصْلِهِ لَا تَغْيِيرٌ لِوَصْفِهِ فَلَا يَلْتَحِقُ بِهِ، وَعَلَى اعْتِبَارِ الِالْتِحَاقِ لَا تَكُونُ الزِّيَادَةُ عِوَضًا عَنْ مِلْكِهِ، وَيَظْهَرُ حُكْمُ الِالْتِحَاقِ فِي التَّوْلِيَةِ وَالْمُرَابَحَةِ حَتَّى يَجُوزَ عَلَى الْكُلِّ فِي الزِّيَادَةِ وَيُبَاشِرَ عَلَى الْبَاقِي فِي الْحَطِّ وَفِي الشُّفْعَةِ حَتَّى يَأْخُذَ بِمَا بَقِيَ فِي الْحَطِّ، وَإِنَّمَا كَانَ لِلشَّفِيعِ أَنْ يَأْخُذَ بِدُونِ الزِّيَادَةِ لِمَا فِي الزِّيَادَةِ مِنْ إبْطَالِ حَقِّهِ الثَّابِتِ فَلَا يَمْلِكَانِهِ، ثُمَّ الزِّيَادَةُ لَا تَصِحُّ بَعْدَ هَلَاكِ الْمَبِيعِ عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ ؛ لِأَنَّ الْمَبِيعَ لَمْ يَبْقَ عَلَى حَالَةٍ يَصِحُّ الِاعْتِيَاضُ عَنْهُ وَالشَّيْءُ يَثْبُتُ ثُمَّ يُسْتَنَدُ، بِخِلَافِ الْحَطِّ لِأَنَّهُ بِحَالٍ يُمْكِنُ إخْرَاجُ الْبَدَلِ عَمَّا يُقَابِلُهُ فَيَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ اسْتِنَادًا .

ترجمہ

فرمایا: قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کرنا جائز ہے۔ کیونکہ تصرف کو جائز قرار دینے والی چیز ملکیت موجود ہے اور اس میں ہلاکت ثمن کے سبب فسخ کا دھوکہ بھی نہیں ہے کیونکہ اثمان کو متعین کرنے سے متعین نہیں کیا جاسکتا۔ جبکہ مبیع میں ایسا نہیں ہے۔

مشتری کیلئے جائز ہے کہ بائع کیلئے ثمن میں اضافہ کردے بائع کیلئے بھی مشتری کیلئے مبیع میں اضافہ کرنا جائز ہے اور قیمت میں سے کچھ کم کرنا بھی جائز ہے ان سب میں حقدار ہونا متعلق ہو جائے گا اگر چہ زیادتی اور کمی ہمارے نزدیک دونوں اصل عقد کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔

حضرت امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ کے نزدیک الحاق کے اعتبار سے دونوں درست نہ ہوں گے ہاں البتہ ابتدائے صلہ کے اعتبار سے صحیح ہوں گے اور ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ زیادتی کو بطور ثمن قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ اس طرح مشتری کی ملکیت اس کے ملک ہونے کے بدلے ہو جائے گی کیونکہ یہ اصل عقد کے ساتھ تو لاحق نہیں ہے اور اسی طرح کم کرنا یہ بھی اصل عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگا کیونکہ مکمل ثمن مکمل مبیع کے بدلے میں ہے پس اسکا خروج ممکن نہ ہوگا اور یہ ابتدائی طور پر احسان ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد کرنے والے کمی اور زیادتی کو ایک مشروع وصف سے دوسرے مشروع وصف کی طرف تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور وہ وصف بیع میں نفع ہونا یا نقصان رہ ہونا یا برابر ہونا ہے اور عاقدین کو عقد فسخ کرنے کی ولایت حاصل ہے۔ پس تبدیلی کی ولایت تو بدرجہ اولیٰ ان کیلئے ہوگی۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح عاقدین نے اختیار کو ساقط کر دیا ہو یا انہوں نے عقد کے بعد خیار مشروط کر دیا ہے۔

اور کمی بیشی درست ہے تو وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوگی کیونکہ کسی چیز کے وصف کا قیام چیز کے قائم ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وصف بہ ذات خود قائم ہونے نہیں ہے۔ بہ خلاف مکمل ثمن کے کیونکہ وہ اصل عقد میں تبدیلی ہے وصف میں تبدیلی نہیں ہے۔ پس وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگی۔

اور اگر الحاق کا اعتبار کر لیا جائے تب بھی زیادتی مشتری کی ملکیت کا بدلہ نہ ہوگی اور بیع مرابحہ وتولیہ میں الحاق کا حکم ظاہر ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ زیادتی کی صورت میں کل قیمت پر مرابحہ اور تولیہ جائز ہے جبکہ کمی کی صورت میں بقیہ پر ہوگا۔ اور شفعہ میں بھی الحاق کے ظاہر ہونے کا حکم واضح ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ شفیع کمی کی صورت میں بقیہ پر لے گا۔ جبکہ زیادتی کی صورت مین شفیع کیلئے زیادتی کے بغیر لینے کا اختیار ہوگا کیونکہ زیادتی کی صورت میں شفیع کیلئے ثابت شدہ حق کو باطل کرنا لازم آئے گا۔ پس عقد کرنے والے اس کے مالک نہ ہوں گے۔

ظاہر الروایت کے مطابق ہلاکت مبیع کے بعد ثمن میں زیادتی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ہلاک ہونے کے بعد مبیع ایسی صورت میں نہیں ہے کہ اس کا بدلہ لینا درست ہو۔ کیونکہ چیز پہلے ثابت ہوتی ہے اس کے بعد منسوب ہوتی ہے بہ خلاف کمی کے کیونکہ کمی ایسی حالت پہ ہوتی ہے اس کے بدلے میں مقابل کا خروج ممکن ہے پس وہ اصل میں عقد کی جانب منسوب ہو کر اس کے ساتھ لاحق ہو جائے گی۔

قبضہ سے پہلے تصرف ثمن میں فقہی تصریحات

حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سلف اور بیع حلال نہیں اور ایک بیع میں دو

شرطیں بھی جائز نہیں جس چیز کا وہ ضامن نہ ہو اس کا نفع بھی حلال نہیں اور جو چیز اس کے پاس نہ ہو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اسحاق بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ سلف کیساتھ بیع کی ممانعت کا کیا مطلب ہے انہوں نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو قرض دے اور پھر کوئی چیز اسے قیمت سے زیادہ کی فروخت کرے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ کوئی شخص کسی چیز کی قیمت قرض چھوڑ دے اور اس سے یہ کہے کہ اگر تم یہ قیمت ادا نہ کرسکے تو یہ چیز میرے ہاتھ فروخت ہوگئی اسحاق کہتے ہیں کہ پھر میں نے امام احمد سے اسی کا معنی پوچھا کہ (جن کا ضامن ہو اس کا منافع بھی حلال نہیں) انہوں نے فرمایا میرے نزدیک یہ صرف غلے وغیرہ میں ہے یعنی جب تک قبضہ نہ ہو اسحاق کہتے ہیں جو چیزیں تولی یا ناپی جاتی ہیں ان کا حکم بھی اسی طرح ہے یعنی قبضے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے یہ کپڑا تمہارے ہاتھ فروخت کیا کہ سلائی اور دھلائی میرے ذمہ ہے تو یہ ایک بیع میں دو شرطوں کی طرح ہے لیکن اگر یہ کہے کہ تمہیں کپڑا فروخت کرتا ہوں اس کی سلائی بھی مجھ پر ہی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اسی طرح اگر صرف دھلائی کی شرط ہو تب بھی جائز ہے اس لیے کہ یہ ایک ہی شرط ہے اسحاق نے اسی طرح کچھ کہا ہے۔ حکیم بن حزام ہی سے کئی سندوں سے مروی ہے یہ حدیث ایوب سختیانی اور ابوالبشر بھی یوسف بن ماہک سے اور وہ حکیم بن حزام سے نقل کرتے ہیں پھر عوف اور ہشام بن حسان، ابن سیرین سے اور وہ حکیم بن حزام سے مرسلاً نقل کرتے ہیں ابن سیرین ایوب، سختیانی سے وہ یوسف بن ماہک سے اور وہ حکیم بن حزام سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1251)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طعام خریدے پھر اسکو نہ بیچے جب تک اس پر قبضہ نہ کرے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1230)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اناج خریدے پھر اس کو نہ بیچے جب تک اس پر قبضہ نہ کرے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1231)

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حکیم بن حزام نے غلہ خریدا جو حضرت عمر نے لوگوں کو دلوایا تھا پھر حکیم بن حزام نے اس غلہ کو بیچ ڈالا قبضہ سے پہلے جب حضرت عمر کو اس کی خبر پہنچی آپ نے وہ غلہ حکیم بن حزام کو پھر دا دیا اور کہا جس غلہ کو تو خریدے پھر اس کو مت بیچ جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ مروان بن حکم کے عہد حکومت میں لوگوں کو سندیں ملیں جار کے غلہ کی لوگوں نے ان سندوں کو بیچا ایک دوسرے کے ہاتھ قبل اس بات کے کہ غلہ اپنے قبضہ میں لائیں تو زید بن ثابت اور ایک اور صحابہ مروان کے پاس گئے اور کہا کیا تو ربا کو درست جانتا ہے اے مروان مروان نے کہا معاذ اللہ کیا کہتے ہو انہوں نے کہا کہ یہ سندیں جن لوگوں نے خریدا پھر خرید کر دوبارہ بیچا قبلہ غلہ لینے کے مروان نے چوکیدار کو بھیجا کہ وہ سندیں لوگوں سے چھین کر سند والوں کے حوالے کر دیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ایک شخص نے اناج خریدنا چاہا ایک شخص سے وعدے پر تو بائع مشتری کو بازار میں

لے گیا اور اس کو بورے دکھا کر کہنے لگا کون سے غلہ میں تمہاری واسطے خرید کروں مشتری نے کہا کیا تو میرے ہاتھ اس چیز کا بیچتا ہے جو خود تیرے پاس نہیں ہے پھر بائع اور مشتری دونوں عبداللہ بن عمر کے پاس آئے اور ان سے بیان کیا عبداللہ بن عمر نے مشتری سے کہا مت خرید واس چیز کو جو بائع کے پاس نہیں ہے اور بائع سے کہا مت بیچ اس چیز کو جو تیرے پاس نہیں ہے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1233)

جمیل بن عبدالرحمٰن نے سعید بن مسیب سے کہا میں ان غلوں کو جو سرکار کی طرف سے لوگوں کو مقرر ہیں جار میں خرید کرتا ہوں پھر میں چاہتا ہوں کہ غلہ کو میعاد لگا کر لوگوں کے ہاتھ بیچوں سعید نے کہا تو چاہتا ہے ان لوگوں کو اسی غلہ میں سے ادا کرے جو تو نے خریدا ہے جمیل نے کہا ہاں سعید بن مسیب نے اس سے منع کیا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اتفاقی ہے جو شخص اناج خرید کرے جیسے گیہوں جو جوار باجرہ ڈالیں وغیرہ جن میں زکوۃ واجب ہوتی ہے یا روٹی کے ساتھ کھانے کی چیزیں جیسے زیتون کا تیل یا گھی یا شہد یا سرکہ یا پنیر یا دودھ یا تل کا تیل اور جو اس کے مشابہ ہیں تو ان میں سے کوئی چیز نہ بیچے جب تک ان پر قبضہ نہ کر لے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1234)

قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں مذاہب اربعہ

علامہ عبدالرحمٰن جزیری لکھتے ہیں کہ جب فقہاء شوافع کے نزدیک جب کسی شخص نے بیع شدہ چیز میں قبضہ سے پہلے تصرف کیا تو یہ جائز نہیں ہے اگر چہ خریدنے والے قیمت وصول کر لی ہو اور مال اٹھانے کی اجازت بھی دے چکا ہے۔

فقہاء مالکیہ کہتے ہیں کہ خریدنے والا جب خرید کردہ مال پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی اس کو بیچ دے تو اس کا یہ تصرف درست ہوگا اگر چہ وہ مال منقولہ ہو یا غیر منقولہ ہو جس طرح زمین اور درخت وغیرہ ہیں۔

فقہاء حنابلہ کہتے ہیں کہ بیچ دی گئی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس میں بیع کا تصرف درست ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ چیز پیمانے، وزنی یا گز سے ناپ لی جانے والی نہ ہو۔ اور اگر وہ ایسی چیز ہے تو پھر اس میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے۔

فقہاء احناف لکھتے ہیں کہ اگر منقولہ چیز کی بیع قبضہ سے پہلے کی جائے تو وہ بیع فاسد ہو جائے گی۔ ہاں البتہ جب وہ بائع کے ہاتھ سے یا اس کو کسی دوسرے کے ہاتھ بیچا جائے۔ (مذاہب اربعہ، کتاب بیوع)

نقد ثمن کے بدلے کسی چیز کو بیچنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ بِثَمَنٍ حَالٍّ ثُمَّ أَجَّلَهُ أَجَلًا مَعْلُومًا صَارَ مُؤَجَّلًا) ؛ لِأَنَّ الثَّمَنَ حَقُّهُ فَلَهُ أَنْ يُؤَخِّرَهُ تَيْسِيرًا عَلَى مَنْ عَلَيْهِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ يَمْلِكُ إبْرَاءَهُ مُطْلَقًا فَكَذَا مُؤَقَّتًا، وَلَوْ أَجَّلَهُ إلَى أَجَلٍ مَجْهُولٍ إنْ كَانَتْ الْجَهَالَةُ مُتَفَاحِشَةً كَهُبُوبِ الرِّيحِ لَا يَجُوزُ، وَإِنْ كَانَتْ

مُتَقَارِبَةً كَالْحَصَادِ وَالدِّيَاسِ يَجُوزُ ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْكَفَالَةِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے نقد ثمن کے ساتھ کسی چیز کو بیچا اور اس نے معلوم مدت تک اس کا ادھار کر دیا ہے تو ثمن ادھار ہو جائے گی کیونکہ ثمن بائع کا حق ہے پس مشتری کی سہولت کے سبب اس کو ثمن موخر کرنے کا اختیار دیا جائے گا کیا آپ یہ نہیں سمجھتے کہ بائع مشتری کو ساری ثمن سے بری کرنے کا بھی مالک ہے اسی طرح وہ ثمن کو ادھار کرنے کا بھی مالک ہوگا اور جب بائع کسی مجہول مدت تک ادھار کی اور اب اگر جہالت فاحش ہے جس طرح ہوا چلنا تو یہ جائز نہیں ہے اور اگر جہالت قریبی ہے جس کھیتی کا کاٹنا ہے یا گاہنا ہے تو جائز ہے کیونکہ یہ کفالہ کے حکم میں ہوگا اور اس کو اس سے پہلے ہم بیان کر آئے ہیں۔

شرح

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر قطر کے بنے ہوئے دو موٹے کپڑے تھے جب آپ بیٹھتے اور پسینہ آتا تو یہ آپ کی طبیعت پر گراں گزرتے۔ اسی اثناء میں ایک یہودی کے پاس شام سے قیمتی کپڑا آیا میں نے عرض کیا کہ آپ کسی کو بھیجیں کہ وہ آپ کے لیے اس سے دو کپڑے خرید لائے۔ جب ہمیں سہولت ہوگی ہم ان کی قیمت ادا کر دیں گے آپ نے ایک شخص کو بھیجا تو اس نے جواب دیا کہ جانتا ہوں کہ آپ چاہتے ہیں کہ میرا کپڑا اور پیسے دونوں چیزوں پر قبضہ کر لیں۔ آپ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے اسے معلوم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ پرہیزگار بھی ہوں اور امانت دار بھی اس باب میں حضرت ابن عباس، انس، اسماء بنت یزید سے بھی احادیث منقول ہیں حدیث عائشہ حسن صحیح غریب ہے شعبہ بھی اس حدیث کو عمارہ بن ابی حفصہ سے نقل کرتے ہیں محمد بن فراس بصری، ابوداؤد، طیالسی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ شعبہ سے کسی نے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو وہ فرمانے لگے کہ میں اس حدیث کو اس وقت تک بیان نہیں کروں گا جب تک تم کھڑے ہو کر حرمی بن عمارہ کے سر کا بوسہ نہیں لو گے اور حرمی اس وقت وہاں موجود تھے (اس سے مراد حرمی کی تعظیم ہے کیونکہ شعبہ نے یہ حدیث حرمی بن عمارہ سے سنی ہے)۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1229)

حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کچھ قباحت نہیں اگر ایک مرد دوسرے مرد سے سلف کرے اناج میں جب اس کا وصف بیان کر دے نرخ مقرر کر کے میعاد معین پر جب وہ سلم کسی ایسے کھیت میں نہ ہو جس کی بہتری کا حال معلوم نہ ہو یا ایسی کھجور میں نہ ہو جس کی بہتری کا حال معلوم نہ ہو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم ہے جو شخص سلف کرے اناج میں نرخ مقرر کر کے مدت معین پر تو جب مدت گزرے اور خریدار بائع کے پاس وہ اناج نہ پائے اور سلف کو فسخ کرے تو خریدار کو چاہیے اپنی چاندی یا سونا دیا ہو یا قیمت دی ہوئی بعینہ پھیر لے یہ نہ کرے کہ ان کے بدلے میں دوسری شئی بائع سے خرید لے جب تک اپنے ثمن پر قبضہ نہ کر لے کیونکہ اگر خریدار نے جو قیمت دی ہے اس کے سوا کچھ لے آیا اس کے بدلے میں دوسرا اسباب خرید لے تو اس نے اناج کو قبل قبضہ

کے بیچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مشتری نے بائع سے کہا سلف کو فسخ کر ڈال اور ثمن واپس کرنے کے لیے میں تجھ کو مہلت دیتا ہوں تو یہ جائز نہیں اور اہل علم اس کو منع کرتے ہیں کیونکہ جب میعاد گزر گئی اور اناج بائع کے ذمہ واجب ہوا اب مشتری نے اپنے حق وصول کرنے میں دیر کی اس شرط سے کہ بائع سلم کو فسخ کر ڈالے تو گویا مشتری نے اپنے اناج کو ایک مدت پر بیچا قبل قبضے کے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کی مثال یہ ہے کہ جب مدت پوری ہوئی اور خریدار نے اناج لینا پسند نہ کیا تو اس اناج کے بدلے میں کچھ روپے ٹھہرا لیے ایک مدت پر تو یہ اقالہ نہیں ہے اقالہ وہ ہے جس میں کمی بیشی بائع یا مشتری کی طرف سے نہ ہو اگر اس میں کمی بیشی ہوگی یا کوئی میعاد بڑھ جائے گی یا کچھ فائدہ مقرر ہوگا بائع کا یا مشتری کا تو وہ اقالہ بیع سمجھا جائے گا اور اقالہ اور شرکت اور تولیہ جب تک درست ہیں کہ کمی بیشی یا میعاد نہ ہو اگر یہ چیزیں ہوں گی تو وہ نئی بیع سمجھیں گے۔ جن وجوہ سے بیع درست ہوتی ہے یہ بھی درست ہوں گی اور جن وجوہ سے بیع نادرست ہوتی ہے یہ بھی نادرست ہوگی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جو شخص سلف میں عمدہ گیہوں ٹھہرائے پھر میعاد گزرنے کے بعد اس سے بہتر یا بری لے لے تو کچھ قباحت نہیں بشرطیکہ وزن وہی ہو جو ٹھہرا ہو یہی حکم انگور اور کھجور میں ہے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1237)

مجہول مدت تک ادھار کی ممانعت

حضرت سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار منع کرتے تھے اس بات سے کوئی شخص گیہوں کو سونے کے بدلے میں بیچے میعاد لگا کر پھر قبل سونا لینے کے اس کے بدلے میں کھجور لے لے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1235)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ کثیر بن فرقد نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے پوچھا کوئی شخص اناج کو سونے کے بدلے میں میعاد لگا کر بیچے پھر قبل سونا لینے کے اس کے بدلے میں کھجور خرید لے انہوں نے کہا یہ مکروہ ہے اور منع کیا اس سے ابن شہاب سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ سعید بن المسیب اور سلیمان بن یسار ابوبکر بن محمد اور ابن شہاب نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی آدمی گیہوں کو سونے کے بدلے میں بیچے پھر اس سونے کے بدلے کھجور خرید لے اسی شخص نے جس کے ہاتھ گیہوں بیچے قبل اس بات کے کہ سونے پر قبضہ کرے اگر اس سونے کے بدلے میں کسی اور شخص سے کھجور خریدے سوائے اس شخص کے جس کے ہاتھ گیہوں بیچے ہیں اور کھجور کی قیمت کا حوالے کر دے اس شخص پر جس کے ہاتھوں گیہوں بیچے ہیں تو درست ہے۔

(موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1236)

قرض کے سوا دین کو مؤجل کرنے کا بیان

قَالَ (وَكُلُّ دَيْنٍ حَالٍّ إِذَا أَجَّلَهُ صَاحِبُهُ صَارَ مُؤَجَّلًا) ؛ لِمَا ذَكَرْنَا (إِلَّا الْقَرْضَ) فَإِنَّ تَأْجِيلَهُ لَا يَصِحُّ ؛ لِأَنَّهُ إِعَارَةٌ وَصِلَةٌ فِي الِابْتِدَاءِ حَتَّى يَصِحَّ بِلَفْظَةِ الْإِعَارَةِ، وَلَا يَمْلِكُهُ مَنْ لَا يَمْلِكُ التَّبَرُّعَ كَالْوَصِيِّ وَالصَّبِيِّ وَمُعَاوَضَةٌ فِي الِانْتِهَاءِ، فَعَلَى اعْتِبَارِ الِابْتِدَاءِ لَا يَلْزَمُ التَّأْجِيلُ فِيهِ كَمَا فِي الْإِعَارَةِ، إِذْ لَا جَبْرَ فِي التَّبَرُّعِ، وَعَلَى اعْتِبَارِ الِانْتِهَاءِ لَا يَصِحُّ ؛ لِأَنَّهُ يَصِيرُ بَيْعَ الدَّرَاهِمِ بِالدَّرَاهِمِ نَسِيئَةً وَهُوَ رِبًا، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا أَوْصَى أَنْ يُقْرَضَ مِنْ مَالِهِ أَلْفَ دِرْهَمٍ فُلَانًا إِلَى سَنَةٍ حَيْثُ يَلْزَمُ الْوَرَثَةَ مِنْ ثُلُثِهِ أَنْ يُقْرِضُوهُ وَلَا يُطَالِبُوهُ قَبْلَ الْمُدَّةِ ؛ لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِالتَّبَرُّعِ بِمَنْزِلَةِ الْوَصِيَّةِ بِالْخِدْمَةِ وَالسُّكْنَى فَيَلْزَمُ حَقًّا لِلْمُوصِي، وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

ترجمہ

فرمایا: ہر دین جس کو صاحب دین مؤجل کرنا چاہے تو وہ کرسکتا ہے جس طرح ہم ذکر کر آئے ہیں جبکہ قرض میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ قرض کو مؤجل کرنا درست نہیں ہے کیونکہ قرض ابتداء میں اعارہ اور صلہ رحمی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اعارہ کے لفظ سے درست ہو جاتا ہے۔ اور جو احسان کا مالک نہیں ہے وہ قرض کا مالک بھی نہ ہوگا جس طرح وصی اور صبی ہے اور قرض انتہاء کے اعتبار سے معاوضہ ہے پس ابتدائے کی وجہ سے اس میں تاجیل لازم نہ ہوگی جس طرح اعارہ میں ہوتا ہے کیونکہ احسان میں جبر نہیں ہے۔ اور انتہاء کے اعتبار سے بھی اس میں تاجیل درست نہیں ہے کیونکہ اس طرح دراہم کے بدلے میں دراہم کی بیع ادھار کے ساتھ ہو جائے گی جو سود ہے اور یہ حکم اس حکم کے خلاف ہے کہ جب کسی شخص نے یہ وصیت کی کہ اس کے مال سے فلاں آدمی کو ایک سال کیلئے ایک ہزار دراہم بطور قرض دیئے جائیں پس ورثاء کیلئے حکم ہوگا کہ وہ موصی کے تہائی مال سے موصی لہ کو قرض دے دیں اور مدت سے قبل اس کو طلب بھی نہ کریں کیونکہ خدمت اور رہائش کی طرح یہ وصیت بھی احسان ہے پس موصی کیلئے بطور حق یہ لازم ہو جائے گی۔

قرض جلد ادا کرنے کی اہمیت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی کے پاس سے تیس صاع جو قرض لیے تھے اور اس کے بدلے آپ ﷺ نے اپنی زرہ رہن میں رکھی تھی۔ (سنن ابن ماجہ)

اس لیے کہ قرض کی ادائی واجب اور ضروری ہے اور عدم ادائی باعث گناہ ہے۔

قرض ادا نہ کرنے والے کے سلسلے میں حدیث پاک میں وعید آئی ہے۔ چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا نفس المومن معلقة بدينه حتى يقضى عنه (سنن ابن ماجہ)

علامہ عراقی نے اس حدیث کا یہ مطلب نقل کیا ہے کہ مقروض میت کے بارے میں نہ نجات کا فیصلہ ہوگا اور نہ ہلاکت کا یہاں تک کہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس کی طرف سے قرض ادا کیا گیا یا نہیں۔ (تحفۃ الاحوذی)

علامہ خطیب شربینیؒ نے اس حدیث کا مطلب اس طرح بیان کیا کہ جب کوئی شخص مقروض ہونے کی حالت میں مرتا ہے تو اس کی روح قبر میں محبوس ہوتی ہے اور عالم برزخ میں دیگر روحوں کے ساتھ اسے کشادگی حاصل نہیں ہوتی، اور اسے جنت کی سیر سے محروم رکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی طرف سے قرض ادا کیا جائے (مغنی المحتاج)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس حالت میں مر جائے کہ اس پر ایک دینار یا درہم قرض باقی ہو تو اس وقت جب درہم و دینار کام نہیں آئے گا، اس کی نیکیوں کے ذریعے قرض ادا کیا جائیگا۔

(سنن ابن ماجہ)

اسی طرح ایک حدیث میں بغیر قرض کے مرنے والے کو اللہ کے رسول ﷺ نے دخول جنت کی بشارت سنائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی روح اس کے جسم سے اس حال میں جدا ہو کہ اس پر کسی کا قرض نہ ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے قرض ادا نہ کرنے والوں کو اس فعل سے بچنے اور اس سے باز آنے کی طرف توجہ دلانے اور اس فعل کے سخت گناہ ہونے کو بتلانے کے لئے ایک مقروض پر نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ صحابہ کو یہ حکم دیا کہ تم پڑھ لو۔ (شرح مسلم)

اس کے علاوہ شریعت اسلامیہ میں کئی مقامات پر قرض کی ادائیگی کا وقت ہونے پر قرض ادا نہ کرنے والے کے حق میں سختی کا معاملہ کیا گیا ہے۔ من جملہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ قرض کی ادائی کا وقت ہونے کے بعد دائن قرض دینے والے کو اس بات کا مکمل اختیار ہے کہ وہ مقروض کو سفر کرنے سے روکے، یہاں تک کہ وہ قرض ادا کرے پھر سفر کرے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ)

اسی طرح باوجود دین کی ادائی پر قدرت کے جو دین ادا نہ کرے یا ٹال مٹول کرے تو اسے قاضی کے حکم سے قید کیا جائے۔

اسلام میں چور کی سزا یہ ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹے جائیں لیکن جب مقروض قرض کے ادا نہ کرے جس کی بناء پر قرض دینے والا مقروض کا مال اپنے قرض کی بقدر چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹے نہیں جائیں گے۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ)

اسلام میں جہاد جیسے اہم و عظیم کام کی فضیلت و اہمیت سے کسی کو انکار نہیں، لیکن قرض کی ادائیگی کو جہاد پر مقدم کیا گیا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں **والدين الحال يحرم سفر جهاد وغيره الا باذنه غريمه** کہ قرض کی ادائیگی کا وقت ہونے کے بعد قرض دینے والے کی اجازت کے بغیر جہاد کی غرض سے سفر کرنا حرام ہے۔ (منہاج الطالبین)

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **القتل في سبيل الله يكفر كل شي الا الدين** کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے، سوائے قرض کے۔ (مسلم)

لہذا قرض کی ادائیگی اس پر لازم ہونے کے بعد جہاد جیسے کام کے لئے ادائے قرض کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ بھی

اس طرح کے کئی مسائل ہیں جن کا احاطہ اس وقت ناممکن ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرض ادانہ کرنے کا گناہ کتنا سخت ہے اور مذہب اسلام میں قرض ادانہ کرنے والے کے ساتھ کس طرح سخت رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ لہذا قرض لینے والوں کو چاہیے کہ وعدے کے مطابق قرض کو ادا کرنے کوشش کریں۔ تاکہ قرض دینے والے آئندہ بخوشی قرض دے سکیں، آج اگر سارے قرض لینے والے پوری ایمانداری ودیانت داری کے ساتھ قرض ادا کرنے لگیں تو مالداروں کو بھی قرض دینے میں کوئی پریشانی نہ ہوگی، اور سود جیسے بڑے گناہ سے حفاظت بھی ہوگی۔ البتہ قرض دینے والوں کو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مقروض اگر حقیقت میں قرض کی ادائی پر قادر نہیں ہے تو اسے کچھ دنوں تک مہلت دیں۔ اس لئے کہ اللہ کا ارشاد ہے وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ کہ اگر وہ تنگ دست ہیں تو انھیں خوشحال ہونے تک مہلت دو۔ (البقرہ)

بائع کا قرض خواہوں سے زیادہ حقدار ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنا مال بیچا کسی کے ہاتھ پھر مشتری مفلس ہوگیا اور بائع نے اپنی چیز بعینہ مشتری کے پاس پائی تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس شخص نے کوئی اسباب بیچا پھر مشتری مفلس ہوگیا اور بائع نے اپنی چیز بعینہ مشتری کے پاس پائی تو بائع اس کو لے لے گا اگر مشتری نے اس میں سے کچھ بیچ ڈالا ہے تو جس قدر باقی ہے اس کا بائع زیادہ حقدار ہے بہ نسبت اور قرض خواہوں کے۔ اگر بائع تھوڑی سی ثمن پاچکا ہے پھر بائع یہ چاہے کہ اس ثمن کو پھیر کر جس قدر اسباب اپنا باقی ہے اس کو لے لے اور جو کچھ باقی رہ جائے اس میں اور قرض خواہوں کے برابر ہے تو ہوسکتا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے سوت یا زمین خریدی پھر سوت کا کپڑا بن لیا اور زمین پر مکان بنایا بعد اسکے مشتری مفلس ہوگیا اب زمین کا بائع یہ کہے کہ میں زمین اور مکان سب لیے لیتا ہوں تو یہ نہیں ہوسکتا بلکہ زمین کی اور عملے کی قیمت لگائیں گے پھر دیکھیں گے اس قیمت کا حصہ زمین پر کتنا آتا ہے اور عملے پر کتنا آتا ہے اب بائع اور مشتری دونوں اس میں شریک رہیں گے زمین کا مالک اپنے حصہ کے موافق اور باقی قرض خواہ عملے کے موافق۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کی مثال یہ ہے جیسے زمین اور عملے کی قیمت پندرہ سو ہوئی اس میں سے زمین کی قیمت پانچ سو ہے اور عملے کی ہزار ہے تو زمین والے کا ایک ثلث ہوگا اور باقی قرض خواہوں کے دوثلث ہوں گے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہی حکم سوت میں ہے جب کہ مشتری نے اس کو بن لیا بعد اس کے قرضدار ہوکر مفلس ہوگیا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر مشتری نے اس چیز میں تصرف نہیں کیا مگر اس چیز کی قیمت بڑھ گئی اب بائع یہ چاہتا ہے کہ اپنی شئے پھیر لے اور قرض خواہ چاہتے ہیں کہ وہ شئے بائع کو نہ دیں تو قرض خواہوں کو اختیار ہے خواہ بائع کی ثمن پوری

پوری حوالے کردیں۔ اگر اس چیز کی قیمت گھٹ گئی تو بائع کو اختیار ہے خواہ اپنی چیز لے لے پھر اس کو مشتری کے مال سے کچھ غرض نہ ہوگی خواہ اپنی چیز نہ لے اور قرض خواہوں کے ساتھ شریک ہوجائے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے لونڈی خریدی یا جانور خریدا پھر اس لونڈی یا جانور کا مشتری کے پاس آن کر بچہ پیدا ہوا بعد اس کے مشتری مفلس ہوگیا تو وہ بچہ بائع ہوگا البتہ اگر قرض خواہ بائع کی پوری ثمن ادا کردیں تو بچہ کو اور اس کی ماں کو دونوں کو رکھ سکتے ہیں۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1269)

مروجہ اسلامی بینک کاری نظام پر بحث ونظر کا بیان

پہلی شہادت: مروجہ اسلامی بینکوں کے مجوزین علماء کرام اور مروجہ اسلامی بینکاری سے وابستہ حضرات یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اسلامی بینکاری کی حقیقی اور اصلی بنیادیں شرکت اور مضاربت ہیں اور مروجہ مرابحہ واجارہ محض حیلے ہیں، جنہیں محدود وقت اور عبوری دور کے لئے مشروط طور پر جائز اور قابل عمل قرار دیا گیا تھا، مروجہ مرابحہ واجارہ بالاتفاق اسلامی بینکاری کی مستقل مثالی بنیادیں ہرگز نہیں ہیں، بلکہ انہیں مستقل بنیاد بنانا بھی سودی حیلہ ہونے کی بناء پر ناجائز اور خلاف شرع ہے، مگر اس کے باوجود ہمارے بینکار حضرات شرکت ومضاربت کی بجائے مروجہ اجارہ ومرابحہ پر جم کر بیٹھ چکے ہیں اور ان کے خطرناک ہونے اور سودی حیلہ ہونے اور روایتی معیارات کے فریم ورک میں استعمال ہونے نیز مادی طور پر سودی معاملہ ہونے کے باوجود ان حیلوں کو ترک کرنے کے لئے آمادہ نہیں، کیونکہ مروجہ اجارہ ومرابحہ کو روایتی معیارات کے فریم ورک میں استعمال کرنے سے بعینہ روایتی بینکاری کی شکل وصورت اور خاصیت وافادیت کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے جو ہر بینکار کے لئے قابل قبول ہے اس کے مقابلہ میں شرکت ومضاربت کا عنصر اسلامی بینکوں میں قلیل کالمعدوم کے درجہ میں ہے اور نفع ونقصان میں شرکت کے اسلامی اصولوں کی وجہ سے شرکت ومضاربت مروجہ بینکوں کے لئے کسی قسم کی دلچسپی کا ذریعہ نہیں ہیں اس لئے بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری اپنی خود ساختہ اصل بنیادوں سے ایسی ہٹی ہوئی ہے کہ اس کا اصل بنیادوں کی طرف بڑھنا محال کے درجہ میں صاف نظر آرہا ہے۔ کیونکہ اسلامی بینک کی حقیقی بنیادیں ایک طرف جب کہ مروجہ اسلامی بینکاری کا رُخ مخالف سمت میں ہے۔

دوسری شہادت: یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکاری کے پشتیباں محمد تقی عثمانی جن کے فتویٰ اور شخصیت پر اس سلسلہ میں اعتماد کیا جاتا ہے وہ اس بینکاری نظام سے سخت نالاں اور مایوس ہیں جس کا اظہار انہوں نے مختلف تحریروں اور بیانات میں فرمایا ہے، انہی مایوسیوں کے نتیجہ میں وہ اس نظام سے رفتہ رفتہ دور ہونے کا عندیہ بھی دے رہے ہیں اور برملا یہ ارشاد بھی فرما چکے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکاری کا پہیہ اب الٹا چلنے لگا ہے۔ (مولانا کے اس بیان کی کیسٹ اور سی۔ڈی ہمارے پاس محفوظ ہے۔

جس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں بیان کیا جاسکتا کہ مروجہ اسلامی بینکاری کو شروع سے غیر اسلامی کہنے والے حضرات کے خدشات اور اندیشے تو بالکل درست تھا ہیں اس پر مستزاد یہ کہ جو حضرات ان بینکوں کی بہتری اور اسلام سے ہم آہنگ ہونے کی توقع کررہے تھے اور اسلامی بینکاری سے نیک خواہشات وابستہ کئے ہوئے تھے، وہ بھی اس کی بہتری اور اسلام سے ہم آہنگی کا تصور اب

محض ایک ادھورا خواب سمجھنے پر مجبور ہو رہے ہیں، اگر مروجہ اسلامی بینک اپنے مجوزہ مطلوبہ شرعی معیار پہ کام کر رہے ہوتے تو ہمارے ان بزرگوں کو مایوسیوں کا سامنا ہوتا، نہ ہمارے بینکار حضرات کو ان کے شکوے سننے پڑتے۔

تیسری شہادت: ان لاتعداد عوام الناس اور دانشوروں کی ہے جنہوں نے روایتی اور مروجہ اسلامی دونوں بینکوں سے اپنے معاملات رکھے، مگر وہ کسی بھی طور پر دونوں کے درمیان کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ فرق بھی تلاش بسیار کے باوجود محسوس نہیں کر پائے حالانکہ اس طبقہ میں ایک عام اکاؤنٹ ہولڈر سے لے کر بڑے سے بڑے اقتصادی ماہرین اور نامور بینکار حضرات تک بھی شامل ہیں جن کے بارے میں بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بینکاری نظام، اس کی باریکیوں اور اکائیوں سے اتنی گہرائی اور گیرائی کا تعلق رکھتے ہیں کہ اس میدان میں ان کی معلومات کا پہلا زینہ ہمارے جدید اسلامی بینکاروں کی آخری منزل کے بعد شروع ہوتا ہے، ان ماہرین نے بینکاری نظام، صرف رسائل و جرائد یا اسباق و دروس کے ذریعہ نہیں سیکھا، بلکہ ان کی زندگی کا کارآمد عرصہ ان بینکوں میں گذرا ہے اس کے باوجود انہیں روایتی اور اسلامی بینکوں کے درمیان چند اسلامی اصطلاحوں کے علاوہ کوئی فرق محسوس نہیں ہوسکا، جو اس بات پر شہادت ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کا عملی طریقہ کار فراہم کردہ اسلامی بنیادوں کی بجائے روایتی بینکوں کے سرمایہ کاری کے طریقوں پر چل رہا ہے اس لئے روایتی اور اسلامی بینکوں میں صرف چند اصطلاحوں کا لفظی فرق ہے، عملی طریقہ کار اور اہداف واغراض میں دونوں یکساں ہیں۔

دوسری وجہ: مروجہ اسلامی بینکاری کو خلاف اسلام کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے لئے فراہم کردہ بنیادیں بھی بایں طور سقم سے خالی نہیں کہ ان بنیادوں کی تطبیق، تشریح، تعبیر، استدلال اور طرز استدلال میں مروجہ بینکاری کے مجوزین حضرات نے شرعی اعتبار سے خطرناک قسم کی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ مثلاً:

ان حضرات کے استدلال اور طرز استدلال میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ بینکاری کے لئے مفید تجارتی شکلوں کو اسلامائز کرنے کے لئے کئی فقہی اصطلاحوں میں قطع و برید کی گئی ہے، خلاف ضابطہ ضعیف اور مرجوح اقوال پر اعتماد و انحصار کیا گیا ہے، ایک ہی معاملہ میں شرعی تقاضے پورے کئے بغیر مذہب غیر کی طرف جانے کی روش کو مباح سمجھا گیا، جو کہ تمام مذاہب کے ہاں تلفیق خرم (مختلف اقوال کو ملانے کی حرمت) ہو کر بالاجماع باطل ہے، اسی طرح حسب منشاء کسی تجارتی شکل کو اسلامی شکل ثابت کرنے کے لئے اور اسلامی لبادہ پہنانے کیلئے صحیح، صریح اور واضح شرعی احکام سے عمداً صرف نظر کرتے ہوئے، دور از کار تاویل در تاویل کا طریقہ کار اختیار فرمایا گیا۔ جسے علماء شریعت نے، شریعت کی توہین، تعطیل اور شرعی احکام کا مذاق قرار دیا ہے کیونکہ یہ طرز عمل تاویل فاسد کے زمرے میں آتا ہے۔

بینکوں میں رائج کردہ مرابحہ و اجارہ محض حیلے ہیں، یہ اسلامی تمویلی طریقے بالاتفاق نہیں اس کے باوجود ان حیلوں کو مستقل نظام بنانا ناجائز ہے۔ ایسے حیلوں کے ذریعے انجام پانے والا معاملہ بھی ناجائز ہی کہلاتا ہے۔ جیسے امام محمد علیہ الرحمہ کے ہاں بیع عینہ کا حیلہ ناجائز ہے اسی طرح مروجہ مرابحہ و اجارہ کے حیلے اور ان کو ذریعہ تمویل بنانا بھی ناجائز ہے۔ اسلامی بینکاری کے مجوزین نے اس طرح

کے واضح احکام کو تاویل در تاویل کے ذریعے نظر انداز فرمایا جبکہ دوسری طرف اسلامی بینکوں کے مالی جرمانہ کے جواز کے لئے ابن دینار مالکی رحمہ اللہ کے مرجوح متروک کالمعدوم قول پر اعتماد کیا گیا حالانکہ اس قول پر عمل کرنا شرعاً و اصولاً جائز بھی نہیں تھا مگر اسلامی بینکاری کے مجوزین نے ان شرعی اصولی نزاکتوں سے قصداً چشم پوشی فرمائی ہے ورنہ یہ واضح احکام ان سے ہرگز پوشیدہ نہیں تھے۔

اسلامی بینکاری میں مرابحہ وتولیہ کی عدم مماثلت کا بیان

مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ اور مرابحہ فقہیہ میں کوئی مماثلت نہیں۔ مرابحہ فقہیہ میں ابتداءً قیمت و ثمن کا متعین ہونا، ذمے میں آنا اور لاگت کا یقینی علم اور وجود ضروری ہے جبکہ بینکوں میں رائج مرابحہ میں بینک ثمن کی ادائیگی پہلے نہیں کرتا یا لاگت کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے مرابحہ بینکیہ، اصطلاحی مرابحہ تو درکنار، عام کسی بیع کے تحت بھی نہیں آتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے معاملہ کو مرابحہ کا نام دینا شرعاً خیانت کہلاتا ہے اور ناجائز شمار ہوتا ہے، مگر مروجہ اسلامی بینکاری میں اسی خیانت کو مرابحہ کے نام سے رواج دیا گیا ہے۔

مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ میں بینک کا کاغذی معاہدہ جس پر پیشگی دستخط ہو چکے ہیں وہی اصل ہے اس کے بعد وکالت کے مختلف مراحل شرعی اعتبار سے وکالت ہرگز نہیں بن سکتے جبکہ بینک دین کی ذمہ داری ایک شخص سے رد ہونے کی وجہ سے صراحتاً وکالت فاسدہ ہے۔ اس لئے وکالت کا یہ طریقہ کار شرعاً محض کاغذوں کی لکیریں اور لفظی ہیرا پھیری ہے۔ حقیقت میں ایک ہی فرد بائع اور مشتری بن رہا ہے جو کہ صراحتاً خلاف شرع ہے۔ اس مرابحہ کا شرعی اصطلاحی مرابحہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پس مرابحہ بنوکیہ خالصتاً سودی حیلہ ہے۔ اور ان بینکوں کا نفع ربح نہیں ربوٰ ہے۔

مروجہ اجارہ میں عاقدین کا بنیادی مقصد اجارہ کا معاملہ نہیں ہوتا بلکہ خریداری کا معاملہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ قاعدہ و قانون کی رو سے حکم، اصل مقصد (بیع) پر ہی لگے گا نہ کہ الفاظ (اجارہ) پر اس سے اس معاملہ کو اگر بیع کہا جائے تو یہ بیع مشروط بالاجارہ ہے جو کہ خلاف شریعت ہے۔

مروجہ اجارہ میں اجرت کی شرح کی تعیین اور تناسب کے لئے روایتی سود کی شرح کو معیار بنانا ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ یہ سودی معاملات کے ساتھ اولاً مشابہت، ثانیاً اشتباہ بھی ہے۔ دوسرے یہ کہ روایتی سود کی شرح مختلف اوقات میں بدلتی رہتی ہے یا افراط زر کی وجہ سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ ایسا اجارہ جس میں اُجرت کی شرح و تناسب یقینی طور پر پیشگی معلوم نہ ہو وہ ناجائز ہوتا ہے۔ مگر ہمارے اسلامی بینکار حسب عادت یہاں بھی اصل احکام کو چھوڑ کر خلاف شریعت طریقوں کو شرعی جواز فراہم کرنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں۔

اسی طرح مروجہ اجارہ یا کسی بھی عقد میں قسطوں کی ادائیگی یا تاخیر کی صورت میں گاہک سے اجباری صدقہ کروانا اور لینا دونوں شرعاً، عرفاً، قانوناً اور عقلاً صدقہ نہیں بلکہ جرمانہ ہے جو کہ بلاشبہ ناجائز ہے اور خالص سودی ہے، بلکہ جس فقہی عبارت سے بعض اہل علم نے اس کا جواز ثابت فرمایا ہے خود اسی عبارت سے اس جرمانے کا صریح سود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ صدقہ بینک کے

مقاصد کے لئے بینک کی شرائط اور ترجیحات کی لازمی رعایت کے ساتھ اس کے مجبور کرنے پر گاہک کو بینک کے لئے ادا کرنا پڑتا ہے۔اس مسئلے میں بھی مروجہ اسلامی بینکاری کے مجوزین کو سہواً یا عمداً بہت بڑا مغالطہ لگا ہے کہ انہوں نے بینک کی ایک غیر شرعی ضرورت کو شرعی ثابت فرمانے کے لئے بہت دور کی بات بہت دور سے ثابت فرمانے کی کوشش فرمائی ہے جس کی بالکل گنجائش نہیں تھی، حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ جہاں جبر ہو وہ صدقہ نہیں۔ جہاں اصطلاحی صدقہ ہو وہاں جبر نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح اجارہ اور مروجہ بینکوں کے دیگر عقود میں سیکورٹی ڈپازٹ کی قانونِ شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔اصطلاحی شرکت و مضاربت،اجارہ،مرابحہ وغیرہ یہ سب امانات کے قبیل سے ہیں نہ کہ ضمانات کے قبیل سے، جبکہ سیکورٹی (رہن) صرف ضمانات پہ لی جاسکتی ہے وہ بھی سیکورٹی (رہن) کے احکام کے مطابق۔جبکہ ہمارے اسلامی بینکوں میں رائج سیکورٹی نہ رہن ہے نہ قرض ہے نہ امانت ہے۔ بلکہ دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کے لئے خلاف شرع حیلہ اور بہانہ اور تلفیق بھی ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

مروجہ اسلامی بینک شرکت ومضاربت کو اصلی حقیقی بنیادیں تسلیم کر لینے کے باوجود وہ بھی ان اصلی بنیادوں پر سرمایہ کاری بھی نہیں کررہے۔یہی وجہ ہے کہ شرکت ومضاربت کا تناسب،اجارہ ومرابحہ کے مقابلے میں ایک سروے اور محتاط اندازے کے مطابق زیادہ سے زیادہ صرف پندرہ سے بیس فیصد ہے، بالفرض اگر پچاس فیصد بھی مان لیا جائے تو ما اجتمع حلال و حرام الا غلب الحرام الحلال (حلال وحرام جب بھی جمع ہوئے حرام حلال پر غالب رہا) کے پیش نظر نیز احوال واقعی کے مطابق سرمایہ کاری کے حلال طریقے قلیل کالمعدوم ہوں،اور غیر شرعی طریقوں کا عنصر زیادہ ہو تو ایسا ملغوبہ طریقہ تمویل غیر شرعی ہی کہلاتا ہے۔ اس لئے مروجہ اسلامی بینکوں کے طریقہ تمویل کو شرعاً جائز کہنے کی کوئی اصولی گنجائش موجود نہیں اس کے باوجود اسے جائز کہا جاتا ہے اور اس کا جواز جتلایا بھی جاتا ہے۔

مشارکت ومضاربت کے خلاف معاہدہ جات کا بیان

مروجہ مشارکہ ومضاربہ میں خلاف شرع معاہدات طے ہوتے ہیں، مثلاً ایک اسلامی بینک میں اکاونٹ کھلوانے والے کو جو فارم پُر کرنا پڑتا ہے اس میں بینک کی شرائط، پالیسی اور بینک سے متعلق وہ سارے قوانین واعلانات بلاتفصیل ماننے ہوں گے جو بینک کرے گا۔نیز جو قواعد اور اعلانات بینک دولت آف پاکستان جاری کرے اس کی پابندی کا عہد بھی لیا جاتا ہے۔حالانکہ اسلامی بینک کے اعلانات اور پالیسیاں بدلتے رہتے ہیں، یکساں نہیں ہوتے۔ایسے مجہول اور غیر معلوم اعلانات کا گاہک کو پیشگی معاہدے کے ذریعہ پابند بنانا شرعاً جائز نہیں اور مجہول وغیر معلوم شرائط اور ذمہ داریوں والا معاملہ شرعاً فاسد کہلاتا ہے نہ کہ صحیح اور جائز۔

اسی طرح مسلمان گاہک کو بینک دولت آف پاکستان کے اعلانات اور پالیسیوں کا پابند بنانا بھی بالکل ناجائز ہے کیونکہ اسٹیٹ بینک کا غیر اسلامی مزاج اور شرعی احکام کی خلاف ورزی کا معاملہ سورج کی طرح واضح ہے۔

فائدہ:

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ بینک دولت آف پاکستان نے اسلامی بینکوں کو اپنی پالیسیاں، اسلام کے مطابق بنانے اور

سرمایہ کاری کرنے کے لئے تحریری اور قانونی طور پر کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ اگر اسٹیٹ بینک نے غیر اسلامی طریقوں سے قطع نظر
ان حضرات کی اس بات کو تسلیم کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے مروجہ اسلامی بینک اپنی اصلی اور حقیقی بنیادوں پر سرمایہ کاری
کرنے کے لئے تمام تر قانونا آزاد ہونے کے باوجود اسلامی بینکاری کی اصلی بنیادوں یعنی مشارکہ ومضاربہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری
قصداً وعمداً توسعت نہیں دے رہے۔ اگر بینک دولت آف پاکستان کی طرف سے رکاوٹ بننے کا عذر درست ہوتا تو بھی کسی حد تک اسلامی
بینکاروں کو مجبور تسلیم کرنے کی گنجائش ہو سکتی تھی، جیسا کہ اب تک بعض علمائے امت اس مجبوری کے پیش نظر نامناسب انتظامات
رہتے ہیں۔

مضاربہ میں کھاتہ دار رب المال اور بینک مضارب ہوتا ہے، مال مضاربت میں بینک کا حصہ شرعاً صرف اور صرف حاصل شدہ
نفع کی طے شدہ شرح ہے، اس کے علاوہ بینک کے لئے شرعاً اپنے ذاتی انتظامی اخراجات کی مد میں رقم لینا، اسی طرح مختلف فیسیں
لینا یا کسی قسم کا معاوضہ اور الاؤنس، مال مضاربت سے منہا کرنا ناجائز ہے۔ مگر اسلامی بینک مضاربہ فیس وغیرہ وصول کرتے
ہیں۔ اس کے باوجود مروجہ بینکوں کو اسلامی کہا جاتا ہے جو کہ خلاف اسلام کو اسلام کہنے کے مترادف ہے۔

شرکت ومضاربت میں منافع کی تقسیم کا مجوزہ طریقہ کار بھی، اسلامی تقاضے پورے نہیں کرتا بلکہ منافع کی حقیقی شرح کے
بجائے روزانہ پیداوار کی بنیاد پر یا وزن دینے کے نام سے فرضی اور تخمینی شرح طے اور ادا کی جاتی ہے جو کہ شرکت ومضاربت کے
اساسی اصولوں کے سراسر خلاف ہے۔

شرکت متناقصہ شرعی اعتبار سے ممنوع مکاسب اور ناجائز بیوع کے زمرے میں داخل ہے۔ اس عقد میں صفقتہ فی صفقتہ
(معاملہ در معاملہ) بیع وشرط اور بیع ثنیا جیسی متعدد خرابیاں پائی جاتی ہیں اس لئے ناجائز ہے۔ مگر اس کے باوجود ان نصوص شرعیہ کو
بالائے طاق رکھتے ہوئے شرکت متناقصہ کا جواز بیان فرمایا گیا اور اسلامی بینکوں نے اسے ذریعہ تمویل کا اہم ستون بنایا ہوا ہے۔
شرکت متناقصہ کو اسلامی استقرائی طریقہ تمویل کہنے کی بجائے خلاف اسلام کہنا علماء کا فرض منصبی تھا مگر بعض لوگوں نے اپنے اس
فرض سے قصداً غفلت برتی ہے۔

واضح رہے کہ شریعت اسلامیہ اور فقہ اسلامی کے ماہرین کی امانت دیانت اور تدین وتقویٰ اس بات پر گواہ ہے کہ فقہ اسلامی
کے ذکر کردہ واضح احکام ایسے ہیں کہ ان کو رد کرنے کے لئے کوشش کرنا یا کسی قسم کی تاویل کرنا، تاویل فاسد کے زمرے میں آتا
ہے، بلکہ یہ نصوص شرعیہ کے ساتھ کھیل اور مذاق ہے۔

مروجہ اسلامی بینکوں میں شخص قانونی (Juristic Person) اور اس کی محدود ذمہ داری کا ظالمانہ، غیر منصفانہ، اور
استحصالی تصور بھی کارفرما ہے، بلکہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ شخص قانونی اور اس کی محدود ذمہ داری کا تصور، بینک (شخص
قانونی) اور اس کے اعضاء وجوارح کو غیر محدود نفع پہنچانے اور نقصان کی بھاری ذمہ داریوں سے بچانے کے لئے ناروا اور خلاف
شرع تصور ہے۔ اس تصور میں شخص قانونی کے اعضاء وجوارح کے لئے بہترین فائدہ اور دائنین کا بدترین استحصال پایا جاتا

ہے کیونکہ جب تک معاملہ منافع کا رہتا ہے تب تک شخص قانونی حقیقی انسان سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے اور جب نقصان ہو تو اس کی
ذات پر آئے تو شخص قانونی محدود ذمہ داری کا سہارا لیتے ہوئے موت کے منہ میں آ جاتا ہے۔ اس تصور کے غلط ہونے کے
دلائل میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ کمپنی حقیقی انسان ہو کر انسان کا قائم مقام بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ
غیر اسلامی تصور ہے ... بیان کی اصولی گنجائش ہرگز نہیں تھی۔

مروجہ اسلامی بینکاری کے مجوزین اور وابستگان خود اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ مروجہ اسلامی بینکوں کے معاملات
بعض غیر سودی حلال اور جائز نہیں ہیں بلکہ بعض معاملات جائز اور بعض ناجائز ہیں۔ ایسے معاملات کو مشتبہ قرار دیا جاتا
ہیں۔ ایسے معاملات پر اصول شریعت کے مطابق ... جواز اور حرمت کے بجائے عدم جواز اور حرمت کا حکم لگایا جاتا ہے جس
کی رو سے مروجہ اسلامی بینکوں کے بعض معاملات کو جائز تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی مطلق جواز کا فتویٰ دینے کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔

مولانا تقی عثمانی نے تحریر کیا ہے۔ اس تجزیے سے یہ بات واضح ہوئی کہ فی الحال ان غیر سودی کاؤنٹروں کا کاروبار جو کہ مروجہ تو
معاملات سے مخلوط ہے، اور اس کا کچھ حصہ مشتبہ ہے۔ لہٰذا جب تک ان خامیوں کی اصلاح نہ ہو اس سے حاصل ہونے والے منافع
کو کلی طور پر حلال نہیں کہا جا سکتا، اور مسلمانوں کو ایسے کاروبار میں حصہ لینا درست نہیں۔ (فقہی مقالات، میمن پبلشرز)

اس فتویٰ کی رو سے یہ معلوم ہوا کہ ایسے معاملات کو جواز کے محدود عنصر پر مشتمل ہونے کے باوجود جائز کہنے، جائز سمجھنے اور
معمول بنانے کی گنجائش شرعاً نہیں ہوا کرتی، اور مسلمانوں کے لئے ایسے معاملات میں حصہ لینا جائز نہیں ہوتا مگر مروجہ اسلامی بینکوں
کے معاملات کو اس کے باوجود جائز کہا اور جتلایا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ مروجہ اسلامی بینکاری کے جو تخیلاتی خاکے اسلامی بینکنگ کے مجوزین علماء کرام نے وضع کئے ہیں وہ خاکے بھی
خلاف شرع ہیں ان خاکوں میں اسلامی رنگ کی بجائے روایتی بینکاری کا رنگ نمایاں ہے، اور ان خاکوں میں کئی شرعی نقائص بھی
پائے جاتے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ مروجہ ان بینکوں کا عملی طریقہ کار ان فرضی تخیلاتی خاکوں کے مطابق بھی نہیں ہے، اس لئے ان
مروجہ اسلامی بینکوں کو اسلامی بینک کہنا بھی جائز نہیں، کیونکہ زیادہ سے زیادہ مروجہ اجارہ و مرابحہ کے حیلوں کی وجہ سے حیلہ بینک کہہ
سکتے ہیں، اور حیلہ الگ چیز ہے اور حقیقت اسلام الگ چیز ہے۔

چنانچہ انہی وجوہات کی بناء پر مروجہ اسلامی بینکاری کی بابت ملک کے جمہور علمائے کرام اور مفتیان کرام کا متفقہ فتویٰ یہ ہے:

گزشتہ چند سالوں سے بعض اسلامی شرعی اصطلاحات کے نام سے رائج ہونے والی بینکاری کے معاملات کا قرآن وسنت کی
روشنی میں ایک عرصے سے جائزہ لیا جا رہا تھا اور ان بینکوں کے کاغذات، فارم اور اصولوں پر غور وخوض کے ساتھ ساتھ اکابر فقہاء کی
تحریروں سے بھی استفادہ کیا جاتا رہا۔ اور ان کا حکم دیگر سودی بینکوں کی طرح ہے۔

مَن يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔

(حدیث شریف)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے

باب الربا

﴿یہ باب سود کے بیان میں ہے﴾

سود کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ ان بیوع کے ابواب سے فارغ ہوئے ہیں جن کی اباحت یا جن کی خرید و فروخت کی شارع نے اجازت دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "تم اللہ کا فضل تلاش کرو" تو اب مصنف علیہ الرحمہ نے ان ابواب کو شروع کیا ہے جن سے شارع نے منع کیا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۹، ص ۲۹۰، بیروت)

فقہاء کرام عام طور پر بیع اور تجارت کے مسائل کے ساتھ ساتھ ہی سود کے مسائل بھی ذکر کرتے ہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ سطحی نگاہ سے دیکھنے والا شخص ربو کو بھی تجارت ہی سمجھتا ہے۔ قرآن کریم نے جب سود کے حرام ہونے کا حکم سنایا تو اس دور کے ظاہر بین لوگوں نے یہی اعتراض اٹھایا تھا۔ انما البیع مثل الربو یعنی تجارت اور سود ایک ہی جیسے ہیں لہذا اگر تجارت کو اسلام نے حلال قرار دیا ہے تو سود کو بھی حلال قرار دینا چاہئے اسے حرام کیوں کہا ہے؟

علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ شارح ہدایہ فرماتے ہیں تجارت (بیع) کے ذریعہ عام طور پر مال میں اضافہ ہوتا ہے جسے نفع یا ربح کہتے ہیں اور سود کے ذریعہ بھی مال میں اضافہ ہوتا ہے جسے ربو کہتے ہیں مگر دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ کہ تجارت کی شکل میں حاصل ہونے والا منافع ربح حلال ہے اور سود کی شکل میں حاصل ہونے والا ربو حرام ہے۔ لہذا فقہاء کرام رحمہم اللہ جب تجارت کی حلال صورت کو بیان کرکے اس کے مسائل ذکر کرتے ہیں تو اس کی حرام صورت اور اس کے مسائل بھی ذکر کر دیتے ہیں۔ چونکہ اصل حلت ہے اس لئے حلال کا پہلے ذکر کیا جاتا ہے اور حرام کا ذکر بعد میں کیا جاتا ہے۔

(فتح القدیر شرح الہدایہ، باب ربو)

سود کی لغوی تعریف کا بیان

لغت کے اعتبار سے ربا کے معنی زیادتی بڑھوتری بلندی کے آتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ایسی زیادتی کو ربا کہتے ہیں جو کسی مالی معاوضہ کے بغیر حاصل ہو۔

سود عربی زبان میں ربا کہتے ہیں، جس کا لغوی معنی زیادہ ہونا، پروان چڑھنا، اور بلندی کی طرف جانا ہے۔ اور شرعی اصطلاح میں ربا (سود) کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو اس شرط کے ساتھ رقم ادھار دینا کہ واپسی کے وقت وہ کچھ رقم زیادہ لے گا۔ مثلاً کسی کو سال یا چھ ماہ کے لیے 100 روپے قرض دیے، تو اس سے یہ شرط کرلی کہ وہ 100 روپے کے 120 روپے لے گا، مہلت کے عوض یہ جو 20 روپے زیادہ لیے گئے ہیں، یہ سود ہے۔

سود کی حرمت کا بیان

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ، ۲۷۵)

ترجمہ

وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر، جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھوکر مخبوط بنا دیا ہو اس لئے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سود ہی کے مانند ہے، اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود، تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا، اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے۔ اور جو اب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے۔ (کنز الایمان)

علامہ مناوی لکھتے ہیں۔ ربوا کے لغوی معنی زیادتی اور اضافے کے ہیں اور شریعت میں اس کا اطلاق رِبَـا الـفَضْل اور ربـا النسیئة پر ہوتا ہے۔ ربـا الفضـل اس سود کو کہتے ہیں جو چھ اشیا میں کمی بیشی یا نقد و ادھار کی وجہ سے ہوتا ہے (جس کی تفصیل حدیث میں ہے) مثلاً گندم کا تبادلہ گندم سے کرنا ہے تو فرمایا گیا ہے کہ ایک تو برابر برابر ہو۔ دوسرے ہاتھوں ہاتھ ہو۔ اس میں کمی بیشی ہوگی تب بھی اور ہاتھوں ہاتھ ہونے کے بجائے ایک نقد اور دوسرا ادھار یا دونوں ہی ادھار ہوں تب بھی سود ہے) ربـا الـنسیئة کا مطلب ہے کسی کو (مثلاً) چھ مہینے کے لیے اس شرط پر سو روپے دینا کہ واپسی روپے ہوگی۔ روپے چھ مہینے کی مہلت کے لیے دیے جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے "کل قرض جر منفعة فهو ربا .

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج ۵ ص ۲۸)

(قرض پر لیا گیا نفع سود ہے)۔ یہ قرضہ ذاتی ضرورت کے لیے لیا گیا ہو یا کاروبار کے لئے دونوں قسم کے قرضوں پر سود حرام ہے۔ اور زمانہ جاہلیت میں بھی دونوں قسم کے قرضوں کا رواج تھا شریعت نے بغیر کسی قسم کی تفریق کے دونوں کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے اس لئے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ تجارتی قرضہ جو عام طور پر بنک سے لیا جاتا ہے اس پر اضافہ سود نہیں ہے اس لیے کہ قرض لینے والا اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کا کچھ حصہ وہ بنک کو یا قرض دہندہ کو لوٹا دیتا ہے تو اس میں قباحت کیا ہے؟ اس کی قباحت ان متجددین کو نظر نہیں آتی جو اس کو جائز قرار دیتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں تو اس میں بڑی قباحتیں ہیں۔ مثلاً قرض لے کر کاروبار کرنے والے کا منافع تو یقینی نہیں ہے بلکہ منافع تو کجا اصل رقم کی حفاظت کی بھی ضمانت نہیں ہے بعض دفعہ کاروبار میں ساری رقم ہی ڈوب جاتی ہے۔

جب کہ اس کے برعکس قرض دہندہ (چاہے وہ بنک ہو یا کوئی ساہوکار ہو) کا منافع متعین ہے جس کی ادائیگی ہر صورت میں لازمی ہے یہ ظلم کی ایک واضح صورت ہے جسے شریعت اسلامیہ کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے؟ علاوہ ازیں شریعت تو اہل ایمان کو معاشرے کے ضرورت مندوں پر بغیر کسی دنیاوی غرض و منفعت کے خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے جس سے معاشرے میں اخوت بھائی چارے، ہمدردی، تعاون اور شفقت و محبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اس کے برعکس سودی نظام سے سنگ دلی اور خود غرضی کو فروغ ملتا ہے۔ ایک سرمائے دار کو اپنے سرمائے کے نفع سے غرض ہوتی ہے چاہے معاشرے میں ضرورت مند، بیماری، بھوک، افلاس سے کراہ رہے ہوں یا بیروزگار اپنی زندگی سے بیزار ہوں۔ شریعت اس شقاوت و سنگدلی کو کس طرح پسند کر سکتی ہے؟ اس کے اور بہت سے نقصانات ہیں۔ بہرحال سود مطلقاً حرام ہے چاہے ذاتی ضرورت کے لیے لیے گئے قرضے کا سود ہو یا تجارتی قرضے پر ہو۔

تجارت اور سود کو ہم معنی کہنے والے کم علم لوگوں کیلئے نصیحت

چونکہ پہلے ان لوگوں کا ذکر ہوا ہے جو نیک کام (صدقہ خیرات کرنے والے زکوتیں دینے والے حاجت مندوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنے والے غرض ہر حال میں اور ہر وقت دوسروں کے کام آنے والے تھے تو ان کا بیان ہو رہا ہے جو کسی کو دینا تو ایک طرف رباو دوسروں سے چھینتے ظلم کرنے اور ناحق اپنے پرایوں کا مال ہضم کرنے والے ہیں، تو فرمایا کہ یہ سود خور لوگ اپنی قبروں سے ان کے بارے میں دیوانوں اور پاگلوں خبطیوں اور بیہوشوں کی طرح اٹھیں گے، پاگل ہوں گے، کھڑے بھی نہ ہو سکتے ہوں گے، ایک قرأت میں من المس کے بعد یوم القیامۃ کا لفظ بھی ہے، ان سے کہا جائے گا کہ لو اب ہتھیار تھام لو اور اپنے رب سے لڑنے کیلئے آمادہ ہو جاؤ، شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے گھروں کی مانند تھے، پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا سود اور بیاج لینے والے ہیں، اور روایت میں ہے کہ ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو ڈستے رہتے تھے اور ایک مطول حدیث میں ہے کہ ہم جب ایک سرخ رنگ نہر پر پہنچے جس کا پانی مثل خون کے سرخ تھا تو میں نے دیکھا اس میں کچھ لوگ بمشکل تمام کنارے پر آتے ہیں تو ایک فرشتہ بہت سے پتھر لئے بیٹھا ہے، وہ ان کا منہ پھاڑ کر ایک پتھر ان کے منہ میں اتار

دیتا ہے، وہ پھر بھاگتے ہیں پھر یہی ہوتا ہے، پوچھا تو معلوم ہوا یہ سوخوروں کا گروہ ہے، ان پر یہ وبال اس باعث ہے کہ یہ کہتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی ہے ان کا یہ اعتراض شریعت اور احکام الٰہی پر تھا وہ سود کو تجارت کی طرح حلال جانتے تھے، جبکہ بیع پر سود کا قیاس کرنا ہی غلط ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مشرکین تو تجارت کا شرعاً جائز ہونے کے قائل نہیں ورنہ یوں کہتے کہ سود مثل بیع ہے، ان کا کہنا یہ تھا کہ تجارت اور سود دونوں ایک جیسی چیزیں ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کو حلال کہا جائے اور دوسری کو حرام؟ پھر انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ حلت وحرمت اللہ کے حکم کی بنا پر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ بھی کافروں کا قول ہی ہو، تو بھی انتہائی اچھے انداز سے جواباً کہا گیا اس میں مصلحت الٰہیہ کہ ایک کو اللہ نے حرام ٹھہرایا اور دوسرے کو حلال پھر اعتراض کیسا؟ علیم وحکیم اللہ کے حکموں پر اعتراض کرنے والے تم کون؟ کس کی ہستی ہے؟ اس سے باز پرس کرنے کی، تمام کاموں کی حقیقت کو ماننے والا تو وہی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ میرے بندوں کا حقیقی نفع کس چیز میں اور فی الواقع نقصان کس چیز میں ہے، تو نفع الی چیزیں حلال کرتا ہے اور نقصان پہنچانے والی چیزیں حرام کرتا ہے، کوئی ماں اپنے دودھ پیتے بچے پر اتنی مہربان نہ ہوگی جتنا اللہ اپنے بندوں پر ہے، وہ روکتا ہے تو بھی مصلحت سے اور حکم دیتا ہے تو مصلحت سے، اپنے رب کی نصیحت سن کر جو باز آجائے اس کے پہلے کیے ہوئے تمام گناہ معاف ہیں، جیسا فرمایا عفا اللہ عما سلف اور جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن فرمایا تھا جاہلیت کے تمام سُود آج میرے ان قدموں تلے دفن کر دیئے گئے ہیں، چنانچہ سب سے پہلا سود جس سے میں دست بردار ہوتا ہوں وہ عباس کا سود ہے، پس جاہلیت میں جو سود لے چکے تھے ان کو لوٹانے کا حکم نہیں ہوا،

ایک روایت میں ہے کہ ام بحنہ حضرت زید بن ارقمؓ کی ام ولد تھیں، حضرت عائشہ کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے ایک غلام حضرت زید کے ہاتھوں آٹھ سو کا اس شرط پر بیچا کہ جب ان کے پاس رقم آئے تو وہ ادا کر دیں، اس کے بعد انہیں نقدی کی ضرورت پڑی تو وقت سے پہلے ہی وہ اسے فروخت کرنے کو تیار ہوگئے، میں نے چھ سو کا خرید لیا، حضرت صدیقہ نے فرمایا تو نے بھی اور اس نے بھی بالکل خلاف شرع کیا، بہت برا کیا، جاؤ زید سے کہہ دو اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو اس کا جہاد بھی غارت جائے گا جو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہے، میں نے کہا اگر وہ دو سو جو مجھے اس سے لینے ہیں چھوڑ دوں اور صرف چھ سو وصول کرلوں تا کہ مجھے میری پوری رقم آٹھ سو کی مل جائے، آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں، پھر آپ نے (فمن جاءہ موعظۃ والی آیت پڑھ کر سنائی (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی مشہور ہے اور ان لوگوں کی دلیل ہے جو عینہ کے مسئلے کو حرام بتاتے ہیں اس کی تفصیل کتاب الاحکام میں ہے اور احادیث بھی ہیں، والحمد للہ۔

پھر فرمایا کہ حرمت کا مسئلہ کانوں میں پڑنے کے بعد بھی سود لے تو وہ سزا کا مستحق ہے ہمیشہ کیلئے جہنمی ہے، جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمایا جو مخابرہ کو اب بھی نہ چھوڑے وہ اللہ کے رسول سے لڑنے کیلئے تیار ہو جائے (ابوداؤد)

"مخابرہ" اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسروں کی زمین میں کھیتی بوئے اور اس سے یہ طے ہو کہ زمین کے اس محدود ٹکڑے سے

جتنا اناج نکلے وہ میرا باقی تیرا اور "مزابنہ" اسے کہتے ہیں کہ درخت میں جو کھجوریں ہیں وہ میری ہیں اور میں اس کے بدلے اپنے پاس سے تجھے اتنی اتنی کھجوریں تیار دیتا ہوں، اور "محاقلہ" اسے کہتے ہیں کہ کھیت میں جو اناج خوشوں میں ہے اسے اپنے پاس سے کچھ اناج دے کر خریدنا، ان تمام صورتوں کو شریعت نے حرام قرار دیا تاکہ سود کی جڑیں کٹ جائیں، اس لئے کہ ان صورتوں میں صحیح طور پر کیفیت تبادلہ کا اندازہ نہیں ہو سکتا، پس بعض علماء نے اس کی کچھ علت نکالی، بعض نے کچھ، ایک جماعت نے اسی قیاس پر ایسے تمام کاروبار کو منع کیا، دوسری جماعت نے برعکس کیا، لیکن دوسری علت کی بناء پر، حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ ذرا مشکل ہے۔

یہاں تک کہ حضرت عمر فرماتے ہیں افسوس کہ تین مسئلے پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئے دادا کی میراث کا کلالہ اور سود کی صورتوں کا یعنی بعض کاروبار کی ایسی صورتیں جن پر سود کا شبہ ہوتا ہے، اور وہ ذرائع جو سود کی مماثلت تک لے جاتے ہوں جب یہ حرام ہیں تو وہ بھی حرام ہی ٹھہریں گے، جیسا کہ وہ چیز واجب ہو جاتی ہے جس کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہوتا ہو،

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس طرح حلال ظاہر ہے، اسی طرح حرام بھی ظاہر ہے لیکن کچھ کام درمیانی شبہ والے بھی ہیں، ان شبہات والے کاموں سے بچنے والے نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو ان مشتبہ چیزوں میں پڑا وہ حرام میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے، اس چرواہے کی طرح جو کسی کی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چراتا ہو، تو ممکن ہے کوئی جانور اس چراگاہ میں بھی منہ مار لے۔

سنن میں حدیث ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور اسے لے لو جو شک شبہ سے پاک ہے، دوسری حدیث میں ہے گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے طبیعت میں تردد ہو اور اس کے بارے میں لوگوں کا واقف ہونا اسے برا لگتا ہو، ایک اور روایت میں ہے اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لو لوگ چاہے کچھ بھی فتویٰ دیتے ہوں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں سود کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی (بخاری)

حضرت عمر یہ فرما کر کہتے ہیں افسوس کہ اس کی پوری تفسیر بھی مجھ تک نہ پہنچ سکی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔ لوگو سود کو بھی چھوڑ دو اور ہر اس چیز کو بھی جس میں سود کا بھی شائبہ ہو (مسند احمد) حضرت عمر نے ایک خطبہ میں فرمایا شاید میں تمہیں بعض ان چیزوں سے روک دوں جو تمہارے لئے نفع والی ہوں اور ممکن ہے میں تمہیں کچھ ایسے احکام بھی دوں جو تمہاری مصلحت کیخلاف ہوں، سنو! قرآن میں سب سے آخر سود کی حرمت کی آیت اتری، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور افسوس کہ اسے کھول کر ہمارے سامنے بیان نہ فرمایا پس تم ہر اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالتی ہو (ابن ماجہ)

ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے، سب سے بڑا سود مسلمان کی ہتک عزت کرنا ہے (مستدرک حاکم)

فرماتے ہیں ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ سود کھائیں گے، صحابہ نے پوچھا کیا سب کے سب؟ فرمایا جو نہ کھائے گا اسے بھی غبار تو پہنچے گا ہی۔ (مسند احمد)

پس نبر رہے بچنے کیلئے ان اسباب کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہئے جو ان حرام کاموں کی طرف پہنچانے والے ہوں، حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ جب سورۃ بقرہ کی آخری آیت حرمت سود میں نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں آکر اس کی تلاوت کی اور سودی کاروبار اور سودی تجارت کو حرام قرار دیا،

بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح شراب اور اس طرح کی تمام خرید وفروخت وغیرہ وہ وسائل (ذرائع) ہیں جو اس تک پہنچانے والے ہیں سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کئے ہیں، صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت اس لئے کی کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے حیلہ سازی کر کے حلال بنانے کی کوشش کی چنانچہ یہ کوشش کرنا بھی حرام ہے اور موجب لعنت ہے، اسی طرح پہلے وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو شخص دوسرے کی تین طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ پہلے خاوند کیلئے حلال ہو جائے اس پر اور اس خاوند پر اللہ کی پھٹکار اور اس کی لعنت ہے، آیت حتی تنکح زوجا غیرہ کی تفسیر میں دیکھ لیجئے، حدیث شریف میں ہے سود کھانے والے پر کھلانے والے پر شہادت دینے والوں پر گواہ بننے والوں پر لکھنے والے پر، سب پر اللہ کی لعنت ہے، ظاہر ہے کاتب وشاہد کو کیا ضرورت پڑی ہے جو وہ خواہ مخواہ اللہ کی لعنت اپنے اوپر لے، اسی طرح بظاہر عقد شرعی کی صورت کا اظہار اور نیت میں فساد رکھنے والوں پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتے ہیں۔

سود کے سبب معیشت کی تباہی کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سود کو برباد کرتا ہے یعنی یا تو اسے بالکل غارت کر دیتا ہے یا سودی کاروبار سے خیر و برکت ہٹا دیتا ہے علاوہ ازیں دنیا میں بھی وہ تباہی کا باعث بنتا ہے اور آخرت میں عذاب کا سبب، جیسے ہے آیت قل لا یستوی الخبیث والطیب الخ، یعنی ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتا گو تمہیں ناپاک کی زیادتی تعجب میں ڈالے۔ ارشاد فرمایا آیت ویجعل الخبیث بعضہ علی بعض فیر کم فیجعلہ فی جھنم۔ مگر جب خباثت والی چیزوں کو تہ وبالا کر کے وہ جہنم میں جھونک دے گا اور جگہ ہے آیت (وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ) 30 ۔الروم 39:) یعنی سود دے کر جو مال تم بڑھانا چاہتے ہو وہ دراصل بڑھتا نہیں،

اسی واسطے حضرت عبداللہ بن مسعود والی روایت میں ہے کہ سود سے اگر مال میں اضافہ ہو بھی جائے لیکن انجام کار کمی ہوتی ہے (مسند احمد)

مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق مسجد سے نکلے اور اناج پھیلا ہوا دیکھ کر پوچھا یہ غلہ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے کہا بکنے کیلئے آیا ہے، آپ نے دعا کی کہ اللہ اس میں برکت دے، لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھاؤ بیچنے کیلئے پہلے ہی جمع کر لیا تھا، پوچھا کس نے جمع کیا تھا، لوگوں نے کہا ایک تو فروخ نے جو حضرت عثمان کے مولی ہیں اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے، آپ نے دونوں کو بلوایا اور فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا؟ جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں اور جب

چاہیں بیچیں، ہمیں اختیار ہے، آپ نے فرمایا سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک رکھے اسے اللہ مفلس کر دے گا، یہ سن کر حضرت فروخ تو فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے میں اللہ سے اور پھر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہ کروں گا لیکن حضرت عمر کے غلام نے پھر بھی یہی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں، اس میں کیا حرج ہے؟

راوی حدیث حضرت ابو یحییٰ فرماتے ہیں میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور جذامی (کوڑھ) بنا پھرتا تھا، ابن ماجہ میں ہے جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاؤ بیچنے کیلئے روک رکھے اللہ تعالیٰ اسے مفلس کر دے گا یا جذامی۔ پھر فرماتا ہے وہ صدقہ کو بڑھاتا ہے۔

یربی کی دوسری قرأت یربی بھی ہے، صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے جو شخص اپنی پاک کمائی سے ایک کھجور بھی خیرات کرے اسے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی داہنے ہاتھ لیتا ہے پھر اسے پال کر بڑا کرتا ہے (جس طرح تم لوگ اپنے بچھڑوں کو پالتے ہو) اور اس کا ثواب پہاڑ کے برابر بنا دیتا ہے اور پاک چیز کے سوا وہ ناپاک چیز کو قبول نہیں فرماتا، ایک اور روایت میں ہے کہ ایک کھجور کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ملتا ہے، اور روایت میں ہے کہ ایک لقمہ مثل احد کے ہو کر ملتا ہے، پس تم صدقہ خیرات لیا کرو، پھر فرمایا ناپسندیدہ کافروں، نافرمان زبان زور اور نافرمان فعل والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صدقہ خیرات نہ کریں اور اللہ کی طرف سے صدقہ خیرات کے سبب مال میں اضافہ کے وعدہ کی پرواہ کئے بغیر دنیا کا مال دینار جمع کرتے پھریں اور بدترین اور خلاف شرع طریقوں سے کمائیاں کریں لوگوں کے مال باطل اور ناحق طریقوں سے کھا جائیں، یہ اللہ کے دشمن ہیں ان ناشکروں اور گنہگاروں سے اللہ کا پیار ممکن نہیں۔ پھر ان بندوں کی تعریف ہو رہی ہے جو اپنے رب کے احکام کی بجا آوری کریں، مخلوق کے ساتھ سلوک واحسان قائم کریں، نمازیں قائم کریں، زکوۃ دیتے رہیں، یہ قیامت کے دن تمام دکھ درد سے امن میں رہیں گے کوئی کھٹکا بھی ان کے دل پر نہ گزرے گا بلکہ رب العالمین اپنے انعام واکرام سے انہیں سرفراز فرمائے گا۔

علم معیشت کے اصول کے مطابق سود سے مال کم ہونے کا بیان

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سود سے مال بڑھتا ہے۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ کسی بھی معاشرہ میں دولت مندوں کی تعداد غریبوں کی تعداد کی نسبت بہت قلیل ہوتی ہے اور سود لینے والے دولت مند ہوتے ہیں اور دینے والے غریب اور محتاج۔ اب سود سے فائدہ تو ایک شخص اٹھاتا ہے اور نقصان سینکڑوں غریبوں کا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کی نظروں میں اس کی سب مخلوق یکساں ہے بلکہ اسے دولتمندوں کے مفاد سے غریبوں کے مفادات زیادہ عزیز ہیں۔ اور سود خور سود کے ذریعہ بے شمار غریبوں کا مال کھینچ کر انہیں مزید مفلس اور کنگال بنانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ تو اسی حقیقت کو اللہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ سود کے ذریعہ مال بڑھتا نہیں بلکہ گھٹتا ہے۔

یہ اس مسئلہ کا ایک پہلو ہوا اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ علم معیشت کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے۔ کہ جس معاشرہ میں دولت کی گردش

جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی وہ معاشرہ خوشحال ہوگا اور اس کی قومی دولت میں اضافہ ہوگا۔ اور اگر دولت کا بہاؤ غریب سے امیر کی طرف ہوگا تو یہ گردش بہت کم ہو جائے گی۔ کیونکہ امیر طبقہ کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی سود قومی معیشت پر تباہ کن اثر ڈالتا ہے۔ اور اگر دولت کا بہاؤ امیر سے غریب کی طرف ہو اور یہ بات صرف زکوٰۃ وصدقات کی صورت میں ہی ممکن ہوتی ہے، تو دولت کی گردش میں تیز ہو جائے گی۔ کیونکہ ایک تو غریبوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے دوسرے ان کی ضروریات محض پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے رکی ہوتی ہیں۔

ہر مکیلی وموزونی چیز میں سود کا بیان

قَالَ الرِّبَا مُحَرَّمٌ فِي كُلِّ مَكِيلٍ أَوْ مَوْزُونٍ إذَا بِيعَ بِجِنْسِهِ مُتَفَاضِلًا فَالْعِلَّةُ عِنْدَنَا الْكَيْلُ مَعَ الْجِنْسِ وَالْوَزْنُ مَعَ الْجِنْسِ. قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَيُقَالُ الْقَدْرُ مَعَ الْجِنْسِ وَهُوَ أَشْمَلُ. وَالْأَصْلُ فِيهِ الْحَدِيثُ الْمَشْهُورُ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْحِنْطَةُ بِالْحِنْطَةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ، وَالْفَضْلُ رِبًا) وَعَدَّ الْأَشْيَاءَ السِّتَّةَ: الْحِنْطَةَ وَالشَّعِيرَ وَالتَّمْرَ وَالْمِلْحَ وَالذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ عَلَى هَذَا الْمِثَالِ. وَيُرْوَى بِرِوَايَتَيْنِ بِالرَّفْعِ مِثْلٌ وَبِالنَّصْبِ مِثْلًا.

وَمَعْنَى الْأَوَّلِ بَيْعُ التَّمْرِ، وَمَعْنَى الثَّانِي بِيعُوا التَّمْرَ، وَالْحُكْمُ مَعْلُومٌ بِإِجْمَاعِ الْقَائِسِينَ لَكِنَّ الْعِلَّةَ عِنْدَنَا مَا ذَكَرْنَاهُ. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ: الطُّعْمُ فِي الْمَطْعُومَاتِ وَالثَّمَنِيَّةُ فِي الْأَثْمَانِ، وَالْجِنْسِيَّةُ شَرْطٌ، وَالْمُسَاوَاةُ مُخَلِّصٌ.

وَالْأَصْلُ هُوَ الْحُرْمَةُ عِنْدَهُ لِأَنَّهُ نَصَّ عَلَى شَرْطَيْنِ التَّقَابُضِ وَالْمُمَاثَلَةِ وَكُلُّ ذَلِكَ يُشْعِرُ بِالْعِزَّةِ وَالْخَطَرِ كَاشْتِرَاطِ الشَّهَادَةِ فِي النِّكَاحِ، فَيُعَلَّلُ بِعِلَّةٍ تُنَاسِبُ إظْهَارَ الْخَطَرِ وَالْعِزَّةِ وَهُوَ الطُّعْمُ لِبَقَاءِ الْإِنْسَانِ بِهِ وَالثَّمَنِيَّةُ لِبَقَاءِ الْأَمْوَالِ الَّتِي هِيَ مَنَاطُ الْمَصَالِحِ بِهَا، وَلَا أَثَرَ لِلْجِنْسِيَّةِ فِي ذَلِكَ فَجَعَلْنَاهُ شَرْطًا وَالْحُكْمُ قَدْ يَدُورُ مَعَ الشَّرْطِ.

وَلَنَا أَنَّهُ أَوْجَبَ الْمُمَاثَلَةَ شَرْطًا فِي الْبَيْعِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِسَوْقِهِ تَحْقِيقًا لِمَعْنَى الْبَيْعِ، إذْ هُوَ يُنْبِئُ عَنْ التَّقَابُلِ وَذَلِكَ بِالتَّمَاثُلِ، أَوْ صِيَانَةً لِأَمْوَالِ النَّاسِ عَنْ التَّوَى، أَوْ تَتْمِيمًا لِلْفَائِدَةِ بِاتِّصَالِ التَّسْلِيمِ بِهِ، ثُمَّ يَلْزَمُ عِنْدَ فَوْتِهِ حُرْمَةُ الرِّبَا وَالْمُمَاثَلَةُ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ

بِـاعْتِبَـارِ الـصُّورَةِ وَالْمَعْنَى، وَالْمِعْيَارُ يَسُوِّي الذَّاتَ، وَالْجِنْسِيَّةُ تَسُوِّي الْمَعْنَى فَيَظْهَرُ الْـفَضْلُ عَلَى ذَلِكَ فَيَتَحَقَّقُ الرِّبَا، لِأَنَّ الرِّبَا هُوَ الْفَضْلُ الْمُسْتَحَقُّ لِأَحَدِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ فِي الْـمُعَاوَضَةِ الْخَالِي عَنْ عِوَضٍ شَرْطٍ فِيهِ، وَلَا يُعْتَبَرُ الْوَصْفُ لِأَنَّهُ لَا يُعَدُّ تَفَاوُتًا عُرْفًا، أَوْ لِأَنَّ فِي اعْتِبَـارِهِ سَدَّ بَابِ الْبِيَاعَاتِ، أَوْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (جَيِّدُهَا وَرَدِيئُهَا سَوَاءٌ) وَالـطُّعْمُ وَالثَّمَنِيَّةُ مِنْ أَعْظَمِ وُجُوهِ الْمَنَافِعِ، وَالسَّبِيلُ فِي مِثْلِهَا الْإِطْلَاقُ بِأَبْلَغِ الْوُجُوهِ لِشِدَّةِ الِاحْتِيَاجِ إلَيْهَا دُونَ التَّضْيِيقِ فِيهِ فَلَا مُعْتَبَرَ بِمَا ذَكَرَهُ .

ترجمہ

فرمایا: ہر کیلی وموزونی چیز میں سود حرام ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کو اس کی ہم جنس کے بدلے زیادتی کے ساتھ فروخت کیا جائے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک سود کی علت کیل مع جنس ہے یا وزن مع جنس ہے جبکہ مصنف علیہ الرحمہ نے قدرت مع جنس کو علت قرار دیا ہے اور یہ زائد شامل کرنا ہے اس کے بارے میں دلیل وہی حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے چھ اشیاء کو شمار کیا (۱) گندم (۲) جو (۳) چھوہارہ (۴) نمک (۵) سونا (۶) چاندی۔ اور نبی کریم ﷺ سے دو طرح روایت کیا گیا ہے ایک میں مثل کو رفع سے بیان کیا ہے اور دوسری روایت میں لام کے نصب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی روایت کے مطابق کھجور کی بیع جبکہ دوسرے دوسری روایت کے مطابق تم کھجور کو فروخت کرو۔

حدیث میں بیان کردہ حکم ائمہ کے اتفاق کے مطابق علت پر مبنی ہے جبکہ ہمارے نزدیک علت وہی ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک کھانے کی چیزوں میں طعم اور اثمان میں ثمنیت علت ہے جبکہ جنس کا ہونا شرط ہے اور برابری کا ہونا سود سے بچنے کا سبب ہے اور ان کے نزدیک حرمت اصل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے دو اشیاء کی وضاحت فرمائی ایک قبضہ اور دوسری مماثلت ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک معزز ہونے کی خبر دینے والی ہے جس طرح نکاح گواہی کا ہونا شرط ہے پس سود کو بھی ایسی علت کے ساتھ متعلق کیا جائے گا جو معزز حرمت کو ظاہر کرنے میں مناسب ہو اور کھانے کی چیزوں میں وہی چیز طعم ہے کیونکہ اس سے انسان کا باقی رہنا متعلق ہے اور اثمان میں ثمن کا ہونا ہے کیونکہ وہ اموال جن پر مصالح کا مدار ہے ان کی بقا ثمن پر ہے پس جنس اس کام میں کوئی دخل نہیں ہے پس ہم نے اس کو شرط بنا دیا ہے۔ کیونکہ حکم شرط کے ساتھ لاگو ہوا کرتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بیع میں مماثلت کو شرط کے طور پر ذکر کیا ہے اور بیع کا حکم ثابت کرنے کیلئے حدیث شریف کے بیان کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کیونکہ بیع برابری کی خبر دینے والی ہے اور مقابلہ برابری سے ہوتا ہے یا پھر حدیث لوگوں کے اموال کو ہلاکت سے بچانے کی غرض سے ہے یا پھر مبیع کو حوالے کرنے کے ساتھ اتصال کے سبب نفع کیلئے بیان ہوئی ہے۔ پس مماثلت

کے ختم ہو جانے کی صورت میں سود حرمت لازم آئے گی۔اور دو چیزوں کے درمیان صوری ومعنوی دونوں طرح مماثلت ہوا کرتی ہے۔

معیار ذات میں برابری کا ہے جبکہ جنس کے سبب معنی میں برابری ہوتی ہے پس معنی اور صورت دونوں کے اعتبار سے مماثلت کی صورت میں زیادتی ظاہر ہو جائے گی اور سود ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ سود اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عاقدین میں سے کسی ایک کیلئے معاوضہ کے حق کے طور ہو اور بدل سے خالی ہو اور عقد میں بطور شرط کے ہو۔

اور وصف کا اعتبار بھی نہ کیا جائے گا کیونکہ عرف میں وصف کا کوئی فرق نہیں ہوتا۔ یا پھر اس کیلئے وصف کو متفاوت تسلیم کر لینے کی صورت میں بیوں کے احکام کو روکنا لازم آئے گا۔ یہ اس حدیث کی وجہ سے ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ سودی اموال میں کھرا کھوٹا برابر ہے اور طعم اور ثمن ہونا یہ نفع کے بڑے اسباب میں سے ہے اور ان اشیاء میں ضرورت کے سبب عام طور پر اطلاق کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان میں تنگی درست نہیں ہے۔ پس امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ علت وتفصیل کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

سود کی حرمت پر اعتبار علت میں فقہی مذاہب

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونا سونے کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے اور گیہوں گیہوں کے بدلے اور جو جو کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے اگر لیا دیا جائے تو ان کا لین دین (مقدار) میں مثل بمثل یعنی برابر سرابر اور دست بدست ہونا چاہئے اگر یہ قسمیں مختلف ہوں مثلاً گیہوں کا تبادلہ جو کے ساتھ یا جو کا تبادلہ کھجور کے ساتھ ہو تو پھر اجازت ہے کہ جس طرح چاہو خرید وفروخت کرو (یعنی برابر سرابر ہونا ضروری نہیں ہے) البتہ لین دین کا دست بدست ہونا (اس صورت میں بھی) ضروری ہے (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 49)

یہی وہ حدیث ہے جس نے ربا کے مفہوم کو وسعت دے کر خرید وفروخت اور لین دین کے بعض معاملات کو ربا اور سود قرار دیا ہے چنانچہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جن چھ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اگر ان کا باہمی تبادلہ یا ان کی باہمی خرید وفروخت کی جائے تو یہ ضروری ہے کہ لین دین برابر سرابر بھی ہو اور دست بدست بھی ہو برابر سرابر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا گیہوں بطور تبادلہ بیع دے تو اس سے اتنا ہی گیہوں لے جتنا خود دے دست بدست کا مطلب یہ ہے کہ جس مجلس میں معاملہ طے ہو اس مجلس میں دونوں فریق اپنا اپنا حق ایک دوسرے سے الگ ہونے سے پہلے ہی اپنے قبضے میں لے لیں یہ نہ ہونا چاہئے کہ ایک فریق تو نقد دے اور دوسرا یہ وعدہ کرے کہ میں بعد میں دے دونگا اگر اس حکم کے برخلاف ہوگا کہ یا لین دین برابر نہ ہو یا دست بدست نہ ہو تو اس صورت میں وہ معاملہ ربا یعنی سود کے حکم میں داخل ہو جائیگا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں جن چھ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے آیا ربا کا حکم انہی چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چیزیں بطور مثال کے بیان فرمائی گئی ہیں اور دوسری کچھ اشیاء بھی اس حکم میں داخل ہیں اور اگر دوسری اجناس بھی داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے۔

چنانچہ ائمہ مجتہدین کا یہ فیصلہ ہے کہ حدیث میں جن چھ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض مثال کے طور پر ہیں اور انہوں نے اپنے

اجتہاد سے کچھ اور چیزوں مثلا لوہے چونے اور دیگر اجناس کو ان چھ چیزوں پر قیاس کیا ہے اور اس سلسلے میں ایک ضابطہ بنانے کے لئے ہر ایک نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چھ چیزوں میں ربا کی علت الگ الگ متعین کی ہے جس کی تفصیل یہ ہے :

حضرت امام مالک کے نزدیک ان چھ چیزوں میں سے سونے اور چاندی میں ربا کی علت تو ثمنیت (یعنی کسی چیز کی قیمت ہونے کی صلاحیت) ہے اور باقی چار چیزوں میں ربا کی علت قوت مدخر (یعنی محفوظ رہنے والی غذا) ہونا ہے اس اعتبار سے ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی جن چیزوں میں ثمنیت پائی جائے گی یا جو چیزیں قوت مدخر ہوں گی ان سب میں ربا حرام ہوگا۔

لہذا حضرت امام مالک کے مسلک میں ترکاریاں پھل اور کھانے کی ایسی اشیاء، جو (کافی عرصے تک) محفوظ نہ رہ سکتی ہوں وہ چیزیں ہیں۔

جن کے باہمی تبادلہ اور خرید وفروخت حضرت امام شافعی کے نزدیک بھی سونے اور چاندی میں تو ربا کی علت ثمنیت ہے لیکن باقی چار چیزوں میں ربا کی علت محض قوت (یعنی صرف غذائیت) ہے۔ لہذا ان کے مسلک میں ترکاریوں پھلوں اور ادویات کی چیزوں میں ربا کا حکم جاری ہوگا کہ ان چیزوں کے باہمی تبادلہ میں برابر سرابر لینا دینا تو جائز ہوگا مگر کمی بیشی کے ساتھ لین دین کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اسی طرح حضرت امام شافعی کے ہاں لوہا تانبا پیتل دھات چونا اور اسی قسم کی دوسری اشیاء وہ چیزیں ہیں جن کے باہم تبادلہ میں ربا کا حکم جاری نہیں ہوگا مثلا ایک پیمانہ چونے کے بدلے میں دو پیمانے چونے کا لینا دینا درست ہے اسی طرح ایک سیر لوہے یا ایک سیر تانبے کے بدلے میں دو سیر لوہا یا دو سیر تانبا لینا دینا جائز ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں اصولی طور پر ربا کی علت قدر مع الجنس ہے اس اعتبار سے حنفی مسلک میں سونے اور چاندی میں ربا کی علت چونکہ مکیل ہے اس لئے ہر اس چیز کے باہمی لین دین میں ربا کا حکم جاری ہوگا جو مکیل (یعنی پیمانے کے ذریعے لی دی جانیوالی) ہو جیسے چونا وغیرہ اور یہ بات پہلے بھی بتائی جا چکی ہے کہ شریعت نے جس چیز کے مکیل یا موزون ہونے کا حکم صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اس میں تبدلی روا نہیں ہے مثلا سونے اور چاندی کو شریعت نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جو وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہیں اس لئے یہ دونوں موزون کے حکم میں ہیں اگرچہ عام رواج اس کے برخلاف ہو اسی طرح گیہوں جو کھجور اور نمک کو شریعت نے ان چیزوں میں شمار کیا ہے جو کیل یعنی پیمانے کے ذریعے لی دی جاتی ہیں اس لئے یہ چیزیں مکیل کے حکم میں ہیں اگرچہ عام رواج اس کے برخلاف ہو لہذا سونے یا چاندی کے باہم لین دین کے جائز ہونے میں وزن اور کیل ہی کا اعتبار ہوگا کہ اگر سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے لیا دیا جائے تو وزن کا برابر سرابر ہونا ضروری ہے وزن میں کمی بیشی قطعا جائز نہیں ہوگی اسی طرح باقی چار چیزوں کے باہم لین دین کے جائز ہونے میں کیل کا اعتبار ہوگا کیونکہ اگرچہ عام رواج کے مطابق ان چیزوں کا لین دین وزن کے ذریعے ہوتا ہے لیکن شرعی طور پر یہ چیزیں مکیل ہی کے حکم میں ہوں گی۔ اس لئے اگر کوئی شخص کسی کو ایک من گیہوں کے بدلے میں ایک ہی من گیہوں دے تو تو یہ لین دین جائز نہ ہوگا تاوقتیکہ دونوں طرف کے گیہوں پیمانے کے

اعتبار سے برابر سرابر نہ ہوں۔

لیکن یہ بات بھی پہلے صاف کی جا چکی ہے کہ حنفیہ میں حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک مطلقاً ہر چیز کے کیلی یا موزون ہونے میں عام رواج کا اعتبار ہے اور حنفیہ کے ہاں اس پر عمل ہے) جو کھجور اور نمک کا بھی یہی حکم ہے۔ ہاں جس چیز کا موزون یا کیلی ہونا شریعت نے صراحت کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے اس کے بارے میں عام رواج ہی کا اعتبار ہوگا کہ اگر وہ چیز عام رواج کے مطابق وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہوگی تو وہ شرعی طور پر بھی موزون ہی کے حکم میں ہوگی کہ اس کے باہم لین دین میں وزن کا برابر سرابر ہونا ضروری ہوگا۔ اس لئے لوہا اور تانبا چونکہ عام رواج کے مطابق وزن کے ذریعے لیا دیا جاتا ہے اس لئے ان کے باہم لین دین میں وزن کا برابر سرابر ہونا ضروری ہے اگر وزن میں کمی بیشی ہوگی تو یہ ربا کے حکم میں داخل ہوگا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونا سونے کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے اور گیہوں گیہوں کے بدلے اور جو جو کے بدلے اور کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے میں اگر دیا جائے تو ان کا لین دین برابر سرابر دست بدست ہونا چاہئے۔ لہذا جس نے ایسا نہیں کیا بلکہ زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا اور لیا تو گویا اس نے سود لیا اور سود دیا اور لینے دینے والے دونوں اس میں برابر ہیں (مسلم)

شرط جواز کے سبب بیع کے جائز ہونے کا بیان

إذَا ثَبَتَ هَذَا نَقُولُ إذًا :بَيْعُ الْمَكِيلِ أَوْ الْمَوْزُونِ بِجِنْسِهِ مِثْلًا بِمِثْلٍ جَازَ الْبَيْعُ فِيهِ لِوُجُوبِ شَرْطِ الْجَوَازِ، وَهُوَ الْمُمَاثَلَةُ فِي الْمِعْيَارِ ؛ أَلَا تَرَى إلَى مَا يُرْوَى مَكَانَ قَوْلِهِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ كَيْلًا بِكَيْلٍ، وَفِي الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ (وَإِنْ تَفَاضَلَا لَمْ يَجُزْ) لِتَحَقُّقِ الرِّبَا وَلَا يَجُوزُ (بَيْعُ الْجَيِّدِ بِالرَّدِيءِ مِمَّا فِيهِ الرِّبَا إلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ) لِإِهْدَارِ التَّفَاوُتِ فِي الْوَصْفِ (وَيَجُوزُ بَيْعُ الْحَفْنَةِ بِالْحَفْنَتَيْنِ وَالتُّفَّاحَةِ بِالتُّفَّاحَتَيْنِ) لِأَنَّ الْمُسَاوَاةَ بِالْمِعْيَارِ وَلَمْ يُوجَدْ فَلَمْ يَتَحَقَّقْ الْفَضْلُ، وَلِهَذَا كَانَ مَضْمُونًا بِالْقِيمَةِ عِنْدَ الْإِتْلَافِ .

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ الْعِلَّةُ هِيَ الطَّعْمُ وَلَا مُخَلِّصَ وَهُوَ الْمُسَاوَاةُ فَيَحْرُمُ، وَمَا دُونَ نِصْفِ الصَّاعِ فَهُوَ فِي حُكْمِ الْحَفْنَةِ لِأَنَّهُ لَا تَقْدِيرَ فِي الشَّرْعِ بِمَا دُونَهُ، وَلَوْ تَبَايَعَا مَكِيلًا أَوْ مَوْزُونًا غَيْرَ مَطْعُومٍ بِجِنْسِهِ مُتَفَاضِلًا كَالْجِصِّ وَالْحَدِيدِ لَا يَجُوزُ عِنْدَنَا لِوُجُودِ الْقَدْرِ وَالْجِنْسِ .وَعِنْدَهُ يَجُوزُ لِعَدَمِ الطَّعْمِ وَالثَّمَنِيَّةِ .

ترجمہ

اور جب یہ حکم ثابت ہو چکا ہے تو ہم کہیں گے کہ جب کیل والی چیز یا موزونی چیز اس کے ہم جنس کے بدلے میں نقد اور برابر برابر بیچ دیا جائے تو شرط جواز کے پائے جانے کے سبب یہ بیع جائز ہے۔ اور وہ شرط جواز مماثلت کا معیار ہے۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ ایک روایت میں مثلا بمثل کہ جگہ پر کیلا بکیل اور سونے کا سونے کے بدلے فروخت کرنے میں وزنا بوزن آیا ہے اور سودی چیزوں کو خراب کے بدلے میں برابر ہی بیچنا جائز ہے کیونکہ وصف میں فرق ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اور اناج کی کچری ایک مٹھی کو دو مٹھیوں کے بدلے میں فروخت کرنا اور ایک سیب کو دو سیبوں کے بدلے میں فروخت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ برابر کا مدار پیمانے پر ہے اور وہ موجود نہیں ہے۔ پس زیادتی ثابت نہ ہوگی۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ ہلاک ہونے کی صورت میں اس کی قیمت کا ضمان بھی ہوگا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک سود کی علت طعم اور حرمت کے ذریعے سے برأت یعنی برابری موجود نہیں ہے کیونکہ زیادتی حرام ہے اور ایک صاع سے کم مقدار بھی مٹھی کے حکم میں ہوئی کیونکہ شریعت کے مطابق ایک صاع سے کم تو کوئی پیمانہ ہی نہیں ہوتا۔

اور جب عقد کرنے والوں نے غیر مطعوم چیز کو اس ہم جنس سے کمی یا زیادتی کے ساتھ خرید یا پھر اس کو فروخت کیا جیسی طرح چونا اور لوہا ہے تو ہمارے نزدیک قدر اور جنس کے پائے جانے کے سبب یہ بیع جائز نہ ہوگی جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے کیونکہ نہ طعم ہے اور نہ ہی ثمن ہے۔

شرح

حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا چنانچہ جب وہ شخص وہاں سے واپس آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بہت عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجوریں دیکھ کر اس سے پوچھا کہ کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہی اچھی ہوتی ہیں اس نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم سب کھجوریں ایسی نہیں ہوتیں بلکہ ہم ایسا کرتے ہیں کہ دو صاع (خراب) کھجوروں کے بدلے میں ایک صاع اچھی کھجوریں اور تین صاع (خراب) کھجوروں کے بدلے دو صاع اچھی کھجوریں لے لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ پہلے تمام کھجوروں کو ملا کر درہموں کے عوض فروخت کر دو اور پھر ان درہموں کے عوض اچھی کھجوریں خرید و اور پھر فرمایا جو چیزیں ترازو یعنی وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 53)

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھجور اور ان چیزوں کے بارے میں کہ جو کیل یعنی پیمانے کے ذریعے لی دی جاتی ہیں یہ حکم بیان کیا گیا ہے اسی طرح ان چیزوں کے بارے میں بھی کہ جو وزن کے ذریعے لی دی جاتی ہیں جیسے سونا اور چاندی وغیرہ یہی حکم ہے کہ اگر ان میں سے ایسی دو ہم جنس چیزوں کا باہمی تبادلہ کیا جائے جن میں سے ایک اچھی ہو اور دوسری خراب

تو اس صورت میں یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ پہلے تو خراب چیز کو درہم یا روپیہ کے عوض فروخت کر دیا جائے اور پھر اس درہم یا روپیہ سے اچھی چیز خرید لی جائے

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت بلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اچھی قسم کی کھجوریں لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہاں سے لائے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ خراب کھجوریں تھیں اس میں سے میں نے دو صاع کھجوریں دے کر اس کے بدلے میں ایک صاع یہ اچھی کھجوریں لے لی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوہ یہ تو بالکل سود ہے ایسا نہ کرو البتہ جب تم اچھی کھجوریں بدلنا چاہو تو یہ طریقہ اختیار کرو کہ پہلے اپنی خراب کھجوریں درہم یا روپے کے عوض فروخت کر دو پھر ان درہموں یا روپوں کے ذریعے اچھی کھجوریں خرید لو (بخاری ومسلم)

علت ربا میں فقہی مذاہب اربعہ

ہدایہ رابع میں ہے کہ یہود کو معاملات میں شراب، خنزیر اور دیگر حرام چیزوں کا معاملہ کرنے کی اجازت تھی مگر سودی لین دین کی یہود کو بھی اجازت نہیں تھی سود کے بارے میں رسول ﷺ کی حدیث مبارک ہے کہ سودی کاروبار کرنا اپنی ماں سے زنا کرنے سے بھی زیادہ برا ہے۔

سود کو حرام قرار دینے پر آج بھی اعتراض کیا جاتا ہے اور افسوس یہ ہے کہ آج کے معترضین خود کو مسلمان کہلاتے ہیں جن کے ظاہر پر قرآن کریم کا پھیکا سا رنگ چڑھا ہوا ہے مگر ان کے دلوں میں اسلام دشمنی (عناد با اسلام) کا مرض ہے۔ ایسے لوگوں کو قرآن کریم منافقین کی صفوں میں شمار کرتا ہے۔ انکا اعتراض یہ ہے کہ موجودہ دور کی اقسام ربو کا کتب فقہ میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ اور جو اقسام ربو کتب فقہ میں مذکور ہیں انکا معاشرہ میں کہیں رواج نہیں ہے۔

اسی وجہ سے بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگ اور بہت سے دینداری کے دعوے دار بھی بینکوں کے ربو کو جائز کہتے ہیں انکا کہنا یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں ربو خاص قسم کا ہوتا تھا اور اب وہ مروج نہیں رہا کیونکہ اس زمانے میں ربو میں جبر ہوتا ہے تھا جو کہ اب نہیں ہے۔

دوسری صورت کہ گیہوں کو گیہوں یا چاول کو گیہوں یا چاول کے بدلہ میں دے اور جنس کو جنس کے ساتھ بیچے تو زیادتی ربو ہوگی حالانکہ آج کل ایسا نہیں ہوتا ہے اسی وجہ سے سمجھ لیا گیا کہ موجودہ دور میں ربو نہیں ہے۔

ربو کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا ذکر قرآن مجید میں ہے لا تاکلوا الربوٰ اضعافاً مضاعفةً اور دوسری جگہ احل الله البیع وحرم الربوٰ اور یہ ربو آسان ہے اسکو ربو النسیئہ کہا گیا ہے کیونکہ یہ قرض اور بیع کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کی شرح مفسرین نے کی ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو ضمناً قرآن میں بیان شدہ ربو کی شرح بھی ہو جاتی ہے۔ حدیث کے ربو کی صورتیں بیع سلم وغیرہ ہیں۔ اسکو ربو الفضل بھی کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں جس ربو کا ذکر ہے وہ مفرد ہوگا یا مرکب یعنی یہ ہوگا کہ ہر مہینہ اصل رقم پر اتنا ربو ہوگا یہ ربو مفرد ہے۔ دوسرا ربو مرکب ہے کہ لاتاکلوا الربوٰ اضعافاً مضاعفةً یعنی سود پر بھی سود ہو تو یہ بھی حرام ہے۔ تو یہ سود اثمان (ثمن کی جمع) بیع اور

قرض میں ہے۔

اثمان کی مثال :ایک چیز بیچی۔مشتری پرثمن قرض ہوگیااور کہا کہ اگرایک مہینہ تک ادا کریگا تو اتنی رقم اتنی رقم ادا کرنی ہوگی اور اگرایک مہینہ کے بعدادا،کریگا تو اتنی رقم ادا کرنی ہوگی۔اوراس قسم کے سودتمام ادیان میں حرام تھے۔بائبل میں تصریح ہےاور جدید وقدیم دونوں میں یہ موجود ہے۔

حضورﷺ نے فرمایا:انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق میں اخلاق کومکمل کرنے آیا ہوں۔تو آپ ﷺ نے سودکی ان دوقسموں(مفرداورمرکب) کے علاوہ بقیہ ربٰو کی اقسام کوبھی حرام قراردیا اوروہ ربو الکیل بالکیل والجنس بلجنس مثلاً بمثل والفضل ربو ہے۔اس طرح ایک بات یہ ہے کہ آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ تجارت(بیوع) میں جوسود کے ریشے تھے انکوبھی نکال دیا جائے۔دوسری بات یہ کہ پہلے ادیان میں صرف ربٰوحرام تھااورشبہ ربٰوحرام نہیں تھا۔آپﷺ نے شبہ ربو کوبھی حرام قراردیا اور فقہاءکرام نے اس حدیث مشہورکو،جوکہ ربوٰ کی حرمت کی حدیث ہے،لیکر مختلف علل نکالی ہیں۔مہاجرین اس قسم کا قرض لیتے تھے۔اس لئے منع فرمایا۔بنکوں کا نظام بھی اسی قسم کا ہے۔لوگ ٹیکسوں سے ڈرتے ہیں۔اگر کاروبار کرتا ہے تو حکومت ٹیکس لگاتی ہےتو یہ سوچ کرکہ پیسوں کی حفاظت بھی ہوگی اورسال کے بعد اضافہ بھی ہوتا رہیگا۔اور پھر بینک یہ رقم دوسرے لوگوں کودگنے منافع(سود) پردیتا ہے جس میں بینک کا کچھ بھی دخل نہیں ہوتا یعنی دوسرے کے مال پرنفع کماتا ہے۔

یہ فلسفہ مارس نامی یہودی نے نکالا تھا۔اس نے سوچا کہ آدمی اپنے پیسے سے تونفع اٹھاتا ہی ہے لیکن دوسرے کے مال سے کیسے نفع اٹھائے!؟بینکوں کا یہ سارانظام اسی(یہودیانہ) سوچ کا نتیجہ ہے۔

ربٰوزیادتی کانام ہے۔قرآن کریم میں ہے واحل الله البیع وحرم الربو اورزیادتی بیع اورربٰودونوں میں ہے دونوں کو قرآن حکیم نے اکٹھاذکرکیا۔بیع کے معنی مبادلۃ المال بالمال الخ اورربٰو میں بھی زیادتی ہےلیکن ایک زیادتی(تجارتی منافع) حلال ہےاوردوسری زیادتی(سود) حرام ہے۔

جن مشرکین مکہ کے بارے میں یہ آیات قرآنیہ براہ راست نازل ہوئی تھیں وہ ان دونوں کے درمیان فرق نہیں کرتے تھے بلکہ کہتے تھے انـمـا البیع مثل الربو توبیع اورربٰو کےلفظ کاذکرکرکے یہ بیان کردیا کہ کون سی زیادتی حلال ہےاورکون سی زیادتی حرام ہے۔جب نفع کسی چیز کے عوض اورمقابلہ میں ہوگا تو وہ حلال ہوگا اور جب نفع کسی چیز کے عوض اور مقابلہ میں نہیں ہوگا تو وہ حرام ہوگا۔(مثلاًدس ہزارکی گندم خرید کربارہ ہزارروپے میں فروخت کردی تو یہ پوری رقم لیکروہ پوری گندم کے عوض اورمقابلہ میں ہےاوراگرکسی کودس ہزارروپےدیکرکچھ عرصہ کے بعد بارہ ہزارروپےوصول کئے تودس ہزارروپے کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ہے۔ یہی ربٰو ہے جسے قرآن کریم حرام قراردیتا ہے) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لفظ (بیع اورربٰو) استعمال کئے جن سے فرق خودبخود واضح ہوجائے۔کیونکہ تبادلہ کی سورت میں اگرچیز مقابلہ سے ہٹ جائے تو یا صرف اجل(مدت) مقابلہ پرہوگی یاصرف پیسے(رقم) مقابلہ پرہوں گے اوریہ دونوں ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے مقابل زیادتی وصول کرنا غیرمعقول ہے۔اسلئے یہ زیادتی ربٰوشمارہوتی

ہے اور یہ حرام ہے۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (اس ضمن میں) لغت کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اس صورت سے حاصل شدہ اموال کو اموال ربوی (بکسر الراء) کہا جاتا ہے۔

شرعی اصطلاح میں ربٰو نام ہے ھو الفضل الخالی عن المعاوضہ یعنی جس کے مقابلہ میں شے نہ ہو اور وہ عقود معاوضہ سے ہو اگر زیادتی نہیں یا زیادتی ہے مگر اس کے مقابل معاوضہ ہے تو یہ ربٰو نہیں ہے۔ (اسکا مطلب یہ ہو کہ عقود معاوضہ کے قبیل سے آپنے عقد کیا اور اس میں چیز وصول کر لی اور اسکا معاوضہ ادا نہیں کیا تو یہ ربٰو کہلائیگا اگر چہ اس صورت میں زیادتی یا کمی کا تصور نہیں ہے۔ یا آپنے معاوضہ تو ادا کیا مگر جو مقدار چیز کی طے ہوئی تھی اس سے زیادہ آپنے وصول کیا۔ لیکن اگر زیادتی کے بالمقابل آپکی طرف سے ادائیگی ہوئی ہے تو یہ ربٰو نہیں ہے) لہذا اگر کوئی چیز پانچ روپے کی لیکر دس روپے کی بیچی تو یہ ربٰو نہیں ہے۔

(ربٰو کی مذکورہ تعریف، قرآن وحدیث والے دونوں ربٰو (ربٰو النسیئہ۔ ربٰو الفضل) پر چل سکتی ہے۔

احل اللہ البیع وحرم الربو کی تشریح حدیث نے کی ہے۔ پھر آگے حدیث کی تشریح فقہاء نے کی ہے۔ اصل مسئلہ حدیث میں ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی تمام اصحاب صحاح ستہ نے اس کی تخریج کی ہے۔

یہ حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ محدثین کے اعتبار سے بھی مشہور ہے۔ بعض نے کہا کہ فقہاء کے اعتبار سے مشہور ہے۔ فقہاء کی مشہور یہ ہے کہ قرن اول میں خبر واحد ہو لیکن قرن ثانی وبعد میں مشہور ہو جائے۔ تو وہ بھی مشہور سمجھی جائیگی۔ بعض قاسین (قیاس کی دلیل شرعی تسلیم کرنیوالوں) نے ربٰو الفضل کی حدیث کو لیکر کہا کہ اس پر قیاس کے جائیگا اور یہ متعدی ہوگا۔ اور وہ ائمہ اربعہ اور انکے متبعین ہیں۔

بعض اصحاب ظواہر نے اس کو صرف چھ چیزوں تک محدود رکھا ہے۔ جنکا ذکر حدیث شریف میں موجود ہے۔ وہ اصحاب ظواہر محمد سلیمان بھی تھے اور موجودہ دور کے غیر مقلدین ہیں۔ غیر مقلدین سے ہمارا اختلاف اصولی ہے وجہ یہ ہے کہ اصحاب ظواہر نفات قیاس (قیاس کے حجت شرعی ہونیکی نفی کرنیوالے) ہیں۔ اور غیر مقلدین بھی قیاس کے منکر ہیں۔ چونکہ اصحاب ظواہر ان چھ میں تعدی نہیں مانتے لہذا ان کے نزدیک نوٹوں میں بھی ربٰو نہیں ہونا چاہئے کیونکہ نوٹ اشیاء ستہ (ان چھ چیزوں) میں سے نہیں ہے۔

قائسین نے کہا ہے کہ تمام ائمہ متفق ہیں کہ ان اشیاء میں تعدیہ ہوگا۔ یہ حدیث اشیاء ستہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ البتہ علت میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ وامام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک علت کیل مع الجنس اور وزن مع الجنس ہے۔ دوسرے الفاظ میں القدر مع الجنس ہے۔ بعض جگہ علت بسیط اور بعض جگہ مرکب ہوتی ہے۔ اور یہاں پر علت مرکب ہے اور قدر کہنا اشملہ کیونکہ اس میں تمام قسمیں آجاتی ہیں۔

ہدایہ کی شرح فتح القدیر کے مصنف امام کمال الدین بن الھمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے معدود اور مذروع اشیاء

بھی اسمیں داخل ہوجائیں گی۔حالانکہ ان میں زیادتی ربونہیں ہے۔ایک کم مقدار کا تھان دوسرے زیادہ مقدار کے تھان کے بدلے میں اوردن انڈے بیس انڈوں کے بدلے میں بیچ سکتے ہیں۔سودی اشیاء صرف وہ ہوں گی جن میں کیل مع الجنس اوروزن مع الجنس پایا جائیگا۔حاشیہ چلپی میں لکھا ہے کہ القدر میں الف لام عہدی ہے کیونکہ وہ قدر کیل اوروزن ہی ہے غیر نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ اورامام شافعی رحمہما اللہ کا نکتہ نظر یہ ہے کہ ہر حکم کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ہر حکم کے پس منظر میں علت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔پھر وہ علت بعض منصوص ہوتی ہے اوربعض منصوص نہیں ہوتی فقہاء غور وخوض کرکے علت کا استخراج کرتے ہیں۔علت منصوصہ کی مثال :حدیث شریف میں آتا ہے اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمسنّ یده فی الاناء حتی یغسلیا فانه لایدری این باتت یده ۔جہاں نجاست متوہمہ ہووہاں ہاتھ دھونا سنت ہے اورجہاں یقین ہواورنجاست ظاہر ہوتو وہاں ہاتھ دھونا فرض ہوگا۔یہاں علت منصوصہ این باتت یده ہےاسی طرح الطوفین والطوافات علت منصوصہ ہے۔اگر مکروہ یا حرام قراردیں تو حرج ہوگا۔

دوسری علت مستنبط ہے یہ صراحۃً مذکور نہیں ہوتی بلکہ حدیث میں حکم بیان کیا گیا ہےاس میں ایسے اشارات ہوتے ہیں کہ ان سے علت کا استنباط کرنے میں آسانی ہوجاتی ہے۔لیکن جب فقہاء کرام کسی حکم میں غور کرکے اس کی علت نکالنے کی کوشش کرتے ہیں تو فطری طور پر مختلف نقطہ ہائے نظر کی بناء پر علت مختلف ہوسکتی ہےاور ہر امام حدیث میں موجود ارشادات کی روشنی میں اپنے نقطہء نظر کے مطابق علت تجویز کرسکتا ہےاور یہ ایک سے زیادہ ہوسکتی ہیں۔

دونوں اوصاف سود نہ ہونے پر جواز بیع کا بیان

قَالَ (وَإِذَا عُدِمَ الْوَصْفَانِ الْجِنْسُ وَالْمَعْنَى الْمَضْمُومُ إلَيْهِ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَاءُ) لِعَدَمِ الْعِلَّةِ الْمُحَرِّمَةِ وَالْأَصْلُ فِيهِ الْإِبَاحَةُ .وَإِذَا وُجِدَا .حَرُمَ التَّفَاضُلُ وَالنَّسَاءُ لِوُجُودِ الْعِلَّةِ .

وَإِذَا وُجِدَ أَحَدُهُمَا وَعُدِمَ الْآخَرُ حَلَّ التَّفَاضُلُ وَحَرُمَ النَّسَاءُ مِثْلَ أَنْ يُسَلِّمَ هَرَوِيًّا فِي هَرَوِيٍّ أَوْ حِنْطَةً فِي شَعِيرٍ، فَحُرْمَةُ رِبَا الْفَضْلِ بِالْوَصْفَيْنِ وَحُرْمَةُ النَّسَاءِ بِأَحَدِهِمَا .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :الْجِنْسُ بِانْفِرَادِهِ لَا يُحَرِّمُ النَّسَاءَ ؛لِأَنَّ بِالنَّقْدِيَّةِ وَعَدَمِهَا لَا يَثْبُتُ إلَّا شُبْهَةُ الْفَضْلِ، وَحَقِيقَةُ الْفَضْلِ غَيْرُ مَانِعٍ فِيهِ حَتَّى يَجُوزَ بَيْعُ الْوَاحِدِ بِالِاثْنَيْنِ فَالشُّبْهَةُ أَوْلَى .

وَلَنَا أَنَّهُ مَالُ الرِّبَا مِنْ وَجْهٍ نَظَرًا إلَى الْقَدْرِ أَوْ الْجِنْسِ وَالنَّقْدِيَّةُ أَوْجَبَتْ فَضْلًا فِي

الْمَالِيَّةِ فَتَتَحَقَّقُ شُبْهَةُ الرِّبَا وَهِيَ مَانِعَةٌ كَالْحَقِيقَةِ، إِلَّا أَنَّهُ إِذَا أَسْلَمَ النُّقُودَ فِي الزَّعْفَرَانِ وَنَحْوِهِ يَجُوزُ، وَإِنْ جَمَعَهُمَا الْوَزْنُ لِأَنَّهُمَا لَا يَتَّفِقَانِ فِي صِفَةِ الْوَزْنِ، فَإِنَّ الزَّعْفَرَانَ يُوزَنُ بِالْأَمْنَاءِ وَهُوَ مُثَمَّنٌ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ، وَالنُّقُودُ تُوزَنُ بِالسَّنَجَاتِ وَهُوَ ثَمَنٌ لَا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ.

وَلَوْ بَاعَ بِالنُّقُودِ مُوَازَنَةً وَقَبَضَهَا صَحَّ التَّصَرُّفُ فِيهَا قَبْلَ الْوَزْنِ، وَفِي الزَّعْفَرَانِ وَأَشْبَاهِهِ لَا يَجُوزُ، فَإِذَا اخْتَلَفَا فِيهِ صُورَةً وَمَعْنًى وَحُكْمًا لَمْ يَجْمَعْهُمَا الْقَدْرُ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَتَنْزِلُ الشُّبْهَةُ فِيهِ إِلَى شُبْهَةِ الشُّبْهَةِ وَهِيَ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ.

ترجمہ

فرمایا: اور جب دونوں اوصاف سود یعنی جنس وقدر نہ پائے جائیں تو حرام کرنے والی علت کے نہ پائے کی وجہ سے کمی بیشی کے ساتھ اور ادھار کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے۔ کیونکہ بیع میں اصل اباحت ہے (قاعدہ فقہیہ) اور جب دونوں اوصاف پائے جائیں تو کمی بیشی یا ادھار سب طرح سے بیع حرام ہے کیونکہ حرمت کی علت موجود ہے اور جب ان میں سے ایک وصف پایا جائے اور دوسرا وصف نہ پایا گیا تو کمی بیشی حلال ہو جائے گی اور ادھار حرام رہے گا جس طرح کسی آدمی نے ہروی کپڑے کو دو ہروی کپڑوں میں بیع سلم کی یا گندم کا جو کے ساتھ سلم کرے۔ سود کی حرمت دونوں اوصاف کے ساتھ ہوگی جبکہ ادھار کی حرمت ایک وصف کے ساتھ ثابت ہو جائے گی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا کہ محض اکیلی جنس ادھار کو حرام کرنے والی نہیں ہے کیونکہ من وجہ نقدی ہونے اور من وجہ نقدی نہ ہونے کی وجہ سے صرف زیادتی کا شبہہ ثابت ہو سکتا ہے حالانکہ جنس کا پایا جانا یہ حقیقت میں اضافہ کے مانع نہ ہے۔ کیونکہ جب ایک ہروی کپڑے کو دو ہروی کپڑوں کے بدلے میں فروخت کرنا جائز ہے تو شبہہ اضافہ میں بدرجہ اولی مانع نہ ہوگا اور ادھار فروخت کرنا صحیح ہو جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ادھار فروخت کرنا یا اکیلے ہی قدر یا جنس کے سبب سے سود ہے جبکہ نقدی سے مال میں اضافہ ہوتا ہے پس سود کا شبہہ ثابت ہو جائے گا اور حقیقت سود کی طرح شبہہ سود بھی جواز کے مانع ہے ہاں البتہ جب کسی شخص نے زعفران وغیرہ میں نقدی کے ساتھ بیع سلم کی تو یہ جائز ہے خواہ ان دونوں کا وزن ایک ہی ہو۔ کیونکہ یہ دونوں وصف وزن کے متحد نہ ہوئے کیونکہ زعفران کا وزن من کے اعتبار کیا جاتا ہے اور من بھی ثمن والا ہوتا ہے اور معین کرنے سے معین بھی ہو جاتا ہے اور نقدی سنگ ترازو سے وزن کیے جاتے ہیں اور نقدیاں ثمن ہوتی ہیں جو معین کرنے سے معین نہیں ہوتیں۔

اور جب کسی شخص نے نقدی کے بدلے میں وزن کر کے زعفران کو بیچ دیا تو نقود میں وزن سے پہلے تصرف صحیح ہے جبکہ

زعفران میں وزن سے پہلے مشتری کیلئے تصرف کرنا درست نہیں ہے کیونکہ جب زعفران اور نقود کا وزن کے بارے میں صورت ، معنی اور حکم سب مختلف ہیں تو قدران کو ہر طرح جمع کرنے والی نہیں ہے لہذا ان میں شبہ یہ شبہ درشبہ کے حکم میں پہنچانے والا ہے اور شبہ درشبہ کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

اشیاء میں اختلاف جنس کے سبب کمی بیشی کے جواز کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو سونا سونے کے بدلے میں بیچو نہ چاندی چاندی کے بدلے میں نہ گیہوں گیہوں کے بدلے میں نہ جو جو کے بدلے میں نہ کھجور کھجور کے بدلے میں اور نہ نمک نمک کے بدلے میں ہاں برابر سرابر نقد بہ نقد یعنی دست بدست لین دین جائز ہے چنانچہ سونا چاندی کے بدل میں اور چاندی سونے کے بدلے میں گیہوں جو کے بدلے میں اور جو گیہوں کے بدلے میں اور کھجور نمک کے بدلے میں اور نمک کھجور کے بدلے میں دست بدست جس طرح چاہو خرید وفروخت کرو (نسائی ، مشکوۃ شریف : جلد سوم : حدیث نمبر 58)

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایسی دو چیزوں کا آپس میں لین دین کرو جو ہم جنس ہوں (جیسے گیہوں گیہوں کے بدلے میں) تو اس صورت میں برابر سرابر اور دست بدست ہونا ضروری ہے اور اگر ایسی دو چیزوں کا آپس میں لین دین کیا جائے جو ہم جنس نہ ہوں بلکہ الگ الگ جنس کی ہوں (جیسے گیہوں جو کے بدلے میں) تو اس صورت میں صرف دست بدست ہونا ضروری ہے برابر سرابر ہونا ضروری نہیں ہے

ہم جنس اشیاء کے باہمی تبادلے کا بیان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کا سونے کے ساتھ (برابر سرابر بھی) تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو (یعنی اگر دونوں طرف سے برابر سرابر اور دست بدست لین دین ہو تو پھر سود نہیں ہے) اسی طرح چاندی کا چاندی کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو گیہوں کا گیہوں کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو جو کا جو کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو کھجور کا کھجور کے ساتھ تبادلہ سود ہے الا یہ کہ لین دین دست بدست ہو۔ (بخاری ومسلم ، مشکوۃ شریف : جلد سوم : حدیث نمبر 52)

ہم جنس چیزوں میں ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تبادلے کے معاملے میں تین صورتیں ہوتی ہیں۔

1- یا تو دونوں طرف موزون ہوں یا کیل ہوں۔

2- دونوں طرف اشیاء نقد ہوں یا دونوں طرف ادھار ہوں۔

3- ایک طرف نقد ہو اور دوسری طرف کچھ دنوں کے لئے یا زیادہ دنوں کے لئے ادھار ہو ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت کے مطابق تو لین دین جائز ہوگا بشرطیکہ دونوں طرف مقدار برابر سرابر ہو کہ اگر وہ دونوں چیزیں موزون ہیں تو وزن میں

برابر ہوں اور اگر مکیل ہوں تو پیمانہ میں برابر ہوں اور یہ کہ دونوں طرف کی اشیاء نقد ہوں اور بعد کی دونوں صورتوں کے مطابق یعنی دونوں طرف ادھار یا ایک طرف ادھار ہونے کی صورت میں لین دین کا معاملہ جائز نہیں ہوگا اگرچہ مقدار کے اعتبار سے دونوں ہم جنس چیزیں برابر سرابر ہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے کسی ایسے ڈھیر کو کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو ایک معین پیانے کی کھجوروں کے بدلے میں لینے دینے سے منع فرمایا ہے(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 55)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لین دین کی اس صورت سے منع فرمایا ہے کہ ایک طرف تو کھجوروں کی غیر معین مقدار کا ڈھیر ہو اور دوسری طرف کھجوروں کی ایک مقدار مثلا دس یا بیس پیانے (یا دس یا بیس من) ہو کیونکہ ایسی صورت میں اس ڈھیر کی کھجوروں کی مقدار غیر معلوم ہوتی ہے ہوسکتا ہے کہ یہ ڈھیر دوسری طرف کی معین مقدار سے کم رہ جائے یا اس سے زیادہ ہو جائے اس کی وجہ سے ان دونوں ہی صورتوں میں سود کی شکل ہو جائے گی تاہم یہ ملحوظ رہے کہ لین دین کی یہ صورت باہم تبادلہ کی جانیوالی ایسی دو چیزوں کے درمیان ممنوع ہے جو ایک ہی جنس سے ہوں جیسا کہ اوپر کھجور کی مثال دی گئی ہے ہاں مختلف الجنس چیزوں کے لین دین میں یہ صورت ممنوع نہیں ہے کیونکہ مختلف الجنس چیزوں کا باہمی لین دین کمی بیشی کے ساتھ بھی جائز ہے۔

ادھار کے لین دین میں سود کے ہونے یا نہ ہونے کا بیان

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ادھار لین دین میں سود ہو جاتا ہے ایک اور روایت میں یوں ہے کہ اس لین دین میں سود نہیں ہوتا جو دست بدست ہو۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 63)

ادھار لین دین میں سود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سود کی صورت ایسے معاملے میں پیدا ہوتی ہے جس میں دو ہم قدر چیزوں کا باہمی تبادلہ ادھار کی شکل میں ہو کہ ایک فریق تو نقد دے اور دوسرا بعد میں دینے کا وعدہ کرے اگرچہ دونوں میں چیزوں کی جنسیں مختلف ہوں اور برابر سرابر ہوں مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو جو دے کر اس سے گیہوں لے تو اس لین دین میں کمی بھی جائز ہے بشرطیکہ دست بدست لین دین ہو اگر کسی ایک طرف سے بھی ادھار ہوگا تو پھر یہ معاملہ جائز نہ ہوگا اور سود کی صورت ہو جائے گی اسی طرح اس لین دین میں سود نہیں ہوتا جو دست بدست ہوگا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسی دو چیزوں کا باہمی تبادلہ کیا جائے جو ایک جنس کی ہوں اور برابر سرابر ہوں نیز دونوں فریق اپنی اپنی چیز اسی مجلس میں اپنے اپنے قبضے میں کرلیں تو یہ جائز ہوگا اور سود کی صورت نہیں ہوگی اور اگر دونوں چیزیں ایک جنس کی ہوں تو پھر کمی بیشی کے ساتھ لین دین میں بھی یہ معاملہ جائز ہوگا اور سود کی صورت نہیں ہوگی بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو۔

شبہہ کے سبب ترک بیع کا بیان

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ حلال بھی واضح

اور حرام بھی اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں کہ آیا وہ حلال چیزوں سے ہیں یا حرام چیزوں سے ہیں جس نے ان کو چھوڑا اس نے اپنا دین اور اپنی عزت محفوظ کرلی اور جو ان چیزوں میں مبتلا ہو گیا وہ حرام کام میں پڑنے کے قریب ہے جیسے کوئی چرواہا اپنے جانوروں کو سرحد کے قریب چراتا ہے تو اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حدود پار کر جائے جان لو بادشاہوں کی حدود ہوتی ہیں اور اللہ کی حدود اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1218)

ادھار کی بیع ادھار سے ممانعت کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا ہے۔
(رواہ الدار قطنی مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 91)

لفظ کالئی ہمزہ کے ساتھ بھی لکھا پڑھا جاتا ہے اور بغیر ہمزہ یعنی کالی بھی استعمال ہوتا ہے دونوں کلاء سے مشتق ہیں جس کے معنی ہیں تاخیر یا ادھار۔

ادھار کو ادھار کے ساتھ بیچنے کی صورت یہ ہے کہ مثلا ایک شخص کسی سے کوئی چیز ایک متعین مدت کے وعدے پر خریدے اور یہ طے ہو جائے کہ خریدار اس چیز کی قیمت جب اگلے ماہ کی فلاں تاریخ کو ادا کریگا تو بیچنے والا وہ چیز اسے دیدے گا مگر جب وہ متعین تاریخ آ جائے اور اسوقت بھی خریدار قیمت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو بیچنے والے سے یہ کہے کہ اب اس چیز کو ایک اور مدت کے لئے کچھ زیادہ قیمت پر فروخت کر دو مثلا اس نے وہ چیز دس روپے میں خریدی تھی اب یہ کہے کہ اسی چیز کو گیارہ روپے میں بیچ دو میں اگلے ماہ کی فلاں تاریخ کو گیارہ روپے ادا کر دوں گا بیچنے والا کہے کہ میں نے بیچ دی اس طرح یہ معاملہ آپس کے قبضہ کے بغیر طے ہو جائے کہ نہ تو بیچنے والا مبیع دے اور نہ خریدار اس کی قیمت ادا کرے بلکہ مبیع بیچنے والے کے پاس رہے اور قیمت خریدار کے پاس اور خرید و فروخت کا معاملہ طے ہو جائے اس طرح کی بیع کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کیونکہ یہ ایک ایسی بیع ہے جس میں قبضہ حاصل نہیں ہوتا۔

بعض حضرات نے اس کی ایک دوسری صورت یہ بیان کی ہے کہ مثلا عمرو کے پاس زید کا ایک کپڑا ہے اور عمرو ہی کے ذمہ بکر کے دس روپے ہیں اب زید بکر سے یہ کہے کہ عمرو کے پاس میرا جو کپڑا ہے اسے میں تمہارے ہاتھ ان دس روپوں کے عوض کہ جو تمہارے عمرو کے ذمہ ہیں بیچتا ہوں میں عمرو سے دس روپے لے لوں گا تم اس سے کپڑا لے لینا اور بکر کہے کہ مجھے یہ منظور ہے یہ بیع بھی ناجائز ہے کیونکہ اس میں بھی قبضہ حاصل نہیں ہوتا۔

منصوص علیہ اشیاء کی حرمت کے دائمی ہونے کا بیان

قَالَ (وَكُلُّ شَيْءٍ نَصَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى تَحْرِيمِ التَّفَاضُلِ فِيهِ كَيْلًا فَهُوَ مَكِيلٌ أَبَدًا، وَإِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْكَيْلَ فِيهِ مِثْلَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالتَّمْرِ وَالْمِلْحِ

وَكُلُّ مَا نَصَّ عَلَى تَحْرِيمِ التَّفَاضُلِ فِيهِ وَزْنًا فَهُوَ مَوْزُونٌ أَبَدًا، وَإِنْ تَرَكَ النَّاسُ الْوَزْنَ فِيهِ مِثْلُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ) لِأَنَّ النَّصَّ أَقْوَى مِنَ الْعُرْفِ وَالْأَقْوَى لَا يُتْرَكُ بِالْأَدْنَى (وَمَا لَمْ يَنُصَّ عَلَيْهِ فَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى عَادَاتِ النَّاسِ) لِأَنَّهَا دَلَالَةٌ.

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ الْعُرْفُ عَلَى خِلَافِ الْمَنْصُوصِ عَلَيْهِ أَيْضًا لِأَنَّ النَّصَّ عَلَى ذَلِكَ لِمَكَانِ الْعَادَةِ فَكَانَتْ هِيَ الْمَنْظُورُ إِلَيْهَا وَقَدْ تَبَدَّلَتْ، فَعَلَى هَذَا لَوْ بَاعَ الْحِنْطَةَ بِجِنْسِهَا مُتَسَاوِيًا وَزْنًا، أَوْ الذَّهَبَ بِجِنْسِهِ مُتَمَاثِلًا كَيْلًا لَا يَجُوزُ عِنْدَهُمَا، وَإِنْ تَعَارَفُوا ذَلِكَ لِتَوَهُّمِ الْفَضْلِ عَلَى مَا هُوَ الْمِعْيَارُ فِيهِ، كَمَا إِذَا بَاعَ مُجَازَفَةً إِلَّا أَنَّهُ يَجُوزُ الْإِسْلَامُ فِي الْحِنْطَةِ وَنَحْوِهَا وَزْنًا لِوُجُودِ الْإِسْلَامِ فِي مَعْلُومٍ.

ترجمہ

اور ہر وہ چیز جس میں زیادتی کی حرمت رسول اللہ ﷺ نے بیان کردی ہے وہ مکیلی چیز ہمیشہ کیلئے حرام ہوجائے خواہ لوگوں نے اس میں کیل کرنا ترک کردیا ہو جس طرح گندم، جو، نمک اور چھوہارہ ہے اور ہر وہ چیز جس میں وزن کے اعتبار سے نبی کریم ﷺ نے حرمت تفاضل کو بیان کردیا ہے تو وہ ہمیشہ موزونی رہے گی خواہ لوگوں نے اس کے وزن کو چھوڑ دیا ہو جس طرح سونا چاندی ہے۔ کیونکہ نص عرف سے قوی ہے اور ادنیٰ کے سبب زیادہ قوی کو ترک نہیں کیا جاسکتا ہے اور جس چیز کے بارے میں حدیث میں کوئی صراحت بیان نہیں ہوئی ہے وہ لوگوں کی عادت پر محمول کی جائے گی کیونکہ جواز حکم کیلئے عادت دلیل ہوا کرتی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے منصوص علیہ کے خلاف بھی عرف کا اعتبار کیا ہے کیونکہ مکیلی وموزونی میں کیل ووزن کی تصریح عرف کے سبب سے ہے پس اس بارے میں عادت کا ہی اعتبار کیا جائے گا اور عادت کبھی کبھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ لہذا اس اصول کے مطابق جب کسی نے گندم کو گندم کے بدلے میں وزن کر کے برابر فروخت کیا یا سونے کو سونے بدلے میں ناپ کر بیچ دیا تو طرفین کے نزدیک بیع درست نہ ہوگی خواہ لوگوں میں اسی کا عرف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس میں جو معیار ہے وہ اس پر زیادتی کا وہم ہے جس طرح اس صورت میں ہے جب کسی نے اندازے سے بیچ دیا ہے جبکہ گندم وغیرہ کو بیع سلم کر کے بیچنا درست ہے کیونکہ بیع سلم معلوم چیز میں پائی جارہی ہے۔

منصوص علیہ اشیاء میں مساوات پر بیع میں مذاہب اربعہ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے سونا برابر بیچو اور اسی طرح چاندی کے عوض چاندی، کھجور کے بدلے کھجور، گیہوں کے بدلے گیہوں، نمک کے بدلے نمک، اور جو کے عوض جو برابر

فروخت کرو جس نے زیادہ لیا یا دیا اس نے سود کا معاملہ کیا۔ پس سونا چاندی کے عوض، گیہوں کھجور کے عوض اور جو کھجور کے بدلے جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔

اس باب میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، اور بلال رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے بعض راوی یہ حدیث اسی سند سے خالد سے بھی روایت کرتے ہیں اس میں یہ الفاظ ہیں گیہوں کے بدلے جو کہ جس طرح چاہو فروخت کرنا لیکن نقد و نقد ہونا شرط ہے۔ بعض راوی یہ حدیث خالد سے وہ ابوقلابہ سے وہ ابوالاشعث سے وہ عبادہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اور اس میں یہ الفاظ زیادہ کرتے ہیں کہ خالد ابوقلابہ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ گیہوں جو کے عوض جیسے چاہو فروخت کرو۔

اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ گند کو گندم کے عوض برابر ہی بیچا جا سکتا ہے اور اسی طرح جو کے عوض جو بھی برابر برابر فروخت کیے جا سکتے ہیں یعنی اگر جنس مختلف ہو تو کمی بیشی سے بیچنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ سودا نقد ہو، اکثر صحابہ کرام اور دیگر علماء کا یہی قول ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کے عوض گندم جس طرح چاہو فروخت کرو لیکن شرط یہ ہے کہ نقد و نقد ہو اہل علم کی ایک جماعت نے جو کے بدلے گندم بڑھا کر بیچنے کو مکروہ کہا ہے امام مالک بن انس کا یہی قول ہے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1257)

سود و شراب کے معاونین کے بارے میں وعید کا بیان

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی پہلی اینٹ بھی نہیں رکھی جاتی جب تک جاہلیت سے کلی علیحدگی اور بے زاری نہ ہو جائے۔ اسلام کی بنیاد توحید پر ہے۔ اس عقیدہ توحید کا اظہار جن لفظوں میں کیا جاتا ہے وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں کے الفاظ ہیں۔ ان الفاظ کا جائزہ لیجیے اور ان کے معانی پر غور کیجیے۔ بات یوں نہیں فرمائی گئی کہ اللہ ایک ہے۔ اَللّٰہُ اَحَدٌ، بلکہ اس طرح کہی گئی ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم اسلام کی بنیاد رکھنے سے پہلے جاہلیت کی بیخ کنی ضروری سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معبودیت کے اثبات پر ہر غیر اللہ کی نفی کو مقدم ٹھہراتا ہے۔ ٹھیک یہی بات ہے جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے ۔فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ ۔(البقرہ)

جو شخص طاغوت سے کفر کرتا ہے اور اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔

حقیقتِ توحید کی ان قرآنی تعبیرات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بنائے اسلام و ایمان میں طاغوت سے کفر یعنی جاہلیت سے کنارہ کشی کی کیا اہمیت ہے۔ اگر کوئی منفی حقیقت کسی مثبت شئے کی بنیاد ہو سکتی تو بلاخوف تردید کہا جا سکتا تھا کہ اسلام کی خشتِ اول جہل و طاغوت کا یہی انکار ہے۔ کیوں کہ ایمان باللہ کا ذکر بھی قرآن مجید کفر بالطاغوت کے بعد کرتا ہے اور یہ ٹھیک اس کلی ضابطے کے مطابق ہے، جس کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے۔ یعنی یہ کہ کسی شئے کے وجود کے لیے اس کی ضد کا معدوم ہونا ضروری ہے۔ اس لیے

ایمان باللہ کا وجود اس امر کو مستلزم ہے کہ ذہن ایمان بالطاغوت کی نجاستوں سے آگاہ ہو چکا ہو۔

یہ تو ہوا اسلام اور جاہلیت کے مکمل تضادِ فطری کا اجمالی بیان، اسی پر تفصیلات کو بھی قیاس کر لیجیے۔ یہ ایک نہایت موٹی سی بات ہے کہ جن دو چیزوں میں بنیادی اختلاف اور فطری تضاد ہوان کے لوازم، تفصیلات اور جزئیات کے اندر بھی ہم آہنگی نہیں ہو سکتی۔ بنیاد کا اختلاف جتنا گہرا اور سنگین ہوگا، فروع میں ہم آہنگی اتنی ہی زیادہ ناممکن ہوگی۔ اسلام اور جاہلیت میں جو زبردست فطری تضاد ہے وہ آپ پر روشن ہے۔ ایسی صورت میں یہ کیوں کر باور کیا جا سکتا ہے کہ اسلام جاہلیت کی مختلف صورتوں میں سے کسی صورت کو اور اس کے بے شمار لوازم میں سے کسی لازمے کو اپنی مرضی سے زندہ رہنے کا اذن دے گا۔ چنانچہ اس نے نہ صرف یہ کہا ہے کہ ان کے قریب نہ جاؤ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ان کے ارتکاب میں معاونت تک نہ کرو، کہ جبینِ ایمانی پر یہ ایک شرمناک داغ ہوگا:

● وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ)

اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ گناہ اور ظلم وزیادتی کے کام اور جاہلیت کے کام، دونوں ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ بقول امام بخاری اَلْمَعَاصِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ ۔ معاصی جاہلیت کے کام ہیں (بخاری کتاب الایمان) اس لیے اگر اس آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا جائے تو کوئی فرق نہ واقع ہو جائے گا جاہلیت کے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔

اس پالیسی کی عملی مثالیں

گناہ یا زیادتی کے کاموں میں یا جاہلیت کے کاموں میں تعاون نہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟ اس کی عملی شرح کیا ہے؟ اسے مثالوں کے ذریعے اور خود ارشاداتِ رسول ﷺ کی روشنی میں دیکھیے۔ سود خوری، جو ایک گناہ کا کام ہے اور جاہلیت کا لازمہ، اس کے بارے میں حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَه وَكَاتِبَه وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔
(صحیح مسلم کتاب المساقاۃ)

اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے سود لینے والے پر، سود دینے والے پر، سودی دستاویز لکھنے والے پر اور سودی معاملے کے گواہوں پر اور فرمایا کہ یہ سب اس گناہ میں یکساں شریک ہیں۔ ایک دوسرے گناہ شراب خوری کے متعلق آنحضرت کا ارشاد ہے:

لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ۔
(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ)

اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، اس کے پینے والے پر، اس کے پلانے والے پر، اس کے خریدنے والے پر، اس کے نچوڑنے والے پر، اس کے نچڑوانے والے پر، اس کے اٹھا کر لے جانے والے پر اور اس شخص کے اوپر جس کے یہاں لے جا کر رکھی جائے۔

ان الفاظ سے اندازہ کیجیے کہ گناہ تو گناہ، اعانت گناہ بھی کتنی بڑی بات ہے اور اعانت بھی کیسی اعانت؟ بس شراب کا پیالہ تھما دیجیے یا بازار سے خرید کر لا دیجیے یا کشید کر دیجیے، کسی سودی دستاویز کو لکھ دیجیے یا اس پر گواہی کا دستخط یا انگوٹھے کا نشان ہی دے دیجیے۔ کیا معاذ اللہ، خاکم بدہن، یہ رسول خدا ﷺ کا زور خطابت تھا، جو آپ نے شراب اور سود کے بارے میں ایسے تیز و تند کلمات ارشاد فرمائے ہیں؟ حاشا وکلا، کہ کسی ایسی بدگمانی کا کوئی مسلمان تصور بھی کر سکے۔ یقیناً آپ نے ان کلمات میں دین کی وہی اصولی حقیقت بے نقاب فرمائی ہے، جس کا آیت مذکور بالا سے اجمالی تعارف ہوتا ہے۔ درحقیقت ان دونوں حدیثوں کی حیثیت اسی آیت وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کی مثال کی سی ہے اور انہی پر دوسرے امور معصیت کو قیاس کرنا چاہیے۔

یہ گمان نہ ہو کہ چوں کہ دوسرے معاصی کا آپ نے اس طرح ذکر نہیں فرمایا ہے، اس لیے کیا عجب، جو یہ وعید انہی دو چیزوں کے حق میں مخصوص ہو۔ کیوں کہ یہ گمان اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب یہ مان لیا جائے کہ احکام شرع اور ہدایات رسول میں نیکی و بدی یا نفع و نقصان کا کوئی بنیادی فلسفہ کام نہیں کر رہا ہوتا ہے اور وہ اپنی تہ میں نہ کوئی بنیاد رکھتے ہیں نہ کوئی علت۔ مگر کون مسلمان ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں اس گستاخی اور بدذوقی کی تاب لا سکتا ہے۔ پس یہ حقیقت سے بہت بعید ہے کہ یہ شدت وعید صرف انہی دو چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ یہ کسی متعین اصول کے تحت ہے نہ کسی خاص علت کی بنا پر۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ایسا جو فرمایا گیا تو اسی وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کے اصول کے تحت فرمایا گیا، اور سودی معاملات کی دستاویز نویسی اور گواہی جیسی بظاہر بالکل معصوم باتوں کو اگر سزاوار لعنت بنایا گیا تو اسی لیے کہ اگرچہ وہ بجائے خود معصیت نہیں مگر ان میں ارتکاب معصیت کی معاونت پائی جاتی ہے اور جب حقیقت نفس الامری یہ ہے تو کھلی بات ہے، جہاں بھی یہ علت پائی جائے گی اور جس جگہ بھی یہ اصول تعاون منطبق ہوتا نظر آئے گا، وہاں لازماً یہی حکم لگایا جائے گا جو سود و شراب کے سلسلے میں لگایا گیا ہے۔ یہی ظنی نہیں بلکہ نہایت جلی قیاس ہوگا۔ ہاں نہ سارے گناہ ہی ایک درجے کے گناہ ہیں نہ ان کی اعانت ہی یکساں درجے کی معصیت ہے۔ حتیٰ کہ خود ایک گناہ کی اعانت کی جو مختلف شکلیں ہوتی ہیں، ان سب کی شناعت بھی ہم مرتبہ نہیں۔ شراب پینے والے کے حصے میں جو لعنت آئے گی وہ پلانے والے کے حصے میں نہیں ہو سکتی، سود خوار جس غضب الٰہی کا مستحق ہے گواہ اس کا سزاوار نہیں بن سکتا۔ اس طرح جو گناہ شراب نوشی اور سود خواری سے نسبتاً ہلکے گناہ ہیں ان کی سزا بھی ان کے ارتکاب کا تعاون ہے۔ مگر بایں ہمہ یہ بات اپنی جگہ ناقابل انکار ہے کہ گناہ خواہ کوئی ہو اس کے ارتکاب میں معمولی سے معمولی تعاون بھی بجائے خود ایک گناہ ہے، جاہلی حرکت ہے، جرم ہے اور اسلام کے خلاف جرم ہے۔

امثلہ مذکورہ کا سبب انتخاب کا بیان

لیکن اس کے باوجود یہ سوال اپنی جگہ ضرور قابل غور ہے کہ وہ کیا خاص بات تھی، جس کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے تعاون علی الاثم کی تفصیل بیان کرنے کے لیے بطور مثال انہی دو امور معصیت کو منتخب فرمایا؟ تو بات دراصل یہ تھی یہ وہ جرائم ہیں جو اہل عرب کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے نسلوں سے لوگ ان کے رسیا چلے آ رہے تھے، ان کے نظام معاش و تمدن میں یہ ریڑھ کی ہڈی بن چکے

تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ ان کی بابت فسق و معصیت ہونے کا تصور بھی ذہنوں سے محو ہو چکا تھا۔ سود کے بارے میں ان کا یہ معاشی تصر قرآن میں اب تک محفوظ ہے کہ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا بیع وشرا تو سود ہی کے ہم مثل ہیں۔ (البقرہ)

ربا شراب کا معاملہ تو کچھ نہ پوچھیے کہ یہ اُمُّ الخبائث ان کی نگاہ میں کتنے بے شمار اخلاقی اور مادی محاسن کا پیکر تھی۔ ربا تو خیر خد اباحت کے اندر ہی تھا اور اسے صرف ایک ناگزیر تمدنی و معاشی ضرورت کا نام دے کر مقبول عام بنا دیا گیا تھا۔ مگر اس جام و ساغر نے تو دینی تقدس پر بھی چھاپے مار رکھے تھے۔ شراب خوری عربی اخلاقیات میں اباحت کے مقام سے اٹھ کر استحسان کے مقام تک جا پہنچی تھی۔ بل کہ اس سے بھی آگے کسی اور بلند درجے پر فائز تھی۔ یعنی وہ ان کے خیال میں مکارمِ اخلاق کا سرچشمہ تھی، اس سے سخاوت، دریا دلی اور غربا پروری کے سوتے پھوٹتے تھے، وہ جسم میں شہامت اور جاں بازی کی بجلیاں بھر دیتی تھی۔ بھلا ایسی مقوی بدن ہی نہیں، بل کہ مقوی اخلاق شئے بھی قابل نفرت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ جب قرآن نے ابتداً اس کے مفاسد کی طرف اشاروں ہی اشاروں میں کچھ کہا تو اہل جاہلیت کو نہیں، خود اہل اسلام کو ایک تعجب سا ہوا اور جنابِ رسالت ﷺ میں یہ سوال پیش کر ہی دیا گیا کہ شراب کے بارے میں آخر شریعت کیا کہتی ہے۔ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ (البقرہ) مطلب یہ تھا کہ شراب صفات عالیہ کا ایک زبردست ذریعہ ہے، خالص دینی نقطہ نگاہ سے بھی اس میں غیر معمولی فائدے ہیں، پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے حق میں وحی کے تیور بدلے ہوئے کیوں نظر آتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اس میں بلاشبہ بہت سے خیر و منفعت کے پہلو ہیں، دنیوی اور مادی حیثیت ہی سے نہیں، بل کہ خالص اخلاقی اور دینی حیثیت سے بھی، مگر ان وجوہِ خیر کے مقابلے میں ان کے اندر جو وجوہِ شر ہیں، وہ ان سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس لیے اس کو ایک مستحسن فعل اور عادت سمجھنے کے فریب میں نہ رہو۔ اسے آج نہیں تو کل چھوڑنا ہی پڑے گا۔

قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط (البقرہ)

تو کہہ، ان میں گناہ بڑا ہے، اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ فائدے سے بڑا ہے۔ جو بُرائیاں بھلائیوں کا روپ اختیار کر لیتی ہیں اور سوسائٹی میں ان کو بہ نظرِ استحسان دیکھا جانے لگتا ہے، ان کا رشتہ جذبات سے کتنا گہرا اور مستحکم ہوتا ہے اور وہ کس طرح لوگوں کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہیں۔ اس لیے ایسی بُرائیوں کا مٹانا بڑا ہی دشوار کام ہے اور بڑی حکمتوں سے انجام پاتا ہے۔ چنانچہ شراب اور سود کے بارے میں جو یہ خاص رویہ شارع حکیم نے اختیار فرمایا کہ بتدریج اسے حرام کیا، وہ دراصل اسی وجہ سے تھا اور جب پوری سوسائٹی کی اچھی طرح ذہنی تربیت کر لینے کے بعد ان اشیا کی قطعی حرمت کا آخری فرمان جاری ہو گیا تو ضروری تھا کہ آیندہ کے لیے ان خیر نما مفاسد کی طرف جانے کے سارے دروازے انتہائی مضبوطی کے ساتھ بند کر دیے جائیں۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے، جو معلم حکمت بھی تھے اور مزکی نفوس بھی، وہ الفاظ فرمائے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے اور اس طرح کی وعیدیں سنائیں، جن کی نظیر نہیں ملتی۔

ایک اصولی نکتہ

مخصوص طور پر شراب اور سود کے بارے میں شارع علیہ السلام کی یہ شدتِ نکیر اصولِ تشریع کے ایک اہم نکتے کا پتا دیتی ہے اور وہ یہ کہ بعض گناہوں کی شناعت اگر چہ بہ جائے خود بہت زیادہ نہ ہو، مگر بعض خارجی مصالح اور عوارض ایسے ہو سکتے ہیں، جن کی بنا پر شناعت المضاعف ہو جائے، یہاں تک کہ وہ ضرب المثل بن جائے۔ مخصوص مصالح سے قطع نظر شراب اور سود کا اپنا ذاتی مفسدہ قتل اور زنا جیسے گناہوں سے بہت ہلکا ہے۔ لیکن ان خاص اسباب وعوارض کی وجہ سے، جن کا اوپر ذکر ابھی گزرا، شراب نوشی اور سود خوری کو ایسے مسلّم گناہوں سے بھی بدتر معصیت قرار دیا گیا۔ حتیٰ کہ ایک درہم سود کھانا چھتیس بار زنا کرنے سے بھی زیادہ قبیح فعل ٹھہرایا گیا۔ عادی مے نوش کی موت کو اگر اس نے توبہ نہ کی ہو، بت پرست کی موت سے تشبیہ دی گئی۔ ایسا کیوں ہوا؟ محض اس بنا پر کہ ان چیزوں کی بابت یہ تصور ہی بھلا دیا گیا تھا کہ وہ کوئی گناہ کے کام ہیں اور ایک مدت سے ان کے بارے میں یہ گمان کیا جا رہا تھا کہ یہ تو ناگزیر تمدنی اور معاشی ضرورتیں ہیں اور فی الواقع دین و دیانت کے دائرہ بحث میں ہیں بھی نہیں، یا پھر یہ مکارم اخلاق کا ذریعہ ہیں۔

گویا اصول یہ ٹھہرا کہ خواہ کوئی اپنی جگہ کم وزن ہی کیوں نہ ہو مگر جب اس کو قبول عام حاصل ہو جائے، اس کو معاشرت اور معاش کی ناگزیر ضرورت کی حیثیت دے دی جائے، اس کو اخلاقی فضائل کا موجب قرار دے دیا جائے تو اس کا وزن اپنی فطری مقدار سے کہیں زیادہ ہو جائے گا۔ یہی حال نیکیوں کا بھی ہے، ایک چھوٹی سی نیکی بھی بسا اوقات مدارِ ایمان نظر آنے لگتی ہے۔ جب اس کو عام طور سے عملاً بے وقار سمجھ لیا جائے۔ ایک مٹی ہوئی سنتِ رسول ﷺ کا از سرِ نو زندہ کرنے والا سو شہیدوں کا ثواب پاتے [illegible] گیا ہے تو اسی بنیاد پر اور اگر کبھی مسح علی الخفین تک کو ایمانیات کے بیان میں شامل فہرست کیا گیا ہے، تو اسی اصول کے تحت۔ ورنہ بہ جائے خود کہاں راہِ حق میں جانِ عزیز کا سو بار نثار کرنا اور کہاں کسی ایک جزوی سنت کا اتباع، کہاں ایمان اور کہاں موزوں کا مسح۔

رطل سے فروخت ہونے والی چیز کے وزنی ہونے کا بیان

قَالَ (وَكُلُّ مَا يُنْسَبُ إِلَى الرَّطْلِ فَهُوَ وَزْنِيٌّ) مَعْنَاهُ مَا يُبَاعُ بِالْأَوَاقِي لِأَنَّهَا قُدِّرَتْ بِطَرِيقِ الْوَزْنِ حَتَّى يُحْتَسَبَ مَا يُبَاعُ بِهَا وَزْنًا، بِخِلَافِ سَائِرِ الْمَكَايِيلِ، وَإِذَا كَانَ مَوْزُونًا فَلَوْ بِيعَ بِمِكْيَالٍ لَا يُعْرَفُ وَزْنُهُ بِمِكْيَالٍ مِثْلِهِ لَا يَجُوزُ لِتَوَهُّمِ الْفَضْلِ فِي الْوَزْنِ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَازَفَةِ .

ترجمہ

فرمایا: اور ہر وہ چیز جس کو رطل کی منسوب کیا جائے تو وہ وزن والی ہوگی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو اوقیہ کے ساتھ

فروخت کیا جاتا ہو۔ وہ وزنی ہے کیونکہ اوقیہ کا اندازہ وزن سے کیا جاتا ہے لہذا اوقیہ سے فروخت ہونے والی چیزوں کو وزنی شمار کیا جائے گا۔ بہ خلاف تمام پیمانوں کے، اور جب رطل کی جانب منسوب ہونے والی چیز موزونی ہوئی تو اس چیز کو ایسے پیمانے سے جس کا وزن معلوم نہ ہو تو بیع جائز نہ ہوگی یا اسی جیسے پیمانے کے بدلے میں بیچا گیا تو بھی جائز نہ ہوگی کیونکہ اندازے سے فروخت کرنے کی طرح وزن میں بھی زیادتی کا احتمال رہ جاتا ہے۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دینار، دینار کے بدلے میں اور درہم درہم کے بدلے میں (بیچا جا سکتا ہے) اس پر میں نے ان سے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تو اس کی اجازت نہیں دیتے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق پوچھا کہ آپ نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا یا کتاب اللہ میں آپ نے اسے پایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ان میں سے کسی بات کا میں دعویدار نہیں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی احادیث) کو آپ لوگ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ البتہ مجھے اسامہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مذکورہ صورتوں میں) سود صرف ادھار کی صورت میں ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۱۷۹)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ بیاج اس صورت میں ہوتا ہے جب ایک طرف ادھار ہو۔ اگر نقد ایک درہم دو درہم کے بدلے میں بیچے تو یہ درست ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دلیل یہ حدیث ہے لا ربوا الا فی النسیئۃ۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فتوی پر جب اعتراضات ہوئے تو انہوں نے کہا میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ کی کتاب میں میں نے یہ مسئلہ پایا ہے، نہ یہ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کیونکہ میں اس زمانہ میں بچہ تھا اور تم جوان تھے۔ رات دن آپ کی صحبت بابرکت میں رہا کرتے تھے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتوے کے خلاف اب اجماع ہو گیا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ محمول ہے اس پر جب جنس مختلف ہوں۔ جیسے ایک طرف چاندی دوسری طرف سونا، یا ایک طرف گیہوں اور دوسری طرف جوار ہو ایسی حالت میں کمی بیشی درست ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حدیث لا ربوا الا فی النسیئۃ منسوخ ہے مگر صرف احتمال سے نسخ ثابت نہیں ہو سکتا۔ صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نہیں ہے سود اس بیع میں جو ہاتھوں ہاتھ ہو۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا۔

شوکانی لکھتے ہیں کہ حازمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس سے رجوع اور استغفار نقل کیا ہے جب انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے سے اس بیع کی حرمت میں فرمان رسالت ﷺ سنا تو افسوس کے طور پر کہا کہ آپ لوگوں نے فرمان رسالت ﷺ یاد رکھا، لیکن افسوس کہ میں یاد نہ رکھ سکا۔ اور بروایت حازمی انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے جو کہا تھا وہ صرف میری رائے تھے، اور میں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث نبوی ﷺ سن کر اپنی رائے کو چھوڑ دیا۔

عقد صرف کے سوا میں تعین ربوا کا بیان

قَالَ (وَعَقْدُ الصَّرْفِ مَا وَقَعَ عَلَى جِنْسِ الْأَثْمَانِ يُعْتَبَرُ فِيهِ قَبْضُ عِوَضَيْهِ فِي الْمَجْلِسِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ هَاءَ وَهَاءَ) " مَعْنَاهُ يَدًا بِيَدٍ، وَسَنُبَيِّنُ الْفِقْهَ فِي الصَّرْفِ إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

قَالَ (وَمَا سِوَاهُ مِمَّا فِيهِ الرِّبَا يُعْتَبَرُ فِيهِ التَّعْيِينُ وَلَا يُعْتَبَرُ فِيهِ التَّقَابُضُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِي بَيْعِ الطَّعَامِ) . لَهُ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الْحَدِيثِ الْمَعْرُوفِ (يَدًا بِيَدٍ) وَلِأَنَّهُ إذَا لَمْ يُقْبَضْ فِي الْمَجْلِسِ فَيَتَعَاقَبُ الْقَبْضُ وَلِلنَّقْدِ مَزِيَّةٌ فَتَثْبُتُ شُبْهَةُ الرِّبَا .

وَلَنَا أَنَّهُ مَبِيعٌ مُتَعَيَّنٌ فَلَا يُشْتَرَطُ فِيهِ الْقَبْضُ كَالثَّوْبِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْفَائِدَةَ الْمَطْلُوبَةَ إنَّمَا هُوَ التَّمَكُّنُ مِنْ التَّصَرُّفِ وَيَتَرَتَّبُ ذَلِكَ عَلَى التَّعْيِينِ، بِخِلَافِ الصَّرْفِ لِأَنَّ الْقَبْضَ فِيهِ لِيَتَعَيَّنَ بِهِ ؛ وَمَعْنَى قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (يَدًا بِيَدٍ) " عَيْنًا بِعَيْنٍ، وَكَذَا رَوَاهُ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَتَعَاقُبُ الْقَبْضِ لَا يُعْتَبَرُ تَفَاوُتًا فِي الْمَالِ عُرْفًا، بِخِلَافِ النَّقْدِ وَالْمُؤَجَّلِ .

ترجمہ

فرمایا: عقد صرف کے سواوہ اموال جن میں سود ہے ان میں تعین کرنے کا اعتبار ہوگا جبکہ باہم قبضے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔اور اناج کی بیع اناج کے بارے میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔اوران کی دلیل حدیث مشہور جس میں یدا بید فرمایا گیا ہے کیونکہ قبضہ جب مجلس میں نہ ہوگا تو وہ اس کے بعد واقع ہوگا جبکہ نقد کوایک طرح سے فرق حاصل ہے پس سود کا شبہ ثابت ہوجائیگا

ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد صرف کے سوا جو چیز بھی مبیع ہے وہ متعین ہے پس اس میں قبضہ شرط نہیں ہے جس طرح کپڑے میں ہے اور یہ اس دلیل کے سبب سے ہے کہ بیع سے جو فائدہ مطلوب ہے وہ تصرف پر قدرت رکھنا ہے اور یہ تصرف متعین کرنے کی وجہ سے متعین ہو جائے گا۔ بہ خلاف بیع صرف کے کیونکہ عقد صرف میں قبضہ اسی لئے ہوتا ہے کہ اس سے جنس معین ہو جائے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی یدا بید کا معنی عینا بعین ہے اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور قبضہ کو بعد میں واقع ہونا یہ عرف کے مطابق مال میں کسی قسم کا فرق ثابت کرنے والا نہیں ہے جبکہ نقد اور موجل میں ایسا نہیں ہے۔

شرح

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ عبدالرحمن بن اسود کے جانور کا چارہ تمام ہوگیا انہوں نے اپنے غلام سے کہا گھر

سے گیہوں لے جاؤ اور اس کے برابر جو تلوالا۔ ابن معیقب دوسری سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اتفاقی ہے کہ نہ بیچا جائے گا گیہوں کے بدلے میں گیہوں اور کھجور کے بدلے کھجور اور گیہوں کے بدلے میں کھجور اور کھجور کے بدلے میں انگور مگر نقدا نقد کسی طرف میعاد نہ ہو اگر میعاد ہوگی تو حرام ہو جائے گا اسی طرح جتنی چیزیں روٹی کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اگر ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ بدلے تو نقدا نقد لے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جتنی کھانے کی چیزیں ہیں یا روٹی کے ساتھ لگانے کی جب جنس ایک ہو تو ان میں کمی بیشی درست نہیں۔ مثلاً ایک مد گیہوں کو دو مد گیہوں کے بدلے میں یا ایک مد کھجور کو دو مد کھجور کے بدلے میں یا ایک مد انگور کو دو مد انگور کے بدلے میں نہ بیچیں گے اسی طرح جو چیزیں ان کے مشابہ ہیں کھانے کی یا روٹی کے ساتھ لگانے کی جب ان کی جنس ایک ہو تو ان میں کمی بیشی درست نہیں اگر چہ نقدا نقد ہو جیسے کوئی چاندی کو چاندی کے بدلے میں اور سونے کو سونے کے بدلے میں اور بیچے تو کمی بیشی درست نہیں بلکہ ان سب چیزوں میں ضروری ہے کہ برابر ہوں۔ اور نقدا نقد ہوں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب جنس میں اختلاف ہو تو کمی بیشی درست ہے مگر نقدا نقد ہونا چاہیے جیسے کوئی ایک صاع کھجور کو دو صاع گیہوں کے بدلے میں یا ایک صاع کھجور کو دو صاع انگور کے بدلے یا ایک صاع گیہوں کے دو صاع گھی کے بدلے میں خریدے تو کچھ قباحت نہیں جب نقدا نقد ہوں میعاد نہ ہو اگر میعاد ہوگی تو درست نہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہ درست نہیں کہ ایک گیہوں کا بورا دے کر دوسرا گیہوں کا بورا اس کے بدلے میں لے یہ درست ہے کہ ایک گیہوں کا بورا دے کر کھجور کا بورا اس کے بدلے میں لے نقدا نقد کیونکہ کھجور کو گیہوں کے بدلے میں ڈھیر لگا کر انکل سے بیچنا درست ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جتنی چیزیں کھانے کی یا روٹی کے ساتھ لگانے کی ہیں جب ان میں جنس مختلف ہو تو ایک دوسرے کے بدلے میں ڈھیر لگا کر بیچنا درست ہے جب نقدا نقد ہو اگر اس میں میعاد ہو تو درست نہیں جیسے کوئی چاندی سونے کے بدلے میں ان چیزوں کا ڈھیر لگا کر بیچے تو درست ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص نے گیہوں تول کر ایک ڈھیر بنایا اور وزن چھپا کر کسی کے ہاتھ بیچا تو یہ درست نہیں۔ اگر مشتری یہ چاہے کہ وہ گیہوں بائع کو واپس کر دے اس وجہ سے کہ بائع نے دیا ہو دانستہ وزن کو اس سے چھپایا اور دھوکا دیا تو ہو سکتا ہے اسی طرح جو چیز بائع وزن چھپا کر بیچے تو مشتری کا اس کے پھیر دینے کا اختیار ہے اور ہمیشہ اہل علم اس بیع کو منع کرتے رہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ایک روٹی کو دو روٹیوں سے بدلنا یا بڑی روٹی کو چھوٹی روٹی سے بدلنا اچھا نہیں البتہ اگر روٹی کو دوسری روٹی کے برابر سمجھے تو بدلنا درست ہے اگر چہ وزن نہ کرے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ایک مدزبداور ایک مدلبن کو دو مدزبد کے بدلے میں لینا درست نہیں کیونکہ اس نے اپنے زبد کی عمدگی لبن کے شریک کر کے برابر کرلی اگر علیحدہ لبن کو بیچتا تو کبھی ایک صاع لبن کے بدلے میں ایک صاع زبد نہ آتی۔ اس قسم کا مسئلہ اوپر بیان ہو چکا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ سعید بن مسیب سے محمد بن عبداللہ بن مریم نے پوچھا میں غلہ خرید کرتا ہوں جار کا تو کبھی میں ایک دینار اور نصف درہم کو خرید کرتا ہوں کیا نصف درہم کے بدلے میں اناج دے دوں سعید نے کہا نہیں بلکہ ایک درہم دے دے اور جس قدر باقی رہے اس کے بدلے میں بھی اناج لے لے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1239)

غیر معین پیمانوں کے سبب گندم کی بیع میں مرابحہ کرنے کا بیان

نہ بیع کا صرف ہونا مطلقا اس کی ممانعت کو مستلزم، سونا کہ دس روپے کو خریدا تھا گیارہ روپے کو بیچا یا دس روپے بھر چاندی کا کنگن کہ ایک اشرفی کو مول لیا تھا ڈیڑھ اشرفی یا ایک اشرفی اور ایک روپے کو بیچا، یہ سب صرف ہی ہے اور مرابحہ اور جائز، نہ صرف نہ ہونا مطلقا جواز مرابحہ کو کافی، من بھر گیہوں من بھر گیہوں کو خریدے، ان کی بیع مرابحہ حرام ہے کہ سود ہے حالانکہ صرف نہیں۔

غاصب نے مثلی شے کو غائب کر دیا، قاضی کی طرف سے اس پر اس کی مثل دینے کا فیصلہ صادر ہوا تو اب وہ مغصوب کا مالک بن گیا اس کے لئے جائز نہیں کہ اس چیز کو اس سے زائد پر فروخت کرے کیونکہ یہ سود ہے۔

(غنیۃ ذوی الاحکام فی بغیۃ دررالاحکام، باب المرابحۃ والتولیۃ، میر محمد کتب خانہ کراچی)

اگر کسی نے گندم کا ایک مختوم جو کے دو غیر معین مختوموں کے بدلے میں خریدا پھر باہمی قبضہ بھی کر لیا تو گندم کو بطور مرابحہ فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ایسے ہی ہر کیلی اور وزنی چیزوں کی ایک قسم کو دوسری قسم کے ساتھ بیچنے کا یہی حکم ہے۔ ہندیہ کے قول بصنف اخر (یعنی دوسری قسم کے ساتھ) کے مفہوم نے یہ فائدہ دیا کہ اگر جنس کا مقابلہ جنس سے ہو تو بیع مرابحہ ناجائز ہے، ہم عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی تجھے اس کی دلیل دیں گے۔ (فتاوٰی ہندیہ، کتاب البیوع)

بلکہ تحقیق یہ ہے کہ جو شے مرابحۃ بیچی جائے اس میں دو شرطیں ہیں۔

شرط اول: وہ شے معین ہو یعنی عقد معاوضہ اس کی ذات خاص سے متعلق ہوتا ہے نہ یہ کہ ایک مطلق چیز ذمہ پر لازم آتی ہو، ثمن جیسے روپیہ اشرفی عقود معاوضہ میں متعین نہیں ہوتے، ایک چیز سو روپے کو خریدی کچھ ضرور نہیں کہ یہی سو روپے جو اس وقت سامنے تھے ادا کرے بلکہ کوئی سو دے دے، اور اگر مثلا سونے کے کنگن بیچے تو خاص یہی کنگن دینے ہوں گے، یہ نہیں کر سکتا کہ ان کو بدل کر دوسرے کنگن دے اگر چہ وزن ساخت میں ان کے مثل ہوں یہ شرط مرابحۃ وتولیۃ ووضیعۃ تینوں میں ہے یعنی اول سے نفع پر بیچے یا برابر کو یا کمی پر، یہاں اس شی کا معین ہونا اس لئے ضرور ہے کہ یہ عقد اسی شی مملوک سابق پر وارد کیا جاتا ہے اور جب وہ معین نہیں تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ وہی شی ہے، ولہذا اگر روپوں سے اشرفیاں خریدیں تو ان کو مرابحہ نہیں بیچ سکتے۔

سیونگ اکاؤنٹ میں سود ہونے کا بیان

اول: دو چیزوں کی بنا پر سیونگ اکاؤنٹ نامی اکاؤنٹ میں رقم رکھنی حرام ہے۔

پہلی: یہ ایسا معاہدہ ہے جس میں راس المال پر فکس تناسب سے نفع دیا جاتا ہے، اور پھر راس المال کے ضائع نہ ہونے کی ضمانت بھی ہوتی ہے۔

جو در حقیقت فائدہ پر قرض دینا ہے، اور علماء کرام کا اجماع ہے کہ ہر وہ قرض جو نفع لائے وہ سود ہے، اور یہاں قرض دینے والا کھاتہ دار ہے، اور قرض لینے والا اس اکاؤنٹ کو کھولنے والا (یعنی ڈاکخانہ) ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں "اور ہر وہ قرض جس میں زیادہ ہونے کی شرط لگائی جائے وہ بغیر کسی اختلاف کے حرام ہے۔ ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: سب علماء اس پر جمع ہیں کہ ادھار دینے والا جب ادھار لینے والے پر یہ شرط رکھے کہ وہ زیادہ دیگا، یا ہدیہ دیگا، اور اس شرط پر رقم ادھار دے تو اس رقم سے زیادہ لینا سود ہے۔

اور بیان کیا جاتا ہے کہ: ابی بن کعب، اور ابن عباس، اور ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہم نے ہر اس قرض سے منع کیا ہے جو نفع لائے۔ (المغنی ابن قدامہ (6 / 436)

دوسری: ڈاکخانہ اس کے پاس رقم جمع کرانے والوں کی رقم سودی بنکوں میں رکھتا اور اس پر فکس اور معلوم تناسب سے نفع لے کر اس کا کچھ حصہ کھاتہ داروں میں تقسیم کرتا ہے، اور یہ ایک اور سودی معاہدہ ہے جو ڈاکخانہ کر رہا ہے۔

تو اس طرح پہلی صورت میں ڈاکخانہ خود سود پر قرض لیتا ہے، اور دوسری صورت میں ڈاکخانہ سود پر قرض دیتا ہے، اور ان معاملات کی جانچ پرکھ کرنے والے شخص پر اس کے یقینی حرام ہونے میں کسی بھی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں رہتا، اور بلا شبہ اس میں لکھنے، یا گواہی دینے یا کسی بھی صورت میں اس کی معاونت کرنے کی ملازمت وغیرہ کرنا حرام ہے۔

موسوعۃ فتاوی ازھر میں درج ہے۔

"شیخ الازہر جناب جاد الحق علی جاد الحق رحمہ اللہ کے سامنے درج ذیل سوال پیش کیا گیا: بنک یا کمپنیوں کو دی گئی رقم یا اس میں سرمایہ کاری کردہ رقم پر بنک یا کمپنیوں کی جانب سے دیے جانے والے فوائد کے متعلق کیا حکم ہے، آیا یہ سود شمار ہوتا ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں سود کی حرمت کے بیان میں وارد شدہ دلائل اور نصوص بیان کرنے کے بعد درج ذیل کلام درج ہے":

قرآن وسنت کی ان اور ان کے علاوہ دوسری نصوص سے سود کی تمام قسموں کی حرمت ثابت ہوتی ہے، چاہے وہ اصل قرض پر زیادہ رقم لینے کی شکل میں ہو، یا پھر قرض کی تاخیر کے بدلے زیادہ رقم حاصل کی جائے، اور اس کی ادائیگی میں تاخیر ہونے پر، یا پھر معاہدہ میں راس المال کی ضمانت کے ساتھ اس زیادہ فوائد کی شرط رکھی جائے، جب ایسا ہو اور جن فوائد کے متعلق دریافت کیا گیا ہے وہ بنکوں میں رکھی جانے والی رقم کے معاہدہ جات میں ہو، اور ڈاکخانہ اور بنکوں میں سیونگ اکاؤنٹ میں رکھی جانے والی رقم کے معاہدہ جات میں، اور یہ رقم فائدہ پر قرض کے باب میں ہو تو یہ زیادہ سود (ربا الفضل) یا فقہاء کے نام میں زیادہ سود ہے جو کہ دین اسلام میں

قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کی نصوص، اور مسلمانوں کے اجماع سے حرام ہے۔

کسی بھی مسلمان شخص کے لیے اس کا لین دین کرنا جائز نہیں، اور نہ ہی وہ اس کا تقاضہ کر سکتا ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالی کے سامنے جواب دینا ہے کہ اس نے مال کہاں سے کمایا، اور کیسے خرچ کیا۔

جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: روز قیامت اس وقت تک آدمی کے قدم نہیں ہل سکتے جب تک اس سے اس کی عمر کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے کہ اس نے عمر کیسے بسر کر، اور اس کے عمل کے متعلق سوال نہ کر لیا جائے کہ اس نے کیا عمل کیا، اور اس کے مال کے متعلق دریافت نہ کر لیا جائے کہ اس نے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور اس کے جسم کے متعلق دریافت نہ کر لیا جائے کہ اس نے اس کے ساتھ کیا کیا"

دوم: سیونگ اکاؤنٹ کے کھاتہ داروں کا کمپیوٹر میں حساب و کتاب رکھنا اور شامل کرنے کی ملازمت کرنا یہ سود لکھنے میں شامل ہوتا ہے.

امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے بیان کیا ہے کہ ": نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے، اور سود کھلانے، اور سود لکھنے، اور سود کی گواہی دینے والے دونوں گواہوں پر لعنت کی اور فرمایا: یہ سب برابر ہیں" صحیح مسلم حدیث نمبر (1598

اس لیے آپ پر اس عمل سے توبہ کرنا اور اس ملازمت کو جتنی جلدی ہو سکے ترک کر کے کسی اور محکمہ میں منتقل ہونا جو سود سے دور ولازم اور ضروری ہے، یا پھر آپ یہ کام بالکل ہی ترک کر دیں، تا کہ اس عظیم فتنہ اور گناہ میں شامل نہ ہوں۔

اور آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ جو شخص بھی کوئی چیز اللہ تعالی کے ترک کرتا ہے اللہ تعالی اس کے بدلے میں اسے اس بھی بہتر راچھی چیز عطا فرماتا ہے، اور جو شخص بھی اس کا تقوی اختیا کرتا ہے اللہ تعالی اسے اور بھی زیادہ دیتا ہے، اور اس پر انعام کرتا ہے، اور سے روزی وہاں سے دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے۔ اور جو کوئی بھی اللہ تعالی کا تقوی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالی اس کے لیے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے، اور اسے روزی بھی وہاں سے دیتا ہے جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو کوئی اللہ تعالی پر توکل کرتا ہے اللہ تعالی اس کو کافی ہو جاتا ہے، یقیناً اللہ تعالی اپنے کام کو پورا کرنے والا ہے، اور اللہ تعالی نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ (الطلاق (. (3 - 2)

ایک انڈے کی بیع دو انڈوں سے کرنے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ بَيْعُ الْبَيْضَةِ بِالْبَيْضَتَيْنِ وَالتَّمْرَةِ بِالتَّمْرَتَيْنِ وَالْجَوْزَةِ بِالْجَوْزَتَيْنِ) لِانْعِدَامِ الْمِعْيَارِ فَلَا يَتَحَقَّقُ الرِّبَا . وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِيهِ لِوُجُودِ الطَّعْمِ عَلَى مَا مَرَّ .

ترجمہ

فرمایا: اور ایک انڈے کی بیع دو انڈوں کے ساتھ کرنا، ایک چھوہارے کو دو چھوہاروں کے اور ایک اخروٹ کو دو اخروٹوں کے بدلے میں بیچنا جائز ہے کیونکہ ان میں معیار نہیں پایا گیا پس سود ثابت نہ ہوگا۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے طعم پائے جانے کا اعتبار کیا ہے اور ہمارے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ جس طرح اسکا بیان گزر چکا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شریعت میں ماپ کی مقدار کم سے کم نصف صاع ہے اگر کوئی کیلی چیز نصف صاع سے کم ہو مثلاً ایک دو لپ اس میں کمی بیشی یعنی ایک لپ دو لپ کے بدلے میں بیچنا جائز ہے۔ اسی طرح ایک سیب دو سیب کے بدلے میں، ایک کھجور دو کے بدلے میں، ایک انڈا دو انڈے کے عوض، ایک اخروٹ دو کے عوض، ایک تلوار دو تلوار کے بدلے میں، ایک دوات دو دوات کے بدلے میں، ایک سوئی دو کے بدلے، ایک شیشی دو کے عوض بیچنا جائز ہے، جب کہ یہ سب معین ہوں اور اگر دونوں جانب یا ایک غیر معین ہو تو بیع ناجائز۔ ان صور مذکورہ میں کمی بیشی اگرچہ جائز ہے مگر اُدھار بیچنا حرام ہے، کیونکہ جنس ایک ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

معین پیسہ کی دو معین پیسوں کے بدلے میں بیع کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ بَيْعُ الْفَلْسِ بِالْفَلْسَيْنِ بِأَعْيَانِهِمَا) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ :لَا يَجُوزُ لِأَنَّ الثَّمَنِيَّةَ تَثْبُتُ بِاصْطِلَاحِ الْكُلِّ فَلَا تَبْطُلُ بِاصْطِلَاحِهِمَا، وَإِذَا بَقِيَتْ أَثْمَانًا لَا تَتَعَيَّنُ فَصَارَ كَمَا إذَا كَانَا بِغَيْرِ أَعْيَانِهِمَا وَكَبَيْعِ الدِّرْهَمِ بِالدِّرْهَمَيْنِ .

وَلَهُمَا أَنَّ الثَّمَنِيَّةَ فِي حَقِّهِمَا تَثْبُتُ بِاصْطِلَاحِهِمَا إذْ لَا وِلَايَةَ لِلْغَيْرِ عَلَيْهِمَا فَتَبْطُلُ بِاصْطِلَاحِهِمَا وَإِذَا بَطَلَتْ الثَّمَنِيَّةُ تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ وَلَا يَعُودُ وَزْنِيًّا لِبَقَاءِ الِاصْطِلَاحِ عَلَى الْعَدِّ إذْ فِي نَقْضِهِ فِي حَقِّ الْعَدِّ فَسَادُ الْعَقْدِ فَصَارَ كَالْجَوْزَةِ بِالْجَوْزَتَيْنِ بِخِلَافِ النُّقُودِ لِأَنَّهَا لِلثَّمَنِيَّةِ خِلْقَةٌ، وَبِخِلَافِ مَا إذَا كَانَا بِغَيْرِ أَعْيَانِهِمَا لِأَنَّهُ كَالِئٌ بِالْكَالِئِ وَقَدْ نُهِيَ عَنْهُ، وَبِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ أَحَدُهُمَا بِغَيْرِ عَيْنِهِ لِأَنَّ الْجِنْسَ بِانْفِرَادِهِ يُحَرِّمُ النَّسَاءَ .

ترجمہ

شیخین کے نزدیک ایک معین پیسے کی بیع دو معین پیسوں کے بدلے میں کرنا جائز ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ کیونکہ پیسوں کا ثمن ہونا یہ سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہو چکا ہے پس عقد کرنے والوں کی اصطلاح سے وہ باطل نہ

ہوگی۔پس جب فلوس ثمن باقی رہے تو وہ متعین نہ ہوں گے جس طرح اس صورت میں ہے کہ جب وہ دونوں ہی غیر معین ہوں جس طرح ایک درہم کا دو دراہم کے بدلے میں فروخت کرنا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ عاقدین کے حق میں فلوس کا ثمن ہونا ان کے اپنے اتفاق سے ہے کیونکہ دوسرے کو ان پر ولایت حاصل نہیں ہے۔پس یہ ثمنیت ان کے اتفاق کے سبب باطل ہو چکی ہے تو فلوس معین کرنے سے معین ہو جائیں گے۔اور یہ موزونی ہوکر لوٹ کر آنے والی نہ ہوگی۔کیونکہ ان کے عددی ہونے کا اتفاق باقی ہے۔کیونکہ عددی ہونے سے اتفاق ٹوٹنے کی صورت میں عقد میں فساد لازم آئے گا پس یہ ایک اخروٹ کو دو اخروٹوں کے بدلے میں بیچنے کی طرح ہو جائے گا بہ خلاف نقود کے،کیونکہ نقدیاں تو پیدائشی اعتبار سے بنائی ہی ثمنیت کیلئے گئی ہیں۔بہ خلاف اس صورت کے کہ جب فلوس کے دونوں اعواض غیر معین ہوں کیونکہ یہ ادھار کے بدلے میں بیع ہے جبکہ اس سے منع کیا گیا ہے اور بہ خلاف اس کے کہ جب ایک عوض معین نہ ہو کیونکہ اکیلا جنس ہونا بھی ادھار کو حرام کر دیتا ہے۔

شرح

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ پیسوں میں گنتی سے بدلی جائز ہے،اسی طرح امام محمد نے جامع میں ذکر فرمایا اور کسی خلاف کا نام نہ لیا،تو یہی امام محمد سے روایت مشہورہ ہوئی،اور بعض نے کہا یہ قول شیخین کا ہے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ سے بیچنا منع فرماتے ہیں کہ وہ ثمن ہیں اور جب وہ ثمن ہوئے تو ان میں بدلی جائز نہ ہوئی مگر روایت مشہورہ میں امام محمد سے بھی جواز ہے اور بیع اور بدلی میں وہ یہ فرق کرتے ہیں کہ بدلی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو تو جب انہوں نے پیسوں کی بدلی پر اقدام کیا تو ضمناً ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل کر دیا اور ان کی بدلی اسی طور پر جائز ہے جس طرح ان میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر بخلاف بیع کہ وہ ثمن پر بھی وارد ہو سکتی ہے تو بیع میں ان کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں تو کمی بیشی جائز نہ ہوئی اور ایک پیسہ کی دو پیسے سے بیع منع ٹھہری۔

(فتح القدیر، کتاب بیوع)

علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولیٰ یہ ہے کہ پیسے کہیں اس لئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے،اسم جنس نہیں،بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے اس لئے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ بیچنا منع فرماتے ہیں مگر روایت مشہورہ ان سے بھی مثل قول امام اعظم اور ابو یوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ میں ہے انتہی تو گویا نہر نے یہ بات فتویٰ قاری الہدایہ کی تاویل کے لئے ظاہر کی تاکہ اس کے لئے کوئی سند ہو جائے اگرچہ نوادر میں اور اس سے اس پر اعتماد کرنا نہ چاہا،اور ہدایہ میں ہے یونہی پیسوں میں بدلی جائز ہے ان کی گنتی مقرر کر کے،اور کہا گیا کہ یہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ پیسے ثمن ہیں اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح کی بناء پر ہے تو ان کی اصطلاح سے باطل بھی ہو جائے گا۔(ردمحتار، کتاب بیوع)

اصطلاح کے سبب ثمن ہونے سے جوازِ بیع کا بیان

رائج پیسوں کے ساتھ بیع جائز ہے اگرچہ متعین نہ ہوں کیونکہ وہ اموالِ معلومہ ہیں جو کہ اصطلاح کے سبب سے ثمن بنے ہیں تو ان کے ساتھ بیع جائز ہوگی اور یہ ذمہ پر ہونگے جیسا کہ دراہم و دنانیر کا حکم ہے اگر ان کو متعین کرے تب بھی یہ متعین نہ ہوتے کیونکہ یہ لوگوں کے اصطلاح سے ثمن بنے ہیں اور تعیین کے باوجود اس کو دوسرے پیسے دینے کا اختیار ہے کیونکہ ان کی تعیین سے ثمنیت باطل نہیں ہوتی کیونکہ تعیین میں احتمال ہے کہ وہ واجب کی مقدار اور وصف کو بیان کرنے کے لئے ہو اور یہ بھی ممکن ہے حکم کو ان معین پیسوں کی ذات سے معین کرنے کے لئے ہو چنانچہ محض احتمال سے اصطلاح باطل نہیں ہوتی جب تک بائع اور مشتری اس کو باطل کرنے کی تصریح نہ کریں بایں طور کہ وہ یوں کہیں کہ ہم نے خاص انہی پیسوں سے حکم کو مطلق کرنے کا ارادہ کیا ہے اس وقت خاص ان ہی معین پیسوں سے عقد متعلق ہوگا بخلاف اس صورت کے جب کسی نے دو معین پیسوں کے عوض ایک پیسہ فروخت کیا کیونکہ یہاں بغیر تصریح کے وہ متعین ہو جائیں گے اس لئے کہ اگر اس صورت میں وہ متعین نہ ہوں تو بیع فاسد ہوگی اس وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کر دی ہے تو اس میں تلاش جواز کی ضرورت ہوئی اور یہاں دونوں صورتوں میں بیع جائز ہوگی لہٰذا اتمام کی اصطلاح کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (تبیین الحقائق، کتاب بیوع)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نقیع میں (جو مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے) اونٹوں کو دیناروں کے عوض بیچا کرتا تھا اور دیناروں کے بدلے درہم لے لیا کرتا تھا اسی طرح جب اونٹوں کو درہم کے عوض بیچا تو درہم کے بدلے دینار لے لیا کرتا تھا پھر جب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم دینار کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار لے لو جب کہ نرخ اس دن کے مطابق ہو اور تم دونوں ایک دوسرے سے اس حال میں جدا ہو کہ تمہارے درمیان کوئی چیز نہ ہو (ابوداؤد و نسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 97)

درہم اور دینار دو سکوں کے نام ہیں درہم چاندی کا ہوتا ہے اور دینار سونے کا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز روپے کے عوض خریدے اور روپے کے بدلے اشرفیاں دے دے یا کوئی چیز اشرفیوں کے عوض خریدے اور اشرفیوں کے بدلے روپے دے دے تو جائز ہے۔

اس دن کے نرخ کی قید استحبابی ہے یعنی مستحب و مناسب یہ ہے کہ اس دن کے نرخ کا لحاظ رکھا جائے ورنہ تو جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے یہ جائز ہے کہ جس نرخ سے چاہے لے۔

تمہارے درمیان کوئی چیز نہ ہو'' میں'' کوئی چیز سے مراد مبیع یا قیمت اور یا دونوں پر قبضہ نہ ہونا ہے مطلب یہ ہے کہ درہم و دینار کو آپس میں بدلنا بایں شرط جائز ہے جس مجلس میں خرید و فروخت کا معاملہ ہوا اسی مجلس میں فریقین اپنی اپنی چیز پر قابض ہو جائیں تا کہ اس کے برخلاف ہونے کی صورت میں نقد کی بیع ادھار کے ساتھ لازم نہ آئے جو ربا کی ایک شکل

ہونیکی وجہ سے حرام ہے چنانچہ حضرت شیخ علی متقی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب مکہ معظمہ میں اپنے خادم کو بازار بھیجتے تو اسی حدیث کے پیش نظر اسے بطور خاص یہ نصیحت کرتے کہ خبردار باہمی قبضہ کرنے میں معاملہ دست بدست کرنا درمیان میں فرق واقع نہ ہو۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ درہم سکہ خلقی ہونیکی وجہ سے چونکہ غیر متعین ہے اس لیے اگر کوئی شخص دکاندار کو ایک درہم دکھا کر کہے کہ اس کے عوض فلاں چیز میرے ہاتھ بیچ دو اور پھر جب دکاندار وہ چیز اسے بیچ دے تو اس درہم کی بجائے دوسرا درہم دے دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ دونوں درہم مالیت میں یکساں ہوں

وہ مسئلہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں یعنی نوٹ یہ تو خالص بیع ہے اس میں قرض اصلا نہیں، نہ ابتدا میں نہ بعد کو، تو اس کا بالاتفاق بلاخلاف وبلانزاع جائز ہونا زیادہ لائق ومناسب ہے، اور اگر تو مسئلہ حیلہ، میں زیادت چاہے تو یہ ہے ہمارا رب عزوجل تبارک وتعالیٰ اپنے بندہ ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہوا اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے اس سے مار اور قسم نہ توڑ اور یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ انہوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ اور ایسا طریقہ کہ مقصود حاصل ہو جائے اور حرام سے محافظت رہے تعلیم فرمایا اسے بخاری ومسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس خرمائے برنی لائے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لئے، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے ہم نے اس کے دوصاع کے بدلے ان کا ایک صاع خریدا، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اف خاص ربا ہے خاص ربا ہے ایسا نہ کر۔ مگر جب ان کو خریدنا چاہو تو اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ کر اس شیء کے بدلے ان کو خرید و نیز بخاری ومسلم نے ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل صوبہ کر کے بھیجا وہ خدمت اقدس میں خرمائے جنیب لے کر حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب چھوہارے ایسے ہی ہیں، عرض کی نہیں خدا کی قسم یارسول اللہ ﷺ ہم اس میں ایک صاع دوصاع کو، دوصاع تین صاع کو لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو اپنے چھوہارے روپیوں سے بیچ کر روپیوں سے یہ چھوہارے خریدلو۔

نوٹ کی بیع کمی وبیشی کے ساتھ جائز نہیں

مذکورہ مسئلہ میں فتویٰ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے موقف پر ہے کہ نوٹ کی بیع کمی وبیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ متاخرین فقہاء نے نوٹ کی بیع کمی وبیشی کے ساتھ منع کیا ہے کیونکہ اس میں سود ہے۔ اور جب کوئی حکومت وریاست نوٹ کی ویلیو کے احکام جاری کر دیتی ہے تو دلیل عرف کے سبب اس کو اس حیثیت سے تسلیم کرلیا جائے گا۔

ہمارے استاذ گرامی شیخ الحدیث مفتی محمد عبدالعلیم سیالوی صاحب مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ حلت وحرمت کے معاملہ میں احتیاط کو ترجیح ہوتی ہے نوٹ کو دستاویز اور رسید قرار دینے کا تقاضہ ہے کہ اس کی بیع درست ہو مگر ثمن عرفی کا تقاضہ ہے کہ کمی بیشی کے ساتھ

بیع حرام ہو کہ ترجیح حرمت ہی کو ہوگی۔ (فتاویٰ نعیمیہ، جلد اول، ص ۹۵، ادارہ منشورات نعیمیہ لاہور)

گندم کو آٹے کے بدلے بیچنے کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْحِنْطَةِ بِالدَّقِيقِ وَلَا بِالسَّوِيقِ) لِأَنَّ الْمُجَانَسَةَ بَاقِيَةٌ مِنْ وَجْهٍ لِأَنَّهُمَا مِنْ أَجْزَاءِ الْحِنْطَةِ وَالْمِعْيَارُ فِيهِمَا الْكَيْلُ، لَكِنَّ الْكَيْلَ غَيْرُ مُسَوٍّ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْحِنْطَةِ لِاكْتِنَازِهِمَا فِيهِ وَتَخَلْخُلِ حَبَّاتِ الْحِنْطَةِ فَلَا يَجُوزُ وَإِنْ كَانَ كَيْلًا بِكَيْلٍ

(وَيَجُوزُ بَيْعُ الدَّقِيقِ بِالدَّقِيقِ مُتَسَاوِيًا كَيْلًا) لِتَحَقُّقِ الشَّرْطِ (وَبَيْعُ الدَّقِيقِ بِالسَّوِيقِ لَا يَجُوزُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ مُتَفَاضِلًا، وَلَا مُتَسَاوِيًا) لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ بَيْعُ الدَّقِيقِ بِالْمَقْلِيَّةِ وَلَا بَيْعُ السَّوِيقِ بِالْحِنْطَةِ، فَكَذَا بَيْعُ أَجْزَائِهِمَا لِقِيَامِ الْمُجَانَسَةِ مِنْ وَجْهٍ. وَعِنْدَهُمَا يَجُوزُ لِأَنَّهُمَا جِنْسَانِ مُخْتَلِفَانِ لِاخْتِلَافِ الْمَقْصُودِ.

قُلْنَا: مُعْظَمُ الْمَقْصُودِ وَهُوَ التَّغَذِّي يَشْمَلُهُمَا فَلَا يُبَالَى بِفَوَاتِ الْبَعْضِ كَالْمَقْلِيَّةِ مَعَ غَيْرِ الْمَقْلِيَّةِ وَالْعِلْكَةِ بِالْمُسَوَّسَةِ.

ترجمہ

فرمایا: اور گندم کو آٹے کو بدلے میں بیچنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ستو کے بدلے میں جائز ہے کیونکہ ایک طرح جنس ہونا پایا جا رہا ہے کیونکہ آٹا اور ستو یہ دونوں گندم کے اجزاء میں سے ہے جبکہ ان میں مماثلت کا معیار کیل کرنا ہے مگر کیل ان دونوں میں اور گندم میں برابری کرنے والا نہیں ہے کیونکہ ستو اور آٹا کیل میں ٹھک کر بھر جاتے ہیں جبکہ گندم کے دانہ جات میں خلاء باقی رہنے والا ہے پس ان کی بیع جائز نہ ہوگی خواہ یہ کیل بہ کیل ہی کیوں نہ ہو۔

آٹے کو آٹے کو بدلے میں کیل کر کے بیچنا جائز ہے جبکہ وہ برابر ہو کیونکہ شرط ثابت ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے آٹے کو ستو کے بدلے میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی برابر کر کے بیچنا جائز ہے اور آٹے کو بھنی ہوئی گندم کے بدلے میں بیچنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ستو کو گندم کے بدلے میں بیچنا جائز ہے لہذا اسی طرح ان کے اجزاء کو بیچنا بھی جائز نہ ہوگا کیونکہ ایک طرح سے جنس موجود ہے۔

صاحبین کے نزدیک ان کی بیع جائز ہے کیونکہ ستو اور آٹا مقصود کے اختلاف کے سبب دو مختلف اجناس میں سے ہوئے ہم جواب دیتے ہیں کہ سب سے عظیم مقصد تو دونوں سے غذا حاصل کرنا ہے جو دونوں کو شامل ہے اور مقصد کے کچھ حصہ کے نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا جس طرح بھنی ہوئی گندم کو بغیر بھنی ہوئی گندم کے بدلے میں فروخت کرنا ہے اور اچھی گندم کو کیڑا لگی گندم

بے کے بدلے میں فروخت کرتا ہے۔

گندم کو ستو کے برابر یا کمی بیشی کے ساتھ بیچنے میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے آٹے کو ستو کے بدلے میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی برابر کر کے بیچنا جائز ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول ظاہری بھی یہی ہے۔ حضرت سفیان ثوری اور ایک روایت امام احمد علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح ہے جبکہ امام مالک علیہ الرحمہ نے اور ظاہر روایت کے مطابق امام احمد علیہ الرحمہ نے بھی اس سے اختلاف کیا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۲۳۵، بیروت)

گندم کی بیع ستو کے بدلے میں جواز کا بیان

گیہوں کی بیع آٹے یا ستو سے یا آٹے کی بیع ستو سے مطلقاً ناجائز ہے اگر چہ ماپ یا وزن میں دونوں جانب برابر ہوں یعنی جب کہ آٹا یا ستو گیہوں کا ہو اور اگر دوسری چیز کا ہو مثلاً جو کا آٹا یا ستو ہو تو گیہوں سے بیع کرنے میں کوئی مضایقہ نہیں۔ اسی طرح گیہوں کے آٹے کو جو کے ستو سے بھی بیچنا جائز ہے۔ آٹے کو آٹے کے بدلے میں برابر کر کے بیچنا جائز ہے بلکہ بھنے ہوئے آٹے کو بھنے ہوئے کے بدلے میں برابر کر کے بیچنا بھی جائز ہے۔ اور ستو کو ستو کے بدلے میں بیچنا یا بھنے ہوئے گیہوں کے بھنے ہوئے گیہوں کے بدلے میں بیچنا جائز ہے۔ چھنے ہوئے آٹے کو بغیر چھنے کے بدلے بیع کرنے میں دونوں کا برابر ہونا ضروری ہے۔

(ردمحتار، کتاب بیوع)

اور اناج گوشت لوہا تانبا ترکاری نمک وغیرہ اس قسم کی چیزوں میں سے اگر ایک چیز کو اسی قسم کی چیز سے بیچنا اور بدلنا چاہو مثلاً ایک گیہوں دے کر دوسرے گیہوں لیے یا ایک دھان دے کر دوسرے دھان لیے یا آٹے کے عوض آٹا یا اسی طرح کوئی اور چیز غرضیکہ دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے تو اس میں بھی ان دونوں باتوں کا خیال رکھنا واجب ہے ایک تو یہ کہ دونوں طرف بالکل برابر ہو ذرا بھی کسی طرف کمی بیشی نہ ہو ورنہ سود ہو جائے گا۔ دوسری یہ کہ اسی وقت ہاتھ در ہاتھ دونوں طرف سے لین دین اور قبضہ ہو جائے۔ اگر قبضہ نہ ہو تو کم سے کم اتنا ضرور ہو کہ دونوں گیہوں الگ کر کے رکھ دیے جائیں تم اپنے گیہوں تول کر الگ رکھ دو کہ دیکھو یہ رکھے ہیں جب تمہارا جی چاہے لے جانا۔ اسی طرح وہ بھی اپنے گیہوں تول کر الگ کر دے اور کہہ دے کہ یہ تمہارے الگ رکھے ہیں جب چاہو لے جانا۔ اگر یہ بھی نہ کیا اور ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تو سود کا گناہ ہوا۔

خراب گیہوں دے کر اچھے گیہوں لینا منظور ہے یا برا آٹا دے کر اچھا آٹا لینا ہے اس لیے اس کے برابر کوئی نہیں دیتا تو سود سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ اس گیہوں یا آٹے وغیرہ کو پیسوں سے بیچ دو کہ ہم نے اتنا آٹا دو آنے کو بیچا۔ پھر اسی دو آنے کے عوض اس سے وہ اچھے گیہوں یا آٹا لے لو یہ جائز ہے۔

اور اگر ایسی چیزوں میں جو تول کر بکتی ہیں ایک طرح کی چیز نہ ہو جیسے گیہوں دے کر دھان لیے یا جو۔ چنا۔ جوار۔ نمک۔

گوشت ۔ ترکاری وغیرہ کوئی اور چیز لی غرضیکہ ادھر اور چیز ہے اور ادھر اور چیز دونوں طرف ایک چیز نہیں تو اس صورت میں دونوں کا وزن برابر ہونا واجب نہیں ۔ سیر بھر گیہوں دے کر چاہے دس سیر دھان وغیرہ لے لو یا چھٹانک ہی بھر لو تو سب جائز ہے۔ البتہ دوسری بات یہاں بھی واجب ہے کہ سامنے رہتے رہتے دونوں طرف سے لین دین ہو جائے یا کم سے کم اتنا ہو کہ دونوں کی چیزیں الگ کر کے رکھ دی جائیں اگر ایسا نہ کیا تو سود کا گناہ ہو گیا۔

گوشت کو حیوان کے بدلے میں بیچنے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ بَيْعُ اللَّحْمِ بِالْحَيَوَانِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .وَقَالَ مُحَمَّدٌ :إذَا بَاعَهُ بِلَحْمٍ مِنْ جِنْسِهِ لَا يَجُوزُ إلَّا إذَا كَانَ اللَّحْمُ الْمُفْرَزُ أَكْثَرَ لِيَكُونَ اللَّحْمُ بِمُقَابَلَةِ مَا فِيهِ مِنْ اللَّحْمِ وَالْبَاقِي بِمُقَابَلَةِ السَّقْطِ، إذْ لَوْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ الرِّبَا مِنْ حَيْثُ زِيَادَةُ السَّقْطِ أَوْ مِنْ حَيْثُ زِيَادَةُ اللَّحْمِ فَصَارَ كَالْخَلِّ بِالسِّمْسِمِ .

وَلَهُمَا أَنَّهُ بَاعَ الْمَوْزُونَ بِمَا لَيْسَ بِمَوْزُونٍ، لِأَنَّ الْحَيَوَانَ لَا يُوزَنُ عَادَةً وَلَا يُمْكِنُ مَعْرِفَةُ ثِقَلِهِ بِالْوَزْنِ لِأَنَّهُ يُخَفِّفُ نَفْسَهُ مَرَّةً بِصَلَابَتِهِ وَيَثْقُلُ أُخْرَى، بِخِلَافِ تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ لِأَنَّ الْوَزْنَ فِي الْحَالِ يُعَرِّفُ قَدْرَ الدُّهْنِ إذَا مِيزَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الثَّجِيرِ، وَيُوزَنُ الثَّجِيرُ .

ترجمہ

فرمایا: شیخین کے نزدیک گوشت کی بیع حیوان کے ساتھ جائز ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جب گوشت حیوان کی جنس سے بدلے میں بیچا ہے تو جائز نہ ہوگا مگر جب یہ الگ کردہ گوشت زیادہ ہے تا کہ کچھ گوشت حیوان پر موجود گوشت کے بدلے میں ہو جائے اور باقی غیر گوشت کا بدل بن جائے کیونکہ جب اس طرح نہ ہوا تو غیر گوشت یا پھر حیوان میں زیادہ گوشت زیادتی کے اعتبار سے سود کو ثابت کرنے والا ہے۔ پس یہ تل کے بدلے میں تیل بیچنے کی مشابہ ہو جائے گا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ بائع نے موزونی چیز کو غیر موزونی چیز کے بدلے میں بیچا ہے کیونکہ عرف کے مطابق حیوان کا وزن نہیں کیا جاتا اور وزن سے اس کے بھاری ہونے کی پہچان بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ کبھی حیوان اپنے آپ کو ہلکا کرنے والا ہے اور کبھی بھاری کرنے والا ہے بہ خلاف مسئلہ تل کے کیونکہ جب کھلی اور تیل میں علیحدگی کر کے وزن کیا جائے تو اس حالت میں تیل کی مقدار معلوم ہو جاتی ہے۔

جانور کے بدلے گوشت کے لین دین میں فقہ شافعی وحنفی کا اختلاف

حضرت سعید بن مسیب بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے بدلے میں گوشت کا لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے نیز حضرت سعد کا بیان ہے کہ جانور کے بدلے میں گوشت کا لین دین زمانہ جاہلیت کے جوئے کی قسم سے تھا۔ (شرح السنۃ، مشکوۃ شریف: جلدسوم: حدیث نمبر 60)

زمانہ جاہلیت کے جوئے کی قسم سے مراد یہ ہے کہ جس طرح جوئے کی صورت میں غلط ذرائع سے لوگوں کا مال کھایا جاتا ہے اسی طرح اس میں بھی ایسی ہی صورت پیدا ہو جاتی ہے اگرچہ طریقہ کے اعتبار سے دونوں صورتیں مختلف ہیں کیونکہ اس میں جو کھیلا جاتا ہے اوراس میں لین دین کا ایک معاملہ کیا جاتا ہے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جانور کے عوض گوشت کے لین دین کا معاملہ حرام ہے خواہ گوشت اس جانور کی جنس کا ہو یا کسی دوسری جنس کے جانور کا ہو نیز چاہے وہ جانور کھایا جاتا ہو چاہے نہ کھایا جاتا ہو جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے ہاں یہ معاملہ جائز ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس معاملے میں ایک موزوں چیز (یعنی گوشت کہ اس کا لین دین وزن کے ذریعے ہوتا ہے) کا تبادلہ ایک غیر موزوں چیز یعنی جانور کا اس کا لین دین وزن کے ذریعے نہیں ہوتا کے ساتھ کیا جاتا ہے جس میں دونوں طرف کی چیزوں کا برابر سرابر ہونا ضروری نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ لین دین اور خرید وفروخت کی یہ صورت جائز ہے ہاں اس صورت میں چونکہ لین دین کا دست بدست ہونا ضروری ہے اس لئے حدیث میں مذکورہ بالا ممانعت کا تعلق دراصل گوشت اور جانور کے باہم لین دین کی اس صورت سے ہے جبکہ لین دین دست بدست نہ ہو بلکہ ایک طرف تو نقد ہو اور دوسری طرف وعدہ یعنی ادھار ہے۔

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ گوشت کو جانور کے بدلے میں بیع کر سکتے ہیں کیونکہ گوشت وزنی ہے اور جانور عددی ہے وہ گوشت اُسی جنس کے جانور کا ہو مثلاً بکری کے گوشت کے عوض میں بکری خریدی یا دوسری جنس کا ہو مثلاً بکری کے گوشت کے بدلے میں گائے خریدی۔ یہ گوشت اُتنا ہی ہو جتنا اُس جانور میں گوشت ہے یا اُس سے کم یا زیادہ بہر حال جائز ہے۔ ذبح کی ہوئی بکری کو زندہ بکری یا ذبح کی ہوئی کے عوض میں بیع کرنا جائز ہے اور اگر دونوں کی کھالیں اُتار لی ہیں اور اوجھڑی وغیرہ ساری اندرونی چیزیں الگ کر دی ہیں بلکہ پائے بھی جدا کر لیے ہیں تو اب ایک کو دوسری کے عوض میں تول کے ساتھ بیچ سکتے ہیں کہ یہ گوشت کو گوشت سے بیچنا ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

زندہ جانور تول کر بیچنے کا مفصل ومدلل حکم

اگر خریدار اور فروخت کنندہ زندہ جانور کو وزن کر کے خرید وفروخت پر راضی ہوں تو زندہ جانور کو وزن کر کے نقد رقم یا غیر جنس کے ذریعہ خریدنا اور فروخت کرنا دونوں جائز ہیں؛ بشرطیکہ متعین جانور کا فی کلو کے حساب سے نرخ کر لیا گیا ہو؛ نیز جانور کا وزن کرنے کے بعد اس کی قیمت بھی متعین کر لی گئی ہو، جس کی صورت یوں ہوگی کہ خریدار کو مثلاً ایک بکرے کی ضرورت ہے، تاجر کے

پاس جا کر وہ بکروں میں ایک بکرا منتخب کر لیتا ہے اور تاجر اس کو بتا دیتا ہے کہ اس بکرے کا نرخ پچاس روپے کلو ہے اور اس بکرے کو خریدار کے سامنے وزن کر کے بتا دیتا ہے کہ مثلاً یہ بیس کلو ہے، اب اگر خریدار اس کو قبول کر لے تو بیع منعقد ہو جائیگی اور اس طرح کی گئی خرید و فروخت شرعاً جائز ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں اس بات کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں: () ایک یہ کہ جانور کو وزن کر کے بیچنا اور خریدنا۔

(۱) دوسری بات یہ کہ جانور کو موزوں قرار دینا اور اس پر موزوانی اشیاء کے فقہی احکامات جاری کرنا، جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے کہ جانور کو وزن کر کے بیچنا اور خریدنا، یہ تو بلاشبہ جائز ہے اس لیے کہ عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں؛ لیکن دوسری بات کہ جانور کو موزون قرار دینا اور اس پر موزونی اشیاء پر جاری ہونے والے تمام احکام فقہیہ جاری کرنا تو یہ دو وجہ سے درست نہیں ہے۔

(۲) پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جانوروں کا عددی ہونا معلوم ہے اور جن کی حیثیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں منصوص یا معلوم ہو ان کی وہ حیثیت تبدیل نہیں ہوا کرتی ہے۔

(۳) دوسری وجہ یہ ہے کہ جانور کو دیگر اشیاء کی طرح حسب منشا کم یا زیادہ کر کے وزن کرنا ناممکن ہے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح دیگر اشیاءِ موزونہ کی جتنی مقدار مطلوب ہوتی ہے، اتنی مقدار کو بلا تکلف وزن کر کے الگ کیا جا سکتا ہے، مثلاً چینی بیس کلو پندرہ گرام کی ضرورت ہے تو بلا تکلف چینی کی یہ مقدار وزن کے ذریعہ الگ کی جا سکتی ہے، بخلاف جانور کے کہ اس میں یہ بات ممکن ہی نہیں، مثلاً اگر کوئی یہ کہے کہ بیس کلو پندرہ گرام کا بکرا چاہیے، کچھ کم یا زیادہ نہ ہو تو بظاہر یہ محال ہے؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ جانور کو موزونی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (حاشیہ فتاویٰ عثمانی)

امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک گوشت کے بدلے حیوان خریدنا

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ خبر دی ہمیں مالکؒ نے کہ ہمیں خبر دی ابوالزناد نے سعید بن مسیب سے کہ انہوں نے کہا گوشت کے عوض جانور فروخت کرنا منع ہے۔ میں نے سعید بن مسیب سے کہا اگر کوئی شخص ایک اونٹ دس بکریوں کے عوض خریدے تو کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا اگر اسے ذبح کرنے کے لئے خریدتا ہے تو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ ابوالزناد کہتے ہیں میں نے لوگوں کو گوشت کے عوض جانور خریدنے سے منع کرتے ہوئے دیکھا۔ ابان اور ہشام کے زمانے میں عمال کے پروانوں میں اس کی ممانعت لکھی جاتی تھی۔ (حدیث 777)

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ خبر دی ہمیں مالکؒ نے کہ ہمیں خبر دی داود بن حصین نے کہ انہوں نے سعید بن مسیب کو یہ کہتے سنا کہ گوشت کو ایک یا دو بکریوں کے عوض خرید و فروخت کرنا دور جاہلیت کا جوا ہے۔ (حدیث 778)

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ امام مالکؒ روایت کرتے ہیں کہ زید بن اسلم نے سعید بن مسیب سے کہ انہیں یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کے بدلے جانور فروخت کرنے کو منع کیا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اسی پر ہمارا عمل ہے۔ اگر کسی شخص نے بکری کا گوشت زندہ بکری کے عوض فروخت کیا تو اسے علم نہیں کہ وہ گوشت جو بکری سے ملے گا زیادہ ہے۔ لہٰذا یہ سودا فاسد اور مکروہ ہے۔ اور یہ مزابنہ اور محاقلہ کی طرح ہے۔ اسی طرح زیتون کا روغن زیتون کے عوض اور تل کا تل کے تیل کے عوض فروخت کرنا فاسد ہے۔ (موطا امام محمد، حدیث 779)

سعید بن مسیب کہتے تھے جانور کو گوشت کے بدلے میں بیچنا منع ہے ابوالزناد نے کہا میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا اگر کوئی شخص بکریوں کے بدلے میں ایک اونٹ خرید کرے تو کیسا ہے سعید نے کہا اگر ذبح کرنے کے لئے خرید کرے تو کیسا ہے سعید نے کہا اگر ذبح کرنے کے لئے خرید کرے تو بہتر نہیں ابوالزناد نے کہا میں نے سب عالموں کو جانور کی بیع سے گوشت کے بدلے میں منع کرتے ہوئے پایا اور ابان بن عثمان اور ہشام بن اسماعیل کے زمانے میں عاملوں کے پروانوں میں اس کی ممانعت لکھی جاتی تھی۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1250)

گوشت کے بدلے حیوان کی بیع میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک گوشت کے بدلے میں حیوان کی بیع طریق اعتبار اور غیر اعتبار کسی طرح بھی جائز نہیں ہے جبکہ امام مزنی علیہ الرحمہ جو اصحاب شوافع میں سے ہیں انہوں نے وہی کہا ہے جو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۳۳۳، بیروت)

تر کھجور کی خشک کھجور کے ساتھ بیع کرنے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ بَيْعُ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) وَقَالَا :لَا يَجُوزُ (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حِينَ سُئِلَ عَنْهُ أَوَ يَنْقُصُ إذَا جَفَّ ؟ فَقِيلَ نَعَمْ، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ :لَا إذًا) " وَلَهُ أَنَّ الرُّطَبَ تَمْرٌ (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حِينَ أُهْدَى إلَيْهِ رُطَبٌ أَوَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هَكَذَا) " سَمَّاهُ تَمْرًا .

وَبَيْعُ التَّمْرِ بِمِثْلِهِ جَائِزٌ لِمَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّهُ لَوْ كَانَ تَمْرًا جَازَ الْبَيْعُ بِأَوَّلِ الْحَدِيثِ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ تَمْرٍ فَبِآخِرِهِ، وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إذَا اخْتَلَفَ النَّوْعَانِ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ وَمَدَارُ مَا رَوَيَاهُ عَلَى زَيْدِ بْنِ عَيَّاشٍ وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ النَّقَلَةِ .

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک تر کھجور کی بیع خشک کھجور کے ساتھ برابر کرنا جائز ہے۔ جبکہ صاحبین نے کہا کہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ تر خشک ہو جانے کے بعد کم ہو جاتی ہے یا وہ خشک ہونے پر کم

ہو جاتی ہے کہا گیا ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر تو جائز نہیں ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ تر بھی کھجور ہے کیونکہ آپ ﷺ کی خدمت میں رطب تحفہ کے طور پر بھیجی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا خیبر کی ہر کھجور اسی طرح ہے۔ نبی کریم ﷺ نے یہاں رطب کا نام تمر بیان کیا ہے اور تمر کو تمر کے بدلے میں بیچنا جائز ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ جب رطب تمر ہے تو پہلی حدیث کے مطابق اس کی بیع جائز ہوگی اور جب یہ تمر نہ ہوگی تو دوسری حدیث کے مطابق آپ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی اذا اختلف سے بیع جائز ہوگی جبکہ صاحبین کی بیان کردہ حدیث کا مدار زید بن عیاش پر ہے جو حدیث نقل کرنے والوں کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔

شرح

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تر کھجور کو تر یا خشک کھجور کے بدلے میں بیع کرنا جائز ہے جبکہ دونوں جانب کی کھجوریں ماپ میں برابر ہوں۔ وزن میں برابری کا اس میں اعتبار نہیں۔ اسی طرح انگور کو منقے یا کشمش کے بدلے میں بیچنا جائز ہے جبکہ دونوں برابر ہوں۔ اسی طرح جو پھل خشک ہو جاتے ہیں اُن کے تر کو خشک کے عوض بھی بیچنا جائز ہے اور تر کے بدلے میں بھی جیسے انجیر۔ آلو بخارا خوبانی وغیرہ ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

تازہ کھجور کے بدلے خشک کو خریدنے میں مذاہب اربعہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب تازی کھجور کے بدلے میں خشک کھجور خریدنے کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تازہ کھجور خشک ہونے کے بعد کم ہو جاتی ہے عرض کیا گیا کہ جی ہاں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح لین دین سے منع فرمایا۔

(مالک ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ، مشکوۃ شریف : جلد سوم : حدیث نمبر 59)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خشک اور تازہ کھجوروں کے باہم لین دین سے اس لیے منع فرمایا کہ اس صورت میں برابر سرابر ہونے کی شرط فوت ہو جائے گی جس کی وجہ سے وہ سودی معاملہ ہو جائے گا۔

چنانچہ حضرت امام مالک ,حضرت امام شافعی ,حضرت امام احمد رحمہم اللہ اور دیگر اکثر علماء کے علاوہ حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمہما اللہ نے بھی اس حدیث پر عمل کیا ہے اور کہا کہ ان کی بیع جائز نہیں ہے۔ جبکہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے ہم جنس خشک اور تازہ پھلوں کے باہمی لین دین کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ دونوں طرف کے پھل مقدار یا وزن میں برابر سرابر ہوں انہوں نے اس حدیث کو نسیئہ کی صورت پر محمول کیا ہے یعنی امام اعظم کے نزدیک حدیث میں مذکورہ ممانعت کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ ایک فریق تو نقد دے اور دوسرا فریق بعد میں دینے کا وعدہ کرے چنانچہ مذکورہ بالا حدیث سے امام اعظم نے جو مراد اختیار کی ہے اس کی تائید ایک اور روایت سے ہوتی ہے جو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تازہ کھجور کے بدلے میں خشک کھجور کا لین دین ادھار کی صورت میں ممنوع قرار دیا ہے نیز اس مسئلہ میں جو حکم خشک و تازہ کھجوروں کا ہے وہی حکم دیگر پھلوں مثلا

انگور وغیرہ کا بھی ہے نیز خشک وتازہ گوشت کا معاملہ بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

انگور کو کشمش کے بدلے میں بیچنے کا بیان

قَالَ (وَكَـذَا الْعِنَبُ بِالزَّبِيبِ) يَعْنِـى عَلَى الْخِلَافِ وَالْوَجْهُ مَا بَيَّنَّاهُ .وَقِيلَ لَا يَجُوزُ بِـالِاتِّفَاقِ اعْتِبَارًا بِالْحِنْطَةِ الْمَقْلِيَّةِ بِغَيْرِ الْمَقْلِيَّةِ، وَالرُّطَبُ بِالرُّطَبِ يَجُوزُ مُتَمَاثِلًا كَيْلًا عِنْدَنَا لِأَنَّهُ بَيْعُ التَّمْرِ بِالتَّمْرِ، وَكَذَا بَيْعُ الْحِنْطَةِ الرَّطْبَةِ أَوْ الْمَبْلُولَةِ بِمِثْلِهَا أَوْ بِالْيَابِسَةِ، أَوْ التَّـمْـرُ أَوْ الـزَّبِـيـبُ الْـمُـنْـقَـعُ بِـالْمُنْقَعِ مِنْهُمَا مُتَمَاثِلًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .

وَقَـالَ مُـحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ جَمِيعُ ذَلِكَ لِأَنَّهُ يُعْتَبَرُ الْمُسَاوَاةُ فِي أَعْدَلِ الْأَحْوَالِ وَهُـوَ الْـمَـالُ، وَأَبُـو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَعْتَبِرُهُ فِي الْحَالِ، وَكَذَا أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَـمَلًا بِـإِطْلَاقِ الْـحَدِيـثِ إِلَّا أَنَّـهُ تَرَكَ هَذَا الْأَصْلَ فِي بَيْعِ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ لِمَا رَوَيْنَاهُ لَهُمَا .

وَوَجْهُ الْفَرْقِ لِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ بَيْنَ هَذِهِ الْفُصُولِ وَبَيْنَ الرُّطَبِ بِالرُّطَبِ أَنَّ التَّفَاوُتَ فِيمَا يَظْهَرُ مَعَ بَقَاءِ الْبَدَلَيْنِ عَلَى الِاسْمِ الَّذِي عُقِدَ عَلَيْهِ الْعَقْدُ، وَفِي الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ مَعَ بَـقَـاءِ أَحَدِهِمَا عَلَى ذَلِكَ فَيَكُونَ تَفَاوُتًا فِي عَيْنِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ، وَفِي الرُّطَبِ بِالرُّطَبِ التَّفَاوُتُ بَعْدَ زَوَالِ ذَلِكَ الِاسْمِ فَلَمْ يَكُنْ تَفَاوُتًا فِي الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ فَلَا يُعْتَبَرُ .

ترجمہ

اور انگور کو کشمش کے بدلے میں بیچنا اسی اختلاف پر ہے اور اس کی دلیل بھی وہی ہے جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ جس طرح بھنی ہوئی گندم بغیر بھنی ہوئی گندم کے بدلے میں بیچنا جائز نہیں ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ بھی بہ اتفاق جائز نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک رطب کو رطب کے بدلے میں کیل کرتے ہوئے برابر کر کے بیچنا جائز ہے کیونکہ یہ بیع تمر بہ تمر ہے اور اسی طرح تازہ گندم کو بھیگی ہوئی گندم کے ساتھ اسی کی مثل یا خشک گندم کو بیچنا جائز ہے یا خشک بھیگے ہوئے چھوہاروں کو چھوہاروں کے بدلے میں یا خشک کشمش کو تو چھوہاروں اور تر کشمش کے بدلے میں برابری کے ساتھ بیچنا جائز ہے یہ شیخین کے نزدیک ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا یہ سب ناجائز ہیں۔ کیونکہ وہ احوال میں پھرنے کا اعتبار کرتے ہیں۔اور وہ انجام کی حالت

ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ اسی حالت میں برابری کا اعتبار کرتے ہیں اور حدیث کے اطلاق کے مطابق امام ابو یوسف علیہ الرحمہ بھی فی الحال برابری کا اعتبار کرتے ہیں۔ البتہ انہوں نے بیع رطب بہ تمر والے مسئلہ میں صاحبین کے استدلال میں ہماری بیان کردہ روایت سے اس اصول کو ترک کر دیا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک بیع رطب بہ رطب اور ان مسائل میں فرق کی دلیل یہ ہے کہ ان صورتوں میں معقود علیہ پر اعواض کی بقاء ہوتے ہوئے بھی فرق ظاہر ہونے والا ہے پس یہ معقود علیہ کے عین میں فرق ہو جائے گا جبکہ رطب بہ رطب کے مسئلہ میں زائل ہو جانے کے بعد فرق ظاہر ہونے والا ہے پس یہ معقود علیہ کا فرق نہ ہو گا پس اس کا اعتبار بھی نہ کیا جائے گا۔

شرح

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہم سے بیان کیا نافع نے کہ سلیمان بن یسار نے انہیں خبر دی کہ عبدالرحمن بن اسود یغوث کے جانور کا چارہ ختم ہو گیا تو اس نے اپنے غلام کو کہا گھر سے گیہوں لے جائے اور اس کے بدلے برابر برابر جو خرید لے، کم یا زیادہ نہ ہوں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص دست بدست ایک قفیز گیہوں کے بدلے دو قفیز جو خرید لے۔ اس بارے میں عبادہ بن صامت کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے اور جو جو کے بدلے برابر برابر فروخت کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص سونا زیادہ چاندی کے عوض اور گیہوں زیادہ جو کے عوض دست بدست خریدے۔ اس بارے میں بہت سی مشہور احادیث ہیں۔ اور یہی ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔ (مؤطا امام محمد، حدیث، ۷۶۶)

گدرائے ہوئے چھوہاروں کی کفری چھوہاروں سے بیع کرنے کا بیان

وَلَوْ بَاعَ الْبُسْرَ بِالتَّمْرِ مُتَفَاضِلًا لَا يَجُوزُ لِأَنَّ الْبُسْرَ تَمْرٌ، بِخِلَافِ الْكُفُرَّى حَيْثُ يَجُوزُ بَيْعُهُ بِمَا شَاءَ مِنْ التَّمْرِ اثْنَانِ بِوَاحِدٍ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِتَمْرٍ، فَإِنَّ هَذَا الِاسْمَ لَهُ مِنْ أَوَّلِ مَا تَنْعَقِدُ صُورَتُهُ لَا قَبْلَهُ، وَالْكُفُرَّى عَدَدِيٌّ مُتَفَاوِتٌ، حَتَّى لَوْ بَاعَ التَّمْرَ بِهِ نَسِيئَةً لَا يَجُوزُ لِلْجَهَالَةِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے گدرائے ہوئے چھوہاروں کی بیع خشک چھوہاروں کے ساتھ کمی بیشی سے کی تو جائز نہیں ہے کیونکہ بسر بھی تمر ہے بہ خلاف غنچہ کے کیونکہ اس کو بیع جس طرح چاہیں چھوہاروں کے بدلے میں جائز ہے۔ خواہ ایک کے بدلے میں دو ہوں کیونکہ غنچہ تمر نہیں ہے اس لئے کہ اس کا یہ نام اس کی ابتدائی صورت پر ہے جبکہ اس سے پہلے نہیں ہے اور غنچہ عددی میں فرق ہے

یہاں تک کہ جب چھواروں کو غنچے کے بدلے میں ادھار فروخت کیا تو جہالت کے سبب بیع جائز نہ ہوگی۔

شرح

حضرت ابوعیاش زید نے سعد بن ابی وقاص سے پوچھا کہ سفید گیہوں جو کے عوض خریدنا کیسا ہے؟ تو سعد نے ان سے بیان میں بہتر چیز کون سی ہے؟ میں نے کہا سفید گیہوں۔ آپ نے مجھے اس سے منع فرمایا اور کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ سے پوچھا گیا کہ تازہ کھجور چھوہارہ کے عوض خریدنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا تازہ کھجور جب خشک ہوگی تو کم ہو جائے گی؟ لوگوں نے عرض کیا جی ہاں! آپ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 422)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا اور مزابنہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باغ کی کھجور تلی ہوئی کھجور کے بدلہ میں اندازے سے بیچے اور اپنے انگوروں کو ناپی ہوئی کشمش کے بدلے میں اندازے سے بیچے اور کھیتی کو ناپے ہوئے اناج کے بدلے اندازے سے بیچے۔ آپ نے ان سب سے منع فرمایا۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 423)

زیتون کو زیتون کے بدلے میں فروخت کرنے کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الزَّيْتُونِ بِالزَّيْتِ وَالسِّمْسِمِ بِالشَّيْرَجِ حَتَّى يَكُونَ الزَّيْتُ وَالشَّيْرَجُ أَكْثَرَ مِمَّا فِي الزَّيْتُونِ وَالسِّمْسِمِ فَيَكُونَ الدُّهْنُ بِمِثْلِهِ وَالزِّيَادَةُ بِالثَّجِيرِ) لِأَنَّ عِنْدَ ذَلِكَ يَعْرَى عَنْ الرِّبَا إذْ مَا فِيهِ مِنْ الدُّهْنِ مَوْزُونٌ، وَهَذَا لِأَنَّ مَا فِيهِ لَوْ كَانَ أَكْثَرَ أَوْ مُسَاوِيًا لَهُ، فَالثَّجِيرُ وَبَعْضُ الدُّهْنِ أَوْ الثَّجِيرُ وَحْدَهُ فَضْلٌ، وَلَوْ لَمْ يُعْلَمْ مِقْدَارُ مَا فِيهِ لَا يَجُوزُ لِاحْتِمَالِ الرِّبَا، وَالشُّبْهَةُ فِيهِ كَالْحَقِيقَةِ، وَالْجَوْزُ بِدُهْنِهِ وَاللَّبَنُ بِسَمْنِهِ وَالْعِنَبُ بِعَصِيرِهِ وَالتَّمْرُ بِدِبْسِهِ عَلَى هَذَا الِاعْتِبَارِ .وَاخْتَلَفُوا فِي الْقُطْنِ بِغَزْلِهِ، وَالْكِرْبَاسُ بِالْقُطْنِ يَجُوزُ كَيْفَمَا كَانَ بِالْإِجْمَاعِ

ترجمہ

فرمایا: زیتون کو زیت کے بدلے میں بیچنا اور تل کو اس کے تیل کے بدلے میں بیچنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ روغنی زیتون اور تل کا تیل میں موجود تیل سے زائد ہوتا کہ تیل تیل کا بدلہ بن جائے اور زیادتی کھل کے بدلے میں ہو جائے کیونکہ اب عقد سود سے بچ جائے گا۔ کیونکہ زیتون میں موجود تیل بھاری ہے اور یہ حکم اس سبب سے ہے کہ جب زیتون وغیرہ میں موجود تیل، خارج تیل سے زیادہ یا اس کے برابر ہے تو کھل اور کچھ تیل یا اکیلی کھل زائد ہوگی۔ اور جب زیتون وغیرہ میں موجود تیل کی مقدار معلوم نہ ہو تب بھی سود کے احتمال کے سبب بیع جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ سود کے باب میں شبہ حقیقت کی طرح ہوتا ہے۔ اور اخروٹ کو اس کے روغن کے

بدلے میں بیچنا، دودھ کو اس کے گھی کے بدلے میں بیچنا، انگور کو اس کے شیرہ کے بدلے میں بیچنا اور چھوہارے کو اس کے خاص شیرہ کے ساتھ بیچنا بھی اسی اعتبار پر ہے اور روئی کو سوت کے بدلے میں بیچنے میں ائمہ کا اختلاف ہے جبکہ سوتی کپڑے کو روئی کے بدلے میں بیچنا بالاجماع جائز ہے چاہے کسی طرح بھی ہو۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے تلوں کو ان کے تیل کے بدلے میں یا زیتون کو روغن زیتون کے بدلے میں بیچنا اس وقت جائز ہے کہ ان میں جتنا تیل ہے وہ اُس تیل سے زیادہ ہو جس کے بدلے میں اس کو بیع کر رہے ہیں یعنی کھلی کے مقابلہ میں تیل کا کچھ حصہ ہونا ضرور ہے ورنہ ناجائز۔ اسی طرح سرسوں کو کڑوے تیل کے بدلے میں یا السی کو اس کے تیل کے بدلے میں بیع کرنے کا حکم ہے غرض یہ کہ جس کھلی کی کوئی قیمت ہوتی ہے اُس کے تیل کو جب اُس سے بیع کیا جائے تو جو تیل مقابل میں ہے وہ اس سے زیادہ ہو جو اس میں ہے

اور اگر کوئی ایسی چیز اس میں ملی ہو جس کی کوئی قیمت نہ ہو جیسے سونار کے یہاں کی راکھ کہ اسے نیارےے خریدتے ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ جس سونے یا چاندی کے عوض میں اسے خریدا اگر وہ زیادہ یا کم ہے بیع فاسد ہے اور برابر ہو تو جائز اور معلوم نہ ہو کہ برابر ہے یا نہیں، جب بھی ناجائز۔ (بحرالرائق، کتاب بیوع)

مختلف انواع کے گوشت کی ایک دوسرے سے بیع کرنے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ بَيْعُ اللَّحْمَانِ الْمُخْتَلِفَةِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ مُتَفَاضِلًا) وَمُرَادُهُ لَحْمُ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ ؛ فَأَمَّا الْبَقَرُ وَالْجَوَامِيسُ جِنْسٌ وَاحِدٌ، وَكَذَا الْمَعْزُ مَعَ الضَّأْنِ وَكَذَا الْعِرَابُ مَعَ الْبَخَاتِيِّ .قَالَ (وَكَذَلِكَ أَلْبَانُ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ) وَعَنْ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهَا جِنْسٌ وَاحِدٌ لِاتِّحَادِ الْمَقْصُودِ .

وَلَنَا أَنَّ الْأُصُولَ مُخْتَلِفَةٌ حَتَّى لَا يَكْمُلَ نِصَابُ أَحَدِهِمَا بِالْآخَرِ فِي الزَّكَاةِ، فَكَذَا أَجْزَاؤُهَا إذَا لَمْ تَتَبَدَّلْ بِالصَّنْعَةِ .

قَالَ (وَكَذَا خَلُّ الدَّقَلِ بِخَلِّ الْعِنَبِ) لِلِاخْتِلَافِ بَيْنَ أَصْلَيْهِمَا، فَكَذَا بَيْنَ مَاءَيْهِمَا وَلِهَذَا كَانَ عَصِيرَاهُمَا جِنْسَيْنِ .وَشَعْرُ الْمَعْزِ وَصُوفُ الْغَنَمِ جِنْسَانِ لِاخْتِلَافِ الْمَقَاصِدِ .

قَالَ (وَكَذَا شَحْمُ الْبَطْنِ بِالْأَلْيَةِ أَوْ بِاللَّحْمِ) لِأَنَّهَا أَجْنَاسٌ مُخْتَلِفَةٌ لِاخْتِلَافِ الصُّوَرِ

وَالْمَعَانِي وَالْمَنَافِعِ اخْتِلَافًا فَاحِشًا .

ترجمہ

مختلف انواع کے گوشت کی بعض کے بعض کے ساتھ کمی بیشی کے ساتھ بیع کرنا جائز ہے اور امام قدوری علیہ الرحمہ کی مراد یہاں سے اونٹ، گائے، بکری کا گوشت ہے جبکہ گائے اور بھینس یہ دونوں ایک ہی جنس سے ہیں۔ اسی طرح بکری اور بھیڑ بھی ایک جنس سے ہیں اور اسی طرح عربی اور بختاتی بھی ایک جنس سے ہیں۔ اسی طرح گائے اور بکری کا دودھ ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کیونکہ مقصود کے اتحاد کے سبب دودھ ایک ہی جنس کے ہوں گے۔

ہماری دلیل یہ ہے دودھ کے اصول میں اختلاف ہے اسی دلیل کے سبب زکوٰۃ کے اندر ان میں سے ایک دوسرے کا نصاب دوسرے کے ذریعے سے پورا نہیں کیا جاتا۔ پس ان کے اجزاء بھی مختلف ہوں گے۔ ہاں البتہ کسی مصنوعی طریقہ کار سے میں ان تغیر تبدل نہ کیا گیا ہو۔

اسی طرح کھجور کے سرکہ کو انگور کے سرکہ کے ساتھ بیچنا جائز ہے کیونکہ ان اصل میں اختلاف ہے پس ان کے پانی میں اختلاف ہوگا اسی دلیل کے سبب ان دونوں کے شیرے الگ الگ جنس ہیں اور مقاصد کے اختلاف کے سبب بھیڑ کی اون اور بکری کے بال دو الگ جنس ہیں۔

اسی طرح پیٹ کی چربی کو سرین کے گوشت یا مطلق طور پر گوشت کے بدلے میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے کیونکہ شکل ومعنی اور نفع میں بہت زیادہ اختلاف کے ان کی جنس بھی مختلف ہو چکی ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مختلف قسم کے گوشت کی بیشی کے ساتھ بیع کیے جا سکتے ہیں، مثلاً بکری کا گوشت ایک سیر گائے کے دو سیر سے بیچ سکتے ہیں مگر یہ ضرور ہے کہ دست بدست ہوں اُدھار جائز نہیں اگر ایک قسم کے جانور کا گوشت ہو تو کمی بیشی جائز نہیں۔ گائے اور بھینس دو جنس نہیں بلکہ ایک جنس ہیں۔ اسی طرح بکری، بھیڑ، دُنبہ، یہ تینوں ایک جنس ہیں۔ گائے کا دودھ بکری کے دودھ سے، کھجور یا گنے کا سرکہ انگوری سرکہ سے، پیٹ کی چربی دُنبہ کی چکی یا گوشت سے بکری کے بال کو بھیڑ کی اون سے کم وبیش کر کے بیع کر سکتے ہیں۔

اور پرندہ اگرچہ ایک قسم کے ہوں اُن کے گوشت کم وبیش کر کے بیع کیے جا سکتے ہیں مثلاً ایک بٹیر کے گوشت کو دو کے گوشت کے ساتھ۔ اسی طرح مُرغی و مُرغابی کے گوشت بھی کہ یہ وزن کے ساتھ نہیں بکتے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

گوشت کی بیع دوسری جنس کے گوشت سے ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ نے کہا ہے کہ جب کسی شخص نے گوشت کی بیع دوسری جنس کے گوشت سے کی جس طرح گائے کے گوشت کی بیع بکری کے گوشت کے ساتھ کی تو ان کے نزدیک جائز ہے۔ اور اس میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے دو قول ہیں۔ جبکہ زیادہ صحیح یہ ہے نہی کے عموم کے سبب گوشت کے بدلے حیوان کی بیع درست نہیں ہے جبکہ امام اعظم اور امام ابو یوسف علیہما الرحمہ کے قول کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے یہاں حکم کو مطلق قرار دیا ہے۔ جو ان کے مذہب کیلئے دلیل وجحت ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۳۳۵، بیروت)

جانور کی بیع جانور کے بدلے پر فقہی مذاہب اربعہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک اونٹ چار اونٹوں کے بدلے میں خریدا تھا۔ جن کے متعلق یہ طے ہوا تھا کہ مقام ربذہ میں وہ انہیں اسے دے دیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کبھی ایک اونٹ، دو اونٹوں کے مقابلے میں بہتر ہوتا ہے۔ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے میں خریدا تھا۔ ایک تو اسے دے دیا تھا، اور دوسرے کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ کل ان شاء اللہ کسی تاخیر کے بغیر تمہارے حوالے کر دوں گا۔ سعید بن مسیب نے کہا کہ جانوروں میں سود نہیں چلتا۔ ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے، اور ایک بکری دو بکریوں کے بدلے ادھار بیچی جا سکتی ہے ابن سیرین نے کہا کہ ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے ادھار بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۲۲۷)

ربذہ ایک مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ بیع کے وقت یہ شرط ہوئی کہ وہ اونٹنی بائع کے ذمہ اور اس کی حفاظت میں رہے گی۔ اور بائع ربذہ پہنچ کر اسے مشتری کے حوالے کر دے گا۔ حضرت ابن عباس کے اثر کو امام شافعی نے وصل کیا ہے۔ طاؤس کے طریق سے یہ معلوم ہوا کہ جانور سے جانور کے بدلنے میں کمی اور بیشی اسی طرح ادھار بھی جائز ہے۔ اور یہ سود نہیں ہے گو ایک ہی جنس کا دونوں طرف ہو اور شافعیہ بلکہ جمہور علماء کا یہی قول ہے۔ لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے منع کیا ہے۔ ان کی دلیل سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے اصحاب سنن نے نکالا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر جنس مختلف ہو تو جائز ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ قیدیوں میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ پہلے تو وہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ملیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث، ۲۲۲۸)

اس حدیث سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نکالا کہ جانور سے جانور کا تبادلہ درست ہے۔ اسی طرح غلام کا غلام سے، لونڈی کا لونڈی سے، کیوں کہ یہ سب حیوان ہی تو ہیں۔ اور ہر حیوان کا یہی حکم ہوگا۔ بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث میں کمی اور زیادتی کا ذکر نہیں ہے اور نہ ادھار کا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے دوسرے

طریق کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو امام مسلم نے نکالا۔ اس میں یہ ہے کہ آپ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو سات لونڈیاں دے کر خریدا۔ ابن بطال نے کہا جب آپ نے دحیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تو صفیہ رضی اللہ عنہا کے بدل میں اور کوئی لونڈی قیدیوں میں سے لے لے تو یہ بیع ہوئی لونڈی کی بعوض لونڈی کے ادھار اور اس کا یہی مطلب ہے۔

روٹی کو گندم کے بدلے میں بیچنے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ بَيْعُ الْخُبْزِ بِالْحِنْطَةِ وَالدَّقِيقِ مُتَفَاضِلًا) لِأَنَّ الْخُبْزَ صَارَ عَدَدِيًّا أَوْ مَوْزُونًا فَخَرَجَ مِنْ أَنْ يَكُونَ مَكِيلًا مِنْ كُلِّ وَجْهٍ وَالْحِنْطَةُ مَكِيلَةٌ .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا خَيْرَ فِيهِ، وَالْفَتْوَى عَلَى الْأَوَّلِ، وَهَذَا إذَا كَانَا نَقْدَيْنِ فَإِنْ كَانَتْ الْحِنْطَةُ نَسِيئَةً جَازَ أَيْضًا، وَإِنْ كَانَ الْخُبْزُ نَسِيئَةً يَجُوزُ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَكَذَا السَّلَمُ فِي الْخُبْزِ جَائِزٌ فِي الصَّحِيحِ، وَلَا خَيْرَ فِي اسْتِقْرَاضِهِ عَدَدًا أَوْ وَزْنًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ يَتَفَاوَتُ بِالْخُبْزِ وَالْخَبَّازِ وَالتَّنُّورِ وَالتَّقَدُّمِ وَالتَّأَخُّرِ .

وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجُوزُ بِهِمَا لِلتَّعَامُلِ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَجُوزُ وَزْنًا وَلَا يَجُوزُ عَدَدًا لِلتَّفَاوُتِ فِي آحَادِهِ .

ترجمہ

روٹی کو گندم اور آٹے کے بدلے میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے کیونکہ روٹی عددی اور موزونی ہے پس یہ بھی ایک طرح کیل والی ہونے سے خارج ہوگئی ہے جبکہ گندم مکیلی ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے جبکہ فتویٰ پہلے قول کے مطابق ہے۔ اور یہ جواز اس حالت میں ہے جب دونوں اعواض نقد ہوں۔ اور جب گندم ادھار ہے تب بھی جائز ہے۔

اور اسی طرح صحیح روایت کے مطابق روٹی میں بیع سلم جائز ہے جبکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک عدد یا وزن کے ذریعے روٹی کو قرض پر لینے میں کوئی خیر نہیں ہے کیونکہ پکانے، پکانے والے، تنور اور تقدم تاخر کے سبب روٹی مختلف ہو جاتی ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک لوگوں معمول کے سبب روٹی کو قرض پر لینا جائز ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وزن سے جائز ہے عدد سے جائز نہیں ہے کیونکہ افراد میں فرق ہوا کرتا ہے۔

گندم کی بیع آٹے سے کرنے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ روٹی کی بیع گندم اور جو کے ساتھ جائز کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے حضرت امام محمد علیہ الرحمہ خواہ وہ روٹی عددی ہو یا نہ ہو اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ایک یہی روایت ہے۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ روٹی اسی کا حصہ ہے۔ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی اور امام احمد علیہما الرحمہ کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ہم جنس ہونے کا شبہہ ہے جبکہ فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

ایک روایت کے مطابق امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ کے نزدیک گندم کی بیع جو کے بدلے میں جائز ہے جبکہ وزن یا کیل کے ساتھ ہو۔ (شرح الوقایہ فی مسائل الہدایہ، کتاب بیوع)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک غلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت پر بیعت کی یعنی اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا کہ میں اپنے وطن کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش رہوں گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ غلام ہے کچھ دنوں کے بعد جب اس کا مالک اس کو تلاش کرتا ہوا آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اس غلام کو میرے ہاتھ بیچ دو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کو دو سیاہ رنگ کے غلاموں کے بدلے میں خرید لیا اور پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے بیعت نہ لی جب تک کہ یہ معلوم نہ کر لیا کہ وہ غلام ہے یا آزاد (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 54)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں لینا دینا جائز ہے نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو چیزیں مال ربا میں داخل نہیں ان کا لین دین اس طرح کرنا کہ ایک طرف کم ہو اور دوسری طرف زیادہ ہو جائز ہے چنانچہ شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ علماء نے اسی بنیاد پر یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ ایک جانور کو دو جانوروں کے بدلے میں دست بدست لینا دینا جائز ہے خواہ دونوں طرف سے ایک ہی جنس کے جانور ہوں یا دو جنس کے۔ البتہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ آیا جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین جائز ہے یا نہیں چنانچہ صحابہ میں سے ایک جماعت اس کے عدم جواز کی قائل تھی نیز حضرت عطاء ابن ابی رباح بھی اسی کے قائل تھے اور حضرت امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار لین دین کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن بعض صحابہ اس کے جواز کے قائل تھے اور حضرت امام شافعی کے مسلک میں بھی یہ جائز ہے۔

بیع کو قرض کی شرط سے مشروط نہ کرنے کا بیان

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال :قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :لاَ یَحِلُّ

سَلَفٌ وَبَيْعٌ .

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرض کی شرط پر کسی چیز کی بیع حلال نہیں۔ (السنن لابی داؤد، باب فی الرجل بیع مالیس عندہ)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ قرض لینے والا بضرورت قرض، قرض کے ساتھ کم مالیت کی شی زیادہ قیمت کو اگر اس طرح خریدے کہ وہ بیع اس قرض پر مشروط ہو تو بالاتفاق حرام ہے۔ اور اگر عقد قرض پہلے ہو اور یہ بیع اس میں نصا یا دلالۃ مشروط نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض علماء اجازت دیتے ہیں کہ یہ بیع بشرط قرض نہیں۔ بلکہ قرض بشرط بیع ہے۔ اور قرض شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔ اور راجح یہ ہے کہ یہ بھی ممنوع ہے کہ اگر چہ شرط مفسد قرض نہیں مگر یہ وہ قرض ہے جس کے ذریعہ سے ایک منفعت قرض دینے والے نے حاصل کی اور یہ ناجائز ہے۔ لہذا ان صورتوں کو ترک کیا جائے۔ اور قرض کا نام ہی نہ لیا جائے۔ بلکہ خالص بیع ایک وعدہ معینہ پر ہو۔ اب نوٹ کی بیع روپے کے عوض جائز ہوگی اگر چہ دس کا نوٹ سو کو بیچے۔ اور دونوں صورتوں میں فرق وہی ہے جو قرآن عظیم نے فرمایا: واحل الله البيع وحرم الربوا مگر چاندی سونے کی بیع اب بھی جائز نہ ہوگی اور نوٹ کی جائز ہوگی۔ قال النبی صلی الله تعالیٰ علہ وسلم اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم ۔ اور یہ زیادہ قیمت دینا اگر چہ بحالت قرض ہے لیکن بوجہ بیع جائز ہے۔ اگر چہ اولیٰ نہیں۔ درمختار میں ہے شراء شي بثمن غال لحاجة القرض، يجوز و يكره واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رضویہ، کتاب بیوع)

آقا اور غلام کے درمیان سود ثابت نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا رِبَا بَيْنَ الْمَوْلَى وَعَبْدِهِ) لِأَنَّ الْعَبْدَ وَمَا فِي يَدِهِ مِلْكٌ لِمَوْلَاهُ فَلَا يَتَحَقَّقُ الرِّبَا، وَهَذَا إِذَا كَانَ مَأْذُونًا لَهُ وَلَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ، فَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ لَا يَجُوزُ لِأَنَّ مَا فِي يَدِهِ لَيْسَ مِلْكَ الْمَوْلَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَعِنْدَهُمَا تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْغُرَمَاءِ فَصَارَ كَالْأَجْنَبِيِّ فَيَتَحَقَّقَ الرِّبَا كَمَا يَتَحَقَّقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مُكَاتَبِهِ .

ترجمہ

فرمایا: غلام اور آقا کے درمیان سود ثابت نہ ہوگا کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے وہ سارے کا سارا اس کے مالک کا ہے۔ پس ان کے درمیان سود ثابت نہ ہوگا۔ اور یہ اس وقت ہے جب غلام تجارت میں ماذون ہو اور اس پر دین محیط بھی نہ ہو اور جب اس پر دین ہے تو درست نہیں ہے کیونکہ جو مال اس کے قبضہ میں ہے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے وہ مال مالک کا نہیں ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کا حق غرماء سے متعلق ہے پس یہ غلام اجنبی کی طرح ہو جائے گا اس سود ثابت ہو جائے گا جس طرح مکاتب اور آقا کے درمیان سود ثابت ہو جاتا ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ آقا اور غلام کے مابین سود نہیں ہوتا اگر چہ مدبر یا ام ولد ہو کہ یہاں حقیقۃً بیع ہی نہیں ہاں اگر غلام پر اتنا دَین ہو جو اُس کے مال اور ذات کو مستغرق ہو تو اب سود ہو سکتا ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

دارالحرب میں مسلم وحربی کے درمیان سود ثابت نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ فِي دَارِ الْحَرْبِ) خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ وَالشَّافِعِيِّ - رَحِمَهُمَا اللَّهُ . لَهُمَا الِاعْتِبَارُ بِالْمُسْتَأْمَنِ مِنْهُمْ فِي دَارِنَا .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (لَا رِبَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ فِي دَارِ الْحَرْبِ) " وَلِأَنَّ مَالَهُمْ مُبَاحٌ فِي دَارِهِمْ فَبِأَيِّ طَرِيقٍ أَخَذَهُ الْمُسْلِمُ أَخَذَ مَالًا مُبَاحًا إذَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ غَدْرٌ، بِخِلَافِ الْمُسْتَأْمَنِ مِنْهُمْ لِأَنَّ مَالَهُ صَارَ مَحْظُورًا بِعَقْدِ الْأَمَانِ .

ترجمہ

فرمایا: دارالحرب میں مسلمان اور حربی میں سود ثابت نہ ہوگا جبکہ اس میں امام ابو یوسف اور امام شافعی علیہما الرحمہ نے اختلاف کیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ امن لیتے ہوئے دارالاسلام میں آنے والے حربی قیاس کرتے ہیں جبکہ ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ ارشادگرامی ہے کہ دارالحرب میں مسلمان اور حربی کے درمیان سود نہیں ہے کیونکہ دارالحرب میں اہل حرب کا مال مباح ہے۔ پس مسلمان اس کو جس طرح بھی حاصل کرے گا وہ مباح ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی غدر نہ ہو۔ جبکہ مستأمن حربیوں کے بارے میں ایسا حکم نہیں ہے کیونکہ ان عہد امن کے سبب ان کا مال منع قرار دیا گیا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسلم اور کافر حربی کے مابین دارالحرب میں جو عقد ہو اس میں سود نہیں۔ مسلمان اگر دارالحرب میں امان لیکر گیا تو کافروں کی خوشی سے جس قدر اُن کے اموال حاصل کرے جائز ہے اگر چہ ایسے طریقہ سے حاصل کیے کہ مسلمان کا مال اس طرح لینا جائز نہ ہو مگر یہ ضرور ہے کہ وہ کسی بدعہدی کے ذریعہ حاصل نہ کیا گیا ہو کہ بدعہدی کفار کے ساتھ بھی حرام ہے مثلاً کسی کافر نے اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی اور یہ دینا نہیں چاہتا یہ بدعہدی ہے اور درست نہیں۔

عقد فاسد کے ذریعہ سے کافر حربی کا مال حاصل کرنا ممنوع نہیں یعنی جو عقد مابین دو مسلمان ممنوع ہے اگر حربی کے ساتھ کیا جائے تو منع نہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ عقد مسلم کے لیے مفید ہو مثلاً ایک روپیہ کے بدلے میں دو روپے خریدے یا اُس کے ہاتھ مُردار کو بیچ ڈالا کہ اس طریقہ سے مسلمان کا روپیہ حاصل کرنا شرع کے خلاف اور حرام ہے اور کافر سے حاصل کرنا جائز ہے۔

(ردمختار، کتاب بیوع)

دار الحرب میں سود سے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک دار الحرب میں مسلمان و کافر حربی کے درمیان سود نہ ہوگا جبکہ ائمہ احناف میں سے امام ابو یوسف، امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک دار الحرب میں بھی سود ثابت ہوگا۔ احناف کے مذہب کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ ان کا استدلال حدیث اور عقلی استدلال کہ دار الحرب میں حربی کفار کا مال تو ویسے ہی مباح ہے تو سود میں وہ کیونکر مباح نہ ہوگا۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۳۵۹، بیروت)

دار الحرب میں مسئلہ سود پر مذہب احناف پر بحث ونظر کا بیان

شیخ نے اس حدیث مرسل کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے کہ دار الحرب کے اندر حربیوں کے لئے سود کی ممانعت نہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنو قینقاع اور بنو نضیر کو جلا وطن کیا اور لوگوں کے پاس ان کے قرضے باقی تھے اس موقع سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ شیخ کا نظریہ ہے سود کی اجازت دی اور لوگوں سے کہا کہ دیدو یا جلدی کرو، شیخ کے قول کے مطابق یہ سود کی ہی ایک قسم ہے جس کی اجازت اہل حرب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

شیخ نے اس رقم سے بھی استدلال کیا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ سے تین مرتبہ زیر کرنے کے بعد لیا تھا جب کہ آپ ﷺ مکہ میں تھے اور رکانہ کافر تھے جو مکہ کے رہنے والے تھے اور مکہ اس وقت دار الکفر تھا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کو مکہ میں سود کی رقم لینے کی غرض سے چھوڑا تھا جو دار الحرب تھا۔ سود کی حرمت حجۃ الوداع کے سال ہوئی ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے مغلوب ہونے کے سلسلے میں مشرکین سے بازی لگائی تھی چنانچہ ان سے جوا اس لیے جائز تھا کہ وہ لوگ مشرک تھے اور مکہ دار الکفر تھا۔

انہوں نے امام ابو حنیفہ، محمد بن الحسن، امام سرخسی کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ حربیوں سے دار الحرب کے اندر سودی معاملات میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

ان محرمات کی فروخت اور تجارت کے سلسلے میں شیخ کے جواز کے موقف پر میں آگے بحث کروں گا لیکن فی الحال میں اس کلیدی مسئلہ پر گفتگو کروں گا کہ کیا یورپ، امریکہ، جاپان، آسٹریلیا وغیرہ ان ممالک میں مقیم مسلمانوں کے لیے دار الحرب ہیں بھی یا نہیں؟

میں تفصیلی گفتگو شروع کرنے سے پہلے، اس مسئلہ کی وضاحت کر دوں کہ یہ ممالک ان میں مقیم مسلمانوں کے لیے دار الحرب سمجھے جائیں گے یا نہیں۔ میں اسرائیل کے تئیں فلسطینیوں کے موقف کی بات نہیں کر رہا ہوں جس نے ان کی سرزمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور نہ ہی کشمیریوں کی بات کر رہے ہیں کہ جن علاقے پر ہندو قابض ہیں بلکہ یہاں موضوع بحث ان ممالک کے

سلسلے میں شرعی حکم ہے جن میں مغرب کے اندر مسلمان مقیم ہیں جن کی اقامت امن و امان کے عہد و میثاق ویزا اور دیگر اصول و قرائن کی تحت ہوتی ہے۔ اس ضمن میں مندرجہ امور کا ملحوظ خاطر رکھا جانا ضروری ہے:

الف۔ جنگ اس کے ساتھ ہوتی ہے جو جنگ کرتا ہو یعنی جہاں جان و مال محفوظ نہ ہو کیونکہ جنگ کے اندر جان و مال ہی پر حملہ ہوتا ہے اور دارالحرب اس ملک کو کہیں گے جہاں مسلمان اور غیر مسلموں کے درمیان جان و مال پر حملہ جائز کرلیا گیا ہو اس ملک کے باشندے مسلم علاقوں میں اور مسلم علاقوں کے باشندے ان کے ملکوں میں غیر محفوظ ہوتے ہیں۔

ب۔ قرن اول کے اندر فقہ اسلامی میں دارالحرب کی اصطلاح کا چلن نہیں تھا بلکہ یہ بہت بعد میں سامنے آیا پھر یہ ایک فقہی اصطلاح ہے نہ کہ شرعی جسے اختیار کیا جانا ضروری نہیں ہے۔ اس سلسلے میں صراحت کے ساتھ نصوص وارد نہیں ہوئی ہیں اور نہ ہی صحیح احادیث نبویہ کے اندر اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

ج۔ اسی امر کی وضاحت شیخ ڈاکٹر طہ جابر العلوانی نے اپنی کتاب مسلم اقلیتوں کے مسائل کے اندر کی ہے وہ کہتے ہیں ہمارے جن فقہاء نے دارالحرب کی اصطلاح استعمال کی ہے انہوں نے اس سمٹتی ہوئی دنیا کی زندگی نہیں گذاری ہے جن میں باہمی گذر بسر کا تصور نہیں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ جنگ کے مسائل اس زمانہ کی صورت حال کا احاطہ کرتے ہیں جب کہ آج ہمیں باہمی معیشت زندگی کے لیے مسائل استنباط کی ضرورت ہے جو آج کمیت و نوعیت کی صورت حال کے مطابق ہو (ص) وہ مزید کہتے ہیں کہ موجودہ زمانے کو گذرے ہوئے ماضی پر قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ آج کے مسائل کی نوعیت میں زبردست فرق کی مطابقت نہیں ہو سکے گی

د۔ موصوف نے دارالحرب کی تعریف کے سلسلہ میں اجلہ احناف کے درمیان اختلاف کیا ہے جبکہ علامہ کاسانی جو کہ حنفی ہیں بدائع الصنائع کے اندر لکھتے ہیں کہ احناف کے نزدیک اس بات پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دارالکفر اسلامی نظام کے نفاذ کے بعد دارالسلام ہو جاتا ہے اور دارالاسلام کفریہ نظام کے نفاذ کے بعد دارالکفر بن جاتا ہے۔

جیسا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔ کہ دارالاسلام کفریہ نظام کے نفاذ کی وجہ سے دارالکفر ہو جاتا ہے، کیونکہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ کمیونزم اور سیکولرزم کے بعض ماننے والے دارالاسلام پر غلبہ حاصل کر کے غیر اسلامی نظام نافذ کردیں جیسا کہ ترکی کے اندر ہے لیکن اس کے باوجود وہ مسلم ملک ہے اسی طرح محض جمعہ اور عیدین کے قیام کی وجہ سے دارالکفر دارالاسلام میں تبدیل نہیں ہو جاتا؛

ابن عابدین شامی ردالمختار کے حاشیہ کے اندر اسی کے قائل ہیں اور علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں ماوردی کا یہی موقف بیان کیا ہے کہ اگر مسلمان کو کسی غیر اسلامی ملک کے اندر دین کو عام کرنے کی اجازت ہو تو وہ اس بنا پر دارالاسلام ہوگا اور وہاں رہائش پذیر ہونا نقل مکانی سے بہتر ہے، کیونکہ غیر مسلموں کے مشرف بہ اسلام ہونے کی توقع ہوتی ہے۔

فقہ کی تاریخ اور موجودہ زمانے کے اندر ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسلامی نظام کو ناقص قیادت و سیاست اور مسلمانوں کو نامکمل بالادستی حاصل ہے، لیکن انہیں بحیثیت اقلیتی طبقے کے اپنے دینی شعائر کو برتنے اور دینی سرگرمی اختیار

کرنے کے لیے مکمل امن وامان کا ماحول فراہم ہے وہ مساجد دینی مدرسے، علمی معاشرتی اور سیاسی ادارے قائم کر سکتے ہیں بلکہ آئینی طور پر انہیں ایک مغربی باشندے کی ہی طرح مکمل سیاسی اقتصادی اور معاشرتی طور پر شہری حقوق حاصل ہوتے ہیں، خواہ وہ مسلمان باہر سے آئے ہوں یا وہاں کے اصل باشندے ہوں انہیں مغرب کے اندر مکمل شہریت حاصل ہوتی ہے نیز ان کی اولاد کو اپنی رہائش کے پہلے دن سے ہی اس ملک کی قومیت حاصل ہو جاتی ہے جہاں وہ پیدا ہوتے ہیں اور انہیں جملہ قومی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

کیا ان تمام باتوں کے باوجود بھی ان ممالک کو دار الحرب قرار دیا جائے گا؟

ان ممالک کو دار المعاہدہ یا دار الدعوۃ کہنا ہی بہتر ہوگا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہی صحیح رائے ہے کیونکہ ان ممالک کے اندر مسلمانوں کی سکونت پذیری آئینی نظام کے تحت ہوتی ہے جس سے وہ متفق ہوتے ہیں یا اس کی پاسداری کا عہد و پیمان کرتے ہیں اور عہد و پیمان کی پاسداری ان امور کے اندر واجب ہے جس کے اندر شرعا کوئی قباحت نہ ہو اس کے علاوہ ان ممالک کے اندر مخلصانہ دعوت کے لیے زرخیز میدان اور بھرپور مواقع موجود ہیں جس کی بنا پر انہیں دار الدعوۃ کہا جا سکتا ہے امریکہ یورپ، آسٹریلیا، جاپان اور چین میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی یومیہ تعداد سیکڑوں میں ہوتی ہے۔ ان ملکوں میں تبدیلیء مذہب کی آزادی حاصل ہے جو مصر کے اندر مشرف بہ اسلام ہونے والی ان طالبات کو حاصل نہیں تھی جنہیں چرچ اور مصری نظام حکومت نے دوبارہ عیسائی بننے پر مجبور کر دیا بلکہ یہ کہنا نا انصافی نہیں ہوگی کہ گیارہ ستمبر کے بعد افغانستان اور عراق کے اندر امریکہ کی ظالمانہ کارروائیوں نیز اسرائیل کی سفارتی سطح پر مجرمانہ معاونت کے باوجود اس کی زیادتیوں کا موازنہ مصر کے گذشتہء کے انتخابات کے موقع سے ہونے والی زیادتیوں سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جمال عبدالناصر کے دور حکومت میں چند ہفتوں کے اندر ایک لاکھ ساٹھ ہزار افراد کی گرفتاری، حافظ اسد کے ہاتھوں چند دنوں کے اندر حماۃ میں تیس ہزار مسلمانوں کا قتل، ایک سال کے عرصے میں صدام کے حسین کے جبر و استبداد کی بھینٹ چڑھنے والے مسلمان، نویں دہائی کے ابتدائی سالوں میں پارلیمانی انتخابات کے بعد قتل کیے جانے والے مسلمان یا اس کے علاوہ آج کل جو کچھ تیونس وغیرہ کے اندر مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے اس کے سامنے امریکی زیادتیاں ہیچ ہیں۔

و۔ کسی یورپین ملک کے اندر کام کرانے کے لیے شراب اور خنزیر کے گوشت کی تجارت کے جواز کے لئے کو وجہ جواز بنایا گیا ہے اس سے اس بات کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اگر اس نظریے کو قبول کر لیا گیا اور ہم اس پر عمل پیرا بھی ہو گئے جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے تو مندرجہ ذیل پیچیدگیاں درپیش ہوں گی۔

دار الحرب کے اندر اقامت اختیار کرنا ناجائز ہوگا چنانچہ مغرب سے جملہ مسلمانوں پر خواہ وہ وہاں کے حقیقی باشندے ہوں یا ہجرت کر کے پہنچے ہوں، ہجرت کرنا واجب ہوگا جیسا کہ الاشباہ والنظائر کے اندر ابن نجیم نے لکھا ہے کہ جو شخص مسلمان ہوتے ہوئے بھی دار الحرب میں رہے وہاں سے ہجرت نہ کرے وہ حربی کے حکم میں ہوگا۔ مسلمانان مغرب پر یہ فتوی جاری کر کے انہیں امر محال کا مکلف بنانا ہے کیونکہ روئے زمین پر کوئی ایسا ملک نہیں جو ان کو قبول کرے۔

ان کے جان ومال اور آبرو کے ساتھ تعارض جائز سمجھا جائے گا بلکہ علامہ جصاص نے جو کہ حنفی ہیں اپنی کتاب احکام القرآن کے اندر دارالحرب کے اندر قیام کرنے والے مسلمان کی جان ومال اور آبرو کے ساتھ تعارض کو جائز قرار دیا بھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ وہ دارالحرب کے اندر اسلام لانے کے بعد مسلمان ملکوں کی طرف ہجرت سے پہلے وہاں مقیم شخص کی جان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اگر کوئی دارالحرب کی جانب ہجرت کرتا ہے تو زن وشوہر کے درمیان ازدواجی رشتے کا فسخ ہونا لازم آئے گا جیسا کہ صاحب ہدایہ کا موقف ہے۔

ممکن ہے کہ اس طرح کے فیصلے سے نوجوانوں کے اندر تشدد پسندانہ مزاج پیدا ہو جائے جن کی ایک بڑی تعداد ہے اس پر مزید طرح کہ انہیں اہل علم کے ذریعہ درست اسلامی تعلیم وتربیت حاصل نہیں ہے اتنی بات تو طے ہے کہ اس فیصلے سے مغرب کی ہر چیز کے خلاف عداوت کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ شراب اور خنزیر کے گوشت کی فروخت کی جگہ پر نوجوانوں کے کام کی تلاش زیادہ بڑے اور سنگین مسائل کے سامنے آنے کا ذریعہ بنیں۔

یورپ، امریکہ اور ہندوستان کے اندر فقہی اکیڈمیوں اور کونسل نے بحیثیت ایک مسلم اقلیت کے اپنے ملک کے سلسلے میں دارالمعاہدہ اور دارالدعوہ کی رائے قائم کی ہے۔ انہوں نے دارالحرب اور دالاسلام کی رائے کو مسترد کر دیا ہے بہتر یہ ہے کہ ہم اس درست فقہی نقطہ نظر کی ہم نوائی کریں جو حسن سلوک کرنے والے کے ساتھ احسان کی پاسداری کے تقاضے کے عین مطابق ہے جیسا کہ علامہ شیخ یوسف القرضاویؒ نے یورپین کونسل برائے افتاء وتحقیق کے فیصلوں اور فتاوے پر مقدمے کے اندر لکھا ہے کہ کیا اس طرح کے فتووں کے صادر کرنے کو جواز فراہم کیا جا سکتا ہے جس میں مسلمانوں کو ان ممالک کے ساتھ مالی خیانت پر ابھارا گیا ہو جنہوں نے انہیں پناہ دے رکھی ہے، بھوک کی حالت میں انہیں کھانا کھلایا اور خوف وڈر سے انہیں محفوظ رکھا؟ کیا وہ اپنے مصرف میں آنے والی چیزوں کی قیمت اور خدمت گذاری کی اجرت ادا نہیں کریں گے اور جھوٹ بول کر ایسی معاونتیں طلب کریں گے جس کے وہ مستحق نہیں ہیں۔ وہ اپنے ساتھ معاملت کرنے والے کے ساتھ خیانت کے مرتکب ہوں گے؟ اس طرح کے جواز کے فیصلے اسلام کی پیشانی پر دھبہ ہیں۔

مغرب میں مقیم مسلمان کا یہ یقین دن بدن پختہ تر ہوتا رہتا ہے کہ اس کا یہ ملک دعوت کا وسیع ترین میدان ہے اور اس کے باشندگان مسلمانوں کے حقوق کی سب سے زیادہ پاسداری کرنے والے ہیں جس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ برطانوی نظام کے سلسلے میں لوگوں کی کیا رائے ہو سکتی ہے جس نے علامہ یوسف القرضاوی اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری کے صہیونی دباؤ کو مسترد کر دیا۔ یہ واقعہ اس موقع سے پیش آیا جب لندن کے میئر نے یورپین کونسل سمیت انہیں مدعو کیا تھا۔ علامہ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف واویلا مچایا گیا جس کا دفاع میئر نے کیا اور عین اس ہال کے اندر انہیں خوش آمدید کہا جس کے اندر امریکی صدر بش کو خوش آمدید کہنے سے انکار کر دیا تھا۔ جولائی ء میں برطانوی حکومت نے ہمارے خلاف کیے جانے والے پروپیگنڈے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک دوسری مثال صومالی نژاد دو سویڈن مسلمانوں کا سویڈن حکومت کی جانب سے کیا جانے والا دفاع ہے جنہیں امریکی

حکومت نے گرفتار کرلیا تھا، ایک تیسری مثال وہ امریکی ہیں جنہوں نے گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد مساجد، دینی مدارس اور اداروں کے جہلاء کی حماقت اور عجلت میں بے سوچے کی جانے والی احمقانہ کارروائیوں سے بچانے کے لیے پہریداری کی تو کیا ہم اس کے بعد بھی ان سے کہہ سکتے ہیں تم لوگ حربی ہو اور تمہارا ملک دارالحرب ہے؟ یا مناسب یہ ہے کہ ہم اس نئے نقطہ نظر کی ہم نوائی کریں جسے ڈاکٹر طہ جابر علوانی نے قوموں کی تقسیم کے سلسلے میں پیش کیا ہے کہ ایک قوم وہ ملت اسلامیہ ہے جس نے مذہب اسلام کو قبول کیا ہے دوسری قوم وہ ہے جو دعوت کا میدان ہے (اور جس کے سامنے ہم داخل اسلام ہونے کی دعوت پیش کرنے کے مکلف ہیں) حوالے کے لیے دیکھیں طہ علوانی کی کتاب فقہ الاقلیات (اقلیتوں کے مسائل) اسی طرح انہوں نے دارالدعوۃ اور دارالاجابہ کی ایک دوسری علاقائی تقسیم بھی پیش کی ہے۔

میں مغرب کے ہر مسلمان سے اپیل کرتا ہوں کہ جس ملک کے اندر وہ رہائش پذیر ہے اس ملک کے ساتھ اس کا معاملہ اسی قرآنی اور نبوی نظریے کے مطابق ہو جو بنیادی طور پر تین نظریاتی نکات پر قائم ہے۔

پہلی بنیاد: روئے زمین ہے جس کا مالک اللہ سبحانہ تعالی ہے اور اسی نے ہم پر اس کی آبادکاری کی ذمہ داری ڈالی ہے چنانچہ دنیا کے جس خطے میں بھی مسلمان جائے وہاں اس کی ذمہ داری آبادکاری ہے نہ کہ تخریب کاری، ارشاد باری ہے ھو انشاکم من الارض واستعمر کم فیھا (سورہ ھود)

دوسری بنیاد: وہ قوم ہے جن کے درمیان اور ان کے ملک میں ہم رہتے ہیں، ہم نماز کی فرضیت سے دس سال، زکوۃ اور روزے کی فرضیت سے پانچ سال اور حج کی فرضیت سے آٹھ سال پہلے سے ہی، اس قوم کے اندر دعوتی حکمت و دانائی دعوت اور تبادلہ خیال کے بہترین اسلوب کے ذریعہ اسلام کی دعوت پیش کرنے کے مکلف ہیں اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم تعلقات کو استوار کریں اور باہمی اعتماد پیدا کریں۔ باہمی گفتگو کو فروغ دیں ہر طرح کی برائی سے بچنے اور ہر اچھے کام میں تعاون کے لیے بنیاد فراہم کریں۔

تیسری بنیاد: حکومتیں ہیں جو یا تو مثبت نظریات کی حامل ہوتی ہیں اور ان کی معاونت و تائید لازماً عائد ہوتی ہے یا پھر وہ منفی نظریات رکھتی ہیں اور اس صورت میں ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم بحیثیت ایک شہری اور داعی و مصلح کے، برائیوں کے روکنے اور درست مشورہ کے لیے جملہ قانونی وسائل اختیار کریں۔ نہ یہ کہ ہم نو وارد انقلابیوں کا وطیرہ اختیار کریں۔ اس سلسلے میں ہم اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں اپنے لیے اسوہ اور نمونہ پاتے ہیں جب آپ کو حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی گئی تو آپ اس بشارت میں گم نہ ہو کر قوم لوط کے لیے مہلت طلب کی، تا کہ ان کے اصلاح کی کوشش کرسکیں، اسی طرح اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے اندر بھی ہمارے لیے اسوہ موجود ہے کہ انہوں نے اپنی امانت داری اور تجربات پیش کر کے اس غیر مسلم معاشرے کو مستفید فرمایا جس نے آپ کی پرورش و پرداخت کی اور آپ کا بہتر طریقے سے خیال رکھا ایک بہترین نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حلم و بردباری کے اندر بھی ہے جس کا مظاہرہ آپ نے اہل مکہ پر اس کے دونوں پاٹوں کے ملا دیے جانے کی پیش کش کو ٹھکرا کر نیز ان کے لیے ہدایت کی دعا کر کے فرمایا اللھم

اھد قومی فانھم لا یعلمون اے بارالٰہی تو میری قوم کو ہدایت نصیب فرمادہ مجھے نہیں جانتی۔اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ جب کہ آپ کو اہل مکہ پر مکمل قبضہ وکنٹرول حاصل تھا کہ اذھبوا انتم الطلقاء جاؤ آج تم سب آزاد ہو۔اس باب میں ایک بہترین مثال سلطان صلاح الدین ایوبی کی سوانح ملتی ہے کہ جب انہوں نے صلیبی قیدیوں کو معافی دیدی تو ان میں سے بعض مسلمان ہوگئے اور بعض یورپ واپس لوٹے جنہوں نیا سلام اور مسلمانوں کے محاسن کا خوب خوب چرچا کیا جیسا کہ جرمن مستشرق خاتون ریگرڈ ہانکہ نے اپنی کتاب اللہ لیس کذلک (خدا ایسا نہیں ہے) کے اندر کیا ہے۔

سوم: دیار اسلام سے باہر محرمات کے جواز کے فتوے کے دلائل سند اور متن دونوں اعتبار سے ضعیف ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں لازماً جمہور امت اور داعیان اسلام کے موقف کو اختیار کرلینا چاہیے کہ مذہب اسلام کے قرآنی و نبوی اخلاق واقدار کے اندر قرانی نصوص کے عموم کی وجہ سے ردو بدل نہیں ہوتا جس کی ایک مثال حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی سند سے مروی ترمذی کی وہ روایت ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔تم جہاں کہیں بھی رہو خدا تعالی سے ڈرتے رہو اور ہر برے عمل کے بعد اچھا عمل کرو تا کہ برائی کے اثرات زائل ہوجائیں اور لوگوں کے ساتھ بہتر اخلاق کا مظاہرہ کرو (سنن ترمذی کتاب البر والصلہ :باب ماجاء فی العاشرۃ الناس)

علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم لوگوں کو ذمیوں کے مال میں سے مال فئی میں مرغی اور بکری ملی ہم نے کہا کہ اس کے استعمال میں (تقسیم سے پہلے اور امیر کی اجازت کے بغیر) کوئی حرج نہیں ہے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی بات اہل کتاب نے بھی کہی تھی کہ لیس علینا فی الامیین سبیل ۔

(الجامع لاحکام القرآن)

سورہ آل عمران کی آیت میں اس حقیقت کو بیان کردیا گیا ہے و من اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطار یودہ الیک و منھم من ان تامنہ بدینار لا یودہ الیک الا ما دمت علیہ قائماً ذلک بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل و یقولون علی اللہ الکذب و ھم یعلمون (اور اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس پر اعتماد پر مال و دولت کا ایک ڈھیر بھی دیدو تو وہ تمہارا مال تمہیں ادا کردے گا اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار کے معاملہ میں بھی اس پر بھروسہ کرو تو وہ ادا نہ کرے گا مگر جب کہ تم اس کے اوپر سوار ہوجاؤ تم ان سے اخلاقی حالت کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں (غیر یہودیوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور یہ بات وہ محض جھوٹ اور گھڑ کر اللہ کی طرف جان بوجھ کر منسوب کرتے ہیں) گویا کہ کسی چیز کو دیگر لوگوں کے علاوہ لوگوں کی کسی خاص جماعت کے لیے حلال کرنا خدا تعالی کی طرف غلط بات منسوب کرنا ہے۔پھر اس آیت کے معابعد اگلی آیت کے اندر عہدو پیان اور امانتوں کی حفاظت و پاسداری کی ترغیب دی گئی ہے ساتھ ہی خشیت الٰہی پر بھی زور دیا گیا ہے،ارشاد باری تعالی ہے بلی من اوفی بعھدہ و اتقی فان اللہ یحب المتقین (آل عمران :)

آخر کیوں ان سے باز پرس نہ ہوگی جو بھی اپنے عہد کو پورا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا) یہ ان کے

استدلال کا عمومی پہلو تھا۔ پیش کیے گئے تفصیلی دلائل کے سند و متن پر ہم آئندہ سطروں میں بحث کر رہے ہیں جو مندرجہ ذیل ہے۔

پہلی دلیل: شراب اور خنزیر کا گوشت فروخت کرنے والے کی دکانوں پر کام کرنے کا جواز کے سلسلے میں شیخ علی جمعہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً و موصولاً مروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دارالحرب کے اندر مسلمانوں اور حربیوں کے درمیان کوئی ربا نہیں ہے (سودی لین دین ناجائز نہیں ہے)، چونکہ شیخ فطرتاً ایک دقیق النظر اور امانت دار شخص ہیں چنانچہ انہوں نے ابن قدامہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان رواۃ نے ارسال کیا ہے اور اس حدیث کی صحت معروف نہیں ہے (مغنی)

حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ضعف اور متن میں اضطراب ہے جس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

الف۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہ تو پایہ ثبوت کو پہنچتی اور نہ ہی اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے (دیکھیے: معرفۃ السنن والآثار بیہقی باب بیع الدر بالدرہمین فی الارض الحرب)

ب۔ امام سرخسی نے مبسوط کے اندر لکھا ہے: اور یہ حدیث مرسل مکحول اور ثقہ ہے اور اس طرح کا ارسال مقبول ہے۔

ج۔ حافظ ابن حجر درایہ کے اندر لکھتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث نہیں ملی امام زیلعی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

د۔ امام نووی نے مجموع کے اندر لکھا ہے کہ یہ حدیث مرسل اور ضعیف ہے اس لیے لائق استدلال نہیں ہے۔

الف۔ اس روایت کے متن کے اندر اضطراب ہے لا ربا بین المسلم و اهل الحرب في دار الحرب (دارالحرب کے اندر مسلمان اور حربی کے درمیان سودی لین دین میں کوئی حرج نہیں ہے) اور لا ربا بین اہل الاسلام (دارالحرب کیاندر مسلمانوں کے درمیان سودی لین دین میں کوئی حرج نہیں ہے) دونوں کی طرح باتیں کہی گئی ہیں اور ایک روایت میں بین المسلمین کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔

ب۔ ابن قدامہ نے مغنی کے اندر اور امام نووی نے مجموع کے اندر اس بات کا ذکر کیا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح تسلیم کر لی جائے تو اس کا مفہوم مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ سودی لین دین کی ممانعت بھی ہوسکتا ہے۔ یہ ایک قابل قبول تشریح ہے کیونکہ اس کی نظیر قرآنی آیت سے پیش کی گئی ہے: فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج (حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل کوئی بدعملی کوئی لڑائی جھگڑا کی بات سرزد نہ ہو) (بقرہ)

ج۔ امام نووی نے مجموع ر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف اور مرسل ہے جسے حجت نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

د۔ ہمیں ایک بھی کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان مبارک سے دالحرب کا ذکر پایا جاتا ہو اس سے اس حدیث کے ضعیف اور نا قابل حجت ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ہ۔ اگر اس مرسل و مکحول حدیث کو ہم قابل قبول تسلیم بھی کر لیا تب بھی بہتر یہی ہے کہ لفظ کا مفہوم اگر ظنی ہو تو اسے حرمت سود کی

عموی نص کی موافقت پر محمول کیا جائے جیسا کہ ابن قدامہ اور امالوی کا موقف ہے۔

د۔ یہاں اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ احناف کا بھی یہی اصول ہے کہ عام حکم کو کسی ظنی دلیل کے ذریعہ خاص نہیں کیا جاسکتا (گرچہ وہ دلیل سنداً صحیح کیوں نہ ہو) اسی بنیاد پر آیت کریمہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق (الانعام ۱۰۱) کے عموی حکم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے مروی بخاری کی روایت کی بنا پر خاص نہیں کیا گیا وہ روایت یہ ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگوں کے پاس ایسا گوشت آتا ہے جس کے بارے میں ہمیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آیا جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہے یا نہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس پر اللہ کا نام پڑھ لیا کرو اور پھر کھایا کرو (بروایت بخاری کتاب البیوع باب من لملك یر الوسواس و نحوھا من الشبهات) اس صحیح حدیث ودیگر احادیث کے باوجود احناف آیت کریمہ کے عموی حکم کو ان احادیث کی بنا پر خاص نہیں کیا ہے تو پھر کیسے سودی لین دین کی حرمت پر دال آیت کریمہ کے عموی مفہوم کو خاص کیا جاسکتا ہے کہ ایک ضعیف اور مرسل حدیث کی بنا پر اہل کتاب کے ساتھ سودی لین دین کو جائز قرار دیا جائے؟

ز۔ شیخ یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب و کیف نتعامل مع السنة کے اندر صفحہ پر تحریر کیا ہے: بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے احادیث ضعیفہ کو قابل قبول نہیں سمجھا ہے حتی کہ ترغیب و ترہیب، غلاموں کی آزادی اور زہد و تقویٰ کے باب میں بھی انہیں قابل اعتنا نہیں سمجھا ہے جن میں ابن رجب بھی ہیں جس کی وضاحت انہوں نے شرح علل کے اندر کی ہے اور یہی موقف ہے ائمہ حدیث میں سے امام مسلم و بخاری یحییٰ ابن معین، ابن زحزم ظاہری، قاضی ابن العربی، ابوشامہ شافعی کا ہے اور معاصرین میں سے شیخ احمد شاکر، شیخ محمد ناصرالدین البانی بھی اسی کے قائل ہیں۔ شیخ یوسف القرضاوی نے علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے ان کا یہی قول نقل کیا ہے ضعیف احادیث کے قبول کیے جانے میں یہ اختلاف ہے تو وہ کیسے غیر مسلموں کے ساتھ سود کے جواز کے استثنائی حکم کے لیے سود کی حرمت کے صریح نصوص کے مقابل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہیں؟

دوسری دلیل: شیخ علی جمعہ نے بیان کیا ہے کہ احناف کی دلیل یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنو قینقاع کو جلا وطن کی تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارے قرضے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وقت سے پہلے رقم وضع کر کے ادا کردو اور جب بنونضیر کو جلاوطن کیا تو انھوں نے بھی کہا کہ جلدی ادا کردو، اور یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے مسلمانوں کے مابین یہ معاملہ سودی نوعیت کا ہوتا تھا۔

حدیث، سند کے اعتبار سے:

یہ حدیث حاکم نے مستدرک کے اندر بیان کیا ہے، بیہقی نے ۱۰۰ اپر اور دارقطنی نے ۱۰ ابیان کیا ہے یہ تمام روایات بنی نضیر کی جلاوطنی کے واقعہ کے ساتھ خاص ہیں بنو قینقاع سے متعلق روایت کے راوی واقدی ہیں۔ ان تمام روایات کے اندر ایک راوی مسلم بن خالد الزنجی ہیں جو ضعیف ہیں جیسا کہ علامہ ذہبی نے کہا ہے کہ بلکہ سنن دارقطنی کی ایک روایت اس کے اندر مسلم بن خالد کمزور

حافظہ والا اور ضعیف کہا گیا ہے ساتھ ہی اس حدیث کے اندر اضطراب بھی پایا جاتا ہے اسی وجہ سے اس حدیث سے استدلال کی سند اور درست نہیں ہے جس طرح مذکورہ بالا حدیث سے استدلال درست نہیں ہے۔

حدیث متن کے اعتبار سے: اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اسے مندرجہ ذیل مفاہیم پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

الف۔ سود اس وقت حرام نہیں تھا۔

ب۔ یہ بات ظاہر ہے کہ حدیث کے اندر مذکورہ معاملہ سود کے قبیل سے نہیں ہے کیونکہ اہل علم کے مابین اس کے سودی ہونے پر اتفاق نہیں پایا جاتا ہے، فقہی انسائیکلو پیڈیا کے اندر یہ بات مذکور ہے کہ متعینہ وقت سے پہلے قرض سے عوض کے طور پر کچھ رقم وضع کر کے واپس لینے کو احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے جمہور فقہاء ناجائز قرار دیتے ہیں کیونکہ وقت کے عوض میں چھوڑ دی گئی رقم وقت کے عوض میں دی گئی رقم کی مانند ہے۔

لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور یہی موقف ابراہیم نخعی اور ابو ثور کا ہے، کیونکہ قرضہ دینے والے نے اپنی رقم کا بعض حصہ لے لیا اور بعض حصہ چھوڑ دیا یہ ایک طرح رقم کے بعض سے دستبردار ہونا ہے جو کہ جائز ہے اور بالکل وہی شکل ہے جیسا کہ بیوی اپنی مہر کی رقم حصے سے شوہر کے حق میں دستبردار ہو جاتی ہے۔ (دستبرداری سے متعلق ڈاکٹر احمد شکیب کے ڈاکٹریٹ کا مقالہ)

یا پھر یہ کہ وہ قیمت کی کمی کی ایک قسم ہے جیسا کہ ڈاکٹر استاذ صلاح الصاوی شیخ علی جمعہ نے کے اس فتوے کی تردید کے اندر یہ نام دیا ہے(amyaonline.com) فاضل محترم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے فقہی اکیڈمی نے متعینہ وقت تک دین کے اندر وقت سے پہلے بعجلت ادائیگی کو خواہ وہ قرض خواہ کی مرضی سے ہو یا قرض دار کی مرضی سے شرعا جائز قرار دیا ہے جو شرعا ممنوع سود کے دائرے میں نہیں آتا، یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر کیسے ہمارے شیخ نے اپنے فتوے کے اندر اس دوسری رائے کے سلسلے میں اہمال سے کام لیا اور تحریر کر دیا کہ لفظ ضع وتعجل (وضع کر کے متعینہ وقت سے پہلے جلدی سے ادا کر دو) کا تعلق سودی لین دین سے ہی ہے کیونکہ انھوں نے لکھا ہے: یہ بات عام طور پر معلوم ہی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان یہ معاملت سودی لین دین سے متعلق ہے کہ جو فاسد ہے اس طرح وہ غیر مسلموں کے ساتھ سودی لین دین کے سلسلے میں احناف کے جواز کے موقف کو مضبوط بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں چونکہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کی سند اندر مذکورہ سقم پایا جاتا ہے لہذا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تیسری دلیل: شیخ علی جمعہ نے اپنے فتوے کے اندر بیان کیا ہے کہ احناف کا مستدل وہ حدیث بھی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبے کے اندر ارشاد فرمایا: زمانہ جاہلیت کے سودی معاملت کا سودی نفع ساقط کیا جائے اور سب سے پہلے حضرت عباس بن عبدالمطلب کا سودی نفع ساقط کیا جاتا ہے، شیخ کے نزدیک وجہ استدلال یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے موقع سے قید کیے جانے کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور انہیں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سودی لین دین سے روکا نہیں تھا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حربیوں کے ساتھ سودی معاملت کی جاسکتی ہے کیونکہ (اس زمانہ میں) اہل مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برسر پیکار تھے۔

حدیث سند کے اعتبار سے

یہ حدیث سنداً صحیح ہے جس کو امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کیا۔ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ زمانہ جاہلیت کا سودی نفع ساقط کیا جاتا ہے اور سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کے جملہ سودی نفع ساقط کرتا ہوں

حدیث متن کے اعتبار سے:

اس حدیث کے متن سے حربی کے ساتھ سودی معاملت کا جواز ثابت نہیں ہوتا صحیح بات تو یہ ہے کہ ڈاکٹر نزیہ حماد اس دلیل ودلائل کو اپنی کتاب احکام التعامل بالربواء بین المسلمین وغیر المسلمین کے اندر غلط ٹھہرایا ہے۔

ان کے اہم تردیدی پہلو مندرجہ ذیل ہیں: الف سود قطعی طور پر حرام اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد ہوا ہے۔ یـــــا ایھا الـذیـن آمنـوا اتـقـوا الـلـہ و ذروا مابقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلو فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ وان کنتم فلکم رووس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون (بقرہ :)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لائے لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے اب بھی توجہ کرلو تو تم اپنے سرمایہ لینے کے حقدار ہو نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے) اور یہ آیت کریمہ سنہ ہجری میں نازل ہوتی ہے۔

ب -احناف کے لیے دار الحرب کے اندر سود کے جواز کی کوئی دلیل اس حدیث کے اندر موجود نہیں ہے کیونکہ مکہ سنہ ہجری میں فتح ہونے کے بعد دار الحرب نہیں تھا جب کہ حجۃ الوداع کا خطبہ سنہ ہجری کیا آخر میں دیا گیا ہے۔

ج -درحقیقت قبول اسلام کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے سودی معاملت ثابت ہی نہیں ہوتی کیونکہ ممکن ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی جانب سے سودی نفع کے چھوڑے جانے کا اعلان اس لیے کیا ہوتا کہ بہتر طریقہ پر اس حکم کی پیروی کی جاء۔

د -اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سود کی حرمت کا علم تھا اور اسلام لانے کے بعد بھی سودی لین دین انھوں نے کیا تو ممکن ہے کہ انہیں اس کی خاص اجازت ہوتا کہ وہ اپنا اسلام مخفی رکھیں اور سود لینا یہ شرک کی ادنیٰ درجے کی علامت ہے تا کہ ان کا مسلمان ہونا ظاہر نہ ہوسکے۔

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات سامنی آتی ہے کہ احناف کے استدلال کے اندر شدید قسم کا ضعف ہے جو ایسے احتمالات کے گھیرے میں ہے جس نے انہیں بے وقعت بنا دیا ہے اور اسی بنیاد پر شیخ علی جمعہ کے فتوی پر انتہائی درجے کی رد وقدح کی گئی ہے

شیخ علی جمعہ نے احناف کے حوالے سے دو اور دلیلیں پیش کی ہیں، ایک یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشرکین سے بازی کے اندر جوئے کی رقم لینے کی اجازت دیدی اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید رکانہ سے ساتھ روا رکھا اور اس کی بکریاں لے لیں صحیح بات تو یہ ہے کہ شیخ صلاح الصاوی نے شیخ علی جمعہ کے فتوے کی تردید کا حق ادا کر دیا ہے لیکن میں یہاں دو احتمالات کا ذکر کرنا چاہوں گا:

الف ـ بہت ممکن ہے کہ سود کی حرمت سے پہلے کے واقعات ہوں بطور خاص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ تو اند ہجرت سے پہلے کا ہے۔

ب ۔اس سلسلہ میں دوسری روایات بھی ہیں جو السیر الکبیر اور تفسیر ابن کثیر کے اندر (باب ما یکرہ او خالہ الی دار الحرب) میں مذکور ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے بازی میں جیتے گئے مال کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا اور خود حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی بکریاں لوٹا دیں اور اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اگر یہ درست ہوتا تو آپ سے صدوقے کے طور پر لوٹاتے نہیں اور نہ ہی صدقہ کرنے کا حکم فرماتے۔

بہرحال شیخ علی جمعہ کے یہ تمام دلائل صریح نصوص کے سامنے نہیں ٹک سکتے جو شراب اور محرمات کی حرمت سے متعلق وارد ہوئے ہیں ان نصوص میں وہ متفق علیہ روایت بھی ہے جسے حضرت جابر بن عبداللہ کے حوالے سے شیخین نے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی فروخت کو حرام کر دیا ہے (متفق علیہ ہونا صحت حدیث کا اعلی درجہ ہے جس کے برعکس کوئی ثابت کرنے کے لیے اسی درجہ کی صحیح احادیث درکار ہوں گی، جیسا کہ اصول فقہ میں تقابل کے اندر ترجیح کا عام اصول اور اگر صحت کے اعتبار سے دو مساوی نصوص کے اندر تعارض پایا جائے تو بہتر یہ ہے کہ دونوں کے درمیان جمع و تطبیق کی شکل اختیار کی جائے ہم نے جو مذکورہ بالا احتمالات ذکر کیے ہیں وہ اگر صحیح اور مرسل کے درمیان جمع و تطبیق ہو سکتی ہے تو ان کے اندر جمع و تطبیق کی جانی چاہیے (نہ یہ کہ نصوص صریحہ کو ہی ترک کر دیا جائے)

امریکہ، یورپ، ہندوستان، جاپان اور آسٹریلیا سے آپ کی خدمت پہنچنے والے سوالات کے سلسلے میں آپ ان ملکوں کے کونسل برائے فتوی و تحقیقات صلاح و مشورہ اور ہم آہنگی پیدا کر لیں ہم ان ممالک کے اندر آئے دن ہونے والے آپ کے دورے سے واقف ہیں لیکن اس کثرت با وجود یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ اہل مکہ ہی اس کی گھاٹی کے شناور ہیں

یہ ممکن ہے ہم کسی فرد کو مجبوراً محرمات کی دکان میں کام کرنے کی اجازت دیدیں تا آنکہ اسے کوئی دوسرا کام مل جائے لیکن ساتھ ہی ساتھ ہمیں مسلمانوں کو اس بات پر بھی ابھارنا چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں باہمی معاونت پیش کریں تاکہ مغرب کے مسلمانوں کے رگ و پے میں شراب، سود، جوا اور خنزیر کی فروخت کا خون جاری و ساری نہ رہے بیشتر لوگ جو ان محرمات کی تجارت کرتے ہیں وہ عموماً بے نمازی ہوتے ہیں اور اکثر ان کی اولاد فسق و فجور میں مبتلا ہوتی ہے اللہ کا خاص کرم ان پر یہ ہے کہ بعض مغربی

مسلمان ایسے فتاوے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں جو انہیں مسلسل اپنی دکانیں کھولنے پر ابھارے جو محرمات سے پاک ہوں اور
الحمدللہ ایسے لوگوں کی ایک تعداد موجود ہے جو یورپ اور امریکہ کے اندر بھی حلال چیزوں کی ہی فروخت کرتے ہیں اور انہیں خوب
کمائی اور منفعت حاصل ہوتی ہے۔

ان میں بعض سے میں واقف ہوں جو اور آپ کی جانب سے ہمت افزائی کے چند جملوں سے تاجر حضرات کی اس بات پہ
ہمت وجرات بڑھے گی کہ وہ سودی نظام پیسے کی شہتیر نہ بنے رہیں لین دین، بیع وشراء کے اندر نص شرعی سے ثابت محرمات کی تجارت
سے اپنی زندگی پاک رکھنیکا سب سے زیادہ جذبہ ان کے اندر پیدا ہو جائے حتی کہ وہ اس انگور کی فروخت سے بھی بچیں جس کے
بارے میں فروخت کرنے والے یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس سے شراب بنائے گا اور قدیم وجدید اہل کے درمیان اس سلسلے میں کوئی
اختلاف نہیں سنا گیا ہے۔

یورپ وامریکہ کے اندر جرائم کی جملہ تحقیقات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قتل وتشدد نشہ کی حالت میں ڈرائیوری اور زناکاری کی
وجوہات میں سب سے بڑا تناسب نشہ کا ہے مغرب کے اندر مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ شراب کے استعمال کو کم سے کم کرنے
پھر ممنوع قرار دینے میں موثر کردار ادا کریں جیسا کہ اس سلسلے قانون نافذ کیا جاچکا ہے لیکن شراب کے تاجروں اور عادی حضرات
دونوں کے دباؤ کی وجہ سے شراب نوشی کی اجازت دی گئی ہے۔

اس فتوے کا اثر ان ہزاروں چھوٹے بڑے دوکانداروں پر پڑے گا جن کے سلسلے میں ہم کوشاں ہیں کہ وہ اپنی دنیا وآخرت
اور بچوں کی خاطر محرمات کی فروخت سے چھٹکارا حاصل کریں آپ کے اس طرح کے فتوے سے انہیں اپنی حالت پر جوں کا توں
برقرار رہنے کا بہت بڑا ذریعہ فراہم ہو جائے گا اس مفروضے پر تکیہ کرتے ہوئے کہ یہ اہل علم کا معاملہ ہے انہیں پر چھوڑ دو اور چین کا
سانس لو۔

اس فتوے میں غیر مسلم حضرات پر انتہائی سنگین نوعیت کا اثر مرتب ہوگا جو فتوے کے اندر دیکھیں گے کہ ان کے ملک کو
دارالحرب قرار دیا گیا ہے اس سے ایک ایسے وقت میں دوریاں اور کشیدگیاں بڑھیں گی جب کہ ہم غیر مسلم قوموں سے دور کم کرنے
میں لگے ہوئے ہیں تاکہ وہ اسلام کی صدائے حق بازگشت پر کان دھریں، اسی طرح بعض پر جوش نوجوانوں کے لیے بسا اوقات یہ
فتویٰ ان کے اسی معاشرے کے خلاف جرائم کے ارتکاب کا سبب بنے گا جس میں کہ وہ قیام پذیر ہیں وہ لوٹ پاٹ اور زنا کے
مرتکب ہوں گے۔ (کیونکہ زنا سود اور شراب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے) ساتھ ہی تشدد میں کس قدر اضافہ ہوگا اس کا اندازہ
لگانا مشکل ہے اس سے آج ہر کس و ناکس دو چار ہے۔

مذکورہ بالا ملحوظات کے پیش نظر بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے اس فتوے پر نظر ثانی کریں یا آپ اس کی ویسی ہی وضاحت کریں
جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قاضی حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے وصیت کی تھی ہم نے اگر آج کوئی فیصلہ کیا ہے
پھر راست موقف اس کے علاوہ میں نظر آئے تو تم میرے فیصلے کی وجہ سے رک مت جانا بلکہ میرے فیصلے پر نظر ثانی کرنا کیونکہ حق

ایک ازلی شئی ہے اور اس پر نظر ثانی پرانی روش پر گامزن رہنے سے بہتر ہے۔

اعلام الموقعین، ابن القیم الجوزیہ اور اخیر میں میں یہ کہنا چاہوں گا کہ میرے اور آپ کے بہت سے دیگر لوگوں کے دل میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے خدا اس کا گواہ ہے میں نے یہ سطریں مخالفت میں نہیں بلکہ معاونت میں اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت لکھا ہے میری آرزو ہے کہ خدا تعالی ہم سب کو ہدایت سے نوازے اور اپنی بہترین پیروی کی توفیق نصیب فرمائے خدا تعالی ہی بزرگ و برتر اور جاننے والا ہے۔

حدیث دارالحرب میں عدم سود کی ثقاہت

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مبسوط میں ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مکحول ثقہ ہیں کیونکہ ان سے کئی ایک روایات کو قبول کیا گیا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، باب ربا)

مذہب احناف کی یہ خصوصیت ہمیشہ سے رہی ہے کہ وہ عقلی دلائل واستدلال پر نقلی دلائل واستدلال کو ترجیح دیتے ہیں یہی سبب ہے دارالحرب میں مسئلہ میں احناف کا مذہب نقلی دلائل سے استدلال کرنا ہے۔ جس کی توثیق وقوت کا اندازہ ان سے استدلال اور نقل کردہ روایت کو اہمیت دینے کے سبب سے ہے۔

باب الحقوق

﴿یہ باب حقوق کے بیان میں ہے﴾

باب حقوق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ باب مسائل کے حق میں یہ مرتبہ رکھتا ہے کہ اس کو شروع ہی کتاب بیوع کے ساتھ ذکر کیا جائے مگر مصنف علیہ الرحمہ نے اس کی ترتیب میں جامع صغیر والی ترتیب کا التزام کیا ہے کیونکہ جامع صغیر میں اسی طرح یہ باب ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ حقوق توابع ہوتے ہیں پس ان کو متبوع کے مسائل ذکر کرنے کے بعد ملایا گیا ہے۔ (کیونکہ توابع متبوع سے مؤخر ہوا کرتے ہیں)۔ عنایہ شرح الہدایہ، کتاب بیوع، ج ۹، ص ۳۴۵، بیروت)

حقوق کا فقہی مفہوم

حقوق جمع ہے حق کی جس کا مطلب ہے لازمی اور ضروری۔ حقوق دو قسموں کے ہوتے ہیں۔(۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد

(۱) حقوق اللہ

اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے ذریعے اپنے سارے حقوق بندوں کو بتا دیئے ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور تمام وہ کام کرو جس کا اللہ اور رسول ﷺ نے حکم دیا۔

(۲) حقوق العباد

عباد جمع ہے عبد کی جس سے مراد ہے انسان یا بندہ۔ اس طرح حقوق العباد کا مطلب ہے بندوں کے لئے ضروری یعنی حقوق۔ حقوق العباد میں دنیا کے ہر مذہب، ہر ذات و نسل، ہر درجے اور ہر حیثیت کے انسانوں کے حقوق آ جاتے ہیں۔ اگر ہم عزیزوں کے حقوق ادا کریں تو اس کے ساتھ غیروں کے حقوق بھی ادا کریں۔ غلام اگر مالک کی خدمت کرے تو مالک بھی غلام کا پورا پورا خیال رکھے۔ والدین اگر اولاد کے لئے اپنی زندگی کی ہر آسائش ترک کر دیں تو اولاد بھی ان کی خدمت اور عزت میں کمی نہ کرے یہی اسلام کی تعلیم ہے پوری انسانیت کے لئے۔ حقوق العباد میں مختلف حیثیت اور درجات کے لوگوں کے حقوق آ جاتے ہیں۔

گھر کی خرید پر دوسری منزل شامل نہ ہونے کا بیان

(وَمَنْ اشْتَرَى مَنْزِلًا فَوْقَهُ مَنْزِلٌ فَلَيْسَ لَهُ الْأَعْلَى إلَّا أَنْ يَشْتَرِيَهُ بِكُلِّ حَقٍّ هُوَ لَهُ أَوْ بِمَرَافِقِهِ أَوْ بِكُلِّ قَلِيلٍ وَكَثِيرٍ هُوَ فِيهِ أَوْ مِنْهُ.

وَمَنْ اشْتَرَى بَيْتًا فَوْقَهُ بَيْتٌ بِكُلِّ حَقٍّ لَمْ يَكُنْ لَهُ الْأَعْلَى، وَمَنْ اشْتَرَى دَارًا بِحُدُودِهَا فَلَهُ الْعُلُوُّ وَالْكَنِيفُ) جَمَعَ بَيْنَ الْمَنْزِلِ وَالْبَيْتِ وَالدَّارِ، فَاسْمُ الدَّارِ يَنْتَظِمُ الْعُلُوَّ لِأَنَّهُ اسْمٌ لِمَا أُدِيرَ عَلَيْهِ الْحُدُودُ، وَالْعُلُوُّ مِنْ تَوَابِعِ الْأَصْلِ وَأَجْزَائِهِ فَيَدْخُلُ فِيهِ.

وَالْبَيْتُ اسْمٌ لِمَا يُبَاتُ فِيهِ، وَالْعُلُوُّ مِثْلُهُ، وَالشَّيْءُ لَا يَكُونُ تَبَعًا لِمِثْلِهِ فَلَا يَدْخُلُ فِيهِ إلَّا بِالتَّنْصِيصِ عَلَيْهِ، وَالْمَنْزِلُ بَيْنَ الدَّارِ وَالْبَيْتِ لِأَنَّهُ يَتَأَتَّى فِيهِ مَرَافِقُ السُّكْنَى مَعَ ضَرْبِ قُصُورٍ إذْ لَا يَكُونُ فِيهِ مَنْزِلُ الدَّوَابِّ، فَلِشَبَهِهِ بِالدَّارِ يَدْخُلُ الْعُلُوُّ فِيهِ تَبَعًا عِنْدَ ذِكْرِ التَّوَابِعِ، وَلِشَبَهِهِ بِالْبَيْتِ لَا يَدْخُلُ فِيهِ بِدُونِهِ.

وَقِيلَ فِي عُرْفِنَا يَدْخُلُ الْعُلُوُّ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ لِأَنَّ كُلَّ مَسْكَنٍ يُسَمَّى بِالْفَارِسِيَّةِ خَانَهُ وَلَا يَخْلُو عَنْ عُلُوٍّ، وَكَمَا يَدْخُلُ الْعُلُوُّ فِي اسْمِ الدَّارِ يَدْخُلُ الْكَنِيفُ لِأَنَّهُ مِنْ تَوَابِعِهِ، وَلَا تَدْخُلُ الظُّلَّةُ إلَّا بِذِكْرِ مَا ذَكَرْنَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ مَبْنِيٌّ عَلَى هَوَاءِ الطَّرِيقِ فَأَخَذَ حُكْمَهُ.

وَعِنْدَهُمَا إنْ كَانَ مِفْتَحُهُ فِي الدَّارِ يَدْخُلُ مِنْ غَيْرِ ذِكْرِ شَيْءٍ مِمَّا ذَكَرْنَا لِأَنَّهُ مِنْ تَوَابِعِهِ فَشَابَهَ الْكَنِيفَ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کوئی ایسا مکان خریدا جس کے اوپر بھی کوئی منزل ہے تو وہ منزل اس کی نہ ہوگی ہاں البتہ جب وہ منزل اس کے حق کے ساتھ ملی ہوئی ہے یا اس کے ساتھ ہے یا اس نے ہر قلیل وکثیر کو خریدا ہے یا جو کچھ قلیل وکثیر میں ہے اس نے کو خریدا ہے۔ اور جب کسی نے ایسا مکان خریدا جس کے اوپر بھی کوئی مکان ہے اور ہر حق کے ساتھ اس کو خریدا ہے تو مشتری کو اوپر والا گھر نہ ملے گا اور جب کسی نے حدود سمیت کسی گھر کو خریدا تو میں بلندی اور بیت الخلاء دونوں دیئے جائیں گے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے بیت، منزل اور دار تینوں کا اکٹھا کر دیا ہے پس درا اوپر والے پورشن کو شامل ہے۔ کیونکہ دار اس چیز کا نام ہے جس کو حدود نے گھیرا ہوا ہے اور بلندی اصل کے تابع اور اس کے حصوں میں سے ہے پس اصل میں وہ داخل ہو جائے گا اور بیت ایسے گھر کو کہتے ہیں جس میں رات بسر کی جا سکتی ہو اور بلندی گھر کی طرح ہے۔ اور کوئی چیز اپنی ہم مثل کے تابع نہیں ہوا کرتی پس بغیر کسی وضاحت کے بلندی بیت میں داخل نہ ہوگی۔ جبکہ منزل بیت اور دار کے درمیان کو چیز کو کہتے ہیں۔ کیونکہ منزل میں تمام رہائشی سہولیات میسر ہوتی ہیں البتہ کمی کے ساتھ ہوتی ہیں کیونکہ اس میں جانوروں کیلئے کوئی جگہ نہیں ہوتی تو منزل دار کے

مشابہ ہونے کے سبب سے توابع کے ذکر کے بغیر بلندی والی جگہ اس میں داخل ہوگی اور منزل بیت کے مشابہ ہونے کے سبب سے ذکر کرنے کے بغیر اوپر والا حصہ اس میں داخل نہ ہوگا۔

ایک قول یہ ہے کہ ہمارے عرف کے مطابق ان تمام صورتوں میں بلندی داخل ہوگی کیونکہ فارسی زبان میں ہر گھر کو خانہ کہا جاتا ہے جبکہ خانہ بلندی سے خالی نہیں ہوا کرتا۔ جس طرح بلندی والی جگہ ان تمام احوال میں داخل ہے اسی طرح بیت الخلاء بھی اس میں داخل ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی گھر کے توابع میں سے ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ان تمام صورتوں میں بغیر کسی وضاحت کے سائبان بیع میں داخل نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ ہوا کی راہ میں بنایا گیا ہے پس اس پر راستے والا حکم ہوگا۔

صاحبین کے نزدیک جب سائبان کا راستہ دار میں ہے تو مذکورہ بالا اشیاء میں ذکر کے بغیر داخل ہو جائے گا کیونکہ وہ دار توابع میں سے ہے پس وہ بیت الخلاء کے مشابہ ہو جائے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے دومنزلہ مکان خریدا ہے اس میں نیچے کی منزل خریدی بالا خانہ عقد میں داخل نہ ہوگا مگر جب کہ جمیع حقوق یا جمیع مرافق یا ہر قلیل وکثیر کے ساتھ خریدا ہو۔ مکان کی خریداری میں پاخانہ اگرچہ مکان سے باہر بنا ہوا در کوآں اور اُس کے صحن میں جو درخت ہوں وہ اور پائین باغ سب بیع میں داخل ہیں ان چیزوں کی بیع نامہ میں صراحت کرنے کی ضرورت نہیں۔ مکان سے باہر اُس سے ملا ہوا باغ ہوا اور چھوٹا ہو تو بیع میں داخل ہے اور مکان سے بڑا یا برابر کا ہو تو داخل نہیں جب تک خاص اُس کا بھی نام بیع میں نہ لیا جائے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

مکان سے متصل باہر کی جانب کبھی ٹین وغیرہ کا چھپر ڈال لیتے ہیں جو نشست کے لیے ہوتا ہے اگر حقوق و مرافق کے ساتھ بیع ہوئی ہے تو داخل ہے ورنہ نہیں۔ راستہ خاص اور پانی بہنے کی نالی اور کھیت میں پانی آنے کی نالی اور وہ گھاٹ جس سے پانی آئے گا یہ سب چیزیں بیع میں اُس وقت داخل ہوں گی جب کہ حقوق یا مرافق یا ہر قلیل وکثیر کا ذکر ہو۔ مکان کا پہلے ایک راستہ تھا اُس کو بند کر کے دوسرا راستہ جاری کیا گیا اس کی خریداری میں پہلا راستہ داخل نہیں ہوگا اگرچہ حقوق یا مرافق کا لفظ بھی کہا ہو کیونکہ وہ اب اس کے حقوق میں داخل ہی نہیں دوسرا راستہ البتہ داخل ہے۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

دار میں کسی بیت کو خریدنے کا بیان

قَالَ: وَمَنْ اشْتَرَى بَيْتًا فِي دَارٍ أَوْ مَنْزِلًا أَوْ مَسْكَنًا لَمْ يَكُنْ لَهُ الطَّرِيقُ إلَّا أَنْ يَشْتَرِيَهُ بِكُلِّ حَقٍّ هُوَ لَهُ أَوْ بِمَرَافِقِهِ أَوْ بِكُلِّ قَلِيلٍ وَكَثِيرٍ، (وَكَذَا الشُّرْبُ وَالْمَسِيلُ) لِأَنَّهُ خَارِجُ الْحُدُودِ إلَّا أَنَّهُ مِنْ التَّوَابِعِ فَيَدْخُلُ بِذِكْرِ التَّوَابِعِ، بِخِلَافِ الْإِجَارَةِ لِأَنَّهَا تُعْقَدُ

لِلانتِفَاعِ فَلا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِهِ، إِذِ الْمُسْتَأْجِرُ لَا يَشْتَرِي الطَّرِيقَ عَادَةً وَلَا يَسْتَأْجِرُهُ فَيَدْخُلَ تَحْصِيلًا لِلْفَائِدَةِ الْمَطْلُوبَةِ مِنْهُ، أَمَّا الِانْتِفَاعُ بِالْمَبِيعِ مُمْكِنٌ بِدُونِهِ لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ عَادَةً يَشْتَرِيهِ، وَقَدْ يَتَّجِرُ فِيهِ فَيَبِيعُهُ مِنْ غَيْرِهِ فَتَحْصُلُ الْفَائِدَةُ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ.

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے دار میں کسی بیت کو خریدا یا منزل خریدی یا کوئی رہنے کی جگہ خریدی تو مشتری کو راستہ نہ ملے گا۔ البتہ جب وہ بیت کے ایں کو ہر حق، یا ہر فائدے، ہر قلیل وکثیر کے ساتھ خریدے اور یہی حال پانی اور اس کے بہنے کا حکم ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک حدود سے باہر ہیں مگر یہ توابع میں سے ہیں۔ کیونکہ توابع کے ذکر سے یہ بیع میں داخل ہو جائیں گے بہ خلاف اجارہ کے۔ کیونکہ وہ فائدے کیلئے منعقد ہوتا ہے پس وہ راستے کے بغیر حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ عام طور پر مشتری راستے کو نہ ہی خریدتا ہے اور نہ اس کو اجرت پر لینے والا ہے پس اجارہ کے فائدے کی وجہ سے راستہ اس میں داخل ہوگا مگر راستے کے بغیر بھی بیع میں نفع اٹھانا ممکن ہے کیونکہ عرف کے مطابق مشتری اس کو خرید لیتا ہے اور کبھی مشتری تجارت کرتے ہوئے اس کو دوسرے کے ہاں بیچ بھی دیتا ہے پس یہاں فائدہ حاصل ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مکان کا پہلے ایک راستہ تھا اُس کو بند کر کے دوسرا راستہ جاری کیا گیا اس کی خریداری میں پہلا راستہ داخل نہیں ہوگا اگر چہ حقوق یا مرافق کا لفظ بھی کہا ہو کیونکہ وہ اب اس کے حقوق میں داخل ہی نہیں دوسرا راستہ البتہ داخل ہے۔ ایک مکان خریدا جس کا راستہ دوسرے مکان میں ہو کر جاتا ہے دوسرے مکان والے مشتری کو آنے سے روکتے ہیں اس صورت میں اگر بائع نے کہہ دیا کہ اس مبیعہ کا راستہ دوسرے مکان میں سے نہیں ہے تو مشتری کو راستہ حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں البتہ یہ ایک عیب ہوگا جس کی وجہ سے واپس کر سکتا ہے۔ اگر اس کی دیواروں پر دوسرے مکان کی کڑیاں رکھی ہیں اگر وہ دوسرا مکان بائع کا ہے تو حکم دیا جائے گا اپنی کڑیاں اُٹھا لے اور کسی دوسرے کا ہے تو یہ مکان کا ایک عیب ہے مشتری کو واپس کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اور ایک شخص کے دو مکان ہیں ایک کی چھت کا پانی دوسرے کی چھت پر سے گزرتا ہے دوسرے مکان کو جمیع حقوق کے ساتھ بیع کیا اس کے بعد پہلے مکان کو کسی دوسرے کے ہاتھ بیع کیا تو پہلا مشتری اپنی چھت پر پانی بہانے سے دوسرے کو روک سکتا ہے اور اگر ایک شخص کے دو باغ تھے ایک کا راستہ دوسرے میں ہو کر تھا دوسرا باغ اُس نے اپنی لڑکی کے ہاتھ بیع کیا اور یہ شرط رہی کہ حقِ مُرور(4) اسکو حاصل رہے گا پھر لڑکی نے اپنا باغ کسی اجنبی کے ہاتھ بیع کیا تو یہ اجنبی اُس کے باپ کو باغ میں گزرنے سے روک نہیں سکتا۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مکان یا کھیت کرایہ پر لیا تو راستہ اور نالی اور گھاٹ اجارہ میں داخل ہیں یعنی اگر چہ حقوق ومرافق نہ کہا ہو جب بھی ان چیزوں پر تصرف کرسکتا ہے وقف ورہن، اجارہ کے حکم میں ہیں۔ کسی کے لیے اقرار کیا کہ یہ مکان اُس کا ہے یا مکان کی وصیت کی یا اس پر مصالحت ہوئی یہ سب بیع کے حکم میں ہیں کہ بغیر ذکر حقوق ومرافق راستہ وغیرہ داخل نہیں ہونگے۔ دو شخص ایک مکان میں شریک تھے باہم تقسیم ہوئی ایک کے حصہ کا راستہ یا نالی دوسرے کے حصہ میں ہے اگر بوقت تقسیم حقوق کا ذکر تھا جب تو کوئی حرج نہیں اور ذکر نہ تھا تو دوسرے کو راستہ وغیرہ نہیں ملے گا پھر اگر وہ اپنے حصہ میں نیا راستہ اور نالی وغیرہ نکال سکتا ہے تو نکال لے اور تقسیم صحیح ہے ورنہ تقسیم غلط ہوئی توڑ دی جائے جبکہ تقسیم کے وقت راستہ وغیرہ کا خیال کیا ہی نہ گیا ہو۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

بیت کی بیع میں حجر کے داخل ہونے میں مذاہب اربعہ

علامہ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ رحی سے نیچے والا حجر مکان کی بیع میں شامل ہوگا۔ کیونکہ عام طور پر بائع راستہ اور نالی سے منع کرنے والا نہیں ہوتا بلکہ انہیں وہ راستہ دینے والا ہوتا ہے۔ اور حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ اوران ائمہ کی دلیل استحسان ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے۔

(شرح الوقایہ فی مسائل الہدایہ، کتاب بیوع)

﴿یہ باب استحقاق کے بیان میں ہے﴾

باب استحقاق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس باب کا حق تو یہ تھا کہ اس کو بیوع کے بعد ذکر کیا جاتا لیکن اس سے پہلے باب حقوق کو ذکر کر دیا گیا ہے لہذا اس کی مناسبت کے سبب اس کو بھی اسی کے ساتھ یعنی عقب میں ہی ذکر کر دیا ہے تاکہ مناسبت وموافقت ترتیب میں رہ جائے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۳۴۷، بیروت)

باندی کا مشتری کے ہاں بچے کو جنم دینے کا بیان

(وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً فَوَلَدَتْ عِنْدَهُ فَاسْتَحَقَّهَا رَجُلٌ بِبَيِّنَةٍ فَإِنَّهُ يَأْخُذُهَا وَوَلَدَهَا، وَإِنْ أَقَرَّ بِهَا لِرَجُلٍ لَمْ يَتْبَعْهَا وَلَدُهَا) وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الْبَيِّنَةَ حُجَّةٌ مُطْلَقَةٌ فَإِنَّهَا كَاسْمِهَا مُبَيِّنَةٌ فَيَظْهَرُ بِهَا مِلْكُهُ مِنْ الْأَصْلِ وَالْوَلَدُ كَانَ مُتَّصِلًا بِهَا فَيَكُونُ لَهُ، أَمَّا الْإِقْرَارُ حُجَّةٌ قَاصِرَةٌ يُثْبِتُ الْمِلْكَ فِي الْمُخْبَرِ بِهِ ضَرُورَةَ صِحَّةِ الْإِخْبَارِ، وَقَدْ انْدَفَعَتْ بِإِثْبَاتِهِ بَعْدَ الِانْفِصَالِ فَلَا يَكُونُ الْوَلَدُ لَهُ.

ثُمَّ قِيلَ: يَدْخُلُ الْوَلَدُ فِي الْقَضَاءِ بِالْأُمِّ تَبَعًا، وَقِيلَ يُشْتَرَطُ الْقَضَاءُ بِالْوَلَدِ وَإِلَيْهِ تُشِيرُ الْمَسَائِلُ، فَإِنَّ الْقَاضِيَ إذَا لَمْ يَعْلَمْ بِالزَّوَائِدِ. قَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا تَدْخُلُ الزَّوَائِدُ فِي الْحُكْمِ، فَكَذَا الْوَلَدُ إذَا كَانَ فِي يَدِ غَيْرِهِ لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْحُكْمِ بِالْأُمِّ تَبَعًا

ترجمہ

فرمایا: جب کسی شخص نے باندی کو خریدا اور اس نے مشتری کے ہاں بچے کو جنم دے دیا اس کے بعد کوئی دوسرا شخص گواہی پیش کرتے ہوئے اس باندی کا حقدار نکل آیا تو وہ باندی کے ساتھ اس بچے کو بھی حاصل کرنے کا حقدار ہوگا۔ اور جب مشتری نے کسی آدمی سے اسی باندی کے بارے میں اقرار کر لیا تو بچہ اس کے تابع نہ ہوگا اور فرق کی دلیل یہ ہے کہ گواہی مطلق دلیل ہے کیونکہ وہ اپنے نام کی طرح ظاہر ہے پس گواہی کے سبب سے اصل سے حقدار میں آدمی کی ملکیت ظاہر ہو جائے گی اور بچہ جو باندی سے متصل ہے لہذا وہ بھی حقدار کا ہوگا۔

اور اقرار کا مسئلہ تو وہ حجت قاصر ہے۔ اور وہ خبر کے صحیح ہونے کی صورت میں صرف مخبر بہ میں ملکیت کو ثابت کرنے والا ہے اور

ایک کے مطابق قضاء کے حکم کے مطابق بچہ ماں کے تابع ہوکر حقدار کیلئے ہوگا جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ بچے کیلئے الگ فیصلہ شرط ہے۔ اور جامع صغیر میں اسی کا اشارہ دیا گیا ہے کیونکہ کو زوائد کا پتہ ہی نہ ہوگا۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ زوائد حکم میں داخل نہیں ہوا کرتے اور اسی طرح جب بچہ کسی دوسرے شخص کے قبضہ میں ہے تب بھی ماں کے تابع ہوتے ہوئے وہ حکم میں داخل نہ ہوگا۔

شرح

مشتری کو خریداری کے وقت یہ معلوم ہے کہ چیز دوسرے کی ہے بائع کی نہیں ہے باوجود اس کے خرید لی اب مستحق نے دعویٰ کر کے وہ چیز لے لی تو بھی مشتری بائع سے ثمن واپس لے سکتا ہے وہ علم رجوع سے مانع نہیں لہٰذا اگر لونڈی کو خرید کر اُم ولد بنایا تھا اور جانتا تھا کہ بائع نے اسے غصب کیا ہے تو اُس کا بچہ آزاد نہ ہوگا بلکہ غلام ہوگا اور ثمن کی واپسی کے وقت اگر بائع نے گواہوں سے یہ ثابت بھی کیا کہ خود مشتری نے ملکِ مستحق کا اقرار کیا تھا تو بھی ثمن کی واپسی پر اس کا کچھ اثر نہ پڑے گا جبکہ مستحق نے گواہوں سے اپنی ملک ثابت کی ہو۔ (درر الاحکام، کتاب بیوع)

خریداری کے بعد غلام کے آزاد نکل آنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى عَبْدًا فَإِذَا هُوَ حُرٌّ وَقَدْ قَالَ الْعَبْدُ لِلْمُشْتَرِي اشْتَرِنِي فَإِنِّي عَبْدٌ لَهُ) ، فَإِنْ كَانَ الْبَائِعُ حَاضِرًا أَوْ غَائِبًا غَيْبَةً مَعْرُوفَةً لَمْ يَكُنْ عَلَى الْعَبْدِ شَيْءٌ ، وَإِنْ كَانَ الْبَائِعُ لَا يُدْرَى أَيْنَ هُوَ رَجَعَ الْمُشْتَرِي عَلَى الْعَبْدِ وَرَجَعَ هُوَ عَلَى الْبَائِعِ وَإِنْ ارْتَهَنَ عَبْدًا مُقِرًّا بِالْعُبُودِيَّةِ فَوَجَدَهُ حُرًّا لَمْ يَرْجِعْ عَلَيْهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَرْجِعُ فِيهِمَا لِأَنَّ الرُّجُوعَ بِالْمُعَاوَضَةِ أَوْ بِالْكَفَالَةِ وَالْمَوْجُودُ لَيْسَ إلَّا الْإِخْبَارَ كَاذِبًا فَصَارَ كَمَا إذَا قَالَ الْأَجْنَبِيُّ ذَلِكَ أَوْ قَالَ الْعَبْدُ ارْتَهِنِّي فَإِنِّي عَبْدٌ وَهِيَ الْمَسْأَلَةُ الثَّانِيَةُ .وَلَهُمَا أَنَّ الْمُشْتَرِيَ شَرَعَ فِي الشِّرَاءِ مُعْتَمِدًا عَلَى مَا أَمَرَهُ وَإِقْرَارِهِ أَنِّي عَبْدٌ، إذْ الْقَوْلُ لَهُ فِي الْحُرِّيَّةِ فَيُجْعَلُ الْعَبْدُ بِالْأَمْرِ بِالشِّرَاءِ ضَامِنًا لِلثَّمَنِ لَهُ عِنْدَ تَعَذُّرِ رُجُوعِهِ عَلَى الْبَائِعِ دَفْعًا لِلْغُرُورِ وَالضَّرَرِ ، وَلَا تَعَذُّرَ إلَّا فِيمَا لَا يُعْرَفُ مَكَانُهُ، وَالْبَيْعُ عَقْدُ مُعَاوَضَةٍ فَأَمْكَنَ أَنْ يُجْعَلَ الْآمِرُ بِهِ ضَامِنًا لِلسَّلَامَةِ كَمَا هُوَ مُوجَبُهُ، بِخِلَافِ الرَّهْنِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُعَاوَضَةٍ بَلْ هُوَ وَثِيقَةٌ لِاسْتِيفَاءِ عَيْنِ حَقِّهِ حَتَّى يَجُوزَ الرَّهْنُ بِبَدَلِ الصَّرْفِ وَالْمُسَلَّمِ فِيهِ مَعَ حُرْمَةِ الِاسْتِبْدَالِ فَلَا يُجْعَلُ الْأَمْرُ بِهِ ضَمَانًا لِلسَّلَامَةِ، وَبِخِلَافِ الْأَجْنَبِيِّ لِأَنَّهُ لَا يُعْبَأُ بِقَوْلِهِ فَلَا يَتَحَقَّقُ الْغُرُورُ .وَنَظِيرُ مَسْأَلَتِنَا قَوْلُ الْمَوْلَى بَايِعُوا عَبْدِي

بکر نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ لونڈی ہے اس کو ام ولد کیا اور قاضی نے ان باتوں کا حکم صادر کر دیا تو اب کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتا۔
ملک مورخ میں جب عتق تاریخ سے پہلے ثابت ہو گیا اور قاضی نے عتق کا حکم دیا تو اس تاریخ کے وقت سے اس کے متعلق کسی کا دعویٰ نہیں ہو سکتا اس سے پہلے کی ملک کا دعویٰ ہو سکتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے بکر سے کہا تو میرا غلام ہے پانچ برس سے تو میری ملک میں ہے بکر نے جواب میں کہا میں فلاں شخص کا غلام تھا چھ برس ہوئے اُس نے مجھے آزاد کر دیا اور اس امر کو گواہوں سے ثابت کیا زید کا دعویٰ بیکار ہو گیا پھر عمرو نے بکر پر دعویٰ کیا کہ میں سات برس سے تیرا مالک ہوں اور اب بھی تو میری ملک میں ہے اس کو اس نے گواہوں سے ثابت کیا تو گواہ قبول ہوں گے اور پہلا فیصلہ منسوخ ہو جائے گا۔

(درر الاحکام، کتاب بیوع)

غلام کی آزادی میں دعویٰ شرط پر اشکال کا بیان

ثُمَّ فِي وَضْعِ الْمَسْأَلَةِ ضَرْبُ إشْكَالٍ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الدَّعْوَى شَرْطٌ فِي حُرِّيَّةِ الْعَبْدِ عِنْدَهُ، وَالتَّنَاقُضُ يُفْسِدُ الدَّعْوَى .

وَقِيلَ إذَا كَانَ الْوَضْعُ فِي حُرِّيَّةِ الْأَصْلِ فَالدَّعْوَى فِيهَا لَيْسَ بِشَرْطٍ عِنْدَهُ لِتَضَمُّنِهِ تَحْرِيمَ فَرْجِ الْأُمِّ .

وَقِيلَ هُوَ شَرْطٌ لَكِنَّ التَّنَاقُضَ غَيْرُ مَانِعٍ لِخَفَاءِ الْعُلُوقِ وَإِنْ كَانَ الْوَضْعُ فِي الْإِعْتَاقِ فَالتَّنَاقُضُ لَا يَمْنَعُ لِاسْتِبْدَادِ الْمَوْلَى بِهِ فَصَارَ كَالْمُخْتَلِعَةِ تُقِيمُ الْبَيِّنَةَ عَلَى الطَّلَقَاتِ الثَّلَاثِ قَبْلَ الْخُلْعِ وَالْمُكَاتَبِ يُقِيمُهَا عَلَى الْإِعْتَاقِ قَبْلَ الْكِتَابَةِ .

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اس مسئلہ میں ایک اشکال ہے کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک غلام کی آزادی میں دعویٰ شرط ہے۔ حالانکہ تناقض دعویٰ کو فاسد کرنے والا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت حریت کے اصل ہونے میں ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی اس میں دعویٰ شرط نہ ہوگا کیونکہ اصل میں حریت کا دعویٰ فرج ام کی حرمت کو لازم کیے ہوئے ہے۔ اور ایک قول کے مطابق دعویٰ شرط ہے مگر علوق کے پوشیدہ ہونے کے سبب تناقض مانع نہ ہوگا اور جب مسئلہ کی وضع آزادی میں ہو تو تناقض مانع نہ ہوگا کیونکہ آقا آزادی میں مستقل ہوتا ہے۔ تو یہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح خلع لینے والی عورت خلع سے پہلے طلاق ثلاثہ پر گواہی قائم کر دے اور کتابت سے پہلے مکاتب آزادی پر گواہی قائم کر دے۔

شرح

تناقض یعنی پہلے ایک کلام کہنا پھر اُس کے خلاف بتانا مانع دعویٰ ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ 1 پہلا کلام کسی شخص معین کے

متعلق ہو، ورنہ مانع نہیں مثلاً پہلے کہا تھا فلاں شہر والوں کے ذمہ میرا کوئی حق نہیں پھر اسی شہر کے کسی خاص آدمی پر دعویٰ کیا یہ دعویٰ مسموع) ہے۔

2 یہ بھی ضرور ہے کہ پہلا کلام بھی اس نے قاضی کے سامنے بولا ہو یا قاضی کے حضور اس کا ثبوت گزرا ہو، ورنہ قابل اعتبار نہیں۔

3 یہ بھی ضرور ہے کہ خصم نے اس کی تصدیق نہ کی ہو، اگر اس نے تصدیق کردی تو تناقض کا کچھ اثر نہیں۔ 4 یہ بھی ضرور ہے کہ قاضی نے اس کی تکذیب نہ کی ہو، تکذیب سے تناقض اُٹھ جاتا ہے۔ (درمختار، ردالمحتار)

کسی لونڈی کی نسبت دعویٰ کیا کہ یہ میری منکوحہ ہے پھر یہ کہتا ہے کہ میری ملک ہے یہ تناقض ہے اور دعویٰ ملک مسموع نہیں جس طرح تناقض اس کے لیے مانع ہے دوسرے کے لیے بھی مانع ہے، مثلاً کہتا ہے یہ چیز فلاں کی ہے، اس نے مجھے وکیل بالخصومة (وکیل مقدمہ) کیا ہے پھر کہتا ہے کہ یہ چیز فلاں کی ہے (دوسرے کا نام لے کر) اس نے مجھے وکیل بالخصومة کیا ہے، یہ تناقض ہے اور مانع دعویٰ ہے۔ ہاں اگر اس کی دونوں باتوں میں تطبیق ممکن ہو تو مسموع ہوگا مثلاً اسی مثال مفروض میں وہ بیان دیتا ہے کہ جب پہلے میں مدعی ہوکر آیا تھا اُس وقت وہ چیز اُسی کی تھی اور اس نے مجھے وکیل کیا تھا اور اب یہ چیز اُس کی نہیں بلکہ اس کی ہے اور اس نے مجھے وکیل کیا ہے۔ تناقض کی بہت سی صورتیں ہیں اس کی بعض مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

1 ایک شخص کی نسبت دعویٰ کرتا ہے کہ وہ میرا بھائی ہے اور میں حاجت مند ہوں میرا نفقہ اُس سے دلوایا جائے اُس نے جواب دیا کہ یہ میرا بھائی نہیں ہے اس کے بعد مدعی مرگیا اور مدعیٰ علیہ آتا ہے اور میراث مانگتا ہے اور کہتا ہے میرے بھائی کا ترکہ مجھ کو دیا جائے یہ نامسموع ہے۔

2 پہلے ایک چیز کی نسبت کہا یہ وقف ہے پھر کہتا ہے میری ملک ہے نامسموع ہے۔

3 پہلے کوئی چیز دوسرے کی بتائی پھر کہتا ہے میری ہے یہ نامسموع ہے اور اگر پہلے اپنی بتائی پھر دوسرے کی تو مسموع ہے کہ اپنی کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اُس چیز کو خصوصیت کے ساتھ برتتا تھا۔2)) (درمختار، ردالمحتار)

یہ جو کہا گیا کہ تناقض مانع دعویٰ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی چیز میں تناقض ہو جس کا سبب ظاہر تھا اور جو چیزیں ایسی ہیں جن کے سبب مخفی ہوتے ہیں اُن میں تناقض مانع دعویٰ نہیں مثلاً ایک مکان خریدا یا کرایہ پر لیا پھر اسی مکان کی نسبت دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میرے باپ نے میرے لیے خریدا جب میں بچہ تھا یا میرے باپ کا مکان ہے جو بطور وراثت مجھے ملا بظاہر یہ تناقض 3)) موجود ہے مگر مانع دعویٰ نہیں ہوسکتا ہے کہ پہلے اُسے علم نہ تھا اس بنا پر خریدا اب جب کہ معلوم ہوا یہ کہتا ہے اگر اپنی پچھلی بات گواہوں سے ثابت کردے تو مکان اسے مل جائے گا۔ رومال میں لپٹا ہوا کپڑا خریدا پھر کہتا ہے یہ تو میرا ہی تھا میں نے پہچانا نہ تھا یہ بات معتبر ہے۔ بھائیوں نے ترکہ تقسیم کیا پھر ایک نے کہا فلاں چیز والد نے مجھے دیدی تھی اگر یہ بات اپنے بچپنے کی بتاتا ہے قبول ہے ورنہ نہیں۔ (ردالمحتار)

نسب وطلاق،حریت میں تناقض کے عدم نقصان کا بیان

نسب،طلاق،حریت ان کے اسباب مخفی ہیں ان میں تناقض نقصان دہ نہیں مثلاً کہتا ہے یہ میرا بیٹا نہیں پھر کہا میرا بیٹا ہے نسب ثابت ہوگیا اور اگر پہلے کہا یہ میرا لڑکا ہے پھر کہتا ہے نہیں ہے تو یہ دوسری بات نامعتبر ہے کیونکہ نسب ثابت ہو جانے کے بعد منتفی نہیں ہوسکتا۔یہ اُس وقت ہے کہ لڑکا بھی اُس کی تصدیق کرے اور اگر اس نے اُس کو اپنا لڑکا بتایا مگر وہ انکار کرتا ہے تو نسب ثابت نہیں ہاں لڑکے نے انکار کے بعد پھر اقرار کرلیا تو ثابت ہو جائے گا۔ پہلے کہا میں فلاں کا وارث نہیں پھر کہا وارث ہوں اور میراث پانے کی وجہ بھی بتاتا ہے تو بات مان لی جائے گی۔ یہ بات کہ فلاں شخص میرا بھائی ہے یہ اقرار معتبر نہیں یعنی اس کہنے کی وجہ سے اس کے باپ سے اُس کا نسب ثابت نہ ہوگا کہ غیر پر اقرار کرنے کا اسے کوئی حق نہیں۔ یہ کہا کہ میرا باپ فلاں شخص ہے اُس نے بھی مان لیا نسب ثابت ہوگیا پھر وہ شخص دوسرے کا نام لے کر کہتا ہے میرا باپ فلاں ہے یہ بات نامسموع ہے کہ پہلے شخص کے حق کا ابطال ہے اور اگر پہلے شخص نے اس کی تصدیق نہیں کی ہے مگر تکذیب بھی نہیں کی ہے جب بھی دوسرے کو اپنا باپ نہیں بتا سکتا۔طلاق میں تناقض کی صورت یہ ہے کہ عورت نے اپنے شوہر سے خلع کرایا اس کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ شوہر نے تین طلاقیں خلع سے پہلے ہی دیدی تھیں لہذا بدل خلع واپس کیا جائے یہ دعویٰ مسموع ہے اگر گواہوں سے ثابت کردے گی بدل خلع واپس ملے گا کیونکہ طلاق میں شوہر مستقل ہے عورت کی موجودگی یا علم ضرور نہیں پہلے عورت کو معلوم نہ تھا اس لیے خلع کرایا اب معلوم ہوا تو بدل خلع کی واپسی کا دعویٰ کیا۔عورت نے شوہر کے ترکہ سے اپنا حصہ لیا دیگر ورثہ نے اس کی زوجیت کا اقرار کیا تھا پھر یہی لوگ کہتے ہیں کہ اس کے شوہر نے حالت صحت میں تین طلاقیں دیدی تھیں اگر معتبر گواہوں سے ثابت کردیں عورت سے ترکہ واپس لے لیں۔حریت کی دوصورتیں ہیں ایک اصلی،دوسری عارضی،اصلی تو یہ کہ آزاد پیدا ہی ہوا،رقیت اُس پر طاری ہی نہ ہوئی اس کی بنا علوق (نطفہ قرار پانے) پر ہی ہوسکتا ہے کہ اس کے ماں باپ آزاد ہیں مگر اسے علم نہیں یہ لوگوں سے اپنا غلام ہونا بیان کرتا ہے پھر اسے معلوم ہوا کہ اس کے والدین آزاد تھے اب آزادی کا دعویٰ کرتا ہے۔اور حریت عارضی کی بنا عتق پر ہے عتق میں مولےٰ مستقل ومتفرد ہے ہوسکتا ہے کہ اُس نے آزاد کردیا اور اسے خبر نہ ہوئی اس لیے اپنے کو غلام بتاتا ہے جب معلوم ہوا کہ آزاد ہو چکا ہے آزاد کہتا ہے۔

(دررالاحکام،کتاب بیوع)

غلام نے خریدار سے کہا تم مجھے خرید لو میں فلاں کا غلام ہوں خریدار نے اس کی بات پر بھروسہ کیا اسے خرید لیا اب معلوم ہوا کہ وہ غلام نہیں بلکہ آزاد ہے اگر بائع یہاں موجود ہے یا غائب ہے مگر معلوم ہے کہ وہ فلاں جگہ ہے تو اس غلام سے مطالبہ نہیں ہوگا بائع کو پکڑیں گے اُس سے ثمن وصول کریں گے۔اور اگر بائع لاپتہ ہے یا مرگیا ہے اور ترکہ بھی نہیں چھوڑا ہے تو اس غلام سے مطالبہ وصول کیا جائے گا اور ترکہ چھوڑ مرا ہے تو ترکہ سے وصول کریں۔ [illegible] وصول کیا ہے تو وہ جب بائع کو پائے اُس سے وصول کرے۔اور اگر اُس نے صرف اتنا کہا ہے کہ میں غلام ہوں یا یہ کہا مجھے [illegible] نہیں ہوسکتا۔

(درمختار،کتاب بیوع)

گھر میں حق مجہول کا دعویٰ کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ ادَّعَى حَقًّا فِي دَارٍ) مَعْنَاهُ حَقًّا مَجْهُولًا (فَصَالَحَهُ الَّذِي فِي يَدِهِ عَلَى مِائَةِ دِرْهَمٍ فَاسْتُحِقَّتْ الدَّارُ إلَّا ذِرَاعًا مِنْهَا لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ) لِأَنَّ لِلْمُدَّعِي أَنْ يَقُولَ دَعْوَايَ فِي هَذَا الْبَاقِي .

قَالَ (وَإِنْ ادَّعَاهَا كُلَّهَا فَصَالَحَهُ عَلَى مِائَةِ دِرْهَمٍ فَاسْتُحِقَّ مِنْهَا شَيْءٌ رَجَعَ بِحِسَابِهِ) لِأَنَّ التَّوْفِيقَ غَيْرُ مُمْكِنٍ فَوَجَبَ الرُّجُوعُ بِبَدَلِهِ عِنْدَ فَوَاتِ سَلَامَةِ الْمُبْدَلِ، وَدَلَّتْ الْمَسْأَلَةُ عَلَى أَنَّ الصُّلْحَ عَنْ الْمَجْهُولِ عَلَى مَعْلُومٍ جَائِزٌ لِأَنَّ الْجَهَالَةَ فِيمَا يَسْقُطُ لَا تُفْضِي إلَى الْمُنَازَعَةِ .وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کسی کے گھر میں حق مجہول کا دعویٰ کر دیا ہے اس کے بعد گھر پر قبضہ والے شخص نے ایک سو دراہم پر مدعی سے صلح کرلی اور اس کے بعد سوائے ایک گز کے سارا گھر کسی حقدار میں کے حق میں نکل آیا تو اب قابض مدعی سے ایک درہم بھی واپس نہ لے سکے گا کیونکہ مدعی یہ کہہ سکتا ہے کہ میرا حق اسی بقیہ گھر میں ہے اور جب مدعی نے پورے گھر کا دعویٰ کیا اس کے قابض نے سو دراہم پر اس کے ساتھ صلح کرلی اور اس کے بعد گھر کے ایک حصہ کا مالک نکل آیا تو مشتری اسی کے حساب صلح کے بدلہ میں واپس لے گا۔ کیونکہ موافقت ممکن نہیں ہے پس مبدل کے سلامتی کے فوت ہونے کے سبب بدل ثابت ہو جائے گا۔ (قاعدہ فقہیہ) اور یہ مسئلہ اس اصول کا بھی تقاضہ کرتا ہے کہ مجہول کے بدلے میں معلوم پر صلح کرنا جائز ہے کیونکہ ساقط ہونے والی اشیاء میں جہالت جھگڑے کی جانب لے جانے والی نہیں ہوا کرتی۔

شرح

مکان کے متعلق حقِ مجہول کا دعویٰ ہوا یعنی مدعی نے اتنا کہا کہ میرا اس میں حصہ ہے یہ نہیں بتایا کہ کتنا مدعیٰ علیہ نے سو روپے دیکر اُس سے مصالحت کرلی پھر ایک ہاتھ کے علاوہ سارا مکان دوسرے مستحق نے اپنا ثابت کیا تو پہلے جس سے صلح ہو چکی ہے اُس سے کچھ نہیں لے سکتا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک ہاتھ جو بچا ہے وہی اُس کا ہو۔ اور اگر پہلے مدعی نے پورے مکان کا دعویٰ کیا اور سو روپے پر صلح ہوئی تو جتنا مستحق لے گا اُس کے حصہ کے مطابق سو روپے میں سے واپس لیا جائے گا اور مستحق نے کل لیا تو پورے سو روپے واپس لے گا۔

اسلام کا نظام معیشت سود سے بچانے والا ہے

ہم اسلام کے معاشی اور اقتصادی نظام اور اس کے اصولوں سے نا آشنا ہیں، اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ چونکہ اسلام نے بینکنگ سسٹم نہیں دیا، تو وہ اچھے معاشی نظام سے بھی محروم ہے، دراصل ہمارے ذہنوں میں یہودی سودی نظام اور بینکاری سسٹم ہی اچھا معاشی نظام ہے، اور ہر صاحب فہم جانتا ہے کہ بینکاری نظام یہودی سودی نظام کا تسلسل ہے چونکہ اسلام یہودی نظام اور سودی سسٹم کا مخالف ہے اور اسلام اس سودی سسٹم کے خاتمہ کے لئے آیا ہے، اس لئے یہود و نصاریٰ اور ان کے ہمنوا اسلام اور اسلام کے معاشی نظام میں کیڑے نکالتے ہیں تو بسلمان بھی اس سے متاثر ہوگئے، ورنہ کیا کوئی باور کرسکتا ہے کہ کسی غلط کام سے روکنے کے ساتھ ساتھ اس کا متبادل حل پیش نہ کرنا، قابل توجہ ہوسکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں !اگر ہم کسی غلط کاری کو محض زبانی کلامی، دعوؤں اور کاغذی گھوڑوں سے غلط باور نہیں کراسکتے تو اللہ تعالیٰ کسی غلط نظام کی جگہ متبادل صحیح نظام دیئے بغیر اس کی تغلیط کیونکر فرمادیں گے؟

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اگر سود اور سودی نظام سے انسانوں کو روکا ہے تو ضرور اس کا متبادل نظام بھی فراہم کیا ہوگا۔

اب سوال پیدا ہوگا کہ وہ کون سا نظام ہے؟ اور اس کے کیا اصول وفروع ہیں؟ یا اس کے کیا خدوخال ہیں؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ جس طرح دنیا کا کوئی علم وفن اور نظام بغیر محنت اور جستجو کے حاصل نہیں ہوسکتا ٹھیک اسی طرح اسلام کا معاشی نظام بھی خود بخود حاصل نہیں ہوگا، بلکہ ہماری محنت وجستجو کرنے پر ہی معلوم ہوگا، چونکہ ہم نے یہودی سودی نظام پڑھا ہے اور اس پر محنت کی ہے تو وہ ہمارے سامنے ہے، اگر ہم اسلام کے معاشی اور اقتصادی نظام پر محنت کرتے، اس کا مطالعہ کرتے اور اس کی جزئیات کی تلاش وجستجو میں صلاحیتیں صرف کرتے تو وہ بھی ہمیں معلوم ہو جاتا، لیکن افسوس ! کہ ہم نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں کی، بتلایا جائے کہ اس میں قصور ہمارا ہے یا اسلام کا؟ آپ خود ہی بتلائیں کہ ہم نے اس پر کتنا محنت وجستجو کی ہے؟ یا قرآن وسنت اور فقہائے امت کے مرتب کردہ ذخیرہ علم وفقہ کو کتنا پڑھا ہے؟ اگر نہیں پڑھا اور یقیناً نہیں پڑھا تو اس میں قصور کس کا ہے؟

: چلئے اس کو بھی چھوڑیئے صرف اس کو ہی پیش نظر رکھئے کہ اس یہودی بینکاری نظام سے قبل بھی اسلامی دنیا قائم تھی، اس کے امور مملکت بھی خیر وخوبی سے چلتے تھے، پوری دس، گیارہ صدیوں تک مسلمانوں نے آباد دنیا کے اکثر حصوں پر حکومت کی ہے تو کیسے اور کیونکر؟ آخر ان کے پاس کوئی تو نظام معیشت تھا، جس کی بدولت ان کا نظام حکومت کامیابی سے چلتا رہا؟ اب بڑی شدت سے آپ کے ذہن میں یہ سوال ابھر رہا ہوگا کہ آخر وہ کون سا نظام ہے؟ اور اس کی کیا تفصیلات ہیں؟ میرے مخدوم !اللہ تعالیٰ نے جہاں سودی نظام کو ممنوع قرار دیا ہے، وہاں اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اس کے متبادل جائز نظام کی طرف راہ نمائی بھی فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

الذین یأکلون الربٰوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطٰن من المس، ذٰلك بانهم قالوا انما البیع مثل الربٰوا، واحل الله البیع و حرم الربٰوا فمن جاء ہ موعظة من ربه فانتهٰی فله ماسلف (البقرۃ :

ترجمہ: جولوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کے دن مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیئے ہوں

جن نے لپٹ کر، یہ حالت ان کی اس واسطے ہوگی کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسے ہی ہے جیسا سود لینا، حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو، پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آ گیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا۔

دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود کے متبادل نظام کی بھی نشاندہی فرمادی ہے اور وہ ہے حلال طریقہ پر بیع وشرا اور خرید فروخت کا نظام۔

رہی یہ بات کہ سود کو کیوں حرام قرار دیا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں دولت چند افراد اور خاندانوں میں مرتکز ہو جاتی ہے، جس سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے، اور یہ بات کسی دلیل و برہان کی محتاج نہیں بلکہ دو اور دو چار کی طرح نہایت آسان اور عام فہم ہے۔

مثلاً :اگر ایک غریب آدمی کسی مال دار کے پاس جا کر اپنی بے بسی اور بے کسی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس سے قرض مانگے اور مال دار اس کی مدد کرنے یا قرض حسنہ دینے کے بجائے یہ کہے کہ میں تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں، مگر اس شرط پر کہ تمہیں قرض پر ماہانہ یا سالانہ اتنا، اتنا فیصد اضافی رقم دینا ہوگی، مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق، غریب نے قرض لے لیا، اب ایک طرف مال دار کا سرمایہ محفوظ ہو گیا اور دوسری طرف اس کو اس پر ماہانہ یا سالانہ اضافہ بشکل سود بھی ملنا شروع ہو گیا، یوں امیر، امیر تر ہونا شروع ہو گیا، دوسری طرف غریب مقروض زندگی بھر کما، کما کر سود خور قرض خواہ کو دیتا رہے گا، یوں وہ غریب سے غریب تر ہوتا چلا جائے گا۔ کیا دنیا بھر میں جاری موجودہ بینکاری نظام اور مورگیج اسی طرح کا نہیں؟

اس کے مقابلہ میں اسلام نے مسلمانوں کو اس کی تلقین فرمائی ہے کہ :**وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۔ (البقرہ)**

ترجمہ: اگر تمہارا) مقروض تنگدست ہے تو اس کو کشائش ہونے تک مہلت دینی چاہئے اور بخش دو قرضہ معاف کردو تو بہت بہتر ہے، تمہارے لئے اگر تم کو سمجھ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس کی تعلیم دی ہے کہ اگر کسی مسلمان کو قرض کی ضرورت ہو اور اسے قرض دے دیا جائے تو اس قرض کا ثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہے، دوسرے یہ کہ جتنا قرض دیا جائے اتنا ہی واپس لیا جائے، اگر اس پر اضافہ کا مطالبہ کیا گیا تو وہ سود ہوگا، بلکہ مقروض سے قرض کے عوض کسی بھی قسم کا نفع حاصل کرنا بھی سود اور ربا کے زمرہ میں آئے گا۔

:اب آیئے !اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ربا اور سود کی کون کون سی شکلیں ہیں؟ اس کی تمام تفصیلات قرآن، حدیث اور فقہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کردی گئیں ہیں۔ مثلاً :جو چیزیں ناپ کر یا تول کر فروخت کی جاتی ہیں، جب ان کا تبادلہ ان کی جنس کے ساتھ کیا جائے تو ضروری ہے کہ دونوں چیزیں برابر، برابر ہوں اور یہ معاملہ دست بدست کیا جائے۔ اس میں ادھار بھی اور کمی بیشی بھی ناجائز ہے، چنانچہ اگر گیہوں کا تبادلہ گیہوں کے ساتھ کیا جائے تو دونوں باتیں ناجائز ہوں گی، یعنی کمی، بیشی بھی ناجائز اور

ادھار بھی ناجائز اور اگر گیہوں کا تبادلہ مثلاً جو کے ساتھ کیا جائے تو کمی بیشی جائز ہے، مگر ادھار ناجائز ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں بطور اصول ان چھ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے جن کو برابر، برابر اور دست بدست فروخت کیا جائے، اگر ان کے آپس کے تبادلہ کے وقت کمی بیشی کی گئی یا ادھار کیا گیا تو ناجائز ہوگا، وہ حدیث شریف یہ ہے کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور نمک۔ فرمایا کہ جب سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جو جو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے فروخت کیا جائے تو برابر ہونا چاہئے اور ایک ہاتھ سے لے اور دوسرے ہاتھ سے دے، کمی بیشی سود ہے۔ (مشکوٰۃ ص:)

چونکہ بینکوں میں بھی نقد رقم یا چیک دے کر اس کے بدلے میں نقد رقم پر اضافہ وصول کیا جاتا ہے، اس لئے سود اور ناجائز ہے۔

دراصل اسلام میں غریبوں، کمزوروں اور پسے ہوئے افراد کے مفادات اور ان کی حیثیت واستعداد کو پیش نظر رکھ کر احکام مرتب کیے گئے ہیں، اس لئے بیع وشرا اور خرید وفروخت کی ان تمام شکلوں کو ممنوع قرار دیا گیا ہے جس میں غریب کا استحصال ہوتا ہو۔ دیکھا جائے تو سودی نظام کی ممانعت میں بھی اسی استحصال کے خاتمہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ عجیب بات ہے کہ اسلام دشمن، یہود ونصاریٰ نے اللہ کے حرام کردہ سود اور ربا کے طریقہ کار کو اپنا کر اس پر اتنا محنت کی ہے کہ اس کو پرکشش اور جاذب نظر بنا دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سود خور سے اعلان جنگ فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

یـایها الذین آمنوا اتقوا اللّٰه وذروا مابقی من الربوٰا ان کنتم مومنین، فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللّٰه ورسوله، وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لاتظلمون ولا تظلمون ۔ (البقرہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود، اگر تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا، پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کو اور اگر توبہ کرتے ہو، تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر۔

جس طرح ہوا و ہوس پرستوں نے زنا، چوری، ڈکیتی، بدکاری، عیاشی، فحاشی، بدمعاشی میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین کو چھوڑ کر شیطان اور اس کی ذریت کا ساتھ دیا ہے، ٹھیک اسی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ نظام تجارت ومعیشت کو چھوڑ کر ابنائے شیطان نے سود اور ربا کو اختیار کیا ہے، جس طرح ہوس پرستوں کو زناکاری، بدکاری، چوری، ڈکیتی اور قتل وغارت گری اچھی لگتی ہے، ٹھیک اسی طرح انہیں سود اور ربا بھی اچھا اور پرکشش معلوم ہوتا ہے، جس طرح وہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسلام نے اس کا متبادل نہیں دیا؟ اسی طرح یہاں بھی نہیں کہا جاسکتا، جس طرح وہاں متبادل نظام کے ہوتے ہوئے ہوا پرست بدکاری وبدکرداری کی طرف راغب ہیں ٹھیک اسی طرح یہاں بھی متبادل نظام ہونے کے باوجود بیمار نفوس اسی شیطانی نظام کی طرف جاتے ہیں۔

صرف اسی پر بس نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سود کی اخروی ہلاکت آفرینی کے علاوہ اس کے دنیاوی نقصانات سے بھی

آ گاہ فرمایا، جیسا کہ ارشادالٰہی ہے:

یمحق اللّٰہ الربٰوا ویربی الصدقات ۔(البقرہ :) مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اس قدر وضاحت سے سود کی قباحت وشناعت اور اس کے دنیاوی واخروی نقصانات کو بیان کرنے کے باوجود بھی کوئی بد بخت سود کو اپناتا ہے تو بتلایا جائے کہ اس میں اسلام اور نظام اسلام کا قصور ہے؟ یا ان کا جو اس میں ملوث ہوتے ہیں؟

: جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اسلام نے سود کو حرام قرار دے کر اس کے متبادل کسی ایک آدھ صورت پر اکتفا نہیں، سینکڑوں جائز وحلال اور نفع بخش صورتیں عطا فرمائی ہیں۔

مثلاً ارشادالٰہی ہے :**احل اللّٰہ البیع و حرم الربٰوا** (البقرہ:) یعنی اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا اور ربا اور سود کو حرام قرار دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بیع، شرا یعنی خرید وفروخت کے احکام، مسائل، اس کی جائز وناجائز صورتیں، بیع کے اصول، بیع کے ارکان، بیع کی شرائط، اس کے منعقد ہونے کی شرائط، شرائط صحت، شرائط لزوم وغیرہ کے علاوہ باعتبار حکم کے بھی بیع کی تمام اقسام کو بیان کر دیا۔

چنانچہ ذخیرۂ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکورہ بیع کی اقسام، مثلاً: بیع صحیح اور باطل و فاسد اور اس کی تمام جائز وناجائز صورتیں اور ان کے احکام اور شرائط کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، چنانچہ آپ نے اگر فقہ کا مطالعہ کیا ہوتا تو آپ کو اندازہ ہوتا کہ فقہاء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں نہ صرف بیع کی جائز صورتیں لکھی ہیں، بلکہ اس کی ناجائز صورتوں میں سے بھی ایک ایک کی نشاندہی فرمائی ہے۔ مثلاً بیع باطل، فاسد، مکروہ، بیع غرر، بیع حبل الحبلہ، بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع حصاۃ، بیع مزابنہ اور محاقلہ، بیع المضامین والملاقیح، بیع نجش، اسی طرح خرید وفروخت کی جو جائز صورتیں ہیں، ان کی بھی تفصیلات کی نشاندہی فرمائی گئی ہے، مثلاً بیع کے ارکان کیا ہیں؟ اس کی شرائط کیا ہیں؟ پھر ثمن اور ادائیگی کی مدت کے اعتبار سے بیع کی قسمیں وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ شرائط۔ پھر ان میں سے ہر ایک کا جدا حکم بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس ساری تفصیل عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کی ہر ہر مرحلہ پر راہ نمائی فرمائی اور جائز وناجائز کی نشاندہی فرمائی ہے، گویا اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ایک پورا معاشی نظام دیا ہے، جو لوگ ان خطوط پر کام کریں گے وہ حلال و پاک رزق کمائیں گے اور جو اس کے خلاف عمل کریں گے، ان کا عمل ناجائز وحرام ہوگا اور ان کی دنیا وآخرت خراب ہوگی۔

ابتدائے اسلام سے لے کر گیارہ سو سال تک مسلمان اس نظام پر چلتے رہے تو ان کو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔

رہی یہ بات کہ اسلام نے مسلمانوں کو بینکاری کا متبادل کیا دیا ہے؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ مضاربہ ومشارکہ دراصل اسلامی بینکاری ہی ہے، جس میں ایک ایسا مسلمان جو مالدار تو ہے مگر محنت ومشقت یا تجارتی کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، یا اسے اس کا تجربہ نہیں، بلاشبہ وہ اپنا سرمایہ کسی ایسے مسلمان کو، جو محنت ومشقت یا تجارتی کام کرنے کی صلاحیت وتجربہ رکھتا ہو، لیکن اس کے پاس

مصنوعات(Product)) مثلاً : کوئی چیز جس کی قیمت بازار میں پچاس روپے ہیں،تو وہ چیز اسے چالیس روپے میں ملتی ہے، اوراس پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ مزید پانچ ممبر تیار کریں،اگر وہ ایک آدمی کوممبر بنادے تو ادارہ اس کو دوسوروپے دیتا ہے،اور جب پانچ ممبر ہوجائیں تو اسے مزید آٹھ سوروپے یعنی کل ایک ہزارروپے ملتے ہیں،اسی طرح ادارہ ہر نئے ممبر سے پانچ سوروپے ممبری فیس وصول کرتا ہے،اوراس پر بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ پانچ ممبر بنائے،اوراس ممبر بنانے کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہوتا ہے،اب جب بھی ادارہ میں نئے ممبر کا اضافہ ہوتا ہے،ادارہ کو بلا محنت ومشقت مفت میں تین سوروپے،اور پہلے ممبر کو بلا عوض دوسوروپے کا فائدہ ہوتا ہے،اس طرح کی اسکیم کھلم کھلا قمار بازی (جوا) ہے،اوراس میں سود بھی پایا جاتا ہے؛اس لیے یہ بھی شرعاً ناجائز وحرام ہے۔

تجارتی انعامی اسکیمیں

(۱) کبھی کوئی کمپنی یہ طے کرتی ہے کہ جو ہم سے اتنے اتنے روپے کا سامان خریدے گا،ہم اس کو عمرہ کرائیں گے،یا ہم اس کو ڈرائیور سمیت گاڑی فراہم کریں گے،جس پر وہ فلاں فلاں مقامات کی سیر وتفریح کے لیے جاسکتا ہے۔

(۲) اسی طرح کبھی کوئی کمپنی اپنی مصنوعات(Product)) فروخت کرنے والے دکانداروں سے، یا کوئی دکاندار اپنے خریداروں سے یہ کہتا ہے کہ اگر اتنا اتنا سامان خریدو گے،تو ہم تم کو کوپن دیں گے،پھران دکانداروں اور خریداروں کے درمیان قرعہ اندازی ہوتی ہے،جن کے نام قرعہ نکلتا ہے وہ انعام کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

(۳) کبھی کوئی کمپنی یا دکاندار اپنے خریداروں سے یہ کہتا ہے کہ جو بھی ہم سے اتنا سامان خریدے گا،ہم سب کو انعام دیں گے،لیکن یہ انعام مالیتوں کے اعتبار سے مختلف ہوں گے،جن کا تعین قرعہ اندازی سے ہوگا۔

اس طرح کی تجارتی انعامی اسکیموں کے ذریعے خریداروں کو انعام کی لالچ دے کر انہیں بے جا فضول خرچی اور غیر ضروری خریداری کی طرف راغب کیا جاتا ہے،اور متعلقہ کمپنی اور دکاندار پوری ہوشیاری کے ساتھ ایسے حربے اپناتے ہیں کہ لاکھوں خریداروں میں سے محض کچھ خریداران کے اس انعام کے مستحق قرار پاتے ہیں،اوردوسرے خریداروں کے لیے سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا،نیز کاروبار کے اس طریقہ کے پیچھے جوئے اور قمار ہی کی روح کارفرما ہوتی ہے، اس لیے شرعاً یہ ناجائز ہے۔(فتاوی عثمانی:/، جدید فقہی مسائل)

گولڈ مائن انٹرنیشنل اسکیم

اسی طرح کی ایک اسکیم گولڈ مائن انٹرنیشنل(Gold mine international)) نامی کمپنی نے پوری دنیا میں پھیلا رکھی ہے،اس کمپنی کا طریقۂ کاروبار نیٹ ورک مارکیٹنگ کی طرح ہے،جو مختلف مصنوعات اور سونے کے سکے بھی تیار کر کے فروخت کرتی ہے،کمپنی اپنی تمام مصنوعات کی تشہیر لوگوں میں لوگوں ہی کی زبانی کراتے ہوئے اپنے نئے گاہک(Customers)) بنانے کا کام بھی معقول معاوضے کے عوض لوگوں سے لیتی ہے،اس طرح لوگ کمپنی کو نئے گاہک فراہم کرتے ہیں اور کمپنی لوگوں کو

اس کے بدلے کمیشن ادا کرتی ہے۔ گرچہ یہ دلالی ہی کی ایک قسم ہے لیکن اس دلالی کے لیے GMI کمپنی کی کوئی چیز مثلاً گھڑی یا کوئی اور پراڈکٹ (Product) خریدنا ضروری ہے، یہ اجارے میں شرط فاسد ہے، اس کے علاوہ اس اسکیم میں اور دوسری خرابیاں بھی موجود ہیں، جن کی وجہ سے شرعاً یہ ناجائز ہے۔

جیونا کمپنی اسکیم

آج کل جیونا نام سے ایک کمپنی قائم ہے، جس کی اسکیم یہ ہے کہ پینتیس سو روپے دیکر اس کے ممبر بن جاؤ اور ان ساڑھے تین ہزار کے عوض کمپنی کوئی شی ءنہیں دیگی ؛ لیکن اگر یہ ممبر کم سے کم مزید دو ممبر کمپنی کے لیے بنا دیتا ہے، یعنی یوں کہیے کہ کمپنی کو سات ہزار روپے دوسرے دو فردوں سے لا دیتا ہے، تو کمپنی اسے اس میں سے بطورِ کمیشن چھ سو روپے ادا کرے گی اور اگر ان دو ممبروں میں سے ہر ممبر دو دو ممبر بناتا ہے، تو جہاں ان دو ممبروں کو چھ چھ سو روپے بطورِ کمیشن ملیں گے، وہیں پہلے ممبر کو مزید بارہ سو روپے ملیں گے، یعنی کل اٹھارہ سو روپے ملیں گے اور اگر یہ چار ممبروں میں سے ہر ممبر دو دو ممبر بناتا ہے، تو ان میں سے ہر ایک کو چھ چھ سو اور پہلے کو گذشتہ کے اٹھارہ سو میں مزید چوبیس سو روپے ملا کر، یعنی کل بیالیس سو روپے دیئے جائیں گے اور جیسے جیسے یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہے گا ویسے ویسے پہلے ممبر کو بھی ہر ممبر پر کمیشن ملتا رہے گا۔ اسکیم کی یہ صورت جوا اور باطل طریقہ سے لوگوں کے اموال کھانے کی حرمتِ صریحہ پر مشتمل ہے، اس لیے اس طرح کی اسکیموں کا ممبر بنا اور بنانا دونوں عمل شرعاً ناجائز و حرام ہے اور اس پر ملنے والا کمیشن بھی حرام ہے؛ اس لیے اس طرح کی اسکیموں میں شرکت سے کلی اجتناب ضروری ہے۔

غرر و قمار پر مشتمل ایک ممبر ساز اسکیم

آج کل عموماً تاجر یا کمپنی وغیرہ ممبر سازی کے ذریعہ فریج، کولر، واشنگ مشین، سائیکل، موٹر سائیکل وغیرہ اسکیم کے تحت فروخت کرتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کسی چیز کی اصل قیمت بازار میں مثلاً: پانچ ہزار روپے ہیں، تو وہ لوگ پوری رقم یکبارگی لینے کے بجائے، سو روپے ماہانہ ادا کرنے والے سو ممبر پینتالیس ماہ کے لیے بنالیتے ہیں، اور ہر ماہ پابندی کے ساتھ قرعہ اندازی کی جاتی ہے، اگر پہلے ہی ماہ میں کسی ممبر کا نام قرعہ اندازی سے نکل آتا ہے، تو اس کو صرف سو روپے میں پانچ ہزار کی چیز مل جاتی ہے، اور اگر کسی کا نام دوسرے ماہ میں نکلا تو پانچ ہزار کی چیز اسے صرف دو سو میں مل جاتی ہے، اسی طرح ہر ماہ قرعہ اندازی میں نام نکلنے والے کو وہ چیز جمع شدہ رقم کے عوض ملتی رہتی ہے، اب پینتالیسویں ماہ میں جتنے ممبر باقی رہیں گے، سب کو وہ چیز دیدی جائے گی، اس طرح کی اسکیم شرعاً قمار (جوا) کو شامل ہے، نیز بوقتِ عقد، ثمن مجہول ہوتا ہے، لہذا یہ اسکیم چلانا، اس میں حصہ لینا، اور قرعہ اندازی سے طے شدہ اشیاء کا حاصل کرنا شرعاً ناجائز ہے۔

کمی بیشی کے ساتھ چیک کی خرید و فروخت

بسا اوقات تاجر حضرات آپس میں نقد روپیوں کی بجائے چیک سے لین دین کیا کرتے ہیں، چیک کے بھنانے میں چونکہ

وقت لگ جاتا ہےاور تاجر کوفوری نقد روپیوں کی ضرورت ہوتی ہے،جس کی وجہ سے وہ، چیک میں لکھی ہوئی رقم سے کم میں، کسی اور کے ہاتھ اس چیک کوفروخت کردیتا ہے،خریدار وقتِ مقررہ پراس چیک کو بھنالیتا ہے،اوراپنی اصل رقم اضافہ کے ساتھ رکھ لیتا ہے۔شرعاًاس طرح چیک کی خرید وفروخت ربوااور سود ہونے کی وجہ سے ناجائز وحرام ہے۔

مروجہ لاٹری

حالیہ زمانے میں بازار کے اندر لاٹری کی مختلف صورتیں مروج ہیں،جن میں سے ایک مشہور صورت یہ ہے کہ بازاروں میں مخصوص جگہ پرلاٹری کی مختلف ٹکٹیں،مختلف قیمتوں میں فروخت ہوتی ہیں،خریدار کسی ایک قیمت یاالگ الگ قیمتوں کے کچھ ٹکٹ خرید لیتا ہے،پھر جب خریدار کا ریکارڈ اصل مرکز میں پہنچتا ہے،اوراس کے نام لاٹری نکل آتی ہے تواسے متعینہ رقم ملتی ہے،جواکثر اوقات روپیہ ہی کی صورت میں ہوتی ہے،اورٹکٹ کی رقم سے زیادہ ہی ہوتی ہے،یہ سود ہے جوشرعاً حرام ہے،نیز اس میں نفع ونقصان مبہم اورخطرے میں رہتا ہے،کہ نام نکل آیا تو نفع ہوگا،اوراگر نہ نکلا تواصل پونجی بھی ڈوب جائے گی،علاوہ ازیں یہ ٹکٹ خریدنے والے کی محنت کا نتیجہ نہیں؛ بلکہ محض بخت (قسمت) واتفاق پرمبنی ہوتا ہے کہ اس کا نام نکل بھی سکتا ہے اورنہیں بھی نکل سکتا ہے،ایسے ہی مبہم اور پرخطر نفع ونقصان کوقمار کہتے ہیں،جوشرعاًناجائز وحرام ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کا وہ طبقہ جوملازمت کرتا ہے،خواہ وہ حکومت کے ملازم ہوں یاکسی نجی وپرائیویٹ کمپنی کے،وہ اپنی ملازمت کے اوقات کی پابندی نہیں کرتے،اوقاتِ ملازمت میں دیانت داری وایمانداری کے ساتھ اپنے مفوضہ کاموں کوانجام نہیں دیتے،جب کہ انہیں جوتنخواہیں دی جارہی ہیں،وہ ان کی خدمات کا ہی عوض ہیں،تووہ اپنی تنخواہوں کی محض اتنی ہی مقدار کے حقدار ہیں جس کے مقابل انہوں نے خدمات انجام دی ہیں،وہ مقدار جس کے مقابل خدمات انجام نہیں دی گئیں،اس کے وہ حقدار نہیں،توتنخواہوں کا وہ حصہ حلال کہاں ہوا،جب کہ اس کوحلال سمجھ کر استعمال کیا جارہا ہے،یہی کچھ حال ادارہ اورکمپنیوں کے ذمہ داروں کا ہے کہ وہ ملازمین سے بھرپور خدمات وصول کرتے ہیں اورخدمات کے عوض (تنخواہ) کی ادائیگی میں ان کا استحصال کرتے ہیں،توروپیوں کی وہ قدر جوانہوں نے اپنے ملازمین کا استحصال کر کے پسِ پشت ڈال دی،وہ ان کے لیے کیسے حلال ہوگی!!اب رہاعام مسلمان جونہ تاجر ہےاورنہ ملازم؛ بلکہ وہ محنت ومزدوری کر کے یاکھیتی باڑی کر کے،یامال مویشی کے ذریعے اپنے گھر کے اخراجات پورے کرتا ہے،اس کے پاس بھی حلال وحرام کی تمیز باقی نہیں رہی،یاہے بھی تو وہ اس کا پاس ولحاظ نہیں کرتا،ایسا لگتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس زمانہ کی پیشین گوئی فرمائی تھی وہ بالکل آچکا ہے،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :لوگوں پرایک وقت ایسا آئے گا کہ آدمی اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے جولیاوہ حلال ہے یاحرام۔(بخاری،بر،مشکوۃ)

فصل فی بیع الفضولی

﴿یہ فصل فضولی کی بیع کے بیان میں ہے﴾

فصل فضولی کی بیع کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس باب کی فقہی مطابقت استحقاق والے باب کے ساتھ ظاہر ہے کیونکہ فضولی بھی استحقاق صورتوں میں سے ہی ایک صورت ہے۔ کیونکہ مستحق جس طرح دعویٰ کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ یہ چیز میری ملکیت میں تھی اور اس نے بغیر میری اجازت کے فروخت کی ہے اور اسی طرح فضولی بھی اجازت مالک کے بغیر فروخت کرنے والا ہے۔ اور فضولی کو فاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے گا کیونکہ وہ وکیل نہیں ہوتا جبکہ اس کو فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا غلط ہے۔[

(عنایہ شرح الہدایہ، کتاب بیوع، ج ۹، ص ۳۶۲، بیروت)

فضولی کی بیع کے شرعی ماخذ کا بیان

حضرت عروہ بن ابی الجعد بارقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ایک دینار دیا تھا کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لیے بکری خرید لائیں۔ انھوں نے ایک دینار کی دو بکریاں خرید کر ایک کو ایک دینار میں بیچ ڈالا اور حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں ایک بکری اور ایک دینار لا کر پیش کیا، ان کے لیے حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے دُعا کی، کہ ان کی بیع میں برکت ہو۔ اس دعا کا یہ اثر تھا کہ مٹی بھی خریدتے تو اُس میں نفع ہوتا۔ (صحیح بخاری شریف، رقم الحدیث ۳۶۴۲)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو ایک دینار دیکر بھیجا کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لیے قربانی کا جانور خرید لائیں۔ انھوں نے ایک دینار میں مینڈھا خرید کر دو دینار میں بیچ ڈالا پھر ایک دینار میں ایک جانور خرید کر یہ جانور اور ایک دینار لا کر پیش کیا۔ دینار کو حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے صدقہ کرنے کا حکم دیا (کیونکہ یہ قربانی کے جانور کی قیمت تھی) اور ان کی تجارت میں برکت کی دُعا کی۔

(جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث ۳۳۸۶۔ کتب بیوع)

فضولی کے فقہی مفہوم کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فضولی اُس کو کہتے ہیں، جو دوسرے کے حق میں بغیر اجازت تصرف کرے۔ فضولی نے جو کچھ تصرف کیا اگر بوقت عقد اس کا مجیز ہو یعنی ایسا شخص ہو جو جائز کر دینے پر قادر ہو تو عقد منعقد ہو جاتا ہے مگر مجیز کی اجازت پر موقوف رہتا ہے اور اگر بوقت عقد مجیز نہ ہو تو عقد منعقد ہی نہیں ہوتا۔ فضولی کا تصرف کبھی از قسم تملیک ہوتا ہے جیسے بیع نکاح اور کبھی

استقاط ہوتا ہے جیسے طلاق عتاق مثلاً اُس نے کسی کی عورت کو طلاق دیدی غلام کو آزاد کردیا دین کو معاف کردیا اُس نے اس کے تصرفات جائز کردیے نافذ ہوجائیں گے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

فضولی کی بیع کے فقہی حکم کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فضولی کی بیع کا حکم مالک کی اجازت کو قبول کرنا ہے جبکہ بائع، مشتری اور مبیع قائم ہو اور اسی طرح ثمن بھی جبکہ بصورت سامان ہوں اور ثمن سامان نہ ہوں تو وہ مالک مجیز کی ملک ہیں اور فضولی کے قبضہ میں بطور امانت ہیں، ملتقی، اگر مالک ثمن وصول کرے یا مشتری سے ثمن طلب کرے تو یہ اجازت ہے، عمادیہ، اور مالک کا یہ کہنا کہ تو نے برا کیا نہر، یا جو تو نے کیا برا ہے یا تو نے اچھا کیا یا تو نے درست کیا قول مختار کے مطابق، فتح القدیر، اور مشتری کو ثمن ہبہ کردینا یا اس پر صدقہ کردینا اجازت ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

فضولی کی بیع کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ مِلْكَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَالْمَالِكُ بِالْخِيَارِ ، إنْ شَاءَ أَجَازَ الْبَيْعَ ؛ وَإِنْ شَاءَ فَسَخَ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : لَا يَنْعَقِدُ لِأَنَّهُ لَمْ يَصْدُرْ عَنْ وِلَايَةٍ شَرْعِيَّةٍ لِأَنَّهَا بِالْمِلْكِ أَوْ بِإِذْنِ الْمَالِكِ وَقَدْ فُقِدَا ، وَلَا انْعِقَادَ إلَّا بِالْقُدْرَةِ الشَّرْعِيَّةِ .

وَلَنَا أَنَّهُ تَصَرُّفُ تَمْلِيكٍ وَقَدْ صَدَرَ مِنْ أَهْلِهِ فِي مَحَلِّهِ فَوَجَبَ الْقَوْلُ بِانْعِقَادِهِ ، إذْ لَا ضَرَرَ فِيهِ لِلْمَالِكِ مَعَ تَخْيِيرِهِ ، بَلْ فِيهِ نَفْعُهُ حَيْثُ يَكْفِي مُؤْنَةَ طَلَبِ الْمُشْتَرِي وَقَرَارَ الثَّمَنِ وَغَيْرِهِ ، وَفِيهِ نَفْعُ الْعَاقِدِ لِصَوْنِ كَلَامِهِ عَنْ الْإِلْغَاءِ ، وَفِيهِ نَفْعُ الْمُشْتَرِي فَثَبَتَ لِلْقُدْرَةِ الشَّرْعِيَّةِ تَحْصِيلًا لِهَذِهِ الْوُجُوهِ ، كَيْفَ وَإِنَّ الْإِذْنَ ثَابِتٌ دَلَالَةً لِأَنَّ الْعَاقِلَ يَأْذَنُ فِي التَّصَرُّفِ النَّافِعِ ، قَالَ (وَلَهُ الْإِجَازَةُ إذَا كَانَ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ بَاقِيًا وَالْمُتَعَاقِدَانِ بِحَالِهِمَا) لِأَنَّ الْإِجَازَةَ تَصَرُّفٌ فِي الْعَقْدِ فَلَا بُدَّ مِنْ قِيَامِهِ وَذَلِكَ بِقِيَامِ الْعَاقِدَيْنِ وَالْمَعْقُودِ عَلَيْهِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی بندے نے دوسرے کی ملکیت میں اس کے حکم کے بغیر بیچ دیا ہے تو اب تو مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو بیع نافذ کرے یا وہ چاہے تو بیع کو ختم کردے گا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایسی بیع کا انعقاد ہی نہ ہوگا۔ کیونکہ شرعی ولایت کے ساتھ یہ بیع صادر نہیں ہوئی ہے

کیونکہ شرعی ولایت، مالک سے یا اس کی اجازت سے ثابت ہوا کرتی ہے (قاعدہ فقہیہ) اور یہاں پر دونوں طرح سے ولایت کا واقع ہونا معدوم ہے۔ جبکہ قدرت شرعیہ کے بیع منعقد ہی نہیں ہوا کرتی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ فضولی کی بیع کرنا یہ مالک بنانے کا تصرف ہے اور یہ ایسا تصرف ہے جو اپنے اہل سے اپنے محل میں واقع ہوا ہے۔ پس کے انعقاد کو ماننا ضروری ہوگا کیونکہ مالک کے اختیار ہونے کے سبب اس کیلئے کوئی نقصان نہیں ہے۔ بلکہ اس عقد میں مالک کیلئے فائدہ ہے۔ کیونکہ یہ عقد کو مشتری کو تلاش کرنے اور اس کے ساتھ ثمن معین کرنے کی محنت سے بچانے والا ہے۔ اور اس میں عقد کرنے والے کیلئے بھی فائدہ ہے کیونکہ اس کے کلام کو بطلان سے بچایا جارہا ہے اور اس میں مشتری کیلئے بھی فائدہ ہے پس ان اسباب کے حصول کی وجہ سے شرعی قدرت حاصل ہو چکی ہے اور ایسی بیع کیونکر نافذ نہ ہوگی۔ جبکہ اس کی دلالت سے اجازت ثابت ہے۔ کیونکہ ایک عقل مند آدمی فائدہ بخش تصرف کی اجازت دینے والا ہے۔

فرمایا: اور مالک کیلئے بیع کے اختیار کا حق باقی ہے جب تک معقود علیہ باقی ہے۔ اور عقد کرنے والے اپنی حالت پر باقی رہیں گے کیونکہ اجازت دینا یہ عقد میں تصرف ہے پس اس عقد کو قائم کرنا ضروری ہے۔ جبکہ قیام عقد یہ عاقدین اور معقود علیہ کے قیام کے سبب ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو تصرف فضولی سے صادر ہوا اور درانحالیکہ اس تصرف کے وقوع کے وقت کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس تصرف کی اجازت دے سکتا ہو تو اکا انعقاد اس شخص کی اجازت پر موقوف ہو جائے گا اور اگر بوقت تصرف فضولی کوئی ایسا اجازت دینے والا موجود نہ ہو تو یہ تصرف سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا۔ اسی میں ہے کہ مال غیر کی بیع موقوف ہوتی ہے اگر وہ غیر عاقل و بالغ ہو اور اگر وہ غیر نابالغ یا مجنون ہو تو بیع سرے سے منعقد نہ ہوگی جیسا کہ حاوی کی طرف منسوب کرتے ہوئے زواہر میں ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

بیع موقوف: وہ بیع ہے جس میں مبیع (جس چیز کو بیچا جارہا ہے اس) سے کسی اور کا حق متعلق ہو جیسے کوئی نابالغ و ناسمجھ بچہ کوئی چیز بیچ دیا تو بحیثیت ولی باپ کا حق اس سے متعلق ہے تو جب تک باپ اجازت نہ دے وہ بیع موقوف رہے گی اجازت دیدے تو بیع نافذ و لازم ہو جائے گی۔

فضولی کی بیع کا اپنے لئے باطل ہونے کا بیان

علامہ حموی میں ماتن کے اس قول "فضولی کی بیع موقوف ہے مگر تین صورتوں میں باطل ہے، جب مالک کے لئے اس میں شرط خیار رکھے اور یہ تلقیح میں ہے، اور جب وہ اپنے لئے بیچے اور یہ بدائع میں ہے جس کے تحت مذکور ہے، ماتن کا قول کہ جب فضولی اپنے لئے بیع کرے (تو باطل ہے) یعنی مالک کی اجازت پر موقوف نہ ہوگی کیونکہ وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتی، بعض فضلاء نے کہا کہ اس پر مشائخ کے اس قول اشکال وارد ہوتا ہے کہ مبیع میں اگر استحقاق ثابت ہو جائے تو قاضی کے استحقاق کا فیصلہ

کردینے کے باوجود بیع فسخ نہیں ہوتی اور مالک مستحق کو اسکی اجازت کا اختیار حاصل ہوتا ہے اھ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ بائع نے اپنی ذات کے لئے بیچا ہے کہ اس مالک کے لئے جو مستحق ہے۔(غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر، کتاب بیوع)

فضولی کی بیع کے اختیار فسخ میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب کسی بندے نے دوسرے کی ملکیت میں اس کے حکم کے بغیر بیچ دیا ہے تو اب مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو بیع کا نافذ کرے یا وہ چاہے تو بیع کو ختم کردے گا۔ حضرت امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ایسی بیع کا انعقاد ہی نہ ہوگا۔ کیونکہ شرعی ولایت کے ساتھ یہ بیع صادر نہیں ہوئی ہے کیونکہ شرعی ولایت مالک سے یا اس کی اجازت سے ثابت ہوا کرتی ہے۔

ائمہ احناف اور امام مالک اور امام احمد علیہم الرحمہ کی دلیل یہ ہے۔ کہ فضولی کی بیع کرنا یہ مالک بنانے کا تصرف ہے اور یہ ایسا تصرف ہے جو اپنے اہل سے اپنے محل میں واقع ہوا ہے۔ پس اس کے انعقاد کو ماننا ضروری ہوگا کیونکہ مالک کے اختیار ہونے کے سبب اس کیلئے کوئی نقصان نہیں ہے۔ بلکہ اس عقد میں مالک کیلئے فائدہ ہے۔ کیونکہ یہ عقد کو مشتری کو تلاش کرنے اور اس کے ساتھ ثمن معین کرنے کی محنت سے بچانے والا ہے۔ اور اس میں عقد کرنے والے کیلئے بھی فائدہ ہے کیونکہ اس کے کلام کو بطلان سے بچایا جارہا ہے اور اس میں مشتری کیلئے بھی فائدہ ہے۔(فتح القدیر، کتاب بیوع ج ۱۵، ص ۳۸۷، بیروت)

فضولی کی بیع میں مالک کی اجازت کا بیان

وَإِذَا أَجَازَ الْمَالِكُ كَانَ الثَّمَنُ مَمْلُوكًا لَهُ أَمَانَةً فِي يَدِهِ بِمَنْزِلَةِ الْوَكِيلِ، لِأَنَّ الْإِجَازَةَ اللَّاحِقَةَ بِمَنْزِلَةِ الْوَكَالَةِ السَّابِقَةِ، وَلِلْفُضُولِيِّ أَنْ يَفْسَخَ قَبْلَ الْإِجَازَةِ دَفْعًا لِلْحُقُوقِ عَنْ نَفْسِهِ، بِخِلَافِ الْفُضُولِيِّ فِي النِّكَاحِ لِأَنَّهُ مُعَبِّرٌ مَحْضٌ، هَذَا إذَا كَانَ الثَّمَنُ دَيْنًا، فَإِنْ كَانَ عَرَضًا مُعَيَّنًا إنَّمَا تَصِحُّ الْإِجَازَةُ إذَا كَانَ الْعَرَضُ بَاقِيًا أَيْضًا .

ثُمَّ الْإِجَازَةُ إجَازَةُ نَقْدٍ لَا إجَازَةُ عَقْدٍ حَتَّى يَكُونَ الْعَرَضُ الثَّمَنُ مَمْلُوكًا لِلْفُضُولِيِّ، وَعَلَيْهِ مِثْلُ الْمَبِيعِ إنْ كَانَ مِثْلِيًّا أَوْ قِيمَتُهُ إنْ لَمْ يَكُنْ مِثْلِيًّا، لِأَنَّهُ شِرَاءٌ مِنْ وَجْهٍ وَالشِّرَاءُ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى الْإِجَازَةِ .

(وَلَوْ هَلَكَ الْمَالِكُ) لَا يَنْفُذُ بِإِجَازَةِ الْوَارِثِ فِي الْفَصْلَيْنِ لِأَنَّهُ تَوَقَّفَ عَلَى إجَازَةِ الْمُوَرِّثِ لِنَفْسِهِ فَلَا يَجُوزُ بِإِجَازَةِ غَيْرِهِ .

وَلَوْ أَجَازَ الْمَالِكُ فِي حَيَاتِهِ وَلَا يَعْلَمُ حَالَ الْمَبِيعِ جَازَ الْبَيْعُ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ

اللّٰهُ أَوَّلًا، وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ لِأَنَّ الْأَصْلَ بَقَاؤُهُ، ثُمَّ رَجَعَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَقَالَ: لَا يَصِحُّ حَتّٰى يَعْلَمَ قِيَامَهُ عِنْدَ الْإِجَازَةِ لِأَنَّ الشَّكَّ وَقَعَ فِي شَرْطِ الْإِجَازَةِ فَلَا يَثْبُتُ مَعَ الشَّكِّ .

ترجمہ

اور جب مالک نے بیع کی اجازت دے دی ہے تو اب ثمن اس کی ملکیت ہو کر فضولی کے قبضہ میں وکیل کی طرح بطور امانت ہو جائے گی۔ کیونکہ اجازت لاحقہ وکالت سابقہ کی طرح ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

اور جب مالک کی اجازت سے پہلے ہی فضولی اپنے آپ سے حق کو دور کرنے کیلئے بیع کو ختم کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ جبکہ فضولی نکاح میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف تعبیر کرنے والا اور بطور ترجمان ہوتا ہے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب ثمن قرض ہو۔ ہاں البتہ جب ثمن کوئی معین سامان ہے تب بھی اسی وقت اجازت صحیح ہوگی۔ جب سامان باقی ہے اس کے یہ اجازت نقد کی اجازت ہوگی یہ عقد کی اجازت نہ ہوگی یہاں تک کہ ثمن والا سامان فضولی کی ملکیت میں چلا جائے۔ اور فضولی پر مبیع کی طرح (مثل) لازم ہو جائے گی یا اسکی قیمت لازم ہو جائے گی۔ جبکہ وہ مثلی ہو یا پھر اس کی قیمت لازم ہوگی جب وہ چیز مثلی نہ ہو۔ کیونکہ یہ بیع ایک طرح کا شراء ہے اور فضولی کا شراء کرنا یہ اجازت پر موقوف نہ ہوگا۔ اور جب مالک فوت ہو گیا ہے تو اب دونوں صورتوں میں وارث کی اجازت سے بیع نافذ نہ ہوگی کیونکہ یہ بیع خود ہی مورث کی اجازت پر موقوف تھی پس اس کے سوا کسی کی اجازت وہ جائز نہ ہوگی۔ اور جب مالک اپنی زندگی میں بیع کی اجازت دے دی ہے حالانکہ مبیع کی حالت بھی معلوم نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے قول اول کے مطابق بیع جائز ہے اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے کیونکہ مبیع کا باقی رہنا ہی اس کی اصل ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور اسی طرح فرمایا کہ جب تک قیام کے وقت مبیع کا علم نہ ہوگا اس وقت تک بیع درست نہ ہوگی کیونکہ اجازت کی شرط میں شک واقع ہو چکا ہے۔ کیونکہ شک کے ساتھ اجازت ثابت نہیں ہوا کرتی

شرح

اگر بوقت خریداری عمرو کی طرف نسبت کرنا ثابت ہو جائے تو یہ شراء موقوف ہوئی جو کہ عمرو کی قبول از اجازت موت کے سبب سے باطل ہو چکی، درر میں فضولی کی بیع کے بارے میں فرمایا کہ اس کے وارث کی اجازت سے جائز نہ ہوگی کیونکہ وہ بیع اس (صاحب متاع) کی موت کی وجہ سے باطل ہو چکی ہے اور اسی طرح عام کتابوں میں ہے تو یقیناً اسی طرح فضولی کی شراء کا حکم ہوگا، اشباہ میں کہا کہ موقوف بیع اس شخص کی موت سے باطل ہوتی ہے جس کی اجازت پر وہ موقوف تھی اور اس کا وارث اس کے قائم مقام نہیں ہوتا سوائے قسمت کے جس طرح کہ ولوالجیہ میں ہے، لہٰذا ورثاء عمرو کا نہ تو مکان میں کوئی حق ہے نہ ہی ثمن میں اور جب قاضی

کے پاس معاملہ لے جایا گیا تو اس کی قضا کو رد کرنا واجب ہے کیونکہ شرع کی جانب سے اس کی خطاء ظاہر ہو چکی ہے چنانچہ اگر بائع دعویٰ کرے تو مکان اس کو اور ثمن مشتری کو لوٹا دئے جائیں گے ورثاء عمرو کے لئے کوئی شیء نہ ہوگی اسے خوب یاد رکھو۔

غلام کو غصب کر کے بیچنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ غَصَبَ عَبْدًا فَبَاعَهُ وَأَعْتَقَهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ أَجَازَ الْمَوْلَى الْبَيْعَ فَالْعِتْقُ جَائِزٌ) اسْتِحْسَانًا، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ

وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُمُ اللَّهُ :لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ لَا عِتْقَ بِدُونِ الْمِلْكِ، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَا عِتْقَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ) وَالْمَوْقُوفُ لَا يُفِيدُ الْمِلْكَ، وَلَوْ ثَبَتَ فِي الْآخِرَةِ يَثْبُتُ مُسْتَنِدًا وَهُوَ ثَابِتٌ مِنْ وَجْهٍ دُونَ وَجْهٍ، وَالْمُصَحِّحُ لِلْإِعْتَاقِ الْمِلْكُ الْكَامِلُ لِمَا رَوَيْنَا، وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ أَنْ يُعْتِقَ الْغَاصِبُ ثُمَّ يُؤَدِّيَ الضَّمَانَ، وَلَا أَنْ يُعْتِقَ الْمُشْتَرِي وَالْخِيَارُ لِلْبَائِعِ ثُمَّ يُجِيزُ الْبَائِعُ ذَلِكَ، وَكَذَا لَا يَصِحُّ بَيْعُ الْمُشْتَرِي مِنْ الْغَاصِبِ فِيمَا نَحْنُ فِيهِ مَعَ أَنَّهُ أَسْرَعُ نَفَاذًا حَتَّى نَفَذَ مِنْ الْغَاصِبِ إذَا أَدَّى الضَّمَانَ، وَكَذَا لَا يَصِحُّ إعْتَاقُ الْمُشْتَرِي مِنْ الْغَاصِبِ إذَا أَدَّى الْغَاصِبُ الضَّمَانَ .

وَلَهُمَا أَنَّ الْمِلْكَ ثَبَتَ مَوْقُوفًا بِتَصَرُّفٍ مُطْلَقٍ مَوْضُوعٍ لِإِفَادَةِ الْمِلْكِ، وَلَا ضَرَرَ فِيهِ عَلَى مَا مَرَّ فَتَوَقَّفَ الْإِعْتَاقُ مُرَتَّبًا عَلَيْهِ وَيَنْفُذُ بِنَفَاذِهِ فَصَارَ كَإِعْتَاقِ الْمُشْتَرِي مِنْ الرَّاهِنِ وَكَإِعْتَاقِ الْوَارِثِ عَبْدًا مِنْ التَّرِكَةِ وَهِيَ مُسْتَغْرِقَةٌ بِالدُّيُونِ يَصِحُّ، وَيَنْفُذُ إذَا قَضَى الدُّيُونَ بَعْدَ ذَلِكَ، بِخِلَافِ إعْتَاقِ الْغَاصِبِ بِنَفْسِهِ لِأَنَّ الْغَصْبَ غَيْرُ مَوْضُوعٍ لِإِفَادَةِ الْمِلْكِ، وَبِخِلَافِ مَا إذَا كَانَ فِي الْبَيْعِ خِيَارُ الْبَائِعِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُطْلَقٍ، وَقِرَانُ الشَّرْطِ بِهِ يَمْنَعُ انْعِقَادَهُ فِي حَقِّ الْحُكْمِ أَصْلًا، وَبِخِلَافِ بَيْعِ الْمُشْتَرِي مِنْ الْغَاصِبِ إذَا بَاعَ لِأَنَّ بِالْإِجَازَةِ يَثْبُتُ لِلْبَائِعِ مِلْكٌ بَاتٌّ، فَإِذَا طَرَأَ عَلَى مِلْكٍ مَوْقُوفٍ لِغَيْرِهِ أَبْطَلَهُ، وَأَمَّا إذَا أَدَّى الْغَاصِبُ الضَّمَانَ يَنْفُذُ إعْتَاقُ الْمُشْتَرِي مِنْهُ كَذَا ذَكَرَهُ هِلَالٌ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ الْأَصَحُّ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی بندے نے کسی غلام کو غصب کر کے بیچ دیا اور مشتری نے اس کو آزاد کر دیا اس کے بعد آقا نے بیع کی اجازت دیدی۔ تو بطور استحسان آزاد کرنا جائز ہے۔ یہ شیخین علیہما الرحمہ کے نزدیک ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ملکیت کے بغیر آزادی ثابت نہیں ہوتی اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ انسان جس چیز کا مالک نہیں ہے اس میں آزاد کرنا نہیں ہے۔ جبکہ موقوف بیع ملکیت کا فائدہ دینے والی نہیں ہے۔ اور جب آخر میں ملکیت ثابت ہوئی بھی ہے تو وہ (سبب) کی طرف منسوب ہو کر ہوئی ہے۔ جبکہ منسوب ہو کر ثابت ہونے والی چیز ایک طرح تو ثابت ہوتی ہے جبکہ ایک وہ طرح وہ ثابت نہیں ہوا کرتی۔ جبکہ اعتاق کے صحیح ہونے کیلئے ملکیت کا کامل ہونا ضروری ہے اسی حدیث کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اسی وجہ سے غاصب کا آزاد کرنا اور اس کے ضمان کو ادا کرنا درست نہیں ہے اور نہ ہی بائع کیلئے اختیار ہونے کی حالت میں مشتری کیلئے اعتاق درست ہے۔ البتہ جب بائع اعتاق کے بعد بیع کی اجازت دے۔ اسی طرح غاصب سے خرید کردہ غلام کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے جبکہ بیع عتق سے زیادہ جلدی نافذ ہونے والی ہے حتیٰ کہ ضمان کو ادا کرنے کے بعد ہی غاصب کی بیع نافذ ہو جائے گی اور اسی طرح غاصب سے خرید کیے ہوئے کا اعتاق بھی صحیح نہ ہوگا جبکہ وہ ضمان ادا کر دے۔ شیخین علیہما الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ مشتری کی ملکیت ایسے تصرف کے سبب سے موقوف ہو کر ثابت ہوئی ہے جو مطلق ہے۔ اور ملکیت کے فائدے کیلئے بنائی گئی ہے اور اس میں کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ جس طرح بیان کیا جا چکا ہے۔

پس ملک موقوف پر مرتب ہو کر اعتاق کی بھی موقوف ہو جائے گا۔ (قاعدہ فقہیہ) اور ملکیت کے نفاذ سے اس کا نفاذ بھی ہو جائے گا۔ اور یہ راہن سے خریداری کرنے والے اعتاق کی مانند ہو جائے گا اور ایسے جب ترکہ میں سے وارث کی طرف سے کسی غلام کو آزاد کیا ہے جبکہ ترکہ مدیون کے گھرے ہو یہ اعتاق بھی موقوف ہو کر صحیح ہو جائے گا۔ اور اعتاق کے بعد بھی ادائے قرض کی صورت میں یہ اعتاق موقوف نافذ ہو جائے گا۔ جبکہ خود غاصب کے اعتاق میں اس طرح نہ ہوگا کیونکہ غصب ملکیت کے فائدے کیلئے نہیں بنایا گیا اور بہ خلاف اس صورت کے کہ جب بیع میں بائع کیلئے اختیار ہو کیونکہ بائع کا خیار مطلق نہیں ہوتا اور اس بیع سے کا حکم کو ملانے کے حق میں انعقاد بیع سے مانع ہے بہ خلاف غصب کے کیونکہ غاصب جب مغصوبہ چیز کو بیچ دے کیونکہ مالک کی اجازت سے بائع کیلئے یقینی طور ملکیت ثابت ہو جائے گی اور جب یہ قطعی ملکیت طاری ہونے والے ملکیت لغیرہ پر طاری ہو جائے گی تو یہ اس کو باطل کر دے گی اور البتہ یہ مسئلہ کہ جب غاصب نے ضمان ادا کر دیا ہے تو اس سے خریدنے والے کا اعتاق نافذ ہو جائے گا۔ حضرت ہلال بن یحییٰ نے اس کو اسی طرح بیان کیا ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے۔

شرح

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ بولی لگا کر بیع (نیلامی) جیسا کہ آج کل کے حکمران کرتے ہیں وہ مالک کی

طرف سے بیع نہیں اور یہ ظاہر ہے اور نہ مالک کی اجازت سے ہے کیونکہ حکمران نہ تو مالک سے پوچھتے ہیں اور نہ ہی اس کی رضا معلوم کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ تو ہزار کی مالیتی چیز سو یا اس سے بھی کم پر فروخت کر دیتے ہیں، اور نہ ہی یہ بیع شرع مطہر کے اذن سے ہوتی ہے جیسا کہ شریعت سے ادنیٰ سا تعلق رکھنے والے پر مخفی نہیں، اور یہ بیع مذکور کو بیع مکرہ اور مدیون کے انکار کے باوجود حکام کی طرف سے جبراً اس کے مال کو فروخت کرنے سے متعلق قول صاحبین پر متفرع کر کے بیع فاسد قرار دینے کی گنجائش نہیں کیونکہ یہاں مالک کی طرف سے ایجاب نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو مالک بوقت عقد حاضر ہی نہیں ہوتا بلکہ حکام اس پر جبر کرتے ہوئے از خود بیع کر دیتے ہیں لہٰذا یہ تو محض بیع غاصب کی مثل ہے جس کا انعقاد مالک کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اگر اجازت دے دے تو نافذ ورنہ باطل ہو جائیگی، درمختار میں ہے کہ غاصب کی بیع اجازت مالک پر موقوف ہوتی۔ اور جب صورت حال یہ ہے تو حکام سے خریدنے والی ہندہ کی مبیع میں ملک ہی ثابت نہ ہوئی، چنانچہ اس کا خالد کے ہاتھ بیچنا بھی ملک اذن مالک کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع فضولی ہوا تو یہ بھی اجازت مالک پر موقوف ہوگا، ردالمحتار میں ہے کہ غاصب سے خریدار کی بیع موقوف ہوتی ہے اھ، تو ان دونوں عقدوں میں سے جس کو اجازت لاحق ہوگئی وہ بطور خاص نافذ ہوگیا۔ حاشیہ شامیہ بحوالہ مبسوط، جامع الفصولین سے منقول ہے کہ اگر غاصب سے خریدنے والے نے کسی کے ہاتھ فروخت کیا اس نے آگے پھر اس نے آگے فروخت کر دیا حتی کہ وہ کئی جگہ فروخت ہوا، اب مالک نے ان عقود میں سے کسی ایک عقد کی اجازت دے دی تو خاص وہ عقد نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ تمام عقود مالک کی اجازت پر موقوف تھے تو جس کی اجازت اس نے دی وہی بطور خاص نافذ ہوگیا اھ، اور یہاں (صورت مسئولہ میں) اجازت آخری عقد کو لاحق ہوئی وہ نافذ ہوگیا، چنانچہ مبیع اور اس سے حاصل شدہ آمدنی میں اس دن سے خالد کی ملک ثابت ہوگئی جس دن اس نے ہندہ سے خریدا۔ (فتاویٰ رضویہ، کتاب بیوع)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو کچھ مبیع سے حاصل ہو جیسے کمائی، اولاد اور عقر، تو وہ مشتری کا ہے اگر چہ اجازت سے قبل ہو کیونکہ خریداری کے وقت سے ہی اس کو ملک تام حاصل ہوگئی، بخلاف غاصب کے اھ، اور جو کچھ خالد کی خریداری سے قبل کھیتوں سے حاصل ہوا اس میں خالد اور ہندہ کا کوئی حق نہیں بلکہ وہ خاص عمرو کا ہے کیونکہ یہ اس کی ایسی ملک کے منافع کا بدل ہے جو غلہ حاصل کرنے کے قبل ہے، اور دین کا ہبہ اس شخص کو جس پر دین نہیں باطل ہے سوائے اس کے کہ اس کو قبضہ کا اختیار دے دے شرح علائی میں ہے کہ ایسے شخص کو دین کا مالک بنایا جس پر دین نہیں، اب اگر صاحب دین نے مدیون کو دین پر قبضہ کا حکم دے دیا تو یہ ہبہ صحیح ہوگیا کیونکہ یہ (ہبہ دین) ہبہ عین کی طرف راجع ہوگا اھ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں چونکہ قبضہ کا اختیار دے دیا ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے لہٰذا ہبہ صحیح ہوگیا اور عوض دینا بھی درست ہوگیا۔ (درمختار، کتاب بیوع)

خریداری کے وقت ملکیت مشتری کے تام ہونے کا بیان

قَالَ (فَإِنْ قُطِعَتْ يَدُ الْعَبْدِ فَأَخَذَ أَرْشَهَا ثُمَّ أَجَازَ الْمَوْلَى الْبَيْعَ فَالْأَرْشُ لِلْمُشْتَرِي) لِأَنَّ الْمِلْكَ قَدْ تَمَّ لَهُ مِنْ وَقْتِ الشِّرَاءِ ، فَتَبَيَّنَ أَنَّ الْقَطْعَ حَصَلَ عَلَى مِلْكِهِ وَهَذِهِ حُجَّةٌ عَلَى

مُحَمَّدٍ، وَالْعُذْرُ لَهُ أَنَّ الْمِلْكَ مِنْ وَجْهٍ يَكْفِي لِاسْتِحْقَاقِ الْأَرْشِ كَالْمُكَاتَبِ إذَا قُطِعَتْ يَدُهُ وَأَخَذَ الْأَرْشَ ثُمَّ رُدَّ فِي الرِّقِّ يَكُونُ الْأَرْشُ لِلْمَوْلَى، فَكَذَا إذَا قُطِعَتْ يَدُ الْمُشْتَرَى فِي يَدِ الْمُشْتَرِي وَالْخِيَارُ لِلْبَائِعِ ثُمَّ أُجِيزَ الْبَيْعُ فَالْأَرْشُ لِلْمُشْتَرِي، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ عَلَى مَا مَرَّ

(وَيَتَصَدَّقُ بِمَا زَادَ عَلَى نِصْفِ الثَّمَنِ) لِأَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ فِي ضَمَانِهِ أَوْ فِيهِ شُبْهَةُ عَدَمِ الْمِلْكِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب غلام کا ہاتھ کٹ گیا اور مشتری نے اس کا تاوان بھی وصول کرلیا اس کے آقا نے بیع کی اجازت دے دی تو تاوان مشتری کا ہی ہوگا کیونکہ خریداری کے وقت سے مشتری کی ملکیت مکمل ہو چکی ہے اور یہ معاملہ ظاہر ہو گیا ہے کہ ہاتھ کا کاٹنا یہ مشتری کی ملکیت میں واقع ہوا ہے۔ اور یہ امام محمد علیہ الرحمہ کے خلاف حجت ہے لیکن ان کا عذر یہ ہے کہ ایک طرح تو ملکیت بھی جرمانے کے حق میں کافی ہوتی ہے۔ جس طرح مکاتب ہے کہ جب اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا ہو اور اس نے تاوان لے لیا ہے اس کے بعد رقیت میں اس کو بھیج دیا گیا ہو تو تاوان آقا کا ہوگا اور اسی طرح جب بائع کے اختیار کی صورت میں مشتری کے ہاں خریدی ہوئی چیز کا ہاتھ کاٹ دیا گیا ہے اور اب اگر بیع کی اجازت ہوگی تو تاوان مشتری کا ہوگا بہ خلاف اعتاق کے جس طرح اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اور مشتری آدھے تاوان سے زائد کو صدقہ کردے کیونکہ زائد حصہ اس کے ضمان میں شامل نہیں ہے یا پھر اس میں ملکیت نہ ہونے کا شبہ ہے۔

شرح

کیونکہ غایت اس کی غصب اور بیع جب تام ہو جائے تو مفید ملک ہوتی ہے اور غصب سے ملک زائل نہیں ہوتی، علاوہ ازیں غصب غیر منقولہ اشیاء میں متحقق نہیں ہوتا اور بیع ہبہ کی مثل نہیں حتیٰ کہ اس میں قبضہ اور فارغ کرنا شرط قرار دیا جاتا اور یہ خوب ظاہر ہے۔

مغصوب میں ایسی تبدیل کردی کہ وہ دوسری چیز ہوگئی یعنی پہلا نام بھی باقی نہ رہا اور اُس کے اکثر مقاصد بھی جاتے رہے یا اُس کو اپنی چیز یا دوسرے کی چیز میں اس طرح ملا دیا کہ تمیز نہ ہو سکے مثلاً گیہوں کو گیہوں میں ملا دیا یا دشواری سے جدا ہو سکے مثلاً جَو میں گیہوں ملا دیے تو غاصب تاوان دے گا اور اُس چیز کا مالک ہو جائے گا مگر غاصب اُس چیز سے نفع حاصل نہیں کرسکتا جب تک تاوان نہ دیدے یا مالک اسے معاف نہ کردے یا قاضی اُس کے تاوان کا حکم نہ کردے یعنی مالک کی رضامندی درکار ہے اور وہ ان تینوں صورتوں سے ہوتی ہے۔ (درمختار، کتاب غصب)

دوسرے شخص کو غلام بیچنے کے بعد بیع اول کی اجازت کا بیان

قَالَ :فَإِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِي مِنْ آخرَ ثُمَّ أَجَازَ الْمَوْلَى الْبَيْعَ الْأَوَّلَ لَمْ يَجُزْ الْبَيْعُ الثَّانِي لِمَا ذَكَرْنَا، وَلِأَنَّ فِيهِ غَرَرَ الِانْفِسَاخِ عَلَى اعْتِبَارِ عَدَمِ الْإِجَازَةِ فِي الْبَيْعِ الْأَوَّلِ وَالْبَيْعُ يَفْسُدُ بِهِ، بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ عِنْدَهُمَا لِأَنَّهُ لَا يُؤَثِّرُ فِيهِ الْغَرَرُ .

قَالَ (فَإِنْ لَمْ يَبِعْهُ الْمُشْتَرِي فَمَاتَ فِي يَدِهِ أَوْ قُتِلَ ثُمَّ أَجَازَ الْبَيْعَ لَمْ يَجُزْ) لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْإِجَازَةَ مِنْ شُرُوطِهَا قِيَامُ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَاتَ بِالْمَوْتِ وَكَذَا بِالْقَتْلِ، إذْ لَا يُمْكِنُ إيجَابُ الْبَدَلِ لِلْمُشْتَرِي بِالْقَتْلِ حَتَّى يُعَدَّ بَاقِيًا بِبَقَاءِ الْبَدَلِ لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لِلْمُشْتَرِي عِنْدَ الْقَتْلِ مِلْكًا يُقَابَلُ بِالْبَدَلِ فَتَحَقَّقَ الْفَوَاتُ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ الصَّحِيحِ لِأَنَّ مِلْكَ الْمُشْتَرِي ثَابِتٌ فَأَمْكَنَ إيجَابُ الْبَدَلِ لَهُ فَيَكُونُ الْمَبِيعُ قَائِمًا بِقِيَامِ خَلَفِهِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی نے شخص کسی دوسرے آدمی کے غلام کو بیچ دیا اور اس کے بعد آقا نے بیع اول کی اجازت دے دی تو بیع ثانی جائز نہ ہوگی۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر آئے ہیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ بیع اول میں اجازت کا نہ ہونا فسخ عقد میں دھوکہ بھی تو ہے اور بیع اس قسم کے دھوکے سے فاسد ہو جاتی ہے بہ خلاف اعتاق کے کیونکہ شیخین کے نزدیک اعتاق میں دھوکہ موثر ہی نہیں ہے۔

اور جب مشتری نے غلام کو بیچا نہیں بلکہ وہ اس کے ہاں سے فوت ہو گیا یا قتل کر دیا گیا اس کے بعد آقا نے بیع اول کی اجازت دی تو یہ بیع جائز نہ ہوگی اسی دلیل کے سبب جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ کیونکہ معقود علیہ کا قیام اجازت کیلئے شرط ہے جبکہ موت سے معقود علیہ ہی ختم ہو چکا ہے اور اسی طرح قتل سے بھی ختم ہو گیا ہے کیونکہ قتل کے سبب سے مشتری کیلئے بدل کو ثابت کرنا ممکن نہ رہا ہے کہ بقائے بدل کی وجہ سے معقود علیہ کو باقی سمجھ لیا جائے کیونکہ قتل کے وقت مشتری کی ملکیت اس قسم کی نہ تھی جو بدل کا مقابل بن جاتی پس فوت ہونا ثابت ہو جائے گا بہ خلاف بیع صحیح کے کیونکہ اس میں مشتری کی ملکیت ثابت ہے اور مشتری کو بدل ثابت کرنا بھی ممکن ہے پس خلیفہ کے قائم ہو جانے کی وجہ سے بائع کا قیام بھی تسلیم کر لیا جائے گا۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نابالغہ سمجھ وال لڑکی نے اپنا نکاح کفو سے کیا اور اس کا کوئی ولی نہیں ہے وہاں کے قاضی کی اجازت پر موقوف ہوگا، یا وہ خود بالغ ہو کر اپنے نکاح کو جائز کر دے تو جائز ہے رد کر دے تو باطل۔ اور اگر وہ جگہ ایسی ہو جو

قاضی کے تحت میں نہ ہو تو نکاح منعقد ہی نہ ہوا کہ بروقت نکاح کوئی مجیز نہیں نابالغ عاقل غیر ماذون نے کسی چیز کو خریدا یا بیچا اور ولی موجود ہے تو اجازت ولی پر موقوف ہے اور ولی نے اب تک نہ اجازت دی نہ رد کیا اور وہ خود بالغ ہو گیا تو اب خود اُس کی اجازت پر موقوف ہے اُس کو اختیار ہے کہ جائز کر دے یا رد کر دے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

آقا کی اجازت کے بغیر کسی کے غلام کو بیچ دینے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ عَبْدَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ وَأَقَامَ الْمُشْتَرِي الْبَيِّنَةَ عَلَى إِقْرَارِ الْبَائِعِ أَوْ رَبِّ الْعَبْدِ أَنَّهُ لَمْ يَأْمُرْهُ بِالْبَيْعِ وَأَرَادَ رَدَّ الْمَبِيعِ لَمْ تُقْبَلْ بَيِّنَتُهُ) لِلتَّنَاقُضِ فِي الدَّعْوَى، إِذْ الْإِقْدَامُ عَلَى الشِّرَاءِ إِقْرَارٌ مِنْهُ بِصِحَّتِهِ، وَالْبَيِّنَةُ مَبْنِيَّةٌ عَلَى صِحَّةِ الدَّعْوَى (وَإِنْ أَقَرَّ الْبَائِعُ بِذَلِكَ عِنْدَ الْقَاضِي) بَطَلَ الْبَيْعُ إِنْ طَلَبَ الْمُشْتَرِي ذَلِكَ، لِأَنَّ التَّنَاقُضَ لَا يَمْنَعُ صِحَّةَ الْإِقْرَارِ، وَلِلْمُشْتَرِي أَنْ يُسَاعِدَهُ عَلَى ذَلِكَ فَيَتَحَقَّقُ الِاتِّفَاقُ بَيْنَهُمَا، فَلِهَذَا شَرَطَ طَلَبَ الْمُشْتَرِي .

قَالَ رَحِمَهُ اللَّهُ :وَذَكَرَ فِي الزِّيَادَاتِ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ إِذَا صَدَّقَ مُدَّعِهِ ثُمَّ أَقَامَ الْبَيِّنَةَ عَلَى إِقْرَارِ الْبَائِعِ أَنَّهُ لِلْمُسْتَحِقِّ تُقْبَلُ .وَفَرَّقُوا أَنَّ الْعَبْدَ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي . وَفِي تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ فِي يَدِ غَيْرِهِ وَهُوَ الْمُسْتَحِقُّ، وَشَرْطُ الرُّجُوعِ بِالثَّمَنِ أَنْ لَا يَكُونَ الْعَيْنُ سَالِمًا لِلْمُشْتَرِي .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص کسی آدمی کے غلام کو اس کی اجازت کے بغیر بیچ دیا اور مشتری نے بائع کے اقرار پر یا غلام کے مالک کے اقرار پر گواہی قائم کر دی۔ کہ اس نے بائع کو بیچنے کا حکم دیا ہے جبکہ مشتری نے مبیع کو واپس کرنا چاہا تو دعویٰ میں نقض کے سبب اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ مشتری کی طرف سے خریدنے پر اقدام کرنا صحت بیع کا اقرار ہے جبکہ گواہی کی بناء صحت دعویٰ پر ہے۔ اور جب بائع قاضی کے پاس بھی اسی چیز کا اقرار کیا تو اب اگر مشتری چاہے تو بیع باطل ہو جائے گی کیونکہ تناقض اقرار کی صحت کو روکنے والا نہیں ہے۔ جبکہ مشتری کو اس میں بائع کی جانب سے مطابقت کرنے کا اختیار ہے تا کہ دونوں میں اتفاق ہو جائے اسی سبب سے طلب مشتری کی شرط کو بیان کیا گیا ہے۔

مصنف علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ زیادات میں یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہوا ہے کہ مشتری نے اگر اپنے مدعی کی تصدیق کی اس کے بعد اس نے بائع کے اقرار پر گواہی قائم کی کہ مبیع حقدار کی ہے تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ جبکہ مشائخ فقہاء نے ان

دونوں میں فرق واضح کیا ہے کہ غلام مشتری کے قبضہ میں ہے جبکہ زیادات والے مسئلہ میں غلام مشتری کے سوا کسی دوسرے کے قبضہ میں ہے اور وہ دوسرا حقدار ہے اور ثمن سے رجوع کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ مشتری کیلئے عین سالم نہ رہے۔

شرح

نتائج الافکار کی یہ روایت کافی ہے جو کہ یہ ہے اور جس شخص نے دوسرے کو کہا کہ مجھ پر فروخت کر الخ (منقول از حاشیہ درمختار، باب الفضولی) مگر یہ کہ مشتری غلام اس کے حوالے کردے جس کے لئے اس نے خریدا یعنی سوائے اس کے بیع جائز نہ ہوگی کہ مشتری خریدا ہوا غلام اس کے حوالے کردے جس کے لئے اس نے خریدا اور ممکن ہے کہ معنٰی یوں ہو مگر اوقت بیع جائز ہوگی جب مشتری خریدا ہوا غلام اس فلاں کے سپرد کردے جس کی خاطر وہ غلام خریدا گیا اور یسلم کا فاعل ضمیر ہو جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے، یہ اختلاف دو روایتوں پر مبنی ہے مشتری کی راء پر کسرہ اور فتحہ کے ساتھ تو اس طرح یہ نئی بیع ہوگی اور اس کی یعنی فلاں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ثمن ادا کرکے اس کو لے لے کیونکہ وہ تعاطی کے ساتھ مشتری ہوگیا ہے اس فضولی کی طرح جو کسی شخص کے لئے کچھ خریدے وہ چیز اس کے حوالے کردے جو اس کے لئے خریدی گئی (عنایہ)

مگر یہ کہ مشتری وہ غلام اس کے حوالے کردے، لفظ مشتری دو طرح سے روایت کیا گیا راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ، کسرہ کی صورت میں مشتری فاعل ہوگا اور ماتن کا قول لہ کا بمعنی لاجلہ ہوگا اور مفعول ثانی محذوف ہوگا جو کہ الیہ ہے تو اس طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ فضولی (مشتری) وہ غلام جو فلاں کی وجہ سے اس نے خریدا وہ فلاں کے حوالے کردے، اور فتحہ کی صورت میں مشتری لہ بغیر حرف جر کے مفعول ثانی ہوگا اور مشتری لہ وہ فلاں ہی ہے اور یسلم کا فاعل وہ ضمیر ہوگی جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے تو اس طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ وہ فضولی (مشتری) غلام کو مشتری لہ (جس کے لئے خریدا گیا) کے حوالے کردے اور وہ یعنی مشتری لہ وہ فلاں ہی ہے،

دوسرے آدمی کا گھر بیچ دینے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ بَاعَ دَارًا لِرَجُلٍ وَأَدْخَلَهَا الْمُشْتَرِي فِي بِنَائِهِ لَمْ يَضْمَنْ الْبَائِعُ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ آخِرًا، وَكَانَ يَقُولُ أَوَّلًا :يَضْمَنُ الْبَائِعُ، وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهِيَ مَسْأَلَةُ غَصْبِ الْعَقَارِ وَسَنُبَيِّنُهُ إنْ شَاءَ اللَّهِ تَعَالَى، وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کا گھر بیچ دیا اور مشتری نے اس کو اپنی دیواروں میں داخل کرلیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بائع اس کا ضامن نہ ہوگا اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا دوسرا قول بھی اسی طرح ہے جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ

پہلے قول میں کہتے ہیں کہ بائع ضامن ہوگا اور امام محمد علیہ الرحمہ کا قول بھی یہی ہے اور زمین غصب کرنے کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے جس کو ہم ان شاء اللہ باب غصب میں بیان کر دیں گے۔ اور اللہ تعالی ہی سب سے زیادہ حق کو جاننے والا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے مکان خریدا اور اس میں تعمیر کی پھر کسی نے وہ مکان اپنا ثابت کر دیا تو مشتری بائع سے صرف ثمن لے سکتا ہے عمارت کے مصارف نہیں لے سکتا۔ یونہی مشتری نے مکان کی مرمت کرائی تھی یا کوآں کھدوایا یا صاف کرایا تو ان چیزوں کا معاوضہ نہیں مل سکتا اور اگر دستاویز میں یہ شرط لکھی ہوئی ہے کہ جو کچھ مرمت میں صرف ہوگا بائع کے ذمہ ہوگا تو بیع ہی فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر کوآں کھودوایا اور اینٹ پتھروں سے وہ جوڑا گیا تو کھودنے کے دام نہیں ملیں گے چنائی کی قیمت ملے گی اور اگر یہ شرط تھی کہ بائع کے ذمہ کھدائی ہوگی تو بیع فاسد ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

اگر غاصب سے خریدنے والے نے کسی کے ہاتھ فروخت کیا اس نے آگے پھر اس نے آگے فروخت کر دیا حتی کہ وہ کئی جگہ فروخت ہوا، اب مالک نے ان عقود میں سے کسی ایک عقد کی اجازت دے دی تو خاص وہ عقد نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ تمام عقود مالک کی اجازت پر موقوف تھے تو جس کی اجازت اس نے دی وہی بطور خاص نافذ ہو گیا۔ (جامع صغیر، احکام بیوع)

﴿یہ باب بیع سلم کے بیان میں ہے﴾

باب بیع سلم کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب جب بیع مختلف اقسام وانواع کو بیان کردیا ہے جن میں عوضین یا دونوں میں سے کسی ایک پر قبضہ شرط نہیں ہے۔ تو اس کے بعد اب بیع سے متعلق ایسا باب بیان کررہے ہیں جو یہ قبضہ شرط ہے۔ اور باب بیع سلم کو باب بیع صرف پر مقدم کرنے کا سبب یہ ہے۔ کیونکہ اس میں عوضین میں سے کسی ایک پر قبضہ شرط ہے اور یہ مفرد ہے اور مفرد ہمیشہ مرکب سے مقدم ہوا کرتا ہے۔ لغت میں سلم بیع کی وہ قسم ہے جس میں ثمن جلدی وصول کرلی جاتی ہے۔ جبکہ فقہاء کی اصطلاح میں عاجل سے عجلت کے ساتھ اخذ کرنا ہے۔ (عنایہ شرح الہدایہ، ج ۹ ص ۳۸۶، بیروت)

بیع سلم کے شرعی ماخذ کا بیان

حضرت عبداللہ بن ابی المجالد سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن شداد بن ہاد اور ابو بردہ بیع سلم کے متعلق اختلاف کرنے لگے تو ان لوگوں نے کہا ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں گیہوں جو منقی اور کھجور میں بیع سلم کیا کرتے تھے، اور میں نے ابن ابزی سے پوچھا تو انہوں نے بھی اسی طرح بیان کیا۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2121)

بیع سلم کا فقہی مفہوم وشرائط

بیع سلم اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے شخص کو نقد روپیہ دے اور کہے کہ اتنی مدت کے بعد مجھ کو تم ان روپوں کے بدل میں اتنا غلہ یا چاول فلاں قسم والے دینا۔ یہ بالا جماع مشروع ہے۔ عام بول چال میں اسے بدھنی کہتے ہیں۔ جو روپیہ دے اس کو رب السلم اور جس کو دے اسے مسلم الیہ اور جو مال دینا ٹھہرائے اسے مسلم فیہ کہتے ہیں۔ بیع سلم پر لفظ سلف کا بھی اطلاق ہوا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ لفظ سلف اہل عراق کی لغت ہے اور لفظ سلم اہل حجاز کی لغت ہے ایسی بیع کو عام محاوروں میں لفظ بدھنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

سلم ایک بیع کا نام ہے، جس میں مبیع مؤجل اور ثمن معجل ہوتا ہے یعنی خریدی جانے والی چیز بعد میں لی جاتی ہے اور اس کی قیمت پہلے ہی دی جاتی ہے۔

اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ زید نے بکر سے مثلاً ایک سو 100 روپے کے عوض دو من گیہوں کی خریداری کا معاملہ کیا بایں طور کہ زید نے بکر کو ایک سو روپے دے دیئے اور اسے طے کردیا کہ میں اتنی مدت کے بعد اس کے عوض فلاں قسم کے دو من

گیہوں تم سے لے لوں گا اس بیع و معاملہ کو عربی میں سلم کہتے ہیں بعض مواقع پر سلف بھی کہا جاتا ہے اپنی زبان میں اسے بدھنی سے موسوم کیا جاتا ہے اس بیع کے مشتری یعنی خریدار کو عربی میں رب سلم ثمن یعنی قیمت کو رأس المال بیع یعنی بیچنے والے کو مسلم الیہ اور مبیع یعنی خریدی جانے والی چیز کو مسلم فیہ کہتے ہیں۔

یہ بیع شرعی طور پر جائز و درست ہے بشرطیکہ اس کی تمام شرائط پائی جائیں اور تمام شرائط کی تعداد سولہ ہے اس طرح کہ چھ شرطوں کا تعلق تو رأس المال یعنی قیمت سے ہے اور دس شرطوں کا تعلق مسلم فیہ یعنی مبیع سے ہے۔

رأس المال کی شرائط کا بیان

رأس المال سے متعلق چھ شرطیں یہ ہیں۔

1۔ جنس کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ درہم ہیں یا دینار ہیں یا اشرفیاں ہیں اور یا روپے ہیں۔

2۔ نوع کو بیان کر دینا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ روپے چاندی کے ہیں یا گلٹ کے ہیں یا نوٹ ہیں۔

3۔ صفت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ روپے کھرے ہیں یا کھوٹے ہیں۔

4۔ مقدار کو بیان کر دینا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ روپے سو ہیں یا دو سو ہیں۔

5۔ روپے نقد دینا وعدہ پر نہ رکھنا۔

6۔ اور جس مجلس میں معاملہ طے ہوا اس مجلس میں بیچنے والے کا رأس المال پر قبضہ کر لینا۔

مسلم فیہ کی شرائط کا بیان

مسلم فیہ سے متعلق دس شرطیں یہ ہیں۔

1۔ جنس کو بیان کرنا مثلاً یہ واضح کر دینا کہ مسلم فیہ گیہوں ہے یا جو ہے اور یا چنا ہے۔

2۔ نوع کو بیان کر دینا یعنی یہ واضح کر دینا کہ گیہوں فلاں قسم یا فلاں جگہ کے ہیں۔

3۔ صفت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ مثلاً گیہوں اچھے ہیں یا خراب ہیں۔

4۔ مسلم کی مقدار کو بیان کر دینا کہ مثلاً ایک من ہیں یا دو من ہیں۔

5۔ مسلم فیہ کا وزنی یا کیلی یا ذرعی یا عددی ہونا تاکہ اس کا تعین و اندازہ کیا جا سکے۔

6۔ مدت کو بیان کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ یہ چیز اتنی مدت کے بعد مثلاً ایک مہینہ یا دو مہینہ میں یا چار مہینے میں لیں گے لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ کم سے کم مدت ایک مہینہ ہونی چاہیے۔

7۔ مسلم فیہ کا موقوف و معدوم نہ ہونا یعنی یہ ضروری ہے کہ مسلم فیہ عقد کے وقت سے ادائے گی کے وقت تک بازار میں برابر مل سکے تاکہ معدوم کی بیع لازم نہ آئے۔

8- بیع سلم کا معاملہ بغیر شرط خیار کے طے ہونا یعنی اس بیع میں خیار بیع کو برقرار رکھنے یا فسخ کر دینے کے اختیار کی شرط نہیں ہونی چاہیے۔

9- اگر مسلم فیہ ایسی وزن دار چیز ہے جس کی بار برداری دینا پڑے تو اس کے دینے کی جگہ کو متعین کرنا یعنی یہ واضح کر دینا کہ میں یہ چیز فلاں جگہ یا فلاں مقام پر دوں گا۔

10- مسلم فیہ کا ایسی چیز ہونا جو جنس نوع اور صفت بیان کرنے سے متعین و معلوم ہو جاتی ہو جو چیز ایسی ہو کہ جنس نوع اور صفت بیان کرنے سے معلوم و متعین نہ ہوتی ہو جیسے حیوان یا بعض قسم کے کپڑے تو اس میں بیع سلم جائز نہیں۔

اہل حجاز وعراق کی لغت میں سلم وسلف کا بیان

السلم :لغة أهل الحجاز، والسلف :لغة أهل العراق .سمي سلماً لتسليم رأس ماله في المجلس، وسلفاً لتقديمه، ويقال السلف للقرض .وهو جائز بالإجماع .قال ابن المنذر :أجمع كل من نحفظ عنه أن السلم جائز .وقال ابن عباس أشهد أن السلف المضمون إلى أجل مسميقد أحله الله في كتابه، وأذن فيه، ثم قرأيا أيها الذين آمنوا إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمى(البقرة 282 :)رواه سعيد .ينعقد بكل ما بدل عليهمن سلم وسلف ونحوه .

بیع سلم کی مشروعت کا بیان

السَّلَمُ عَقْدٌ مَشْرُوعٌ بِالْكِتَابِ وَهُوَ آيَةُ الْمُدَايَنَةِ، فَقَدْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا :أَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَحَلَّ السَّلَفَ الْمَضْمُونَ وَأَنْزَلَ فِيهَا أَطْوَلَ آيَةٍ فِي كِتَابِهِ، وَتَلَا قَوْله تَعَالَى (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ) الْآيَةَ . وَبِالسُّنَّةِ وَهُوَ مَا رُوِيَ "(أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَ الْإِنْسَانِ وَرَخَّصَ فِي السَّلَمِ) وَالْقِيَاسُ وَإِنْ كَانَ يَأْبَاهُ وَلَكِنَّا تَرَكْنَاهُ بِمَا رَوَيْنَاهُ .وَوَجْهُ الْقِيَاسِ أَنَّهُ بَيْعُ الْمَعْدُومِ إذْ الْمَبِيعُ هُوَ الْمُسْلَمُ فِيهِ .

ترجمہ

سلم وہ عقد ہے جو کتاب اللہ کے ساتھ مشروع ہے۔اور وہ آیت مداینت ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مضمون سلف کو حلال کیا ہے اور اس نے اپنی کتاب میں اس کے بارے میں طویل آیت

نازل فرمائی ہے۔اور آپ رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالی کا یہ فرمان تلاوت کیا'' یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ'' اے ایمان والو ! جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دین کا لین دین کرو۔تو اسے لکھ لو۔اور بیع سلم کی مشروعیت سنت سے بھی ثابت ہے۔جو روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی چیز کی بیع سے منع کیا ہے جو انسان کے پاس موجود نہ ہو اور سلم کی اجازت دی ہے۔اگر چہ قیاس سلم کا انکار کرنے والا ہے لیکن ہم نے روایت کردہ حدیث کے سبب قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔ اور قیاس کی دلیل یہ ہے کہ یہ معدوم کی بیع ہے۔جبکہ مسلم فیہ مبیع ہی ہے۔

بیع سلم کے شرعی ماخذ کا بیان

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا یَاْبَ کَاتِبٌ اَنْ یَّکْتُبَ کَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْیَکْتُبْ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا یَبْخَسْ مِنْهُ شَیْـًٔا فَاِنْ کَانَ الَّذِیْ عَلَیْهِ الْحَقُّ سَفِیْهًا اَوْ ضَعِیْفًا اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ هُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰی وَلَا یَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَکْتُبُوْهُ صَغِیْرًا اَوْ کَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِهٖ ذٰلِکُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓی اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِیْرُوْنَهَا بَیْنَکُمْ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَکْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۔(البقر ہ،۲۸۲)

ترجمہ

اے ایمان والو ! جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دین کا لین دین کرو۔تو اسے لکھ لو،اور چاہئے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے۔ اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے اللہ نے سکھایا ہے۔تو اسے لکھ دینا چاہئے اور جس بات پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ رکھ نہ چھوڑے پھر جس پر حق آتا ہے اگر بے عقل یا ناتواں ہو یا لکھا نہ سکے،تو اس کا ولی انصاف سے لکھائے ،اور دو گواہ کر لو اپنے مردوں میں سے۔پھر اگر دو مرد نہ ہوں،تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو،کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس کو دوسری یاد دلا دے،اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں اور اسے بھاری نہ جانو کہ دین چھوٹا ہو یا بڑا اس کی میعاد تک لکھت کر لو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات

ہے اس میں گواہی خوب ٹھیک رہے گی اور یہ اس سے قریب ہے کہ تمہیں شبہ نہ پڑے مگر یہ کہ کوئی سردست کا سودا دست بدست ہو تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر گناہ نہیں اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کرلو، اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے، نہ گواہ کو (یا، نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ) اور جو تم ایسا کرو تو یہ تمہارا فسق ہوگا، اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے، اور اللہ سب کچھ جانتا ہے،

(کنزالایمان)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

خواہ وہ دین مبیع ہو یا ثمن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ اس سے بیع سلم مراد ہے بیع سلم یہ ہے کہ کسی چیز کو پیشگی قیمت لے کر فروخت کیا جائے اور مبیع مشتری کو سپرد کرنے کے لئے ایک مدت معین کرلی جائے اس بیع کے جواز کے لئے جنس، نوع، صفت، مقدار مدت اور مکان ادا اور مقدار راس المال ان چیزوں کا معلوم ہونا شرط ہے۔

لکھنا مستحب ہے، فائدہ اس کا یہ ہے کہ بھول چوک اور مدیون کے انکار کا اندیشہ نہیں رہتا۔ اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی نہ کرے نہ فریقین میں سے کسی کی رورعایت۔

حاصل معنی یہ کہ کوئی کاتب لکھنے سے منع نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وثیقہ نویسی کا علم دیا بےتغییر و تبدیل دیانت و امانت کے ساتھ لکھے یہ کتابت ایک قول پر فرض کفایہ ہے اور ایک قول پر فرض عین بشرطِ فراغ کاتب جس صورت میں اس کے سوا اور نہ پایا جائے اور ایک قول پر مستحب کیونکہ اس میں مسلمانوں کی حاجت برآری اور نعمت علم کا شکر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے یہ کتابت فرض تھی پھر "لَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ" سے منسوخ ہوئی۔

یعنی اگر مدیون مجنون و ناقص العقل یا بچہ یا شیخ فانی ہو یا گونگا ہونے یا زبان نہ جاننے کی وجہ سے اپنے مدعا کا بیان نہ کرسکتا ہو۔

گواہ کے لئے حریت و بلوغ مع اسلام شرط ہے کفار کی گواہی صرف کفار پر مقبول ہے۔

مسئلہ: تنہا عورتوں کی شہادت جائز نہیں خواہ وہ چار کیوں نہ ہوں مگر جن امور پر مرد مطلع نہیں ہوسکتے جیسے کہ بچہ جننا باکرہ ہونا اور نسائی عیوب اس میں ایک عورت کی شہادت بھی مقبول ہے مسئلہ: حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت بالکل معتبر نہیں صرف مردوں کی شہادت ضروری ہے اس کے سوا اور معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت بھی مقبول ہے۔ (مدارک واحمدی)

جن کا عادل ہونا تمہیں معلوم ہو اور جن کے صالح ہونے پر تم اعتماد رکھتے ہو۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ادائے شہادت فرض ہے جب مدعی گواہوں کو طلب کرے تو انہیں گواہی کا چھپانا جائز نہیں یہ حکم حدود کے سوا اور امور میں ہے لیکن حدود میں گواہ کو اظہار و اخفاء کا اختیار ہے بلکہ اخفاء افضل ہے حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تبارک وتعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ستاری کرے گا لیکن چوری میں مال لینے کی شہادت دینا واجب ہے تاکہ جس کا مال چوری کیا گیا ہے اس کا حق تلف نہ ہو گواہ اتنی احتیاط کرسکتا ہے کہ چوری کا لفظ نہ کہے گواہی میں یہ کہنے پر اکتفا کرے کہ یہ مال فلاں شخص نے لیا۔

چونکہ اس صورت میں لین دین ہو کر معاملہ ختم ہو گیا اور کوئی اندیشہ باقی نہ رہا نیز ایسی تجارت اور خرید و فروخت بکثرت جاری رہتی ہے اس میں کتابت و اشہاد کی پابندی شاق و گراں ہوگی۔

یہ مستحب ہے کیونکہ اس میں احتیاط ہے۔

"یُضَارَّ" میں دو احتمال ہیں مجہول و معروف ہونے کے قراءۃ ابن عباس رضی اللہ عنہما اول کی اور قراءۃ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثانی کی مؤید ہے پہلی تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ اہل معاملہ کاتبوں اور گواہوں کو ضرر نہ پہنچائیں اس طرح کہ وہ اگر اپنی ضرورتوں میں مشغول ہوں تو انہیں مجبور کریں اور ان کے کام چھڑائیں یا حق کتابت نہ دیں یا گواہ کو سفر خرچ نہ دیں اگر وہ دوسرے شہر سے آیا ہو دوسری تقدیر پر معنی یہ ہیں کہ کاتب و شاہد اہل معاملہ کو ضرر نہ پہنچائیں اس طرح کہ باوجود فرصت و فراغت کے نہ آئیں یا کتابت میں تحریف و تبدیل زیادتی و کمی کریں۔ (تفسیر خزائن العرفان)

بیع سلم و متعلقات کے بیان میں فقہی تصریحات

یہ قرآن کی سب سے لمبی آیت ہے جس میں ادھار سے تعلق رکھنے والے معاملات کو ضبط تحریر میں لانے کی ہدایت دی جارہی ہے۔ مثلاً جائیدادوں کے بیع نامے، بیع سلم کی تحریر یا ایسے تجارتی لین دین کی تحریر جس میں پوری رقم یا اس کا کچھ حصہ ابھی قابل ادائیگی ہو۔ تاکہ بعد میں اگر کوئی نزاع پیدا ہو تو یہ تحریر شہادت کا کام دے سکے اور یہ حکم استحبابا ہے واجب نہیں۔ چنانچہ اگر فریقین میں باہمی اعتماد اتنا زیادہ ہو کہ باہمی نزاع کی صورت کا امکان ہی نہ ہو یا محض قرض کا معاملہ ہو اور اس طرح موثق تحریر سے کسی فریق کے اعتماد کو ٹھیس پہنچتی ہو تو محض یادداشت کے لئے کوئی فریق اپنے پاس ہی لکھ لے تو یہ بھی کافی ہو سکتا ہے۔

ہمارے ہاں آج کل ایسی تحریروں کے سند یافتہ ماہرین موجود ہیں جنہیں وثیقہ نویس کہا جاتا ہے۔ وثیقہ نویس تقریباً انہی اصولوں کے تحت سرکاری کاغذات پر ایسے معاہدات لکھ دیتے ہیں اور چونکہ یہ ایک مستقل فن اور پیشہ بن چکا ہے۔ لہٰذا ان کے انکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر جب کہ معاملہ میں کوئی قانونی سقم ہو۔

یعنی معاہدہ کی املا اس شخص کو کروانی چاہئے جو مقروض ہو کیونکہ ادائیگی کا بار اس کے سر پر ہے۔ ہاں اگر وہ لکھوانے کی پوری سمجھ نہیں رکھتا تو اس کا ولی (سرپرست) اس کے وکیل کی حیثیت سے اس کی طرف سے لکھوا سکتا ہے۔ یہ ولی اس کا کوئی رشتہ دار بھی ہو سکتا ہے اور غیر رشتہ دار بھی۔ جو سمجھدار ہو اور مقروض کا خیر خواہ ہو یا معروف معنوں میں وکیل بھی ولی کی حیثیت سے املا کروا سکتا ہے۔

تحریر کے بعد اس تحریر پر دو ایسے مسلمان مردوں کی گواہی ہونا چاہئے جو معاشرہ میں قابل اعتماد سمجھے جاتے ہوں۔ اور اگر معاملہ ذمیوں کے درمیان ہو تو گواہ ذمی بھی ہو سکتے ہیں۔ اور اگر بوقت تحریر دو مسلمان قابل اعتماد گواہ میسر نہ آئیں تو ایک مرد اور دو عورتیں بھی گواہ بن سکتی ہیں۔ اور اگر ایک بھی مرد میسر نہ آئے تو چار عورتیں گواہ نہیں بن سکتیں۔ اور گواہی کا یہ نصاب صرف مالی معاملات کے لئے ہے۔۔۔ مثلاً زنا اور قذف کے لئے چار مردوں ہی کی گواہی ضروری ہے۔ چوری اور نکاح و طلاق کے لئے دو

مردوں ہی کی گواہی ہوگی۔افلاس (دیوالیہ) کے لئے اس قبیلے کے تین مردوں کی، رؤیت ہلال کے لئے صرف ایک مسلمان کی اور رضاعت کے ثبوت کے لئے صرف ایک متعلقہ عورت (دایہ) ہی گواہی کے لئے کافی ہوتی ہے۔

اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ دوعورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر رکھی گئی ہےاور حدیث کی رو سے یہ عورتوں کے نقصان عقل کی بنا پر ہے۔اور دوسرے یہ کہ زبانی گواہی کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی جب اس معاملہ کی ایسی جزئیات میں نزاع پیدا ہو جائے جنہیں تحریر میں نہ لایا جاسکا ہواور معاملہ عدالت میں چلا جائے۔ ورنہ تحریر تو کی ہی اس لئے جاتی ہے کہ بعد میں نزاع پیدا نہ ہو۔اور شہادتیں پہلے سے ہی اس تحریر پر ثبت کی جاتی ہے۔

جب سے اہل مغرب نے مساوات مردوزن کا نعرہ لگایا ہےاور جمہوری نظام نے عورت کو ہر معاملہ میں مرد کے برابر حقوق عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔اس وقت سے اس آیت کے اس جملہ کو بھی مسلمانوں ہی کی طرف سے تاویل وتضحیک کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔کہا یہ جاتا ہے کہ دوعورتوں کی شہادت کوایک مرد کے برابر کر کے اسلام نے عورتوں کے حقوق کی حق تلفی کی ہے۔پاکستان میں اپوا کی مغرب زدہ مہذب خواتین نے بڑی دریدہ دہنی سے کام لیااوراس کے خلاف ان عورتوں نے جلوس نکالے اور بینر لکھوائے گئے کہ اگر عورت کا حق مرد سے نصف ہے تو فرائض بھی نصف ہونے چاہئیں عورتوں پر اڑھائی نمازیں، پندرہ روزے اور نصف حج فرض ہونا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔حالانکہ یہ طبقہ اڑھائی نمازیں تو درکنار ایک نماز بھی پڑھنے کا روادار نہیں۔وہ خود اسلام سے بیزار ہیں ہی، ایسے پراپیگنڈے سے ایک تو وہ حکومت کو مرعوب کرنا چاہتی ہیں کہ وہ ایسا کوئی قانون نہ بنائے جس سے عورت کی حق تلفی ہوتی ہو۔دوسرے یہ کہ وہ دوسری سادہ لوح مسلمان عورتوں کو اسلام سے برگشتہ کرسکیں۔

حالانکہ یہاں حقوق وفرائض کی بحث ہے ہی نہیں۔آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے۔اس میں نہ عورت کے کسی حق کی حق تلفی ہوتی ہےاور نہ اس کی تحقیر ہوتی ہے۔بات صرف نسیان کی ہےاور وہ بھی اس جزئیات میں جو تحریر میں آنے سے رہ گئی ہوں۔اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عورت بھول سکتی ہے تو کیا مرد نہیں بھول سکتا۔تو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ اسلامی قانون عام حالات کے مطابق وضع کئے گئے ہیں اوران کا واضع خود اللہ تعالیٰ ہے۔جو اپنی مخلوق کی خامیوں اور خوبیوں سے پوری طرح واقف ہے۔عورت پر حیض، نفاس اور حمل اور وضع حمل کے دوران کچھ ایسے اوقات آتے ہیں جب اس کا دماغی توازن برقرار نہیں رہ سکتا۔اور حکمائے قدیم وجدید سب عورت کی ایسی حالت کی تائید وتوثیق کرتے ہیں۔ان مغرب زدہ خواتین کا یہ اعتراض بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ مرد اپنی جسمانی ساخت اور قوت کے لحاظ سے عورت سے مضبوط ہوتا ہے۔لہذا حمل اور وضع حمل کی ذمہ داریاں مرد پر ڈالنا چاہئے تھیں نہ کہ عورت پر جو پہلے ہی مرد سے کمزور ہے۔

اور اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ عورت اپنی اصل کے لحاظ سے ایسی عدالتی کاروائیوں سے سبکدوش قرار دی گئی ہے۔اب یہ اسلام کا اپنا مزاج ہے کہ وہ عورت کو گھر سے باہر کھینچ لانے کو پسند نہیں کرتا۔جبکہ موجودہ مغربی تہذیب اور نظام جمہوریت اسلام کے

اس کلیہ کی عین ضد ہے۔عورت کی گواہی کوصرف اس صورت میں قبول کیا گیا ہے جب کوئی دوسرا گواہ میسر نہ آسکے اور اگر دوسرا گواہ میسر آجائے تو اسلام عورت کوشہادت کی ہرگز زحمت نہیں دیتا۔

عورت کے اسی نسیان کی بنا پر فوجداری مقدمات میں اس کی شہادت قابل قبول نہیں کیونکہ ایسے مقدمات میں معاملہ کی نوعیت سنگین ہوتی ہے۔مالی معاملات میں عورت کی گواہی قبول تو ہے لیکن دوعورتوں کوایک مرد کے برابر رکھا گیا ہے۔اور عائلی مقدمات میں چونکہ زوجین ملوث ہوتے ہیں اور وہ ان کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔جہاں نسیان کا امکان بہت ہی کم ہوتا ہے۔لہذا ایسے مقدمات میں میاں بیوی دونوں کی گواہی برابر نوعیت کی ہوگی اور وہ معاملات جو بالخصوص عورتوں سے متعلق ہوتے ہیں۔وہاں عورت کی گواہی کومرد کے برابر ہی نہیں بلکہ معتبر قرار دیا گیا ہے مثلاً مرضعہ اگر رضاعت کے متعلق گواہی دے تو وہ دوسروں سے معتبر سمجھی جائے گی۔خواہ یہ دوسرے کوئی عورت ہو یا مرد ہو۔

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں نہ عورت کی تحقیر بیان ہوئی ہے اور نہ کسی حق کی حق تلفی کی گئی ہے بلکہ رزاق عالم نے جوبھی قانون عطا فرمایا ہے وہ کسی خاص مصلحت اور اپنی حکمت کاملہ سے ہی عطا فرمایا ہے اور جومسلمان اللہ کی کسی آیت کی تضحیک کرتا یا مذاق اڑاتا ہے اسے اپنے ایمان کی خیر منانا چاہئے۔اور ایسے لوگوں کواسلام سے منسلک رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دل سے تو وہ پہلے ہی اللہ کے باغی بن چکے ہیں۔اور یہی وہ لوگ ہیں جواسلام کو کافروں سے بھی زیادہ نقصان پہنچارہے ہیں۔

یعنی جب نزاع کی صورت پیدا ہوکر معاملہ عدالت میں چلا جائے اور انہیں زبانی گواہی دینے کے لئے بلایا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہئے۔کیونکہ یہ بات کتمان شہادت کے ذیل میں آتی ہے جوگناہ کبیرہ ہے۔

اس جملہ میں انسان کی ایک فطری کمزوری کوواضح کیا گیا ہے جو یہ ہے کہ فریقین خواہ کس قدر قابل اعتماد ہوں اور ان میں نزاع کی توقع بھی نہ ہواور معاملہ بھی خواہ کوئی چھوٹا سا ہوتا ہم بھول چوک اور نسیان کی بنا پر فریقین میں نزاع یا بدظنی پیدا ہوسکتی ہے۔ لہذا باقاعدہ دستاویز نہ سہی فریقین کو یا فریقین میں سے کسی از یک کو یادداشت کے طور پر ضرور لکھ لینا چاہئے۔

یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جبکہ لین دین کا کوئی اہم معاملہ ہواور لین دین کرنے کے بعد بھی اس میں نزاع کا احتمال موجود ہو۔

اس کی کئی صورتیں ممکن ہیں مثلاً ایک یہ کہ کسی شخص کوکاتب بننے یا گواہ بننے پر مجبور نہ کیا جائے۔دوسرے یہ کہ کاتب یا گواہ کی گواہی اگر کسی فریق کے خلاف جاتی ہے تو انہیں تکلیف نہ پہنچائے جیسا کہ آج کل مقدمات میں اکثر ایسا ہوتا ہے اور فریق مخالف گواہوں کو یا وثیقہ نویس کواس قدر دھمکیاں اور تکلیفیں دینا شروع کردیتا ہے کہ وہ گواہی نہ دینے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے ہیں یا پھر غلط گواہی دینے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔اور تیسری صورت انہیں نقصان پہنچانے کی یہ ہے کہ انہیں عدالت میں بلایا تو جائے لیکن انہیں آمدورفت اور کھانے پینے کا خرچہ تک نہ دیا جائے۔

بیع سلم کے تعین مدت میں مذاہب اربعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ پھلوں میں ایک سال دو سال تین سال کی بیع سلم کیا کرتے تھے یعنی پیشگی قیمت دیکر کہہ دیا کرتے تھے کہ ایک سال یا دو سال یا تین سال کے بعد پھل پہنچا دینا) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی چیز کی بیع سلم کرے اسے چاہئے کہ معین پیمانہ وزن اور معین مدت کے ساتھ سلم کرے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور لوگ پھلوں میں ایک سال اور دو سال کے لئے سلف کرتے تھے (یعنی ادھار بیع کرتے تھے) تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کھجور میں سلف کرے تو مقرر ماپ میں یا مقرر تول میں ایک مقررہ میعاد تک سلف کرے۔ (صحیح مسلم، کتاب بیوع)

مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی بیع جاری ہو اگر وہ پیمانہ سے ناپ کر لی دی جاتی ہے تو اس کا پیمانہ متعین کرنا ضروری ہے کہ یہ چیز دس پیمانے ہوگی یا پندرہ پیمانے اور اگر وہ چیز وزن کے ذریعہ لی دی جاتی ہے تو اس کا وزن متعین کرنا ضروری ہے کہ یہ چیز دس سیر ہو گی یا پندرہ سیر اسی طرح سلم میں خریدی جانے والی چیز کی ادائے گی کی مدت کا تعین بھی ضروری ہے کہ یہ چیز مثلاً ایک ماہ بعد دی جائے گی یا ایک سال بعد۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بیع سلم میں مدت کا تعین بیع کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے جیسا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کا مسلک ہے لیکن حضرت امام شافعی کے نزدیک تعین مدت ضروری اور شرط نہیں ہے۔

مکیلی وموزونی اشیاء میں بیع سلم کے جواز کا بیان

قَالَ (وَهُوَ جَائِزٌ فِي الْمَكِيلَاتِ وَالْمَوْزُونَاتِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(مَنْ أَسْلَمَ مِنْكُمْ فَلْيُسْلِمْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ) وَالْمُرَادُ بِالْمَوْزُونَاتِ غَيْرِ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ لِأَنَّهُمَا أَثْمَانٌ، وَالْمُسْلَمُ فِيهِ لَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ مُثَمَّنًا فَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ فِيهِمَا ثُمَّ قِيلَ يَكُونُ بَاطِلًا، وَقِيلَ يَنْعَقِدُ بَيْعًا بِثَمَنٍ مُؤَجَّلٍ تَحْصِيلًا لِمَقْصُودِ الْمُتَعَاقِدَيْنِ بِحَسَبِ الْإِمْكَانِ، وَالْعِبْرَةُ فِي الْعُقُودِ لِلْمَعَانِي وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ لِأَنَّ التَّصْحِيحَ إنَّمَا يَجِبُ فِي مَحِلٍّ أَوْجَبَا الْعَقْدَ فِيهِ وَلَا يُمْكِنُ ذَلِكَ .

ترجمہ

فرمایا: بیع سلم مکیلی وموزونی اشیاء میں جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو بیع سلم کرے اسے چاہئے کہ معین پیمانے اور معین وزن میں مقررہ مدت تک کرے۔ جبکہ موزونات سے مراد دراہم ودنانیر کے سوا ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں ثمن ہیں۔ حالانکہ مسلم فیہ کیلئے مبیع ہونا لازم ہے۔ لہذا دراہم ودنانیر میں بیع سلم درست نہ ہوگی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں بیع سلم باطل ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ممکن حد تک دونوں عقد کرنے والوں کے مقصد کے حصول کیلئے ادھاری ثمن کے بدلے بیع کا انعقاد ہو جائے گا کیونکہ عقود میں معانی کا اعتبار ہی کیا جاتا ہے۔ البتہ پہلا قول صحیح ہے کیونکہ عقد کو درست قرار دینا اسی محل میں واجب ہوگا جس میں عقد کرنے والوں نے عقد کو لازم کیا ہے اور وہ یہاں ممکن ہی نہیں ہے۔

شرح

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو وہ لوگ ایک اور دو سال کے ادھار پر پھلوں کی بیع کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کھجور میں بیع سلم کرے تو مقررہ وزن اور معلوم ناپ میں مقررہ مدت تک کے لئے بیع کرے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1625)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں: **اجمعوا علی انه ان کان فی السلم ما یکال او یوزن فلا بد فیه من ذکر الکیل المعلوم و الوزن المعلوم فان کان فیما لا یکال و لا یوزن فلا بد فیه من عدد معلوم** یعنی اس امر پر اجماع ہے کہ بیع سلم میں جو چیزیں ماپ یا وزن کے قابل ہیں ان کا وزن مقرر ہونا ضروری ہے اور جو چیزیں محض عدد سے تعلق رکھتی ہیں ان کی تعداد کا مقرر ہونا ضروری ہے۔ حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مدینہ میں اس قسم کے لین دین کا عام رواج تھا۔ فی الحقیقت کاشتکاروں اور صناعوں کو پیشگی سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے جو اگر نہ ہو تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

(فتح الباری شرح بخاری، کتاب بیوع)

بیع سلم میں اختلاف ہو جانے کا بیان

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن شداد اور ابو بردہ کے درمیان بیع سلف کے بارے میں اختلاف ہو گیا تو انہوں نے مجھے عبداللہ بن اوفی کے پاس بھیجا، میں نے ان سے بیع سلف کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ وعمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ادوار میں گیہوں، جو، کھجور اور کشمش کے اندر بیع سلف کیا کرتے تھے، ابن کثیر نے اس میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ ان لوگوں سے بیع سلم کیا کرتے تھے جن کے پاس یہ چیزیں نہیں ہوتی تھیں، اس سے آگے دونوں متفق ہیں اور میں نے ابن ابزی سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔ (سنن ابوداؤد، کتاب بیوع)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ناپ میں پیمانہ یا گز اور تول میں سیر وغیرہ باٹ ایسے ہوں جس کی مقدار عام طور پر لوگ جانتے ہوں وہ لوگوں کے ہاتھ سے مفقود نہ ہو سکے تا کہ آئندہ کوئی نزاع نہ ہو سکے اور اگر کوئی برتن گھڑا یا ہانڈی مقرر کر دیا کہ اس سے ناپ کر دیا جائے گا اور معلوم نہیں کہ اس برتن میں کتنا آتا ہے یہ درست نہیں۔ اسی طرح کسی پتھر کو معین کر دیا کہ اس سے تولا جائے گا اور معلوم نہیں کہ پتھر کا وزن کیا ہے یہ بھی ناجائز یا ایک لکڑی معین کر دی کہ اس سے ناپا جائے گا اور یہ معلوم نہ ہو کہ گز سے کتنی چھوٹی یا بڑی ہے یا کہا فلاں کے ہاتھ سے کپڑا ناپا جائے گا اور یہ معلوم نہیں کہ اُس کا ہاتھ کتنی گرہ اور اُنگل کا ہے یہ سب صورتیں ناجائز ہیں اور بیع میں ان چیزوں سے ناپنا یا وزن کرنا قرار پاتا تو جائز ہوتی کہ بیع میں مبیع کے ناپنے یا تولنے کے لیے کوئی میعاد نہیں ہوتی اُسی وقت ناپ تول سکتے ہیں اور سلم میں ایک مدت کے بعد ناپتے اور تولتے ہیں بہت ممکن ہے کہ اتنا زمانہ گزرنے کے بعد وہ چیز باقی نہ رہے اور جھگڑا واقع ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع، کتاب بیوع)

شمار کی گئی اور گز کے ذریعے ناپنے والی اشیاء میں بیع سلم کا بیان

قَالَ (وَكَذَا فِي الْمَذْرُوعَاتِ) لِأَنَّهُ يُمْكِنُ ضَبْطُهَا بِذِكْرِ الذَّرْعِ وَالصِّفَةِ وَالصَّنْعَةِ، وَلَا بُدَّ مِنْهَا لِتَرْتَفِعَ الْجَهَالَةُ فَيَتَحَقَّقُ شَرْطُ صِحَّةِ السَّلَمِ، وَكَذَا فِي الْمَعْدُودَاتِ الَّتِي لَا تَتَفَاوَتُ كَالْجَوْزِ وَالْبَيْضِ، لِأَنَّ الْعَدَدِيَّ الْمُتَقَارِبَ مَعْلُومُ الْقَدْرِ مَضْبُوطُ الْوَصْفِ مَقْدُورُ التَّسْلِيمِ فَيَجُوزُ السَّلَمُ فِيهِ، وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ فِيهِ سَوَاءٌ لِاصْطِلَاحِ النَّاسِ عَلَى إهْدَارِ التَّفَاوُتِ، بِخِلَافِ الْبِطِّيخِ وَالرُّمَّانِ لِأَنَّهُ يَتَفَاوَتُ آحَادُهُ تَفَاوُتًا فَاحِشًا، وَبِتَفَاوُتِ الْآحَادِ فِي الْمَالِيَّةِ يُعْرَفُ الْعَدَدِيُّ الْمُتَقَارِبُ .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ فِي بِيضِ النَّعَامَةِ لِأَنَّهُ يَتَفَاوَتُ آحَادُهُ فِي الْمَالِيَّةِ، ثُمَّ كَمَا يَجُوزُ السَّلَمُ فِيهَا عَدَدًا يَجُوزُ كَيْلًا .وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللَّهُ :لَا يَجُوزُ كَيْلًا لِأَنَّهُ عَدَدِيٌّ وَلَيْسَ بِمَكِيلٍ .وَعَنْهُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ عَدَدًا أَيْضًا لِلتَّفَاوُتِ .

وَلَنَا أَنَّ الْمِقْدَارَ مَرَّةً يُعْرَفُ بِالْعَدَدِ وَتَارَةً بِالْكَيْلِ، وَإِنَّمَا صَارَ مَعْدُودًا بِالِاصْطِلَاحِ فَيَصِيرُ مَكِيلًا بِاصْطِلَاحِهِمَا وَكَذَا فِي الْفُلُوسِ عَدَدًا .وَقِيلَ هَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ .وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهَا أَثْمَانٌ .

وَلَهُمَا أَنَّ الثَّمَنِيَّةَ فِي حَقِّهِمَا بِاصْطِلَاحِهِمَا فَتَبْطُلُ بِاصْطِلَاحِهِمَا وَلَا تَعُودُ وَزْنِيًّا وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ .

ترجمہ

فرمایا: اوراسی طرح گز کے ذریعے ناپنے والی اشیاء میں بیع سلم جائز ہے کیونکہ ناپنے کے ذریعے صفت وبناوٹ کو بیان کر کے دینا ممکن ہے۔اوران امور کو بیان کرنا اس لئے ضروری ہے تا کہ جہالت دور ہو جائے۔اور بیع سلم کی درستگی کی شرط ثابت ہو جائے۔

اوراسی طرح شمار کی گئی اشیاء میں بھی بیع سلم جائز ہے۔کیونکہ ان میں فرق نہیں ہوتا۔جس طرح اخروٹ اور انڈے ہیں۔کیونکہ عدد والی اشیاء مقدار معلوم کے قریب، وصف میں مضبوط اور سپرد کرنے کے اہل ہوتی ہیں۔لہذا ان میں بیع سلم جائز ہے اور عدم تفاوت کے اعتبار سے اورلوگوں کے اتفاق کے سبب ان میں چھوٹا بڑا برابر ہیں یہ خلاف انار وخربوزہ کے کیونکہ ان کے افراد میں بڑا فرق ہے جبکہ مالیت میں احاد کی تفریق کے سبب عددی مختلف ہوتی ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شتر مرغ کے انڈوں میں بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے افراد کی مالیت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔اسی طرح وہ عددی جن کو شمار کر کے سلم جائز ہے اسی طرح ناپ کر بھی بیع سلم جائز ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ناپ کر بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عدد والی ہے۔اور ناپنے والی نہیں ہے اور ان سے ایک روایت اس طرح بھی ہے کہ شمار کردہ میں بھی بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں فرق ہے۔جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ عدد کبھی کبھی مقدار کی پہچان کیلئے ہوتا ہے اور کبھی کیل کیلئے بھی ہوتا ہے اور یہ چیز لوگوں کے اتفاق کے سبب عددی ہوئی ہے پس عاقدین کے اتفاق کے سبب کیلی بھی بن جائے گی۔

اوراسی طرح عدد کا اعتبار کرتے ہوئے فلوس میں بھی بیع سلم جائز ہے۔اور ایک قول کے مطابق یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ فلوس ثمن ہیں۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ عقد کرنے والوں کے حق میں فلوس کا ثمن ہونا ان کے اتفاق کے سبب ہے۔پس ان کے اتفاق کے سبب اس کا ثمن ہونا باطل ہو جائے گا۔اور نہ ہی وہ وزنی بن کر لوٹنے والی ہوگی۔جس طرح اس سے قبل ہم بیان کر چکے ہیں۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زرعی چیز میں بھی سلم جائز ہے جیسے کپڑا اس کے لیے ضروری ہے کہ طول وعرض معلوم ہو اور یہ کہ وہ سوتی ہے یا ٹسری یا ریشمی یا مرکب اور کیسا بنا ہوا ہوگا مثلاً فلاں شہر کا، فلاں کارخانہ، فلاں شخص کا اُس کی بناوٹ کیسی ہوگی باریک ہوگا موٹا ہوگا۔اُس کا وزن کیا ہوگا جب کہ بیع میں وزن کا اعتبار ہوتا ہو یعنی بعض کپڑے ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کا وزن میں کم ہونا خوبی ہے اور بعض میں وزن کا زیادہ ہونا۔بچھونے، چٹائیاں، دریاں، ٹاٹ، کمل، جب ان کا طول وعرض وصفت سب چیزوں کی وضاحت ہو جائے تو ان میں بھی سلم ہو سکتا ہے۔(درمختار، کتاب بیوع)

علامہ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ناپ میں پیمانہ یا گز اور تول میں سیر وغیرہ باٹ ایسے ہوں جس کی مقدار عام طور پر لوگ جانتے ہوں وہ لوگوں کے ہاتھ سے مفقود نہ ہوسکے تا کہ آئندہ کوئی نزاع نہ ہو سکے اور اگر کوئی برتن گھڑا یا ہانڈی مقرر کر دیا کہ

اس سے ناپ کر دیا جائے گا اور معلوم نہیں کہ اس برتن میں کتنا آتا ہے یہ درست نہیں۔ اسی طرح کسی پتھر کو معین کر دیا کہ اس سے تولا جائے گا اور معلوم نہیں کہ پتھر کا وزن کیا ہے یہ بھی ناجائز یا ایک لکڑی معین کر دی کہ اس سے ناپا جائے گا اور یہ معلوم نہ ہو کہ گز سے کتنی چھوٹی یا بڑی ہے یا کہا فلاں کے ہاتھ سے کپڑا ناپا جائے گا اور یہ معلوم نہیں کہ اُس کا ہاتھ کتنی گرہ اور اُنگل کا ہے یہ سب صورتیں ناجائز ہیں اور بیع میں ان چیزوں سے ناپنا یا وزن کرنا قرار پاتا تو جائز ہوتی کہ بیع میں مبیع کے ناپنے یا تولنے کے لیے کوئی میعاد نہیں ہوتی اُسی وقت ناپ تول سکتے ہیں اور سلم میں ایک مدت کے بعد ناپتے اور تولتے ہیں بہت ممکن ہے کہ اتنا زمانہ گزرنے کے بعد وہ چیز باقی نہ رہے اور نزاع واقع ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع، کتاب بیوع)

ماپ تول کی اشیاء میں بیع سلم

حضرت امام مالکؒ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا نافع نے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی شخص ایک مقررہ قیمت کے عوض ادھار خریدے خواہ فروخت کرنے والے کے پاس غلہ موجود نہ ہو۔ بشرطیکہ کھیت میں ایسی صورت نہ ہو کہ ابھی اس کی بہتری کا حال معلوم نہیں۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ سلم یہ ہے کہ آدمی نے ایک معین غلہ مقررہ مدت پر نرخ مقرر کر کے اس کا وصف بھی بیان کر دیا۔ اور جب کسی خاص کھیت یا خاص درخت کا تعین کر دیا تو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ اور یہی ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ (مؤطا امام محمد، حدیث، ۶۹۷)

حیوان میں بیع سلم کے عدم جواز کا بیان

(وَلَا يَجُوزُ السَّلَمُ فِي الْحَيَوَانِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَجُوزُ لِأَنَّهُ يَصِيرُ مَعْلُومًا بِبَيَانِ الْجِنْسِ وَالسِّنِّ وَالنَّوْعِ وَالصِّفَةِ، وَالتَّفَاوُتُ بَعْدَ ذَلِكَ يَسِيرٌ فَأَشْبَهَ الثِّيَابَ .

وَلَنَا أَنَّهُ بَعْدَ ذِكْرِ مَا ذَكَرَ يَبْقَى فِيهِ تَفَاوُتٌ فَاحِشٌ فِي الْمَالِيَّةِ بِاعْتِبَارِ الْمَعَانِي الْبَاطِنَةِ فَيُفْضِي إلَى الْمُنَازَعَةِ، بِخِلَافِ الثِّيَابِ لِأَنَّهُ مَصْنُوعُ الْعِبَادِ فَقَلَّمَا يَتَفَاوَتُ الثَّوْبَانِ إذَا نُسِجَا عَلَى مِنْوَالٍ وَاحِدٍ .

وَقَدْ صَحَّ " (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ السَّلَمِ فِي الْحَيَوَانِ) وَيَدْخُلُ فِيهِ جَمِيعُ أَجْنَاسِهِ حَتَّى الْعَصَافِيرُ .

قَالَ (وَلَا فِي أَطْرَافِهِ كَالرُّءُوسِ وَالْأَكَارِعِ) لِلتَّفَاوُتِ فِيهَا إذْ هُوَ عَدَدِيٌّ مُتَفَاوِتٌ لَا مُقَدِّرٌ لَهَا .

قَالَ (وَلَا فِي الْجُلُودِ عَدَدًا وَلَا فِي الْحَطَبِ حُزَمًا وَلَا فِي الرَّطْبَةِ جُرُزًا) لِلتَّفَاوُتِ فِيهَا، إِلَّا إِذَا عُرِفَ ذَلِكَ بِأَنْ بَيَّنَ لَهُ طُولَ مَا يُشَدُّ بِهِ الْحُزْمَةُ أَنَّهُ شِبْرٌ أَوْ ذِرَاعٌ فَحِينَئِذٍ يَجُوزُ إِذَا كَانَ عَلَى وَجْهٍ لَا يَتَفَاوَتُ .

ترجمہ

حیوان میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جائز ہے اس لئے کہ جنس، عمر، نوع اور صفت کو بیان کرنے کے سبب حیوان معین ہوجاتا ہے اور اس کے بعد معمولی فرق ہوتا ہے پس یہ کپڑوں کے مشابہ ہوگیا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ اشیاء کے اوصاف ذکر کرنے کے بعد بھی باطن کے اعتبار سے حیوان کی مالیت میں فرق فحش رکھتی ہیں۔ پس یہ جھگڑے کی طرف لے جانے والی ہیں۔ بہ خلاف کپڑوں کے کیونکہ وہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جب دو کپڑوں کو ایک طریقے سے بنایا جائے تو ان میں تھوڑا بہتا فرق ہوتا ہے۔ اور یہ صحیح ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے حیوان میں بیع سلم کرنے سے منع کیا ہے اور اس میں حیوان کی ہر قسم شامل ہے حتی کہ گورپا بھی شامل ہے۔

فرمایا اور حیوان کے اعضاء میں بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ ان میں فرق ہوتا ہے کیونکہ وہ فرق والی عددی اشیاء ہیں لہذا ان کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاتا۔

فرمایا کھالوں میں عدد سے اور نہ ہی لکڑیوں کی گٹھڑی میں بیع سلم جائز ہے۔ اور نہ گھاس میں گٹھوں کے ساتھ بیع سلم جائز ہے کیونکہ ان میں فرق ہوتا ہے۔ ہاں البتہ جب ان کی لمبائی و چوڑائی معلوم ہو جائے (تو تب جائز ہے)۔ وہ بھی اس طرح کہ جس سے گٹھڑی باندی جائے وہ بیان کردے کہ وہ ایک بالشت ہے یا ایک ہاتھ ہے تب بیع سلم جائز ہوگی البتہ شرط یہ ہوگی کہ اس میں تفاوت نہیں ہونا چاہیے۔

حیوان کی بیع سلم میں اختلافی مذاہب فقہاء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ لوگ کھجور کی قیمت پیشگی ادا کردیا کرتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بیع سلم کرے تو وہ معلوم پیمانہ وزن میں معلوم وقت تک کرے اس باب میں حضرت ابن ابی اوفی اور عبدالرحمن بن ابزی سے بھی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور تابعین کا اس پر عمل ہے ان کے نزدیک غلے کپڑے اور ان دوسری چیزوں میں جن کی مقدار اور صفت معلوم ہو، بیع سلم جائز ہے جانوروں کی بیع سلم میں اختلاف ہے امام شافعی، احمد، اور اسحاق اسے جائز کہتے ہیں کہ جب کہ بعض صحابہ، سفیان، ثوری، اور اہل کوفہ جانوروں کی بیع سلم کا ناجائز کہتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1332)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیع سلم کسی حیوان میں درست نہیں۔ نہ لونڈی غلام میں۔ نہ چوپایہ میں، نہ پرند میں

حتیٰ کہ جو جانور یکساں ہوتے ہیں مثلاً کبوتر، بٹیر، قمری، فاختہ، چڑیا، ان میں بھی سلم جائز نہیں، جانوروں کی سری پائے میں بھی بیع سلم درست نہیں، ہاں اگر جنس ونوع بیان کر کے سری پایوں میں وزن کے ساتھ سلم کیا تو جائز ہے کہ اب تفاوت بہت کم رہ جاتا ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

لکڑی کی گٹھوں میں بیع سلم کے عدم جواز کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ لکڑیوں کے گٹھوں میں سلم اگر اس طرح کریں کہ اتنے گٹھے اتنے روپے میں لیں گے یہ ناجائز ہے کہ اس طرح بیان کرنے سے مقدار اچھی طرح نہیں معلوم ہوتی ہاں اگر گٹھوں کا اِنضباط ہو جائے مثلاً اتنی بڑی رسی سے وہ گٹھا باندھا جائے گا اور اتنا لمبا ہوگا اور اس قسم کی بندش ہوگی تو سلم جائز ہے۔ ترکاریوں میں گڈیوں کے ساتھ مقدار بیان کرنا مثلاً روپیہ یا اتنے پیسوں میں اتنی گڈیاں فلاں وقت لی جائیں گی یہ بھی ناجائز ہے کہ گڈیاں یکساں نہیں ہوتیں چھوٹی بڑی ہوتی ہیں۔ اور اگر ترکاریوں اور ایندھن کی لکڑیوں میں وزن کے ساتھ سلم ہو تو جائز ہے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

امام زید (رض) فرماتے ہیں: جانوروں میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ سامان میں بھی جائز نہیں ہے جانوروں کی کھالوں میں بھی جائز نہیں ہے، البتہ اون، روئی، ریشم اور ہر وہ چیز جسے ماپا جا سکتا ہے یا وزن کیا جا سکتا ہے جو لوگوں کے پاس ملتی ہے اس میں بیع سلم کرنا جائز ہے (مسند الامام زید۔ شبیر برادرز لاہور) اس کے لئے مختلف آرائیں فقہ کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات منقول ہے، وہ بیع سلم میں رہن اور کفیل کو مکروہ قرار دیتے ہیں (حوالہ بالا) وہ اس لیے کہ اس سے لوگوں کو تنگی ہوتی ہے۔ (مسند الامام زید۔ شبیر برادرز لاہور، ۱/۲۰۴)

شرط پر سلف کروانے کی ممانعت کا بیان

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کہے میں تیرا اسباب اس شرط سے لیتا ہوں کہ وہ مجھ سے سلف کرے اس طرح تو یہ جائز نہیں اگر سلف کی شرط موقوف کردے تو بیع جائز ہو جائے گی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جن کپڑوں میں کھلم کھلا فرق ہے ان میں سے ایک کو دو یا تین کے بدلے میں بیع کرنا نقدا نقد یا میعاد پر طرح سے درست ہے اور جب ایک کپڑا دوسرے کپڑے کے مشابہ ہو اگر نام جدا جدا ہوں تو کمی بیشی درست ہے مگر ادھار درست نہیں۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ جس کپڑے کو خریدا اس کا بیچنا قبل قبضے کے بائع کے سوا اور کسی کے ہاتھ درست ہے۔ جب کہ اس کی قیمت نقد لے لے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1253)

حیوان میں بیع سلم پر مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حیوان میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ اور سفیان ثوری اور امام اوزاعی کا قول

بھی یہی ہے۔جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جائز ہے اور امام مالک اور اور امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔اس لئے کہ جنس، عمر، نوع اور صفت کو بیان کرنے کے سبب حیوان معین ہو جاتا ہے اور اس کے بعد معمولی فرق ہوتا ہے پس یہ کپڑوں کے مشابہ ہو گیا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مذکورہ اشیاء کے اوصاف ذکر کرنے کے بعد بھی باطن کے اعتبار سے حیوان کی مالیت میں فرق فحش رکھتی ہیں۔پس یہ جھگڑے کی طرف لے جانے والی ہیں۔(فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۴۳۸، بیروت)

وقت عقد مسلم فیہ کے موجود ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ السَّلَمُ حَتَّى يَكُونَ الْمُسْلَمُ فِيهِ مَوْجُودًا مِنْ حِينِ الْعَقْدِ إلَى حِينِ الْمَحِلِّ، حَتَّى لَوْ كَانَ مُنْقَطِعًا عِنْدَ الْعَقْدِ مَوْجُودًا عِنْدَ الْمَحِلِّ أَوْ عَلَى الْعَكْسِ أَوْ مُنْقَطِعًا فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ لَا يَجُوزُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَجُوزُ إذَا كَانَ مَوْجُودًا وَقْتَ الْمَحِلِّ لِوُجُودِ الْقُدْرَةِ عَلَى التَّسْلِيمِ حَالَ وُجُوبِهِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَا تُسْلِفُوا فِي الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا) وَلِأَنَّ الْقُدْرَةَ عَلَى التَّسْلِيمِ بِالتَّحْصِيلِ فَلَا بُدَّ مِنْ اسْتِمْرَارِ الْوُجُودِ فِي مُدَّةِ الْأَجَلِ لِيَتَمَكَّنَ مِنْ التَّحْصِيلِ .

ترجمہ

فرمایا بیع سلم جائز نہیں ہے حتیٰ کہ مسلم فیہ وقت سے لیکر وقت ادائیگی تک موجود ہو اور اسی دلیل کے سبب سے یہ مسئلہ ہے کہ جب مسلم فیہ عقد کے وقت معدوم ہو اور ادائیگی کے وقت موجود ہو یا اس کا برعکس ہو یا اسی دوران وہ معدوم ہو جائے تو بیع سلم جائز نہ ہوگی۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسلم فیہ اگر ادائیگی کے وقت موجود ہے تو اب بیع سلم جائز ہے کیونکہ اب مسلم فیہ کی ادائیگی کے سبب سپرد کرنے کی طاقت پائی جا رہی ہے۔

ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ پھل کو پکنے سے قبل اس میں بیع سلم نہ کرو۔کیونکہ سپرد کرنے کی طاقت حاصل کرنے سے حاصل ہوگی پس معیاد کی مدت میں مسلم فیہ کا موجود ہونا برابر طور پر لازم ہے تا کہ قدرت کا حصول ہو جائے۔

شرح

مسلم فیہ وقت عقد سے ختم میعاد تک برابر دستیاب ہوتا رہے نہ اس وقت معدوم ہو نہ ادا کے وقت معدوم ہو نہ درمیان میں کسی وقت بھی وہ ناپید ہو ان تینوں زمانوں میں سے ایک میں بھی معدوم ہوا تو سلم ناجائز۔اُس کے موجود ہونے کے

یہ معنے ہیں کہ بازار میں ملتا ہو اور اگر بازار میں نہ ملے تو موجود نہ کہیں گے اگرچہ گھروں میں پایا جاتا ہو۔

ایسی چیز میں سلم کیا جو اس وقت سے ختم میعاد تک موجود ہے مگر میعاد پوری ہونے پر رب السلم نے قبضہ نہیں کیا اور اب وہ چیز دستیاب نہیں ہوتی تو بیع سلم صحیح ہے اور رب السلم کو اختیار ہے کہ عقد کو فسخ کر دے یا انتظار کرے جب وہ چیز دستیاب ہو بازار میں ملنے لگے اُس وقت دی جائے۔ اگر وہ چیز ایک شہر میں ملتی ہے دوسرے میں نہیں تو جہاں مفقود ہے۔ وہاں سلم ناجائز اور جہاں موجود ہے وہاں جائز۔ (درمختار، کتاب بیوع)

مسلم فیہ کے موجود ہونے کی مدت میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیع سلم جائز نہیں ہے حتیٰ کہ مسلم فیہ وقت سے لیکر وقت ادائیگی تک موجود ہو اور اسی دلیل کے سبب سے یہ مسئلہ ہے کہ جب مسلم فیہ عقد کے وقت معدوم ہو اور ادائیگی کے وقت موجود ہو یا اس کا برعکس ہو یا اسی دوران وہ معدوم ہو جائے تو بیع سلم جائز نہ ہوگی۔ اور امام اوزاعی علیہ الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسلم فیہ اگر ادائیگی کے وقت موجود ہے تو اب بیع سلم جائز ہے کیونکہ اب مسلم فیہ کی ادائیگی کے سبب سپرد کرنے کی طاقت پائی جا رہی ہے۔ اور امام مالک، امام احمد اور امام اسحاق علیہم الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ اس مسئلہ میں ہماری دلیل یعنی احناف اور ہمارے مؤید فقہاء کی دلیل وہی حدیث جو ہدایہ کے متن میں بیان کر دی گئی ہے۔

(فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۴۴۸، بیروت)

پھلوں کے پک جانے پر بیع سلف میں احناف کی دلیل

حضرت ابو اسحاق سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی دوسرے کے ساتھ کھجور کے درخت میں بیع سلم کی، اتفاق کی بات کہ اس سال اس درخت میں کچھ بھی پھل نہ لگا تو (دونوں میں جھگڑا ہوا) وہ اپنا جھگڑا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بائع سے فرمایا تو کس چیز کے عوض میں اس کا مال حلال کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کا مال اسے واپس لوٹا دے، پھر آپ نے فرمایا کہ کھجور کے درخت میں بیع سلف نہ کیا کرو یہاں تک کہ اس کے پھل ظاہر ہو جائیں۔

(سنن ابوداؤد، کتاب بیوع)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک اس کی پختگی نہ کھل جائے اس وقت تک سلم جائز نہیں کیوں کہ یہ سلم خاص درختوں کے پھل پر ہوئی۔ اگر مطلق کھجور میں کوئی سلم کرے تو وہ جائز ہے۔ گو درخت پر پھل نکلے بھی نہ ہوں۔ یا مسلم الیہ کے پاس درخت بھی نہ ہوں۔ اب بعض نے کہا کہ یہ حدیث درحقیقت بعد والے باب سے متعلق ہے۔ بعض نے کہا اسی باب سے متعلق ہے اور مطابقت یوں ہوتی ہے کہ جب معین درختوں میں باوجود درختوں کے سلم جائز نہ ہوئی تو معلوم ہوا کہ درختوں کے وجود سے سلم پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور اگر درخت نہ ہوں جو مال کی اصل ہیں جب بھی سلم جائز ہوگی۔ باب کا یہی مطلب ہے۔

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ باغ کی بہار پھل آنے سے پہلے بیچ ڈالی یہ ناجائز ہے۔اسی طرح اگر کچھ پھل آچکے ہیں کچھ باقی ہیں جب بھی ناجائز ہے جبکہ موجود وغیر موجود دونوں کی بیع مقصود ہو اور اگر سب پھل آچکے ہیں تو یہ بیع درست ہے مگر مشتری کو یہ حکم ہوگا کہ ابھی پھل توڑ کر درخت خالی کردے اور اگر یہ شرط ہے کہ جب تک پھل طیار نہ ہوں گے درخت پر رہیں گے طیار ہوجانے کے بعد توڑے جائیں گے تو یہ شرط فاسد ہے اور بیع ناجائز اور اگر پھل آجانے کے بعد بیع ہوئی مگر ابھی مشتری کا قبضہ نہ ہوا تھا کہ اور پھل پیدا ہو گئے بیع فاسد ہوگئی کہ اب مبیع وغیر مبیع میں امتیاز باقی نہ رہا اور قبضہ کے بعد دوسرے پھل پیدا ہوئے تو بیع پر اس کا کوئی اثر نہیں مگر چونکہ یہ جدید پھل بائع کے ہیں اور امتیاز ہے نہیں لہٰذا بائع ومشتری دونوں شریک ہیں رہا یہ کہ کتنے پھل بائع کے ہیں اور کتنے مشتری کے اس میں مشتری حلف سے جو کچھ کہہ دے اُس کا قول معتبر ہے۔(فتح القدیر، شرح الہدایہ، کتاب بیوع)

پھل پکنے سے پہلے بیع کی ممانعت میں فقہی مذاہب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گیہوں کو سفید ہونے اور آفت وغیرہ سے محفوظ ہونے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا بیچنے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا اس باب میں حضرت انس، عائشہ، ابوہریرہ، ابن عباس، جابر، ابوسعید، زید بن ثابت سے بھی روایت ہے۔حدیث ابن عمر حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا منع ہے امام شافعی، احمد، اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1244)

ادائیگی کے بعد مسلم فیہ کے معدوم ہونے کا بیان

(وَلَوْ انْقَطَعَ بَعْدَ الْمَحِلِّ فَرَبُّ السَّلَمِ بِالْخِيَارِ ، إنْ شَاءَ فَسَخَ السَّلَمَ ، وَإِنْ شَاءَ انْتَظَرَ وُجُودَهُ) لِأَنَّ السَّلَمَ قَدْ صَحَّ وَالْعَجْزُ الطَّارِءُ عَلَى شَرَفِ الزَّوَالِ فَصَارَ كَإِبَاقِ الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ .

ترجمہ

اور جب ادائیگی کے بعد مسلم فیہ معدوم ہوجائے تو اب ربِّ سلم کو اختیار ہے خواہ وہ بیع کو فسخ کرے یا پھر وہ اس کے بازار میں آنے کا انتظار کرے۔کیونکہ سلم کا عقد ہو چکا ہے اور مسلم فیہ پر طاری ہونے والا عجز بھی ختم ہونے والا ہے۔پس یہ قبضہ سے قبل غلام کے بھاگ جانے کی طرح ہوجائے گا۔

شرح

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی چیز میں بیع سلف کی وہ اسے کسی اور چیز سے تبدیل نہ کرے۔(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 75)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایسی چیز میں سلم کیا جو اس وقت سے ختم میعاد تک موجود ہے مگر میعاد پوری ہونے پر رب السلم نے قبضہ نہیں کیا اور اب وہ چیز دستیاب نہیں ہوتی تو بیع سلم صحیح ہے اور رب السلم کو اختیار ہے کہ عقد کو فسخ کر دے یا انتظار کرے جب وہ چیز دستیاب ہو بازار میں ملنے لگے اُس وقت دی جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع، کتاب بیوع)

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر وہ چیز ایک شہر میں ملتی ہے دوسرے میں نہیں تو جہاں مفقود ہے وہاں سلم ناجائز اور جہاں موجود ہے وہاں جائز۔ مسلم فیہ ایسی چیز ہو کہ معین کرنے سے معین ہو جائے۔ روپیہ اشرفی میں سلم جائز نہیں کہ یہ متعین نہیں ہوتے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

نمک آلود مچھلی میں بیع سلم ہونے کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ السَّلَمُ فِي السَّمَكِ الْمَالِحِ وَزْنًا مَعْلُومًا وَضَرْبًا مَعْلُومًا) لِأَنَّهُ مَعْلُومُ الْقَدْرِ مَضْبُوطُ الْوَصْفِ مَقْدُورُ التَّسْلِيمِ إذْ هُوَ غَيْرُ مُنْقَطِعٍ (وَلَا يَجُوزُ السَّلَمُ فِيهِ عَدَدًا) لِلتَّفَاوُتِ .

قَالَ (وَلَا خَيْرَ فِي السَّلَمِ فِي السَّمَكِ الطَّرِيِّ إلَّا فِي حِينِهِ وَزْنًا مَعْلُومًا وَضَرْبًا مَعْلُومًا) لِأَنَّهُ يَنْقَطِعُ فِي زَمَانِ الشِّتَاءِ ، حَتَّى لَوْ كَانَ فِي بَلَدٍ لَا يَنْقَطِعُ يَجُوزُ مُطْلَقًا ، وَإِنَّمَا يَجُوزُ وَزْنًا لَا عَدَدًا لِمَا ذَكَرْنَا .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ فِي لَحْمِ الْكِبَارِ مِنْهَا وَهِيَ الَّتِي تُقَطَّعُ اعْتِبَارًا بِالسَّلَمِ فِي اللَّحْمِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ .

ترجمہ

فرمایا: نمک سے آلودشدہ مچھلی میں بیع سلم معلوم وزن اور معلوم قسم کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ مچھلی کی مقدار معلوم، وصف معلوم اور سپرد کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ غیر معدوم ہے ہاں نمک سے آلودشدہ مچھلی کی بیع سلم عدد کے حساب سے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں فرق ہوتا ہے۔

فرمایا اور تازہ مچھلی کی بیع سلم میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ ہاں جب وہ وقت معلوم اور قسم معلوم کے ساتھ ہو۔ کیونکہ تازہ مچھلی سردی کے موسم میں ختم ہو جاتی ہے اور اسی دلیل کے سبب جب وہ کسی شہر میں ختم ہوتی ہو تو علی الطلاق بیع سلم جائز ہے اور وہ وزن سے جائز ہے عدد سے جائز نہیں ہے اور بڑی مچھلیاں وہ ہیں جن کو کاٹا جاتا ہے۔ اور اسی مسئلہ کو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک گوشت کی بیع سلم پر قیاس کیا گیا ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مچھلی میں سلم جائز ہے خشک مچھلی ہو یا تازہ۔تازہ میں یہ ضرور ہے کہ ایسے موسم میں ہو کہ مچھلیاں بازار میں ملتی ہوں یعنی جہاں ہمیشہ دستیاب نہ ہوں کبھی ہوں کبھی نہیں وہاں یہ شرط ہے۔مچھلیاں بہت قسم کی ہوتی ہیں لہٰذا قسم کا بیان کرنا بھی ضروری ہے اور مقدار کا تعین وزن سے ہو عدد سے نہ ہو کیونکہ ان کے عدد میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔چھوٹی مچھلیوں میں ناپ سے بھی سلم درست ہے۔(درمختار، کتاب بیوع)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی چیز میں بیع سلف کی وہ اسے کسی اور چیز سے تبدیل نہ کرے۔(سنن ابوداؤد، کتاب بیوع)

گوشت کی بیع سلم میں فائدہ نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا خَيْرَ فِي السَّلَمِ فِي اللَّحْمِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .وَقَالَا :إذَا وَصَفَ مِنْ اللَّحْمِ مَوْضِعًا مَعْلُومًا بِصِفَةٍ مَعْلُومَةٍ جَازَ) لِأَنَّهُ مَوْزُونٌ مَضْبُوطُ الْوَصْفِ وَلِهَذَا يُضْمَنُ بِالْمِثْلِ .

وَيَجُوزُ اسْتِقْرَاضُهُ وَزْنًا وَيَجْرِي فِيهِ رِبَا الْفَضْلِ، بِخِلَافِ لَحْمِ الطُّيُورِ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ وَصْفُ مَوْضِعٍ مِنْهُ .وَلَهُ أَنَّهُ مَجْهُولٌ لِلتَّفَاوُتِ فِي قِلَّةِ الْعَظْمِ وَكَثْرَتِهِ أَوْ فِي سِمَنِهِ وَهُزَالِهِ عَلَى اخْتِلَافِ فُصُولِ السَّنَةِ، وَهَذِهِ الْجَهَالَةُ مُفْضِيَةٌ إلَى الْمُنَازَعَةِ .

وَفِي مَخْلُوعِ الْعَظْمِ لَا يَجُوزُ عَلَى الْوَجْهِ الثَّانِي وَهُوَ الْأَصَحُّ، وَالتَّضْمِينُ بِالْمِثْلِ مَمْنُوعٌ .وَكَذَا الِاسْتِقْرَاضُ، وَبَعْدَ التَّسْلِيمِ فَالْمِثْلُ أَعْدَلُ مِنْ الْقِيمَةِ، وَلِأَنَّ الْقَبْضَ يُعَايَنُ فَيُعْرَفُ مِثْلَ الْمَقْبُوضِ بِهِ فِي وَقْتِهِ، أَمَّا الْوَصْفُ فَلَا يُكْتَفَى بِهِ .

ترجمہ

فرمایا:اور گوشت کی بیع سلم میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔یہ حکم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین نے کہا ہے جب صفت معلومہ کے ساتھ گوشت کی جگہ کو بیان کردیا جائے تو جائز ہے۔کیونکہ گوشت کا وزن کیا جاتا ہے اور وزن کے ساتھ انضباط بھی ہے لہٰذا وہ مضمون مثلی ہوگا۔اور وزن سے اس کا قرض لینا جائز ہوتا ہے۔اور اس میں ربوٰ فضل بھی جاری ہوتا ہے۔جبکہ پرندوں کے گوشت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ان کے کسی خاص عضو کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ ہڈی کے زیادہ یا تھوڑا ہونے یا سال موسموں کے اختلاف کے سبب گوشت

کے موٹا یا پتلا ہونے کے سبب تفاوت ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہ معلوم نہیں ہوتا۔ اور یہ جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی ہے۔ اور ہڈی نکالے گئے گوشت میں دوسرے سبب کے پیش نظر بیع سلم جائز نہیں ہے اور زیادہ صحیح یہی ہے۔ اور اسی طرح گوشت کا مضمون مثلی ہونا بھی ممنوع ہے اور اسی طرح وزن سے قرض بھی منع ہے کیونکہ وہ اس کو سپرد کرنے کے بعد مثلی قیمت کے مقابلے میں زیادہ برابری کرنے والا ہے کیونکہ قبضہ موجود ہے پس قبضہ کے وقت قبضہ شدہ مثلی کی پہچان ہو جائے گی۔ البتہ وصف رہ گیا ہے تو اس کا اختصار نہیں کیا جاتا۔

شرح

جو پیمانہ مقرر ہو وہ ایسا ہو کہ سمٹتا پھیلتا نہ ہو مثلاً پیالہ، ہانڈی، گھڑا اور اگر سمٹتا پھیلتا ہو جیسے تھیلی وغیرہ تو سلم جائز نہیں۔ پانی کی مشک اگرچہ پھیلتی سمٹتی ہے اس میں بوجہ رواج وعملدرآمد سلم جائز ہے۔

علامہ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ناپ میں پیمانہ یا گز اور تول میں سیر وغیرہ باٹ ایسے ہوں جس کی مقدار عام طور پر لوگ جانتے ہوں وہ لوگوں کے ہاتھ سے مفقود نہ ہو سکے تا کہ آئندہ کوئی نزاع نہ ہو سکے اور اگر کوئی برتن گھڑا یا ہانڈی مقرر کر دیا کہ اس سے ناپ کر دیا جائے گا اور معلوم نہیں کہ اس برتن میں کتنا آتا ہے یہ درست نہیں۔ اسی طرح کسی پتھر کو معین کر دیا کہ اس سے تولا جائے گا اور معلوم نہیں کہ پتھر کا وزن کیا ہے یہ بھی ناجائز یا ایک لکڑی معین کر دی کہ اس سے ناپا جائے گا اور یہ معلوم نہ ہو کہ گز سے کتنی چھوٹی یا بڑی ہے یا کہا فلاں کے ہاتھ سے کپڑا ناپا جائے گا اور یہ معلوم نہیں کہ اُس کا ہاتھ کتنی گرہ اور اُنگل کا ہے یہ سب صورتیں ناجائز ہیں اور بیع میں ان چیزوں سے ناپنا یا وزن کرنا قرار پاتا تو جائز ہوتی کہ بیع میں مبیع کے ناپنے یا تولنے کے لیے کوئی میعاد نہیں ہوتی اُسی وقت ناپ تول سکتے ہیں اور سلم میں ایک مدت کے بعد ناپتے اور تولتے ہیں بہت ممکن ہے کہ اتنا زمانہ گزرنے کے بعد وہ چیز باقی نہ رہے اور نزاع واقع ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

مقرر کردہ میعاد میں بیع سلم کے عدم جواز کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ السَّلَمُ إلَّا مُؤَجَّلًا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ :يَجُوزُ حَالًّا لِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ وَرَخَّصَ فِي السَّلَمِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(إلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ) فِيمَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّهُ شُرِعَ رُخْصَةً دَفْعًا لِحَاجَةِ الْمَفَالِيسِ فَلَا بُدَّ مِنْ الْأَجَلِ لِيَقْدِرَ عَلَى التَّحْصِيلِ فِيهِ فَيُسَلِّمُ، وَلَوْ كَانَ قَادِرًا عَلَى التَّسْلِيمِ لَمْ يُوجَدْ الْمُرَخِّصُ فَبَقِيَ عَلَى النَّافِي .

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ إلَّا بِأَجَلٍ مَعْلُومٍ) لِمَا رَوَيْنَا، وَلِأَنَّ الْجَهَالَةَ فِيهِ مُفْضِيَةٌ إلَى الْمُنَازَعَةِ كَمَا فِي الْبَيْعِ، وَالْأَجَلُ أَدْنَاهُ شَهْرٌ وَقِيلَ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ، وَقِيلَ أَكْثَرُ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ .

وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ

ترجمہ

فرمایا اور مقرر کردہ میعاد میں بیع سلم جائز نہیں ہے جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بیع سلم حال میں جائز ہے کیونکہ حدیث ''وَرَخَّصَ فِي السَّلَمِ'' مطلق ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک معلوم مدت تک'' اسی حدیث کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور مقرر کرنا اس لئے لازم ہے کہ مسلم الیہ اس میعاد میں مسلم فیہ کے حصول پر قدرت حاصل کر سکے۔ اور اس کو رب سلم کے حوالے کر سکتا ہو۔ اور جب تسلیم پر قادر ہے تو اب اجازت نہ پائی گئی پس بیع سلم نافی پر باقی رہے گی۔

فرمایا بیع سلم جائز ہے جبکہ اس کی مدت معلوم ہو اسی روایت کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی تھی جس طرح بیع میں ہوتا ہے اور کم از کم مدت ایک ماہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تین دن ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نصف دن کا اکثر ہے۔ جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

مقرر کردہ میعاد میں بیع سلم پر مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فقہاء احناف، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک بیع سلم مقرر کردہ میعاد میں جائز نہیں ہے۔ جبکہ امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ احناف و دیگر عدم جواز والے مذاہب کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک معلوم مدت تک'' اسی حدیث کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور مقرر کرنا اس لئے لازم ہے کہ مسلم الیہ اس میعاد میں مسلم فیہ کے حصول پر قدرت حاصل کر سکے۔ اور اس کو رب سلم کے حوالے کر سکتا ہو۔ اور جب تسلیم پر قادر ہے تو اب اجازت نہ پائی گئی پس بیع سلم نافی پر باقی رہے گی۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۴۶۱، بیروت)

بیع سلم کی مدت میں فقہی مذاہب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور اسود و امام حسن بصری نے یہی کہا ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اگر غلہ کا نرخ اور اس کی صفت بیان کر دی جا ئے تو میعاد معین کر کے اس میں بیع سلم کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اگر یہ غلہ کسی خاص کھیت کا نہ ہو، جو ابھی پکا نہ ہو۔

یعنی اگر کسی خاص کھیت کے غلہ میں یا کسی خاص درخت کے میوہ میں سلم کرے اور ابھی وہ غلہ یا میوہ تیار نہ ہوا ہو تو سلم درست نہ ہوگی، لیکن تیار ہونے کے بعد خاص کھیت اور خاص پیداوار میں بھی سلم کرنا درست ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک غلہ یا میوہ پختگی پر نہ آیا ہو اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہو سکتا کہ غلہ یا میوہ اترے گا یا نہیں۔ احتمال ہے کہ کسی آفت ارضی یا سماوی سے یہ غلہ اور میوہ تباہ ہو جائے پھر دونوں میں جھگڑا ہو۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب لا کر شافعیہ کا رد کیا ہے، جو کو بن میعاد یعنی نقد بھی جائز رکھتے ہیں۔ حنفیہ اور

مالکیہ امام بخاری کے موافق ہیں۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ کم سے کم مدت کیا ہونی چاہئے۔ پندرہ دن سے لے کر آدھے دن تک کی مدت کے مختلف اقوال ہیں۔ طحاوی نے تین دن کو کم سے کم مدت قرار دیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مہینہ مدت ٹھہرائی ہے۔

تحریر اور فون کے ذریعہ خرید وفروخت

خرید وفروخت جس طرح زبان کے ذریعہ ہوسکتی ہے اسی طرح بوقت ضرورت مراسلت اور خط وکتابت کے ذریعہ بھی کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ بیچی جانے والی چیز اور اس کی قیمت تحریر کے ذریعہ مناسب طور پر متعین کردی جائے اور معاملہ میں ایسا ابہام باقی نہ رہے کہ آئندہ نزاع کا اندیشہ رہ جائے؛ البتہ ضروری ہے کہ اس صورت میں خریدی اور بیچی جانے والی چیز سونے چاندی کے قبیل سے نہ ہو یا دونوں کی جنس ایک نہ ہو کہ ہم جنس چیزوں کی خرید وفروخت میں سامان اور قیمت پر ایک ہی مجلس میں قبضہ ہو جانا ضروری ہے؛ جس طرح تحریر کے ذریعہ خرید وفروخت درست ہے اسی طرح ٹیلی فون کا حکم بھی ہوگا، اس لیے کہ تحریر اور ٹیلی فون دونوں میں قریبی مماثلت اور یکسانیت پائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اسی طرح فیکس کے ذریعہ بھی خرید وفروخت کا معاملہ جائز ہوگا۔ زمانہ فون، فیکس اور مراسلت کے ذریعہ بیرون ملک اور اندرونِ ملک ایک شہر سے دوسرے شہر جو خرید وفروخت کی جاتی ہے وہ جائز و درست ہے۔ (جدید فقہی مسائل)

شرعی احکامات کے مطابق خریدار کا خریدی ہوئی شے پر قابض ہونا ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه. (صحیح مسلم، 13 : 2)

جس نے کسی سے طعام (یا کوئی اور شے) خریدی تو اس وقت تک آگے فروخت نہ کرے جب تک اس پر قبضہ نہ حاصل کر لے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ یہ روایت بیان کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: واحسب كل شيء بمنزلة الطعام.

اور میرے خیال میں، ہر فروخت کی جانے والی شے بمنزلہ طعام ہے (یعنی خریدار کے لیے مال کو دیکھنا و پرکھنا اور اس پر قابض ہونا ضروری ہے)۔

آج کے جدید دور میں خرید وفروخت کے طریقہ کار تبدیل ہوگئے ہیں۔ لوگ دوسرے ممالک سے مال درآمد کرتے ہیں اور اپنے ملک میں مال لاکر دوسرے لوگوں کو فروخت کردیتے ہیں۔ اس صورت میں اگر وہ مال کو اپنے قبضے میں کرنے کے بعد فروخت کریں تو ترسیل مال پر بہت زیادہ اخراجات اٹھتے ہیں اور مال کو اسٹور کرنے کے لیے بھی وافر جگہ پر مشتمل گودام درکار ہوتے ہیں۔ جیسے گلگت کا رہنے والا کوئی تاجر یورپ سے اشیائے صرف درآمد کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کا مال کراچی کی بندرگاہ پر آئے گا۔

اب اگر وہ سارا مال پہلے گلگت منگوائے اور بعد میں اسے فروخت کرنے کے لیے حیدرآباد، خان پور، راولپنڈی، پشاور اور لاہور وغیرہ بھیجے تو بے پناہ اخراجات اٹھیں گے، جن سے مال کی قیمت بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔

لہٰذا اندریں حالات بہتر یہ ہے کہ خریدار درآمد کنندہ مال پر اگر ایسا تصرف رکھتا ہو کہ جسے چاہے اور جس وقت چاہے فروخت کر سکے اور جہاں چاہے لے جا سکے تو ایسی خرید وفروخت قبضہ کے حکم میں ہو کر جائز ہوگی۔ چاہے یہ خرید وفروخت انٹرنیٹ یا فیکس کے ذریعے کی جائے یا کسی اور ذریعے سے۔

لیکن اگر انٹرنیٹ کے ذریعے ہونے والی خرید وفروخت اس طرح سے ہو کہ خریدار کو مال کے بارے میں بالکل علم نہ ہو اور وہ اس پر اختیار بھی نہ رکھتا ہو یعنی ساری خرید وفروخت ہوا میں ہی ہو اور زمین پر اس کا کوئی وجود نہ ہو، بس روپے کو روپے سے ضرب دینے کا گورکھ دھندا ہی ہو تو ایسی تجارت شرعاً جائز نہیں ہے۔

معین شخص کے پیمانوں سے بیع سلم کے عدم جواز کا بیان

(وَلَا يَجُوزُ السَّلَمُ بِمِكْيَالِ رَجُلٍ بِعَيْنِهِ وَلَا بِذِرَاعِ رَجُلٍ بِعَيْنِهِ) مَعْنَاهُ إِذَا لَمْ يُعْرَفْ مِقْدَارُهُ لِأَنَّهُ تَأَخَّرَ فِيهِ التَّسْلِيمُ فَرُبَّمَا يَضِيعُ فَيُؤَدِّي إِلَى الْمُنَازَعَةِ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ، وَلَا بُدَّ أَنْ يَكُونَ الْمِكْيَالُ مِمَّا لَا يَنْقَبِضُ وَلَا يَنْبَسِطُ كَالْقِصَاعِ مَثَلًا، فَإِنْ كَانَ مِمَّا يَنْكَبِسُ بِالْكَبْسِ كَالزِّنْبِيلِ وَالْجِرَابِ لَا يَجُوزُ لِلْمُنَازَعَةِ إِلَّا فِي قُرَبِ الْمَاءِ لِلتَّعَامُلِ فِيهِ، كَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ

قَالَ (وَلَا فِي طَعَامِ قَرْيَةٍ بِعَيْنِهَا) أَوْ ثَمَرَةِ نَخْلَةٍ بِعَيْنِهَا لِأَنَّهُ قَدْ يَعْتَرِيهِ آفَةٌ فَلَا يَقْدِرُ عَلَى التَّسْلِيمِ وَإِلَيْهِ أَشَارَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَيْثُ قَالَ "(أَرَأَيْتَ لَوْ أَذْهَبَ اللَّهُ تَعَالَى الثَّمَرَ بِمَ يَسْتَحِلُّ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ ؟) وَلَوْ كَانَتْ النِّسْبَةُ إِلَى قَرْيَةٍ لِبَيَانِ الصِّفَةِ لَا بَأْسَ بِهِ عَلَى مَا قَالُوا كَالْخَشْمَرَانِيِّ بِبُخَارَى وَالْبَسَاخِيِّ بِفَرْغَانَةَ .

ترجمہ

کسی بھی معین شخص کے پیمانوں اور گزوں کے بیع سلم جائز نہیں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی مقدار معلوم نہ ہو کیونکہ بیع سلم میں سپرد کرنا موخر ہوتا ہے اور کبھی وہ پیمانہ یا گز ضائع ہو جایا کرتا ہے تو یہ جھگڑے کی طرف لے جانے کا سبب ہوگا اور اس کا حکم پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ وہ پیمانہ سکڑنے یا پھیلنے والا نہ ہو۔ جس طرح کاسہ ہوتا ہے مگر جب وہ دبانے سے دب جاتا ہے جس طرح زنبیل اور تھیلا ہے تب بھی جھگڑے کے سبب ناجائز ہے جبکہ تعامل ناس کے سبب پانی کے مشکیزے میں جائز ہے اور

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

اور کسی معین گاؤں کی گندم یا معین درختوں کے پھلوں میں بیع سلم جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب بھی اس پر کوئی مصیبت طاری ہو تو وہ اس کو سپرد کرنے پر قدرت رکھنے والا نہ ہوگا۔ اور اسی جانب نبی کریم ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا کہ دیکھو جب اللہ تعالیٰ پھلوں کو ضائع کردے تو تم کس چیز کے بدلے میں اپنے بھائی کو مال کو حلال کرو گے۔ ہاں جب کسی بستی کی جانب نسبت محض بیان وصف کیلئے ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جس طرح فقہاء نے کہا ہے جس طرح بخارہ میں خمرانی گندم ہے اور فرغانہ میں بساکھی گندم ہے۔

شرح

جو پیمانہ مقرر ہو وہ ایسا ہو کہ سمٹتا پھیلتا نہ ہو مثلاً پیالہ، ہانڈی، گھڑا اور اگر سمٹتا پھیلتا ہو جیسے تھیلی وغیرہ تو سلم جائز نہیں۔ پانی کی مشک اگرچہ پھیلتی سمٹتی ہے اس میں بوجہ رواج و عملدرآمد سلم جائز ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر معین کردیا کہ فلاں گاؤں کے گیہوں یا فلاں درخت کے پھل تو سلم فاسد ہے کیونکہ بہت ممکن ہے اُس کھیت یا گاؤں میں گیہوں پیدا نہ ہوں اُس درخت میں پھل نہ آئیں اور اگر اس نسبت سے مقصود بیان صفت ہے یہ مقصد نہیں کہ خاص اُسی کھیت یا گاؤں کا غلہ اُسی درخت کے پھل تو درست ہے۔ اسی طرح کسی خاص جگہ کی طرف کپڑے کو منسوب کردیا اور مقصود اُس کی صفت بیان کرنا ہے تو سلم درست ہے اگر مسلم الیہ نے دوسری جگہ کا تھان دیا مگر ویسا ہی ہے تو رب السلم لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی ملک کی طرف اِنتساب ہو تو سلم صحیح ہے۔ مثلاً پنجاب کی گندم کہ یہ بہت بعید ہے کہ پورے پنجاب میں گندم پیدا ہی نہ ہوں۔ (ردمحتار بتصرف، کتاب بیوع)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر قطر کے بنے ہوئے دو موٹے کپڑے تھے جب آپ بیٹھتے اور پسینہ آتا تو یہ آپ کی طبیعت پر گراں گزرتے۔ اسی اثناء میں ایک یہودی کے پاس شام سے قیمتی کپڑا آیا میں نے عرض کیا کہ آپ کسی کو بھیجیں کہ وہ آپ کے لیے اس سے دو کپڑے خرید لائے۔ جب ہمیں سہولت ہوگی ہم ان کی قیمت ادا کردیں گے آپ نے ایک شخص کو بھیجا تو اس نے جواب دیا کہ جانتا ہوں کہ آپ چاہتے ہیں کہ میرا کپڑا اور پیسے دونوں چیزوں پر قبضہ کرلیں۔ آپ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے اسے معلوم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ پرہیزگار بھی ہوں اور امانت دار بھی اس باب میں حضرت ابن عباس، انس، اسماء بنت یزید سے بھی احادیث منقول ہیں حدیث عائشہ حسن صحیح غریب ہے شعبہ بھی اس حدیث کو عمارہ بن ابی حفصہ سے نقل کرتے ہیں محمد بن فراس بصری، ابوداؤد، طیالسی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ شعبہ سے کسی نے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو وہ فرمانے لگے کہ میں اس حدیث کو اس وقت تک بیان نہیں کروں گا جب تک تم کھڑے ہو کر حرمی بن عمارہ کے سر کا بوسہ نہیں لو گے اور حرمی اس وقت وہاں موجود تھے (اس سے مراد حرمی کی تعظیم ہے کیونکہ شعبہ نے یہ حدیث حرمی بن عمارہ سے

سنی ہے)۔(جامع ترمذی: جلداول: حدیث نمبر 1229)

مجہول مبیع کی بیع میں مذاہب اربعہ

حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع کیا کہ میں اس چیز کو نہ بیچوں جو میرے پاس نہیں (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 95)

ترمذی ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت حکیم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ایک ایسی چیز خریدنے کا ارادہ کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی تو میں اس چیز کو بازار سے خرید لاتا ہوں یعنی میں اس چیز کا معاملہ اس سے کرلیتا ہوں پھر وہ چیز بازار سے خرید لاتا ہوں اور اس شخص کے حوالے کردیتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ تم کسی ایسی چیز کو نہ بیچو جو تمہارے پاس نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو چیز خرید وفروخت کا معاملہ کرتے وقت اپنی ملکیت میں نہ ہو اسے نہیں بیچنا چاہئے اب اس کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں اول تو یہ کہ وہ چیز نہ تو اپنی ملکیت میں ہو اور نہ اپنے پاس موجود ہی ہو اس صورت میں تو اس چیز کی بیع صحیح ہی نہیں ہوگی دوم یہ کہ وہ اپنی ملکیت میں نہیں ہے ایک دوسرا شخص اس کا مالک ہے لیکن ہے اپنے ہی پاس اس صورت میں بھی مالک کی اجازت کے بغیر اس کی بیع نہیں کرنی چاہئے اور اگر مالک کی اجازت لینے سے پہلے ہی اس کی بیع کردی جائے گی تو حضرت امام ابوحنیفہ حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کے مسلک کے مطابق وہ بیع مالک کی منظوری پر موقوف رہے گی اگر منظوری دیدے گا تو صحیح ہوجائے گی نہیں تو کالعدم ہوجائے گی لیکن حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ بیع سرے سے صحیح ہی نہیں ہوگی مالک خواہ منظوری دے یا نہ دے۔

پہلی صورت کے حکم میں اس چیز کی بیع داخل ہے جس پر قبضہ حاصل نہ ہوا ہو یا وہ چیز گم ہوگئی ہو یا مفرور ہو جیسے غلام وغیرہ اور یا اس کو خریدار کے حوالے کرنے پر قادر نہ ہو جیسے ہوا میں اڑتا ہوا جانور اور وہ مچھلی جو ابھی پانی یعنی دریا وغیرہ سے نہ نکالی گئی ہو لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ یہ ممانعت بیع السلم کے علاوہ صورت میں ہے کیونکہ بیع السلم متعینہ ومعروف شرائط کے ساتھ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک جائز ہے۔

حضرت امام اعظم کے نزدیک بیع سلم میں شرائط سبعہ کا بیان

قَالَ (وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إلَّا بِسَبْعِ شَرَائِطَ :جِنْسٌ مَعْلُومٌ) كَقَوْلِنَا حِنْطَةٌ أَوْ شَعِيرٌ (وَنَوْعٌ مَعْلُومٌ) كَقَوْلِنَا سَقِيَّةٌ أَوْ بَخْسِيَّةٌ (وَصِفَةٌ مَعْلُومَةٌ) كَقَوْلِنَا جَيِّدٌ أَوْ رَدِيءٌ (وَمِقْدَارٌ مَعْلُومٌ) كَقَوْلِنَا كَذَا كَيْلًا بِمِكْيَالٍ مَعْرُوفٍ وَكَذَا وَزْنًا (وَأَجَلٌ مَعْلُومٌ) وَالْأَصْلُ فِيهِ مَا رَوَيْنَا وَالْفِقْهُ فِيهِ مَا بَيَّنَّا (وَمَعْرِفَةُ مِقْدَارِ رَأْسِ

الْمَالِ إِذَا كَانَ يَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ عَلَى مِقْدَارِهِ) كَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ وَالْمَعْدُودِ (وَتَسْمِيَةُ الْمَكَانِ الَّذِي يُوفِيهِ فِيهِ إِذَا كَانَ لَهُ حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ) وَقَالَا: لَا يَحْتَاجُ إِلَى تَسْمِيَةِ رَأْسِ الْمَالِ إِذَا كَانَ مُعَيَّنًا وَلَا إِلَى مَكَانِ التَّسْلِيمِ وَيُسَلِّمُهُ فِي مَوْضِعِ الْعَقْدِ، فَهَاتَانِ مَسْأَلَتَانِ. وَلَهُمَا فِي الْأُولَى أَنَّ الْمَقْصُودَ يَحْصُلُ بِالْإِشَارَةِ فَأَشْبَهَ الثَّمَنَ وَالْأُجْرَةَ وَصَارَ كَالثَّوْبِ. وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ رُبَّمَا يُوجَدُ بَعْضُهَا زُيُوفًا وَلَا يَسْتَبْدِلُ فِي الْمَجْلِسِ، فَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ قَدْرَهُ لَا يَدْرِي فِي كَمْ بَقِيَ أَوْ رُبَّمَا لَا يَقْدِرُ عَلَى تَحْصِيلِ الْمُسْلَمِ فِيهِ فَيَحْتَاجُ إِلَى رَدِّ رَأْسِ الْمَالِ، وَالْمَوْهُومُ فِي هَذَا الْعَقْدِ كَالْمُتَحَقِّقِ لِشَرْعِهِ مَعَ الْمُنَافِي، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ رَأْسُ الْمَالِ ثَوْبًا لِأَنَّ الذَّرْعَ وَصْفٌ فِيهِ لَا يَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ عَلَى مِقْدَارِهِ.

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیع سلم سات شرائط کے بغیر صحیح نہیں ہے۔(۱) اس کی جنس معلوم ہو جس طرح ہمارا قول گندم یا جو ہے (۲) اس کی نوع کا معلوم ہوتا ہے جس طرح ہمارا قول سقی یا بخسی ہے (۳) اس کی صفت کا معلوم ہوتا ہے جس طرح ہمارا قول اچھا یا ناقص ہے (۴) اور اس کی مقدار کا معلوم ہوتا ہے جس طرح ہمارا قول مشہور ہے کہ اتنے پیانے یا اتنے وزن میں ہو۔(۵) اس کی مدت کا معلوم ہوتا ہے اور اس کے بارے میں وہ حدیث دلیل ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور اس کی حکمت بھی وہی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔(۶) رأس المال کی مقدار کا معلوم ہوتا ہے البتہ شرط یہ ہے کہ سلم کا عقد اس کی مقدار کے مطابق ہو جس طرح مکیلی وموزونی اور عددی چیز کا ہوتا ہے۔(۷) اس جگہ کو بیان کرتا ہے جس جگہ مسلم الیہ مسلم فیہ کو ادا کرے گا جبکہ مسلم فیہ کو کوئی اٹھانے والا ہو اور اس میں خرچ بھی ہو۔

صاحبین علیہما الرحمہ نے کہا کہ جب رأس المال معین ہو تو پھر اس کو بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ سپرد کرنے والی جگہ کے بیان کی ضرورت ہے اور مسلم الیہ عقد کی جگہ پر ہی مسلم فیہ کو سپرد کرنے والا ہوگا۔ پس ان دونوں مسائل اور پہلے مسئلہ میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اشارہ کرنے سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے پس یہ مزدوری اور ثمن کے مشابہ ہو جائے گا اور کپڑے کی طرح ہو جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ بعض دراہم کھوٹے بھی نکل آیا کرتے ہیں جو کہ مجلس عقد میں تبدیل نہیں کیے جاتے۔ کیونکہ جب رأس المال کی مقدار معلوم نہ ہوگی تو یہ بھی معلوم نہ ہو سکے گا کہ کتنی مقدار بقیہ ہے یا کبھی کبھی مسلم الیہ مسلم فیہ کو سپرد کرنے سے عاجز آ جاتا ہے اور وہ رأس المال کو واپس کرنے کا محتاج ہوتا ہے۔ اور ایسے عقد میں وہم شدہ چیز ثابت کی طرح ہوتا ہے (قاعدہ فقہیہ) کیونکہ نفی کے باوجود اسکی مشروعیت ہے بہ خلاف اس کے کہ جب رأس المال کپڑا ہے اس لئے کپڑے میں گز وصف

ہوتا ہے اور عقد کی مقدار سے متعلق ہونے والا نہیں ہے۔

بیع سلم کی شرائط کا فقہی بیان

بیع سلم کے لیے چند شرطیں ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے۔(۱) عقد میں شرط خیار نہ ہو نہ دونوں کے لیے نہ ایک کے لیے۔
(۲) راس المال کی جنس کا بیان کہ روپیہ ہے یا اشرفی یا نوٹ یا پیسہ۔(۳) اُس کی نوع کا بیان یعنی مثلاً اگر وہاں مختلف قسم کے روپے اشرفیاں رائج ہوں تو بیان کرنا ہوگا کہ کس قسم کے روپے یا اشرفیاں ہیں۔(۴) بیان وصف اگر کھرے کھوٹے کئی طرح کے سکے ہوں تو اسے بھی بیان کرنا ہوگا۔(۵) راس المال کی مقدار کا بیان یعنی اگر عقد کا تعلق اُس کی مقدار کے ساتھ ہو تو مقدار کا بیان کرنا ضروری ہوگا فقط اشارہ کر کے بتانا کافی نہیں مثلاً تھیلی میں روپے ہیں تو یہ کہنا کافی نہیں کہ ان روپوں کے بدلے میں سلم کرتا ہوں بتانا بھی پڑے گا کہ یہ سو ہیں اور اگر عقد کا تعلق اُس کی مقدار سے نہ ہو مثلاً راس المال کپڑے کا تھان یا عددی متفاوت ہو تو اس کی گنتی بتانے کی ضرورت نہیں اشارہ کر کے معین کر دینا کافی ہے۔ اگر مسلم فیہ دو مختلف چیزیں ہوں اور راس المال مکیل یا موزوں ہو تو ہر ایک کے مقابل میں ثمن کا حصہ مقرر کر کے ظاہر کرنا ہوگا اور مکیل وموزوں نہ ہو تو تفصیل کی حاجت نہیں اور اگر راس المال دو مختلف چیزیں ہوں مثلاً کچھ روپے ہیں اور کچھ اشرفیاں تو ان دونوں کی مقدار بیان کرنی ضرور ہے ایک کی بیان کر دی اور ایک کی نہیں تو دونوں میں سلم صحیح نہیں۔(۶) اُسی مجلس عقد میں راس المال پر مسلم الیہ کا قبضہ ہو جائے۔(۷) مسلم فیہ کی جنس بیان کرنا مثلاً گندم یا جو۔(۸) اُس کی نوع کا بیان مثلاً فلاں قسم کی گندم۔(۹) بیان وصف جید، ردی، اوسط درجہ۔(۱۰) ناپ یا تول یا عدد یا گزوں سے اُس کی مقدار کا بیان کر دینا۔(۱۱) مسلم فیہ دینے کی کوئی میعاد مقرر ہو اور وہ میعاد معلوم ہو فوراً دیدینا قرار پایا یہ جائز نہیں۔
(۱۲) کم سے کم ایک ماہ کی میعاد مقرر کی جائے۔ اگر رب السلم مرجائے جب بھی میعاد بدستور باقی رہے گی کہ میعاد پر اُس کے ورثہ کو مسلم فیہ ادا کریگا اور مسلم الیہ مرگیا تو میعاد باطل ہوگئی کہ فوراً اُس کے ترکہ سے وصول کریگا۔(خانیہ)
(۱۳) مسلم فیہ وقت عقد سے ختم میعاد تک برابر دستیاب ہوتا رہے نہ اس وقت معدوم ہو نہ ادا کے وقت معدوم ہو نہ درمیان میں کسی وقت بھی وہ ناپید ہو ان تینوں زمانوں میں سے ایک میں بھی معدوم ہوا تو سلم ناجائز۔ اُس کے موجود ہونے کے یہ معنے ہیں کہ بازار میں ملتا ہو اور اگر بازار میں نہ ملے تو موجود نہ کہیں گے اگرچہ گھروں میں پایا جاتا ہو۔
(۱۴) مسلم فیہ ایسی چیز ہو کہ معین کرنے سے معین ہو جائے۔ روپیہ اشرفی میں سلم جائز نہیں کہ یہ متعین نہیں ہوتے۔
(۱۵) مسلم فیہ اگر ایسی چیز ہو جس کی مزدوری اور بار برداری دینی پڑے تو وہ جگہ معین کر دی جائے جہاں مسلم فیہ ادا کرے اور اگر اس قسم کی چیز نہ ہو جیسے مشک زعفران تو جگہ مقرر کرنا ضرور نہیں۔ پھر اس صورت میں کہ جگہ مقرر کرنے کی ضرورت نہیں اگر مقرر نہیں کی ہے تو جہاں عقد ہوا ہے وہیں ایفا کرے، اور دوسری جگہ کیا جب بھی حرج نہیں اور اگر جگہ مقرر ہوگئی ہے تو جو مقرر ہوئی وہاں ایفا کرے۔ چھوٹے شہر میں کسی محلہ میں دیدے کافی ہے محلہ کی تخصیص ضرور نہیں اور بڑے شہر میں بتانے کی ضرورت ہے کہ کس محلہ یا شہر کے کس حصہ میں ادا کرنا ہوگا۔

معین رأس مال کے بیان میں فقہی مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ صاحبین علیہما الرحمہ نے کہا کہ جب رأس المال معین ہو تو پھر اس کو بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ سپرد کرنے والی جگہ کے بیان کی ضرورت ہے اور مسلم الیہ عقد کی جگہ پر ہی مسلم فیہ کو سپرد کرنے والا ہوگا۔ پس ان دونوں مسائل اور پہلے مسئلہ میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ اشارہ کرنے سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے پس یہ مزدوری اور ثمن کے مشابہ ہو جائے گا اور کپڑے کی طرح ہو جائے گا۔ حضرت امام مالک، امام احمد اور امام شافعی علیہم الرحمہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیع سلم کی سات شرائط ہیں۔ جن کا تذکرہ ہدایہ کے متن میں ذکر ہوا ہے۔
(فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۵، ص ۱۷۱، بیروت)

ایسی چیز میں سلم کیا جو اس وقت سے ختم میعاد تک موجود ہے مگر میعاد پوری ہونے پر رب السلم نے قبضہ نہیں کیا اور اب وہ چیز دستیاب نہیں ہوتی تو بیع سلم صحیح ہے اور رب السلم کو اختیار ہے کہ عقد کو فسخ کردے یا انتظار کرے جب وہ چیز دستیاب ہو بازار میں ملنے لگے اس وقت دی جائے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

اگر وہ چیز ایک شہر میں ملتی ہے دوسرے میں نہیں تو جہاں مفقود ہے وہاں سلم ناجائز اور جہاں موجود ہے وہاں جائز۔ (درمختار)

بیع سلم کا حکم یہ ہے کہ مسلم الیہ ثمن کا مالک ہو جائے گا اور رب السلم مسلم فیہ کا۔ جب یہ عقد صحیح ہو گیا اور مسلم الیہ نے وقت پر مسلم فیہ کو حاضر کر دیا تو رب السلم کو لینا ہی ہے، ہاں اگر شرائط کے خلاف وہ چیز ہے تو مسلم الیہ کو مجبور کیا جائے گا کہ جس چیز پر بیع سلم منعقد ہوئی وہ حاضر لائے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

دو اجناس میں بیع سلم کرنے کا بیان

وَمِنْ فُرُوعِهِ إِذَا أَسْلَمَ فِي جِنْسَيْنِ وَلَمْ يُبَيِّنْ رَأْسَ مَالِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، أَوْ أَسْلَمَ جِنْسَيْنِ وَلَمْ يُبَيِّنْ مِقْدَارَ أَحَدِهِمَا .

وَلَهُمَا فِي الثَّانِيَةِ أَنَّ مَكَانَ الْعَقْدِ يَتَعَيَّنُ لِوُجُودِ الْعَقْدِ الْمُوجِبِ لِلتَّسْلِيمِ، وَلِأَنَّهُ لَا يُزَاحِمُهُ مَكَانٌ آخَرُ فِيهِ فَيَصِيرُ نَظِيرَ أَوَّلِ أَوْقَاتِ الْإِمْكَانِ فِي الْأَوَامِرِ فَصَارَ كَالْقَرْضِ وَالْغَصْبِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ التَّسْلِيمَ غَيْرُ وَاجِبٍ فِي الْحَالِ فَلَا يَتَعَيَّنُ، بِخِلَافِ الْقَرْضِ وَالْغَصْبِ، وَإِذَا لَمْ يَتَعَيَّنْ فَالْجَهَالَةُ فِيهِ تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ، لِأَنَّ قِيَمَ الْأَشْيَاءِ تَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمَكَانِ فَلَا بُدَّ مِنْ الْبَيَانِ، وَصَارَ كَجَهَالَةِ الصِّفَةِ، وَعَنْ هَذَا قَالَ مَنْ قَالَ مِنْ

الْمَشَايِخِ رَحِمَهُمُ اللَّهُ إِنَّ الِاخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَهُ يُوجِبُ التَّحَالُفَ كَمَا فِي الصِّفَةِ.

وَقِيلَ عَلَى عَكْسِهِ لِأَنَّ تَعَيُّنَ الْمَكَانِ قَضِيَّةُ الْعَقْدِ عِنْدَهُمَا، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الثَّمَنُ وَالْأُجْرَةُ وَالْقِسْمَةُ، وَصُورَتُهَا إِذَا اقْتَسَمَا دَارًا وَجَعَلَا مَعَ نَصِيبِ أَحَدِهِمَا شَيْئًا لَهُ حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ. وَقِيلَ لَا يُشْتَرَطُ ذَلِكَ فِي الثَّمَنِ.

وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُشْتَرَطُ إِذَا كَانَ مُؤَجَّلًا، وَهُوَ اخْتِيَارُ شَمْسِ الْأَئِمَّةِ السَّرَخْسِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ. وَعِنْدَهُمَا يَتَعَيَّنُ مَكَانُ الدَّارِ وَمَكَانُ تَسْلِيمِ الدَّابَّةِ لِلْإِيفَاءِ.

ترجمہ

اوراس کی فردعات میں سے یہ مسئلہ ہے کہ جب کسی شخص نے دو اجناس میں بیع سلم کی ہے اوران میں سے کسی ایک کا بھی رأس المال بیان نہیں کیا ہے یا اس نے دو اجناس میں بیع سلم کا عقد کیا اوران میں سے کسی ایک کی مقدار کو بیان نہیں کیا ہے۔ دوسرے مسئلہ میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ عقد کی جگہ معین ہوتی ہے کیونکہ وہ عقد جو سپردگی کو واجب کرنے والا ہے وہ اس میں پایا جارہا ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ کوئی دوسری جگہ اس جگہ سے مزاحمت کرنے والی نہیں ہے۔ پس یہ امکان اوقات کے اول میں ادا مرکی بحث میں ہوجائے گا۔ اور یہ قرض وغصب کی طرح ہوجائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ مسلم فیہ کو سپرد کرنا فی حالہ تو واجب نہیں ہے کیونکہ عقد کی جگہ معین نہیں ہے بہ خلاف قرض وغصب کے ہے اور جب جگہ معین نہیں ہے تو یہ جہالت جھگڑے کی طرف لے جانے والی ہے کیونکہ جگہ کی تبدیلی کے سبب اشیاء کی قیمتیں بدلتی رہتی ہیں پس جگہ کی وضاحت سپردگی میں ضروری ہوگی۔ اور یہ صفت تو مجہول ہونے کی طرح ہوجائے گا۔ اوراسی مسئلہ سے بعض مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسلم فیہ کی ادائیگی کی جگہ کا اختلاف قسم کو واجب کرنے والا ہے۔ جس طرح صفت میں ہوا کرتا ہے۔ اورایک قول کے مطابق یہ اس کے برعکس ہے کیونکہ اس کا تعین صاحبین کے نزدیک عقد کرنے کا تقاضہ کرنے والا ہے۔ اوراسی اختلاف کے مطابق ثمن، مزدوری اور بٹوارہ ہے۔ اوراس کی صورت مسئلہ اس طرح ہے۔ جب دو بندوں نے گھر کو تقسیم کیا اورایک کیلئے کوئی ایسی چیز حصہ میں آئی جس کو اٹھانا اور مدد کی ضرورت ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے ثمن میں یہ شرط نہیں ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ جب ثمن مؤجل ہوتو اس میں یہ شرط ہے۔

امام شمس الائمہ سرخسی حنفی علیہ الرحمہ نے اسی قول کو اپنایا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک ادائیگی کیلئے جگہ اور جانور کو سپرد کرنے کیلئے مقام معین ہے۔

شرح

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم کسی ایک چیز میں سلم کرو

تواب اسے دوسری چیز میں نہ ٹھہراؤ۔ دوسری سند سے یہی مضمون مروی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 441)

بیع سلم میں یہ شرط ٹھہری کہ فلاں جگہ وہ چیز دے گا مسلم الیہ نے دوسری جگہ وہ چیز دی اور کہا یہاں سے وہاں تک کی مزدوری میں دے دوں گا رب السلم نے چیز لے لی یہ قبضہ درست ہے مگر مزدوری لینا جائز نہیں مزدوری جو لے چکا ہے واپس کرے ہاں اگر اس کو پسند نہیں کرتا کہ مزدوری اپنے پاس سے خرچ کرے تو چیز واپس کر دے اور اُس سے کہہ دے کہ جہاں پہنچانا ٹھہرا ہے وہ خود مزدور کر کے یا جیسے چاہے پہنچائے۔ یہ طے ہوا ہے کہ رب السلم کے مکان پر پہنچائے گا اور مسلم الیہ کو اپنے مکان کا پورا پتا بتا دیا ہے تو درست ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

حمل وصرفہ والی اشیاء کی بیع سلم کا بیان

قَالَ (وَمَا لَمْ يَكُنْ لَهُ حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ لَا يَحْتَاجُ فِيهِ إِلَى بَيَانِ مَكَانِ الْإِيفَاءِ بِالْإِجْمَاعِ) لِأَنَّهُ لَا تَخْتَلِفُ قِيمَتُهُ (وَيُوفِيهِ فِي الْمَكَانِ الَّذِي أَسْلَمَ فِيهِ) قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : وَهَذِهِ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَالْبُيُوعِ .

وَذَكَرَ فِي الْإِجَارَاتِ أَنَّهُ يُوفِيهِ فِي أَيِّ مَكَانٍ شَاءَ ، وَهُوَ الْأَصَحُّ لِأَنَّ الْأَمَاكِنَ كُلَّهَا سَوَاءٌ ، وَلَا وُجُوبَ فِي الْحَالِ .

وَلَوْ عَيَّنَا مَكَانًا ، قِيلَ لَا يَتَعَيَّنُ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ ، وَقِيلَ يَتَعَيَّنُ لِأَنَّهُ يُفِيدُ سُقُوطَ خَطَرِ الطَّرِيقِ ، وَلَوْ عَيَّنَ الْمِصْرَ فِيمَا لَهُ حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ يَكْتَفِي بِهِ لِأَنَّهُ مَعَ تَبَايُنِ أَطْرَافِهِ كَبُقْعَةٍ وَاحِدَةٍ فِيمَا ذَكَرْنَا .

ترجمہ

فرمایا: اور جس چیز میں بار برداری اور اخراجات نہ ہوں تو اجماع کے مطابق اس کیلئے مکان ادا کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی قیمت بدلنے والی نہیں ہے اور اس کو مسلم الیہ اسی جگہ سے ادا کرے جہاں عقد سلم ہوا ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ عبارت جامع صغیر اور بیوع (مبسوط) سے ہے۔ حالانکہ مبسوط کی کتاب الاجارات میں ذکر کیا گیا ہے کہ مسلم الیہ جس جگہ چاہے وہ مسلم فیہ کو ادا کرے اور زیادہ صحیح بھی یہی ہے اس لئے کہ سارے مقامات برابر ہیں۔ اور ادائیگی فوری طور پر واجب بھی نہیں ہے۔ اور جب ان دونوں نے کسی ایک جگہ کو معین کیا ہے تو وہ جگہ معین نہ ہوگی کیونکہ معین کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ معین ہو جائے گی۔ کیونکہ اس معین کرنے کے سبب راستے میں آنے والے اندیشوں سے بچانے میں مفید ہے۔ اور جب اس نے ایسی چیز جس کیلئے حمل وصرافہ ہے اس کیلئے شہر کو معین کر دیا ہے تو وہ کافی سمجھا جائے گا اس لئے کہ شہر اپنے تمام

علاقوں سے علیحدہ ہونے کے باوجود ہمارے بیان کردہ مسئلہ میں ایک ہی جگہ کی طرح ہے۔

شرح

مسلم فیہ اگر ایسی چیز ہو جس کی مزدوری اور بار برداری دینی پڑے تو وہ جگہ متعین کردی جائے جہاں مسلم فیہ ادا کرے اور اگر اس قسم کی چیز نہ ہو جیسے مشک زعفران تو جگہ مقرر کرنا ضروری نہیں۔ پھر اس صورت میں کہ جگہ مقرر کرنے کی ضرورت نہیں اگر مقرر نہیں کی ہے تو جہاں عقد ہوا ہے وہیں ایفاء کرے اور دوسری جگہ کیا جب بھی حرج نہیں اور اگر جگہ مقرر ہوگئی ہے تو جو مقرر ہوئی وہاں ایفا کرے چھوٹے شہر میں کسی محلہ میں دیدے کافی ہے محلہ کی تخصیص ضرور نہیں اور بڑے شہر میں بتانے کی ضرورت ہے کہ کس محلہ یا شہر کے کس حصہ میں ادا کرنا ہوگا۔

حمل کی بیع میں سلم کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ (ابن عمر) رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ لوگ حبل الحبلہ کے وعدے پر خرید و فروخت کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا نافع نے اس کی تفسیر بیان کی کہ اونٹنی بچہ جنے جو اس کے پیٹ میں ہے۔(صحیح بخاری: جلداول: حدیث نمبر 2131)

پھر اس کا بچہ بڑا ہوکر وہ بچہ جنے جیسے دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے۔اس میعاد میں جہالت تھی۔دوسرے دھوکہ تھا کہ معلوم نہیں وہ کب بچہ جنتی ہے۔پھر اس کا بچہ زندہ بھی رہ جاتا ہے یا مرجاتا ہے۔اگر زندہ رہے تو کب حمل رہتا ہے، کب وضع حمل ہوتا ہے۔ایسی میعاد اگر سلم میں لگائے تو سلم جائز نہ ہوگی۔گو عادتاً اس کا وقت معلوم بھی ہو سکے۔

مسلم فیہ کی عدم جوائگی پر فسخ سلم کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر، نجرانی کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا میں کھجور کے درخت میں پھل آنے سے قبل سلم کرلوں؟ فرمایا نہیں میں نے عرض کیا کیوں؟ فرمایا نبی ﷺ کے زمانہ میں ایک مرد نے باغ میں سلم کی پھل آنے سے قبل۔ پھر اس سال باغ میں کچھ بھی پھل نہ آیا تو خریدار نے کہا جب تک پھل نہ آئے یہ میرا ہے اور فروخت کنندہ نے کہا کہ میں نے تو تمہیں اس سال (کا پھل) بیچا تھا اور بس ان دونوں نے اپنا جھگڑا اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا آپ نے فروخت کنندہ سے فرمایا اس نے تمہارے باغ سے کچھ پھل لیا؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا پھر تم اسکا مال کیسے حلال سمجھ رہے ہو جو تم نے اس سے لیا ہے واپس کرو اور جب تک درخت کے پھلوں کا قابل استعمال ہونا معلوم نہ ہو درخت میں سلم نہ کرو۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 442)

رأس المال پر مجلس عقد میں قبضہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَلَا يَصِحُّ السَّلَمُ حَتَّى يَقْبِضَ رَأْسَ الْمَالِ قَبْلَ أَنْ يُفَارِقَهُ فِيهِ) أَمَّا إذَا كَانَ مِنْ

النُّقُودِ فَلِأَنَّهُ افْتِرَاقٌ عَنْ دَيْنٍ بِدَيْنٍ، وَقَدْ (نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكَالِءِ بِالْكَالِءِ وَإِنْ كَانَ عَيْنًا) ، فَلِأَنَّ السَّلَمَ أَخْذُ عَاجِلٍ بِآجِلٍ، إِذْ الْإِسْلَامُ وَالْإِسْلَافُ يُنْبِئَانِ عَنِ التَّعْجِيلِ فَلَا بُدَّ مِنْ قَبْضِ أَحَدِ الْعِوَضَيْنِ لِيَتَحَقَّقَ مَعْنَى الِاسْمِ، وَلِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ تَسْلِيمِ رَأْسِ الْمَالِ لِيَتَقَلَّبَ الْمُسْلَمُ إِلَيْهِ فِيهِ فَيَقْدِرُ عَلَى التَّسْلِيمِ، وَلِهَذَا قُلْنَا : لَا يَصِحُّ السَّلَمُ إِذَا كَانَ فِيهِ خِيَارُ الشَّرْطِ لَهُمَا أَوْ لِأَحَدِهِمَا لِأَنَّهُ يَمْنَعُ تَمَامَ الْقَبْضِ لِكَوْنِهِ مَانِعًا مِنَ الِانْعِقَادِ فِي حَقِّ الْحُكْمِ، وَكَذَا لَا يَثْبُتُ فِيهِ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُفِيدٍ، بِخِلَافِ خِيَارِ الْعَيْبِ لِأَنَّهُ لَا يَمْنَعُ تَمَامَ الْقَبْضِ

وَلَوْ أُسْقِطَ خِيَارُ الشَّرْطِ قَبْلَ الِافْتِرَاقِ وَرَأْسُ الْمَالِ قَائِمٌ جَازَ خِلَافًا لِزُفَرَ، وَقَدْ مَرَّ نَظِيرُهُ

ترجمہ

فرمایا: بیع سلم درست نہیں ہے حتیٰ کہ مجلس عقد سے الگ ہونے سے پہلے مسلم الیہ رأس المال پر قبضہ کرلے۔ پس جب رأس المال نقدی سے ہے تو اس لئے قبضہ ضروری ہے کہ یہ قرض بہ قرض الگ ہونا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ نے ادھار کے بدلے میں ادھار کا معاملہ کرنے سے منع کیا ہے اور جب رأس المال عین ہے تو اس کو سلم معجّل کو مؤجل کے بدلے میں لینا لازم آئے گا ہاں البتہ سلم وسلف کرنے میں جلدی کی خبر دینا ضروری ہے۔ پس دونوں اعواض میں کسی ایک پر قبضہ کرنا ضروری ہے۔ تا کہ سلم وسلف کا حکم ثابت ہو جائے۔ اور رأس المال کو سپرد کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ مسلم الیہ اس میں تصرف کرتے ہوئے مسلم فیہ میں سپرد کرنے پر قدرت پانے والا ہو جائے۔

اسی دلیل کے سبب ہم نے کہا ہے کہ جب بیع سلم میں دونوں کیلئے یا ان میں سے کسی ایک کیلئے خیار شرط ہوا تو اس میں سلم کا عقد درست نہ ہوگا کیونکہ خیار شرط قبضہ کو مکمل کرنے سے مانع ہے کیونکہ وہ حکم کے حق میں عقد منعقد ہونے کو روکنے والا ہے۔

اور اسی طرح سلم کے عقد میں خیار رؤیت ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کا فائدہ نہیں ہے بہ خلاف خیار عیب کے کیونکہ وہ قبضہ مکمل ہونے کے مانع نہیں ہے۔ اور جب کسی نے مجلس سے الگ ہونے سے پہلے خیار والے نے خیار کو ساقط کر دیا ہے اور رأس المال بھی موجود ہے تو اب عقد جائز ہے جبکہ اس میں امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے اور اس کی مثال گزر چکی ہے۔

شرح

مُسلَم الیہ رأس المال میں قبضہ کرنے سے پہلے کوئی تصرف نہیں کرسکتا اور ربُّ السَّلم مسلم فیہ میں کسی قسم کا تصرف نہیں

کرسکتا۔ مثلاً اُسے بیع کردے یا کسی سے کہے فلاں سے میں نے اتنے من گیہوں میں سلم کیا ہے وہ جو باقی رہ جاتا ہے اس کو پنیر کہتے ہیں۔ تمہارے ہاتھ بیچے۔ نہ اس میں کسی کو شریک کرسکتا ہے کہ کسی سے کہے سو روپے سے میں نے سلم کیا ہے اگر پچاس تم دیدو تو برابر کے شریک ہوجاؤ یا اُس میں تولیہ یا مرابحہ کرے یہ سب تصرفات ناجائز۔ اگر خود مسلم الیہ کے ساتھ یہ عقود کیے مثلاً اُس کے ہاتھ انہیں داموں میں یا زیادہ داموں میں بیع کرڈالی یا اُسے شریک کرلیا یہ بھی ناجائز ہے۔ اگر رب السلم نے مسلم فیہ اُس کو ہبہ کردیا اور اُس نے قبول بھی کرلیا تو یہ اقالہ سلم قرار پائے گا اور حقیقۃً ہبہ نہ ہوگا اور راس المال واپس کرنا ہوگا۔ (درمختار)

راس المال جو چیز قرار پائی ہے اُس کے عوض میں دوسری جنس کی چیز دینا جائز نہیں مثلاً روپے سے سلم ہوا اور اس کی جگہ اشرفی یا نوٹ دیا یہ ناجائز ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب بیوع)

مسلم فیہ کے بدلے میں دوسری چیز لینا دینا ناجائز ہے ہاں اگر مسلم الیہ نے مسلم فیہ اُس سے بہتر دیا جو ٹھہرا تھا تو رب السلم اُس کے قبول سے انکار نہیں کرسکتا اور اُس سے گھٹیا پیش کرتا ہے تو انکار کرسکتا ہے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب بیوع)

بیع سلم کی شرائط کے خلاصہ کا بیان

(وَجُمْلَةُ الشُّرُوطِ جَمَعُوهَا فِي قَوْلِهِمْ إعْلَامُ رَأْسِ الْمَالِ وَتَعْجِيلُهُ وَإِعْلَامُ الْمُسْلَمِ فِيهِ وَتَأْجِيلُهُ وَبَيَانُ مَكَانِ الْإِيفَاءِ وَالْقُدْرَةُ عَلَى تَحْصِيلِهِ، فَإِنْ أَسْلَمَ مِائَتِي دِرْهَمٍ فِي كُرِّ حِنْطَةٍ مِائَةٌ مِنْهَا دَيْنٌ عَلَى الْمُسْلَمِ إلَيْهِ وَمِائَةٌ نَقْدٌ فَالسَّلَمُ فِي حِصَّةِ الدَّيْنِ بَاطِلٌ لِفَوَاتِ الْقَبْضِ وَيَجُوزُ فِي حِصَّةِ النَّقْدِ) لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِهِ وَلَا يَشِيعُ الْفَسَادُ لِأَنَّ الْفَسَادَ طَارِئٌ، إذْ السَّلَمُ وَقَعَ صَحِيحًا، وَلِهَذَا لَوْ نَقَدَ رَأْسَ الْمَالِ قَبْلَ الِافْتِرَاقِ صَحَّ إلَّا أَنَّهُ يَبْطُلُ بِالِافْتِرَاقِ لِمَا بَيَّنَّا، وَهَذَا لِأَنَّ الدَّيْنَ لَا يَتَعَيَّنُ فِي الْبَيْعِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُمَا لَوْ تَبَايَعَا عَيْنًا بِدَيْنٍ ثُمَّ تَصَادَقَا أَنْ لَا دَيْنَ لَا يَبْطُلُ الْبَيْعُ فَيَنْعَقِدُ صَحِيحًا .

ترجمہ

اور مشائخ فقہاء نے بیع سلم کی جملہ شرائط کو اس عبارت میں جمع کردیا ہے۔ رأس المال سے خبردار کرنا، اس کو فوری طور پر ادا کرنا، مسلم فیہ کو معین کرنا، اس کو ادھار دینا، ادائیگی کی جگہ کو بیان کرنا، اور حصول کی قدرت کو بیان کردینا ہے۔

جب کسی نے دو سو دراہم کی گندم کی ایک بوری میں عقد سلم کیا جن میں سے ایک سو دراہم مسلم الیہ کے ذمہ پر قرض ہیں اور سو دراہم نقد ہیں تو قرض والے حصے میں عقد باطل ہوجائے گا۔ کیونکہ قبضہ نہیں ہے اور نقد والے میں عقد صحیح ہے کیونکہ اس میں عقد کی جملہ شرائط پائی جارہی ہیں۔ اور اس سے کوئی فساد بھی پھیلنے والا بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ طاری ہے اور اس لئے بھی سلم کا عقد صحیح ہو کر واقع ہوا ہے۔ کیونکہ رب سلم نے الگ ہونے سے پہلے رأس المال نقد طور پر دے دیا ہے تو عقد صحیح ہوجائے گا۔ ہاں البتہ جدائی کے

سبب عقد باطل ہو جائے گا اسی دلیل کے سبب جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ بیع میں دین معین نہیں ہوا کرتا کیا آپ نہیں جانتے کہ جب عاقدین نے عین کو دین کے بدلے میں بیچ دیا اور اسکے بعد دونوں نے اتفاق کر لیا ہے کہ دین نہ تھا تو بیع باطل نہ ہوگی اور انعقاد صحیح ہو جائے گا۔

شرح

بیع سلم کے صحیح ہونے کی وہ شرطیں سات ہیں جن کا عقد میں ذکر کیا جانا (یہ تعداد اجمالی ہے ورنہ پہلی چار شرطیں راس المال (ثمن) اور مسلم فیہ (مبیع) دونوں میں پائی جاتی ہیں تو اس طرح تفصیلاً یہ چار کے بجائے آٹھ ہوئیں، بحر) (۱) مسلم فیہ کی جنس کا بیان جیسے گندم یا کھجور (۲) نوع کا بیان جیسے نہری پانی سے اس کو سیراب کیا گیا ہے یا بارش کے پانی سے سیراب ہوئی ہے اور اس میں خلاصہ سے منقول ہے کہ جسمیں کوئی نوع نہ ہو اس میں نوع کا بیان شرط نہیں اور اس میں معراج سے منقول ہے کہ راس المال میں نوع کا بیان کرنا شرط ہے جبکہ شہر میں مختلف نقود رائج ہوں ورنہ نہیں۔ (۳) مسلم فیہ کی صفت کا بیان جیسے عمدہ یا ناقص (۴) مسلم فیہ کی مقدار کا بیان جیسے کیل کے اعتبار سے اتنی (۵) مدت کا بیان اور سلم میں کم از کم مدت ایک ماہ ہے اسی پر فتوی ہے۔ (۶) راس المال کی مقدار کا بیان اگر عقد کا تعلق راس المال کی مقدار سے ہو بایں طور کہ مسلم فیہ کے اجزاء راس المال کے اجزاء پر منقسم ہوتے ہوں (فتح) اس تقسیم کی صورت یہ ہے کہ نصف مسلم فیہ نصف راس المال کے بدلے میں اور چوتھائی چوتھائی کے بدلے میں ہو اسی طرح یہ سلسلہ چلتا جائے اور یہ صورت صرف مثلی چیزوں میں متحقق ہو سکتی ہے، (۷) اس جگہ کا بیان جہاں مسلم فیہ پہنچانا منظور ہے جبکہ مسلم فیہ میں بار برداری اور مشقت ہے، کسی شہر سے پہنچانے کی شرط لگائی تو اس شہر کے تمام محلے اس مسئلہ میں برابر ہیں اگر کسی محلہ میں بائع نے مسلم فیہ کو پہنچا دیا تو بری الذمہ ہو گیا مشتری کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے محلہ میں پہنچانے کا مطالبہ کرے (بزازیہ) اور اگر کوئی مکان معین کر دیا تو وہی معین ہوگا اصح مذہب پر (فتح) اور باقی رہا شرطوں میں سے راس المال پر قبضہ کرنا اگرچہ راس المال معین ہو، اور یہ قبضہ عاقدین کے بدنی طور پر جدا ہونے سے قبل شرط ہے اگرچہ وہ دونوں مجلس میں سو گئے ہوں یا ایک فرسخ یا اس سے کچھ زیادہ اکٹھے چلتے گئے ہوں (اس کے بعد قبضہ کیا ہو) اور اگر رب السلم (مشتری) درہم لینے گھر میں اس طرح داخل ہوا کہ مسلم الیہ (بائع) کی نظر سے اوجھل ہو گیا تو عقد باطل ہو گیا اور اگر وہ نظر آتا رہا تو عقد باطل نہیں ہوا اور راس المال پر مجلس میں قبضہ کرنا عقد سلم کے صحت پر باقی رہنے کی شرط ہے نہ کہ وصف صحت پر اس کے منعقد ہونے کی شرط ہے، تو بیع کا انعقاد صحیح ہو جائے گا پھر راس المال پر قبضہ کیے بغیر دونوں کے جدا ہونے سے باطل ہو جائے گی۔ (درمختار شرح تنویر الابصار)

قبضہ سے پہلے راس المال میں عدم تصرف کا بیان

قَالَ (وَلَا يَجُوزُ التَّصَرُّفُ فِي رَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ قَبْلَ الْقَبْضِ) أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِمَا فِيهِ مِنْ تَفْوِيتِ الْقَبْضِ الْمُسْتَحَقِّ بِالْعَقْدِ .

وَأَمَّا الثَّانِي فَلِأَنَّ الْمُسْلَمَ فِيهِ مَبِيعٌ وَالتَّصَرُّفُ فِي الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ لَا يَجُوزُ (وَلَا تَجُوزُ الشَّرِكَةُ وَالتَّوْلِيَةُ فِي الْمُسْلَمِ فِيهِ) لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِيهِ

ترجمہ

فرمایا: قبضہ کرنے سے پہلے بیع سلم کے رأس المال اور مسلم فیہ میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور رأس المال کا تصرف اس وجہ سے منع ہے کہ اس قبضہ کو فوت کرتا ہے جو عقد کے سبب واجب ہوا ہے اور مسلم فیہ میں تصرف اس سبب سے منع ہے کہ عقد میں مسلم فیہ مبیع ہوا کرتی ہے اور قبضہ سے پہلے مبیع میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے اور مسلم فیہ شرکت وتولیہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مسلم فیہ میں تصرف کرانا ہیں۔

شرح

مسلم الیہ راس المال میں قبضہ کرنے سے پہلے کوئی تصرف نہیں کرسکتا اور رب السلم مسلم فیہ میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتا۔ مثلاً اُسے بیع کردے یا کسی سے کہے فلاں سے میں نے اتنے من گیہوں میں سلم کیا ہے وہ تمہارے ہاتھ بیچے۔ نہ اس میں کسی کو شریک کرسکتا ہے کہ کسی سے کہے سو روپے سے میں نے سلم کیا ہے اگر پچاس تم دیدو تو برابر کے شریک ہو جاؤ یا اُس میں تولیہ یا مرابحہ کرے یہ سب تصرفات ناجائز۔ اگر خود مسلم الیہ کے ساتھ یہ عقود کیے مثلاً اُس کے ہاتھ انھیں داموں میں یا زیادہ داموں میں بیع کرڈالی یا اُسے شریک کرلیا یہ بھی ناجائز ہے۔ اگر رب السلم نے مسلم فیہ اُس کو ہبہ کردیا اور اُس نے قبول بھی کرلیا تو یہ اقالہ سلم قرار پائے گا اور حقیقۃً ہبہ نہ ہوگا اور راس المال واپس کرنا ہوگا۔ (درمختار، کتاب بیوع)

بائع کا فروخت شدہ چیز کی حوالگی میں ناکام رہنا

جب فروخت کنندہ فروخت شدہ چیز خریدار کے حوالہ کرنے میں ناکام رہے تو اسے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا۔ یا تو وہ انتظار کرے یہاں تک کہ فروخت کنندہ فروخت شدہ چیز کو اس کے حوالہ کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اور یا اپنا پیسہ بغیر کسی کی بیشی کے واپس لے لے۔ حضرت علی نے فرمایا "جس شخص نے خوردنی شے میں ایک مقررہ مدت تک حوالگی شرط پر سودا کیا اور رقم ادا کردی لیکن اسے وہ شے اس شخص کے پاس نہ ملی اور اس شخص نے یہ پیشکش کی کہ کوئی اور خوردنی شے آج کے بھاؤ پر لے لو تو اس کے لیے سوائے اس پہلی خوردنی شے کے اور کوئی چیز لینا درست نہیں ہوگا اور یا پھر وہ اپنی دی ہوئی قیمت واپس لے لے۔ اس کے لیے اس مقررہ نوعیت کے طعام کے سوا اور نوعیت کا طعام لینا درست نہیں ہے۔

(مسند زید جلد سوم۔ ص۔ ۲۱۴ بحوالہ فقہ حضرت علی۔ ص ۱۷۷)

بیع سلم میں اقالہ کرنے کا بیان

(فَإِنْ تَقَايَلَا السَّلَمَ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ مِنَ الْمُسْلَمِ إِلَيْهِ بِرَأْسِ الْمَالِ شَيْئًا حَتَّى

يَقْبِضَهُ كُلَّهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "(لَا تَأْخُذْ إِلَّا سَلَمَكَ أَوْ رَأْسَ مَالِكَ) أَيْ عِنْدَ الْفَسْخِ، وَلِأَنَّهُ أَخَذَ شَبَهًا بِالْمَبِيعِ فَلَا يَحِلُّ التَّصَرُّفُ فِيهِ قَبْلَ قَبْضِهِ، وَهَذَا لِأَنَّ الْإِقَالَةَ بَيْعٌ جَدِيدٌ فِي حَقِّ ثَالِثٍ، وَلَا يُمْكِنُ جَعْلُ الْمُسْلَمِ فِيهِ مَبِيعًا لِسُقُوطِهِ فَجَعَلَ رَأْسَ الْمَالِ مَبِيعًا لِأَنَّهُ دَيْنٌ مِثْلُهُ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ قَبْضُهُ فِي الْمَجْلِسِ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي حُكْمِ الِابْتِدَاءِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ، وَفِيهِ خِلَافُ زُفَرَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَاهُ.

ترجمہ

اور جب عقد کرنے والوں نے بیع سلم کا اقالہ کیا تو اب رب سلم والے کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ رأس المال کے بدلے مسلم الیہ سے کوئی چیز خرید لے۔حتیٰ کہ رأس المال پر قبضہ کر لے۔کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے رأس المال یا اپنے سلم کے سوا کچھ مت لے یعنی کہ فسخ ہوتے وقت اور اس یہ بھی دلیل ہے کہ رأس المال نے مبیع کے ساتھ مشابہت اختیار کی ہوئی ہے پس قبضہ کرنے سے قبل اس میں تصرف جائز نہیں ہے۔اور یہ اس سبب سے ہے کہ اقالہ تیسرے شخص کے حق میں ایک نئی بیع ہے اور مسلم فیہ کے ساقط ہونے کے سبب اس کو مبیع بنانا ممکن نہیں ہے کیونکہ مبیع رأس المال کو قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ مسلم فیہ کی طرح دین ہے ہاں مجلس میں اس پہ قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ کلی طور پر ابتداء کے حکم میں نہیں ہے اور اس میں زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے اور ان کے خلاف ہماری بیان کردہ دلیل بطور حجت ہے۔

اقالہ کرنے کے شرعی ماخذ کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمان کی بیع کو واپس کریگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دے گا (سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ)

اور شرح السنۃ میں یہ روایت ان الفاظ میں ذکر کی گئی ہے جو مصابیح میں شریح شامی سے بطریق ارسال اقالہ جائز ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 106)

اقالہ کا مطلب ہے بیع کو واپس کر دینا یعنی فسخ کر دینا شرح السنہ میں لکھا ہے کہ بیع اور سلم میں قبل قبضہ بھی اور بعد قبضہ بھی اقالہ جائز ہے۔

اس روایت کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے متصل نقل کیا ہے اسی طرح حاکم نے بھی اس روایت کو حضرت ابوہریرہ سے متصل ہی نقل کیا ہے لیکن مصابیح میں یہ روای بطریق ارسال ان الفاظ میں منقول ہے حدیث (من اقال اخاه المسلم صفقة كرهها اقال الله عثرته يوم القيامة) جو شخص مسلمان کی کسی ناپسندیدہ بیع کو واپس کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ بخش دے گا

علامہ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سلم میں اقالہ درست ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پورے سلم میں اقالہ کیا جائے اور

یوں بھی ہوسکتا ہے کہ اُس کے کسی جز میں اقالہ کریں اگر پورے سلم میں اقالہ کیا میعاد پوری ہونے سے قبل یا بعد راس المال مسلم الیہ کے پاس موجود ہو یا نہ ہو بہر حال اقالہ درست ہے اگر راس المال ایسی چیز ہو جو معین کرنے سے معین ہوتی ہے مثلاً گائے، بیل یا کپڑا وغیرہ اور یہ چیز بعینہٖ مسلم الیہ کے پاس موجود ہے تو بعینہٖ اسی کو واپس کرنا ہوگا اور موجود نہ ہو تو اگر مثلی ہے اُس کی مثل دینی ہوگی اور قیمی ہو تو قیمت دینی پڑے گی اور اگر راس المال ایسی چیز نہ ہو جو معین کرنے سے معین ہو مثلاً روپیہ اشرفی تو چاہے موجود ہو یا نہ ہو اُس کی مثل دینا جائز ہے بعینہٖ اُسی کا دینا ضرور نہیں۔ رب السلم نے مسلم فیہ پر قبضہ کرلیا ہے اس کے بعد اقالہ کرنا چاہتے ہیں اگر مسلم فیہ بعینہٖ موجود ہے اقالہ ہوسکتا ہے اور بعینہٖ اُسی چیز کو واپس دینا ہوگا اور اگر مسلم فیہ باقی نہیں تو اقالہ درست نہیں۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع، کتاب بیوع)

بیع سلم میں اقالہ سے متعلق بعض فقہی تصریحات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کچھ قباحت نہیں اگر ایک مرد دوسرے مرد سے سلف کرے اناج میں جب اس کا وصف بیان کردے نرخ مقرر کر کے میعاد معین پر جب وہ سلم کسی ایسے کھیت میں نہ ہو جس کی بہتری کا حال معلوم نہ ہو یا ایسی کھجور میں نہ ہو جس کی بہتری کا حال معلوم نہ ہو۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ حکم ہے جو شخص سلف کرے اناج میں نرخ مقرر کر کے مدت معین پر تو جب مدت گزرے اور خریدار بائع کے پاس وہ اناج نہ پائے اور سلف کو فسخ کرے تو خریدار کو چاہیے اپنی چاندی یا سونا جو یا قیمت دی ہوئی بعینہ پھیر لے یہ نہ کرے کہ اس کے بدلے میں دوسری شئی بائع سے خرید لے جب تک اپنے ثمن پر قبضہ نہ کرلے کیونکہ اگر خریدار نے جو قیمت دی ہے اس کے سوا کچھ لے آیا اس کے بدلے میں دوسرا اسباب خرید لے تو اس نے اناج کو قبل قبضہ کے بیچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر مشتری نے بائع سے کہا سلف کو فسخ کر ڈال اور ثمن واپس کرنے کے لیے میں تجھ کو مہلت دیتا ہوں تو یہ جائز نہیں اور اہل علم اس کو منع کرتے ہیں کیونکہ جب میعاد گزر گئی اور اناج بائع کے ذمہ واجب ہوا اب مشتری نے اپنے حق وصول کرنے میں دیر کی اس شرط سے کہ بائع سلم کو فسخ کر ڈالے تو گویا مشتری نے اپنے اناج کو ایک مدت پر بیچا قبل قبضے کے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کی مثال یہ ہے کہ جب مدت پوری ہوئی اور خریدار نے اناج لینا پسند نہ کیا تو اس اناج کے بدلے میں کچھ روپے ٹھہرا لیے ایک مدت پر تو یہ اقالہ نہیں ہے اقالہ وہ ہے جس میں کمی بیشی بائع یا مشتری کی طرف سے نہ ہو اگر اس میں کمی بیشی ہوگی یا کوئی میعاد بڑھ جائے گی یا کچھ فائدہ مقرر ہوگا بائع کا یا مشتری کا تو وہ اقالہ بیع سمجھا جائے گا اور اقالہ اور شرکت اور تولیہ جب تک درست ہیں کہ کمی بیشی یا میعاد نہ ہو اگر یہ چیزیں ہوں گی تو وہ نئی بیع سمجھیں گے۔ جن وجوہ سے بیع درست ہوتی ہے یہ بھی درست ہوں گی اور جن وجوہ سے بیع نادرست ہوتی ہے یہ بھی نادرست ہوگی۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص سلف میں عمدہ گیہوں ٹھہرائے پھر میعاد گزرنے کے بعد اس سے بہتر یا ری لے لے تو کچھ قباحت نہیں بشرطیکہ وزن وہی ہو جو ٹھہرا ہو یہی حکم انگور اور کھجور میں ہے۔

(مؤطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1237)

مسلم فیہ کی ادائیگی کی میعاد آنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ أَسْلَمَ فِي كُرِّ حِنْطَةٍ فَلَمَّا حَلَّ الْأَجَلُ اشْتَرَى الْمُسْلَمُ إلَيْهِ مِنْ رَجُلٍ كُرًّا وَأَمَرَ رَبَّ السَّلَمِ بِقَبْضِهِ قَضَاءً لَمْ يَكُنْ قَضَاءً ، وَإِنْ أَمَرَهُ أَنْ يَقْبِضَهُ لَهُ ثُمَّ يَقْبِضَهُ لِنَفْسِهِ فَاكْتَالَهُ لَهُ ثُمَّ اكْتَالَهُ لِنَفْسِهِ جَازَ) لِأَنَّهُ اجْتَمَعَتْ الصَّفْقَتَانِ بِشَرْطِ الْكَيْلِ فَلَا بُدَّ مِنْ الْكَيْلِ مَرَّتَيْنِ لِنَهْيِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَنْ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتَّى يَجْرِيَ فِيهِ صَاعَانِ، وَهَذَا هُوَ مَحْمَلُ الْحَدِيثِ عَلَى مَا مَرَّ وَالسَّلَمُ وَإِنْ كَانَ سَابِقًا لَكِنْ قَبْضُ الْمُسْلَمِ فِيهِ لَاحِقٌ وَأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ ابْتِدَاءِ الْبَيْعِ لِأَنَّ الْعَيْنَ غَيْرُ الدَّيْنِ حَقِيقَةً .

وَإِنْ جُعِلَ عَيْنَهُ فِي حَقِّ حُكْمٍ خَاصٍّ وَهُوَ حُرْمَةُ الِاسْتِبْدَالِ فَيَتَحَقَّقُ الْبَيْعُ بَعْدَ الشِّرَاءِ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ سَلَمًا وَكَانَ قَرْضًا فَأَمَرَهُ بِقَبْضِ الْكُرِّ جَازَ لِأَنَّ الْقَرْضَ إعَارَةٌ وَلِهَذَا يَنْعَقِدُ بِلَفْظِ الْإِعَارَةِ فَكَانَ الْمَرْدُودُ عَيْنَ الْمَأْخُوذِ مُطْلَقًا حُكْمًا فَلَا تَجْتَمِعُ الصَّفْقَتَانِ .

ترجمہ

اور جس شخص نے ایک بوری گندم میں بیع سلم کا عقد کیا اور اس کے بعد جب مسلم فیہ کی ادائیگی کی میعاد آگئی تو مسلم الیہ نے کسی شخص سے ایک بوری گندم خریدی اور رب سلم کو قبضہ کرنے کیلئے اس کا حکم دیا تو یہ ادا نہ ہوگا اور جب اس نے یہ حکم دیا ہے کہ پہلے مسلم الیہ قبضہ کرے اس کے بعد وہ اپنے قبضہ میں لے گا کیونکہ رب سلم نے اس کو مسلم الیہ کیلئے تولا ہے اور پھر اس نے اپنے لیے کیل کیا ہے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ کیل کی شرط کے سبب دو صفقے جمع ہو گئے ہیں کیونکہ دو بار کیل کرنا لازم تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اناج کی بیع سے منع کیا ہے حتیٰ کہ اس میں دو صاع جاری ہو جائیں اور حدیث کا محمل بھی یہی ہے جس طرح بیان گزر چکا ہے۔

اور بیع سلم سابق ہے مگر مسلم پر قبضہ بعد میں ہوا ہے پس یہ بیع کی ابتداء کے درجے میں ہوگی کیونکہ یہ دین کے عین کے خلاف ہے خواہ ایک حکم خاص یعنی استبدال کے حرام ہونے میں عین کو قرض قرار دیا گیا ہ پس خریدنے کے بعد بیچنا ثابت ہو جائے گا اور جب وہ سلم نہ ہو بلکہ قرض ہو اور اس کے بعد قرض والے نے گندم کی بوری خرید کر قبضہ کرنے کا حکم دیا ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ قرض اعارہ ہے پس اسی سبب سے اعارہ کے لفظ سے قرض کا انعقاد ہو جاتا ہے۔ پس وہ واپس کیا گیا ہے وہ حکم شرعی کے مطابق وہی ہے

جس کو دیا گیا تھا پس اس میں دو صفقات (بیع کے دو معاملات) جمع نہ ہوں گے۔

شرح

زید نے عمرو سے ایک من گیہوں میں سلم کیا تھا جب میعاد پوری ہوئی عمرو نے کسی سے ایک من گیہوں خریدے تا کہ زید کو دیدے اور زید سے کہہ دیا کہ تم اُس سے جا کر لے لو زید نے اُس سے لے لیے تو زید کا مالکانہ قبضہ نہیں ہوا اور اگر عمرو یہ کہے کہ تم میرے نائب ہو کر وصول کرو پھر اپنے لیے قبضہ کرو اور زید ایک مرتبہ عمرو کے لیے اُن کو تولے پھر دوبارہ اپنے لیے تولے اب سلم کی وصولی ہوگی اور اگر عمرو نے خریدا نہیں بلکہ قرض لیا ہے اور زید سے کہہ دیا جا کر اس سے سلم کے گیہوں لے لو تو اس کا لینا صحیح ہے یعنی قبضہ ہو جائے گا۔

قبضہ سے پہلے اناج بیچنے کی ممانعت میں فقہی تصریحات

سعید بن المسیب سے محمد بن عبداللہ بن ابو مریم نے پوچھا میں غلہ خرید کرتا ہوں جار کا تو کبھی میں ایک دینار اور نصف درہم کو خرید کرتا ہوں کیا نصف درہم کے بدلے اناج دے دوں سعید نے کہا نہیں بلکہ ایک درہم دے دے اور جس قدر باقی رہے اس کے بدلے میں بھی اناج لے لے۔ محمد بن سیرین کہتے تھے مت بیچو دانوں کو بالی کے اندر جب تک پک نہ جائے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اناج خریدے نرخ مقرر کر کے میعاد معین پر جب میعاد پوری ہو تو جس کے ذمہ اناج واجب ہے (مسلم الیہ) وہ کہے میرے پاس اناج نہیں ہے جو اناج میرے ذمہ ہے وہ میرے ہی ہاتھ بیچ ڈال اتنی میعاد پر وہ شخص (رب السلم) کہے یہ جائز نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے اناج بیچنے کو جب تک قبضے میں نہ آئے جس کے ذمہ پر اناج ہے وہ کہے اچھا تو کوئی اور اناج میرے ہاتھ بیچ ڈال میعاد پر تا کہ میں اسی اناج کو تیرے حوالے کر دوں۔ تو یہ درست نہیں کیونکہ وہ شخص اناج دے کر پھیر لے گا اور بائع مشتری کو جو قیمت دے گا وہ گویا مشتری کی ہوگی جو اس نے بائع کو دی اور یہ اناج درمیان میں حلال کرنے والا ہوگا تو گویا اناج کی بیع ہوگی قبل قبضے کے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ اس واسطے کہ اہل علم نے ان چیزوں میں رواج اور دستور کا اعتبار رکھا ہے اور ان کو مثل بیع کے نہیں سمجھا اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ناقص کم وزن روپے دیئے پھر مسلم الیہ نے اس کو پورے وزن کے روپے ادا کر دیئے تو یہ درست ہے مگر ناقص روپوں کی بیع پورے وزن کے روپوں کے بدلے میں درست نہیں اگر اس شخص نے سلم کرتے وقت ناقص کم وزن روپے دے کر پورے روپے لینے کی شرط کی تھی تو درست نہ ہوگا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اسکی نظیر یہ بھی کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع کیا اور عرایا کی اجازت دی وجہ یہ ہے کہ مزابنہ کا معاملہ رجارت اور ہوشیاری کے طور پر ہوتا ہے اور عرایا بطور احسان اور سلوک کے ہوتا ہے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ درست نہیں کہ ربع یا ثلث درہم یا اور کسی کسر کے بدلے میں اناج خریدے اس شرط پر کہ اس ربع یا ثلث یا کسر کے عوض میں اناج دے گا وعدے پر البتہ اس میں کچھ قباحت نہیں کہ ربع یا ثلث درہم یا کسی کسر

کے بدلے میں اناج خریدے وعدے پر جب وعدہ گزرے تو ایک درہم حوالے کردے اور باقی کے بدلے میں کوئی اور چیز خرید کرلے۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مجھے پہنچا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا ہمارے بازار میں کوئی احتکار نہ کرے جن لوگوں کو ہاتھ میں حاجت سے زیادہ روپیہ ہے وہ کسی ایک غلہ کو جو ہمارے ملک میں آئے خرید کر احتکار نہ کریں اور جو شخص تکلیف اٹھا کر ہمارے ملک میں غلہ لائے گرمی یا جاڑے میں تو وہ مہمان ہے عمر کا جس طرح اللہ کو منظور ہو بیچے اور جس طرح اللہ کو منظور ہو رکھ چھوڑے۔ (موطا امام مالک: جلد اول: حدیث نمبر 1240)

رب سلم کے غائب پر عدم ادائے وجوب کا بیان

قَالَ (وَمَنْ أَسْلَمَ فِي كُرٍّ فَأَمَرَ رَبُّ السَّلَمِ أَنْ يَكِيلَهُ الْمُسْلَمُ إلَيْهِ فِي غَرَائِرِ رَبِّ السَّلَمِ فَفَعَلَ وَهُوَ غَائِبٌ لَمْ يَكُنْ قَضَاءً) لِأَنَّ الْأَمْرَ بِالْكَيْلِ لَمْ يَصِحَّ لِأَنَّهُ لَمْ يُصَادِفْ مِلْكَ الْآمِرِ، (لِأَنَّ) حَقَّهُ فِي الدَّيْنِ دُونَ الْعَيْنِ فَصَارَ الْمُسْلَمُ إلَيْهِ مُسْتَعِيرًا لِلْغَرَائِرِ مِنْهُ وَقَدْ جَعَلَ مِلْكَ نَفْسِهِ فِيهَا فَصَارَ كَمَا لَوْ كَانَ عَلَيْهِ دَرَاهِمُ دَيْنٍ فَدَفَعَ إلَيْهِ كِيسًا لِيَزِنَهَا الْمَدْيُونُ فِيهِ لَمْ يَصِرْ قَابِضًا .

ترجمہ

فرمایا: جب کسی شخص نے ایک بوری گندم میں بیع سلم کی اس کے بعد رب سلم نے مسلم الیہ کو حکم دیا کہ وہ مسلم فیہ کو رب سلم کی تھیلیوں میں ناپ کر دیدے۔ تو مسلم الیہ نے یہ کام اس حالت میں کیا کہ رب سلم غائب تھا تو اس کا یہ ادائیگی واجب نہ ہوگی کیونکہ اس طرح کیل کا حکم درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس کام نے آمر کی ملکیت نہ پایا اور آمر کا حق دین میں ہے عین میں نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح مسلم الیہ رب سلم سے تھیلیوں کو بطور ادھار لینے والا ہو جائے گا۔ حالانکہ ان تھیلیوں میں وہ اپنی ملکیت کو بھرنے والا ہے۔ پس یہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح جب اس پر دس دراہم قرض ہوں اور اس کے بعد قرض خواہ نے اس کو اپنی تھیلی دیدی۔ تاکہ مقروض ان دراہم مقروضہ کا اس میں وزن کرلے تو قرض خواہ اپنے قرض پر قبضہ کرنے والا نہ ہوگا۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ : رب السّلم نے مسلم الیہ سے کہا اسے اپنی بوریوں میں تول کر رکھ دو یا اپنے مکان میں تول کر علیحدہ کر کے رکھ دو اس سے رب السلم کا قبضہ نہیں ہوا یعنی جب کہ بوریوں میں رب السّلم کی عدم موجودگی میں بھرا ہو یا رب السلم نے اپنی بوریاں دیں اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ ان میں بھر دو اُس نے ناپ یا تول کر بھر دیا اب بھی رب السلم کا قبضہ نہیں ہوا کہ اگر ہلاک ہوگا تو مسلم الیہ کا ہلاک ہوگا رب السلم سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اور اگر اُس کی موجودگی میں بوریوں میں غلہ بھرا گیا تو چاہے

بوریاں اس کی ہوں یا مسلم الیہ کی رب السلم قابض ہو گیا۔اگر بوری میں رب السلم کا غلہ موجود ہو اور اُس میں سلم کا غلہ بھی مسلم الیہ نے ڈالدیا تو رب السلم کا قبضہ ہو گیا اور بیع مطلق میں اپنی بوریاں دیتا اور کہتا اس میں ناپ کر بھر دو اور وہ بھر دیتا تو اس کا قبضہ ہو جاتا اس کی موجودگی میں بھرتا یا عدم موجودگی میں۔اسی طرح اگر رب السلم نے مسلم الیہ سے کہا،اس کا آٹا پسوادے اُس نے پسوادیا تو آٹا مسلم الیہ کا ہے رب السلم کا نہیں اور بیع مطلق میں مشتری کا ہوتا۔اور اس نے کہا اسے پانی میں پھینک دے اُس نے پھینک دیا تو مسلم الیہ کا نقصان ہوا رب السلم سے تعلق نہیں اور بیع مطلق میں مشتری کا نقصان ہوتا۔(فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب بیوع)

بیع کے سبب مشتری کے عین کا مالک ہونے کا بیان

وَلَوْ كَانَتِ الْحِنْطَةُ مُشْتَرَاةً وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا صَارَ قَابِضًا لِأَنَّ الْأَمْرَ قَدْ صَحَّ حَيْثُ صَادَفَ مِلْكَهُ لِأَنَّهُ مَلَكَ الْعَيْنَ بِالْبَيْعِ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ أَمَرَهُ بِالطَّحْنِ كَانَ الطَّحِينُ فِي السَّلَمِ لِلْمُسْلَمِ إِلَيْهِ وَفِي الشِّرَاءِ لِلْمُشْتَرِي لِصِحَّةِ الْأَمْرِ، وَكَذَا إِذَا أَمَرَهُ أَنْ يَصُبَّهُ فِي الْبَحْرِ فِي السَّلَمِ يَهْلَكُ مِنْ مَالِ الْمُسْلَمِ إِلَيْهِ وَفِي الشِّرَاءِ مِنْ مَالِ الْمُشْتَرِي، وَيَتَقَرَّرُ الثَّمَنُ عَلَيْهِ لِمَا قُلْنَا، وَلِهَذَا يُكْتَفَى بِذَلِكَ الْكَيْلِ فِي الشِّرَاءِ فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّهُ نَائِبٌ عَنْهُ فِي الْكَيْلِ وَالْقَبْضِ بِالْوُقُوعِ فِي غَرَائِرِ الْمُشْتَرِي، وَلَوْ أَمَرَهُ فِي الشِّرَاءِ أَنْ يَكِيلَهُ فِي غَرَائِرِ الْبَائِعِ فَفَعَلَ لَمْ يَصِرْ قَابِضًا لِأَنَّهُ اسْتَعَارَ غَرَائِرَهُ وَلَمْ يَقْبِضْهَا فَلَا تَصِيرُ الْغَرَائِرُ فِي يَدِهِ، فَكَذَا مَا يَقَعُ فِيهَا، وَصَارَ كَمَا لَوْ أَمَرَهُ أَنْ يَكِيلَهُ وَيَعْزِلَهُ فِي نَاحِيَةٍ مِنْ بَيْتِ الْبَائِعِ لِأَنَّ الْبَيْتَ بِنَوَاحِيهِ فِي يَدِهِ فَلَمْ يَصِرِ الْمُشْتَرِي قَابِضًا .

ترجمہ

اور جب مشتری نے گندم کو خریدا اور مسئلہ کی صورت حال اسی حالت میں ہے تو مشتری قبضہ کرنے والا بن جائے گا کیونکہ اس طرح امر بہ کیل درست ہے۔اس لئے کہ مشتری نے ملکیت کو پالیا ہے اور اس لئے بھی مشتری بیع کے سبب عین کا مالک ہو جائے گا کیا آپ نہیں غور کرتے کہ جب اس نے گندم کو پینے کا حکم دیا ہے تو اب بیع سلم میں مسلم الیہ کا آٹا ہوگا اور خرید کرنے کی صورت میں مشتری کا ہوگا کیونکہ یہ امر درست ہے اور اسی طرح جب کسی مشتری نے بائع کو حکم دیا کہ اس مال کو سمندر میں پھینک دو تو بیع سلم کی صورت میں وہ مال مسلم الیہ کے مال سے ہلاک ہوگا جبکہ خریداری کی صورت میں وہ مال مشتری کے مال سے ہلاک ہوگا اور اس پر ثمن واجب ہوگی اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔لہذا اسی سبب سے خریداری میں اس کے تولنے پر اکتفاء کیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں کیل میں بائع مشتری کا نائب ہے اور مشتری کی تھیلیوں میں سے بھرنے کے سبب قبضہ بھی ہو چکا ہے۔

اور خریداری کی صورت میں جب مشتری نے بائع کو حکم دیا اور وہ بیع کو اپنی تھیلیوں سے ناپ لے تو اس نے اسی طرح کر دیا تو اب مشتری قبضہ کرنے والا نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں مشتری نے بائع کی تھیلیوں کو ادھار لیا ہے اور ان پر قبضہ نہیں کیا ہے پس تھیلیاں اس کے قبضہ میں نہ ہوں گی لہذا وہ چیز بھی اس کے قبضہ میں نہ ہوگی جو ان تھیلیوں میں ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس مشتری نے بائع کو حکم دیا ہے کہ گندم کو تول کر اپنے گھر کے کسی کارنر میں رکھ دے کیونکہ گھر اپنی اطراف سمیت بائع کے قبضہ میں ہے پس اس طرح مشتری قبضہ کرنے والا نہ ہوگا۔

شرح

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ مبیع میں بائع کے حکم کے سبب تبدیلی کرنے سے مسلم فیہ میں اسی چیز کا اعتبار ہوگا جو اس چیز میں تغیر کے بعد واقع ہوگی۔

اور جب تم نے دس روپے کے گیہوں لینے کا معاملہ کیا تھا وہ مدت گزر گئی بلکہ زیادہ ہوگئی مگر اس نے اب تک گیہوں نہیں دیئے نہ دینے کی امید ہے تو اب یہ کہنا جائز نہیں کہ اچھا تم گیہوں نہ دو بلکہ اس گیہوں کے بدلے اتنے چنے یا اتنے دھان یا اتنی فلاں چیز دے دو۔ گیہوں کے عوض کسی اور چیز کا لینا جائز نہیں یا تو اس کو کچھ مہلت دے دو اور بعد مہلت گیہوں لو۔ یا اپنا روپیہ واپس لے لو۔ اسی طرح اگر بیع سلم کو تم دونوں نے توڑ دیا کہ ہم وہ معاملہ توڑتے ہیں گیہوں نہ لیں گے روپیہ واپس دے دیا یا تم نے نہیں توڑا بلکہ وہ معاملہ خود ہی ٹوٹ گیا جیسے وہ چیز نایاب ہوگئی کہیں نہیں ملتی تو اس صورت میں تم کو صرف روپے لینے کا اختیار ہے اس روپے کے عوض اس سے کوئی اور چیز لینا درست نہیں۔ پہلے روپیہ لینے کے بعد اس سے جو چیز چاہو خرید و۔

اب ان چیزوں کا حکم سنو جو تول کر بکتی ہیں جیسے اناج گوشت لوہا تانبا ترکاری نمک وغیرہ اس قسم کی چیزوں میں سے اگر اک چیز کو اسی قسم کی چیز سے بیچنا اور بدلنا چاہو مثلا ایک گیہوں دے کر دوسرے گیہوں لیے یا ایک دھان دے کر دوسرے دھان لیے یا آٹے کے عوض آٹا یا اسی طرح کوئی اور چیز غرضیکہ دونوں طرف ایک ہی قسم کی چیز ہے تو اس میں بھی ان دونوں باتوں کا خیال رکھنا واجب ہے ایک تو یہ کہ دونوں طرف بالکل برابر ہو ذرا بھی کسی طرف کمی بیشی نہ ہو ورنہ سود ہو جائے گا۔ دوسری یہ کہ اسی وقت ہاتھ در ہاتھ دونوں طرف سے لین دین اور قبضہ ہو جائے۔ اگر قبضہ نہ ہو تو کم سے کم اتنا ضرور ہو کہ دونوں گیہوں الگ کر کے رکھ دیئے جائیں تم اپنے گیہوں تول کر الگ رکھ دو کہ دیکھو یہ رکھے ہیں جب تمہارا جی چاہے لے جانا۔ اسی طرح وہ بھی اپنے گیہوں تول کر الگ کر دے اور کہہ دے کہ یہ تمہارے الگ رکھے ہیں جب چاہو لے جانا۔ اگر یہ بھی نہ کیا اور ایک دوسرے سے الگ ہوگئی تو سود کا گناہ ہوا۔ مسئلہ۔ خراب گیہوں دے کر اچھے گیہوں لینا منظور ہے یا برا آٹا دے کر اچھا آٹا لینا ہے اس لیے اس کے برابر کوئی نہیں دیتا تو سود سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ اس گیہوں یا ٹے وغیرہ کو پیسوں سے بیچ دو کہ ہم نے اتنا آٹا دونے کو بیچا۔ پھر اسی دونے کے عوض اس سے وہ اچھے گیہوں یا آٹا لے لو یہ جائز ہے۔ اور اگر ایسی چیزوں میں جو تول کر بکتی ہیں ایک طرح کی چیز نہ ہو جیسے گیہوں دے کر دھان لیے یا جو۔ چنا۔ جوار۔ نمک۔ گوشت ہے۔

دین وعین کے اجتماع میں قبضہ ہوجانے کا بیان

وَلَوِ اجْتَمَعَ الدَّيْنُ وَالْعَيْنُ وَالْغَرَائِرُ لِلْمُشْتَرِي، إِنْ بَدَأَ بِالْعَيْنِ صَارَ قَابِضًا، أَمَّا الْعَيْنُ فَلِصِحَّةِ الْأَمْرِ فِيهِ، وَأَمَّا الدَّيْنُ فَلِاتِّصَالِهِ بِمِلْكِهِ وَبِمِثْلِهِ يَصِيرُ قَابِضًا، كَمَنِ اسْتَقْرَضَ حِنْطَةً وَأَمَرَهُ أَنْ يَزْرَعَهَا فِي أَرْضِهِ، وَكَمَنْ دَفَعَ إِلَى صَائِغٍ خَاتَمًا وَأَمَرَهُ أَنْ يَزِيدَهُ مِنْ عِنْدِهِ نِصْفَ دِينَارٍ، وَإِنْ بَدَأَ بِالدَّيْنِ لَمْ يَصِرْ قَابِضًا، أَمَّا الدَّيْنُ فَلِعَدَمِ صِحَّةِ الْأَمْرِ، وَأَمَّا الْعَيْنُ فَلِأَنَّهُ خَلَطَهُ بِمِلْكِهِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ فَصَارَ مُسْتَهْلِكًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فَيَنْتَقِضُ الْبَيْعُ، وَهَذَا الْخَلْطُ غَيْرُ مَرْضِيٍّ بِهِ مِنْ جِهَتِهِ لِجَوَازِ أَنْ يَكُونَ مُرَادُهُ الْبُدَاءَةَ بِالْعَيْنِ وَعِنْدَهُمَا هُوَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ نَقَضَ الْبَيْعَ وَإِنْ شَاءَ شَارَكَهُ فِي الْمَخْلُوطِ لِأَنَّ الْخَلْطَ لَيْسَ بِاسْتِهْلَاكٍ عِنْدَهُمَا .

ترجمہ

اور جب دین وعین میں اجتماع ہوگیا ہے اور وہ تھیلیاں مشتری کی ہیں اور جب عین مال سے شروع کیا ہے تو مشتری کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور یہ مال عین میں اس لئے ہوا ہے کہ اس میں امر بہ کیل درست ہے، جبکہ دین میں اس لئے ہے کہ وہ مشتری کی ملکیت کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور یہ اسی طرح ہے جس طرح اتصال کے سبب مشتری قبضہ کرنے والا ہو جاتا ہے۔ جس طرح کسی نے گندم کو قرض پر لیکر قرض خواہ کو حکم دیا کہ اس سے زمین میں بیجائی کرلے۔ اور جس طرح کسی سنارے نے انگوٹھی دی اور اسکو حکم دیا کہ وہ اپنی طرف سے اس میں نصف دینار کا اضافہ کردے۔

اور جب کسی بائع نے دین سے شروع کیا تو اب مشتری قبضہ کرنے والا نہ ہوگا۔ دین پر قبضہ نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں امر بہ کیل درست نہیں ہے اور مال عین میں قابض نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بائع نے سپرد کرنے سے پہلے ہی اس کو اپنی ملکیت کے ساتھ ملا دیا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ ہلاک ہو چکا ہے کیونکہ بیع ختم ہو چکی ہے اور اس طرح ملا لینا یہ مشتری کی جانب سے پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ مشتری کی مراد عین سے ابتداء کرنا ہو۔

صاحبین کے نزدیک مشتری کو اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو بیع کو ختم کردے اور اگر وہ چاہے تو ملی ہوئی بیع میں بائع کو شامل کرلے کیونکہ صاحبین کے نزدیک اتصال کرنا یہ ہلاک کرنے میں نہیں آتا۔

شرح

قال العلامة ابن الهمام الحنفی(وَلَوْ اجْتَمَعَ الدَّيْنُ وَالْعَيْنُ) بِأَنْ اشْتَرَى رَبُّ السَّلَمِ مِنْ الْمُسْلَمِ إلَيْهِ كُرًّا مُعَيَّنًا بَعْدَ حُلُولِ السَّلَمِ فَأَمَرَهُ أَنْ يَكِيلَ فِي غَرَائِرِ الْمُشْتَرِي كِلَيْهِمَا فَفَعَلَ بِغَيْبَتِهِ، إنْ بَدَأَ بِالْكُرِّ الْعَيْنِ ثُمَّ بِالْمُسْلَمِ فِيهِ صَارَ الْمُشْتَرِي قَابِضًا لَهُمَا (أَمَّا الْعَيْنُ فَلِصِحَّةِ الْأَمْرِ فِيهِ) لِأَنَّهُ لَاقَى مِلْكَهُ (وَأَمَّا الدَّيْنُ فَلِاتِّصَالِهِ بِمِلْكِهِ وَبِمِثْلِهِ يَصِيرُ قَابِضًا كَمَنْ اسْتَقْرَضَ حِنْطَةً) وَلَمْ يَقْبِضْهَا (ثُمَّ أَمَرَ) الْمُقْرِضَ (أَنْ يَزْرَعَهَا فِي أَرْضِ الْمُسْتَقْرِضِ، وَكَمَنْ دَفَعَ إلَى صَائِغٍ خَاتَمًا وَأَمَرَهُ أَنْ يَزِيدَ مِنْ عِنْدِهِ نِصْفَ دِينَارٍ) فَفَعَلَ بِغَيْبَتِهِ لَزِمَتْهُ الزِّيَادَةُ وَتَقَرَّرَ بَدَلُهَا عَلَيْهِ لِاتِّصَالِ مِلْكِهِ فِيهِمَا وَإِنْ بَدَأَ بِالدَّيْنِ) فَكَالَهُ فِي الْغَرَائِرِ (لَمْ يَصِرْ قَابِضًا، أَمَّا فِي الدَّيْنِ فَلِعَدَمِ صِحَّةِ الْأَمْرِ) لِمَا قُلْنَا (وَأَمَّا فِي (الْعَيْنِ فَلِأَنَّهُ يَخْلِطُ مَالَ الْمُشْتَرِي) بِجِنْسِهِ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ (يَصِيرُ مُسْتَهْلِكًا لَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَيَنْتَقِضُ الْبَيْعُ) بِهَلَاكِ الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ .لا يُقَال :هَذَا الْخَلْطُ لَيْسَ بِتَعَدٍّ لِيَكُونَ بِهِ مُسْتَهْلِكًا لِأَنَّهُ بِأَمْرِهِ.

أَجَابَ الْمُصَنِّفُ بِمَنْعِ إذْنِهِ فِيهِ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ لِجَوَازِ كَوْنِ مُرَادِهِ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ عَلَى وَجْهٍ يَصِحُّ وَهُوَ أَنْ يَبْدَأَ بِالْعَيْنِ (وَعِنْدَهُمَا) لَمَّا لَمْ يَكُنْ اسْتِهْلَاكًا يَصِيرُ الْمُشْتَرِي (بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ نَقَضَ الْبَيْعَ) لِعَيْبِ الشَّرِكَةِ (وَإِنْ شَاءَ شَارَكَهُ فِي الْمَخْلُوطِ) وَأَوْرَدَ أَنَّ صَبْغَ الصَّبَّاغِ يَتَّصِلُ بِالثَّوْبِ وَلَا يَصِيرُ مَالِكُهُ قَابِضًا بِهِ.

أُجِيبَ بِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ ثَمَّةَ الْفِعْلُ لَا الْعَيْنُ، وَالْفِعْلُ لَا يُجَاوِزُ الْفَاعِلَ لِأَنَّهُ عَرَضٌ لَا يَقْبَلُ الِانْتِقَالَ .(فتح القدير من الكتاب البيوع)

ایک بوری گندم کے بدلے باندی خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ أَسْلَمَ جَارِيَةً فِي كُرِّ حِنْطَةٍ وَقَبَضَهَا الْمُسْلَمُ إلَيْهِ ثُمَّ تَقَايَلَا فَمَاتَتْ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي فَعَلَيْهِ قِيمَتُهَا يَوْمَ قَبْضِهَا، وَلَوْ تَقَايَلَا بَعْدَ هَلَاكِ الْجَارِيَةِ جَازَ) لِأَنَّ صِحَّةَ الْإِقَالَةِ تَعْتَمِدُ بَقَاءَ الْعَقْدِ وَذَلِكَ بِقِيَامِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ، وَفِي السَّلَمِ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ إنَّمَا هُوَ

الْمُسْلَمِ فِيهِ فَصَحَّتُ الْإِقَالَةُ حَالَ بَقَائِهِ، وَإِذَا جَازَ ابْتِدَاءً فَأَوْلَى أَنْ يَبْقَى انْتِهَاءً، لِأَنَّ الْبَقَاءَ أَسْهَلُ، وَإِذَا انْفَسَخَ الْعَقْدُ فِي الْمُسْلَمِ فِيهِ انْفَسَخَ فِي الْجَارِيَةِ تَبَعًا فَيَجِبُ عَلَيْهِ رَدُّهَا وَقَدْ عَجَزَ فَيَجِبُ عَلَيْهِ رَدُّ قِيمَتِهَا.

ترجمہ

فرمایا:اور جس شخص نے ایک بوری گندم کے بدلے میں ایک باندی میں بیع سلم کی اور مسلم الیہ نے اس پر قبضہ کرلیا اس کے بعد دونوں نے اقالہ کرلیا اس کے بعد وہ باندی مشتری کے قبضہ سے فوت ہوگئی تب بھی مسلم الیہ پر اس باندی کی قیمت واجب ہوگی جو اس کے قبضہ والے دن (قیمت) تھی۔اور باندی کے ہلاک ہوجانے کے بعد انہوں نے اقالہ کیا تو جائز ہے کیونکہ اقالہ کا درست ہونا یہ عقد کے باقی ہونے پر موقوف ہوا کرتا ہے۔عقد کی بقاء معقود علیہ کی موجودگی سے ہوا کرتی ہے (قاعدہ فقہیہ) اور سلم میں معقود علیہ مسلم فیہ ہوا کرتا ہے۔(قاعدہ فقہیہ) پس مسلم فیہ کی بقاء میں اقالہ درست ہوگا اور اقالہ جب ابتدائی طور پر جائز ہے تو انتہائی طور پر بھی بدرجہ والی درست ہوگا کیونکہ بقاء آسان ہے اور جب مسلم فیہ میں عقد ختم ہو چکا ہے تو باندی میں بھی عقد ختم ہوجائے گا پس مسل الیہ پر باندی کو واپس کرنا واجب ہوجائے گا ہاں البتہ جب وہ اس سے عاجز ہے تو اب اس پر اس کی قیمت کو لوٹانا واجب ہے۔

شرح

اگر مسلم فیہ استحقاق کے بعد نایاب ہوگئی تو رب السلم کو اختیار دیا جائے گا کہ یا تو اس کے دستیاب ہونے کا انتظار کرے یا عقد فسخ کرکے راس المال واپس لے لے،اور اس میں ہے قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فیہ تصرف جیسے بیع،شرکت،مرابحہ اور تولیہ جائز نہیں اگر چہ یہ تصرفات اسی شخص سے کئے جائیں جس پر راس المال یا مسلم فیہ ہے یہاں تک کہ اگر رب السلم نے مسلم الیہ کو مسلم فیہ ہبہ کردیا تو یہ اقالہ ہوگا جبکہ مسلم الیہ اسی کو قبول کرے اور صغریٰ میں ہے کہ بعض سلم کا اقالہ جائز ہے۔(درمختار،کتاب بیوع)

باندی کو خریدنے کے بعد اقالہ کرنے کا بیان

(وَلَوْ اشْتَرَى جَارِيَةً بِأَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَقَايَلَا فَمَاتَتْ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي بَطَلَتْ الْإِقَالَةُ، وَلَوْ تَقَايَلَا بَعْدَ مَوْتِهَا فَالْإِقَالَةُ بَاطِلَةٌ) لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ فِي الْبَيْعِ إنَّمَا هُوَ الْجَارِيَةُ فَلَا يَبْقَى الْعَقْدُ بَعْدَ هَلَاكِهَا فَلَا تَصِحُّ الْإِقَالَةُ ابْتِدَاءً وَلَا تَبْقَى انْتِهَاءً لِانْعِدَامِ مَحِلِّهِ، وَهَذَا بِخِلَافِ بَيْعِ الْمُقَايَضَةِ حَيْثُ تَصِحُّ الْإِقَالَةُ وَتَبْقَى بَعْدَ هَلَاكِ أَحَدِ الْعِوَضَيْنِ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَبِيعٌ فِيهِ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے ایک ہزار دراہم کے بدلے میں ایک باندی کو خریدا اس کے بعد عقد کرنے والوں نے اقالہ کرلیا اور پھر مشتری کے ہاتھ میں وہ باندی فوت ہوگئی تو اقالہ باطل ہو جائے گا۔اور جب باندی کے فوت ہو جانے کے بعد انہوں نے اقالہ کیا تو بھی اقالہ باطل ہو جائے گا کیونکہ بیع میں معقود علیہ باندی ہے پس اس کی ہلاکت کے بعد عقد باقی نہ رہے گا کیونکہ ابتداء میں اقالہ صحیح نہ ہوا لہذا اوہ انتہاء کے اعتبار سے بھی درست نہ ہوگا اس لئے کہ اس کا محل معدوم ہے اور یہ بیع مقایضہ کے خلاف ہے یہاں تک کہ اقالہ درست ہو کیونکہ وہ دونوں اعواض میں سے کسی ایک کی ہلاکت کے بعد بھی درست رہنے والا ہے کیونکہ بیع مقایضہ میں دونوں اعواض مبیع ہوا کرتے ہیں۔

شرح

کنیز وغیرہ کوئی اسی قسم کی چیز راس المال تھی اور مسلم الیہ نے اُس پر قبضہ بھی کرلیا پھر اقالہ ہوا اس کے بعد ابھی کنیز واپس نہیں ہوئی مسلم الیہ کے پاس مرگئی تو اقالہ صحیح ہے اور کنیز پر جس دن قبضہ کیا تھا اُس روز جو قیمت تھی وہ ادا کرے اور کنیز کے ہلاک ہونے کے بعد اقالہ کیا جب بھی اقالہ صحیح ہے کہ سلم میں مبیع مسلم فیہ ہے اور کنیز راس المال وثمن ہے نہ کہ مبیع۔

کم سے کم ایک ماہ کی میعاد مقرر کی جائے۔اگر رب السلم مرجائے جب بھی میعاد بدستور باقی رہے گی کہ میعاد پر اُس کے ورثہ کو مسلم فیہ ادا کریگا اور مسلم الیہ مرگیا تو میعاد باطل ہوگئی کہ فوراً اُس کے ترکہ سے وصول کریگا۔(خانیہ)

بیع مقائضہ کی تعریف کا بیان

بیع مقائضہ یہ ہے کہ خریدار اور تاجر ہر دو کی طرف سے قیمت اور مبیع کے طور پر سامان ہی ہو، سونا، چاندی، (جسے شریعت قیمت اور ثمن تصور کرتی ہے) یا رقم نہ ہو، مثلاً گیہوں کی بیع چاول کے بدلہ، بیع مقائضہ میں اصول یہ ہے کہ عربی زبان میں جس لفظ پر ب داخل ہوگی وہ ثمن سمجھی جائے گی، مثلاً بعت القلم بالثوب میں نے قلم کپڑے کے بدلہ فروخت کیا، یہاں ب چونکہ ثوب پر داخل ہے، اس لیے ثوب (کپڑا) ثمن قرار پائے گا۔

بیع سلم میں سے کسی کو دراہم دینے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ أَسْلَمَ إِلَى رَجُلٍ دَرَاهِمَ فِي كُرِّ حِنْطَةٍ فَقَالَ الْمُسْلَمُ إِلَيْهِ شَرَطْتُ رَدِيئًا وَقَالَ رَبُّ السَّلَمِ لَمْ تَشْتَرِطْ شَيْئًا فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُسْلَمِ إِلَيْهِ) لِأَنَّ رَبَّ السَّلَمِ مُتَعَنِّتٌ فِي إِنْكَارِهِ الصِّحَّةَ لِأَنَّ الْمُسْلَمَ فِيهِ يَرْبُو عَلَى رَأْسِ الْمَالِ فِي الْعَادَةِ، وَفِي عَكْسِهِ قَالُوا : يَجِبُ أَنْ يَكُونَ الْقَوْلُ لِرَبِّ السَّلَمِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ يَدَّعِي الصِّحَّةَ وَإِنْ كَانَ صَاحِبُهُ مُنْكِرًا .وَعِنْدَهُمَا الْقَوْلُ لِلْمُسْلَمِ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ وَإِنْ أَنْكَرَ الصِّحَّةَ،

وَسَنُقَرِّرُهُ مِنْ بَعْدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ .

ترجمہ

فرمایا: اور جس شخص نے بیع سلم کی ایک بوری گندم میں سے کسی کو دراہم دیئے پس مسلم الیہ نے کہا کہ میں نے تو ردی کی شرط لگائی تھی جبکہ رب سلم نے کہا کہ تم نے کوئی شرط نہ لگائی تھی تو مسلم الیہ کے قول کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ سلم کے صحیح ہونے کا انکار کرنے والا رب سلم ہے کیونکہ عرف میں مسلم فیہ راس المال سے زیادہ ہوا کرتی ہے۔

جبکہ مشائخ فقہاء نے اس کے خلاف کہا ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک رب سلم کے قول کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہ صحت کا دعویٰ کرنے والا ہے خواہ اس کا ساتھی انکار کرنے والا ہے اور صاحبین کے نزدیک مسلم الیہ کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ انکار کرنے والا ہے اور اس نے خواہ سلم کی صحت کا انکار کیا ہے۔ اور ان شاء اللہ اس کو ہم اس کے بعد بیان کر دیں گے۔

شرح

مسلم الیہ اور رب سلم میں میعاد کے اختلاف کا بیان

(وَلَوْ قَالَ الْمُسْلَمُ إلَيْهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَجَلٌ وَقَالَ رَبُّ السَّلَمِ بَلْ كَانَ لَهُ أَجَلٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُ رَبِّ السَّلَمِ) لِأَنَّ الْمُسْلَمَ إلَيْهِ مُتَعَنِّتٌ فِي إنْكَارِهِ حَقًّا لَهُ وَهُوَ الْأَجَلُ، وَالْفَسَادُ لِعَدَمِ الْأَجَلِ غَيْرُ مُتَيَقَّنٍ لِمَكَانِ الِاجْتِهَادِ فَلَا يُعْتَبَرُ النَّفْعُ فِي رَدِّ رَأْسِ الْمَالِ، بِخِلَافِ عَدَمِ الْوَصْفِ، وَفِي عَكْسِهِ الْقَوْلُ لِرَبِّ السَّلَمِ عِنْدَهُمَا لِأَنَّهُ يُنْكِرُ حَقًّا لَهُ عَلَيْهِ فَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلُهُ وَإِنْ أَنْكَرَ الصِّحَّةَ كَرَبِّ الْمَالِ إذَا قَالَ لِلْمُضَارِبِ شَرَطْتُ لَكَ نِصْفَ الرِّبْحِ إلَّا عَشَرَةً وَقَالَ الْمُضَارِبُ لَا بَلْ شَرَطْتَ لِي نِصْفَ الرِّبْحِ فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ لِأَنَّهُ يُنْكِرُ اسْتِحْقَاقَ الرِّبْحِ وَإِنْ أَنْكَرَ الصِّحَّةَ .

وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ الْقَوْلُ لِلْمُسْلَمِ إلَيْهِ لِأَنَّهُ يَدَّعِي الصِّحَّةَ وَقَدْ اتَّفَقَا عَلَى عَقْدٍ وَاحِدٍ فَكَانَا مُتَّفِقَيْنِ عَلَى الصِّحَّةِ ظَاهِرًا، بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ الْمُضَارَبَةِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِلَازِمٍ فَلَا يُعْتَبَرُ الِاخْتِلَافُ فِيهِ فَيَبْقَى مُجَرَّدُ دَعْوَى اسْتِحْقَاقِ الرِّبْحِ، أَمَّا السَّلَمُ فَلَازِمٌ فَصَارَ الْأَصْلُ أَنَّ مَنْ خَرَجَ كَلَامُهُ تَعَنُّتًا فَالْقَوْلُ لِصَاحِبِهِ بِالِاتِّفَاقِ، وَإِنْ خَرَجَ خُصُومَةً وَوَقَعَ الِاتِّفَاقُ عَلَى عَقْدٍ وَاحِدٍ فَالْقَوْلُ لِمُدَّعِي الصِّحَّةِ عِنْدَهُ، وَعِنْدَهُمَا لِلْمُنْكِرِ وَإِنْ أَنْكَرَ

الصِّحَّۃَ.

ترجمہ

اور جب مسلم الیہ نے کہا کہ ادائیگی کی کوئی میعاد نہ تھی جبکہ رب سلم نے کہا کہ میعاد تھی تو اب رب سلم کے قول کا اعتبار کرلیا جائے گا۔ کیونکہ مسلم الیہ اپنے حق یعنی میعاد کے انکار کرنے میں زیادتی کرنے والا ہے جبکہ میعاد نہ ہونے کی صورت یقینا فساد ہوگا کیونکہ اس میں اجتہاد ہے اس لئے کہ رأس المال واپس کرنے میں فائدے کا اعتبار نہیں ہے جبکہ معدوم وصف میں ایسا نہیں ہے۔

صاحبین کے نزدیک تو اس کے خلاف میں بھی رب سلم کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنے ذمہ سے ایک حق کے لزوم سے انکار کرنے والا ہے لہذا اسی کے قول کا اعتبار کیا جائے گا۔ ہاں البتہ جب وہ سلم کی صحت کا یہ انکار کرنے والا ہو۔ جس طرح رب المال نے مضارب سے کہا کہ میں دس دراہم کے سوا تیرے لئے آدھے فائدے کی شرط لگائی ہے جبکہ مضارب نے کہا کہ نہیں بلکہ تم نے آدھے نفع کی شرط لگائی ہے تو اب رب المال کے قول کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہی فائدے کے حق کا انکار کرنے والا ہے اگر چہ وہ مضاربت کے صحیح ہونے کا بھی انکار کرنے والا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسلم الیہ کے قول کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ وہ عقد کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرنے والا ہے اور وہ دونوں ایک ہی عقد پر اتفاق کرنے والے بھی ہیں۔ پس وہ دونوں ظاہر کے اعتبار سے بھی عقد کے صحیح ہونے پر اتفاق کرنے والے ہوں گے۔

ہاں البتہ مضاربت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ مضاربت لازم ہونے والی نہیں ہے۔ پس اس میں اختلاف کا اعتبار نہ کیا جائے گا پس صرف حق نفع کا دعویٰ باقی رہنے والا ہے لیکن عقد سلم تو وہ لازم ہے۔ پس اصول یہ ثابت ہوا کہ جس کے کلام میں زیادتی ہوئی اس کے ساتھی کے قول کا اعتبار بہ اتفاق کرلیا جائے گا اور اگر بات جھگڑے کی راہ سے نکلی اور ایک عقد پر اتفاق بھی ہو چکا تو امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک مدعی صحت کے قول کا اعتبار ہوگا جبکہ صاحبین کے نزدیک انکار کرنے والے قول کا اعتبار کیا جائے گا خواہ وہ صحت کا انکار کرنے والا ہی نہ ہو۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب رب السلم و مسلم الیہ میں اختلاف ہوا مسلم الیہ یہ کہتا ہے کہ خراب مال دینا قرار پایا تھا رب السلم یہ کہتا ہے یہ شرط تھی ہی نہیں نہ اچھے کی نہ بُرے کی یا ایک کہتا ہے ایک ماہ کی میعاد تھی دوسرا کہتا ہے کوئی میعاد ہی نہ تھی تو اُس کا قول معتبر ہوگا جو خراب ادا کرنے کی شرط یا میعاد ظاہر کرتا ہے جو منکر ہے اُس کا قول معتبر نہیں کہ یہ ایکدم اس ضمن میں سلم کو ہی اُڑا دینا چاہتا ہے اور اگر میعاد کی کمی بیشی میں اختلاف ہوا تو اُس کا قول معتبر ہوگا جو کم بتاتا ہے یعنی رب السلم کا کیونکہ یہ مدت کم بتائے گا تا کہ جلد مسلم فیہ کو وصول کرے اور اگر میعاد کے گزر جانے میں اختلاف ہوا ایک کہتا ہے گزر گئی دوسرا کہتا ہے باقی ہے تو اُس کا قول معتبر ہے جو کہتا ہے ابھی باقی ہے یعنی مسلم الیہ کا اور اگر دونوں گواہ پیش کریں تو گواہ بھی اسی کے معتبر ہیں۔ (درمختار، کتاب بیوع)

حضرت عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خریدار اور بیچنے والے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا اور خریدار کو بیع فسخ کر دینے یا باقی رکھنے کا اختیار حاصل ہوگا (ترمذی) ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب خریدار بیچنے والے کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے اور مبیع بیچی یا خریدی جانے والی چیز جوں کی توں باقی ہو اور ان دونوں کے درمیان کوئی گواہ نہ ہو تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا یا پھر وہ دونوں بیع کو فسخ کر دیں (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 105)

خریدار بیچنے والے کے درمیان بسا اوقات اختلاف ونزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے کبھی تو یہ اختلاف ونزاع قیمت کے تعین کے سلسلہ میں پیدا ہوتا ہے کہ خریدار کہتا ہے میں نے تم سے اس چیز کا معاملہ دس روپے میں طے کیا ہے اور بیچنے والا کہتا ہے کہ نہیں میں نے یہ چیز بارہ روپے میں فروخت کی ہے شرط خیار یا تعین مدت میں اختلاف ہو جاتا ہے اور کبھی ان کے علاوہ دیگر شروط میں نزاع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے ایسے ہی مواقع کے لئے حدیث نے واضح ہدایات کی ہے کہ ان صورتوں میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا بشرطیکہ اس کا قول قسم کے ساتھ ہو یعنی اس سے کہا جائیگا کہ تم قسم کھاؤ کہ تم نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں بیچی ہے جو خریدار بتا رہا ہے پھر خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو بیچنے والے کی اس بات پر راضی ہو جائے جو اس نے قسم کھا کر کہی ہے اور بیع کو برقرار رکھے اور چاہے وہ بھی قسم کھائے اور کہے کہ میں نے یہ چیز اس قیمت پر نہیں خریدی ہے جو بیچنے والا بتا رہا ہے اور جب دونوں اپنی اپنی بات پر قسم کھائیں گے تو ان کا معاملہ اسی صورت میں باقی رہے گا جب کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی بات کو تسلیم کرلے گا اگر ان میں سے کوئی بھی اپنے دوسرے فریق کی بات کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوگا تو پھر آخری درجہ پر قاضی وحاکم کو اختیار ہوگا کہ وہ اس بیع و معاملہ کو فسخ کرا دے خواہ بیع فروخت شدہ چیز بعینہ باقی ہو یا بعینہ باقی نہ جیسا کہ حضرت امام شافعی کا مسلک ہے لیکن حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام مالک یہ کہتے ہیں کہ اگر مبیع باقی نہ ہو تو پھر دونوں فریق قسم نہ کھائیں بلکہ اس صورت میں خریدار کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

حدیث کے الفاظ المبیع قائم ان دونوں کے قول کی تائید کرتے ہیں چنانچہ دوسری روایت جیسے ابن ماجہ اور رواری نے نقل کیا ہے کے الفاظ (فالقول ما قال البائع) (تو اس صورت میں بیچنے والے کا قول معتبر ہوگا) کا مطلب بھی حنفی مسلک کے مطابق یہ ہی ہے کہ اگر مبیع بعینہ باقی ہو تو بیچنے والے سے قسم کھلائی جائے اگر وہ قسم کھالے تو خریدار کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو بیچنے والے کی بات کو تسلیم کر دے اور چاہے خود بھی قسم کھائے یا پھر دونوں فریق بیع کو فسخ کر دیں اور اگر اختلاف ونزاع کے وقت مبیع بعینہ باقی نہ ہو تو پھر دونوں فریق قسم نہ کھائیں بلکہ اس صورت میں خریدار کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اس صورت میں قسم کے ساتھ خریدار ہی کا قول معتبر ہوگا بیچنے والے سے قسم نہ کھلائی جائے۔

کپڑوں میں بیع سلم کے جواز کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ السَّلَمُ فِي الثِّيَابِ إذَا بَيَّنَ طُولًا وَعَرْضًا وَرُقْعَةً) لِأَنَّهُ أَسْلَمَ فِي مَعْلُومٍ

مَقْدُورِ التَّسْلِيمِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا، وَإِنْ كَانَ ثَوْبُ حَرِيرٍ لَا بُدَّ مِنْ بَيَانِ وَزْنِهِ أَيْضًا لِأَنَّهُ مَقْصُودٌ فِيهِ.

(وَلَا يَجُوزُ السَّلَمُ فِي الْجَوَاهِرِ وَلَا فِي الْخَرَزِ) لِأَنَّ آحَادَهَا مُتَفَاوِتَةٌ تَفَاوُتًا فَاحِشًا وَفِي صِغَارِ اللُّؤْلُؤِ الَّتِي تُبَاعُ وَزْنًا يَجُوزُ السَّلَمُ لِأَنَّهُ مِمَّا يُعْلَمُ بِالْوَزْنِ

ترجمہ

فرمایا اور کپڑوں میں بیع سلم جائز ہے جبکہ ان کی لمبائی وچوڑائی اور موٹائی بیان کردی جائے ۔کیونکہ عقد کرنے والے نے معلوم اور مقدور تسلیم شدہ چیز کا عقد کیا ہے جس طرح ہم بیان کر آئے ہیں ۔اور جب کپڑا ریشمی ہو تو اس کے وزن کو بیان کرنا بھی لازم ہے ۔کیونکہ ریشم میں وزن بھی مقصود ہوتا ہے۔

اور یاقوت اور سوتی کپڑے میں سلم جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے احاد میں فرق بہت زیادہ ہوتا ہے جبکہ چھوٹے موتی جو وزن فروخت کیے جاتے ہیں ان میں بیع سلم جائز ہے کیونکہ ان کا وزن معلوم ہوتا ہے۔

جواہر وموتیوں میں سلم کے عدم جواز کا بیان

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جواہر اور موتیوں میں سلم درست نہیں کہ یہ چیزیں عددی متفاوت ہیں ہاں چھوٹے موتی جو وزن سے فروخت ہوتے ہیں ان میں اگر وزن کے ساتھ سلم کیا جائے تو جائز ہے ۔(درمختار ، کتاب بیوع)

سوتی کپڑے سوت یا روئی کے بدلے میں بیچنا مطلقا جائز ہے ان کی جنس مختلف ہے ۔اسی طرح روئی کو سوت سے بیچنا بھی جائز ہے اسی طرح اون کے بدلے میں اونی کپڑے خریدنا یا ریشم کے عوض میں ریشمی کپڑے خریدنا بھی جائز ہے ۔مقصد یہ ہے کہ جنس کے اختلاف واتحاد میں اصل کا اتحاد واختلاف معتبر نہیں بلکہ مقصود کا اختلاف جنس کو مختلف کر دیتا ہے اگرچہ اصل ایک ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ روئی اور سوت اور کپڑے کے مقاصد مختلف ہیں ۔اسی طرح گیہوں یا اس کے آٹے کو روٹی سے بیع کر سکتے ہیں کہ ان کی بھی جنس مختلف ہے ۔(درمختار ، کتاب بیوع)

کچی پکی اینٹوں میں بیع سلم کرنے کا بیان

(وَلَا بَأْسَ بِالسَّلَمِ فِي اللَّبِنِ وَالْآجُرِّ إِذَا سَمَّى مَلْبَنًا مَعْلُومًا) لِأَنَّهُ عَدَدِيٌّ مُتَقَارِبٌ لَا سِيَّمَا إِذَا سُمِّيَ الْمَلْبَنُ.

ترجمہ

اور کچی پکی اینٹوں میں سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ ان کا سانچہ معلوم ہو کیونکہ اینٹ بھی عددی متقارب ہے ۔اور

خصوصی طور پر جب ان کا سانچہ معلوم ہو جائے۔

شرح

گیہوں وغیرہ غلہ کے علاوہ اور جو چیزیں ایسی ہوں کہ ان کی کیفیت بیان کر کے مقرر کر دی جائے کہ لیتے وقت کچھ جھگڑا ہونے کا ڈر نہ رہے ان کی بیع سلم بھی درست ہے جیسے انڈے اینٹیں کپڑا اگر سب باتیں طے کر لے کہ اتنی بڑی اینٹ ہو۔ اتنی لمبی۔ اتنی چوڑی۔ کپڑا سوتی ہو اتنا باریک ہو اتنا موٹا ہو۔ دیسی ہو یا ولایتی ہو غرضیکہ سب باتیں بتا دینا چاہئیں۔ کچھ گنجلک باقی نہ رہے۔

دودھ دہی میں بھی بیع سلم ہو سکتی ہے ناپ یا وزن جس طرح سے چاہیں اس کی مقدار معین کر لیں۔ گھی تیل میں بھی درست ہے وزن سے یا ناپ سے ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

بھوسہ میں سلم درست ہے اس کی مقدار وزن سے مقرر کریں جیسا کہ آج کل اکثر شہروں میں وزن کے ساتھ بھس بکا کرتا ہے یا بوریوں کی ناپ مقرر ہو جب کہ اس سے تعین ہو جائے ورنہ جائز نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

ضبط وصف و معرفت مقدار میں سلم جائز ہونے کا قاعدہ فقہیہ

قَالَ (وَكُلُّ مَا أَمْكَنَ ضَبْطُ صِفَتِهِ وَمَعْرِفَةُ مِقْدَارِهِ جَازَ السَّلَمُ فِيهِ) لِأَنَّهُ لَا يُفْضِي إلَى الْمُنَازَعَةِ (وَمَا لَا يُضْبَطُ صِفَتُهُ وَلَا يُعْرَفُ مِقْدَارُهُ لَا يَجُوزُ السَّلَمُ فِيهِ) لِأَنَّهُ دَيْنٌ، وَبِدُونِ الْوَصْفِ يَبْقَى مَجْهُولًا جَهَالَةً تُفْضِي إلَى الْمُنَازَعَةِ .

ترجمہ

فرمایا اور ہر وہ چیز جس کی صفت کا انضباط اور مقدار کو جان لینا ممکن ہو اور اس میں بیع سلم جائز ہے کیونکہ وہ جھگڑے کی طرف لیجانے والی نہیں ہے۔ اور جس چیز کی صفت کا انضباط نہ کیا جا سکے اور نہ ہی اس کی مقدار کو پہنچانا جا سکے تو اس میں بیع سلم جائز نہیں ہے کیونکہ وہ دین ہے۔ اور وہ بغیر وصف کے جہالت کے ساتھ باقی رہے گا جو جھگڑے کی طرف لے جانے کا سبب ہے۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیع سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جس کی صفت کا انضباط ہو سکے جیسے اس کا کھرا اور کھوٹا ہونا اور اس کا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول کی چیز، اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ثمن نہ ہو اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے اس لئے کہ وہ ثمن ہیں تو ان میں بدلی جائز نہیں امام مالک کا اس میں خلاف ہے یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی ہو کہ اس کے افراد باہم قریب قریب ہوتے ہوں جیسے اخروٹ اور انڈے اور پیسے ہیں۔ (درمختار، کتاب بیوع)

مُسلَم اِلیہ راس المال میں قبضہ کرنے سے پہلے کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور ربُّ السلَم مسلم فیہ میں کسی قسم کا تصرف نہیں کر سکتا۔ مثلاً اُسے بیع کر دے یا کسی سے کہے فلاں سے میں نے اتنے من گیہوں میں سلم کیا ہے وہ تمھارے ہاتھ بیچے۔ نہ اس میں

کسی کوشریک کرسکتا ہے کہ کسی سے کہے سوروپے سے میں نے سلم کیا ہے اگر پچاس تم دیدو تو برابر کے شریک ہو جاؤ یا اُس میں تولیہ یا مرابحہ کرے یہ سب تصرفات ناجائز۔ اگر خود مسلم الیہ کے ساتھ یہ عقود کیے مثلاً اُس کے ہاتھ انھیں داموں میں یا زیادہ داموں پر بیع کرڈالی یا اُسے شریک کرلیا یہ بھی ناجائز ہے۔ اگر رب السلم نے مسلم فیہ اُس کو ہبہ کردیا اور اُس نے قبول بھی کرلیا تو یہ اقالہ سلم قرار پائے گا اور حقیقۃً ہبہ نہ ہوگا اور راس المال واپس کرنا ہوگا۔ راس المال جو چیز قرار پائی ہے اُس کے عوض میں دوسری جنس کی چیز دینا جائز نہیں مثلاً روپے سے سلم ہوا اور اس کی جگہ اشرفی یا نوٹ دیا یہ ناجائز ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

مسلم فیہ کے بدلے میں دوسری چیز لینا دینا ناجائز ہے ہاں اگر مسلم الیہ نے مسلم فیہ اُس سے بہتر دیا جو ٹھہرا تھا تو رب السلم اُس کے قبول سے انکار نہیں کرسکتا اور اُس سے گھٹیا پیش کرتا ہے تو انکار کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب بیوع)

دین مجہول میں بیع سلم کے عدم جواز کا بیان

(وَلَا بَأْسَ بِالسَّلَمِ فِي طَسْتٍ أَوْ قُمْقُمَةٍ أَوْ خُفَّيْنِ أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ إِذَا كَانَ يُعْرَفُ) لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِ السَّلَمِ (وَإِنْ كَانَ لَا يُعْرَفُ فَلَا خَيْرَ فِيهِ) لِأَنَّهُ دَيْنٌ مَجْهُولٌ .

ترجمہ

قمقمہ، طشت اور موزوں یا ان جیسی چیزوں میں بیع سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ وہ معلوم ہوں۔ کیونکہ ان میں بھی سلم کی شرائط جمع ہیں اور جب کوئی چیز غیر معلوم ہو تو اس میں بیع سلم کی کوئی خیر نہیں ہے کیونکہ وہ دین مجہول ہے۔

شرح

قمقمہ اور طشت میں سلم درست ہے جوتے اور موزے میں بھی جائز ہے جب کہ ان کا تعین ہو جائے کہ نزاع کی صورت باقی نہ رہے۔ (دررالاحکام، غررالاحکام، کتاب بیوع)

استصناع کے جواز میں تعامل ناس کا بیان

قَالَ (وَإِنْ اسْتَصْنَعَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ بِغَيْرِ أَجَلٍ جَازَ اسْتِحْسَانًا) لِلْإِجْمَاعِ الثَّابِتِ بِالتَّعَامُلِ .

وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ بَيْعُ الْمَعْدُومِ، وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يَجُوزُ بَيْعًا لَا عِدَةً، وَالْمَعْدُومُ قَدْ يُعْتَبَرُ مَوْجُودًا حُكْمًا، وَالْمَعْقُودُ عَلَيْهِ الْعَيْنُ دُونَ الْعَمَلِ، حَتَّى لَوْ جَاءَ بِهِ مَفْرُوغًا لَا مِنْ صَنْعَتِهِ أَوْ مِنْ صَنْعَتِهِ قَبْلَ الْعَقْدِ فَأَخَذَهُ جَازَ، وَلَا يَتَعَيَّنُ إِلَّا بِالِاخْتِيَارِ، حَتَّى لَوْ بَاعَهُ الصَّانِعُ قَبْلَ أَنْ يَرَاهُ الْمُسْتَصْنِعُ جَازَ، وَهَذَا كُلُّهُ هُوَ الصَّحِيحُ .

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی نے ان اشیاء میں سے کوئی چیز بنوائی تو بطور استحسان یہ جائز ہے۔ اور اس کی دلیل وہ اجماع ہے جو لوگوں کے تعامل سے ثابت ہے۔ جبکہ قیاس کے مطابق جائز نہیں ہے کیونکہ معدوم کی بیع ہے اور صحیح یہی ہے کہ استصناع بطور بیع جائز ہے بطور وعدہ نہیں ہے۔

معدوم کو کبھی کبھی حکمی طور پر موجود بھی مان لیا جاتا ہے اور معقود علیہ عین شئی ہے جبکہ عمل نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کوئی ایسی چیز لائے جو اسکی بنائی ہوئی نہ ہو یا پھر وہ عقد سے پہلے اس کی بنائی ہوئی ہو اور بنوانے والا وہی لے لیتا ہے تو جائز ہے اور وہ چیز بنوانے والے کی پسندیدگی سے معین ہو جائے گی حتیٰ کہ بنوانے والے کے دیکھنے سے پہلے کاریگر نے اگر اس کو بیچ دیا تو یہ بیع بھی جائز ہے اور یہ تمام صورتیں صحیح ہیں۔

استصناع کا فقہی مفہوم

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کاریگر کو فرمایش دے کر چیز بنوائی جاتی ہے اس کو استصناع کہتے ہیں اگر اس میں کوئی میعاد مذکور ہو اور وہ ایک ماہ سے کم کی نہ ہو تو وہ سلم ہے۔ تمام وہ شرائط جو بیع سلم میں مذکور ہوئے اُن کی رعایت کی جائے یہاں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کے بنوانے کا چلن اور رواج مسلمانوں میں ہے یا نہیں بلکہ صرف یہ دیکھیں گے کہ اس میں سلم جائز ہے یا نہیں اگر مدت ہی نہ ہو یا ایک ماہ سے کم کی مدت ہو تو استصناع ہے اور اس کے جواز کے لیے تعامل ضروری ہے یعنی جس کے بنوانے کا رواج ہے جیسے موزہ۔ جوتا۔ ٹوپی وغیرہ اس میں استصناع درست ہے اور جس میں رواج نہ ہو جیسے کپڑا بُنوانا۔ کتاب چھپوانا اُس میں صحیح نہیں۔ (درمختار، کتاب بیوع)

استصناع کے بیع یا وعدہ ہونے میں فقہی اختلاف کا بیان

علما کا اختلاف ہے کہ استصناع کو بیع قرار دیا جائے یا وعدہ، جس کو بنوایا جاتا ہے وہ معدوم شے ہے اور معدوم کی بیع نہیں ہوسکتی لہٰذا وعدہ ہے جب کاریگر بنا کر لاتا ہے اُس وقت بطور تعاطی بیع ہو جاتی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ بیع ہے تعامل نے خلاف قیاس اس بیع کو جائز کیا اگر وعدہ ہوتا تو تعامل کی ضرورت نہ ہوتی، ہر جگہ استصناع جائز ہوتا۔ استصناع میں جس چیز پر عقد ہے وہ چیز ہے، کاریگر کا عمل معقود علیہ نہیں، لہٰذا اگر دوسرے کی بنائی ہوئی چیز لایا یا عقد سے پہلے بنا چکا تھا وہ لایا اور اس نے لے لی درست ہے اور عمل معقود علیہ ہوتا تو درست نہ ہوتا۔ چیز فرمائش کی بنائی گئی وہ بنوانے والے کے لیے متعین نہیں جب وہ پسند کرلے تو اُس کی ہوگی اور اگر کاریگر نے اُس کے دکھانے سے پہلے ہی بیچ ڈالی تو بیع صحیح ہے اور بُنوانے والے کے پاس پیش کرنے پر کاریگر کو یہ اختیار نہیں کہ اُسے نہ دے دوسرے کو دیدے۔ بنوانے والے کو اختیار ہے کہ لے یا چھوڑ دے۔ عقد کے بعد کاریگر کو یہ اختیار نہیں کہ نہ بنائے۔ عقد ہو جانے کے بعد بنانا لازم ہے۔

جواز استصناع کا دلیل عرف سے ثابت ہونے کا بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اسی طرح عرف عام عقد استصناع کے جواز کا ہے، استصناع کا مطلب ہے کسی چیز کے بنانے اور تیار کرنے کا آرڈر کسی کمپنی یا فرد کو دینا، عقد بیع کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ مبیع فی الحال موجود ہو، لیکن استصناع کے اندر مبیع فی الحال موجود نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا شرط مذکور کے مفقود ہونے کی وجہ سے اس عقد کو صحیح نہیں ہونا چاہیے؛ لیکن عرف اور تعامل یہ رہا ہے کہ لوگ ہر زمانہ میں عقد استصناع کا معاملہ کرتے رہے ہیں، اس لیے فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ (الاشباہ والنظائر، ص ۱۷۷)

عرف کے لغوی معنی کا بیان

مادہ عرف اصل میں ۲ امر پر دلالت کرتا ہے۔

"تتابع الشيء متصلًا بعضه ببعض، والسكون والطمأنينة"

کسی شئی کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا اس طور پر کہ ان میں سے بعض، بعض کے ساتھ متصل ہو:۔سکون وطمانیت۔ (مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی، شاملہ)

عادت کے لغوی معنی کا بیان

عادت: ہر وہ کام جس کے لوگ خوگر اور عادی ہو جائیں؛ حتی کہ وہ کام بغیر مشقت کے انجام دیا جانے لگے، یا عادت اس حالت کا نام ہے جو ایک ہی نہج (طرز) پر بار بار ہو، جیسے حیض کی عادت۔ (المعجم الوسیط)

عرف وعادت کی تعریف

عرف کی تعریف میں علماء اصول اس طرح کے الفاظ لکھا کرتے ہیں:۔عرف وعادت وہ ہے جو ذہنوں میں راسخ ہو جائے اور جسے فطرتِ سلیمہ قبول کرلے، دوسرے لفظوں میں اسی مفہوم کو یوں ادا کیا جاسکتا ہے کہ "قول "یا" عمل "کے اندر کسی قوم یا طبقہ کا ایسا تعامل عرف کہلاتا ہے جس کی عقلِ سلیم تائید کرے اور جسے فطرتِ سلیمہ قبول کرتی ہو۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ۲۔اصول مذہب الامام احمد بن حنبلؒ)

تقریباً اسی طرح کی باتیں دیگر مصنفین رحمہ اللہ مثلاً ابنِ نجیم اور شیخ ابوزہرہ وغیرہ نے کی ہے، بعض معاصر علماء نے "عرف" کی تعریف جامع انداز سے یوں بیان کی ہے۔

"العرف ماتعارفه جمهور الناس وساروا عليه سواء كان قولاً اوفعلاً اوتركاً" ۔(المدخل للشبي)

عرف وہ امر ہے جو لوگوں میں عام ہو جائے اور لوگ اس پر عمل پیرا ہو جائیں؛ خواہ وہ قول کے قبیل سے ہو یا فعل وترک کے

قبول سے ہو۔

عرف وعادت کے درمیان فرق

عرف وعادت کے درمیان کوئی فرق ہے؟ یا دونوں ایک ہی چیز ہے، اس بارے میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے؛ چنانچہ:

الف: بعض علماء نے عرف وعادت کے درمیان فرق کرنے کی کوشش کی ہے کہ "عادت" کا تعلق انفرادی طریقہ کار یا ایسے عمل سے ہوتا ہے جو بار بار کرنے کی وجہ سے کسی شخص کی فطرتِ ثانیہ بن گئی ہو، جب کہ "عرف" کا اطلاق اجتماعی عادت اور پوری قوم یا طبقہ کے درمیان پائے جانے والے عمل اور رواج پر ہوتا ہے۔

ب: اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عرف کا تعلق قول سے ہے، جب کہ عادت کا تعلق فعل سے ہے۔

(اصول مذہب الامام احمد بن حنبل: ۔ کشف الاسرار)

ج: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ "عادت" درحقیقت عرف سے عام ہے؛ کیونکہ عادت کا اطلاق عادتِ اجتماعیہ (یعنی عرف) پر اور عادتِ فردیہ دونوں پر ہوتا ہے، جب کہ عرف کا اطلاق صرف عادتِ اجتماعیہ پر ہوتا ہے؛ لہٰذا عرف خاص اور عادت عام ہے: کیونکہ ہر عرف عادت ہے؛ لیکن ہر عادت عرف نہیں ہے۔ (اصول مذہب الامام احمد بن حنبلؒ)

د: اور بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ عرف وعادت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، دونوں مترادف الفاظ ہیں، علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں کہ عرف وعادت اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے مختلف ہیں؛ لیکن مصداق کے لحاظ سے ایک ہی ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ بہت سی کتابوں میں جب عرف کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ عادت کو بیان کر دیا جاتا ہے۔

(اصول مذہب الامام احمد بن حنبل: ۔ مجموعہ رسائل ابن عابدین)

عرف اور اجماع کے مابین فرق

بعض علماء نے عرف اور اجماع کے درمیان چند فروق بیان کیے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے، ایسا قول یا فعل جو عوام وخواص میں پایا جاتا ہو، اس کو اکثر لوگوں کے قبول کر لینے کا نام عرف ہے، جب کہ اجماع کسی ایک زمانہ کے مجتہدین کرام کا کسی مسئلہ پر متفق ہونے کو کہتے ہیں۔ (اصول مذہب الامام احمد بن حنبل)

عرف میں بعض لوگوں کی مخالفت سے کوئی نقص نہیں آتا، جب کہ اجماع کے تحقق کے لیے یہ ضروری ہے کہ تمام مجتہدین کرام کا اتفاق ہو، کسی کی مخالفت نہ ہو۔ (اصول مذہب الامام احمد بن حنبل)

اجماع سے ثابت ہونے والا حکم ناقابلِ تنسیخ ہوتا ہے، اس کی حیثیت نص سے ثابت شدہ احکام کے درجے میں ہے، جب کہ عرف کی بناء پر جو حکم ثابت ہوتا ہے، اس میں تبدیلی عرف کی وجہ سے پھر حکم کے بدل جانے کا امکان پایا جاتا ہے۔

(اصول مذہب الامام احمد بن حنبل)

عرف کبھی فاسد ہوتا ہے، مثلاً اگر لوگوں کا عرف کسی حرام امر پر ہو جائے جو نص شرعی سے متصادم ہو (جیسے سود کھانے اور شراب پینے کا عرف) برخلاف اجماع کے کہ وہ کبھی نص سے متصادم نہیں ہوتا ہے۔

عرفِ صحیح وعرفِ فاسد۔ اولاً عرف کی دو قسمیں ہیں : عرفِ صحیح۔ عرفِ فاسد۔

عرفِ صحیح:

وہ عرف ہے جو نصوص شارع کے معارض نہ ہو، یا شریعت فی الجملہ اس کے معتبر ہونے کی شہادت دے رہی ہو۔

(اصول مذہب الامام احمد بن حنبل :۔ اصول الفقہ لابی زہرہ)

اس عرف کو اختیار کرنا اور لینا معتبر ہے؛ چونکہ یہ اصولِ شرعی میں سے ایک اصل ہے۔

عرفِ فاسد:

وہ عرف ہے جس سے لوگ متعارف ہوں (یعنی اس کا وہ عرف رہا ہو اور اس پر تعامل بھی رہا ہو) لیکن وہ شریعت کے مخالف ہو اور قواعد شرع سے متصادم ہو۔ (اصول مذہب الامام احمد بن حنبل :۔ اصول الفقہ لابی زہرہ)

عرفِ فاسد کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ متروک العمل ہے۔

عرف کے اقسام

جو عرف شرعاً معتبر ہے، (یعنی عرفِ صحیح) اور وہ احکام پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: () عرفِ عام۔ () عرفِ خاص۔

عرفِ عام کا بیان

جس عرف پر لوگوں کا تعامل ہو چکا ہو اور لوگ اس سے متعارف ہوں اور وہ اتنا عام ہو گیا ہو کہ کسی خاص قوم اور خطہ کے ساتھ مخصوص نہ رہا ہو، مثلاً حمام میں اجرت دیکر غسل کرنا، یہ عمل اتنا عموم اختیار کر گیا ہے کہ یہ کسی خاص قوم یا کسی خاص علاقہ میں محدود نہ رہا، ہر جگہ لوگ اس پر عمل پیرا ہو گئے: حالانکہ اس میں ٹھہرنے کی مدت، پانی کے استعمال کی مقدار اور اجرت کی کوئی تعیین نہیں ہوتی ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ناجائز قرار دیا جائے لیکن ان سب چیزوں کی تعیین رواج کے حوالہ کر دی گئی اور عرف ورواج کے مطابق اس عمل کو جائز قرار دیا گیا۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ٫۔ اصول مذہب الامام احمد بن حنبل :۔ اصول الفقہ لابی زہرہ:۔ الاشباہ والنظائر)

اسی طرح عرفِ عام عقد استصناع کے جواز کا ہے، استصناع کا مطلب ہے کسی چیز کے بنانے اور تیار کرنے کا آرڈر کسی کمپنی یا فرد کو دینا، عقد بیع کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ مبیع فی الحال موجود ہو؛ لیکن استصناع کے اندر مبیع فی الحال موجود نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا شرطِ مذکور کے مفقود ہونے کی وجہ سے اس عقد کو صحیح نہیں ہونا چاہیے؛ لیکن عرف اور تعامل یہ رہا ہے کہ لوگ ہر زمانہ میں عقد استصناع کا معاملہ کرتے رہے ہیں، اس لیے فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ (الاشباہ والنظائر)

عرف خاص کا بیان

وہ عرف ہے جو کسی خاص شہر یا ملک یا لوگوں کی ایک جماعت کا عرف ہو اور انہی کے یہاں وہ متعارف و رائج ہو، مثلاً بخاری کا عرف یا مصر و قاہرہ کا عرف یا تاجروں اور کاشتکاروں کا عرف وغیرہ وغیرہ، عرف کی اس قسم میں عرف عام کے مقابلہ میں قوت کم ہے؛ لیکن اس کے باوجود یہ فتاویٰ اور احکام پر اثر انداز ہوتا ہے؛ مگر اس کا اثر اس وقت ظاہر ہوگا جب کہ نص موجود نہ ہو۔

(اصول الفقہ لابی زہرہ:۔اصول مذہب الامام احمد بن حنبلؒ:۔الاشباہ والنظائر:ر۔مجموعہ رسائل ابن عابدین)

عرف عام و خاص کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ عرفِ عام میں یہ قید ہوتی ہے کہ ایک زمانہ کے تمام لوگوں کا تعامل کسی عمل پر ہو اور علماء کی طرف سے اس پر نکیر نہ کی گئی ہو؛ لیکن عرفِ خاص کے اندر تمام لوگوں کا تعامل نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ کسی مخصوص شہر کے لوگوں کا تعامل ہوتا ہے اور وہاں کے علماء نے اس پر نکیر بھی نہ کیا ہو، اول کی مثال عقد استصناع ہے اور ثانی کی مثال عقد کے اندر غالب نقد بلد کا اعتبار ہے۔ (الاشباہ والنظائر، القاعدۃ السادسۃ، العادۃ محکمۃ)

عرفِ عام و عرفِ خاص میں حکم کے اعتبار سے فرق

پہلا فرق یہ ہے کہ عرفِ عام سے حکم عام ثابت ہوگا یعنی ایسا عرف جو تمام بلاد والوں کا ہو، تو اس کے ذریعہ جو حکم ثابت ہوگا وہ تمام بلاد والے پر اس کی پابندی لازم ہوگی؛ لیکن عرفِ خاص کے ذریعہ حکمِ خاص ثابت ہوگا اور اس حکم کے پابند صرف وہی شہر والے ہوں گے، جس شہر والے کا یہ عرف ہے۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین)

اگر عرفِ عام نصِ قطعی "قرآن وحدیث" کے خلاف واقع ہو جائے تو عرفِ عام کے اعتبار سے نص میں تغیر کرنا ہرگز جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر قیاس کے خلاف عرفِ عام آجائے تو اس صورت میں عرفِ عام کے لحاظ سے قیاس میں تبدیلی کرنی جائز ہے؛ لیکن عرفِ خاص سے قیاس میں تغیر و تبدل کرنے میں اختلاف ہے، راجح قول یہ ہے کہ تبدیلی جائز ہے۔

اگر عرفِ عام یا خاص علماء متقدمین کی رائے کے خلاف واقع ہو تو اس صورت میں عرف پر عمل کر کے ثابت شدہ مسئلہ میں تغیر کرنا جائز ہے۔ (الاشباہ والنظائر، تعارض العرف مع الشرع، دور الاجتھاد)

عرفِ عام اگر نص شرعی کے معارض ہو تو اس کے ذریعہ اثر کی تخصیص بھی درست ہے، جیسے عقد استصناع اور اگر عرفِ خاص نص شرعی کے معارض ہو تو اس کے ذریعہ اثر کی تخصیص کرنے اور نہ کرنے میں اختلاف ہے اصح یہ ہے کہ اثر کی تخصیص درست نہیں ہے۔ (رسائل ابنِ عابدین)

اصل سے مقابلہ کرلیا جائے اور عرف کے معتبر ہونے کی شرطیں عرف کے معتبر ہونے کے لیے فقہاء کرام نے درج ذیل شرطیں لگائی ہیں۔

"عرف "عام ہو اور لوگ اس کا ہمیشہ لحاظ کرتے ہوں، ایسا تعامل جسے کبھی اختیار کیا جائے اور کبھی ترک کر دیا جاتا ہو وہ

"عرف" شرعاً معتبر قرار نہیں پائے گا۔ (اصول مذہب الامام احمد بن حنبل)

"عرف" کا انعقاد تصرف کے ساتھ یا اس سے پہلے پایا جانا ضروری ہے، مثلاً دو آدمیوں کے درمیان اگر کوئی معاملہ طے پایا، دوران میں نزاع کی شکل پیدا ہو جائے تو نزاع کے حل کے لیے اس "عرف" کا اعتبار ہوگا جو معاملہ کے شروع ہونے کے ساتھ یا اس سے پہلے لوگوں میں موجود تھا، ایسا عرف جو بعد میں قائم ہوا اس کو پہلے سے طے ہونے والے معاملہ میں فیصل نہیں مانا جائے گا؛ چنانچہ فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ

"لاعبرة بالعرف الطارئ والعرف الذی یحمل علیه الالفاظ انما هو المقارن السابق دون المتاخر".
(اصول مذہب الامام احمد بن حنبل)

ترجمہ: بعد میں ظاہر ہونے والے عرف کا اعتبار نہیں ہے؛ اسی طرح فقہاء کہتے ہیں کہ وہ عرف جس پر الفاظ کو محمول کیا جائے، اس کا عقد کے ساتھ یا پہلے ہونا ضروری ہے، بعد میں قائم ہونے والے عرف کا اعتبار نہیں ہوگا۔

مثال کے طور پر مہر کی ادائیگی میں تقدیم وتاخیر کا اگر ذکر عقد نکاح کے وقت نہ کیا جائے تو "عرف" کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا؛ لیکن اگر لوگوں کا تعامل بدل جائے اور نکاح کے وقت جو عرف تھا وہ باقی نہ رہے تو نئے "عرف" کا اطلاق اس معاملہ پر نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی علاقہ میں "گوشت" سے صرف گائے کا گوشت مراد لیا جاتا ہو اور کسی شخص نے گوشت نہ کھانے کی قسم کھالی ہو تو اس کی قسم اسی وقت ٹوٹے گی جب وہ گائے کا گوشت کھائے گا؛ کسی اور چیز کا گوشت کھانے سے وہ حانث نہیں ہوگا۔ (اصول مذہب الامام احمد بن حنبل):

تصریح عرف کے خلاف نہ ہو، مثال کے طور پر رواج تو صرف آدھا مہر ادا کرنے کا ہو؛ لیکن نکاح کے وقت عورت نے یہ شرط لگادی ہو کہ وہ پورا مہر معجل لے گی اور شوہر نے اسے قبول بھی کرلیا ہو تو اب "عرف" کا اعتبار نہیں ہوگا؛ بلکہ صراحتاً عقد میں جو بات طے ہوئی ہے، اسی کا اعتبار ہوگا؛ کیونکہ "عرف" کا سہارا لینے کی ضرورت تو وہاں پیش آتی ہے، جہاں کسی معاملہ میں عاقدین کا مقصد معلوم نہ ہو، تب سکوت اس بات کا قرینہ ہوا کرتا ہے کہ معاملہ "عرف" کے مطابق ہوا ہوگا؛ لیکن جب تصریح عرف کے خلاف ہو تو پھر۔

"لاعبرة للدلالة فی مقابل التصریح".

صراحت کے مقابلہ میں دلالت کا اعتبار نہیں ہے۔ (اصول مذہب الامام احمد بن حنبل)

عرف" کسی شرعی نص کے منافی اور اس کو معطل کرنے کا باعث نہ ہو؛ کیونکہ ایسا عرف جو شرعی نصوص شریعت کے مقاصد اور اس کی روح کے خلاف ہو وہ "عرف فاسد" کہلاتا ہے اور شریعت میں اعتبار صرف "عرف صالح" کا ہے، مثال کے طور پر اگر شراب نوشی، قمار بازی، سودی کاروبار، رقص وسرور کہیں کا عرف بن جائے، ضیافت میں حرام چیزوں کے پیش کرنے یا منگیتر کے ساتھ عقد

سے پہلے ہی بے تکلف سیر وتفریح کا رواج ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ اس طرح کے عرف کا شریعت میں اعتبار نہیں بلکہ اس قسم کی چیزوں کی روک تھام اور معاشرہ کی ان امور میں اصلاح شریعت کا اولین مقصد ہوگا ورنہ تو تمام تکلیفی احکام ہی فوت ہو جائیں گے اور شریعت کا عملی زندگی سے یکسر خاتمہ ہو کر رہ جائے گا۔ (اصول مذہب الامام احمد بن حنبل)

صاحب فروق نے ذکر کیا ہے کہ "عادت" کے استعمال کا مکرر ہونا ضروری ہے اس حد تک کہ جب وہ لفظ بولا جائے تو بغیر کسی قرینہ کے وہی معنی سمجھ میں آئے جو معنی اس کی طرف منقول ہے اور فہم کسی اور معنی کے بجائے اس معنی کی طرف سبقت کرے؛ اسی لیے "کلب معلم" اسی کو کہا جاتا ہے جب کہ مالک کتے کو تین مرتبہ شکار پر چھوڑے اور تینوں مرتبہ شکار کو پکڑ کر مالک کے لیے چھوڑ دے خود نہ کھائے، اسی طرح جب اسے شکار پر چھوڑا جائے اور کسی وجہ سے اسے راستے سے واپس بلایا جائے اور وہ بلائے تو واپس بھی آ جائے تو اب اس کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ شکار کو نہ کھانے کی کتے کی عادت ہوگئی ہے اور اب یہ کتا "کلب معلم" کہلائیگا۔ (اصول مذہب الامام احمد بن حنبل)

چھٹی شرط یہ ہے کہ عادت مطرد ہو یا غالب ہو، یعنی لوگوں کا کسی عمل کو بار بار (پے در پے، مسلسل) کرنے کی عادت بن جائے، یا غالب معنی پر محمول کرنے کی عادت ہو، جیسے اگر کسی نے دراہم یا دنانیر کے بدلے فروخت کیا اور متبایعان کسی ایسے شہر میں رہتے ہیں، جہاں مختلف نقود رائج ہوں اور ہر ایک کی مالیت بھی الگ الگ ہوں اور رواج میں بھی اختلاف ہو، کسی کا زیادہ کسی کا کم رواج ہو تو بیع غالب نقد بلد کی طرف لوٹے گی یعنی جس سکے کا رواج زیادہ ہو وہی مشتری کو ادا کرنا پڑے گا۔ (اصول مذہب الامام احمد بن حنبل)

عرف کی حجیت کا قرآن سے بیان

ذیل میں اسی عرف کے متعلق تھوڑی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔ عرف "کے دلیل شرعی ہونے پر استدلال عام طور پر قرآن کریم کی اس آیت سے کیا جاتا ہے۔

"خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ" ۔ (الاعراف)

سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔

• آیت بالا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو عرف یعنی امر بالمعروف کا حکم دیا اور عرف اس چیز کو کہتے ہیں جس کو لوگ معروف اور اچھا سمجھیں اور ان کے دلوں اور نفوس کو وہ امور اچھا لگے؛ لہذا عرف پر عمل کرنا امر کا مقتضی ہے؛ لیکن بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس آیت میں عرف اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے، یعنی وہ امر مستحسن جو پسندیدہ ہو، نہ کہ فقہی اصطلاح کی رو سے جو عرف کا مفہوم ہے وہ اس آیت میں مراد ہے؛ مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت میں اگر چہ اصطلاحی معنی والا عرف مراد نہیں ہے؛ مگر مصطلحات عرف کے اسلام میں معتبر ہونے کے لزوم پر دلالت کرنے سے آیت خالی بھی نہیں ہے؛ کیونکہ اعمال اور معاملات میں لوگوں کا عرف وہی قابلِ اعتبار ہوتا ہے جو ان کے نزدیک مستحسن ہو اور جن سے ان کی عقل

مانوس ہو چکی ہو۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین، اصول مذہب الا مام احمد بن حنبلؒ)

عرف کی حجیت کا حدیث سے بیان

"عرف" کے دلیل شرعی ہونے پر عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"مارآه المسلمون حسناً فهوعند الله حسن" ۔ (نصب الرايه، باب الأجارة الفاسدة)

مسلمان جس چیز کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے۔

لیکن محدثین کے نزدیک اس کا حدیث رسول اللہ ﷺ ہونا ثابت نہیں ہے؛ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اثر اگرچہ عبداللہ بن مسعود پر موقوف ہے؛ لیکن اس طرح کی بات چونکہ محض ظن وتخمین یا قیاس سے نہیں کہی جا سکتی، اس لیے یوں سمجھا جائے گا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ بات حضور اکرم ﷺ سے سن کر ہی فرمائی ہوگی؛ بہر حال "عرف" کے دلیل شرعی اور حجت ہونے کی سب سے بڑی حجت یہی ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ نے بہت سے احکام عربوں کے "عرف" پر مبنی رکھے ہیں، جن میں خرید وفروخت کے طریقوں سے لیکر نکاح میں کفاءت تک کے لحاظ کا مسئلہ ہے۔

عرف کے دلیل شرعی ہونے میں مذاہب اربعہ

حنفیہ اور مالکیہ میں سے بہت سے حضرات کی رائے یہ ہے کہ عرف ان اصولوں میں سے ایک اصل ہے جس سے احکام میں استیناد کیا جاتا ہے یعنی جن پر احکام کی بنیاد رکھی جاتی ہے، جب کہ وہاں کوئی نص موجود نہ ہو، حنفیہ میں سے علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

"وَاعْلَمْ أَنَّ اعْتِبَارَ الْعَادَةِ وَالْعُرْفِ يُرْجَعُ إِلَيْهِ فِي الْفِقْهِ فِي مَسَائِلَ كَثِيرَةٍ حَتَّى جَعَلُوا ذَلِكَ أَصْلًا " .(الاشباه والنظائر)

جاننا چاہیے کہ عرف وعادت کا اعتبار ہوتا ہے، اس کی طرف فقہ میں بہت سے مسائل کے اندر رجوع کیا جاتا ہے یہاں تک کہ علماء نے اس کو ایک اصل (شرعی) قرار دیا ہے۔

اور علامہ سرخسیؒ سے مبسوط میں نقل کیا گیا ہے کہ:

"الثابت بالعرف كالثابت بالنص" .

عرف سے ثابت ہونے والے (حکم کی حیثیت) نص سے ثابت ہونے والے (حکم) کے مانند ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکم جو عرف سے ثابت ہو وہ حکم ایسی دلیل سے ثابت ہے، جو نص کے مانند قابل اعتماد ہے، جہاں کوئی نص موجود نہ ہو اور فقہاء کی زبان پر یہ قول مشہور ہے کہ:

"اَلْمَعْرُوف عرفاً كَالْمَشْرُوْطِ شَرْطًا" .

یعنی جو چیز عرف کی بنیاد پر معروف ومشہور ہوجائے تو وہ عرف اس شرط کے مانند ہے جس کی شرط لگائی گئی ہو۔

علامہ ابن نجیمؒ نے اس قاعدہ کو ذکر کر کے اس پر بہت سے فروع اور امثلہ کو متفرع کیا ہے۔ (اصول مذہب الامام احمد بن حنبل)

فقہ مالکی بھی فقہ حنفی کی طرح عرف کو تسلیم کرتا ہے اور اصول فقہ میں اُسے ایک اصل مانتا ہے، جہاں کوئی نص قطعی موجود نہ ہو؛ بلکہ فقہ مالکی عرف کے احترام میں مذہب حنفی سے زیادہ غلو کرتا ہے، اس لیے کہ مصالح مرسلہ فقہ مالکی کے اہم ستون ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عرف کی رعایت کرنا جس میں کوئی فساد نہیں ہے، مصلحت کی قسموں میں سے ایک قسم ہے، اس کا ترک کرنا فقیہ کے لیے درست نہیں ؛ بلکہ اس کا لینا واجب ہے۔ (امام مالک لابی زہرہ)

حنابلہ بھی دیگر اصحاب مذاہب کی طرح اپنے فتاویٰ اور احکام کے اندر عرف کا لحاظ کرتے ہیں اور حنابلہ چونکہ معاملات کے باب میں توسع سے کام لیتے ہیں اور وہ الفاظ پر اکتفا نہیں کرتے ؛ بلکہ مفہوم اور مقاصد کو معتبر قرار دیتے ہیں، اس لیے حنابلہ خاص طور پر معاملات کے باب میں عرف کا لحاظ کرتے ہیں۔

اسی طرح عقود کے صیغوں اور معاملات ونکاح کے شرطوں میں لوگوں کے عرف اور تعامل کا بہت زیادہ خیال کرتے ہیں اور عقود و معاملات میں جو شرائط عرفاً لوگوں کو معلوم ہوں۔

لیکن عقد کرتے وقت اس کی شرط نہیں لگائی تو وہ بغیر ذکر کئے ہوئے بھی شرط کی حیثیت سے عندالحنابلہ شرعاً معتبر ہوگی ؛ یہی وجہ ہے کہ حنابلہ عرف کو نطق اور تکلم کے قائم مقام مانتے ہیں۔

علامہ ابن القیمؒ اعلام الموقعین کے اندر لکھتے ہیں۔

"وقد أجری العرف مجری النطق فی أکثر من مائة موضع منها نقد البلد فی المعاملات" .

سو سے زائد مقام میں عرف کو نطق کے قائم مقام کیا گیا ہے، ان میں سے ایک معاملات کے اندر نقدِ بلد ہے۔ ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حنابلہ بھی عرف کو اصول شرع میں سے ایک اصل مانتے ہیں جہاں کوئی نص شرعی موجود نہ ہو۔

(اصول مذہب الامام احمد بن حنبل، ص ۵۲۸)

شافعیہ بھی جب نص نہ ہو عرف کا لحاظ کرتے ہیں؛ چنانچہ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ جب عرف نص کے مخالف نہ ہو تو عرف پر عمل کرنا چاہیے اور یہ اس لیے کہ علامہ قرطبیؒ نے ابوسفیان کی بیوی کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا قول نقل کیا ہے "ابوسفیان کے مال میں سے اتنا لو جتنا عرف عام میں تمہارے بچہ اور تمہارے لیے کفایت کرے " یہ بات ایک حیثیت سے اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ شافعیہ بھی عرف کو لیتے ہیں ؛ لیکن یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کے لیے نص شرعی ہو۔ (امام مالک لابی زہرہ، ص ۲۲۵)

عرف وعادت سے متعلق بعض معروف فقہی قواعد

فقہاء نے "عرف وعادت " کے شریعت میں اعتبار کو اصول کی حیثیت سے مان کر جو قواعد وضع کئے ہیں ان کی تعبیر مختلف انداز سے کی جاتی ہے اور پھر اس کی روشنی میں مختلف مسائل کا شرعی حکم متعین کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں فقہا کی تعبیرات حسب ذیل قواعد کی شکل اختیار کر گئی ہیں۔

"اَلْعَادَةُ مُحَكَّمَةٌ" ۔

یعنی عرف وعادت کی حیثیت شرعی احکام اور حقوق والتزام میں فیصلہ کن ہوتی ہے اور "عرف " کے مطابق فیصلہ کرنا بھی لازم ہوتا ہے۔

"اَلْحَقِيقَةُ تَتْرِكُ بِدَلَالَةِ الْعَادَةِ " ۔

یعنی معاملات اور شرعی احکام میں لفظ کے لغوی مفہوم کو "عرف " کی بناء پر چھوڑ دیا جاتا ہے اور عرف کو لفظ کے حقیقی معنی پر ترجیح ہوتی ہے۔

"اِسْتِعْمَال النَّاس حجّة يجب العمل بها" ۔

یعنی لوگوں کا تعامل اور عرف غیر منصوص امور میں شرعی حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔

"المعروف عرفاً كالمشروطِ شَرْعًا" ۔

عقود و معاملات اور وہ باتیں جو عرفاً لوگوں کو معلوم ہوں وہ بغیر ذکر کئے ہوئے بھی شرط کی حیثیت سے معتبر ہوں گی، بشرطیکہ وہ شرعی نصوص کے مغائر نہ ہوں۔

"التَّعْيين بِالْعُرْفِ كَالتَّعْيين بِالنَّصِّ" ۔

یعنی وہ امور جہاں کوئی شرعی نص نہ ہو، ان میں "عرف " کی حیثیت شرعی نص جیسی ہی ہوتی ہے؛ چنانچہ عقود و معاملات کی تمام تر شروط کی تعیین "عرف " کی روشنی میں ہی کی جائے گی۔

"الثَّابِتُ بِالْعُرْفِ كَالثَّابِتُ بِالنَّص" ۔

اس کا بھی حاصل یہی ہے کہ جہاں کوئی شرعی نص نہ ہو وہاں "عرف " کو وہی حیثیت حاصل ہوگی جو شرعی نص کو ہوا کرتی ہے اور عرف پر ہی عمل کیا جائے گا۔

"لَاينكر تغير الاحْكَامِ بِتَغْيير الازمان" ۔

ترجمہ: زمانہ اور عرف وعادت کے بدل جانے سے احکام میں بھی تبدیلی ہو جایا کرتی ہے، یہ ایک حقیقت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ (الاشباہ والنظائر: رشاملہ)

(مجلة مجمع الفقه الاسلامی التابع لمنظمة المؤتمر الاسلامی بجدة، منزلة العرف فی التشر

الإسلامی، ۱/ (الموسوعة الفقهية الكويتية، ۰/، شامله(

غرض یہ کہ شرعی نصوص میں عام کی تخصیص، مطلق کی تقیید اور نص کے معنی ومفہوم کی تعیین وتحدید کے علاوہ فقہاء بہت سے احکام ومعاملات کی بنیاد عرف پر رکھتے ہیں، مثلاً مال کب محرز سمجھا جائے گا اور سرقہ کا تحقق کب ہوگا؟ خرید وفروخت میں معاملہ کب مکمل سمجھا جائے گا اور تفرق کا معیار کیا ہے؟ اسی طرح قسموں اور نذر وغیرہ میں استعمال ہونے والے الفاظ کو کس معنی پر محمول کیا جائے گا؟ یہ سب ایسے امور ہیں جن کا فیصلہ "عرف" ہی کی روشنی میں کیا جائے گا۔

عرف کی تبدیلی کا احکام پر اثر

عرف اور زمانہ کی تبدیلی کا اثر چونکہ احکام کی تبدیلی کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے، اس لیے فقہاء اس بات پر خاص طور پر زور دیتے ہیں کہ شرعی احکام بیان کرنے والوں کو عرف وعادت زمانہ اور ماحول کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، علامہ ابن القیمؒ نے اپنی مایہ ناز کتاب "اعلام الموقعین" میں ایک مستقل باب ہی اس عنوان سے قائم کیا ہے:

"تَغَيُّر الفَتْوَى واختلافِها بحسب تَغَيُّر الأزْمنة والأمكنة والأحوال والنِّيات والعَوائد" . (اعلام الموقعين، ج۳، ص ۵)

زمان ومکان، حالات، نیتوں اور عادتوں میں اختلاف کا اثر فتویٰ پر پڑتا ہے۔ پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

"هذا فصل عظيم النفع جدا وقع بسبب الجهل به غلط عظيم على الشريعة أوجب من الحرج والمشَقة وتكليف مالاسبيل إليه" (اعلام الموقعين)

یہ بڑا ہی عظیم اور مفید باب ہے اور اس ناواقفیت کی وجہ سے شریعت کے بارے میں بڑی غلطیاں ہوئی ہیں اور وہ حرج ومشقت کا سبب بنی اور ایسی مشقت میں لوگوں کو ڈال دیا ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں تھی۔

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانہ اور عرف کی تبدیلی کا اثر احکام پر بھی پڑتا ہے، ذیل میں اس کی کچھ مثالیں دی جاتی ہیں:

قرآن کریم کی تعلیم، اذان، امامت، یہ سب عبادتیں ہیں جس کی ادائیگی آدمی آخرت کے اجر وثواب کے لیے کیا کرتا ہے؛ لہٰذا اصل کی رو سے ان فرائض کی ادائیگی پر اجرت لینا جائز نہیں ہونا چاہیے؛ چنانچہ فقہاء یہی فتویٰ دیا کرتے تھے؛ لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ سیاسی تبدیلیوں کی وجہ سے بیت المال کا دروازہ دینی کام کرنے والوں کے لیے بند کر دیا گیا ہے اور امامت اور تعلیم قرآن کے فرائض انجام دینے والوں کو اگر اپنی معاش کے لیے زراعت، تجارت، صناعت وغیرہ میں مشغول ہو جانا پڑا تو اس سے

دینی کاموں کی ادائیگی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے کوئی نہیں ملے گا؛ چنانچہ متاخرین نے یہ فتویٰ دیا کہ امامت اور تعلیم قرآن وغیرہ دینی امور پر اجرت لینا جائز ہے۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین)

دھوبی اور درزی وغیرہ کو جو کپڑے دھلائی کلف یا سلائی کے لیے دیئے جاتے ہیں؛ چونکہ وہ اجیر مشترک ہیں اس لیے وہ ان کے ہاتھوں میں امانت کی حیثیت رکھتے ہیں، امانت اگر بغیر تعدی کے ہلاک ہو جائے تو اس کا تاوان نہیں ہوا کرتا، لیکن پیشہ وروں کی طرف سے اہمال اور بے احتیاطی رونما ہونے لگی اور وہ بکثرت اس طرح کے دعوے کرنے لگے کہ مال ضائع ہو گیا ہے، جس میں تضمین کی علت ہی کافی تھی؛ چنانچہ فقہاء نے اس صورتِ حال کے پیش نظر تاوان واجب ہونے کا فتویٰ دیا؛ تاکہ لوگوں کے مال کی حفاظت کی جا سکے؛ چنانچہ شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی عمومی قسم کی مصیبت اور حادثہ رونما ہو جیسے زلزلہ یا عمومی آتش زدگی وغیرہ تو اجیر مشترک ضائع شدہ مال کا تاوان ادا کرے گا۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین: ر۔ اصول الفقہ لابی زہرہ)

امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں چونکہ حق گوئی اور صداقت تھی اور دروغ گوئی کا زیادہ چلن نہیں ہوا تھا؛ کیونکہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا، اس لیے گواہوں کی ظاہری عدالت کو وہ کافی قرار دیا کرتے تھے؛ گواہوں کے ثقہ ہونے کی شہادت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے؛ لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد نے جب اس بارے میں لوگوں کی بے احتیاطی دیکھی تو انہوں نے شاہدوں کے ثقہ ہونے کے لیے تزکیہ وشہادت ضروری سمجھی؟ کیونکہ عملی طور پر قضا سے وابستگی کی بناء پر ان لوگوں کی بے احتیاطی اور دروغ گوئی کا زیادہ تجربہ تھا؛ چنانچہ حالات کی تبدیلی نے انہیں اس بات پر مجبور کیا کہ وہ فتویٰ میں تبدیلی کریں۔

(مجموعہ رسائل ابن عابدین: ر۔ اصول الفقہ لابی زہرہ)

امام ابو حنیفہ بادشاہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے جبر کو "اکراہ" قرار نہیں دیتے تھے؛ کیونکہ ان کے زمانہ میں قوت کا مظاہرہ صرف بادشاہ کی طرف سے ہوا کرتا تھا؛ لیکن بعد میں جب ڈاکہ زنی اور جبر واکراہ کے واقعات کی عام لوگوں کی طرف سے زیادتی ہو گئی تو امام صاحب کے دونوں شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ بات تسلیم کی کہ اکراہ کا معاملہ سلطان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے؛ چنانچہ انہوں نے اس کے مطابق فتویٰ دیا۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین، اصول الفقہ لابی زہرہ)

صحیح روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں عورتیں عام طور پر مساجد میں نماز کی ادائیگی کے لیے جایا کرتی تھیں؛ لیکن جب معاشرہ میں خرابی پیدا ہوئی تو خود صحابہ کرام کے زمانہ میں ہی ان کو مسجد میں نماز کی ادائیگی سے روک دیا گیا۔

(مجموعہ رسائل ابن عابدین)

عرف پر مبنی بعض اہم فروعات کا ذکر

"عرف" پر مبنی تمام احکام کا احاطہ تو یہاں ممکن نہیں ہے، خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ "عرف" کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے؛ تاہم بطور مثال چند ایسے احکام کو ذکر کیا جا سکتا ہے، جس سے مزید اندازہ کیا جا سکے کہ فقہی اور شرعی احکام میں عرف کا اثر کہاں تک ہوتا ہے؟:

شادی بیاہ کے موقع پر عورت کو جو مال واسباب جہیز کے طور پر دیا جاتا ہے، وہ شوہر کی ملکیت ہوگی یا بیوی کی؟ اور شادی کا رشتہ کسی وجہ سے برقرار نہ رہ سکا تو اس پر کس کا حق تسلیم کیا جائے گا؟ اس بارے میں "عرف "ہی کا لحاظ کیا جائے گا؟ شوہر کا دعویٰ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو؛ لیکن فیصلہ "عرف " کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین)

مکان کی خریدی کے بعد، اس کی چھت سے اوپر کا حصہ "حق علو "یعنی حق تعلی کے بارے میں بائع اور مشتری کے درمیان نزاع کا فیصلہ بھی "عرف "ہی کی بنا پر کیا جائے گا؛ خواہ حقوق ومرافق کا ذکر عقد میں نہ کیا گیا ہو۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین)

ضرورت کی مختلف چیزیں جو ابھی وجود میں نہ آئی ہوں اور عقد کے وقت عملاً معدوم ہوں، آرڈر دے کر تیار کرانا اور کسی شخص یا کارخانہ سے ایسے مال کا سودا کرنا، جن کا تیار کرنا تو اس کارخانہ کا کام ہو؛ لیکن مال ابھی تیار شدہ نہ ہو اور جسے فقہاء کی اصطلاح میں "استصناع " کہا جاتا ہے "عرف "ہی کی بناء پر اس کے جواز کا حکم دیا گیا ہے؛ ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ ایک ایسی چیز کی بیع جو ابھی وجود میں نہ آئی ہو شرعا درست نہیں ہونی چاہیے۔ (اصول الفقہ لابی زہرہ، ص ۲۱۷)

کچے پکے پھلوں کی بیع میں مذاہب اربعہ

تربوز، بیگن، انگور اور اس طرح کے دوسرے پھل اور ترکاریاں جن میں سے بعض تو درخت پہ ہوں اور بعض ابھی ظاہر ہی نہ ہوئے ہوں، ان کی خرید وفروخت کی فقہائے مالکیہ اور احناف میں شمس الائمہ حلوانی نے اجازت دی ہے؛ کیونکہ "عرف "میں یہ لوگوں کی ضرورت اور ان کے تعامل کا ایک حصہ ہے، جب کہ شوافع، حنابلہ اور اکثر احناف نے اس طرح کے معاملہ کو ناجائز قرار دیا ہے۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین)

متاخرین میں سے علامہ شامیؒ نے بھی عرف وعادت کے پیش نظر اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین)

گھڑی، ریڈیو، فریج اور واشنگ مشین اور اسی طرح کی بہت سی اشیاء کی خریداری کے وقت عام طور پر اسے کمپنیاں پانچ سال دوسال، ایک سال یا اسی طرح کی کسی متعین مدت تک کے لیے ایک کفالت نامہ دیتی ہیں کہ اگر اس عرصہ میں وہ چیز خراب ہوگئی تو اس کی اصلاح ومرمت کی ذمہ داری کمپنی پر ہوگی؛ چنانچہ اس وقت صورتِ حال یہ ہوگئی ہے کہ ایک ہی مال تیار کرنے والی مختلف کمپنیوں کے تیار کردہ مال میں زبردست تفاوت ہوا کرتا ہے، اس لیے لوگ عام طور پر اس کمپنی کا مال لینے کے لیے آمادہ ہوتے ہیں جو اس طرح کا کفالت نامہ دے اور عموماً بل کے اوپر یہ عبارت لکھی ہوتی ہے:

"البضاعة مكفوله لمدة خمس سنوات" (5year warranty)

اب اصل قاعدہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ چونکہ بیع اور شرط دونوں ہی پائی گئی، جس کی صراحت کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے۔

"أَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ، الْبَيْعُ بَاطِلٌ، وَالشَّرْطُ بَاطِلٌ" ۔ (نصب الرایہ، ۲، ص ۱۷)

حضور ﷺ نے بیع اور شرط کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے، ایسی صورت میں بیع بھی باطل اور شرط بھی باطل ہوگی۔

لیکن فقہاء نے اس طرح کے معاملہ کی "عرف " کی بناء پر اجازت دی ہے اور علامہ ابن عابدین شامیؒ نے حدیث کی توجیہ بیان کی ہے کہ اس سے مقصود ایسی شرط ہے جو نزاع کا باعث بنے اور اس زمانے کے "عرف " نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ اوپر ذکر کی ہوئی شرط نزاع کا باعث نہیں بنتی بلکہ بیع و شراء کے مقصد کی مزید تکمیل کا ذریعہ بنتی ہے، اس لیے فتویٰ "عرف " کے مطابق دیا جائے گا اور حدیث میں ذکر کردہ بیع و شرط کی ممانعت پر اس کے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔ (مجموعہ رسائل ابن عابدین، ج ۲ ص ۱۲۱)

بیع میں استصناع والے کے اختیار کا بیان

قَالَ (وَهُوَ بِالْخِيَارِ إِذَا رَآهُ، إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ) لِأَنَّهُ اشْتَرَى شَيْئًا لَمْ يَرَهُ وَلَا خِيَارَ لِلصَّانِعِ، كَذَا ذَكَرَهُ فِي الْمَبْسُوطِ وَهُوَ الْأَصَحُّ، لِأَنَّهُ بَاعَ مَا لَمْ يَرَهُ .
وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ لَهُ الْخِيَارَ أَيْضًا لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ تَسْلِيمُ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ إِلَّا بِضَرَرٍ وَهُوَ قَطْعُ الصَّرْمِ وَغَيْرِهِ .وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا خِيَارَ لَهُمَا .أَمَّا الصَّانِعُ فَلِمَا ذَكَرْنَا .

ترجمہ

فرمایا اور بنوانے والے کو اختیار ہے اگر وہ چاہے تو پکڑ لے اور وہ چاہے تو چھوڑ دے۔ اس لئے کہ اس نے ایسی چیز کو خریدا ہے جس کو اس نے دیکھا نہیں ہے۔ جبکہ کاری گر کیلئے کوئی اختیار نہ ہوگا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں اسی طرح لکھا ہے اور زیادہ صحیح بھی یہی ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کو بیچنے والا ہے جس کو اس نے دیکھا ہی نہیں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ بنانے والے کو بھی اختیار ہوگا کیونکہ نقصان کے بغیر اس کے کیلئے معقود علیہ کو سپرد کرنا ممکن نہیں ہے اور جس طرح وہ چمڑا وغیرہ کو کاٹ دیتا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ایک روایت اس طرح ہے کہ بنانے اور بنوانے والے دونوں کو اختیار نہ ہوگا صانع کو اختیار نہ ہونے کی دلیل تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ بنوانے کے عدم اختیار کی دلیل یہ ہے کہ اس کیلئے اختیار ثابت کرنا صانع کو کیلئے نقصان کو ثابت کرنا ہے کیونکہ بنوانے والے کے سوا کوئی بھی اس سے اس قیمت پر خریدنے والا نہیں ہے۔

شرح

کبھی ایسا ہوتا ہے کاریگر کو فرمائش دے کر چیز بنوائی جاتی ہے اس کو استصناع کہتے ہیں اگر اس میں کوئی میعاد مذکور ہو اور وہ ایک ماہ سے کم کی نہ ہو تو وہ سلم ہے۔ تمام وہ شرائط جو بیع سلم میں مذکور ہوئے اُن کی رعایت کی جائے یہاں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کے بنوانے کا چلن اور رواج مسلمانوں میں ہے یا نہیں بلکہ صرف یہ دیکھیں گے کہ اس میں سلم جائز ہے یا نہیں اگر مدت ہی نہ

ہو یا ایک ماہ سے کم کی مدت ہو تو استصناع ہے اور اس کے جواز کے لیے تعامل ضروری ہے۔یعنی جس کے بنوانے کا رواج ہے جیسے موزہ۔ جوتا۔ ٹوپی وغیرہ اس میں استصناع درست ہے اور جس میں رواج نہ ہو جیسے کپڑا بنوانا۔ کتاب چھپوانا اُس میں صحیح نہیں۔

علما کا اختلاف ہے کہ استصناع کو بیع قرار دیا جائے یا وعدہ، جس کو بنوایا جاتا ہے وہ معدوم شے ہے اور معدوم کی بیع نہیں ہوسکتی لہٰذا وعدہ ہے جب کاریگر بنا کر لاتا ہے اُس وقت بطور تعاطی بیع ہو جاتی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ بیع ہے تعامل نے خلاف قیاس اس بیع کو جائز کیا اگر وعدہ ہوتا تو تعامل کی ضرورت نہ ہوتی، ہر جگہ استصناع جائز ہوتا۔ استصناع میں جس چیز پر عقد ہے وہ چیز ہے، کاریگر کا عمل معقود علیہ نہیں، لہٰذا اگر دوسرے کی بنائی ہوئی چیز لایا یا عقد سے پہلے بنا چکا تھا وہ لایا اور اس نے لے لی درست ہے اور عمل معقود علیہ ہوتا تو درست نہ ہوتا۔ جو چیز فرمائش کی بنائی گئی وہ بنوانے والے کے لیے متعین نہیں جب وہ پسند کرلے تو اُس کی ہوگی اور اگر کاریگر نے اُس کے دکھانے سے پہلے ہی بیچ ڈالی تو بیع صحیح ہے اور بنوانے والے کے پاس پیش کرنے پر کاریگر کو یہ اختیار نہیں کہ اُسے نہ دے دوسرے کو دیدے۔ بنوانے والے کو اختیار ہے کہ لے یا چھوڑ دے۔ عقد کے بعد کاریگر کو یہ اختیار نہیں کہ نہ بنائے۔ عقد ہو جانے کے بعد بنانا لازم ہے۔

استصناع کے جواز وعدم جواز میں فقہی معیار کا بیان

وَأَمَّا الْمُسْتَصْنِعُ فَلِأَنَّ فِي إِثْبَاتِ الْخِيَارِ لَهُ إِضْرَارًا بِالصَّانِعِ لِأَنَّهُ رُبَّمَا لَا يَشْتَرِيهِ غَيْرُهُ بِمِثْلِهِ وَلَا يَجُوزُ فِيمَا لَا تَعَامُلَ فِيهِ لِلنَّاسِ كَالثِّيَابِ لِعَدَمِ الْمُجَوِّزِ وَفِيمَا فِيهِ تَعَامُلٌ إِنَّمَا يَجُوزُ إِذَا أَمْكَنَ إِعْلَامُهُ بِالْوَصْفِ لِيُمْكِنَ التَّسْلِيمُ، وَإِنَّمَا قَالَ بِغَيْرِ أَجَلٍ لِأَنَّهُ لَوْ ضَرَبَ الْأَجَلَ فِيمَا فِيهِ تَعَامُلٌ يَصِيرُ سَلَمًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لَهُمَا، وَلَوْ ضَرَبَهُ فِيمَا لَا تَعَامُلَ فِيهِ يَصِيرُ سَلَمًا بِالِاتِّفَاقِ .

لَهُمَا أَنَّ اللَّفْظَ حَقِيقَةٌ لِلِاسْتِصْنَاعِ فَيُحَافَظُ عَلَى قَضِيَّتِهِ وَيُحْمَلُ الْأَجَلُ عَلَى التَّعْجِيلِ، بِخِلَافِ مَا لَا تَعَامُلَ فِيهِ لِأَنَّهُ اسْتِصْنَاعٌ فَاسِدٌ فَيُحْمَلُ عَلَى السَّلَمِ الصَّحِيحِ .وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ دَيْنٌ يَحْتَمِلُ السَّلَمَ، وَجَوَازُ السَّلَمِ بِإِجْمَاعٍ لَا شُبْهَةَ فِيهِ وَفِي تَعَامُلِهِمْ الِاسْتِصْنَاعَ نَوْعُ شُبْهَةٍ فَكَانَ الْحَمْلُ عَلَى السَّلَمِ أَوْلَى، وَاللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور وہ اشیاء جن کے خریدنے میں لوگوں کا عرف نہیں ہے ان میں استصناع جائز نہیں ہے جس طرح کپڑے کو جائز قرار دینے والا سبب نہیں ہے اور جن چیزوں میں لوگوں کا عرف ہے اور ان میں ایسی ہی صورت میں لوگوں کیلئے استصناع جائز ہے جبکہ وصف

کے ساتھ لوگوں کا باخبر کرنا ممکن ہو کیونکہ تب ہی سپردگی ممکن ہو سکے گی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مدت کے سوا اس لئے کہا ہے کیونکہ ان اشیاء میں جن میں لوگوں کا عرف ہے اگر میعاد معین کردی جائے تو یہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک بیع سلم بن جائے گی۔ جبکہ صاحبین کا اس میں اختلاف ہے اور اگر ان اشیاء میں میعاد معین کی جائے جن میں لوگوں کا عرف نہیں ہے تو وہ بہ اتفاق سلم ہو جائے گی۔

صاحبین علیہما الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ استصناع کا لفظ، استصناع کیلئے بطور حقیقت ہے پس اس لفظ کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کی حفاظت کی جائے اور میعاد کو عجلت پر محمول کیا جائے بہ خلاف ان اشیاء کے جن میں لوگوں کا عرف نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کا استصناع فاسد ہے پس اس کو بیع سلم کے صحیح ہونے پر محمول کرلیا جائے گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ایسا قرض ہے جو سلم کا احتمال رکھنے والا ہے اور بیع سلم کا جواز اس طرح کے اجماع سے ثابت ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں ہے جبکہ لوگوں کے عرف پر عمل کرنے میں ایک طرح سے شک واقع ہے پس اس کو بیع سلم پر محمول کرنا افضل ہوگا۔ اور اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

جدید طریقہ بیع کی شرعی حیثیت کا بیان

شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کے سیمینار میں جدید طریقہ بیع کے متعلق فتویٰ صادر کیا گیا جس کی عبارت حسب ذیل ہے

جدید طریقہ تجارت کے تحت یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ مبیع موجود و مقبوض ہونے سے قبل ہی بیچنے اور خریدنے کا عمل اہل تجارت میں عام طور پر رائج ہو گیا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے مال تیار کرنے کو کہہ کر اس سے خرید لیتا ہے اور مال موجود بھی نہیں ہے وہ دوسرے کو بیچ دیتا ہے حالانکہ ابھی وہ مال موجود مقبوض نہیں ہے اور ہکذا وہ دوسرا تیسرے شخص کو وغیرہ۔ اس میں سوال یہ ہے کہ یہ بیع کی کس قسم میں داخل ہے؟

(۱) یہ طے ہوا کہ بیع اول بیع استصناع ہے اور یہ تعامل کی وجہ سے جائز ہے لہذا جن جن اشیاء میں ایسی بیع رائج ہوگئی ہے وہ جائز ہے اور یہاں تعامل کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کا رواج ہو اور علماء سے بعد علم اس پر نکیر نہ پائی جائے۔

مذکورہ بالا بیع استصناع میں بسا اوقات ایک ماہ یا اس سے زائد کی اجل مذکور ہوتی ہے جو مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر استصناع کے بجائے سلم ہو جاتی ہے اور اس میں جملہ شرائط سلم صحت عقد کے لئے لازم ہیں اور حضرات صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب پر ایک ماہ یا زائد کی مدت استعجال کے لئے ہوتی ہے نہ کہ بطور شرط تو کیا اس مسئلہ میں قول امام سے عدول درست ہے اگر درست ہے تو کس بناء پر؟

(۲) باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ استصناع میں ایک ماہ یا اس سے زائد کی اجل کا ذکر بطور استعجال ہے جو صاحبین کا قول ہے۔ اس مسئلہ میں قول امام سے عدول دفع حرج شدید کی بناء پر درست ہے۔

(۳) استصناع بوجہ تعامل ہی جائز ہے اور اس تعامل کی بناء حاجت پر ہے۔ اس لئے بعض فقہا نے جواز الاستصناع للحاجۃ

ذکرفرمادیاہے۔

سوال میں یہ جو ذکر کیا گیا کہ ایک شخص کسی سے مال کا عقد استصناع کرتا ہے پھر مال کے موجود ہونے سے پہلے ہی کسی دوسرے تاجر کو بیع کردیتااوردوسرا تاجر بھی ملک وقبضہ سے پہلے تیسرے تاجر کو بیع کرتا ہے۔وہلمذا جری۔

اس سلسلے میں یہ فیصلہ ہوا کہ اول کی بیع استصناع ہےاور بعدوالی بیعوں کے متعلق تحقیق کے بعد یہ پتہ چلا کہ مستصنع اوراس کے بعد کے تجارایک دوسرے سے صرف معاہدہ بیع کرتے ہیں نہ کہ بیع اس لئے یہ جائز ہے کہ معزوم کی بیع وشراء کا وعدہ بے قباحت جائز ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم (دستخط اراکین فیصل بورڈ)

(۱) قاضی القضاۃ تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری مدظلہ العالی (۲) محدث کبیر حضرت علامہ مفتی ضیاءالمصطفیٰ قادری امجدی دام ظلہ العالی (۳) ماہرہفت لسان حضرت علامہ مفتی محمد عاشق الرحمٰن حبیبی مدظلہ العالی۔

مسائل منثورۃ

﴿یہاں مسائل منثورہ کو بیان کیا جائے گا﴾

مسائل منثورہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ مسائل منثورہ ہیں یا شتی ہیں یا متفرقہ ہیں۔ علامہ کاکی نے کہا ہے کہ ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ علامہ اکمل نے کہا ہے مصنفین کی یہ عادت ہے کہ وہ ایسے مسائل کو کتابوں کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ شاذ و نادر ہونے کی وجہ سے یہ مسائل ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ جبکہ ان کے فوائد کثیر ہوتے ہیں۔ اور ان مسائل کو منثور ہ، متفرقہ یا شتی کہا جاتا ہے۔ (البنایہ شرح الہدایہ، ۵، ص، ۴۲۸، حقانیہ ملتان)

درندوں کی بیع کے جواز کا بیان

قَالَ (وَيَجُوزُ بَيْعُ الْكَلْبِ وَالْفَهْدِ وَالسِّبَاعِ، الْمُعَلَّمُ وَغَيْرُ الْمُعَلَّمِ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ بَيْعُ الْكَلْبِ الْعَقُورِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُنْتَفَعٍ بِهِ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :لَا يَجُوزُ بَيْعُ الْكَلْبِ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (إنَّ مِنْ السُّحْتِ مَهْرَ الْبَغِيِّ وَثَمَنَ الْكَلْبِ) وَلِأَنَّهُ نَجِسُ الْعَيْنِ وَالنَّجَاسَةُ تُشْعِرُ بِهَوَانِ الْمَحَلِّ وَجَوَازُ الْبَيْعِ يُشْعِرُ بِإِعْزَازِهِ فَكَانَ مُنْتَفِيًا .

وَلَنَا (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْكَلْبِ إلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ مَاشِيَةٍ) وَلِأَنَّهُ مُنْتَفَعٌ بِهِ حِرَاسَةً وَاصْطِيَادًا فَكَانَ مَا لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ، بِخِلَافِ الْهَوَامِّ الْمُؤْذِيَةِ ؛ لِأَنَّهُ لَا يُنْتَفَعُ بِهَا، وَالْحَدِيثُ مَحْمُولٌ عَلَى الِابْتِدَاءِ قَلْعًا لَهُمْ عَنْ الِاقْتِنَاءِ وَلَا نُسَلِّمُ نَجَاسَةَ الْعَيْنِ، وَلَوْ سُلِّمَ فَيَحْرُمُ التَّنَاوُلُ دُونَ الْبَيْعِ .

ترجمہ

فرمایا: کتے، چیتے اور درندے کی بیع کرنا جائز ہے اور وہ اس حکم میں سکھایا ہوا اور غیر سکھایا ہوا دونوں برابر ہیں۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ باؤلے (ہلکے) کتے کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کتے کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زانیہ کی اجرت اور کتے کی قیمت حرام ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ کتا نجس العین ہے جبکہ نجاست محل کے ذلیل ہونے کا حکم بیان کرنے والی ہے حالانکہ جواز بیع تو

کسی چیز کے معزز ہونے کی خبر دینے والا ہے۔ پس اسکی بیع ختم ہو جائے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شکاری اور حفاظت کرنے والے کتوں کے علاوہ کی بیع سے منع کیا ہے کیونکہ حفاظت اور شکار کے کتے سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے کیونکہ وہ مال ہے اور اس کی بیع بھی جائز ہے۔ بہ خلاف ایذا دینے والے کیڑوں مکوڑوں کے کیونکہ ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا کرتا۔ اور وہ حدیث جو بالکل کتوں سے الگ کرنے کا حکم دیتی ہے اس کو ابتدائے اسلام پر محمول کیا جائے گا اور اسی طرح اسکا نجس عین ہونا بھی ہمارے نزدیک درست نہیں ہے اور اگر مان بھی لیا جائے تب بھی اس کا کھانا حرام ہوگا اس کی بیع کرنا حرام نہ ہوگا۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کتا، بلی، ہاتھی، چیتا، باز، شکرا، ان سب کی بیع جائز ہے۔ شکاری جانور معلّم (سکھائے ہوئے) ہوں یا غیر معلم دونوں کی بیع صحیح ہے، مگر یہ ضرور ہے کہ قابل تعلیم ہوں، کٹکھنا کتا جو قابل تعلیم نہیں ہے اُس کی بیع درست نہیں۔ بندر کو کھیل اور مذاق کے لیے خریدنا منع ہے اور اُس کے ساتھ کھیلنا اور تمسخر کرنا حرام۔ جانور یا زراعت یا کھیتی یا مکان کی حفاظت کے لیے یا شکار کے لیے کتا پالنا جائز ہے اور یہ مقاصد نہ ہوں تو پالنا ناجائز اور جس صورت میں پالنا جائز ہے اُس میں بھی مکان کے اندر نہ رکھے البتہ اگر چور یا دشمن کا خوف ہے تو مکان کے اندر بھی رکھ سکتا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب بیوع)

کتے وغیرہ کی بیع کے جواز وعدم جواز میں فقہی مذاہب

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پچھنے لگانے کی اجرت زنا کی اجرت اور کتے کی قیمت حرام ہے۔ اس باب میں حضرت عمر، ابن مسعود، جابر، ابو ہریرہ، ابن عباس، ابن عمر اور عبداللہ بن جعفر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی روایات منقول ہیں۔ حدیث رافع بن خدیج حسن صحیح ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کتے کی قیمت حرام ہے امام شافعی، احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض اہل علم نے شکاری کتے کی قیمت کو جائز قرار دیا ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1296)

حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتے کی قیمت ناپاک مال ہے زنا کار عورت کی اجرت حرام مال ہے سینگی کھینچنے والے کی کمائی ناپسندیدہ مال ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 6)

پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ لفظ خبیث کے لغوی معنی، ناپاک اور برا، کے ہیں لیکن فقہی طور پر اس کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ ائمہ مجتہدین اور فقہاء حسب موقع ومحل اس کے معنی کبھی حرام کبھی ناپاک اور کبھی مکروہ وغیرہ مراد لیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام شافعی نے ثمن الکلب خبیث میں خبیث کے معنی حرام مراد لیتے ہوئے کہا ہے کہ حدیث سے چونکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتے کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال حرام ہے اس لئے کتے کی خرید وفروخت بھی ناجائز ہے۔ کتا خواہ معلم (یعنی سدھایا ہوا ہو) خواہ غیر معلم (یعنی سدھایا ہوا نہ) ہو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ حضرت امام محمد اور بعض دوسرے ائمہ کا قول یہ ہے

کہ ان کتوں چیتوں اور درندوں کی خرید وفروخت جائز ہے جن سے فائدے حاصل ہوتے ہیں خواہ وہ معلم ہوں یا غیر معلم ان حضرات نے ثمن الکلب خبیث کے بارہ میں یہ کہا ہے کہ لفظ خبیث محض حرمت ہی پر دلالت نہیں کرتا جس کی واضح مثال اس حدیث کے الفاظ و کسب الحجام خبیث ہیں اگر لفظ خبیث سے حرام ہی مراد لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا سینگی کھینچنے والے کو جو اجرت حاصل ہوتی ہے وہ بھی حرام ہے حالانکہ متفقہ طور پر تمام علماء کے نزدیک وہ حرام نہیں ہے لہذا ثمن الکلب خبیث میں لفظ خبیث کے معنی ناپاک مراد لیتے ہوئے اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کتے کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال ناپاک یعنی مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔

کسب الحجام خبیث میں لفظ خبیث کے معنی ناپسندیدہ مراد لئے گئے ہیں کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں ثابت ہے کہ آپ نے سینگی کھنچوانے کی اجرت ادا کی ہے اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو آپ خود کیوں دیتے لہذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ سینگی کھینچنے والے کو اپنی اجرت کے طور پر جو مال ملتا ہے وہ ناپسندیدہ یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔

کتوں کی بیع کے جواز وعدم جواز میں مذاہب اربعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کتا رکھا اس کے نیک اعمال میں سے ہر روز ایک قیراط نیکیاں کم ہو جائیں گی، سوائے کھیتی اور مویشیوں کی حفاظت کی خاطر رکھے گئے کتا کے۔

امام بخاری نے مزید روایت کیا ہے: ہاں وہ کتا رکھنا جائز ہے جو بکریوں اور کھیتی یا شکار کیلئے رکھا جائے۔

(بخاری، الصحیح، 817 : 2، رقم 2197 ، دار ابن کثیر الیمامہ، بیروت، مسلم، الصحیح، 1203 : 3، رقم 1575 ، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام نووی شافعی فرماتے ہیں: ہمارا مذہب یہ ہے کہ بلا ضرورت کتا پالنا حرام ہے ہاں شکار، کھیتی اور مویشیوں کی حفاظت کیلئے جائز ہے۔ نووی، شرح صحیح مسلم، 236 : 10، دار احیاء التراث العربی، بیروت

امام قرطبی اندلسی مالکی فرماتے ہیں: امام مالک کا مذہب مشہور ہے کہ کتا رکھنا جائز ہے اور اس کا بیچنا، خریدنا مکروہ ہے اگر بیع ہوگی تو فسخ نہ ہوگی، تو گویا ان کے نزدیک یہ نجس نہ ہوا اور انہوں نے اس کے جائز منافع حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اور اس کا حکم باقی اموال تجارت کی طرح ہے ہاں شریعت نے اسکی خرید وفروخت سے منع فرمایا تو یہ کراہت تنزیہی ہے کہ اخلاق حسنہ کے خلاف ہے۔ (عسقلانی، فتح الباری شرح الصحیح بخاری، 427 : 4، دار المعرفۃ، بیروت)

امام حجر عسقلانی شافعی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: اس پر دلیل دی گئی ہے کہ کتے کا چھوٹا بچہ ان فوائد کیلئے پالنا جو اسکے بڑا ہونے سے وابستہ ہیں جائز ہے اور ان فوائد کی نیت وارادہ ان کے حصول کے قائم مقام ہوگا۔ جیسے ان اشیاء کو بیچنا جائز جس سے ابھی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا مگر مستقبل میں ان سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ عسقلانی، فتح الباری شرح الصحیح بخاری، 7 : 5

عطاء بن ابی رباح، ابراہیم نخعی، امام ابو حنیفہ، ابو یوسف، امام محمد، ابن کنانہ سحنون مالکی امام مالک ایک روایت کے مطابق ان

تمام آئمہ اعلام علیہم الرحمۃ والرضوان نے فرمایا:

جن کتوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے ان کو خریدنا بیچنا جائز اور قیمت حلال ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کاٹنے والے کتے نہ بیچنا جائز، نہ اسکی قیمت جائز۔ بدائع میں ہے خنزیر کے علاوہ تمام درندوں مثلاً کتا، تیندوا بھیڑیا، شیر، چیتا، بلی وغیرہ کی خرید وفروخت ہمارے اصحاب (حنیفہ) کے نزدیک جائز ہے پھر ہمارے نزدیک اصل میں اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ یہ جانور پڑھائے سدھائے ہوں یا نہ ہوں، سو جیسے ہوان کی تجارت جائز ہے۔ امام ابو یوسف اور امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک پاگل کتے کی بیع جائز نہیں۔ (علامہ بدرالدین عینی، عمدۃ القاری، 59 : 12، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

فقہائے کرام: کتا، تیندوایا بھیڑیا اور سدھائے ہوئے یا غیر سکھائے ہو یا غیر معلم درندوں کی خرید وفروخت جائز ہے۔ (خنزیر اور کاٹنے والے کتے کے علاوہ)۔

امام ابن ہمام لکھتے ہیں شکار مویشیوں، گھروں اور فصلوں کی حفاظت کیلئے کتا پالنا، بالاجماع جائز ہے، مگر گھر میں نہ رکھے، ہاں چوروں یا دشمنوں کا ڈر ہو تو گھر میں بھی رکھ سکتا ہے اس حدیث صحیح کی بنا پر کہ جس نے شکار اور مویشیوں کی حفاظت کے علاوہ گھر میں کتا پالا ہر دن اس کے اجر وثواب میں دو قیراطوں کی کمی کردی جائے گی۔

گڑیا کی بیع اور بچوں کا اس سے کھیلنا جائز ہے، کتے بھیڑیے، ہاتھی اور تمام درندوں کے یہاں تک یہ بلی اور پرندے سدھائے ہوں یا نہ، سب کی خرید وفروخت جائز ہے سوائے خنزیر کے۔ (شامی، الدر المختار مع رد المحتار، 226 : 5، کراچی)

(علاء الدین کاسانی، بدائع الصنائع، 142 : 5، کراچی)

سانپوں کی تجارت جائز ہے جب ان سے دوائیں بنائی جائیں اگر اسکے لئے مفید نہیں تو بیع جائز نہیں۔ صحیح یہ ہے ہر چیز جس سے نفع اٹھایا جائے اسکی تجارت جائز ہے۔ ہمارے نزدیک سکھائے ہوئے کتے کی بیع جائز ہے یونہی بلی اور وحشی درندوں اور پرندوں کی خرید وفروخت درست ہے سکھائے سدھائے ہوں یا نہ ہوں۔ جس کتے کو سدھایا پڑھایا نہ جائے اگر وہ قابل تعلیم ہے تو اس کا لین دین بھی جائز ہے اگر قابل تعلیم نہیں (پاگل ہے) تو اسکی بیع درست نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہم شیر کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر قابل تعلیم وتربیت ہے اور اس سے شکار کیا جاتا ہے تو اس کی بیع جائز ہے۔ بھیڑیا اور باز تعلیم ہر حال میں قبول کرتے ہیں لہٰذا ان کی ہر حال میں تجارت بھی جائز ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا چھوٹے بڑے کا ایک ہی حکم ہے ہاتھی کی تجارت جائز ہے بندر کی خرید وفروخت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت جواز کی ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے اور خنزیر کے علاوہ تمام حیوانوں کی خرید وفروخت جائز ہے یہی مذہب مختار ہے۔

(الشیخ نظام وجماعۃ من علماء الہند، الفتاوی الہندیۃ، 11 : 3، دار الفکر)

علامہ عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں کہ کتے کی بیع میں حسب ذیل فقہی مذاہب ہیں۔

مالکیہ:

کتے کی بیع جائز نہیں، خواہ کسی مقصد کیلئے رکھا جائے۔ کہ حدیث پاک میں ممانعت ہے۔ بعض مالکیہ کے نزدیک شکار اور حفاظت کیلئے کتا رکھنا بھی جائز اور اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے۔

حنابلہ:

کتے کی خرید وفروخت کسی صورت جائز نہیں، ہاں شکار، مویشیوں اور کھیتی کی حفاظت کیلئے کتا پالنا جائز ہے۔ بشرطیکہ سیاہ رنگ نہ ہو بلی کی بیع میں اختلاف ہے۔ مذہب مختار یہ ہے کہ نا جائز ہے درندوں کی بیع جائز ہے جیسے ہاتھی اور باقی درندے جیسے شکاری پرندوں کی بیع جائز ہے جیسے باز، شکرا، حشرات الارض کی بیع جائز نہیں جیسے بچھو، سانپ، ہاں ریشم کے کیڑوں کی بیع جائز ہے یونہی شکار کیلئے استعمال ہونے والے کیڑے۔

حنفیہ:

گوبر، بیٹھ وغیرہ کی خرید وفروخت جائز ہے اور ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، بطور ایندھن ان کا استعمال جائز ہے اور بیع درست ہے۔ کتا شکار یا حفاظت کیلئے یونہی خنزیر کے علاوہ دیگر درندے مثلاً شیر، بھیڑیا ہاتھی وغیرہ، جب ان سے یا ان کے چمڑوں سے فائدہ اٹھایا جائے مذہب مختار کی رو سے ان کو پالنا اور ان کی خرید وفروخت جائز ہے۔ یونہی حشرات الارض، کیڑے مکوڑے مثلاً سانپ بچھو وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جائے تو ان کو رکھنا پالنا اور لین دین جائز ہے، جیسے شکاری پرندوں کی بیع وشراء جائز ہے مثلاً شکرا، باز قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز میں فائدہ ہو اور شرعاً اجازت ہو اس کی بیع وشراء جائز ہے۔

(علامہ عبدالرحمٰن الجزیری، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، 232 : 2، دار احیاء التراث العربی، بیروت . لبنان)

کتوں کی بیع کے عدم جواز میں فقہی دلائل کا بیان

حالیہ برسوں میں مغلوبانہ ذہنیت کی وجہ سے ہر معاملہ میں مغرب کی طرف دیکھنے کا رجحان تیزی سے بڑھا ہے، مغربی تہذیب میں جس چیز کو تہذیب وتمدن کی علامت کے طور پر دیکھا جاتا ہے خواہ وہ کتنی ہی بدنما کیوں نہ ہو ہم اسے بغیر سوچے سمجھے اپنا کر مہذب سماج کا حصہ بننے کی کوشش کرتے ہیں، انھیں مغربی تہذیب کی علامتوں میں سے ایک علامت خوبصورت کتوں کو پالنا اور ان کی پرورش اور نگہداشت پر خطیر رقم صرف کرنا بھی ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کا پوش کہلانے والا طبقہ اور اس کو دیکھ کر درمیانی طبقہ بھی کتوں کو پالنا ایک فیشن سمجھتا ہے۔ لوگوں کی اسی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے آج کل کتوں کی خرید وفروخت ایک نفع بخش تجارت بن گئی ہے، بڑے بڑے شہروں میں ایسی دکانوں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے جہاں دیسی اور ولایتی نسل کے کتوں کی بہت ساری قسمیں پائی جاتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض ضرورتوں کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو پالنے کی اجازت دی ہے، مگر اس موقع پر جس قسم کے کتوں کے پالنے کے بارے میں گفتگو کی جارہی ہے یہ اس قسم کے کتے ہیں جن کی

حفاظت خود مالک کرتا ہے، وہ اتنے نازک ہوتے ہیں کہ دوقدم پیدل چلنا بھی ان کے لیے دشوار ہوتا ہے۔ یہ خوبصورت کتے اکثر کاروں میں مالک کی گود میں بیٹھ کر باہر سر نکالے نظر آتے ہیں، اس قسم کے کتوں کی پرورش کی اجازت اسلام ہرگز نہیں دیتا۔ شریعت کی بیان کردہ ضرورت کے پیش نظر کتا پالنا اور چیز ہے، فیشن کے طور پر پالنا اور چیز، ضرورت کے تحت کتا پالنا الگ چیز ہے اور اسی کو تجارت بنالینا الگ چیز۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کو بیچنے اور اس کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ ابو مسعود رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی للہ صلیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہیں: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الكلب و مهر البغى، و حلوان الكاهن (صحيح بخارى كتاب البيوع باب ثمن الكلب رقم، صحيح مسلم كتاب المساقاة باب تحريم ثمن الكلب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت لینے، زنا کا پیسہ لینے اور کہانت کا معاوضہ لینے سے منع فرمایا ہے۔ صحیح مسلم (۱) کی روایت میں ہے کہ ابوالزبیر نے جابر رضی اللہ عنہ سے کتے اور بلی کی قیمت کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا: زجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے روکا ہے۔ صحیح مسلم (۲) کی ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یوں بیان کئے گئے ہیں: شر الكسب مهر البغى و ثمن الكلب و كسب الحجام۔

سب سے بری کمائی زنا کی کمائی اور کتے کو بیچ کر کی گئی آمدنی ہے اور حجامت کے ذریعہ کمائی کرنا ہے۔ مذکورہ بالا حدیثوں میں جن پیشوں کی ممانعت آئی ہے ان سبھی کے بارے میں گفتگو کا یہ محل نہیں اس لیے یہاں صرف کتوں کی تجارت کے تعلق سے گفتگو ہوگی۔ مذکورہ بالا حدیثوں کو سامنے رکھتے ہوئے علماء کرام نے کہا ہے کہ کتوں کی تجارت اور اس کے ذریعہ حاصل کی گئی آمدنی حرام ہے۔ اس حکم میں ہر قسم کے کتے شامل ہیں خواہ وہ شکار کے لیے ہوں یا کسی اور مقصد کے لیے، جب کہ بعض علماء شکاری کتوں کو اس ممانعت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل مندرجہ ذیل حدیثیں ہیں۔ شکاری کتوں کو ممانعت کے حکم سے الگ کرنے والی احادیث ہیں۔

(۱) عن جابر رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الكلب لا كلب الصيد۔ (سنن الترمذی رقم) جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے، ہاں، شکاری کتے کی قیمت لینے کی اجازت ہے۔

(۲) عن جابر رضى الله عنه ا ّان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن ثمن الكلب و السنور ّالا كلب الصيد (سنن نسائی)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی قیمت لینے سے منع فرمایا، البتہ شکاری کتے کی اجازت دی ہے۔

(۳) عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ثمن الكلب سحت الا كلب صيد ۔(دارقطنی)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کتے کی قیمت حرام ہے البتہ شکاری کتے کی قیمت (حلال ہے)۔

(۴) عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی مرفوعا ثلاث كلهن سحت كسب الحجام و مهر البغی و ثمن الكلب لا كلب الضاری۔(دارقطنی)

تین چیزیں حرام ہیں() حجام کی اجرت، بدکاری کا مہر، کتے کی قیمت سوائے شکاری کتے کے۔شکاری کتوں کی قیمت کے جواز حدیثوں کی اسنادی حالت: پہلی حدیث صحیح نہیں ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث اس سند سے صحیح نہیں ہے۔اس کی سند میں ابومہزم جن کا نام یزید بن سفیان ہے، کے بارے میں شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابومہزم کو دیکھا اگر کوئی انھیں ایک درہم دیدے تو اس کے بدلے حدیث گڑھ دیتے۔نسائی نے انھیں متروک اور ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔(لسان المیزان)

لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔دوسری حدیث کو نسائی نے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اس کی علت یہ ہے کہ اس کے اندر ابوالزبیر ہیں جن کی تدلیس مشہور ہے۔

ابن حزم فرماتے ہیں: ہر وہ حدیث جس میں ابوالزبیر یہ نہ کہیں کہ انھوں نے اسے جابر سے سنا یا جابر نے ان سے یہ بات بیان کی ہے یا لیث نے ان سے بروایت جابر بیان کیا ہے تو خود ابوالزبیر کے اقرار کی بنیاد پر انھوں نے اسے جابر سے نہیں سنا ہے۔ (المحلی)

اور اس جگہ چوں کہ مذکورہ بالا چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس حدیث میں انقطاع ہے۔جہاں تک تیسری حدیث کا تعلق ہے تو اس میں یحییٰ بن ایوب مختلف فیہ اور مثنی بن صباح بھی ضعیف ہیں، لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

چوتھی حدیث دارقطنی کی ہے اس کے اندر محمد بن مصعب صدوق اور کثیر الغلط ہیں (التقریب) اور دوسرے راوی ولید بن عبیداللہ ضعیف ہیں، لہٰذا یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔مذکورہ بالا ساری حدیثیں جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ حد درجہ ضعیف ہیں، یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ایک دوسرے سے تقویت کے اصول کو مانتے ہوئے ان احادیث پر حسن یا حسن لغیرہ کا حکم نہیں لگایا ہے،

ہاں تمام طرق کو اکٹھا کر کے اس کے ضعیف ہونے کے باوجود اس استثناء کو حسن قرار دیا ہے اور کہا ہے: خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میں ترجمہ کی حدیث اور اس کے بعض طرق اور شواہد سے واقف ہوا تو جو کچھ میں حدیث نمبر کے تحت لکھ چکا تھا اس سے رجوع کرنا میرے لے واجب ہوگیا جو اس تحقیق کے مخالف تھا۔

مذکورہ تحقیق کے اندر جن دلائل کی بنیاد پر اس استثناء کو حسن قرار دیا ہے اگر ان اصولوں کو مان لیا جائے تو ایسی صورت میں بہت ساری حدیثیں جن کو ضعیف کے زمرہ میں رکھا گیا ہے ان کو حسن یا حسن لغیرہ کے زمرہ میں رکھنا پڑے گا۔ استثناء کی ایک بھی حدیث شدید قسم کی تنقید سے خالی نہیں، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، ایسے میں کیسے یہ مان لیا جائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے تقویت پا کر یہ حسن کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث کی روایت میں راویوں کو وہم ہوا ہے اور انھوں نے کتوں کی قیمت کی ممانعت اور کتے پالنے کی حدیثوں کو آپس میں گڈ مڈ کر دیا ہے جیسا کہ ابن قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

عقلی دلائل: جو لوگ کتوں کی خرید و فروخت کے قائل ہیں وہ اس کے جواز کے لیے یہ دلیل دیتے ہیں کہ کتوں کی قیمت لینے سے اس وقت منع کیا گیا تھا جب ان کے قتل کا حکم تھا مگر جب قتل کا حکم ساقط ہو گیا تو اسی کے ساتھ ان کی قیمت لینے یا بیچنے کی ممانعت بھی ختم ہو گئی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی دلیل چاہئے اور ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بعض لوگ عثمان بن عفان اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے بعض فیصلوں سے جن میں انھوں نے کلب عقور کی قیمت کا تاوان دینے کو کہا ہے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ جب ایک چیز کے ضائع ہونے پر اس کا تاوان ہو سکتا ہے تو اس کی قیمت بھی لی جا سکتی ہے، مگر جیسا کہ ابن حزم (محلی) نے کہا ہے: یہ بیع ہے نہ قیمت، بلکہ قصاص ہے لہٰذا استدلال فاسد ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کتے کو گھوڑوں اور گدھوں پر قیاس کرتے ہوئے اس کی قیمت کو جائز قرار دیتے ہیں، ابن قیم نے کہا ہے کہ کتے کو خنزیر پر قیاس کرنا زیادہ مناسب ہے اس وجہ سے کہ اس سے زیادہ مشابہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ کتوں کی تجارت جائز نہیں ہے، اگر شکاری کتوں کی قیمت لینے کو جائز بھی قرار دیا جائے تب بھی عام کتوں کی حرمت یہ دستور باقی ہے لہٰذا ایسے کتوں کی خرید و فروخت جو گھر یا مال و دولت کی رکھوالی کے لائق نہ ہوں ہر حال میں ناجائز ہے۔ جہاں تک رہی یہ بات کہ کسی کو اپنے گھر کی حفاظت کے لیے کتے کی ضرورت ہے اور بغیر خریدے اسے کتا نہیں مل رہا ہے تو کیا کرے؟ ابن حزم کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں خریدنے والا نہیں بیچنے والا گنہگار ہوگا۔ (المحلی)

گھروں میں شوقیہ کتوں کو رکھنے کی ممانعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جانوروں کے تعلق سے اسلام شفقت و رحمت کی ممانعت کرتا ہے بلکہ اس کی یہ تعلیم ہر ایک کو اس کا مناسب حق دینے کے اصول کے عین مطابق ہے، اسلام اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کتوں کو انسان کا درجہ دے دیا جائے۔

شراب اور خنزیر کی بیع کے عدم جواز کا بیان

وَقَالَ (وَلَا يَجُوزُ بَيْعُ الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إنَّ الَّذِي حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا وَأَكْلَ ثَمَنِهَا وَلِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالٍ فِي حَقِّنَا، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ .

ترجمہ

فرمایا: شراب اور خنزیر کی بیع جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس ذات نے اس کا پینا حرام کیا ہے اس نے اس کو فروخت کرنا بھی حرام کیا اور اس کی قیمت کا کھانا بھی حرام کیا ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ یہ مال نہیں ہے اور تحقیق ہم اس کی ذکر کر چکے ہیں۔ (شرح ہدایہ پانچویں، آٹھویں جلد کا مطالعہ کریں کہ حرام اشیاء کی خرید وفروخت کا شرعی حکم کیا ہے، رضوی)

شراب وخنزیر کی بیع کی حرمت میں فقہی مذاہب

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے شراب مردار خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے جب آپ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمیں مردار کی چربی کا حکم بھی بتایئے جو کشتیوں پر ملی جاتی ہے نیز اس سے چمڑوں کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ (گھروں میں) اس سے چراغ جلاتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مردار کی چربی بھی حرام ہے اس لئے اس سے یہ فائدے اٹھانے جائز نہیں پھر آپ نے اسی وقت یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے جب اللہ تعالیٰ نے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو یہود (نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ) چربی کو پگھلاتے اور بیچ ڈالتے اور پھر اس کی قیمت کھا جاتے ہیں۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 9)

عطاء نے لکھا ہے کہ شراب وغیرہ کے مذکورہ بالا حکم میں باجا بھی داخل ہے کہ اس کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں ہے نیز اگر کوئی شخص کسی باجے کو تلف کر دے تو اس پر ضمان یعنی مالک کو اس کی قیمت ادا کرنا واجب نہیں ہوتا۔

حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مردار کی چربی کی خرید وفروخت تو جائز نہیں ہے لیکن اس چربی سے فائدہ اٹھانا یعنی اس کو کھانے اور آدمی کے جسم پر ملنے کے علاوہ اور کام میں استعمال کرنا جائز ہے خواہ کشتی پر ملے خواہ چراغ میں جلائے اور خواہ کسی اور کام میں لائے اسی طرح ان کے مسلک کے مطابق جو گھی یا زیت یا اور کوئی تیل نجاست پڑ جانے کی وجہ سے نجس ہو گیا ہو تو اس کو چراغ میں جلانے یا اس کا صابون بنانا جائز ہے جب کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح مردار کی خرید وفروخت ناجائز ہے اسی طرح اس سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا یعنی اس کی کسی بھی چیز کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے کیونکہ مردار کی حرمت بطریق عموم ثابت ہے البتہ دباغت کیا ہوا چمڑا اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کا جواز خصوصی طور پر ثابت ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے متبعین علماء نے نجس زیت کو بیچنے کی اجازت دی ہے البتہ ان کے نزدیک نجس تیل کو چراغ میں جلانا بالخصوص مسجد میں جلانا مکروہ ہے۔

حدیث کے آخر میں یہودیوں کی ایک خاص عیاری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب ان کے لئے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو انہوں نے یہ حیلہ اختیار کیا کہ وہ چربی کو پگھلا کر اس کو بیچ دیتے تھے اور پھر اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے

والے مال کو اپنے استعمال میں لے آتے اور یہ کہتے تھے کہ اللہ نے تو چربی کھانے سے منع کیا ہے اور ہم چربی نہیں کھاتے بلکہ اس کی قیمت کے طور پر حاصل ہونے والا مال کھاتے ہیں گویا وہ جاہل چربی کو پگھلا کر یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے چربی کی حقیقت کو بدل دیا ہے کہ پگھلانے کے بعد وہ چربی نہیں رہ گئی ہے اس لئے اس صورت میں حکم الٰہی کی خلاف ورزی نہیں ہوتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس عیارانہ چال کی وجہ سے ان کو اللہ کی لعنت کا مستحق قرار دیا اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایسا حیلہ اختیار کرنا کہ جس کے سبب سے حرام کا ارتکاب ہوتا ہو بالکل غلط ہے نیز یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ کسی چیز کی قیمت حکم کے اعتبار سے اسی چیز کے تابع ہے کہ اگر وہ چیز حرام ہوگی تو اس کی قیمت بھی حرام ہوگی اور جو چیز حلال ہوگی اس کی قیمت بھی حلال ہوگی۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے ان تیموں کے لیے شراب خریدی تھی جو میری کفالت میں ہیں آپ نے فرمایا شراب بہا دو اور برتن کو توڑ ڈالو۔ اس باب میں جابر، عائشہ، ابوسعید، ابن مسعود، ابن عمر، اور انس رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت ابوطلحہ کی حدیث ثوری، سدی سے وہ یحیی بن عباد سے اور وہ انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوطلحہ ان کے نزدیک تھے یہ حدیث لیث کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1313)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب سے متعلق دس آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے۔ 1)) نکالنے والے 2)) شراب نکلوانے والے 3)) پینے والے 4)) پلانے والے 5)) لے جانے والے 6)) جس کی طرف لے جائی جارہی ہے 7)) فروخت کرنے والے 8)) شراب کی قیمت کھانے والے 9)) خریدنے والے 10)) جس کے لیے خریدی گئی ہوئی اس پر۔ یہ حدیث انس کی روایت ہے غریب ہے حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر سے بھی اس کے مثل منقول ہے یہ حضرات نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1315)

حرام اشیاء کی خرید وفروخت کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فتح مکہ کے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آپ کا قیام ابھی مکہ ہی میں تھا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، سور اور بتوں کا بیچنا حرام قرار دے دیا ہے۔ اس پر پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ مردار کی چربی کے متعلق کیا حکم ہے؟ اسے ہم کشتیوں پر ملتے ہیں۔ کھالوں پر اس سے تیل کا کام لیتے ہیں اور لوگ اس سے اپنے چراغ بھی جلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں وہ حرام ہے۔ اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ اللہ یہودیوں کو برباد کرے اللہ تعالیٰ نے جب چربی ان پر حرام کی تو ان لوگوں نے پگھلا کر اسے بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔ ابوعاصم نے کہا کہ ہم سے عبدالحمید نے بیان کیا، ان سے یزید نے بیان کیا، انہیں عطاء نے لکھا کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے سنا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ (بخاری، رقم الحدیث، ۲۲۳۶)

مکہ 8 ھ میں فتح ہوا ہے۔ مردار کی چربی، اکثر علماء نے اس کے متعلق یہ بتلایا ہے کہ اس کی بیچنا حرام ہے اور اس سے نفع اٹھا!

درست ہے۔ مثلاً کشتیوں پر لگانا اور چراغ جلانا۔ بعض نے کہا کوئی نفع اٹھانا جائز نہیں سوا اس کے جس کی صراحت حدیث میں آ گئی ہے۔ یعنی چمڑا جب اس کی دباغت کر لی جائے، اگر کوئی پاک چیز ناپاک ہو جائے جیسے لکڑی یا کپڑا تو اس کی بیع جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مرحوم فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ و رسولہ حرم بیع الخمر و المیتۃ و الخنزیر و الاصنام یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے اور نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ اذا حرم شیئا حرم ثمنہ بے شک خداوند تعالیٰ نے جس چیز کو حرام قرار دے دیا تو اس کی قیمت کو بھی حرام کیا ہے، یعنی جب ایک چیز سے نفع اٹھانے کا طریق مقرر ہے مثلاً شراب پینے کے لیے ہے۔ اور بت صرف پرستش کے لیے۔ پس اللہ نے ان کو حرام کر دیا۔ اس لیے اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ ان کی بیع بھی حرام کی جائے۔ اور نیز آپ نے فرمایا مہر البغی خبیث یعنی زانیہ کی اجرت خبیث ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہن کو اجرت دینے سے منع فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغنیہ کے کسب سے نہی فرمائی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جس مال کے حاصل کرنے میں گناہ کی آمیزش ہوتی ہے، اس مال سے نفع حاصل کرنا بدو وجہ حرام ہے ایک تو یہ کہ اس مال کے حرام کرنے اور اس سے انتفاع نہ حاصل کرنے میں معصیت سے باز رکھنا ہے اور اس قسم کے معاملہ کے دستور جاری کرنے میں فساد کا جاری کرنا اور لوگوں کو اس گناہ پر آمادہ کرنا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی دانست میں اور ان کی سمجھ میں ثمن بیع سے حیلہ پیدا ہوتا ہے اور اس عمل کی خباثت ان کے علوم میں اس ثمن اور اس اجرت کے اندر سرایت کر جاتی ہے اور لوگوں کے نفوس میں بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے باب میں اس کے نچوڑنے والے اور نچڑوانے والے اور پینے والے اور لے جانے والے اور جس کے پاس لے جا رہا ہے ان سب پر لعنت فرمائی کیوں کہ معصیت کی اعانت اور اس کا پھیلانا اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا بھی معصیت اور زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے، انصار میں سے ہیں۔ قبیلہ سلم کے رہنے والے ہیں۔ ان کا شمار ان مشہور صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے حدیث کی روایت کثرت سے کی ہے۔ بدر اور جملہ غزوات میں جن کی تعداد اٹھارہ ہے۔ یہ شریک ہوئے۔ شام اور مصر میں تبلیغی و تعلیمی سفر کیے۔ آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ ان سے جماعت کثیرہ نے احادیث کو نقل کیا ہے۔ 94 سال کی عمر میں 74ھ میں مدینۃ المنورہ میں وفات پائی۔ جب کہ عبدالملک بن مروان کی حکومت کا زمانہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے آخر میں وفات پانے والے یہی بزرگ ہیں۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ آمین

کتے کی بیع کرنے میں مذاہب اربعہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کا یہ قول ہے کہ مطلقاً کسی کتے کی بیع جائز نہیں، سکھایا ہوا ہو یا بن سکھایا ہوا۔ اور اگر کوئی

اس کو مار ڈالے تو اس پر ضمان لازم نہیں آتا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضمان لازم ہوگا۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شکاری اور فائدہ مند کتے کی بیع درست ہے۔

اہل ذمہ کی خرید وفروخت کے احکام

قَالَ (وَأَهْلُ الذِّمَّةِ فِي الْبِيَاعَاتِ كَالْمُسْلِمِينَ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي ذَلِكَ الْحَدِيثِ (فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِينَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ) وَلِأَنَّهُمْ مُكَلَّفُونَ مُحْتَاجُونَ كَالْمُسْلِمِينَ .

قَالَ (إلَّا فِي الْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ خَاصَّةً) فَإِنَّ عَقْدَهُمْ عَلَى الْخَمْرِ كَعَقْدِ الْمُسْلِمِ عَلَى الْعَصِيرِ، وَعَقْدُهُمْ عَلَى الْخِنْزِيرِ كَعَقْدِ الْمُسْلِمِ عَلَى الشَّاةِ ؛ لِأَنَّهَا أَمْوَالٌ فِي اعْتِقَادِهِمْ، وَنَحْنُ أُمِرْنَا بِأَنْ نَتْرُكَهُمْ وَمَا يَعْتَقِدُونَ .دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُ عُمَرَ :وَلُّوهُمْ بَيْعَهَا وَخُذُوا الْعُشْرَ مِنْ أَثْمَانِهَا .

ترجمہ

فرمایا: اور اہل ذمہ خرید وفروخت کے احکام میں مسلمانوں کی طرح ہوں گے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث میں اس طرح ہے کہ اہل ذمہ کو بتلادو کہ ان کیلئے وہی ہوگا جو مسلمانوں کیلئے ہے۔ اور جو مسلمانوں پر لازم ہے وہی ان پر لازم ہوگا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح مکلّف ومحتاج ہیں جبکہ شراب وخنزیر میں خاص طور ہوں گے۔

شراب کا عقد کرنا ان کیلئے مسلمانوں پر شیرہ انگور کے عقد کی طرح ہو جائے گا اور خنزیر پر ان سے عقد کرنا مسلمانوں کے ہاں بکری کے عقد کی طرح ہو جائے گا کیونکہ اہل ذمہ کے عقیدے کے مطابق شراب اور خنزیر مال ہے جبکہ ہمیں اہل ذمہ کو ان کے عقائد سمیت چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول بھی اسی پر دلالت کرنے والا ہے کہ اہل ذمہ کو خمر وخنزیر کی بیع کرنے دو اور ان کی قیمت سے عشر وصول کرلو۔

شرح

کافر ذمی بیع کی صحت وفساد کے معاملہ میں مسلم کے حکم میں ہے، یہ بات البتہ ہے کہ اگر وہ شراب وخنزیر کی بیع وشرا کریں تو ہم اُن سے تعرض نہ کریں گے۔ کافر نے اگر مصحف شریف خریدا ہے تو اُسے مسلمان کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور کر گے۔ (تنویر الابصار، کتاب بیوع)

کفار کے ساتھ خرید وفروخت کرنے کا بیان

اصل تو یہی ہے کہ یہودیوں وغیرہ کیساتھ خرید وفروخت جائز ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ایسا کرنا ثابت ہے اور وہ مدینہ کے یہودیوں سے خرید وفروخت اور رہن وغیرہ اور اس کے علاوہ ہمارے دین میں مباح قسم کے معاملات میں لین دین کرتے تھے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن یہودیوں سے لین دین کیا وہ معاہدہ والے یہودی تھے، اور جس نے بھی ان میں سے معاہدہ توڑ دیا اسے یا تو قتل کر دیا گیا یا پھر جلاوطن کر دیا گیا یا کسی مصلحت کی بنا پر چھوڑ دیا گیا۔

اور یہ بھی ثابت ہے جو محارب کفار کیساتھ بھی خرید وفروخت کے جواز پر دلالت کرتا ہے اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں۔ مشرکوں اور اہل حرب سے خرید وفروخت کا بیان، پھر اس کے بعد مندرجہ ذیل روایت بیان کرتے ہیں: عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالی عنھما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ تھے، تو ایک مشرک شخص بکری ہانکتا ہوا آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیفر مایا: فروخت یا عطیہ یا فرمایا: یا ھبہ؟ تو اس نیجواب دیا: بلکہ فروخت کیلیے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیاس سے وہ بکری خرید لی . صحیح بخاری حدیث نمبر (2216).

امام نووی رحمہ اللہ تعالی صحیح مسلم کی شرح میں کہتے ہیں۔ اہل ذمہ اور ان کے علاوہ دوسرے کفار کیساتھ معاملات کرنے کے جواز پر مسلمان متفق ہیں جب تک جو کچھ اس کیپاس ہے کی حرمت نہ ثابت ہو جائے، لیکن مسلمان کیلیے اہل حرب کو اسلحہ یا لڑائی کیلیے کوئی آلہ فروخت کرنا جائز نہیں اور نہ ایسی چیز جس سے وہ اپنے دین کو مضبوط کرنیکیلیے اس سے مدد حاصل کریں۔

(شرح صحیح مسلم (11 / 41)

علامہ ابن بطال رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں کہ کفار کیساتھ معاملات کرنا جائز ہے، لیکن ایسی کوئی چیز فروخت کرنی جائز نہیں جو اہل حرب مسلمانوں کیخلاف استعمال کریں اور اس سے مسلمانوں کیخلاف انہیں مدد حاصل ہوتی ہو۔ اور المجموع میں اہل حرب کو اسلحہ فروخت کرنے کی حرمت پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔ (المجموع (9 / 432)

اس کی حکمت واضح اور ظاہر ہے کہ وہ اس اسلحہ سے مسلمانوں کو قتل کریں گے اور ان کیخلاف استعمال کریں گے.

دوم: محارب یہودیوں اور دوسرے حربی کفار کیخلاف مالی اور جانی جہاد کے مشروع ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، اور اس میں ہر وہ وسیلہ اور طریقہ داخل ہوگا جس سے ان کفار کی اقتصادیات کمزور ہوں اور انہیں نقصان پہنچے اس لئے کہ پہلے دور میں بھی اور آج بھی جنگ میں مال لڑائی کی روح شمار ہوتی ہے۔

اور مسلمانوں کو عموما یہ چاہیے کہ وہ نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کا تعاون کریں اور ہر جگہ پر مسلمانوں کا تعاون کریں جوان کے گھربار کی حفاظت کا باعث ہو اور اس سے وہ اپنے ملک میں رہنیا ور دینی شعائر کو ظاہر اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور شرعی احکام اور حدود اللہ کا نفاذ کرنے کے قابل ہو سکیں، اور ایسی اشیاء کیساتھ ان کی مدد کریں جو کافروں اور یہودیوں وغیرہ کیخلاف

مسلمانوں کی مدد و نصرت کا سبب بنیں، اس لیے اسے ہر قسم کی طاقت کو بقدر استطاعت اللہ تعالی کے دشمنوں کیخلاف جہاد میں استعمال کرنا چاہیے۔

اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ فرمایا ہے کہ (مشرکوں کیخلاف اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں کیساتھ جہاد کرو) سنن ابوداود حدیث نمبر (2504)

لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہر اس چیز کیساتھ مجاھدین کی مدد کریں جس کی ان میں طاقت ہے، اور ہر وہ وسائل اور ذرائع جو مسلمانوں اور اسلام کی تقویت کا باعث بنیں اسے خرچ کریں، اور ان پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جتنی طاقت اور قدرت رکھتے ہیں اس کیساتھ کفار کیخلاف جہاد کریں، اور ہر ایسا عمل کریں جس سے کفار اور دین اسلام کو نقصان اور کمزوری حاصل ہو، لھذا مسلمان ان کفار کو ایسی ملازمتوں پر نہ رکھیں جس میں انہیں تقویت اور مال حاصل ہوتا ہو اور وہ مسلمانوں کا مال جمع کر کے مسلمانوں کو ہی اس مال کیساتھ ماریں، مثلا انہیں اجرت پر کاتب، یا اکاؤنٹنٹ، یا انجنیئر اور خادم وغیرہ نہ رکھیں۔

ثمن کی ضمانت پر بیع کا حکم دینے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ بِعْ عَبْدَكَ مِنْ فُلَانٍ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَى أَنِّي ضَامِنٌ لَكَ خَمْسَمِائَةٍ مِنْ الثَّمَنِ سِوَى الْأَلْفِ فَفَعَلَ فَهُوَ جَائِزٌ وَيَأْخُذُ الْأَلْفَ مِنْ الْمُشْتَرِي وَالْخَمْسَمِائَةِ مِنْ الضَّامِنِ، وَإِنْ كَانَ لَمْ يَقُلْ مِنْ الثَّمَنِ جَازَ الْبَيْعُ بِأَلْفٍ وَلَا شَيْءَ عَلَى الضَّمِينِ) وَأَصْلُهُ أَنَّ الزِّيَادَةَ فِي الثَّمَنِ وَالْمُثَمَّنِ جَائِزٌ عِنْدَنَا، وَتَلْتَحِقُ بِأَصْلِ الْعَقْدِ خِلَافًا لِزُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ لِأَنَّهُ تَغْيِيرٌ لِلْعَقْدِ مِنْ وَصْفٍ مَشْرُوعٍ إلَى وَصْفٍ مَشْرُوعٍ وَهُوَ كَوْنُهُ عَدْلًا أَوْ خَاسِرًا أَوْ رَابِحًا، ثُمَّ قَدْ لَا يَسْتَفِيدُ الْمُشْتَرِي بِهَا شَيْئًا بِأَنْ زَادَ فِي الثَّمَنِ وَهُوَ يُسَاوِي الْمَبِيعَ بِدُونِهَا فَيَصِحُّ اشْتِرَاطُهَا عَلَى الْأَجْنَبِيِّ كَبَدَلِ الْخُلْعِ لَكِنْ مِنْ شَرْطِهَا الْمُقَابَلَةُ تَسْمِيَةً وَصُورَةً، فَإِذَا قَالَ مِنْ الثَّمَنِ وُجِدَ شَرْطُهَا فَيَصِحُّ، وَإِذَا لَمْ يَقُلْ لَمْ يُوجَدْ فَلَمْ يَصِحَّ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی بندے نے کہا کہ اپنے غلام کو فلاں بندے کو ایک ہزار دراہم کے بدلے بیچ دو اور اس ہزار کے سوا میں سے پانچ سو دراہم کا میں ضامن ہوں گا۔ اور اس بندے ویسے ہی کر دیا تو یہ بیع جائز ہے۔ اور بائع ایک ہزار دراہم مشتری سے وصول کرے گا اور پانچ سو ضامن سے وصول کرے گا اور جب اس نے ثمن سے کہا ہے تو ایک ہزار دراہم کے بدلے بیع جائز ہے۔ مشتری

سے وہ ایک ہزار لے گا اور ضامن پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

اور اس کی دلیل یہ ہے ہمارے نزدیک قیمت اور مبیع میں زیادتی کرنا جائز ہے اور یہ زیادتی اصل عقد کے ملنے والی ہے اور اس میں امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ کا اختلاف ہے۔ کیونکہ اس طرح عقد کو ایک مشروع وصف سے دوسرے مشروع وصف کے ساتھ تبدیل کرنے والی بات ہے اور وہ عقد کا برابر ہونا یا نقصان والا ہونا یا فائدے مند ہونا ہے۔ اور اسی طرح کبھی مشتری کو اس تبدیلی کے سبب فائدہ نہیں بھی ہوتا اور وہ اس لئے اس نے قیمت میں کچھ اضافہ کردیا ہے حالانکہ قیمت زیادتی کے سوا ہی مبیع کے برابر ہے پس اجنبی پر زیادتی کی شرط لگانا درست نہیں ہے جس طرح خلع کا بدلہ ہے۔

ہاں البتہ زیادتی میں یہ شرط ضرور ہے کہ وہ ذکر کرنے اور صورت میں برابری پر ہو ہاں جب اس نے ثمن سے کہا ہے تو اس میں زیادتی پائی جارہی ہے لہذا وہ درست ہے اور جب اس نے ثمن سے ہے یہ نہ کہا تو شرط نہ پائی گئی لہذا اب زیادتی درست نہ ہوگی۔

شرح

ایک شخص نے دوسرے سے کہا تم اپنی فلاں چیز فلاں شخص کے ہاتھ ہزار روپے میں بیع کردو اور ہزار روپے کے علاوہ پانچ سو ثمن کا میں ضامن ہوں اُس نے بیع کردی یہ بیع جائز ہے ہزار روپے مشتری سے لے گا اور پانچ سو ضامن سے اور اگر ضامن نے ثمن کا لفظ نہیں کہا تو ہزار ہی روپے میں بیع ہوئی ضامن سے کچھ نہیں ملے گا۔

نوٹ کے ثمن خلقی نہ ہونے کا بیان

مفتی عبدالقیوم ہزاروی ادارہ منہاج القرآن سے لکھتے ہیں کہ ہمارے بہت سے علماء نے ایک روپیہ کے بدلے دو لینا یعنی ایک روپیہ دو روپے کے بدلے بیچنا جائز قرار دیا ہے، چونکہ روپیہ ثمن اصلی یعنی سونا چاندی نہیں اور سونا چاندی میں تبادلہ کی صورت میں کمی وبیشی حرام ہے، لہٰذا نوٹ کی خرید وفروخت میں کمی وبیشی ہے بوجہ ثمنیت اصلی نہ ہونے کے۔

لیکن مجھے اس بات پر سخت تامل ہے۔ نوٹ کی بحیثیت پرزہ کاغذ ہونے کے تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔ یہ تو دراصل اس ثمن اصلی یعنی سونے چاندی کی رسید ہے اور اس رسید کی ضمانت حکومت دیتی ہے، اسی لئے ہر نوٹ پر یہ عبارت لکھی ہوتی ہے کہ بینک دولت پاکستان حامل ہذا کو عند الطلب مبلغ ایک ہزار روپیہ ادا کردے گا۔ مثلاً نوٹ کی اپنی بلاشبہ کوئی قیمت نہیں، کیونکہ خلقت ثمن اصلی نہیں، مگر یہ ثمن اصلی کی ضمانت اور رسید ہے جو حکومت کی ضمانت پر قابل قبول ہے۔ بالفرض حکومت کسی نوٹ کی ذمہ داری سے دستبردار ہو جائے تو وہ منسوخ ہو جاتا ہے اور کسی کام کا نہیں رہتا۔ پس نوٹ کی حیثیت سونے چاندی کی ضمانت کی وجہ سے ہے کسی اور وجہ سے نہیں۔ نوٹ میں حکومت کی ضمانت سے عرفاً ویسی ہی ثمنیت ہے۔ جو سونے چاندی میں خلقی۔ پس نوٹ کی تمام اہمیت اس کی ضمانتی ثمنیت کی بناء پر ہے۔ لہٰذا نوٹ کی تجارت دراصل سونے کی تجارت ہے تو جیسے سونے کی تجارت سونے سے کرنے کی صورت میں کمی وبیشی جائز نہیں مساوی مالیت کے نوٹ کی مساوی حیثیت کے نوٹ سے بھی کمی بیشی کے ساتھ تجارت کرنا جائز نہیں۔ جب کوئی شخص لوہے کے سکے انعامی بانڈز اور ہزار یا پانچ سو کے نوٹ دے کر ان کے عوض اتنی مالیت کے دس دس پانچ پانچ یا ایک ایک روپے کے

ت خریدتا ہے تو وہ دراصل اس سونے یا چاندی کا اپنی جنس سے تبادلہ کرتا ہے جس کی ضمانت اس نوٹ یا بانڈز پر درج ہوتی ہے۔
ق دونوں میں صرف ثمنیت خلقی و عرفی کا ہے۔ سونا ثمن خلقی ہے اور نوٹ یا بانڈز ثمن عرفی و قانونی ہذا رو ... نوٹ میں برابر
ت کی صورت میں برابر کا سودا جائز ہے اور کمی بیشی خالص ربا (سود) ہے اور حرام ہے۔

ضہ سے پہلے باندی کے نکاح ہو جانے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً وَلَمْ يَقْبِضْهَا حَتَّى زَوَّجَهَا فَوَطِئَهَا الزَّوْجُ فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ) لِوُجُودِ سَبَبِ الْوِلَايَةِ، وَهُوَ الْمِلْكُ فِي الرَّقَبَةِ عَلَى الْكَمَالِ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ .

(وَهَذَا قَبْضٌ) لِأَنَّ وَطْءَ الزَّوْجِ حَصَلَ بِتَسْلِيطٍ مِنْ جِهَتِهِ فَصَارَ فِعْلُهُ كَفِعْلِهِ (إِنْ لَمْ يَطَأْهَا فَلَيْسَ بِقَبْضٍ) وَالْقِيَاسُ أَنْ يَصِيرَ قَابِضًا ؛ لِأَنَّهُ تَعْيِيبٌ حُكْمِيٌّ فَيُعْتَبَرُ بِالتَّعْيِيبِ الْحَقِيقِيِّ .

وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ فِي الْحَقِيقِيِّ اسْتِيلَاءً عَلَى الْمَحَلِّ وَبِهِ يَصِيرُ قَابِضًا وَلَا كَذَلِكَ الْحُكْمِيُّ فَافْتَرَقَا .

ترجمہ

فرمایا: اور جب بندے نے کوئی باندی خریدی اور ابھی تک اس پر کوئی قبضہ بھی نہ کیا تھا کہ اس سے نکاح کیا اور شوہر نے اس سے وطی کی تو اس کا نکاح جائز ہے۔ کیونکہ ولایت کا سبب پایا جا رہا ہے اور مکمل طور پر رقبہ پر ملکیت پاتا ہے اور اس پر مہر واجب ہے۔ اور یہی قبضہ ہے کیونکہ اس بندے کا وطی کر لینا یہ مشتری کی طرف سے دینا ہے پس شوہر کا عمل مشتری کی طرح ہو جائے گا اور اگر اس نے وطی نہیں کی تو اس کا قبضہ نہ ہوا جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا قبضہ ہو چکا ہے کیونکہ نکاح کرنا یہ حکمی طور پر عیب دار بنانا ہے پس اس حکمی طور عیب دار ہونے کا حقیقی طور پر عیب دار ہونے پر قیاس کیا جائے گا۔ اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ حقیقی عیب دار ہونا یہ محل پر غالب ہونا ہے۔ اور اسی سبب سے مشتری غالب آنے والا ہے جبکہ حکمی عیب میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔ لہذا دونوں میں حکم علیحدہ علیحدہ ہوگا۔

شرح

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کے واسطے سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ہیں جن کے لیے دوگنا اجر ہے۔ ایک وہ جو اہل کتاب سے ہو اور اپنے نبی پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور (دوسرے) وہ غلام جو اپنے آقا اور اللہ (دونوں) کا حق ادا کرے اور (تیسرے) وہ آدمی جس کے پاس کوئی لونڈی ہو۔ جس سے شب باشی کرتا ہے اور اسے تربیت دے تو اچھی تربیت دے، تعلیم دے تو عمدہ تعلیم دے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے، تو اس کے لیے دو

گنا اجر ہے۔ پھر عامر نے (صالح بن حیان سے) کہا کہ ہم نے یہ حدیث تمہیں بغیر اجرت کے سنا دی ہے (ورنہ) اس سے کم حدیث کے لیے مدینہ تک کا سفر کیا جاتا تھا۔ (بخاری)

حدیث سے باب کی مطابقت کے لیے لونڈی کا ذکر صریح موجود ہے اور بیوی کو اسی پر قیاس کیا گیا ہے۔ اہل کتاب سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں۔ جنھوں نے اسلام قبول کیا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعلیم کے ساتھ تادیب یعنی ادب سکھانا اور عمدہ تربیت دینا بھی ضروری ہے۔

مذکورہ حدیث سے استدلال باندی میں تصرف کرنا جو قبضہ ہو جانے کی دلیل ہے اور اسی طرح کو صاحب ہدایہ نے بطور دلیل استحسان کے بیان کیا ہے۔

باندی سے قبضہ سے پہلے نکاح کرنے میں مذاہب اربعہ

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب بندے نے کوئی باندی خریدی اور ابھی تک اس پر کوئی قبضہ بھی نہ کیا تھا کہ اس سے نکاح کیا اور شوہر نے اس سے وطی کی تو اس کا نکاح جائز ہے۔ کیونکہ ولایت کا سبب پایا جارہا ہے اور مکمل طور پر رقبہ پر ملکیت پاتا ہے اور اس پر مہر واجب ہے۔ جبکہ اس مسئلہ میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ نے اختلاف کیا ہے۔

(فتح القدیر، کتاب بیوع، ج ۱۶، ص ۱۴۱، بیروت)

باندی کے نکاح کے بعد آزاد سے نکاح کرنا

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ پہلے باندی سے نکاح کیا پھر آزاد سے تو دونوں نکاح ہو گئے اور اگر باندی سے بلا اجازتِ مالک نکاح کیا اور دخول نہ کیا تھا پھر آزاد عورت سے نکاح کیا، اب اس کے مالک نے اجازت دی تو نکاح صحیح نہ ہوا۔ اسی طرح اگر غلام نے بغیر اجازتِ مولیٰ حرہ سے نکاح کیا اور دخول کیا پھر باندی سے نکاح کیا، اب مولیٰ نے دونوں نکاح کی اجازت دی تو باندی سے نکاح نہ ہوا۔ آزاد عورت کو طلاق دے دی تو جب تک وہ عدت میں ہے، باندی سے نکاح نہیں کرسکتا اگرچہ تین طلاقیں دے دی ہوں۔

اگر حرہ نکاح میں نہ ہو تو باندی سے نکاح جائز ہے اگرچہ اتنی استطاعت ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرلے۔ باندی نکاح میں تھی اسے طلاق رجعی دے کر آزاد سے نکاح کیا، پھر رجعت کرلی تو وہ باندی بدستور زوجہ ہو گئی۔ اگر چار باندیوں اور پانچ آزاد عورتوں سے ایک عقد میں نکاح کیا تو باندیوں کا ہو گیا اور آزاد عورتوں کا نہ ہوا اور دونوں چار چار تھیں تو آزاد عورتوں کا ہوا، باندیوں کا نہ ہوا۔ (درمختار، کتاب النکاح)

مشتری کا غلام کو خرید کر غائب ہو جانے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى عَبْدًا فَغَابَ فَأَقَامَ الْبَائِعُ الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ بَاعَهَا إِيَّاهُ، فَإِنْ كَانَتْ غَيْبَتُهُ

مَعْرُوفَةً لَمْ يَبِعْ فِي دَيْنِ الْبَائِعِ) لِأَنَّهُ يُمْكِنُ إِيصَالُ الْبَائِعِ إِلَى حَقِّهِ بِدُونِ الْبَيْعِ، وَفِيهِ إِبْطَالُ حَقِّ الْمُشْتَرِي (وَإِنْ لَمْ يَدْرِ أَيْنَ هُوَ بِيعَ الْعَبْدُ وَأُوفِي الثَّمَنَ) لِأَنَّ مِلْكَ الْمُشْتَرِي ظَهَرَ بِإِقْرَارِهِ فَيَظْهَرُ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِي أَقَرَّ بِهِ مَشْغُولًا بِحَقِّهِ، وَإِذَا تَعَذَّرَ اسْتِيفَاؤُهُ مِنَ الْمُشْتَرِي يَبِيعُهُ الْقَاضِي فِيهِ كَالرَّاهِنِ إِذَا مَاتَ وَالْمُشْتَرِي إِذَا مَاتَ مُفْلِسًا وَالْمَبِيعُ لَمْ يُقْبَضْ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْقَبْضِ ؛ لِأَنَّ حَقَّهُ لَمْ يَبْقَ مُتَعَلِّقًا بِهِ، ثُمَّ إِنْ فَضَلَ شَيْءٌ يُمْسَكُ لِلْمُشْتَرِي ؛ لِأَنَّهُ بَدَلُ حَقِّهِ وَإِنْ نَقَصَ يَتْبَعُ هُوَ أَيْضًا .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کوئی مشتری غلام کو خرید کر غائب ہو گیا اور وہ غلام کے بائع کے قبضہ میں ہی ہے اور بائع اس معاملہ پر شہادت قائم کی کہ اس نے یہ غلام بیچا ہے اور اگر اس مشتری کا غائب ہونا مشہور ہے تو اس غلام کو بائع کے قرض میں فروخت نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کو بیچنے کے بغیر بائع کا اپنے حق تک پہنچ جانا ممکن ہے۔ جبکہ اس میں مشتری کے حق کو باطل کرنا لازم آرہا ہے اور جب یہ معلوم ہی نہ ہو کہ وہ مشتری کہاں ہے تو غلام کو فروخت کر کے بائع کا ثمن ادا کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مشتری کی ملکیت بائع کے اقرار کے سبب ظاہر ہوئی ہے پس اس کا ظہور اسی طرح کا ہوگا جس طرح بائع کا اقرار ہوتا ہے یعنی اسی کے حق کے ساتھ مصروف ہو کر ہوا ہے۔
اور جب مشتری سے بائع کے حق کو وصول کرنا ممکن نہ رہا ہو تو قاضی غلام کو بیچ کر اس کے حق کو پورا کر دے گا جس طرح راہن جب وہ فوت ہو جاتا ہے اور مشتری جب مفلس ہو کر فوت ہو جاتا ہے جبکہ مبیع پر اس کا قبضہ نہ ہو سکا ہو۔
جبکہ قبضہ ہو جانے کے بعد میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اب بائع کا حق مبیع کے ساتھ نہ رہا ہاں جب اس کے بعد کچھ باقی رہ گیا ہے تو اس کو مشتری کیلئے روک لیا جائے گا کیونکہ وہ اسی کے حق کا بدلہ ہے اور اگر وہ تھوڑا ہو جائے تو وہ مشتری کے ہی پیچھے پڑ جائے گا۔

شرح

علامہ علاؤالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب ایک شخص نے کوئی چیز خریدی اور مبیع پر نہ قبضہ کیا نہ ثمن ادا کیا اور غائب ہو گیا مگر معلوم ہے کہ فلاں جگہ ہے تو قاضی یہ حکم نہیں دے گا کہ اسے بیچ کر ثمن وصول کرے اور اگر معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے اور گواہوں سے قاضی کے سامنے اس نے بیع ثابت کردی تو قاضی یا اس کا نائب بیع کر کے ثمن ادا کر دے اگر کچھ بچ رہے تو اُس کے لیے محفوظ رکھے اور کمی پڑے تو مشتری جب مل جائے اُس سے وصول کرے۔ (درمختار، کتاب بیوع)

دو مشتریوں میں ایک کے غائب ہونے پر دوسرے کے اختیار کا بیان

قَالَ (فَإِنْ كَانَ الْمُشْتَرِي اثْنَيْنِ فَغَابَ أَحَدُهُمَا فَلِلْحَاضِرِ أَنْ يَدْفَعَ الثَّمَنَ كُلَّهُ وَيَقْبِضَهُ،

وَإِذَا حَضَرَ الْآخَرُ لَمْ يَأْخُذْ نَصِيبَهُ حَتَّى يَنْقُدَ شَرِيكُهُ الثَّمَنَ كُلَّهُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ :إِذَا دَفَعَ الْحَاضِرُ الثَّمَنَ كُلَّهُ لَمْ يَقْبِضْ إِلَّا نَصِيبَهُ وَكَانَ مُتَطَوِّعًا بِمَا أَدَّى عَنْ صَاحِبِهِ) لِأَنَّهُ قَضَى دَيْنَ غَيْرِهِ بِغَيْرِ أَمْرِهِ فَلَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ وَهُوَ أَجْنَبِيٌّ عَنْ نَصِيبِ صَاحِبِهِ فَلَا يَقْبِضُهُ .

وَلَهُمَا أَنَّهُ مُضْطَرٌّ فِيهِ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ الِانْتِفَاعُ بِنَصِيبِهِ إِلَّا بِأَدَاءِ جَمِيعِ الثَّمَنِ ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ صَفْقَةٌ وَاحِدَةٌ، وَلَهُ حَقُّ الْحَبْسِ مَا بَقِيَ شَيْءٌ مِنْهُ، وَالْمُضْطَرُّ يَرْجِعُ كَمُعِيرِ الرَّهْنِ، وَإِذَا كَانَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ عَلَيْهِ كَانَ لَهُ حَقُّ الْحَبْسِ عَنْهُ إِلَى أَنْ يَسْتَوْفِيَ حَقَّهُ كَالْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ إِذَا قَضَى الثَّمَنَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب مشتری دو ہیں اور ان میں سے ایک غائب ہو گیا ہے تو دوسرے کو اختیار ہوگا کہ وہ پوری قیمت دیتے ہوئے غلام پر قبضہ کرلے۔ لیکن جب دوسرا مشتری حاضر ہو گیا تو وہ اپنے شریک کو اپنے حصے کی قیمت دینے سے پہلے اپنا حصہ نہیں دے گا اور طرفین کی قول ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ جب موجود مشتری پوری قیمت ادا کردے تب بھی وہ صرف اپنے حصے پر قبضہ کرے گا اور اپنے ساتھی کی جانب سے ادا کردہ قیمت پر وہ احسان کرنے والا ہوگا اور وہ اس طرح ہوگا کہ اس نے اپنے ساتھی کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کردیا ہے لہٰذا وہ اس سے واپس نہ لے گا اور وہ اپنے ساتھی کے حصے کے حق میں اجنبی ہے پس وہ اس پر قبضہ کرنے والا نہ ہوگا۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حاضر ہونے والا شریک یہ پوری قیمت ادا کرنے پر مجبور ہے کیونکہ پوری قیمت ادا کیے بغیر اس کو اپنے حصے سے بھی فائدہ اٹھانا ممکن نہیں ہے کیونکہ بیع ایک ہی معاملہ ہے۔ اور جب تک قیمت میں سے کچھ باقی ہے تب تک بائع مبیع روکنے کا حق حاصل ہے جبکہ مجبور شخص واپس لے سکتا ہے جس طرح بطور ادھار رہن دینے والا ہے اور جب شریک حاضر کو غائب سے واپس لینے کا حق ہے تو اس کو اپنا پورا حق لینے تک غائب شریک سے مبیع روکنے کا حق بھی رہے گا۔ جس طرح وکیل بہ شراء جب اپنے ہی مال قیمت ادا کرنے والا ہو۔

شرح

اور جب دو شخصوں نے مل کر کوئی چیز ایک عقد میں خریدی اور ان میں سے ایک غائب ہو گیا معلوم نہیں کہاں ہے جو موجود ہے

وہ پورا ثمن دے کر بائع سے چیز لے سکتا ہے بائع دینے سے انکار نہیں کرسکتا یہ نہیں کہہ سکتا کہ جب تک تمھارا ساتھی نہیں آئے گا میں تم کو تنہا نہیں دوں گا اور جب مشتری نے پورا ثمن دیکر مبیع پر قبضہ کرلیا اب اس کا ساتھی آ جائے تو اُس کے حصہ کا ثمن وصول کرنے کے لیے مبیع پر قبضہ دینے سے انکار کرسکتا ہے کہہ سکتا ہے کہ جب تک ثمن نہیں ادا کرو گے قبضہ نہیں دوں گا اور یہ یعنی بائع کا مشتری حاضر کو پوری مبیع دینا اُس وقت ہے جب کہ مبیع غیر مثلی قابل قسمت نہ ہو جیسے جانور لونڈی غلام اور اگر قابل قسمت ہو جیسے گیہوں وغیرہ تو صرف اپنے حصہ پر قبضہ کرسکتا ہے کل مبیع پر قبضہ دینے کے لیے بائع مجبور نہیں۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب بیوع)

ایک ہزار سونے چاندی سے باندی خریدنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً بِأَلْفِ مِثْقَالِ ذَهَبٍ وَفِضَّةٍ فَهُمَا نِصْفَانِ) لِأَنَّهُ أَضَافَ الْمِثْقَالَ إلَيْهِمَا عَلَى السَّوَاءِ فَيَجِبُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا خَمْسُمِائَةِ مِثْقَالٍ لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ، وَبِمِثْلِهِ لَوْ اشْتَرَى جَارِيَةً بِأَلْفٍ مِنْ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ يَجِبُ مِنْ الذَّهَبِ مَثَاقِيلُ وَمِنْ الْفِضَّةِ دَرَاهِمُ وَزْنُ سَبْعَةٍ لِأَنَّهُ أَضَافَ الْأَلْفَ إلَيْهِمَا فَيَنْصَرِفُ إلَى الْوَزْنِ الْمَعْهُودِ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا .

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی بندے نے ایک ہزار مثقال سونے اور چاندی کے بدلے میں باندی کو خریدا تو وہ دونوں نصف نصف واجب ہو جائیں گے کیونکہ مشتری سونے اور چاندی دونوں کی جانب برابری کے ساتھ مثقال کی نسبت کرنے والا ہے پس ان میں سے ہر ایک میں سے پانچ پانچ سو مثقال واجب ہو جائیں گے۔ کیونکہ اولویت نہیں ہے اور مسئلہ کی طرح یہ بھی ہے کہ جب کسی نے ایک ہزار سونے چاندی کے بدلے باندی کو خریدا تو سونے میں سے مثقال واجب ہو جائیں گے جبکہ چاندی میں سے وزن سبعہ والے دراہم واجب ہوں گے کیونکہ مشتری ایک ہزار کو دونوں کی جانب مضاف کیا ہے پس ان دونوں میں سے ہر ایک کی جانب بیان کردہ وزن مشہور کی طرف مضاف ہوگا۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور جب اس نے یہ کہا کہ یہ چیز ہزار روپے اور اشرفیوں میں خریدی تو پانسو روپے اور پانسو اشرفیاں دینی ہوں گی تمام معاملات میں یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب چند چیزیں ذکر کی جائیں تو وزن یا ناپ یا عدد اُن سب کے مجموعہ سے پورا کریں گے اور سب کو برابر برابر لیں گے۔ مہر، بدل خلع، وصیت، ودیعت، اجارہ، اقرار، غصب سب کا وہی حکم ہے جو بیع کا ہے مثلاً کسی نے کہا فلاں شخص کے مجھ پر ایک من گیہوں اور جو ہیں تو نصف من گیہوں اور نصف من جو دینے ہوں گے یا کہا ایک سو انڈے، اخروٹ، سیب ہیں تو ہر ایک میں سے سو کی ایک ایک تہائی۔ سو گز فلاں فلاں کپڑا تو دونوں کے

پچاس پچاس گز ہے۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب بیوع)

اصلی دراہم والے قرض خواہ کو نقلی دراہم ملنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ جِيَادٍ فَقَضَاهُ زُيُوفًا وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَأَنْفَقَهَا أَوْ هَلَكَتْ فَهُوَ قَضَاءٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ :يَرُدُّ مِثْلَ زُيُوفِهِ وَيَرْجِعُ بِدَرَاهِمِهِ) لِأَنَّ حَقَّهُ فِي الْوَصْفِ مَرْعِيٌّ كَهُوَ فِي الْأَصْلِ، وَلَا يُمْكِنُ رِعَايَتُهُ بِإِيجَابِ ضَمَانِ الْوَصْفِ لِأَنَّهُ لَا قِيمَةَ لَهُ عِنْدَ الْمُقَابَلَةِ بِجِنْسِهِ فَوَجَبَ الْمَصِيرُ إِلَى مَا قُلْنَا .

وَلَهُمَا أَنَّهُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهِ .

حَتَّى لَوْ تَجَوَّزَ بِهِ فِيمَا لَا يَجُوزُ الِاسْتِبْدَالُ جَازَ فَيَقَعُ بِهِ الِاسْتِيفَاءُ وَلَا يَبْقَى حَقُّهُ إِلَّا فِي الْجَوْدَةِ، وَلَا يُمْكِنُ تَدَارُكُهَا بِإِيجَابِ ضَمَانِهَا لِمَا ذَكَرْنَا، وَكَذَا بِإِيجَابِ ضَمَانِ الْأَصْلِ لِأَنَّهُ إِيجَابٌ لَهُ عَلَيْهِ وَلَا نَظِيرَ لَهُ .

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی بندے کے کسی پر دس اصلی دراہم ہیں جبکہ قرض دار نے اس کو نقلی دراہم دے دیئے ہیں اور قرض خواہ کو اس کا پتہ بھی نہ چلا اور اس نے ان کو خرچ کر دیا ہے یا وہ ضائع ہو گئے تو طرفین کے نزدیک یہ ادائیگی ہو جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کہا کہ قرض خواہ اس قرض دار کو انہی جیسے نقلی دراہم واپس کر کے اس سے اپنے دراہم وصول کرے کیونکہ جس طرح اصل میں قرض خواہ کے حق کا تحفظ کیا گیا ہے اسی طرح وصف میں قرض خواہ کے حق کا تحفظ کیا جائے گا جبکہ وصف کا ضمان واجب کو ادا کیے بغیر ممکن نہیں ہے کیونکہ ہم جنس کے مقابلہ کے وقت اس کی کوئی قیمت باقی رہنے والی نہیں ہے۔ پس ہماری بیان کردہ علت کی طرف لوٹ کر آنا ہو گا۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ نقلی دراہم بھی اس کے حق میں جنس میں سے ہیں حتیٰ کہ اس نے جب اس عقد میں چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے ان کو رکھ لیا ہے تو اب ان دراہم کو بدلنا جائز نہیں ہے تو جائز یہ ہو جائے گا کہ اس کی وصولی ثابت ہو جائے گی ہاں البتہ قرض خواہ کا حق صرف ان کے عمدہ ہونے میں باقی رہے گا اور عمدہ ہونے میں ضمان واجب کرتے ہوئے اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اصل میں ضمان واجب کر کے بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ تو خود قرض پر واجب کرنا لازم آئے گا اور اس کی کوئی مثال تک بھی نہیں ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

1 بائع کو یہ روپیہ پہلے دیدیا پھر اس کے عوض میں چیز خریدی۔ 2 یا اسی حرام روپیہ کو معین کر کے اس سے چیز خریدی اور یہی روپیہ دیا۔ 3 اسی حرام سے خریدی مگر دوسرا روپیہ دیا۔ 4 خریدنے میں اس کو معین نہیں کیا یعنی مطلقاً کہا ایک روپیہ کی چیز دو اور یہ حرام روپیہ دیا۔ 5 دوسرے روپے سے چیز خریدی اور حرام روپیہ دیا پہلی دو صورتوں میں مشتری کے لئے وہ بیع حلال نہیں اور اس سے جو کچھ نفع حاصل کیا وہ بھی حلال نہیں باقی تین صورتوں میں حلال۔ (ردمحتار، کتاب بیوع)

کسی شخص کی زمین پر جنم لینے والے بچہ کا بیان

قَالَ (وَإِذَا أَفْرَخَ طَيْرٌ فِي أَرْضِ رَجُلٍ فَهُوَ لِمَنْ أَخَذَهُ) وَكَذَا إذَا بَاضَ فِيهَا (وَكَذَا إذَا تَكَنَّسَ فِيهَا ظَبْيٌ) لِأَنَّهُ مُبَاحٌ سَبَقَتْ يَدُهُ إلَيْهِ وَلِأَنَّهُ صَيْدٌ وَإِنْ كَانَ يُؤْخَذُ بِغَيْرِ حِيلَةٍ وَالصَّيْدُ لِمَنْ أَخَذَهُ، وَكَذَا الْبَيْضُ ؛ لِأَنَّهُ أَصْلُ الصَّيْدِ وَلِهَذَا يَجِبُ الْجَزَاءُ عَلَى الْمُحْرِمِ بِكَسْرِهِ أَوْ شَيِّهِ، وَصَاحِبُ الْأَرْضِ لَمْ يُعِدَّ أَرْضَهُ فَصَارَ كَنَصْبِ شَبَكَةٍ لِلْجَفَافِ وَكَذَا إذَا دَخَلَ الصَّيْدُ دَارِهِ أَوْ وَقَعَ مَا نُثِرَ مِنْ السُّكَّرِ وَالدَّرَاهِمِ فِي ثِيَابِهِ مَا لَمْ يَكُفَّهُ أَوْ كَانَ مُسْتَعِدًّا لَهُ، بِخِلَافِ مَا إذَا عَسَّلَ النَّحْلُ فِي أَرْضِهِ لِأَنَّهُ عُدَّ مِنْ أَنْزَالِهِ فَيَمْلِكُهُ تَبَعًا لِأَرْضِهِ كَالشَّجَرِ النَّابِتِ فِيهَا وَالتُّرَابِ الْمُجْتَمِعِ فِي أَرْضِهِ بِجَرَيَانِ الْمَاءِ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ .

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی شخص کی زمین میں کسی پرندے نے بچے کو جنم دیا تو وہ پکڑنے والا کا ہوگا اور اسی طرح جب پرندے نے زمین میں انڈا دیا ہے اور اسی طرح جب اس میں ہرن نے گھر بنایا ہے کیونکہ یہ مباح شئی ہے اور پکڑنے والا کا ہاتھ سب سے پہلے اس تک پہنچنے والا ہے۔ کیونکہ یہ بھی شکار ہے اگر چہ وہ کسی ذریعے کے بغیر پکڑا گیا ہے اور شکار تو پکڑنے والا کا ہی ہوا کرتا ہے۔ اور انڈوں کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ وہ شکار کی اصل ہے۔

اسی دلیل کے سبب انڈا توڑنے یا ابالنے کے سبب محرم پر جزا واجب ہو جاتی ہے جبکہ زمین والے نے اس کام کیلئے تھوڑا اپنی زمین کو بنا رکھا ہے؟۔ پس یہ سکھانے کیلئے جال پھیلانے کی مانند ہو جائے گا۔

اسی طرح جب کسی بندے کے گھر میں شکار داخل ہو گیا ہے یا بکھری ہوئی شکر یا دراہم کسی کے کپڑوں میں گر گئے ہیں تو کپڑوں

والا اس وقت ان کا مالک نہ ہوگا جب تک وہ ان کو روک نہ لے یا وہ اسی مقصد کیلئے کپڑوں کو پھیلائے۔ بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب کسی شخص کی زمین میں شہد کی مکھیوں نے شہد کا چھتہ لگایا ہے کیونکہ شہد زمین کی پیداوار میں شمار کیا جاتا ہے پس زمین والا اپنی زمین کے تابع کرتے ہوئے وہ اس کا شہد کا مالک بھی بن جائے گا جس طرح درخت جو اس کی زمین میں اگنے والا ہے اور وہ مٹی جو بہاؤ کے سبب بہہ کر اس کی زمین میں آ چکی ہے۔

شرح

جس کے گھر میں شہد کا چھتہ لگا ہے وہی مالک ہے کسی غیر کو اس کا توڑنا اور لینا درست نہیں۔ اور اگر اس کے گھر میں کسی پرندے نے بچے دیئے تو وہ گھر والے کی ملک نہیں بلکہ جو پکڑے اسی کے ہیں لیکن بچوں کو پکڑنا اور ستانا درست نہیں ہے۔

جب اس زمین میں زمینداروں کا اصلاً کوئی حق نہیں تو اس کی لکڑی اور گھاس پر ان کو کیا دعوٰی پہنچ سکتا ہے، زمین خالص خدا کی ملک ہے گھاس بھی، اور لکڑی کے مالک پیڑوں کے بونے والے ہیں جو انہوں نے فقیر پر تصدق کر دئے، بہر حال زمینداروں کا ان میں کچھ دعوٰی نہیں۔ فتاوٰی قاضی خان میں ہے: مقبرة فیها اشجار ان علم غارسها کانت للغارس۔

ایک قبرستان میں کچھ درخت ہیں اگر ان کا بونے والا معلوم ہے تو اسی کے ہیں۔

جنایت محرم پر قیاس کرنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرمت والا بنایا ہے مجھ سے پہلے بھی یہ کسی کے لیے حلال نہیں تھا اس لیے میرے بعد بھی وہ کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا۔ میرے لیے صرف ایک دن گھڑی بھر حلال ہوا تھا اس لیے اس کی گھاس نہ اکھاڑی جائے اور اس کے درخت نہ کاٹے جائیں، اس کے شکار نہ بھڑکائے جائیں اور نہ وہاں کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے۔ ہاں اعلان کرنے والا اٹھا سکتا ہے۔ (تاکہ اصل مالک تک پہنچا دے) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! اذخر کی اجازت دیجئے کیوں کہ یہ ہمارے سناروں اور ہماری قبروں کے لیے کام آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذخر کی اجازت ہے۔ خالد نے روایت کیا کہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ شکار کو نہ بھڑکانے سے کیا مراد ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ (اگر کہیں کوئی جانور سایہ میں بیٹھا ہوا ہے تو) اسے سایہ سے بھگا کر خود وہاں قیام نہ کرے۔ (صحیح بخاری، رقم ۱۸۳۳)

معلوم ہوا کہ حرم محترم کا مقام یہ ہے کہ جس میں کسی جانور تک کو بھی ستانا، اس کو اس کے آرام کی جگہ سے اٹھا دینا، خود اس جگہ پر قبضہ کر لینا یہ جملہ امور حرم شریف کے آداب کے خلاف ہیں۔ ایام حج میں ہر حاجی کا فرض ہے کہ وہاں دوسرے بھائیوں کے آرام کا ہر وقت خیال رکھے۔

البتہ خشک گھاس کاٹنے کی صورت میں قیمت واجب نہیں ہوتی لیکن اس کا کاٹنا بھی درست نہیں ہے۔ ! اسی طرح کماۃ یعنی

کھنبی (ایک قسم کا خودرو ساگ) بھی مستثنی ہے کیونکہ یہ نباتات میں سے نہیں ہے ۔حضرت امام شافعی کے مسلک میں زمین حرم کی گھاس میں جانوروں کو چرانا بھی جائز ہے۔

موات زمین کے ثبوت ملکیت میں فقہی تصریحات

الموات : میم اور واو کے فتح کے ساتھ : موات اسے کہتے ہیں جس میں روح نہ ہو لیکن یہاں پر وہ زمین مراد ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو۔

فقہاء رحمہم اللہ تعالی اس کی تعریف یہ کرتے ہیں ۔ایسی زمین جو کسی اختصاص اور ملکیت سے عاری و خالی ہو۔تو اس تعریف سے دو چیزیں خارج ہو جاتی ہیں۔

اول: جو کسی کافر یا مسلمان کی خرید اور یا پھر عطیہ وغیرہ کی بنا پر ملکیت بن جائے۔

دوم: جس کے ساتھ ملک معصوم کی کوء مصلحت وابستہ ہو،مثلا راستہ،سیلابی پانی وغیرہ کی گزرگاہ۔

یا پھر کسی شہر کے آبادکاروں کی اس کے ساتھ مصلحت کا تعلق ہو،مثلا : میت دفن کرنے کیے لیے قبرستان،یا پھر گندگی وغیرہ پھینکنے کی جگہ،یا پھر عیدگاہ اور لکڑیاں وغیرہ کی جگہ اور چراگاہ وغیرہ ۔تو اس طرح کی زمین آباد کرنے سے بھی کسی کی ملکیت میں نہیں آسکتی

لیکن جب کسی زمین میں یہ دونوں چیزیں یعنی ملکیت معصوم اور اس کا اختصاص نہ پایا جائے اور کوء شخص اسے آباد اور زندہ کرے تو وہ زمین اسی کی ملکیت میں آجائے گی۔

جابر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(جس نے بھی کوء زمین زندہ کی تو وہ اسی کی ہے) مسند احمد اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے،اسی معنی کی احادیث اور بھی وارد ہیں اور کچھ تو صحیح بخاری میں بھی موجود ہیں۔

اور عموی فقہاء امصار کہتے ہیں کہ موات وہ بے آباد زمین کسی کے آباد کرنے سے ملکیت میں آجاتی ہے،اگرچہ فقہاء نے شروط میں اختلاف کیا ہے،لیکن حرم اور میدان عرفات کی بے آباد زمین آباد کرنے سے بھی ملکیت میں نہیں آسکتی۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ایسا کرنے سے مناسک حج کی ادائیگی میں تنگی ہوگی اور وہاں پر لوگوں کی جگہوں پر قابض ہونا برابر ہے۔

احیاء ارض یعنی زمین کی آبادکاری مندرجہ ذیل امور سے حاصل ہوگی۔

اول: جب کوئی زمین کے ارد گرد چاردیواری کرلے جو کہ عادتا معروف تو اس نے اسے آباد کرلیا اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جابر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(جس نے زمین پر چاردیواری کرلی وہ اسی کی ہے) مسند احمد،سنن ابوداود،اور ابن الجارود رحمہ اللہ تعالی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اس کے علاوہ سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ چار دیواری سے ملکیت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اور چار دیواری کی مقدار وہ ہوگی جو لغت میں دیوار معروف ہے لیکن اگر اس نے کسی بے آباد زمین کے گرد پتھر یا پھر مٹی اٹھی کی یا چھوٹی سی دیوار بنالی جو اس سے آگے روک بھی نہ لگا سکے یا پھر کسی نے زمین کے گرد خندق کھود لی تو اس سے وہ اس کی ملکیت نہیں بن سکتی۔ لیکن اس کی وجہ سے وہ اسے آباد کرنے کا دوسروں سے زیادہ حقدار ہوگا اس لیے کہ اس نے اسے آباد کرنا شروع کر دیا ہے۔

دوم: اگر کسی نے بے آباد زمین میں کنواں کھود لیا اور پانی نکل آیا تو اس نے بھی اس زمین کو آباد کر لیا، لیکن اگر وہ کنواں کھودتا ہے اور پانی تک نہیں پہنچتا تو اس کی بنا پر وہ اس کا مالک نہیں بن سکتا، بلکہ وہ اسے اس کے احیاء کا دوسروں سے زیاد حقدار ہے، اس لیے کہ اس نے احیاء کی ابتدا کر لی ہے۔

سوم: جب اس نے اس بے آباد زمین میں کسی چشمے یا پھر نہر کا پانی پہنچا دیا تو اس نے اس کی وجہ سے اس زمین کا احیاء کر لیا، اس لیے کہ زمین کے لیے پانی دیوار سے زیادہ نفع مند ہے۔

چہارم: جب کسی نے زمین میں کھڑے ہونے والے پانی کو اس سے روک دیا جس پانی کے کھڑے ہونے کی بنا پر وہ کاشت کے قابل نہیں رہتی تھی، وہ پانی وہاں سے روک دیا حتی کہ وہ کاشت کے قابل ہوگئی تو اس نے زمین کا احیاء کر لیا۔

اس لیے کہ یہ کام زمین کے لیے ملکیت کی دلیل میں مذکور دیوار سے بھی زیادہ نفع مند ہے۔

اور کچھ علماء کرام کہتے ہیں کہ بنجر زمین کا احیاء صرف انہی امور پر موقوف نہیں بلکہ اس میں عرف کا اعتبار ہوگا جسے عرف عام میں لوگ احیاء شمار کریں گے اس کی بنا پر وہ زمین کا مالک بھی بنے گا۔

آئمہ حنابلہ اور دوسروں نے یہی مسلک اختیار کیا ہے اس لیے کہ شرع نے ملکیت کی تعلیق لگاء ہے اور اسے بیان نہیں کیا تو اس طرح عرف عام میں جسے احیاء کہا جائے اسی کی طرف رجوع ہوگا۔

مسلمانوں کے امام اور امیر یا خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بنجر زمین کسی کو دے دے تا کہ وہ اسے آباد کرے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بلال بن حارث رضی اللہ تعالی عنہ کو عقیق میں جاگیر عطا کی تھی اور وائل بن حجر رضی اللہ تعالی عنہ کو حضر موت میں عطا کی اور اسی طرح عمر اور عثمان اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو عطا کی تھی۔

لیکن صرف جاگیر مل جانے سے ہی وہ مالک نہیں بن جائے گا بلکہ وہ اس دوسرے سے زیادہ حقدار ہے لیکن جب اسے آباد اور اسکا احیاء کرے گا وہ اس کی ملکیت بن جائے گی اور اگر وہ اس کا احیاء اور اسے آباد نہ کر سکا تو خلیفہ یا امیر المسلمین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے واپس لے لے اور کسی دوسرے کو عطا کر دے جو اسے آباد کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

اس لیے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے ان لوگوں سے جاگیر واپس لے لی تھی جو اسے آباد نہیں کر سکے تھے۔ اور جو کوئی بنجر زمین کے علاوہ کسی اور غیر مملوک چیز کی طرف سبقت لے جائے اور پہلے پہنچے مثلاً شکار یا جلانے والی لکڑی تو وہ اس کا زیادہ حقدار

ہے۔

اور اگر کسی کی زمین سے غیر ملکیتی پانی گزرتا ہو مثلا نہر یا وادی کا پانی تو سب سے اوپر والے یعنی پہلے کو حق حاصل ہے کہ وہ پہلے اپنی زمین کو سیراب کرے اور اس میں ٹخنوں تک پانی کھڑا کرے پھر اپنے بعد والے کو پانی بھیجے۔۔۔۔اور اسی طرح درجہ بدرجہ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (اے زبیر (رضی اللہ تعالی عنہ) تم اپنی زمین سیراب کرو اور پھر پانی کو دیوار (وہ رکاوٹ جو کھیتوں کے کنارے بناء جاتی ہے) تک روکو) صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔

اور عبدالرزاق نے معمر اور زھری رحمہم اللہ سے ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (پھر تم پانی کو روکو حتی کہ وہ دیواروں تک آ جائے) کا اندازہ لگایا اور اسے ماپا تو وہ ٹخنوں تک تھا۔

یعنی جو کچھ قصہ میں بیان ہوا ہے اس کو ماپا تو انہوں نے وہ پانی ٹخنوں تک پہنچتے ہوئے پایا، تو انہوں نے اسے معیار بنا دیا کہ پہلے کا اتنا ہی حق ہے اور پھر اس کے بعد والے کا بھی اتنا ہی۔

عمرو بن شعیب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیل مھزور میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ (سیل مھزور مدینہ کی ایک وادی کا نام ہے): سب سے پہلے والا پانی کو ٹخنوں تک روکے اور پھر اپنے بعد والے کی زمین میں چھوڑ دے) (سنن ابوداود وغیرہ)

لیکن اگر پانی ملکیتی ہو تو پھر ان سب مشترکین کے درمیان ان کی املاک کے حساب سے تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنے حصہ میں جو چاہے تصرف کر سکتا ہے۔

اور امام المسلمین کو حق حاصل ہے کہ وہ مسلمانوں کے بیت المال مواشیوں کے لیے ایک چراگاہ مقرر کرلے جس میں کوء اور نہ چرائے مثلا جہاد کے لیے تیار گھوڑے، اور صدقہ زکاۃ کے اونٹ وغیرہ، اگر مسلمانوں کو اس سے تنگی نہ ہوتی ہو۔

ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے النقیع نامی چراگاہ کو مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے مقرر اور خاص کیا تھا)۔

اور امام المسلمین کے لیے جائز ہے کہ وہ بے آباد زمین کی گھاس کو زکاۃ کے اونٹوں اور مجاھدین کے گھوڑوں اور جزیہ کے جانوروں کے لیے خاص کر دے اگر اس کی ضرورت محسوس ہو اور مسلمانوں کو اس میں تنگ نہ کرے۔

اسلامی بینکاری نظام پر بحث ونظر کا بیان

شیخ نسیم لکھتے ہیں کہ دنیا کا معاشی نظام جس بینکنگ نظام کا قیدی ہے اس میں وہ محرکات اپنی حیثیت اور اہمیت رکھتے ہیں جن سے اسلام نے مسلمانوں کو سختی سے منع کیا ہے جس میں سود سب سے اہم ہے اور بینکنگ کی بنیاد ہی سود پر قائم ہے یا یوں کہیں کہ بینکنگ کی عمارت ہی سود پر کھڑی ہے تو غلط نہ ہوگا اس اہم رکن کو دیکھتے ہوئے سن اکہتر میں حضرت مولانا محمد تقی عثانی نے اس ایشو پر اپنی تحقیق کرتے ہوئے پاکستان کے کچھ بینکوں کے اشتراک سے اسلامی بینکنگ کی بنیاد رکھی اور اس سلسلے میں اپنی کوششوں اور کاوشوں کو تیز تر کیا اور بالاخر اسلامی بینکنگ کی بنیاد پاکستان میں رکھ دی گئی۔ جو ایک خوش آئند بات تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ جو

بات ہر انسان کے لئے سوچنے کا باعث بنی وہ اسلامی بینکنگ میں استعمال ہونے والی اصطلاحات تھیں جو صرف اسلامی لیبل کے زیر سایہ اسی سودی بینکاری کو فروغ دیتی دکھائی دے رہیں تھیں۔ کیونکہ اسلامی بینکنگ میں کوئی جدت نہیں کی گئی تھی بلکہ انہی اصطلاحات کو اسلامی نام دے کر ہیر پھیر کی گئی تھی جسے اسلام کے پرچم تلے دھوکہ دہی ہی کہا جاسکتا ہے۔ مروجہ اسلامی بینکاری کا ابتدائی ڈھانچہ کھڑا کرنے کے لئے چھ اسلامی ستونوں کا سہارہ لیا گیا وہ چھ ستون یہ ہیں۔

(ایک) مضاربہ (دو) مشارکہ (تین) مرابحہ (چار) اجارہ (پانچ) سلم (چھ) استصناع پر قائم کیا گیا مگر ان اہم ارکان کے بارے میں اگر ہم تفصیل میں جائیں گے تو ہمیں ان میں اور سودی بینکنگ میں استعمال ہونے والی اصطلاحات میں کچھ خاص فرق دکھائی نہیں دے گا۔ خیر یہ ایک الگ بحث ہے جس کا تفصیلی ذکر میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ میں آج جو کہنا چاہتا ہوں وہ توجہ طلب ہے۔ بینک کیا ہے اور اسلامی بینک کیا ہے یہ بھی الگ الگ باب ہیں جن کا ذکر کیا جاچکا ہے ہمارا کہنے کا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ اسلامی بینکنگ کا مستقبل کیا ہے کیا اسلامی بینکنگ مسلمان ممالک میں اپنی حیثیت اور اہمیت قائم کر سکے گی یا پھر یہ محض ایک حیلہ ثابت ہوگی۔ اس سلسلے میں اپنی بات کو اس طرح آگے بڑھاؤں گا کہ اسلام میں فرضی باتوں کی گنجائش نہیں اور کاروباری لین دین میں ہر چیز کو کھول کر بیان کرنا یہاں تک کہ اپنی چیز کو فروخت کرتے وقت اس کی خامیوں تک کو بیان کرنے کا حکم ہے جبکہ آج کل ایسا بالکل دکھائی نہیں دیتا ہم تو اپنی چیز کی اچھائیوں میں اس قدر آگے نکل جاتے ہیں کہ جذبات میں ہم سامنے والے کی اچھائیوں کو بھی برائیوں اور خامیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

آج اسلامی بینکنگ میں بینک کا ماحول دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی بینکنگ میں اسلام کی باتیں صرف کاغذ کی حد تک ہیں بحیثیت مسلمان ہمارے رول ماڈل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور ان کی سنت ہے آپ ؟ کی بتائی ہوئی شریعت ہے جبکہ ہمارے سامنے ہم میں موجود کلام الٰہی ہے جس میں ہر چیز واضح موجود ہے۔ مگر افسوس اس وقت ہوتا ہے جب ہم عمل کرتے وقت یہ باتیں فراموش کر دیتے ہیں اور اپنے زیر استعمال کاروباری اور معاشی مسائل کو یہود اور کفار کے بنائے ہوئے طریقہ کار اور اصولوں سے جانچتے ہیں یہی وہ خامی ہے جہاں ہم مار کھا جاتے ہیں اور نا چاہتے ہوئے بھی وہ کام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جن کا ہمیں اسلام نے سختی سے منع کیا۔ اسلامی بینکنگ میں بھی یہی کچھ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا کیونکہ اسلامی بینکنگ میں کوئی چیز ایجاد نہیں کی گئی بلکہ وہ ہی چیزیں اپنائی گئی ہیں جو سودی بینکنگ میں کارفرما ہیں صرف نام تبدیل کر دیئے گئے ہیں۔ شریعہ ایڈوائزر کے طور پر کچھ لوگوں کو چند گھنٹوں کے لئے بٹھا کر اسلامی بینکنگ میں کسی نہ کسی بنا پر آئے ہوئے مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر پیسہ کما کر اپنی عمارت کھڑی کی جارہی ہے۔ اور یہی کچھ سودی بینکنگ میں بھی کیا جاتا ہے جب دوسرے کے پیسے سے بینک کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔ اسلامی بینکنگ کا وجود بھی مفتی محمد تقی عثمانی کی شخصیت پر کھڑا کیا گیا اور لوگوں نے مولانا محمد تقی عثمانی کی شخصیت کو دیکھتے ہوئے اسلامی بینکنگ میں سرمایہ کاری کی جس بنا پر بینک کو اپنی عمارت قائم کرنے کا موقع ملا۔ آج اگر اسلامی بینک کو دیکھا جائے کہ یہ کس کا کاروبار ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس میں سب شامل ہیں یہ کوئی جواب نہیں اس کے بعد سوال یہ اٹھتا ہے

کہ اسلامی بینک کے نام سے یہ کاروبار کیسے شروع کیا کس نے سرمایہ کاری کی اور اس میں کام کرنے والے عملے کے اخراجات اور دیگر اخراجات کیسے ادا کئے جاتے ہیں تو اس کا جواب بھی غیر تسلی بخش ملتا ہے جو ان وسوسوں کو جنم دیتا ہے کہ بینکنگ میں یہودی طرز عمل کو اپنا کر لوگوں کی بچتوں کو یکجاء کرنے کے بعد اس سرمایہ کو کسی ایسے کاروبار میں لگانا جس کی تحقیق بینک کا کلائنٹ نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے علم میں یہ بات ہوتی ہی نہیں اور نہ ہی اسے بتایا جاتا ہے جبکہ اسلام میں ہر چیز کا صاف اور شفاف طور پر پیش کرنے کا کہا گیا ہے۔

اب سوال اٹھتا ہے کہ بینک کی بنیاد کس نے رکھی۔ بینک کا امین کون ہے۔ اور اگر اس بینک میں کوئی نقصان ہوتا ہے یا کوئی جرم سرزرد ہو جاتا ہے تو اس کا فرد جرم کس کے کاندھوں پر ہوگا تو اس بات کا جواب کوئی نہیں دیتا مطلب یہ بلوے کا کیس ہوا جہاں مجرم کسی کو نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ اور اگر یہ سوال کریں کہ منافع کی تقسیم کس انداز میں ہوگی اور کتنا منافع بینک کے کاروباری سال میں ہو اور اس کاروباری سال میں بینک کے اخراجات کہاں سے ادا کئے گئے اتو اس کا جواب بھی خفیہ رکھا جاتا ہے بلکہ بتایا ہی نہیں جاتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلامی بینکنگ ایسا کاروباری ادارہ ہے جس کا کوئی ولی وارث نہیں ہے یہ چند مفروضوں کی بنیاد پر قائم عمارت لوگوں کی بچتوں پر قائم ہے اور بالکل سودی بینکنگ کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔ عام تاثر یہ ہے کہ اسلامی بینکنگ کی عمارت مفتی مولانا محمد تقی عثمانی کے کاندھوں پر قائم ہے جن کے دم سے اسلامی بینکنگ کی رونقیں ہیں اب بات کرتے ہیں مولانا صاحب کی تو آپ ایک انسان ہیں اور ہر انسان کو فنا ہے انتہائی معذرت کے ساتھ اگر مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کسی وجہ سے اس بینکنگ سسٹم سے دور ہو جاتے ہیں یا یہودی لابی کے کسی وار کے نتیجے میں اسلامی بینکنگ سے دور کر دیئے جاتے ہیں یا خدا نخواستہ رضائے الٰہی سے کوچ کر جاتے ہیں تو پھر اس بینکنگ کا وجود کہاں کھڑا ہوگا کیونکہ اس اسلامی بینکنگ کی ذمہ داری کو کوئی بھی قبول کرنے کو تیار نہیں۔ یاد رہے کے لوگوں نے صرف مولانا حضرت محمد تقی عثمانی کی شخصیت ان کی سچائی اور آپ کے اصولوں اور فتووں کو دیکھتے ہوئے آپ کی تحریروں کو پڑھنے کے بعد اسلامی بینکنگ پر یقین کیا اور اس میں سرمایہ کاری کی اگر کسی اختلاف کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے مولانا اس بینکنگ کو دیگر علماء کرام کے اسلامی دلائل سننے کے بعد غلط قرار دیتے ہیں تو ان لوگوں کے گناہ کا سہرہ کس کے سر ہوگا جنہوں نے اسلامی بینکنگ کے نام سے سودی بینکنگ سرانجام دی اور وہ تا حال اسے جائز قرار دے رہے ہیں۔

اب دیکھیں اس سلسلے میں محمد تقی عثمانی جیسے عالم نے جس انداز میں بیان کیا وہ یقیناً توجہ طلب ہے اور اسلامی بینکنگ پر سوالیہ نشان ہے جس کی وضاحت کون کرے گا یہ بھی ایک سوال ہے۔ مولانا صاحب اپنی کتاب غیر سودی بینکاری میں کہتے ہیں۔ غیر سودی بینکاری کا تصور ایک چیز ہے اور اس تصور کو عملاً نافذ کرنے کے لئے جو بینک قائم ہوئے ہیں وہ دوسری چیز ہیں میری تحریریں غیر سودی بینکاری کے نظریاتی پہلو سے متعلق ہیں۔ جن میں یہ بحث کی گئی ہے کہ اس غرض کے لئے کون کون سے طریقے اختیار کرنا جائز ہیں ان کی وجہ سے بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا بھر میں جتنے مالیاتی ادارے غیر سودی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں میں نے ان سب کے

جواز کا فتویٰ دیا ہے یہ بات درست نہیں۔ایسے حالات میں جب یہ دعویٰ بہت زور شور سے کیا جا رہا ہو کہ سود کے بغیر کسی کامیاب معیشت کا چلنا ممکن نہیں ہے اور بینکوں سے سود کا خاتمہ ناممکن ہے میں نے اپنی تحریروں میں بتایا ہے کہ بینکوں کو کس طرح سود سے پاک کیا جا سکتا ہے۔

اور انہی تحریروں میں وضاحت بھی کی گئی ہے۔جن کی پابندی عقود و معاملات کے لئے انتہائی ضروری ہے۔اور جب تک اس پابندی کا اطمینان نہ ہو میں کسی ادارے کے ساتھ معاملات کے جواز کا فتویٰ نہیں دیتا لہٰذا ان تمام اداروں کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔یہ بات علامہ صاحب نے کہہ کر اپنی جان چھڑائی ہے مگر اس بات پر ایک سوال اٹھتا ہے کہ آیا پاکستان میں جو بینکنگ اسلام کے نام پر ہو رہی ہے اس کی وضاحت کون کرے گا کیا اس بینکنگ پر علماء کرام متفق ہیں کیونکہ اس بات سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر جس نے مفتی محمد تقی عثمانی سے فتویٰ نہیں لیا وہ ادارہ مشکوک ہے اور ایسا ماضی قریب میں ہوا بھی ہے جب ایک کمپنی صرف مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے ایک بیان کے بعد بند ہوئی۔خیر اب آگے عثمانی صاحب اپنی اس کتاب میں وضاحت سے بیان کرتے ہیں کہ جن اداروں کے حالات و معاملات کی مجھے خود یا کسی قابل اعتماد عالم کے ذریعے کافی معلومات ہوتی ہیں ان کے بارے میں تو میں جواز کا فتویٰ دے دیتا ہوں لیکن جن اداروں کی مجھے مکمل معلومات حاصل نہیں ہوتیں ان کے بارے میں ہاں یا نا میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

البتہ ان کے شرعی نگرانی کرنے والوں سے رجوع کرنے کے بارے میں کہہ دیتا ہوں اور جس ادارے میں کسی قابل اعتماد عالم کی نگرانی نہیں ہے لوگوں کو اس سے معاملہ کرنے کا نہیں کہتا اور جن بینکوں سے معاملے کو جائز سمجھتا ہوں ان کے بارے میں کہہ دیتا ہوں کہ اگر آپ بینک سے تمویل کئے بنا کام چلا سکتے ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے اگر چہ آپ تمویل حاصل کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو سودی بینکوں کے بجائے ان سے رجوع کریں البتہ جن لوگوں کو بہر حال بینکوں سے واسطہ پڑتا ہی ہے ان کے لئے ایک جائز راستہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے جو اگر اخلاص کے ساتھ جاری رہے اور اسے تعاون حاصل ہو تو اس سے اسلامی معیشت کے اعلیٰ مقاصد کی طرف پیش قدمی بھی ہو سکتی ہے نیز عوام کی اکثریت جو ان بینکوں میں رقمیں رکھوانے پر مجبور ہے اس کے لئے بھی سود سے بچاؤ ممکن ہو جاتا ہے۔

اس بات پر جب بینک کے شرعی ایڈوائزر کو دیکھتے ہیں تو اسے بینک میں صرف دو گھنٹوں کے لئے موجود پایا جاتا ہے اور ان دو گھنٹوں میں نے زیادہ تر وقت اس شرعی ایڈوائزر کا گفت و شنید میں ہی گزرتا دکھائی دیتا ہے۔اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا اسلامی بینک کا عملہ اس قابل ہے کہ وہ اسلامی پیچیدگیوں کو سمجھ سکے اور بینک کے لین دین کو عین اسلام کے مطابق چلا سکے۔جب بینک کے عملے پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں ایم بی اے حضرات ہی دکھائی دیتے ہیں جنکا رول ماڈل اسلام کے بجائے سودی بینکاری نظام ہی ہوتا ہے اور وہ اس بینکنگ کی اصلاحات کو ہی اسلامی بینکنگ میں ڈھالنے کے حیلے تلاش کرتے دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ مضاربہ و مشارکہ میں دیکھنے میں آتا ہے اب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا وہ کون سے

بینک ہیں جن میں اسلامی اصطلاحات استعمال ہو رہی ہیں جبکہ اسلامی بینکنگ میں جو اصطلاحات استعمال ہو رہی ہیں وہ تو سودی بینکاری میں استعمال ہونے والی اصطلاحاتوں کے حیلے ہیں جنہیں اسلامی نام دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں بس یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ شراب کی بوتل پر اسلامی ٹیگ لگا کر اسے فروخت کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ جو واضح طور پر ایک ناجائز اور حرام چیز کو اسلامی لبادہ پہنا کر حلال اور اسلامی بینک کے نام کی پیکنگ میں خوبصورت بنا کر بازار میں رکھا جانے والا وہ بھیانک عذاب ہے جس کا خمیازہ روز قیامت نہ جانے کتنے کاندھوں پر ہوگا۔

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا کہ لوگوں نے اسلامی بینکاری نظام کو مفتی تقی عثمانی کی شخصیت کو دیکھتے ہوئے آپ کے فتووں کی روشنی میں اعتماد کیا اور اپنی بچتیں اس بینک میں کاروباری طور پر عین اسلام کے مطابق جمع کرائیں اور شراکت کا معاہدہ عمل پذیر ہوا۔ میری نظر میں یہاں بھی ہم اسلام سے بالکل ہٹ کر سودی بینکاری کے بھیانک جال میں جکڑ چکے ہیں کیونکہ اگر ہم نے بینک میں اپنی شراکت قائم کرتے ہوئے کاروبار میں پیسہ لگایا ہے تو ہم جب تک وہ کاروبار مکمل نہ ہو جائے ہم اپنا سرمایہ نہیں نکال سکتے اس طرح منجدھار میں کشتی کو چھوڑنے کا جرم لاگو ہوتا ہے اور اگر بینک میں امانت کے طور پر رقم رکھی ہے تو امانت کی اسلامی شرائط کی پابندیاں ایسا کرنے سے روکتی ہیں جبکہ مضاربہ کی پیچیدگیاں بھی اپنی جگہ قائم و دائم ہیں جن کا تفصیلی ذکر آگے ایک الگ باب میں کروں گا۔ ابھی فی الحال تقی عثمانی صاحب کے ایک بیان پر اپنی اس بحث کو ختم کروں گا۔ لوگوں کا خیال ہے جیسا کہ میں نے اوپر بھی تحریر کیا کہ اسلامی بینکنگ میں علامہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو اسلامی بینکاری یا غیر سودی بینکاری کا موجد یا اس کا بانی قرار دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں مولانا صاحب نے اپنی اسی کتاب غیر سودی بینکاری میں ایک تحریری بیان دے کر اسلامی بینکاری کے وجود کی عمارت کو ہلا دیا ہے آپ کہتے ہیں میں اسلامی بینکاری یا غیر سودی بینکاری کا موجد یا بانی نہیں ہوں غیر سودی بینک جب قائم ہونا شروع ہوئے اس وقت میرا اس میں کوئی کردار نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ میں اسلامی نظریاتی کونسل کا رکن تھا جس نے اس موضوع پر رپورٹ تیار کی لیکن شرق اوسط میں دو تین غیر سودی بینک اس سے پہلے قائم ہو چکے تھے۔ پھر جب غیر سودی بینکوں کی تعداد بڑھنے لگی اور میں نے محسوس کیا کہ ان میں بیشتر مرابحہ اور اجارہ کی بنیاد پر چل رہے ہیں لیکن ان کے کوئی مدون قوائد نہیں ہیں جن کی وہ اپنے طریق کار میں پابندی کریں اور مجھے خطرہ ہوا ایسی کسی کتاب کی غیر موجودگی میں یہ ادارے شروع ہی سے غلط راستے پر پڑ سکتے ہیں

تو اس وقت میں نے An Introduction of Islamic Finance کے نام سے کتاب لکھی اور انگریزی میں اس لئے لکھی کہ اسے ہر جگہ آسانی سے پڑھا جا سکے جہاں غیر سودی بینک قائم ہو رہے ہیں بعد میں اس کا ترجمہ مولانا محمد زاہد صاحب نے اسلامی بینکاری کی بنیادیں کے نام سے کیا۔ کیونکہ شاید یہ پہلی کتاب تھی جس میں اسلامی بینکاری کا احکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا اس لئے وہ اللہ کے فضل سے کامیاب ہوئی اس لئے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی بینکنگ کا آغاز میں نے کیا۔ جبکہ بعض افراد یہ

سمجھتے ہیں کہ پاکستان میں جتنے غیر سودی بینک ہیں وہ میری نگرانی میں چلتے ہیں یا میرے مشورے کے تحت چلتے ہیں یہ بات بھی درست نہیں ہے۔

میرا براہ راست تعلق پاکستان میں میزان بینک بینک اسلامی اور خیبر بینک سے رہا ہے۔جبکہ بعض افراد یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان بینکوں کا بانی ہوں یا مالک ہوں یا پھر شیئر ہولڈر ہوں یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ یہ بات کہنے کے بعد مفتی تقی عثمانی صاحب کی نظر میں یہ مندرجہ بالا تین بینکوں سے آپ کی وابستگی کا اعلان انہیں درست اور اسلامی قرار دیتا ہے کیونکہ آپ کا تعلق ان سے ہے جسکا آپ نے اعتراف کیا تو کیا بینک نام اسلام کے عین مطابق ہے کیونکہ بینک یا کمپنی کے انداز کی کاروباری شکلیں اسلام میں کہیں نہیں ملتیں۔اسلام میں تو ملکیت کا دعوی دار ہی چیز کو فروخت کرسکتا ہے یا اس پر کوئی تمویلی کام سرانجام دے سکتا ہے جبکہ بینک تو شراکت کی بنیاد پر قائم ہے اور اس کی ملکیت کا دعویٰ کوئی نہیں کرتا۔اور پاکستان میں غیر سودی بینکنگ کے بانی تصور کئے جانے والے مفتی محمد تقی عثمانی بھی یہ بات کہہ چکے ہیں کہ وہ پاکستان میں اسلامی بینکنگ کے موجد نہیں ہیں بلکہ ان سے پہلے اسلامی بینکوں کا وجود عمل میں آچکا تھا ان کے اس بیان کی روشنی میں ایک سوال میرے ذہن میں مچلتا ہے کہ آیا وہ بینک جو بقول مفتی صاحب کے اسلام کے نام پر پہلے ہی وجود میں آچکے تھے وہ کون سے ہیں اور انہیں کس نے متعارف کرایا کہیں ایسا تو نہیں کہ اسلامی ممالک میں مسلمانوں کو الجھانے کے لئے یہ یہودی لابی ہی کی کوئی سازش نہ ہو اس کی تحقیق بھی علماء کرام پر واجب ہو جاتی ہے کہ آیا اسلامی بینکنگ کا بیج کس نے بویا اور کیوں بویا گیا۔کہیں اسلامی بینکنگ بھی غذائی اشیاء کا کام کرنے والی ملٹی نیشنل کمپنیوں جو کہ خالصتاً یہودی لابی کی ملکیت ہیں کی اس سازش کا حصہ تو نہیں جب انہوں نے غذائی اشیاء پر حلال لکھ کر انہیں اسلامی ممالک میں فروخت کرنے اور وہاں سے سرمایہ سمیٹنے کے لئے رچی تھی یہ بات بھی غور طلب ہے جس کا ذمہ علماء کرام کے کاندھوں پر آتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی تحقیق کے سلسلے کو وسیع کریں اور کسی ایک پلیٹ فارم پر متفق ہو کر ایک مشترکہ فتویٰ جاری کریں جس سے مسلمان فائدہ اٹھا سکیں۔

اور اب سودی اور غیر سودی بینکنگ بھی اسی قسم کی ایک سازش کے تحت عمل پذیر ہوئی ہے یہ تمام باتیں مفتی تقی عثمانی صاحب کے اس بیان کو پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں گردش کرنے لگیں جو میں نے اوپر تحریر کیا ہے بظاہر اسلامی بینکنگ مسلمانوں کے لئے انتہائی اہمیت کی حامل ہے اور ہونی بھی چاہیے مگر موجودہ غیر سودی بینکنگ نام کی تو اسلامی ہے مگر موجودہ غیر سودی بینکوں میں استعمال ہونے والی اصطلاحات بھی سودی بینکوں میں استعمال ہونے والی اصطلاحاتوں کے زیر اثر ہیں یا یہ کہیں کہ ان سودی اصطلاحاتوں پر اسلامی نام کا لیبل لگا کر مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کیا جارہا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ان تمام باتوں کی روشنی میں اسلامی بینکوں کے مستقبل پر کئی سوالیہ نشان ہیں جن کے جواب موجودہ اسلامی بینکنگ کی عمارت میں دراڑیں ڈال سکتے ہیں اور یہ کھوکھلی عمارتیں زمین بوس ہوسکتی ہیں کیونکہ دراصل اسلامی بینکوں نے کوئی الگ سے تمویلی طریقہ بنائے ہی نہیں ہیں بلکہ جو بھی طریقے اختیار کیے گئے وہ بلاشبہ سودی بینکوں میں رائج طریقے ہیں جنہیں صرف اور صرف اسلام

کا نام دے کر مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا ہے۔ جو بالآخر دنیا کے سامنے آ جائے گا اور اسلامی بینکنگ کے نام پر شروع یہ کاروبار اپنے انجام کو پہنچ جائے گا۔

کتاب بیوع کے مقاصد حرام سے پرہیز کرنا ہے

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے استدعا کی۔ یارسول اللہ ﷺ دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے ان لوگوں میں سے بنائے جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا: اے سعد! اپنی غذا پرہیز اور حلال رکھو تو تمہاری دعائیں قبول ہوں گی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، جب کوئی شخص حرام غذا کا ایک لقمہ پیٹ میں ڈالتا ہے تو چالیس دن تک اس کا کوئی بھی نیک کام قبول نہیں ہوتا۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہم حلال کے ستر حصے اس خدشہ کی بناء پر چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں ہم حرام کے ایک حصے میں نہ پھنس جائیں۔ (ریاض الصالحین)

انسان کے دل میں جب حلال کیلئے تڑپ پیدا ہو جاتی ہے تو وہ نہ صرف ہر حرام بلکہ مشتبہ چیزوں سے بھی اپنے دامن کو پاک رکھتا ہے، اگر غلطی سے کوئی چیز اس کے پیٹ میں چلی جائے تو اس وقت تک اسے قرار نہیں آتا جب تک کہ وہ اسے باہر نہ نکال دے اس کے بعد بھی وہ اللہ تعالیٰ سے لرزاں ترساں رہتا ہے کہ کہیں قیامت کے دن اس کے پیٹ میں باقی رہ جانے والے ذرات کے متعلق سوال نہ ہو جائے۔

بزرگانِ دین کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ ہدیہ یا کسی اور طرح سے حاصل ہوا، ایک درہم جو حلال نہ ہو، واپس کرنا میرے لئے اس سے مقدم ہے کہ میں چھ ہزار درہم خیرات میں دے دوں۔ اللہ ہم سب کو حرام کی ہر آمیزش سے محفوظ رکھے! آمین

شرح ہدایہ جلد دہم کے اختتامی کلمات

الحمد للہ! آج بروز پیر ۱۱ محرام الحرام ۱۴۳۴ھ بمطابق ۲۶ نومبر ۲۰۱۲ء کو شرح ہدایہ کی دسویں جلد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت کے تصدق سے پایہ تکمیل تک پہنچ گئی ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو میرے لئے، میرے والدین، میرے اساتذہ کرام اور وہ احباب جنہوں نے شرح ہدایہ دسویں جلد کی پروف ریڈنگ کی اور جملہ قارئین کے لئے بخشش کا ذریعہ بنائے

آج اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ دنیا کی ترقی اور لوگوں کے افراتفری کے ماحول میں دینی احکام کو جاننا ایک مسلمان کیلئے بہت اہم ہے خاص طور کاروبار اور مال جمع کرنے کیلئے آئے دن نئی سکیمیں، نئے طریقے کار وضع کیے جا رہے ہیں۔ تاہم مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کسی بھی ایسے کاروباری طریقے سے باز رہیں جو دوسروں کے اموال کیلئے نقصان دہ یا دوسروں کے اموال کو ہڑپ کرنے